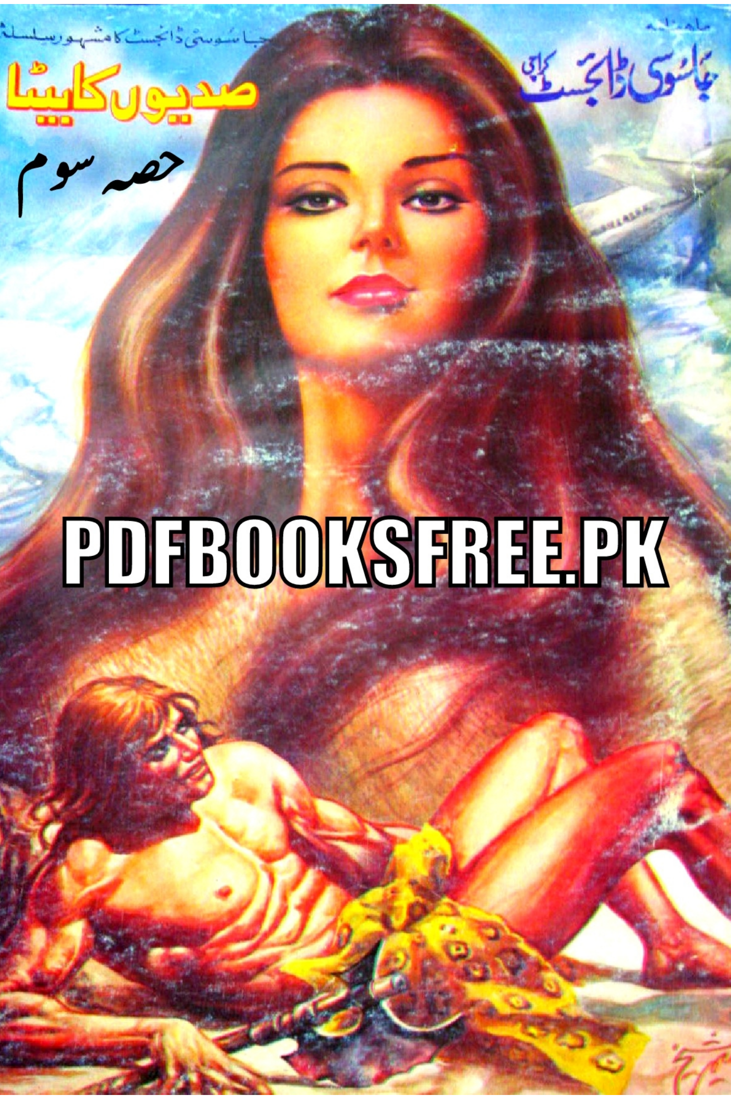


ماہنامہ
جاسوسی ڈائجسٹ کراچی
جاسوسی ڈائجسٹ کا مشہور سلسلہ
صدیوں کا بیٹا
حصہ سوم
PDFBOOKSFREE.PK

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

اس انسان کی کہانی جو صدیوں سے زندہ ہے اور شاید آج بھی کہیں موجود ہو

صدیوں کا بیٹا

ایم اے راحت





انسان کے ترقی و تنزل کے خیال افروز واقعات

وقت کی کہانی صدیوں کے بیٹے کی زبانی

بڑے احترام سے وہ لوگ مجھے اندر لے گئے۔ لچھی پریم کی ماری میرے پیچھے پیچھے آئی تھی۔ دوسرے لوگوں کو اندر آنے سے روک دیا گیا لیکن میری ہدایت پر بڑے احترام سے لچھی کو اندر لایا گیا۔ بڑا پجاری زبردست عقیدت کا اظہار کر رہا تھا۔ بہرحال مندر میں آکر میں ڈولی سے اُتر آیا اور میں نے گہری سانس لیکر پجاری کی طرف دیکھا۔

"آپ کا استھان عام یاتریوں کے ساتھ نہیں ہے مہاراج! مندر میں آپ کے لیے جگہ موجود ہے۔ یہاں پدھاریں آپ کی سیوا ہماری خوش نصیبی ہوگی۔" پجاری نے کہا۔

"ہمارے لیے ہر جگہ ایک جیسی ہے مہاراج! پرنتو آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے لیکن ہماری جوگن ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔" میں نے لچھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"دیوی جی کو بھی کوئی تکلیف نہ ہوگی مہاراج!" پجاری نے کہا اور پھر ہمیں مندر کے اندرونی حصے میں ایک نہایت پُرسکون جگہ پہنچا دیا گیا۔ کافی کشادہ کمرہ تھا جس میں آرائش اور ضرورت کی ساری چیزیں موجود تھیں اور پھر ان لوگوں نے مجھے آرام کے لیے چھوڑ دیا۔

تب میں نے لچھی کی طرف دیکھا۔ لچھی سہمی ہوئی سی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ارے، لچھی! کیا بات ہے، تم اتنی خاموش کیوں ہو؟"

"ہم کیا کہیں الوپی؟" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیوں؟"

"تم تو۔۔۔ تم تو ہماری سمجھ سے اُونچے ہو۔ اگنی بھی تمھیں نہیں بھسم کر سکتی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہم تمھارے بارے میں کیا سوچیں؟"

"اب بھی کچھ سوچنے کی ضرورت ہے جانِ من۔ سب کچھ ہونے کے باوجود میں تمھارا مرد نہیں ہوں!"

"ہو۔" لچھی کی گردن شرم سے جھک گئی۔

"بس تو۔ اس کے علاوہ کچھ مت سوچو۔" میں نے اسے قریب گھسیٹ لیا اور وہ میرے سینے میں منہ چھپا کر مسرت میں ڈوب گئی۔ اس کی بوجھل سانسیں اور چہرے کی سُرخی اس کے کیف اور سرور کا پتہ دے رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ مجھ سے لپٹی رہی اور پھر علیحدہ ہو گئی۔

"ہم یہاں تک تو آ پہنچے ہیں لچھی! ابھی آگے بھی بہت کچھ ہونا ہے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج! بس مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"تجھے ڈر کیوں لگتا ہے پگلی! میں تجھ سے کہہ چکا ہوں، تیرا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔" میں نے جواب دیا اور اسی وقت دو پنڈے ہاتھوں میں بڑے بڑے تھال لیے ہمارے پاس پہنچ گئے۔ انھوں نے دروازے پر رُک کر اندر آنے کی اجازت طلب کی اور ہماری اجازت پر اندر آئے۔ تھالوں میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ وہ انھیں رکھ کر چلے گئے۔ میں نے اور لچھی نے کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔ تکلف

کی بات ہی نہیں تھی، بہرحال ہمیں اب وہاں کچھ وقت گزارنا تھا۔

لیکن جھٹپٹے کے وقت چند خوبصورت لڑکیاں اندر آئیں اور انھوں نے لچھمی کو ساتھ لیجانے کی اجازت مانگی۔

"اوہ! تم اسے کہاں لیجاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

"سنگھار کریں گے مہاراج۔ رات کی پوجا میں شریک ہونگی دیوی جی!"

"اوہ! ٹھیک ہے [illegible] لیکن اس بات کا خیال رکھنا، ہم نے جیون پہاڑوں میں بتایا ہے ہمیں [illegible]سار کی بہت سی باتیں نہیں آتیں۔ کوئی بات جو گن نہ سمجھے تو اسے بچوں کی طرح سمجھا دینا۔"

"آپ چنتا نہ کریں مہاراج!" انھوں نے کہا اور وہ لچھمی کو لے کر چلی گئیں۔ تنہائی میں، میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ سارے کھیل بہرحال میرے لیے تو دلچسپ تھے۔ کچے عقیدے کے توہمات پسند لوگ بہرحال مجھ سے بہت متاثر ہو جائیں گے۔ ابھی تو میں نے پورے کھیل نہیں دکھلائے ہیں۔ بہرحال میں ان کے مذہب کی کچھ باتوں سے متاثر ہوا تھا اور اس کے بارے میں پوری طرح جان لینا چاہتا تھا! اس کے لیے ایک ایک قدم ہی اٹھایا جا سکتا تھا، بیک وقت ساری باتیں تو بمشکل ہی سمجھ میں آسکتی تھیں۔

پھر چند اور پنڈے آ گئے۔ بڑا پجاری بھی ان کے ساتھ تھا۔ پنڈوں کے ہاتھوں میں تھال تھے۔ بڑے پجاری نے دونوں ہاتھ جوڑے اور بولا۔

"مہاراج! اگر پوجا میں ہمارے ساتھ شریک ہوں تو۔"

"ہمارا شریک ہونا ضروری ہے مہاراج؟"

"ہماری خوشی ہے مہاراج، اگر آپ کو منظور ہو تو!"

"ٹھیک ہے۔ سنسار میں کسی کی خوشی پوری کر دینا بہت بڑا کام ہے۔ ان تھالوں میں کیا ہے؟"

"یہ لوگ آپ کے کپڑے لائے ہیں مہاراج۔ یہ آپ کی مدد کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلادی اور پھر پنڈے اپنی کارروائی کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے بدن پر خوبصورت اور نفیس کپڑے کی دھوتی تھی۔ گلے میں جنئو اور ماتھے پر قشقہ۔ ان لوگوں نے خوب درگت بنائی تھی لیکن شاید ان کے عقیدے کے مطابق میں کچھ اچھا ہی لگ رہا تھا، سب نے ہاتھ جوڑ کر عقیدت کا اظہار کیا۔

پوجا میں زیادہ لوگ شریک نہیں تھے کیونکہ عام پوجا نہیں تھی، صرف مندر کے پجاری وغیرہ تھے۔ بڑا پجاری ضرورت سے زیادہ ہی میرا عقیدتمند ہو گیا تھا۔ اس نے میرے ہاتھوں سے پوجا کرائی! اس کے بعد مندر کی داسیوں نے رقص کیا۔ بڑا خوبصورت رقص تھا۔ لچھمی بھی ان کے درمیان موجود تھی اس نے نہایت حسین اور مختلف رنگوں کا لباس پہنا ہوا تھا اور وہ نہایت عقیدت سے کرشن بھگوان کی مورتی کے سامنے ہاتھ باندھے آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔ اس وقت خود بھی وہ کوئی مورتی ہی معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر میں پوجا کی طر[illegible] متوجہ ہو گیا۔ کوئی مشکل کام نہیں تھا میں اس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر پوجا ختم ہو گئی اور پجاری پرشاد کا تھال لیکر میرے پاس آ گیا میرے ہاتھوں سے پجاریوں میں پرشاد تقسیم کرائی گئی اور یہ مختصر پروگرام ختم ہو گیا۔

پھر بڑا پجاری میرے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا "میرا نام نمبودری پرشاد ہے مہاراج! آپ کا داس ہوں۔ آپ کا مہان گیان دیکھ کر میرا من آپ کا داس ہو گیا ہے۔"

"سب بھگوان کی لیلا ہے نمبودری پرشاد!" میں نے کہا۔

"میں آپ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں مہاراج۔ پرنت جب آپ پسند کریں۔ آپ نے دن بھر اگن تپسیا کی ہے اگر آپ تھک گئے ہوں تو داس صبح کو حاضری دے۔"

"یہی ٹھیک ہے نمبودری۔" میں نے کہا۔

"جو آگیا مہاراج!" نمبودری نے کہا اور پھر میں واپس اپنے حجرے میں آ گیا۔ لچھمی بھی تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس پہنچ گئی تھی۔ میں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور لچھمی بھی مسکرادی۔ وہ ابھی تک اسی لباس میں تھی اور مشعلوں کی روشنی میں بے حد حسین نظر آرہی تھی۔

میں نے لچھمی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے نزدیک کر لیا "خوش نظر آرہی ہو لچھمی؟"

"ہاں مہاراج! من کو بڑی شانتی ملی ہے" اس نے جواب دیا۔

"اپنے گھر بھی تم پوجا کرتی تھیں؟"

"ہاں!"

"مندر بھی جاتی تھیں؟"

"کبھی کبھی مہاراج۔ روزانہ نہیں اور بڑی پوجا پر تو سب ہی مندر جاتے ہیں۔ ویسے ان داسیوں نے میری بڑی سیوا کی ہے۔ سب تمھارے بارے میں پوچھ رہی تھیں انوپی!"

"کیا پوچھ رہی تھیں؟"

"یہی کہ مہاراج کو اتنا گیان کہاں سے ملا۔ اس سے پہلے وہ کہاں تھے وغیرہ! اور بھی کچھ پوچھ رہی تھیں پاپنیں کہیں کی!" لچھمی شرما کر بولی۔

"ارے، اور کیا پوچھ رہی تھیں؟"

"بس — یہی کہ مہاراج — تم سے پریم کرتے ہیں کیا؟"

"اوہ! تو نے کیا جواب دیا لچھمی؟"

"ہماری زبان ہی نہیں کھلی، ہم کیا کہتے ان سے۔" لچھمی نے ادائے محبوبانہ سے کہا اور میں مسکرا دیا! اس کے بعد ہمیں کسی نے پریشان نہیں کیا اور لچھمی آرام سے میرے بازوؤں میں سر چھپا کر سو گئی۔ ہاں صبح کو ہم جلدی اٹھے۔ مندروں میں سب سورج نکلنے سے پہلے جاگنے کے عادی ہوتے ہیں اس لیے مجھے بھی خیال رکھنا تھا۔

دوسرا دن بھی حسب معمول تھا۔ صبح کی پوجا میں، میں شریک نہیں ہوا تھا، نہ ہی لچھمی۔ البتہ ہم دونوں نے اشنان کیا تھا اور پھر دن چڑھے بھوجن آ گیا جو میں نے اور لچھمی نے کھا لیا۔ سارے کاموں سے فارغ ہو کر نمبودری پرشاد ہمارے پاس آ گیا! اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ہمیں پرنام کیا تھا۔

میں نے ہاتھ بلند کر دیا اور پجاری ادب سے بولا "کل کے مہان سادھو کے بارے میں لوگوں کو زیادہ معلوم نہیں تھا لیکن اب یہ خبر آگ کی طرح پھیل چکی ہے مہاراج کہ بلدیوا میں ایک ایسا گیانی موجود ہے جو اگن تپسیا کرتا ہے۔ لوگ آپ سے ملنے کے لیے بار بار مندر آرہے ہیں مہاراج! وہ آپ کے درشن کرنا چاہتے ہیں۔"

"پھر تم نے ان سے کیا کہا؟" میں نے پوچھا۔

"پنڈے انھیں اندر نہیں آنے دے رہے۔ مہاراج کی آگیا کے بنا یہ کیسے ممکن ہے۔"

"تم نے ٹھیک کیا ہے نمبودری پرشاد! ہم ابھی کسی سے نہیں ملیں گے۔"

"شام کی پوجا کے بعد انھیں درشن دے دیں مہاراج۔ یہ کہہ کر انھیں ٹالا جا سکتا ہے۔"

"جیسا تم پسند کرو۔"

"کچھ باتیں اور کرنی چاہتا ہوں مہاراج!"

"ہاں نمبودری! کہو؟"

"میں مہاراج کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، دوسرے لوگ مجھ سے پوچھیں گے تو کیا کہوں گا؟"

"تم ہمیں کرشنو کا کہہ سکتے ہو نمبودری! پورا جیون پہاڑوں میں گزارا۔ پھر بھگوان کی اچھا ہوئی تو بستیوں میں آ گئے۔ سارا جیون ہم نے گیان میں بتایا ہے۔ ہم نہیں جانتے ہمارے پاس کیا کیا ہے۔ بس جو کچھ ہے بھگوان کا دیا ہوا ہے۔"

"جے بھگوان — جے کرشنو کا۔" پجاری نے عقیدت سے کہا۔ لچھمی کے بارے میں اس نے خاص طور سے سوالات نہیں کیے تھے اور بہرحال یہ اچھا ہی تھا۔

پورا دن پُرسکون گزر گیا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی لیکن شام ہوتے ہی ہو[illegible] شروع ہو گئے۔ دیوداسیاں لچھمی کو پھر لے گئیں اور اس طرف میرا بناؤ سنگھار شروع ہو گیا۔ شام کی پوجا میں بھی میں شریک نہیں ہوا لیکن اس کے بعد مجھے مندر کی بالائی منزل کے جھروکے میں لایا گیا۔ درحقیقت باہر یاتریوں کا زبردست مجمع تھا۔ وہ سب میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے آ گئے تھے اور میں جھروکے میں آ کھڑا ہوا۔

یاتریوں نے اور ان میں شامل پنڈوں نے کرشنو کا مہاراج کی جے کے زبردست نعرے لگائے اور دیر تک نعرے لگاتے رہے میں نے مسخروں کی طرح ہاتھ ہلائے تھے۔

یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے پروفیسر کہ دنیا نے مجھے دنیا ساز بنا دیا تھا میں نے جنگلوں میں شیروں کی سی زندگی بسر کی تھی اور میں تھا بھی شیر۔ بلاشبہ دوسرے انسانوں کو میں گیدڑ کی حیثیت دیتا تھا جو میرے سامنے کسی طور ٹھہر ہی نہیں سکتے تھے لیکن بہرحال مجھے ان کی زندگی کے بارے میں معلومات درکار تھیں اس لیے میں ان کا عمل بھی سیکھ گیا تھا اور اب میں وہ ساری حرکتیں کر سکتا تھا جو انھیں درکار تھیں۔ میں نے ان لوگوں کے طور طریقے اور ان کی زبان کسی حد تک جان لی تھی لیکن ابھی میں ان کے بارے میں جاننے کا دل سے خواہشمند تھا اس لیے مجھے ان میں گھلنا ملنا ہی تھا۔

یاتری ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اب وہ سب خاموش ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔ پجاری بڑے احترام سے مجھے میرے حجرے میں چھوڑ گیا تھا۔ یہاں لچھمی بھی آ گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ میں نے گہری سانس لیکر اس کی طرف دیکھا اور وہ مسکرادی۔

"تم بہت خوش ہو لچھمی؟"

"ہاں مہاراج!"

"اب تو تمھارے من میں کوئی ڈر نہیں ہے؟"

"ڈر نکلتا جا رہا ہے مہاراج!"

"اوہ! ابھی ہے؟" میں نے کہا۔

"تھوڑا تھوڑا انوپی۔" لچھمی نے آگے بڑھ کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں "بس نہ جانے من کبھی کبھی کیوں ہولنے لگتا ہے۔ میں سوچتی ہوں بھگوان کرے یہ کوئی سپنا نہ ہو، آنکھ کھلے تو کچھ نہ ہو سوائے چتا کے لپکتے شعلوں کے۔" لچھمی مجھ سے چمٹ گئی اور میں اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ان خیالات کو اپنے ذہن سے نکال دو لچھمی! کیا تمھیں میرے اوپر اعتماد نہیں ہے؟"

"ہے مہاراج! تمھارے اوپر تو اب پورا اعتماد ہے۔"

"بس تو سو[illegible] د۔ تمھارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"سچ مچ بھگوان نے آکاش سے تمھیں میری سہائتا کے لیے بھیجا تھا انوپی۔ میں تو اب بھی یہی سمجھتی ہوں کہ تم آکاش سے اترے ہوئے ہو۔"

"میں بتا چکا ہوں جو کچھ میں ہوں، اس سے زیادہ مجھے کچھ نہ سمجھو۔" میں نے جواب دیا! اسی وقت ایک پنڈے نے اندر آنے کی اجازت مانگی اور میں نے اسے بلا لیا۔ پنڈا دونوں ہاتھ جوڑ کر جھکا پھر بولا۔

"سوامی مہاراج آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بڑے پجاری جی؟"

"ہاں مہاراج!"

"کہاں ہیں وہ؟"

"رکھ شالا میں ہیں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں مہاراج!" پنڈے نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ پھر میں نے لچھمی کو آرام کرنے کا مشورہ دیا اور خود پنڈے کے ساتھ چل پڑا۔ رکھ شالا ایک طرح کا نشست کا کمرہ تھا، وہاں تین آدمی موجود تھے، چوتھا نمبودری پرشاد تھا۔ تینوں آدمی شکلوں سے معزز نظر آتے تھے۔ انھوں نے جھک کر میرے پاؤں چھوئے۔

"یہ ٹھاکر مدین داس ہیں مہاراج! یہ ترلوک چند اور یہ گوونداس جی۔ تینوں ہی بڑے اچھے لوگ ہیں۔ مندروں کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ آپ سے ملنے کو آئے ہیں مہاراج!" نمبودری نے کہا۔

"دھن ورد۔" میں نے کہا۔

"آپ جیسے مہان گیانی ہماری بستی میں پدھارے۔ ہمارے بھاگ مہاراج۔" تینوں نے کہا۔

"ہم چاہتے ہیں مہاراج، آپ ایک ایک دن ہمارے گھروں کو رونق بخشیں، بھوجن ہمارے ساتھ کریں۔"

"بھگوان تمھیں عزت دے بھائیو۔ سادھو کو ان سنسار کی باتوں سے دُور ہی رہنے دو۔ تمھاری کرپا ہوگی۔ کچھ روز تمھاری بستی میں گزاریں گے، پھر یہاں سے چلے جائیں گے۔ پہاڑوں میں، ویرانوں میں، ہمیں سنسار کا لوبھ اور کہیں کونے میں پڑا رہنے دو۔" میں نے کہا۔

"جو آگیا مہاراج! بس ہماری خوشی ہوتی۔ پرنت ہم مہاراج کے لیے اچھنا تو بھیج سکتے ہیں؟"

"ساری چیزیں ہمارے لیے بیکار ہیں۔"

"مہاراج ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائیو، انھیں ان باتوں کی چنتا کہاں ہوتی ہے۔" بہرحال تھوڑی دیر تک وہ تینوں میرے پاس بیٹھے رہے اور پھر چلے گئے۔

"گیانیوں کا گیان کہاں چھپتا ہے مہاراج! لوگ دیوانے ہو گئے ہیں — نہ جانے کیا کیا منوکامنائیں لیکر آ گئے ہیں سُسرے۔ کس کس کو منع کروں؟" پجاری نے کہا۔

"ہاں۔ پگلے بھگوان کو بھول کر مُنش سے گیان مانگتے ہیں۔"

"پر وہ بھگوان کے اتنے قریب بھی تو نہیں ہیں مہاراج۔ میں نے بہتوں کو ٹالا ہے مہاراج۔ مجھے شما کریں لیکن بہت سے ایسے ہیں جنھیں میں بھی منع نہیں کر سکا۔"

"کچھ اور لوگ بھی ہیں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ امانند جی اور ان کی دھرم پتنی بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ کسی طور نہیں ٹلے۔ اب آپ ہی بتائیں مہاراج، میں کیا کروں؟"

"کیا چاہتے ہیں وہ؟"

"بس آپ کی سیوا میں حاضری چاہتے ہیں۔"

"ان کے علاوہ کوئی اور بھی ہے؟"

"بہت سے تھے۔ پگلے منوکامنائیں سجائے دوڑے آئے ہیں، کس کس کو ٹالوں۔ بڑی مشکل سے ان سب کو ٹالا ہے مہاراج!"

"انھیں بھی بھیج دو۔" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔ بہرحال یہ بھی ایک دلچسپ تجربہ ہوگا۔ لوگ اپنی اپنی کہانیاں سنائیں گے، دیکھیں تو سہی ان کے مسائل کیا ہیں۔

اور چند منٹ کے بعد ایک دلچسپ جوڑا اندر داخل ہوا — ایک کالا اور موٹا سانڈ تھا جو سفید کرتے اور دھوتی میں خوب چمک رہا تھا۔ اس کی عمر ساٹھ سال سے کم نہ ہوگی۔ لمبا چوڑا تھا لیکن چہرے پر حماقت نمایاں تھی۔ بس نہ جانے کیوں وہ مرد ہوتے ہوئے بھی مرد نہیں لگتا تھا لیکن اس کے ساتھ ایک دبلی پتلی سی کامنی سی عورت تھی۔ سفید ساڑی جس کی لال کناری تھی، سیدھی مانگ، دُھلا دُھلا چہرہ، تیکھے نقوش، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن میں خاص چمک تھی۔ چہرہ سپاٹ، جذبات سے عاری۔ بڑا متضاد جوڑا تھا۔ کسی طور سے ایک دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔

مرد نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ عورت اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ "اری، کیا دیکھ رہی ہے، پرنام کر مہاراج کو۔" مرد نے جلدی سے کہا اور عورت نے بے زاری سے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

میں نے ہاتھ اٹھایا اور دونوں کو آشیرواد دیا۔ تب مرد نمبوری پرشاد کی طرف مخاطب ہوا۔ "اگر بُرا نہ مانیں مہاراج تو ہم اکیلے میں مہان رشی سے بات کرلیں۔"

"ہاں ہاں۔ ضرور۔ بھگوان تمھاری منوکامنا پوری کریں۔" نمبوری نے کہا اور باہر نکل گیا۔ تب مرد نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کردیا اور پھر دانت نکالے ہوئے میری طرف بڑھا۔

"ہے مہابلی، ہے مہارشی۔ تم بڑے گیانی ہو۔ بھگوان نے تمھیں آورش دیا ہے۔ اگن تمھیں جلا نہیں سکتی۔ میری چنتا دُور کردو مہاراج! میری من کی مراد بھی پوری کردو مہابلی!" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"من کی مرادیں بھگوان پوری کرتا ہے۔ تمھیں کیا دُکھ ہے؟" میں نے پوچھا۔ ویسے اس مسخرے کی بکواس اور اداکاری پر مجھے ہنسی آرہی تھی۔

"بھگوان نے سب کچھ دیا ہے مہاراج۔ دھن دولت، پر اولاد نہیں دی مہاراج۔ میرا نام امانند ہے۔ بہت بڑا کاروبار ہے، سب کچھ موجود ہے۔ یہ میری دھرم پتنی سرُوج ہے۔ پر — پر مہاراج۔ آج تک میں اس کا پتی نہیں بن سکا۔"

"اوہ!" میں نے گہری سانس لی۔

"مجھے بالک کی بڑی خواہش ہے مہاراج۔ پر میرے بھاگ!"

"تم آج تک اس کے پتی کیوں نہیں بن سکے؟"

"بس نہیں بن سکا مہاراج۔ کوئی اس کے سر ہے۔ جب بھی میں اس کے پاس جاتا ہوں، یہ مجھے مار بھگا دیتی ہے۔" کالے سانڈ نے بے چارگی سے کہا اور میں نے بڑی مشکل سے قہقہہ ہضم کیا۔

"کون ہے اس کے سر؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی مردار تیلیا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں نے کوشش کی ہے مگر وہ ان کے ہاتھ نہیں لگا۔ بس وہ تو اسی سمے آتا ہے جب میں اس کے پاس جاؤں ہوں۔" موٹے آدمی کے چہرے پر بڑی حسرت تھی۔ شکل سے ہی فقیر معلوم ہوتا تھا کم بخت۔ کسی طور اس حسین عورت کا جوڑ نہیں تھا۔ میں اس "تیلیا" کے بارے میں غور کر رہا تھا اور پھر میں نے گردن ہلائی۔

"تمھاری شادی کو کتنے دن ہوئے امانند؟"

"پچیس سال مہاراج!" امانند جھونک میں بولا۔

"کیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اوہ۔ مم۔ میرا مطلب ہے میری پہلی شادی کو پچیس سال بیت چکے ہیں۔"

"اوہ!" میں نے گردن ہلائی۔ "بیوی کا کیا ہوا؟"

"دھیانت ہوگیا!"

"دوسری شادی کب ہوئی تھی؟"

"تیئس سال پہلے مہاراج!" امانند نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"اور تیسری؟" میں گہری سانس لیکر بولا۔

"تیسری کو بھی بیس سال ہوگئے۔"

"ان دونوں پتنیوں کا کیا ہوا؟"

"دھیانت ہوگیا۔" امانند نے بے چارگی سے کہا۔

"یہ تمھاری کونسی پتنی ہے؟"

"آٹھیں مہاراج!" امانند ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"بہت خوب!" میں نے بے ساختہ کہا۔ "باقی ساری پتنیاں مرگئیں؟"

"کچھ مرگئیں، کچھ بھاگ گئیں۔" اس نے سکون سے جواب دیا۔

"سنتان کسی سے نہیں ہوئی؟"

"نہیں مہاراج!" موٹا رو دینے والے انداز میں بولا۔

"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی۔ "مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"آپ مہان ہیں مہاراج۔ آپ خود جانتے ہیں۔ سنتان ہوجائے تو میری دلی خواہش پوری ہوجائے اور اگر بھاگ میں سنتان ہے ہی نہیں تو یہ تو ٹھیک ہوجائے۔" وہ مظلومیت سے بولا۔

"تم باہر جاؤ امانند!" میں نے کہا۔

"ایں؟" امانند چونک کر بولا۔

"تم باہر جاؤ۔" میں نے بھاری آواز میں کہا اور امانند نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا، پھر مُڑ مُڑ کر دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ تب میں نے سرُوج کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"تو تم میرے سر سے پریت اُتارو گے؟" وہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"میں تیرے پریت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"مہان سادھو ہو نا۔ من کی منوکامنائیں پوری کرتے ہو مگر صرف مردوں کے من کی یا عورتوں کے بھی؟"

"ماتا پتا زندہ ہیں تیرے؟"

"ہاں!"

"کیا مجبوری تھی ان کی، تجھے تیری مرضی کے خلاف کیوں بیاہ دیا؟" میں نے پوچھا اور وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بیٹھ گئی۔

"تو تم نے میرے من کا روگ جان لیا؟"

"ہاں کسی حد تک۔"

"تمھارا کیا خیال ہے مہاراج، میں پاپن ہوں نا؟ تمھارا یہی خیال ہونا چاہیے۔ تم بھی تو مرد ہو۔ طاقتور، قسمت کے مالک، بھاگ تمھارے ہاتھوں بنتے بگڑتے ہیں۔" وہ نفرت سے بولی۔

"تیرے ماتا پتا نے تجھے اس کے ساتھ کیوں بیاہ دیا؟"

"پتا جی اس کے نوکر ہیں۔"

"اوہ!" میں نے ہمدردی سے گردن ہلائی۔ پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اور جب وہ تیرے پاس آتا ہے تو تُو اسے مارتی ہے؟"

"ہاں۔ میں ہر طرح اس کا اپمان کرتی ہوں۔"

"سندری، ایک بات اور بتلائے گی؟"

"پوچھو مہاراج، جو من چاہے پوچھ لو۔"

"تو کسی اور سے پریم کرتی ہے؟"

"یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لیے دیوی کہ جب تیرا پتی اپنی منوکامنا لیکر میرے پاس آسکتا ہے اور اس خیال کے ساتھ کہ میری کوشش سے اس کے ہاں سنتان ہوجائے گی تو سندری تیرے من میں یہ بات کیوں نہیں آئی کہ تو بھی مجھ سے اپنے من کی مراد مانگ۔ کیا میں تیری سہائتا نہیں کروں گا؟ کیا میں تیرے لیے کچھ نہیں ہوں؟"

"تم — تم میری سہائتا کرو گے مہاراج؟ مگر کیوں؟ میں تمھیں کیا دے سکوں گی؟ میرا پتی دھن دان ہے وہ تمھیں سونے سے لاد دے گا، پرنت اگر تم نے میری سہائتا کی تو میں تو تمھیں دُعاؤں کے سوا کچھ نہ دے سکوں گی۔ میرے پاس تو اس کے سوا کچھ نہ ہوگا مہاراج!"

"ہمارا اپمان نہ کرو دیوی! سادھو سنتوں کو دھن دولت سے کیا واسطہ۔ دھن ہمارے لیے زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں۔"

"پرنت تم کس کی سہائتا کرو گے مہاراج، میری یا میرے پتی کی؟"

"دونوں کی دیوی۔ اب تو میری بات کا جواب دے۔"

"کیا بتاؤں مہاراج؟"

"تو کسی سے پریم کرتی ہے؟"

"ہاں!"

"کس سے؟"

"الیشوری سے۔ وہ میرے بچپن کا پریم ہے۔ پر میرے پتا نے دولت کے لوبھ میں میرا جیون ناس کردیا۔ الیشوری تڑپتا رہ گیا اور میں ڈولی میں بٹھا کر دولت کی بھٹی میں جھونک دی گئی۔ سونے کی آگ میں میرے شریر کو لپیٹ کر امانند کے حوالے کردیا گیا اور الیشوری دُور سے اس آگ کو دیکھتا رہ گیا۔ سونے کی آگ کو سونا بجھا تک ہے اور الیشوری کے پاس یہ سنہرا مال نہ تھا۔"

"الیشوری کہاں رہتا ہے؟"

"اس محلے میں جہاں میں بچپن سے جوانی تک پروان چڑھی۔"

"وہ تجھ سے ملتا ہے کبھی؟"

"ہاں مہاراج! میں خود اس سے ملنے جاتی ہوں۔"

"کیا تو نے اپنا شریر اسے دے دیا ہے؟"

"نہیں مہاراج! دھرم نے میری سہائتا نہیں کی لیکن میں دھرم سیوک ہوں۔ میں دھرم کو بھشٹ نہیں کرسکتی۔ میرے من میں بھگوان ہے اور الیشوری کے من میں بھی بھگوان ہے۔ اس نے کبھی میرے شریر کو چھو کر بھی نہیں دیکھا۔ ہم دونوں کی آتمائیں ایک ہیں اور جب آتما کا رشتہ ہوجائے تو شریر تو مٹی کے ڈھیر ہوتے ہیں۔"

مشرقی بول رہا تھا پروفیسر اور بلاشبہ یہ آواز حسین تر تھی۔ مشرق کی یہ آواز مجھے ہمیشہ پسند آئی اور میں اس آواز کا پرستار ہوں۔ بہرحال میں نے اس سے پھر پوچھا۔ "لیکن تیرے دھرم میں دوسری شادی تو نہیں ہوتی سندری؟"

"ہاں مہاراج!"

"اگر امانند تجھے چھوڑ دے تو کیا الیشوری تجھ سے شادی کرے گا؟"

"دھرم تو اجازت نہیں دے گا مہاراج۔"

"پھر تو کیا کرے گی؟"

"بغاوت! میں نے ہمیشہ دھرم کا مان رکھا ہے، دھرم مجھ سے میرا جیون کیوں چھیننا چاہتا ہے۔ میں اس کی یہ بات تو نہ مانوں گی۔"

"سنسار والے تجھے جینے دیں گے؟"

"ہم ایسے لوگوں کی نگاہوں سے دُور چلے جائیں گے۔ جب کوئی ہمارا نہیں تو ہم کسی کے کیوں ہوں۔"

"سوچ لے سرج۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو بعد میں پچھتائے۔"

"اگر میں پچھتائی مہاراج تو وہ پچھتاوا اس دُکھ سے زیادہ نہ ہوگا جو مجھے امانند کی گندی اور پُر ہوس سانسوں میں ملتا ہے۔"

"تو جا۔ باہر جا۔ امانند کو بھیج دے اور سُن، جو کچھ ہو اس پر حیرت مت کرنا، بلکہ جو کچھ امانند تجھے کہے اس پر خاموشی سے عمل کرنا۔"

"مگر مہاراج۔ میں۔ میں۔"

"جا دیوی۔ تو نے ہم سے کہا تھا ہم مرد ہیں اور مرد کا پارٹ لیں گے ایسی بات نہیں ہے۔ ہم سادھو لوگ سنسار کو، اس کے ایک ایک رہنے والے کو، ایک جیسا سمجھتے ہیں۔" اور سرج ایک ٹھنڈی سانس لیکر باہر نکل گئی۔ چند ہی ساعت کے بعد امانند اندر آگیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور اس کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔ "مہاراج کی جے۔ کرشنو کا مہاراج کی جے۔ بھگوان ہمیشہ سکھی رکھیں۔ میرا کام کردو مہاراج، میرا کام کردو مہاراج، جیون بھر دُعائیں دوں گا۔"

"امانند!" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ "تجھے پتہ ہے امانند تیرا جیون کتنا ہے؟"

"ہے بھگوان! ہے مہاراج! یہ بات تو کسی کو نہیں معلوم ہوگی۔"

"ہمیں معلوم ہے امانند۔"

"رام رام، ہے رام، کیا معلوم ہے مہاراج؟"

"تو چاہتا ہے کہ تیری پتنی تجھ سے پریم کرے اور تجھے اپنا شریر سونپ دے۔"

"ہاں، ہاں، مہاراج، ہم یہی چاہتے ہیں۔"

"تو نے بچپن میں، جوانی میں یا انجانے میں کوئی ایسا پُن ضرور کیا ہے جس نے تیرے جیون کو بچا لیا۔ امانند! تو ہم سے اپنی موت مانگنے آیا ہے۔"

"کیا، کیا کہہ رہے ہو بھگوان، ہے بھگوان یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مہاراج؟"

"ہاں امانند تیری اندھی آنکھیں اس سفید ناگن کو نہیں دیکھ پا رہیں جو تیری پتنی کے شریر میں چھپی بیٹھی ہے۔ امانند! تو نے یہ وِش کہاں سے خرید لیا؟ کہاں سے یہ روگ اپنی جان کو لگا لیا پاپی؟"

"کیا، کیسا روگ مہاراج؟" امانند کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہی روگ، جس کے لیے تو بے کل ہو رہا ہے۔ سُن امانند، تیری پتنی ایک انسان کی بیٹی ہے لیکن اس کا باپ انسان نہیں تھا۔"

"پھر کون تھا مہاراج؟"

"ناگ۔ وِش ناگ۔ شیش ناگ، جو دیوالی کی رات کو اس کے گھر میں آیا اور بھگوان نے اسے منش کا روپ دے دیا۔ یہ بات کسی کو نہیں معلوم۔ پرنتو ہم جانتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ سرج سانپ کی بیٹی ہے، اس کا باپ شیش ناگ تھا۔ اس کے شریر میں وِش ہی وِش ہے اس لیے وہ منش کو پسند نہیں کرتی، بلکہ اس کا پریمی بھی ایک ناگ ہے۔ ہمارے جاپ سے اگر وہ تجھ سے پریم کرنے بھی لگے تو تیری جو پہلی رات اس کے ساتھ گزرے گی وہ تیرے جیون کی آخری رات ہوگی۔"

"ہرے رام، ہرے شنکر، ہے بھگوان، یہ کس جنجال میں پھنس گیا میں۔ اب کیا کروں مہاراج؟ ہائے اگر آپ بلدیوا مندر میں نہ آتے تو میرا کیا بنتا؟ پھر مجھے یہ بات کون بتاتا؟"

"بھگوان جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔" میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ امانند خوف کا شکار ہو گیا تھا۔ میں اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

"اب میں کیا کروں مہاراج؟"

"سادھو کی بات مانے گا؟"

"اوش مانوں گا مہاراج — ہے مہاراج میرا جیون بچا لو۔" امانند تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"تیرے پاس دھن دولت کی کمی نہیں ہے امانند! دھن دے اور جیون بچا۔"

"میری سہائتا کرو مہاراج، مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"یہاں سے اسے گھر لے جا، اس کی منتی کر، اسے دھن دے جتنا وہ مانگے اور پھر اس سے کہہ کہ وہ اس ناگ کے ساتھ چلی جائے جو اس کا پریمی ہے تو اسے نہ روکے گا۔" میں نے اسے پٹی پڑھائی۔

"وہ مان جائے گی مہاراج؟"

"ہم تیرے لیے پرارتھنا کریں گے۔ اسے مان جانا چاہیے۔ بس اب تو دیر نہ کر، جا اور جیون بچا۔" میں نے کہا اور بزدل بنیا دھوتی پکڑے ہوئے باہر نکل گیا۔ میں جی کھول کر ہنسا۔ میرے خیال میں سرج کا کام بن گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے کسی اور سے ملاقات نہیں کی۔ رات تھی اور کچھی کی آغوش۔ مندر کا پُرسکون ماحول۔ کچھی کی اُلجھی سانسیں اور پھر سکون کی نیند۔ دوسری صبح حسبِ معمول خوشگوار تھی۔ اس روز بھی کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں میرے ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہا تھا۔ عجیب اُلٹے سیدھے لوگ آ رہے تھے۔ عجیب عجیب خواہشات تھیں ان کی اور اسی شام سورج چھپا ہی تھا کہ ایک جوڑے نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ عورت ایک چادر میں لپٹی ہوئی تھی، اس کا چہرہ تک چھپا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت سا دُبلا پتلا نوجوان تھا۔ اس کا چہرہ خشک ہو رہا تھا۔

عورت نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر چہرے پر سے چادر اُتار دی۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ الشوری ہے؟" میں نے عورت سے پوچھا۔

"ہاں مہاراج!"

"تیرا کام ہو گیا سرج؟"

"مہاراج!" سرج نے ایک پوٹلی میرے قدموں میں رکھ دی اور پھر خود بھی میرے پیروں میں گر پڑی۔ وہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔ نوجوان بھی میرے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے دونوں کو اٹھایا۔

"اب تم لوگ کیا کرو گے؟"

"ہم یہ بستی چھوڑ رہے ہیں۔ ہم ہردے مان سے جا رہے ہیں مہاراج۔"

"یہی بہتر ہے۔ اس پوٹلی میں کیا ہے؟"

"دھن ہے مہاراج۔ پر بھگوان کی سوگند، ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں ایک اور ج کا پریم مل گیا ہے، یہی تمھاری سب سے بڑی دین ہے مہاراج! ہم یہ دھن مندر کے لیے لائے ہیں۔ ہم تم سے آشیرواد چاہتے ہیں۔"

اور پروفیسر، میں ان الفاظ میں کھو گیا۔ انوکھا جذبہ تھا۔ کتنا شدید تھا، کتنا عظیم تھا۔ کافی دیر میں ان الفاظ میں کھویا رہا۔ پھر میں نے پوٹلی ان دونوں کو دیتے ہوئے کہا۔

"سُنو۔ تم دونوں سچے پریمی ہو۔ بھگوان تمھاری سہائتا کرے گا۔ یہ دھن لیجاؤ۔ پردیس جاؤ گے تمھیں اس کی ضرورت ہوگی۔ بس اب جاؤ۔"

دونوں نے پوٹلی اٹھائی، میرے قدم چومے اور باہر نکل گئے۔ میں نے سکون کی سانس لی — ایک عجیب سی خوشی ہوئی تھی۔ بہرحال سرج اس کالے سانڈ سے بچ گئی تھی۔

اور پھر اسی وقت نمبوُدری نے مجھے بتایا کہ کل بڑی پوجا کا دن ہے جس میں راجہ امی چند اور رانی منورما بھی شریک ہوتے ہیں۔ میں نے دل میں عجیب سی کیفیت محسوس کی تھی۔ بہرحال میں امی چند سے ملاقات کا خواہشمند تھا اور میری یہ خواہش میری مرضی کے مطابق ہی پوری ہو رہی تھی۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ اس طرح میں ہردے مان میں شہرت حاصل کروں اور پھر یقیناً راجہ میری طرف متوجہ ہوگا۔ اس کے بعد جو بھی صورتِ حال ہو اور یہ بات تم خود بھی سمجھ سکتے ہو پروفیسر کہ راجہ کا مہمان بن کر یا اسے متاثر کر کے میں کوئی عمدہ زندگی حاصل کرنے کا خواہشمند نہیں تھا۔ عمدہ زندگی تو ہمیشہ سے میرے لیے بے حقیقت تھی، زندگی کی کوئی حد ہو تو آدمی اس کے لیے کچھ سوچے بھی۔ جس شے کا وجود لامحدود ہو، اس پر نگاہیں جمانا بھی بے مقصد لگتا ہے۔ میں صرف راجہ کے تعاون سے اس مذہب، اس معاشرے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا تھا، بشرطیکہ راجہ کی طرف سے تعاون کی فضا مل سکے اور یہی میں ہر دَور میں کرتا چلا آیا تھا۔

بڑی پوجا کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں تھیں لیکن دوسرے دن اس کے لیے جو تیاریاں شروع ہوئیں تو اندازہ ہوا کہ اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ سارے مندر کو تیل کے دیوں سے سجایا گیا تھا۔ جگہ جگہ فانوس لٹکائے گئے تھے اور پورے مندر کو شیشے کی طرح چمکا دیا گیا تھا۔

دوپہر تک سارے پنڈے پنڈت اس کام میں مشغول رہے اور اس کے بعد سب نہا دھو کر تیار ہو گئے۔ پھر پورے مندر میں خوشبوئیں اُبل پڑیں۔ مٹھائیوں کی بیل گاڑیاں بھر کر آئیں۔ پرشاد کا یہ انتظام راجا کی طرف سے ہوتا تھا۔ جوں جوں شام جھکتی گئی مندر کے سامنے لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ آج نہ صرف یاتری بلکہ ہردے مان کے دوسرے لوگ بھی آئے تھے۔ گویا پوری بستی ہی امنڈ آئی تھی۔ تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، میلے کا سا سماں تھا۔

شام ڈھلے بڑا پجاری میرے پاس آیا۔ "مہاراج اشنان کر لیں، نئے کپڑے تیار ہیں۔"

"تم ہمارے لیے یہ تکلیفیں کیوں کرتے ہو نمبودری؟" میں نے کہا۔

"اس میں تکلیف کی کیا بات ہے مہاراج!"

"ہمارے یہی کپڑے ٹھیک تھے۔"

"رام رام۔ بڑی پوجا کے دن نئے کپڑے نہیں پہنیں گے مہاراج؟"

"ضروری ہوتے ہیں؟"

"بہت ضروری۔ آج کے سارے اخراجات راجہ کے ذمے ہوتے ہیں۔"

"اوہ!" میں نے گردن ہلا دی۔ بہرحال مجھے خوب سجایا گیا۔ کچھی کو حسبِ معمول دیوداسیوں نے قبضے میں لے لیا تھا اور پھر سورج چھپتے ہی گھنٹیاں اور ناقوس بجنے لگے۔ چاروں طرف سے ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر راجہ کی سواری آگئی۔ باہر شور مچ گیا تھا۔ مہاراجہ امی چند کی جے کے نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔ میں اور ہمارے دوسرے ساتھی جھروکوں سے راجہ کی آمد کا منظر دیکھ رہے تھے۔ دوسرے جھروکے میں دیوداسیاں موجود تھیں۔ راجہ کا رتھ سونے کے پتروں سے جڑا ہوا تھا۔ رتھ میں جُتے تندرست بیلوں کا ساز بھی سونے کا تھا۔ رتھ سُرخ رنگ کے قیمتی کپڑے کا تھا۔ غرض بڑی شان و شوکت تھی۔ رتھ مندر کے دروازے کے سامنے رُک گیا۔ دو خادموں نے جلدی سے ایک خوبصورت چوکی راجہ کے رتھ کے ساتھ رکھی۔ تب حسین لباس میں ملبوس امی چند نیچے اترا۔ درمیانی عمر کا تندرست و توانا انسان۔ مقامی لوگوں کی مخصوص شکل تھی۔ پھر اس کے پیچھے رانی منورما اتری۔ دوسرے رتھوں سے کئی داسیاں اُتر کر رتھ کے گرد جمع ہو گئی تھیں۔ انھوں نے رانی کو حلقے میں لے لیا۔

کافی حسین عورت تھی۔ انتہائی اعلیٰ درجے کی ساڑی اور دوشالے میں لپٹی ہوئی، بال بال موتی پروئے۔ نازک نازک قدموں سے چلتی ہوئی وہ مندر میں داخل ہوئی۔ ستاروں کے جھرمٹ میں چاند لگ رہی تھی۔ بہرحال یہ مناظر میرے لیے کافی دلکش تھے اور میری اس گفتگو سے تم اندازہ لگا سکتے ہو پروفیسر کہ میں نے زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔ ہر لمحے کی کوئی نہ کوئی حیثیت ضرور ہے۔ کیا تمھیں اس سے اختلاف ہے؟"

"نہیں!" پروفیسر خاور نے چونک کر کہا۔ اس کی آنکھیں صدیوں پرانے ہندوستان کو دیکھ رہی تھیں۔ حسین ترین منورما کی نازک مزاجی وہ پوری طرح محسوس کر رہا تھا اس لیے یہ سوال اس وقت اسے کڑا گزرا اور اس نے جلدی سے جواب اس لیے دے دیا اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ گفتگو منقطع نہ ہو جائے اور امی چند کا رتھ نگاہوں سے غائب نہ ہو جائے۔

"ناقوس اور گھنٹوں کی صداؤں سے مندر گونج رہا تھا۔ ایک عجیب سا سماں بندھ گیا تھا۔ بڑے پجاری نے راجہ کا سواگت کیا اور اسے پوجا کے کمرے میں لے گیا۔ طویل و عریض ہال کو کمرہ کہنا مناسب نہ ہوگا لیکن اس وقت ہال میں ہردے مان کے معزز ترین لوگ اور راجہ کے خاص آدمی اور ان کی بیگمات ہی تھے۔ وہ بھی مندر کے ایک مخصوص حصے میں۔ دوسرے حصے میں ان سے کچھ نچلے درجے کے لوگ،

تیسرے حصے میں یاتری اور اس کے بعد سے لیکر مندر کے باہر پھیلے ہوئے وسیع میدان میں سہردے مان کے عوام اور وہ یاتری تھے جو اندر نہ داخل ہو سکے تھے۔

راجہ کو ہال میں پہنچا کر نمبودری پرشاد میرے پاس آ گیا اور پھر اس نے مجھے پرنام کر کے کہا "مہاراج! میری خواہش ہے کہ آج کی بڑی پوجا آپ کرائیں۔"

"میں —" میں نے اُچھل کر کہا۔ یہ ٹیڑھا سوال تھا لیکن میں نے جلدی سے کہا "ہمیں پریشان نہ کرو نمبودری۔ ہم تو بھگوان کے داس ہیں۔ یہ مرتبہ تمھارا ہے۔ ہم صرف تمھارے ساتھ ہوں گے۔"

"لیکن مہاراج —"

"نہیں نمبودری۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم نے پہاڑوں میں جیون گزارا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم تم لوگوں کی رسمیں کیا ہوتی ہیں۔ ہمیں مجبور مت کرو۔"

"تب آپ ہمارے ساتھ تو ہوں گے مہاراج؟"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔"

"تو آیئے، پوجا شروع کی جائے۔" پجاری نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ عام راستے سے تو ہال تک پہنچنا ناممکن تھا، نمبودری مجھے خفیہ راستے سے لے گیا اور میں ہال میں داخل ہو گیا۔ بے شمار نگاہیں ہماری طرف اٹھیں اور اٹھی رہ گئی تھیں۔ لوگ ایک دوسرے سے کھسر پسر کر رہے تھے۔ خاص طور پر عورتوں نے مجھے بڑے اچنبھے سے دیکھا تھا۔ مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ تھی۔ کوئی آواز میرے کانوں تک صاف نہیں پہنچ رہی تھی۔

تب نمبودری پرشاد نے ہاتھ اٹھائے اور بھنبھناہٹ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد بڑا پجاری بولا "مترو! بھگوان نے آج پھر ہمیں دیوی دیوتاؤں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ بڑا دن ہے یہ ہمارے لیے اور خوشی کا دن ہے یہ کہ مہاراج ادھیراج راجہ امی چند اور مہارانی منورما ہمارے ساتھ پوجا میں شریک ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ پہاڑوں کے باسی مہاراج کرشنو کا، جن کا گیان آکاش گیان ہے، اس پوجا میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ آج سارے سہردے مان میں مہان گیانی کی دھوم ہے۔ مہاراج کرشنو کا ہمارے ساتھ ہیں اور ان کے چرنوں کی دھول سہردے مان کے لیے بڑی چیز ہے۔"

لوگوں کی نگاہیں یونہی مجھ پر گڑی ہوئی تھیں۔ میں نے دیکھا راجہ امی چند مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اور پھر میری پھسلتی ہوئی نگاہیں رانی منورما پر جا پڑیں۔ تب میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ میرا احساس تھا یا حقیقت، رانی منورما مجھے دیکھ کر خفیف سی مسکرائی تھی، اس کی آنکھوں کی چمک بجلی کی طرح کوندگئی تھی۔ صرف ایک لمحے کے لیے — صرف ایک لمحے کے لیے اور اس کے بعد کوئی احساس نہیں تھا۔

"تو میرے مترو! راجہ امی چند کی ..... جے" دوسرے لوگوں نے جواب دیا "رانی منورما کی — جے" پھر نعرہ لگایا گیا "اور مہاراج کرشنو کا کی — جے۔" لوگ اسی زور شور سے بولے "مہاراج کی آگیا سے پوجا شروع کی جائے؟"

"ہاں!" امی چند نے جواب دیا اور بڑے پجاری نے دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں رکھے آگ دانوں میں خوشبوئیں ڈالیں اور پھر اشلوک پڑھنے لگا۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ پوجا کافی دیر تک جاری رہی اور پھر ختم ہو گئی۔ بڑے پجاری نے ایک تھال اٹھایا اور اس میں رکھی چندن کی پیالی میں سے ایک تلک راجہ کے لگایا۔ ایک میرے اور ایک رانی کے۔ پھر دیوکنیاؤں کا ایک گروہ تھالیاں لے آیا اور اندر موجود سارے لوگوں کے ماتھے پر صندل اور چندن کے تلک لگائے گئے۔ اس کے بعد باہر پرشاد بٹنے لگی۔ اندر بھی تھوڑی سی مٹھائی تقسیم کی گئی تھی۔

کافی دیر تک ہنگامہ رہا۔ پھر دیوکنیاؤں کا رقص شروع ہو گیا۔ ان میں بچی بھی شامل تھی اور چھوٹی موٹی بنی کھڑی تھی کیونکہ اسے رقص نہیں آتا تھا۔

کئی بار میری نگاہ راجہ امی چند پر پڑی اور ہر بار میں نے محسوس کیا کہ وہ معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا ہے۔ میری چھٹی حس نے مجھے احساس دلایا کہ کوئی بات ضرور ہے اور پھر میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ دیوکنیائیں واپس چلی گئی تھیں اور ایک طرح سے بڑی پوجا کے پروگرام ختم ہو گئے تھے۔

لیکن امی چند اپنے چند خاص لوگوں کے ساتھ رکا رہا۔ پھر جب کمرے میں بیس پچیس آدمی رہ گئے تو اس نے دروازے بند کرنے کا اشارہ کیا۔ "ہمیں بھی آگیا دو نمبودری!" میں نے کہا۔ ویسے میں سمجھ گیا کہ کوئی ڈرامہ شروع ہونے والا ہے۔

"ارے نہیں نہیں گیانی مہاراج! ابھی میں نے تو آپ کے درشن بھی نہیں کیے۔" امی چند بول پڑا اور پھر وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آ گیا۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ "دھن ورد مہاراج! آپ کا روپ تو واقعی انوکھا ہے۔" اس نے کہا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"مہاراج کا گیان بھی مہان ہے!" نمبودری نے کہا۔

"مگر دوبے سنگھ کچھ اور ہی کہتا ہے مہاراج۔" راجہ بولا۔

"دوبے سنگھ!" پجاری تعجب سے بولا۔

"دوبے سنگھ! آگے بڑھ آؤ!" راجہ نے کہا اور ایک آدمی آگے بڑھ آیا۔ اس کی آنکھوں میں کینہ توزی کی جھلکیاں تھیں اور وہ مجھے گھور رہا تھا۔ "اسے پہچانتے ہو مہاراج؟" راجہ امی چند نے کہا۔

"نہیں امی چند۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ میں نے سرسری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا تھا جسے راجہ نے آگے بلایا تھا۔ نہ جانے کون تھا۔

"دوبے سنگھ!" راجہ نے آگے آنے والے کو مخاطب کیا۔

"جی مہاراج!"

"تم کرشنو کا مہاراج کو جانتے ہو؟"

"جی مہاراج!"

"کیسے جانتے ہو؟ کہاں دیکھا ہے تم نے انھیں؟"

"سادھو مہاراج، مہاراج جے راج کے ہتھیارے ہیں۔ انھوں نے ہی جے راج جی کو ہلاک کیا تھا اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو جان سے مار ڈالا تھا۔" دوبے سنگھ نے بتایا۔

"یہ بات دوبے سنگھ کو اس لیے معلوم ہے مہاراج، کہ دوبے سنگھ خود بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو جے راج کے ساتھ اس ناری کو لینے گئے تھے جسے ستی نہیں ہونے دیا گیا تھا اور جب جے راج مارا گیا تو یہ بھاگ کر دہائی دیتا میرے پاس پہنچا تھا۔" راجہ امی چند نے غور سے میری شکل دیکھتے ہوئے کہا۔ پجاری نمبودری حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا۔

"تو کہنا کیا چاہتا ہے امی چند؟" میں نے پوچھا۔

"یہی مہاراج کہ ڈھونگ زیادہ دیر نہیں چھپتے۔" امی چند طنزیہ انداز میں بولا۔

"ڈھونگ!" میں آہستہ سے بولا۔

"ہاں مہاراج! تمھارا گیان اب تمھاری کیا سہائتا کرے گا؟"

"نمبودری پرشاد! تمھارا راجہ تو بڑا ہی بے وقوف ہے۔ اسے بتاؤ گیانیوں کے منہ نہیں لگتے، نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس سے کہو کہ جے راج بھی اپنی غلطی سے مارا گیا۔"

"مم — مہاراج — مہاراج امی چند! میں نے گیانی مہاراج کو خود جلتی ہوئی اگنی میں دیکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہ کریں، مہاراج مہان ہیں کہیں الٹا نہ ہو۔"

"اوہ! مگر جے راج کو کیوں مارا گیا؟"

"وہ اس ابلا کو لینے آیا تھا جس کا جیون ہم نے بہت سے راکھشسوں سے بچایا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ نے اس کا جیون کیوں بچایا تھا مہاراج؟"

"اس لیے کہ بھگوان کی یہی اچھا تھی!"

"اور بھگوان تو دھرم کے رکھوالے ہیں، انھوں نے دھرم نشٹ کرنے کی آگیا کیوں دی؟"

"یہ سوال تم بھگوان سے کرو، وہی تمھیں اس کا جواب دیں گے، جہاں تک اس ابلا کے ستی ہونے کا سوال ہے تو امی چند، سن لو، ستی کی رسم بہت گندی ہے۔ عورت تمھیں اپنی کوکھ سے جنم دیتی ہے، وہ تمھاری نسل بڑھاتی ہے اور تم اسے زندہ آگ میں جلا دیتے ہو۔ اس کی عزت کرو۔ اس کا جیون اسے دے دو۔ اسے آگ میں بھسم کرنا پاپ ہے۔ اس بات کو دھرم سے نکال دو ورنہ بھگوان تم سے خوش نہ ہوگا۔ سنو امی چند یہ کام اگر تم نہ کرو گے تو آنے والی نسلیں کریں گی۔ ستی کی رسم بہت گندی ہے۔ بڑی خراب رسم ہے یہ۔" میں نے کہا۔

"مہاراج!" امی چند چیخ پڑا۔ "آپ دھرم کا اپمان کر رہے ہیں۔"

"تم اسے دھرم کا اپمان سمجھ رہے ہو امی چند! اس لیے کہ ابھی تمھاری آنکھیں بند ہیں۔ ہم کھلی آنکھوں کی بات کر رہے ہیں۔ ہم آنے والے سمے کی بات کر رہے ہیں۔"

"مہاراج کو پوری بات تو کہنے دو امی۔ تم بیچ میں کیوں ٹوک رہے ہو؟" رانی منورما نے پہلی بار مداخلت کی اور میری نگاہ اس کی طرف اٹھ گئی۔ میں نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں وہی چمک اور ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ دیکھی۔ ویسے اس کی بات میں وزن تھا۔ امی چند ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔

"یہ بھگوان کی باتیں ہیں دیوی۔ ہم پہاڑوں پر تپسیا کر رہے تھے ہمیں وردان ملا کہ بستی جاؤ اور اس ابلا کے جیون کی رکھشا کرو۔ سو ہم بستی پہنچے اور ہم نے اسے آگ میں نہ جانے دیا۔ پرنتو اس کے اپنے اس کے دشمن بن گئے۔ بیری نہیں چاہتے تھے کہ اس کی جان بچے۔ ہم نے انھیں سمجھایا ...... پر نہیں مانے اور کسی ڈھونگیے کو لے آئے۔ ستی کی بجائے اس کا جیون گیا۔ ڈھونگیے کا نام گرنتھ تھا۔"

"اوہ! گرنتھ مہاراج!" امی چند آہستہ سے بولا۔

"گرنتھ مہاراج بھی اسی کے ہاتھوں مارے گئے مہاراج۔" دوبے سنگھ نے کہا۔

"ہاں — ستی ہونے سے بچنے والی کا جیون بچانا ضروری تھا۔ ہم اسے لیکر چل پڑے کیونکہ اس کے اپنے اس کے بیری ہو گئے تھے۔ تب ہم دھرم شالہ میں آئے اور وہاں جے راج لشکر کے ساتھ اسے واپس لینے آیا۔ تم جانو امی چند، جب اوپر سے آدرش ملتا ہے تو کون اسے توڑ سکتا ہے۔ مجبوراً ہم نے جے راج اور اس کے ساتھ آنے والوں کو ان کے خون سے اشنان کرا دیا۔ کچھ بھاگ گئے جن میں سے یہ بھی ہوگا۔" میں نے دوبے سنگھ کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن مہاراج! ہمارے پرکھوں کی رسم کیسے ٹوٹ سکتی ہے؟"

"ٹوٹ جائے گی امی چند! اگر تو بھی اس ستی ہونے سے بچ جانے والی کے جیون کا گاہک بن جائے گا تو ہم تجھے بھی تیری راج دھانی سمیت نشٹ کر دیں گے۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔"

اور امی چند کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ شاید کافی بزدل تھا۔ دوسرے لمحے اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جلدی سے بولا۔

"نہیں۔ نہیں مہاراج! میں — میں کچھ نہیں کہتا — میں کچھ نہیں کہتا مہاراج — ٹھیک ہے۔ آپ نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ جو بھگوان کی مرضی!"

"سکھی رہو امی چند — تم نے اپنا جیون بچا لیا۔"

"آپ کی باتوں سے گیان برستا ہے مہاراج! آپ کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ آکاش کے رہنے والوں میں سے ہیں۔"

"امی چند!" منورما نے پھر مداخلت کی اور امی چند اسے دیکھنے لگا۔ "کیا ایسے مہان گیانی بار بار ہاتھ لگتے ہیں؟"

"نہیں رانی — مہاراج مہان ہیں۔"

"تو کیا تم انھیں کچھ روز محل میں رکھ کر ان کی سیوا نہیں کرو گے؟" منورما بولی۔

"اوش — اوش مہارانی!" امی چند تو صرف باتوں سے چت ہو گیا تھا۔ ویسے اگر وہ ضرورت محسوس کرتا تو میں اسے دوسری طرح بھی مطمئن کرنے کی کوشش کرتا اور پھر وہ میری طرف رخ کر کے بولا "مجھے میری باتوں پر شما کر دو مہاراج! پوری بات میرے علم میں نہیں تھی۔ اس دوبے سنگھ نے میرے کان میں کہا تھا کہ یہ سادھو وادھو نہیں۔ وہی ہتھیارا ہے جس نے جے راج کا کھون کیا ہے۔ اسی پاپی نے مجھے بہکایا تھا۔" اور پھر راجہ امی چند نے قہر آلود نگاہوں سے دوبے سنگھ کو دیکھا۔ "دوبے سنگھ! کیا تو بتائے گا پاپی کہ جے راج کے ساتھ کتنے منش تھے؟"

دوبے سنگھ کی حالت پہلے ہی خراب ہو گئی تھی، بدلتے رنگ کو دیکھ کر اور بھی ٹپٹا گیا تھا اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"جواب دے دوبے سنگھ!" راجہ دھاڑا۔

"بہت سے منش تھے مہاراج!" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اور مہاراج کے ساتھ کتنی بڑی فوج تھی؟"

"یہ اکیلے تھے مہاراج!"

”اور تو اس کی بُرائی کرنے آیا تھا جس نے اکیلے تم سب کو مار گرایا۔ پاپی! تو میرا مِتر ہے یا بیری، اگر میں بھی تیری باتوں میں آ کر مہاراج کا اپمان کرتا تو۔۔۔“ راجہ نے کہا اور دیپے سنگھ اٹھ کر میرے قدموں میں گر گیا۔

”شما کر دیں مہاراج۔ شما کر دیں۔ ہم سے بھول ہوئی تھی، شما کر دیں۔ ہم سے بڑی بھول ہوئی۔ بھگوان کے لیے ہمیں شما کر دیں۔“ دیپے سنگھ کو وقت کی نزاکت کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے اور اس وقت صرف میں ہی اسے بچا سکتا ہوں۔

مجھے اس کی چالاکی پر ہنسی آ رہی تھی۔ بہرحال میں انفرادی دشمنی کا تو قائل ہی نہیں ہوں پروفیسر، چنانچہ میں نے اسے معاف کر دیا۔ تب امی چند آگے بڑھ آیا۔

”مہاراج! داس کی خواہش ہے کہ آپ راج محل چل کر رہیں۔ کچھ روز ہمیں بھی اپنے چرنوں میں رہنے کا موقع دیں۔ ہم آپ کی سیوا کریں گے مہاراج!“

”سادھو سنتوں کے لیے پتھریلے پہاڑ اور راج محل ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں امی چند۔ اگر تم چاہتے ہو تو ہمیں اعتراض بھی نہیں ہے۔“

”مہاراج کی جے!“ امی چند نے کہا اور پھر اس نے دوسرے لوگوں کو ہدایات جاری کر دیں اور بہت سے آدمی میرے لیے رتھ لینے دوڑ گئے۔

”ہماری جوگن بھی ہمارے ساتھ جائے گی مہاراج!“ میں نے کہا۔

”اوہ! ضرور مہاراج۔ ضرور۔“ امی چند نے کہا اور ایک بار پھر میں نے بھرپور نگاہوں سے منورما کو دیکھا۔ خوبصورت عورت کی آنکھیں غضب کی تھیں ـــــ معنویت سے بھرپور اور مسکراتی ہوئی دلکش آنکھیں، جیسے وہ آنکھیں ہر راز جانتی ہوں، ہر بھید سمجھتی ہوں لیکن بہرحال اس نے میری مدد کی تھی اس لیے اس کی طرف سے میرے دل میں کوئی کد نہیں تھی۔ ہاں میں ان آنکھوں کی معنویت جاننا چاہتا تھا۔ اس مسکراہٹ کا بھید معلوم کرنا چاہتا تھا۔

لچھمی بھی میرے پاس آ گئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ آج کی پوجا میں اسے بہت لطف آیا تھا۔ امی چند نے اسے پرنام کیا اور لچھمی نے بھی دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

”بڑی بھاگیہ وان ہو دیوی کہ تمہیں کرشنو کا جیسے مہان گیانی مل گئے اور تمہارا جیون سپھل ہو گیا۔ میری طرف سے دھن وردسو سویکار کرو۔“ امی چند نے کہا۔ وہ حالات سے جلد متاثر ہو جانے والوں میں سے معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال مجھے ان باتوں سے کیا غرض، میرے ذہن میں تو اس وقت صرف منورما کی آنکھیں تھیں، درحقیقت ان آنکھوں کا اس حسین رانی کے چہرے سے کوئی رابطہ نہیں معلوم ہوتا تھا! اس کے خدوخال بے حد حسین اور سادہ سادہ تھے۔ چہرے سے وہ بڑی معصوم لگتی تھی لیکن آنکھیں، ان آنکھوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جا سکتی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد رتھ آ گیا اور کچھ لوگوں نے اندر آ کر اس کی اطلاع دی۔

”تو نمبوری پرشاد سوامی! آ گیا دیں!“

”جے رام جی کی مہاراج! آپ ایسے مہان پرش کو لیے جا رہے ہیں جس سے آپ کو بہت کچھ ملے گا۔ ان کی قدر کریں مہاراج، ان کی سیوا کریں اور پھل پائیں۔“ بڑے پجاری نے کہا۔

”چنتا نہ کریں مہاراج!“ امی چند نے کہا اور ہم لوگ باہر نکل آئے۔

خوبصورت رتھ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ پھر راجہ امی چند اور رانی منورما تو اپنے رتھ میں سوار ہوئے۔ [illegible] رتھ چل پڑے تو میں نے مسکراتے ہوئے لچھمی کی طرف دیکھا۔

”کیا سوچ رہی ہو لچھمی؟“

”کچھ نہیں انوپی۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ لچھمی نے زندگی سے بھرپور آواز میں کہا۔

”راج محل!“

”ہائے رام! ہم راجہ کے محل میں رہیں گے؟ اور وہ مہاراج امی چند تھے؟“

”ہاں!“

”اور دوسری رانی جی تھیں؟“ لچھمی بچوں کی طرح سوالات کر رہی تھی۔

”ہاں، وہ رانی منورما تھی!“

”اور ـــ اور انوپی، مہاراج نے مجھے پرنام بھی تو کیا تھا۔“

”کیا ہو گا۔“

”ارے میری عزت ہی کیا ہے۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ملا ہے انوپی۔ بھگوان کی سوگند! تم نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ یہ ساری باتیں سپنوں میں بھی نہیں دیکھی تھیں۔ راجہ اور رانیوں کے نام قصے کہانیوں میں سن لیا کرتے تھے۔ بھگوان نے مجھے بہت بڑی عزت دی ہے انوپی۔ بھگوان نے مجھے بہت کچھ دے دیا ہے۔“

”یہ تو خوشی کی بات ہے لچھمی!“

”میں ایسی خوش ہوں۔۔۔!“

”بہت زیادہ خوش ہو؟“

”ہاں!“ اس نے آگے بڑھ کر بڑی معصومیت سے میری گردن میں بانہیں ڈال دیں!

سارے راستے لچھمی ایسی ہی معصوم معصوم باتیں کرتی رہی۔ کئی بار اس نے بچوں کی مانند رتھ کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا تھا اور پھر ہم راج محل پہنچ گئے۔ راجہ امی چند نیچے اتر گیا۔ رانی منورما بھی رتھ سے اتر کر داسیوں کے ہجوم میں بڑی بے نیازی سے چلی گئی لیکن راجہ امی چند بہت متاثر ہو گیا تھا۔ اس نے محل میں میرا سواگت کیا اور پھر بڑے احترام سے ہمیں محل کے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ راجہ خود میرے ساتھ آیا تھا۔

”میرے اندر یہی خراب بات ہے مہاراج، جس کا بیری بنتا ہوں اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتا اور جس کی عزت کرتا ہوں، پھر اس کے سامنے خود کو کچھ نہیں سمجھتا۔“ اس نے کہا۔

”تیرے من میں کھوٹ نہیں ہے امی چند۔ تیرا من گنگا جل کی طرح صاف ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”میرے من نے آپ کو مہان مان لیا ہے۔ اب کوئی بھی آپ کے بارے میں کچھ کہے، میں نہیں مانوں گا۔ آپ آرام سے یہاں رہیں، میں آپ کی سیوا میں آتا رہوں گا۔ سارے لوگ آپ کی سیوا کریں گے، کسی بات میں آپ خاموش نہ رہیں۔

ہمیں آپ کے چرنوں کی دھول چاہیے مہاراج!“

”چنتا نہ کرو امی چند۔ ہم تھوڑے دن تیرے مہمان رہیں گے، پھر یہاں سے چلے جائیں گے۔“

”ابھی جانے کی بات نہ کریں مہاراج۔ آپ جیسے مہان پرش بار بار نہیں ملتے۔ اب آپ آرام کریں، رات بیت رہی ہے۔“ امی چند نے کہا اور پھر وہ میرے قدم چھو کر باہر نکل گیا۔

”ہائے رام! میں راجاؤں کو نہ جانے کیا سمجھتی تھی، مہاراج امی چند تو بڑے ہی اچھے منش ہیں۔“

”جی ہاں!“ میں نے طنزیہ انداز میں کہا اور پھر چونک کر لچھمی سے پوچھا۔ ”تم بھوجن کر چکی ہو لچھمی؟“

”ہاں مہاراج! کیوں؟“

”بس ٹھیک ہے، یونہی پوچھ رہا تھا۔ آؤ، آرام کریں۔“

”میں بھی تھک گئی ہوں مہاراج!“ لچھمی نے ایک انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

”تب پھر دروازہ بند کر دو۔“ میں نے کہا اور لچھمی کے چہرے پر آنے والے وقت کے رنگین سائے لہرانے لگے۔ اس کی آنکھوں میں گلال پھیل گیا اور وہ شرمائے شرمائے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر اس نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ بند کر دیا اور بہکے بہکے قدموں سے واپس آ گئی۔

میں دلچسپی سے اس کی کیفیات دیکھ رہا تھا۔ آنے والے دلکش لمحات کی پوری کہانی لچھمی کے چہرے پر بکھری ہوئی تھی۔ مجھے یہ کتاب بے حد پسند آئی اور میں نے اسے خود پر کھینچ لیا۔ لچھمی کے پورے بدن میں خوشبوئیں بسائی گئی تھیں اور وہ پھول کی طرح مہک رہی تھی اور پھر میں نے اس کے پورے بدن کی مہک خود میں جذب کر لی۔ لچھمی اب صرف گلاب کی ایک پتی رہ گئی تھی لیکن مطمئن و مسرور۔ وہ میری آغوش میں دراز تھی۔ تب اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور سانس گہرے ہوتے گئے۔ وہ کسی معصوم بچی کی طرح میری آغوش میں سو گئی۔

لیکن میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میں پیار بھری نگاہوں سے سوتی ہوئی لچھمی کو دیکھ رہا تھا۔ اپنا سب کچھ میرے حوالے کر کے کس سکون سے سو گئی۔ کتنا اعتماد ہے اسے مجھ پر۔ میں نے سوچا اور اس کی بند آنکھوں کے پپوٹوں پر انگلی پھیرنے لگا۔

تب، ان آنکھوں کو دیکھتے ہوئے دو اور آنکھیں میرے ذہن میں ابھر آئیں، شرارت کی چمک لیے ہوئے ایک عجیب سی معنی خیزیت لیے ہوئے۔ دو پُراسرار آنکھیں۔ دو دلکش آنکھیں اور ان کے نیچے مسکراتے ہوئے ہونٹ، عجیب مسکراہٹ تھی۔ واقعی عجیب مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں کی چمک حیرت انگیز تھی۔ روشن اور روشن تر، تیز سے تیز تر۔ یہ روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی۔ آنکھیں میرے سامنے تھیں اور یہ کوئی تصور نہیں تھا۔ آنکھیں درحقیقت میری آنکھوں کے سامنے تھیں اور ان سے اتنی تیز روشنی پھوٹ رہی تھی کہ کمرہ منور ہو گیا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے ہونٹ، پھر تیکھی سی ٹھوڑی، پھر گردن اور پھر گردن سے نیچے کا بدن۔ ایک انسانی ہیولا تشکیل پا رہا تھا اور چند لمحات کے بعد وہ ہیولا مکمل ہو گیا ـــــ وہ منورما تھی۔ رانی منورما!

اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی لیکن میں حیران رہ گیا تھا۔ دروازہ بدستور بند تھا اور وہ اندر موجود تھی۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

”کمر کرشنو کا مہاراج!“

”تم ـــ تم رانی منورما ـــ تم یہاں کہاں سے آ گئیں؟“

”تم تو آکاش باسی ہو مہاراج! ہم دھرتی کے کیڑے تمہارے گیان کو کہاں پہنچ سکتے ہیں لیکن کیا یہ گیان تمہیں اس ابلا کی گود سے ملا ہے؟“

”تم اندر کس طرح آ گئیں منورما؟“ اس بار میں نے سخت آواز میں پوچھا۔

”اوہ! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مہاراج۔ چنتا کیوں کرتے ہو؟ اب منورما ایسی گئی گزری بھی نہیں ہے کہ کسی کا راز کھول دے گی۔“

”مجھے کسی راز کی چنتا نہیں ہے منورما!“

”تم میرے لیے عجیب ہو مہاراج! بڑے ہی سندر مگر بڑے ہی انوکھے۔ میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔“

”کیا جاننا چاہتی ہو؟“

”یہی کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟“

”جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر تمہیں یقین نہیں آیا؟“

”نہیں مہاراج!“ وہ مسکرا پڑی۔ ”کیا آپ اب بھی یہی کہیں گے کہ میں اس بات پر یقین کر لوں؟“

”کیوں، اب کیا ہوا؟“

”تیاگی سنسار سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ آپ نے اس ابلا کو ستی ہونے سے بچایا ہے اور اب اسے اپنی ملکیت بنا لیا ہے۔ کیا رشی منی ایسا ہی کرتے ہیں؟“

”اوہو۔ کیا ایسا نہیں کرتے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”تمہیں تو ہندو مت کے بارے میں بھی معلومات نہیں ہے مہاراج اور تم خود کو گیانی کہتے ہو!“

”ہاں رانی منورما! تیرا خیال ٹھیک ہے مگر پہلے تو مجھے ایک بات بتا۔“

”پوچھو مہاراج!“

”تو اس بند کمرے میں کیسے آ گئی؟“

”یہ میرا گیان ہے مہاراج۔ یہ میری شکتی ہے۔“ منورما نے کہا۔

”تب تو بڑی ہی بے وقوف ہے۔ اپنے گیان، اپنی شکتی سے میرے بارے میں کیوں نہیں معلوم کر لیتی؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ کام بھی مشکل نہیں ہو گا مہاراج! پرنت میں کچھ اور چاہتی ہوں۔“ منورما نے کہا۔

”وہ بھی بتا دے۔“ میں نے لاپروائی سے کہا۔

”بتا دوں گی مہاراج۔ ایسی جلدی بھی کیا ہے۔“ منورما نے کہا اور اس کی آنکھوں سے پھر تیز روشنی پھوٹنے لگی۔ میری نگاہ اس کی آنکھوں پر جم کر رہ گئی ـــ درحقیقت مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس کا بقیہ جسم کب تحلیل ہو گیا۔ پھر وہ آنکھیں چھوٹی ہونے لگیں۔ چھوٹی اور چھوٹی اور پھر دو ننھے ننھے نقطے

گئے اور ـــــ اس کے بعد کچھ بھی نہ رہا۔

میں حیرت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ذہن میں ابھی تک منورما کی آواز گونج رہی تھی۔ پھر میں نے چونک کر اردگرد کے ماحول کو دیکھا۔ کیا یہ سب وہم تھا، تصور تھا۔ دروازہ بالکل بند تھا اور کمرے میں کوئی وجود نہیں تھا منورما کہاں سے آئی اور کہاں چلی گئی۔ کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

بہرحال یہ عجیب و غریب قوت تھی جس کا اظہار دوسری بار میرے سامنے ہوا تھا۔ یہ لوگ اسے جادو، منتر کہتے تھے لیکن جو کچھ بھی تھا، علم دلچسپ تھا اور میں اس سے کافی متاثر تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کسی ایسے شخص کو دوست بناؤں جو مجھے یہ علم سکھا دے اور وہ منورما بھی ہو سکتی ہے۔

کافی دیر تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر گہری [illegible]۔ دوسری صبح دیر سے جاگا تھا۔ پھتی جاگ چکی تھی اور اس کا مسلا ہوا لباس [illegible] اس کے بدن پر تھا۔ محل کی داسیوں اور داسوں نے ہمیں غسل کرنے کی جگہیں بتائیں۔ پھتی اور میرے لیے لباس بھی نئے آئے تھے اور پھر داسوں نے اطلاع دی کہ مہاراج نے بھوجن کے لیے بلایا ہے۔

"چلو!" میں نے کہا اور میں اور پھتی نوکروں کے ساتھ چل پڑے۔ محل درحقیقت بے حد خوبصورت تھا، ہر چیز سے شان ٹپکتی تھی۔ ایک بہت بڑے اور بہت خوبصورت کمرے میں راجہ امی چند، رانی منورما اور دوسرے کچھ لوگ موجود تھے انھوں نے کھڑے ہو کر ہمارا سواگت کیا۔

منورما بڑے احترام سے پیش آئی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا لیکن اس وقت مجھے اس کی آنکھوں میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔

"رات کیسی گزری مہاراج؟" امی چند نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"اس پر آج تک غور نہیں کیا امی چند۔ جیسی بھی گزر جائے۔"

"میری منوکامنا ہے مہاراج کہ آپ یہاں کوئی تکلیف نہ اٹھائیں۔"

"ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے امی چند۔"

"تم بھی دیوی ـــــ مہان گیانی کے سنگ کی وجہ سے تمھارا رتبہ بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ ہمیں تمھاری سیوا کر کے بھی خوشی ہو گی۔" راجا امی چند، پھتی سے بولا۔ پھتی کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ میں نے بار بار منورما کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموشی سے سر جھکائے بھوجن کر رہی تھی اور اس وقت اس کی آنکھوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔

ناشتے کے بعد ہم کمرے سے نکل آئے۔ راجہ نے میرے قدم چھوئے اور دربار جانے کی اجازت طلب کی۔ پھر وہ چلا گیا۔ میں اور پھتی اپنی آرام گاہ کی طرف چل پڑے تھے۔ رانی منورما بھی ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔ تب میں نے پھتی کو داسیوں کے حوالے کیا اور رانی کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ منورما میرے قریب آ کر رک گئی تھی۔

"میرے لیے کوئی آدیش مہاراج؟" منورما نے ادب سے پوچھا۔

"ہاں رانی۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" میں نے کہا۔

"مہاراج اگر پسند کریں تو میرے دوار چلیں، یا پھر جہاں چاہیں؟"

"یہ تیرا محل ہے رانی اور ہم تیرے مہمان، جہاں تو کہے۔"

"تب میرے ساتھ آیئے مہاراج!" منورما نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ داسیاں پیچھے ہٹ گئیں اور ہم دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ایک خوبصورت دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ داسیوں نے دوڑ کر دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گئیں۔ تب ہم دونوں اندر داخل ہو گئے اور رانی کے اشارے پر داسیوں نے دروازہ بند کر دیا۔

"پدھاریئے مہاراج! میرے بھاگ کہ آپ یہاں تک آئے۔" رانی ایک نشست گاہ کی طرف اشارہ کر کے بولی اور میں اطمینان سے بیٹھ گیا۔ رانی میرے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور چکر میں پڑ گیا! اس وقت رانی کا چہرہ بالکل سادہ تھا۔ آنکھوں میں چمک اب بھی تھی لیکن اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں سنبھل گیا۔ یہ تو معاملہ ہی کچھ اور نظر آ رہا تھا۔ رات کے وقت رانی کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔

"کیا آدیش ہے مہاراج؟" اس نے کہا۔

"کچھ باتیں پوچھنی ہیں۔"

"میں موجود ہوں!"

"کیا امی چند کی ایک ہی رانی ہے یا کوئی اور بھی ہے؟"

"صرف میں ہی ہوں مہاراج! چار رانیاں مر چکی ہیں۔ ویسے بھی راجاؤں کو رانیوں سے زیادہ داسیوں کے ساتھ سمے بِتانا ہوتا ہے۔ رانی ایک ہو یا دس، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"اوہ!" میں نے گردن ہلائی۔ "امی چند بھی داسیوں میں دلچسپی لیتا ہے؟"

"یہ راجاؤں کی شان ہے مہاراج!" منورما اداسی سے بولی۔

"تمھیں برا نہیں لگتا؟"

"عادت پڑ جاتی ہے مہاراج!" اس نے جواب دیا اور اس جواب میں بڑی بے بسی تھی۔ رات کی منورما بے بس نہیں تھی۔ پھر یہ کیا راز ہے۔ کیا درحقیقت وہ صرف ایک تصور تھا، یا پھر کوئی اور ہستی؟

"تم اگر چاہو منورما ـــــ تو میں تمھاری سہائتا کر سکتا ہوں!"

"کس بارے میں مہاراج؟"

"امی چند صرف تمھارا دم بھرے!"

"نہیں مہاراج! کبھی یہ میری منوکامنا تھی، اب نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"بس میں عادی ہو چکی ہوں اور پھر میرا پتی جس بات میں خوش ہے میں اس میں ٹانگ کیوں اڑاؤں۔ نہیں مہاراج میں یہ نہیں چاہتی۔"

"تیری مرضی ہے رانی۔ میں چاہتا ہوں تیری کوئی سہائتا کروں ـــ اگر کبھی تجھے اس کی ضرورت پڑے تو مجھے ضرور یاد کر لینا۔"

"دیا ہے مہاراج کی اور میں اس کے لیے بہت شکرگزار ہوں۔" منورما نے کہا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"بس اب مجھے آگیا دے!"

"پدھاریں مہاراج! میں کیا سیوا کروں۔ میرے لیے بھی تو کچھ کہیں؟"

"ضرور کہیں گے منورما۔ پر ابھی نہیں۔" میں نے کہا اور پھر میں اس کے کمرے سے نکل آیا لیکن الجھا ذہن لیے۔ کچھ بات ہے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ منورما تو میرے خیال کے برعکس نکلی۔ وہ چالاک لگتی تھی! اس کی آنکھوں سے تیزی ٹپکتی تھی لیکن اپنی گفتگو سے وہ ایسی نہیں معلوم ہوتی تھی! اس نے نہایت احترام سے مجھ سے بات کی تھی اور میں کہیں بھی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی فریب کر رہی ہے۔

پھر وہ تصور کیسا تھا ـــــ کیا درحقیقت وہ کوئی تصور تھا ـــــ مگر اس سے قبل تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا! اس سے پہلے تو میں نے کھلی آنکھوں سے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ یہاں ایسا فریب کیوں ہوا۔ درحقیقت میں تھوڑی دیر تک الجھا رہا اور اس کے بعد میں نے یہ خیال ہی ذہن سے نکال دیا۔ منورما سے دن میں تین بار ملاقات ہوئی۔ ایک بار شام کی پوجا پر اور پھر رات کے کھانے پر لیکن اس کے اور راجا امی چند کے انداز میں احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اور پھر رات آ گئی۔ میرے ذہن میں کسی قسم کا تردد نہیں تھا۔ پھتی کا نازک اور میرا جانا پہچانا بدن تھا اور میں۔ پھتی کی لذت انگیز سانسیں تھیں اور رات کا سناٹا تھا لیکن اس سناٹے میں ایک کھنکتی ہنسی شامل ہو گئی اور یہ ہنسی پھتی کی نہیں تھی۔ پھتی تو نیم غنودہ ہو گئی تھی۔ پھر میرے کانوں میں صاف آواز ابھری۔

"کیا ہو رہا ہے مہاراج؟" اور میں نے چاروں طرف دیکھا۔ آواز منورما کی تھی، اس میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

"پھتی!" میں نے پھتی کو آواز دی۔

"اسے سونے دو مہاراج، مجھ سے باتیں کرو، وہ میری آواز نہیں سنے گی۔"

"کون ہو تم؟"

"ارے، کیسے گیانی ہو، اتنی سی بات نہیں معلوم کر سکتے!"

"منورما!" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"داسی ہی ہے!"

"کیا بات ہے، آج تم کھل کر سامنے نہیں آ رہیں؟"

"آ جاؤں؟" منورما کی چہکتی ہوئی آواز ابھری۔

"ہاں آؤ۔ دیکھوں تو سہی، کیا طلسم ہے۔" میں نے کہا اور اچانک ایک جگہ روشنی ہو گئی۔ میں نے چونک کر اس طرف دیکھا، منورما ہی تھی لیکن حیرت کی بات تھی۔ میں اسے قریب سے دیکھنے کے لیے آگے بڑھ گیا لیکن جونہی میں اس کے چمکدار وجود کے نزدیک پہنچا وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

"فاصلے ٹھیک ہوتے ہیں مہاراج! میں قریب سے بھی ویسی ہی نظر آؤں گی جیسی دور سے۔" یہ آواز میری پشت سے آئی۔ میں نے گھوم کر دیکھا، منورما کمرے کے دوسرے کونے میں کھڑی ہوئی تھی اور پھتی اسی طرح سو رہی تھی۔ بہرحال حیرت انگیز بات تھی لیکن مجھے گرنتھ ناتھ یاد آ گیا! اس کا علم میں دیکھ چکا تھا۔

"ٹھیک ہے منورما! دور سے ہی سہی مگر کیا تم مجھ سے باتیں کرو گی؟"

"ہاں ہاں مہاراج، کیوں نہیں۔"

"تب پھر آؤ۔ بیٹھو، باتیں کریں۔" اور منورما مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔ "کل رات بھی تم ہی تھیں نا؟"

"ہاں مہاراج! سنسار میں صرف ایک ہی منورما ہے اور وہ میں ہوں۔ میری جیسی دوسری نہ ہو گی۔ آپ نے دیکھی ہو تو بتائیں۔"

"نہیں دیکھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم دن کی روشنی میں بدل کیوں جاتی ہو؟"

"اس کی بات چھوڑو کرشنو کا۔ دن کی بات دن کے ساتھ۔ تم بتاؤ تمھارا گیان میرے بارے میں کیا کہتا ہے؟" منورما نے کہا۔

"تم جادوگرنی ہو۔"

"ہوں، مگر تم میرا جادو نشٹ بھشٹ کیوں نہیں کر دیتے ہو؟ تم نے تو پورا جیون پہاڑوں میں بتایا ہے، تپسیا کرتے ہوئے، گیان حاصل کرتے ہوئے۔ کیا تمھارا گیان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا؟"

"شاید نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا۔

"ارے کیوں؟"

"اس لیے منورما کہ میری اور تمھاری حیثیت مختلف ہے۔ تمھارا یہ علم جسے تم جادو کا نام دیتے ہو، میرے لیے اجنبی ہے۔ میں تمھارے اس علم سے بہت متاثر ہوں۔ تم مجھے ایک بات بتاؤ، تمھارا جادو، تمھارا یہ انوکھا علم، تمھیں میرے بارے میں کیا بتاتا ہے؟"

"سنو گے مہاراج؟"

"ہاں!"

"اور سچ بولو گے؟"

"ہاں۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا!"

"تو پھر مہاراج تمھارا نام کرشنو کا نہیں ہے۔ تم نے کبھی پہاڑوں میں گیان نہیں کیا۔ ہاں میرے بیر مجھے تمھارے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے۔ وہ تمھاری پچھلی زندگی کا پتہ نہیں لگا سکے اور یہ تمھاری ذات کا انوکھا پن ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں کرشنو کا مہاراج؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے کوئی گیان نہیں کیا۔" میں نے اسے بتایا۔

"تو پھر گیانی کیوں بن گئے؟ اس لڑکی کے لیے؟"

"نہیں منورما! یہ لڑکی میرے لیے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتی۔ بس مرنے سے ڈر رہی تھی، آگ میں نہیں کودنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا جیون بچا لیا۔"

"اور پھر اپنے اس احسان کا بدلہ اس کے شریر سے لے لیا؟"

"نہیں منورما! میں نے اس کا شریر بدلے میں نہیں لیا تھا۔ وہ نوجوان تھی، خوبصورت تھی اور میں ایک بھرپور مرد۔ میں نے اس کی خوشی سے اسے حاصل کیا!"

"اور پھر مہاراج کرشنو کا بن کر بلدیو! میں آ بیٹھے؟" منورما طنزیہ

انداز میں بولی۔

"آیا نہیں، لایا گیا تھا۔ اب تم سے کیا کہوں، تمھارے ہاں حماقتوں کی باتوں پر بڑی توجہ دی جاتی ہے۔ میں نے خود تو مندر میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

"ایک اور بات بتاؤ گے مہاراج؟"

"ہاں پوچھو!"

"کیا ہندو دھرم سے تمھارا کوئی ناطہ نہیں ہے؟" منورما نے سوال کیا اور میں نے چند منٹ اس کے سوال پر غور کیا۔

"اس کا جواب دینے سے پہلے میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں منورما!"

"چلو پوچھ لو۔" منورما نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"اب تم اس بات سے انکار تو نہیں کرو گی کہ اس وقت کی منورما اور رانی منورما میں کوئی فرق ہے؟"

"چلو ٹھیک ہے میں نے مان لیا کہ میں منورما ہی ہوں۔ اب ——"

"تو منورما پھر میں تم سے کہوں گا کہ مجھ سے دوستی کر لو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو اپنے بارے میں سچ سچ بتائیں گے اور ایک دوسرے پر پورا وشواش کریں گے!"

"وچن دیتے ہو مہاراج کہ جھوٹ نہیں بولو گے!"

"ہاں وچن دیتا ہوں!"

"ٹھیک ہے تو اب تم مجھے بتاؤ کہ کیا تمھارا تعلق ہندو دھرم سے نہیں ہے؟"

"نہیں دیوی!"

"پھر کیا دھرم ہے تمھارا؟"

"کوئی دھرم نہیں ہے۔ بس دھرتی پر بسنے والا ایک جاندار ہوں۔ دھرتی پر بسنے والوں سے پریم کرتا ہوں اور اگر سچ مانو تو پریم ہی میرا دھرم ہے۔ بے بس کیڑے جب اپنے جیسے دوسرے کیڑوں کو نگلنے لگیں تو ان سے طاقتور کیڑوں کا فرض ہے کہ وہ انھیں نگل جائیں اور کمزوروں کی رکھشا کریں۔ یہی میرے دھرم کا وچار ہے۔"

"کہاں سے آئے ہو؟"

"سنسار کے ہر کونے سے۔ دھرتی کے بہت سے ٹکڑے میرے پیروں تلے روندے گئے۔ بات سچ کی ہو رہی ہے اس لیے تم اس میں شک نہ کرنا۔"

"ہمارے دھرم کا روپ کیوں اپنا لیا؟"

"صدیوں سے انسانوں کا تجزیہ کرتا آیا ہوں۔ ہر دھرم سے دلچسپی ہے، ہر علم کو پسند کرتا ہوں۔ تمھارے دھرم کے بارے میں جاننے کے لیے تم جیسا بن گیا۔ یہاں سے کہیں اور جاؤں گا تو ان جیسا رنگ جاؤں گا۔"

"انوکھے ہو۔ بھگوان کی سوگند۔ اتنے سندر کیوں ہو؟"

"بس اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کام کی باتیں کریں۔"

"چلو کریں۔" منورما نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"اب میں تمھارے بارے میں کچھ پوچھوں؟"

"پوچھ لو۔ حالانکہ میں ابھی تمھارے بارے میں کچھ نہیں جان سکی۔" منورما نے کہا۔

"اس سے زیادہ اگر میں تمھیں بتاؤں گا تو تمھاری سمجھ میں نہیں آئے گا اور تم اسے جھوٹ سمجھو گی، ثبوت مانگو گی اور مجھے یہ ثبوت دینے میں خاصی الجھنیں پیش آئیں گی۔"

"پھر بھی میں تمھارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوں کرشنو کا جی!"

"آہستہ آہستہ جان لو گی۔ اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"تم پوچھو مہاراج!" منورما مسکرا کر بولی۔

"جادو جانتی ہو؟"

"ہاں!"

"یہ بات سب کو معلوم ہے؟"

"نہیں!"

"اس طرح تو تم امی چند پر بھی قابو رکھتی ہو گی؟"

"اتنا بڑا مہاراجہ۔ امی چند کتوں کی طرح میرے پیر چاٹتا ہے۔ اس کی چار رانیاں تھیں جنھیں ایک ایک کر کے میں نے موت کے گھاٹ اُتار دیا اور اب ہر دے مان کے راجہ پر صرف میری حکومت ہے۔"

"بہت خوب رانی منورما! اب دوستی کی بات کرو۔"

"ضرور مہاراج!"

"کیا تم مجھے بھی اپنا علم سکھا سکتی ہو؟"

"یہ بہت بڑی بات ہو گی مہاراج! میں ایسا کر سکتی ہوں لیکن، جب دوستی کی بات ہی ہے تو میں بھی آپ سے کچھ مانگوں گی۔"

"ہاں، ضرور۔"

"پہلی بات۔ تم مجھے اپنی شکتی کے بارے میں بتاؤ گے۔"

"اوہ! بات وہیں آ گئی۔"

"ہاں مہاراج! [illegible] جانتی ہوں۔"

"تو سنو منورما! کچھ تمھیں بتا چکا ہوں، کچھ اور سن لو۔ میرا خیال ہے تمھارا طلسم میرے اوپر نہیں چل سکے گا۔ میں بے اثر انسان ہوں۔ آگ پانی یا کوئی اور چیز میرے بدن پر بے اثر ہے اور یہ صدیوں کی سختیاں ہیں جنھوں نے مجھے نہ جانے کیا بنا دیا ہے۔ میں تم جیسا گوشت پوست کا انسان نہیں ہوں۔ ہر دَور میں میں ہر مذہب اور ہر خیال کے انسانوں کے ساتھ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہر دَور کے انسانوں میں ضم ہونے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان سے مختلف نہ ہو۔ سو میں نے خود کو تمھارے دھرم کے مطابق بنا کر پیش کیا، گو مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ایک لڑکی کی جان لینا چاہتے تھے۔ اگر میں اس کو بچانا چاہتا تو ان سب کو قتل کر دیتا اور وہ آج بھی میرے پاس اسی طرح محفوظ ہوتی جس طرح ہے۔ اسے کون مجھ سے چھین سکتا تھا منورما لیکن اس طرح جو دشمنی کی فضا پیدا ہوتی وہ نہ مجھے سکون سے رہنے دیتی نہ میں اپنا تحقیقاتی کام جاری رکھ سکتا تھا۔ تمھارے دھرم میں شامل ہو کر میں زیادہ سکون سے اپنا کام کر سکتا

ہوں اور اس میں میرا کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ میں نے اپنے آپ کو "۔۔۔" کے درمیان رکھ کر تمھارے ہاں کے لوگوں کی دلچسپیاں حاصل کر لیں۔ انھوں نے مجھے اوتار سمجھا، میں نے انکار نہ کیا۔ وہ مجھے عام آدمی سمجھیں گے تب بھی مجھے اعتراض نہ ہو گا بس میرا کام جاری رہے۔"

"مگر صدیوں سے تمھارا کیا مطلب ہے مہاراج؟"

"صدیاں، صدیاں ہوتی ہیں۔" میں ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم جو صدیوں کی بات کرتے ہو وہ کیا حیثیت رکھتی ہے؟ تم نے کہا ہے کہ تم ہر دَور کے انسانوں کے ساتھ شامل رہے ہو، اس کا کیا مطلب ہے؟"

"میں صدیوں سے زندہ ہوں رانی منورما۔ میری عمر ہزاروں سال ہے، مان سکتی ہو تو مان لو ورنہ اپنے علم کو آواز دو اس سے پوچھو میں نے جھوٹ نہیں کہا۔"

"ہائے رام! تو کیا تم نے امرت جل پیا ہوا ہے؟"

"میں نے کچھ نہیں پیا۔ میرے بارے میں سوچتی رہی تو میرے ہی بارے میں پوچھتی رہو گی اس لیے اس گفتگو کو یہیں پر ختم کر دو اور میری بات کا جواب دو۔"

"مجھے بڑی حیرت ہے مہاراج!"

"ہر دَور کے انسان مجھ پر حیران رہے ہیں، تم نے کوئی نئی بات نہیں کی۔"

"تو تمھارا نام بھی کرشنو کا نہیں ہے؟"

"نہیں دیوی!"

"پھر تمھارا کیا نام ہے مہاراج؟"

"صدیوں کا بیٹا —— اور بس ——"

"انوکھا نام ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ؟"

"وہ بھی پوچھ لو۔" میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔

"یہ لڑکی تمھاری پریمیکا ہے؟ میرا مطلب ہے مہاراج تم اس سے پریم کرتے ہو اور وہ بھی تم سے ...."

"زمین کی بے شمار عورتوں نے ادوار کے مطابق میرا قرب حاصل کیا ہے۔ انھوں نے مجھ میں کشش محسوس کی، مجھے بھی ان کی ضرورت تھی، چنانچہ میں نے ان کا قرب اپنا لیا۔ لچھی بھی انہی میں سے ایک لڑکی ہے۔ جہاں تک تم پریم کی بات کرتی ہو تو یہ میرے لیے ناممکن ہے کیونکہ تمھاری عمریں ایک حد تک جا کر ختم ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد میں تنہا رہ جاتا ہوں۔ چنانچہ بدلتے ادوار کے ساتھ میری عورت بھی بدلتی رہتی ہے۔"

"تو کیا تم مہاراج ایک دَور میں ایک ہی استری کے ساتھ رہتے ہو؟"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور منورما کسی حد تک جھینپ گئی۔

"میرا مطلب ہے مہاراج تم اس سے دواہ کر لیتے ہو؟"

"نہیں۔ میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ یہ ساری باتیں دھرموں سے تعلق رکھتی ہیں اور میرا کوئی دھرم نہیں ہے۔ ہاں میری عورت اپنے طور پر جو چاہے سو کرے۔"

"ہوں۔ تمھاری ساری باتیں انوکھی ہیں۔ بھگوان کی سوگند تم جتنے سندر ہو اتنے ہی حیرت انگیز بھی۔ میں تمھیں بہت پسند کرنے لگی ہوں مہاراج! میرا من تم میں الجھ گیا ہے۔ ابھی تو نہ کہوں گی لیکن میں تم سے ایک بات ضرور کہوں گی۔" منورما نے کہا۔

"ابھی کیوں نہ کہو گی منورما؟"

"لاج آوے ہے۔" وہ شرما کر بولی۔

"اچھا۔ ایک بات اور بتا دو!"

"ہاں ہاں۔ پوچھو۔"

"کیا امی چند کو بھی نہیں معلوم کہ تم ایسے علوم جانتی ہو؟"

"اسے معلوم ہے مہاراج! مگر اس کا دماغ میری مٹھی میں ہے وہ صرف وہی سوچتا ہے جو میں چاہتی ہوں۔" منورما نے جواب دیا۔

"تب تو یوں سمجھا جائے کہ ہر دے مان پر اصل حکومت تمھاری ہے!"

"ہاں مہاراج، یہی سمجھ لو۔" منورما نے بڑے فخر سے کہا اور پھر بولی۔ "مگر مہاراج جو کچھ میں تم سے کہوں گی اس کا پہلا پارٹ یہ ہے کہ کیا تم میرے کہنے سے لچھی کو چھوڑ سکتے ہو؟"

"اوہ!" میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ میں سمجھ گیا وہ کیا کہنا چاہتی ہے لیکن یہ الجھن کی بات تھی۔ وہ خوبصورت تھی، سب سے بڑی بات یہ کہ با علم تھی، اس علم کی مالک جسے میں حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن وہ معصوم لڑکی جس کی زندگی کے گاہک چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے، بے قصور تھی اور میرے علاوہ اس کا کوئی سہارا نہ تھا۔ اپنی خوشی کے لیے اور اس علم کے حصول کے لیے میں اپنے اصول کو نہیں توڑ سکتا تھا۔ میں نے اس کی زندگی کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا، سو اس کے لیے میں بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا تھا حالانکہ منورما میرے لیے بہت دلکش تھی، جوان اور حسین عورت کی حیثیت سے بھی اور ایک جادوگرنی کی حیثیت سے بھی —— لیکن معصوم لچھی کو برباد کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

"اسے چھوڑنا بہت ضروری ہو گا منورما؟"

"ہاں مہاراج! اب کہلوانا چاہتے ہو تو سن ہی لو۔ تمھاری سندرتا نے میرا من موہ لیا ہے۔ میں تمھارا جیون بھر کا ساتھ چاہتی ہوں اور میں کیسے برداشت کروں گی کہ میرے پریم میں کوئی دوسری بھی شامل ہو۔ میں تمھیں اپنا سب کچھ دے دوں گی مہاراج۔ تم میرا پریم سویکار کر دو اور صرف میرے ہو جاؤ۔" منورما کی آنکھوں سے پیار ٹپکنے لگا تھا۔

میں سوچ میں ڈوب گیا۔ سوچ یہ نہ تھی کہ منورما کی پیشکش قبول کر لوں بلکہ یہ تھی کہ اگر میں نے اسے انکار کر دیا تو اس کے بعد اس کا ردِ عمل کیا ہو گا؟

"سوچ میں ڈوب گئے مہاراج؟"

"ہاں منورما!"

"پر کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم جیون بھر میرے ساتھ کیسے رہ سکو گی؟"

"کیوں؟ اس میں کیا ہرج ہے؟"

"مہاراج امی چند کا کیا ہوگا؟"

"وہ صرف ایک کتّے کی طرح ہمارے تمھارے سامنے دُم ہلاتا رہے گا۔ میں اسے بے حقیقت کر کے رکھ دوں گی' میرا نام منورما ہے۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دو — رانی — میں تمھیں جلد ہی جواب دوں گا۔"

"ٹھیک ہے مہاراج — لیکن عورت جب کسی کو من کا میت مان لیتی ہے تو پھر اس کے بعد کسی دوسری عورت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ تم میرے ہو چکے ہو سوامی۔ اب میں تمھیں اس عورت کے ساتھ نہ دیکھ سکوں گی۔" منورما نے نفرت سے پھچھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر ابھی تو یہ مشکل ہے منورما!"

"میں ساری مشکلیں ٹھیک کر لوں گی مہاراج! تم چنتا نہ کرو۔" منورما نے ہاتھ اٹھایا اور دوسرے لمحے وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی' بالکل اسی طرح جیسے جلتا ہوا چراغ اچانک بجھ جائے — اور میں آنکھیں پھاڑے تا رہ گیا۔ ایک خطرناک لیکن دلچسپ الجھن میرے ذہن پر سوار ہو گئی۔ بے چاری پھچھی خطرے میں پڑ گئی تھی اور اس بار یہ خطرہ شدید تھا کیونکہ وہ لوگ جو پھچھی کی جان کے گاہک تھے کھل کر میرے سامنے آ چکے تھے۔ جسمانی طور پر ان سے نمٹنا میرے لیے مشکل نہ تھا لیکن ایک ایسی پُراسرار قوت جو شعلے کی طرح زندہ ہوتی ہے اور چراغ کی طرح بجھ جاتی ہے' میری سمجھ سے باہر تھی اور میں اس کے لیے کوئی مناسب بندوبست نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے پھچھی کی طرف دیکھا۔ چہرے پر سکون سجائے آرام سے سو رہی تھی۔ ساری فکریں' ساری پریشانیاں میرے سپرد کر کے۔ ظاہر ہے مضبوط سہارے انسان کو سکون ہی دیتے ہیں اور میں اس کے لیے ایک مضبوط سہارا تھا۔ ساری رات آنکھوں میں گزر گئی۔ پھر پھچھی کے خوبصورت ہونٹ مسکرائے اور صبح ہو گئی۔

وہ بالکل مطمئن تھی! اس کے چہرے پر کوئی پریشانی نہیں تھی اور ہوتی بھی کیوں' اس کو تو مکمل سکون تھا۔ دن میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ راجہ امی چند مجھ سے ملنے آیا اور اپنے دکھڑے روتا رہا۔ نہ جانے اس نے مجھ سے کیا کیا توقعات لگا رکھی تھیں لیکن اس وقت میری نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ منورما مجھے اس کی حیثیت سے آگاہ کر چکی تھی۔ میں نے سرسری انداز میں اس سے بات چیت کی۔ میرا ذہن الجھا ہی رہا تھا۔ آج رات وہ مجھ سے میرا فیصلہ مانگے گی۔ اسے فریب دینا بھی آسان کام نہ ہوگا۔ پھچھی کیلیے کیا کروں؟

رات ہو گئی۔ بدلی ہوئی منورما دوبارہ میرے سامنے آ گئی۔ بھول کر بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی رات کی جادوگرنی ہے۔ ہر طور بدلا ہوا تھا۔ پھر سارے کاموں سے فارغ ہو کر میں اپنی خوابگاہ میں آیا تو دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی میرے کانوں میں ایک باریک سی آواز اُبھری۔

"کرشنو کا مہاراج! یہاں کیوں آئے ہو؟"

"کیا؟" میں آہستہ سے بولا۔

"میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ اب تم میرے ہو گئے ہو۔ میں تمھیں کسی اور لڑکی کے ساتھ اکیلے میں نہیں دیکھ سکتی! اس سے پہلے تم اس کے شریر سے کھیلتے رہے ہو لیکن اب یہ ٹھیک نہ ہوگا مہاراج!"

"لیکن منورما —"

"میں اس بارے میں کچھ نہ سنوں گی۔ میں تمھاری باہٹ تک سہی ہوں' میرے من میں ادھک منو کامنائیں ہیں' آجاؤ۔"

"لیکن میں اس سے کیا کہوں؟"

"اس کی اور دیکھو' وہ تم سے کچھ نہ کہے گی۔" منورما کی آواز اُبھری اور میں نے چونک کر پھچھی کی طرف دیکھا' پھچھی چپ چاپ کھڑی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کھڑی کھڑی سو گئی ہو۔

"پھچھی!" میں نے اسے آواز دی لیکن پھچھی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اس کے شانے پکڑ کر اسے جھنجھوڑنے کی کوشش کی لیکن اچانک [illegible] جسم میں گرم لہریں دوڑ گئیں۔ پھچھی کا بدن . . . . . یہ انسانی بدن تو نہ تھا۔ میں نے کسی پتھر کے مجسمے پر دونوں ہاتھ رکھ دیے تھے۔ پاگلوں کی طرح میں نے اس کے پورے بدن کو ٹٹولا' چہرے کا جائزہ لیا' آنکھیں دیکھیں' سب کے سب پتھرائے ہوئے تھے اور میرے بدن میں شعلے بھڑک اٹھے۔ منورما نے چکر چلا دیا تھا۔

"منورما!" میں نے غرّاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"آجاؤ — مہاراج — باقی باتیں یہاں ہوں گی۔"

"لیکن یہ کیا کر دیا؟"

"یہیں آ کر پوچھ لینا سوامی!" منورما کی آواز میں خمار تھا۔

میں جھلائے ہوئے انداز میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ منورما حد سے بڑھ گئی تھی۔ مجھے اس پر سخت طیش آ رہا تھا لیکن باہر آ کر میں بھٹک گیا۔ وہ کم بخت عورت نہ جانے کہاں ہے۔ میں اس کے پاس کہاں جاؤں؟ تبھی دو خادمائیں کسی طرف سے نکل کر میرے نزدیک پہنچ گئیں۔

"آیئے مہاراج! ہم آپ کو رانی جی کے پاس لے چلتے ہیں۔" اور میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ محل کے ایک دُور دراز حصے میں پہنچ کر باندیاں ایک دروازے پر رُک گئیں۔ ویران سی جگہ تھی۔ شاید محل کا پُرانا حصہ' جہاں نہ چوبدار تھے نہ پہرے دار۔ خموشی اور ویرانی۔ اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ باندیوں نے دروازہ کھولا اور وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو گئیں لیکن اس کمرے میں فرش نہ تھا بلکہ سیڑھیاں تھیں جو نیچے نہ جانے کہاں تک چلی گئی تھیں۔

"آپ ان سیڑھیوں سے نیچے اُتر جائیں مہاراج!" عورتیں وہیں رُک گئیں اور میں سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ میں نے خود کو پُرسکون کر لیا تھا۔ بیشک منورما نے جو کچھ کیا تھا' وہ ناقابلِ معافی تھا۔ میں کسی قیمت پر پھچھی کے ساتھ کوئی ایسا سلوک برداشت نہیں کر سکتا تھا لیکن یہ پُراسرار علم' یہ طلسم میرے پاس نہ تھا۔ میں اس علم سے اجنبی تھا' چنانچہ میں نے بہتر یہی سمجھا کہ دماغ ٹھنڈا رکھ کر کم بخت منورما سے بات کروں اور پھچھی کو اس عذاب سے نجات دلا دوں۔

بے شمار سیڑھیاں اُتر کر میں ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گیا' جہاں دیواروں میں روشنیاں نصب تھیں۔ فانوسوں میں رنگین شمعیں رنگ بکھیر رہی تھیں۔ سامنے ہی ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ ظاہر ہے آگے بڑھنے کی وہی جگہ تھی۔ میں نے پردہ اٹھایا اور ایک دم چونک پڑا۔ پردے کے دوسری جانب آگ کا سمندر موجزن تھا' پیلے' نارنجی شعلے زمین سے بلند ہو رہے تھے اور اوپر چھت تک لگاتار جاتی نظر آ رہے تھے لیکن حیرانی کی بات تھی کہ انھوں نے کپڑے کے اس پردے کو متاثر نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان میں حدت تھی۔ ہاں عام آدمی ان شعلوں کو دیکھ کر ہی وحشت زدہ ہو جاتا لیکن آگ میری صدیوں کی مونس تھی' میں اس سے خوفزدہ کیوں ہوتا۔

میں نے اندر قدم رکھا اور آگ کے اس چھوٹے سے ٹکڑے سے گزر گیا۔ یقیناً یہ آگ نہ تھی' کوئی نظری دھوکا' کوئی انوکھا طلسم' جو میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا لیکن ٹھنڈی آگ کے دوسری جانب پاؤں رکھا ہی تھا کہ چھپاک کی ایک آواز ہوئی اور میں پانی سے بھرے کسی گڑھے میں جا پڑا۔ روشن آگ کا عکس پانی پر پڑ رہا تھا۔ عجیب سا حوض تھا جس میں رنگین مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ بہرحال اس چھوٹے سے گڑھے کو طے کرنا میرے لیے مشکل نہ ہوا اور میں دوسری طرف نکل گیا۔ ایک چھوٹا سا خشک ٹکڑا طے کر کے میں رُک گیا۔

"اندر آجاؤ' کرشنو کا مہاراج!" منورما کی آواز اُبھری اور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ سامنے نظر آنے والی دیوار' دیوار نہیں بلکہ ایک پردہ تھا۔ میں نے اسے ہٹایا اور اندر پہنچ گیا لیکن سامنے جو شکل نظر آئی اسے دیکھ کر میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ وہ پھچھی تھی۔

ایک لمحہ رُک کر میں نے حیرت سے اسے دیکھا' پھچھی نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور مخصوص انداز میں مسکرائی۔

"تم — یہ تم ہو پھچھی!" اس نے کوئی جواب نہ دیا اور ہاتھ پھیلائے میری جانب بڑھ آئی اور میرے سینے سے لگ گئی۔ میں تعجب و دلچسپی سے اس کے بدن کو ٹٹول کر دیکھ رہا تھا لیکن حیرانی کی کوئی بات نہ تھی۔ منورما کی پُراسرار قوتوں کے بہت سے مظاہرے دیکھ چکا تھا۔

"تمھیں بھی اس نے یہیں بلا لیا لیکن تمھاری وہ پہلی کیفیت . . . . کیا تمھیں اس کا احساس ہے؟" میں نے کہا لیکن پھچھی خاموش رہی۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"کیا بات ہے پھچھی؟ خاموش کیوں ہو؟"

"بولوں!" پھچھی کی آواز اُبھری اور ایک بار پھر میں حیران رہ گیا' یہ آواز اس کی نہ تھی۔ میں نے منورما کی آواز صاف پہچان لی تھی۔ دوسرے لمحے میں نے اسے خود سے الگ کر دیا۔

"کیوں کرشنو کا! کیا صرف بدلی ہوئی آواز سے مجھ میں اور پھچھی میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ دیکھ لو میں بالکل اس جیسی ہوں' اب تو تم مجھے سویکار کر لو گے!"

"تو یہ تم ہو منورما!"

"ہاں مہاراج! کیسی لگ رہی ہوں؟"

"پھچھی کہاں ہے؟"

"تم نے اسے اپنے کمرے میں نہیں دیکھا تھا؟"

"وہ اب بھی اسی حالت میں ہے؟"

"ہاں اور ہمیشہ رہے گی!"

"کیوں؟" میری آواز میں غرّاہٹ تھی۔

"اس لیے کرشنو کا' کہ اب تو میری پسند ہے اور جسے میں پسند کرتی ہوں' اس پر کسی دوسرے کا سایہ تک نہیں پڑ سکتا۔ پھچھی اب کبھی انسان نہ بن سکے گی اور تو اس پر صرف افسوس کر سکے گا۔"

"کیا بکواس ہے منورما! تیرا خیال ہے تو اس طرح میرا من جیت سکے گی؟"

"تو — تو کیا کرشنو کا' کیا تو اس کے لیے —؟" منورما حیرت سے بولی۔

"تو بھی عورت ہے منورما' وہ بھی عورت ہے۔ تیرا علم میرے لیے دلکش ضرور ہے لیکن اس سے زیادہ تیری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میری مان پھچھی کو ٹھیک کر دے ورنہ —"

"تم مجھے اور اسے یکساں سمجھتے ہو؟" منورما غرّائی۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"تب میں نے اسے پتھر بنا دیا ہے' اس سے کہو وہ ٹھیک ہو جائے۔" منورما نے کہا۔

"میں نے تیری شکتی کو تو مان لیا ہے۔"

"میری ذلّت کو نہیں مانا؟" منورما نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"دیکھ منورما! حالات خراب نہ کر۔ میں دوستوں کی طرح یہاں آیا ہوں' اگر دشمن بن گیا تو تیرے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔" مجھے غصہ آنے لگا۔

"تو نے اپنے بارے میں عجیب عجیب باتیں کی ہیں کرشنو کا۔ ممکن ہے وہ سچ ہوں۔ لیکن دیوانے تو منورما کی شکتی سے واقف نہیں ہے۔ میں چاہوں تو تجھے کتّوں کی طرح بھونکنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔ میرے چرنوں میں ہزاروں جیون قربان کیے جاتے ہیں اور تو ایک معمولی لڑکی کے لیے میرا اپمان کر رہا ہے۔"

"آخری بات منورما؟" میں نے کہا۔

"وہ بھی کہہ دے!"

"پھچھی کو ایک انسان کی حیثیت سے یہاں لے آ۔"

"ناممکن!"

"بس میں اس کے بعد کوئی بات نہ کروں گا!" میں نے کہا۔

"اسے دماغ سے نکال دو مہاراج' ہاں اگر اس مجسمے کو تم یہاں دیکھنا چاہتے ہو تو میں پیش کر دوں۔" منورما نے کہا اور پھر اس نے ایک طرف ہاتھ کیا۔ پھچھی میرے سامنے آ کھڑی ہوئی لیکن وہی پتھرایا ہوا انداز۔ میری آنکھوں میں خون اُتر آیا اور میں نے کہا۔ "منورما! میں تجھے پسند کرنے لگا تھا' لیکن اب میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں' بے پناہ نفرت۔ اب میں تیرا دشمن ہوں منورما۔ سمجھی۔ اب تو میری ذات سے کسی محبت کی امید نہ رکھ۔"

"تو اچھا نہ کرے گا کرشنو کا! کیا تو یہ پسند کرے گا کہ میں تجھے کتوں کی طرح دُم ہلانے پر مجبور کر دوں؟"

"ہاں۔ میں یہی پسند کروں گا!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔" منوما کا چہرہ آگ کی طرح دہکنے لگا تھا۔

میرے بدن میں چنگاریاں دوڑ رہی تھیں۔ ٹھیک ہے یہ عورت ایسے انوکھے علم کی مالک تھی، جو فی الحال میری سمجھ سے باہر ہے لیکن وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ ظاہر ہے وہ مجھے موت تو دے نہیں سکتی تھی جبکہ میں اس کے خلاف ہر وہ کوشش کر سکتا تھا جو اسے ختم کر دے۔ ہاں پروفیسر ہنڈوک کا یہ جادو بھی خوب چیز تھی۔ اس کا کوئی توڑ میری سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن اس وقت بات چونکہ ایسی ہو گئی تھی کہ میں کسی مصلحت سے بھی کام نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے اس جادوگر عورت پر غصہ آگیا تھا اور اب میں کسی طور اس کی بات نہیں مان سکتا تھا خواہ اس کا انجام کچھ بھی ہو۔ رہ گئی لچھی کی بات ـــــ تو اس غریب کی زندگی ایک طرح سے ختم ہو گئی تھی۔ ہاں وہ آگ کی اذیت ناک موت سے بچ گئی تھی۔ اب اگر میری کوششیں اس کی زندگی واپس لے آتیں تو ٹھیک تھا۔ ورنہ ..... میں اس سے زیادہ اس کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی زندگی کے لیے آخری کوشش بھی کر دوں۔

میں خونخوار نگاہوں سے منوما کو دیکھ رہا تھا اور منوما کا چہرہ اعتدال پر آتا جا رہا تھا۔ کافی دیر بعد ہم دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو گھورتے رہے اور پھر منوما مسکرانے لگی۔

"صدیوں کے بیٹے! اب بول کیا چاہتا ہے؟"

"تو نے مجھے کتوں کی طرح دُم ہلانے کے لیے کہا تھا ـــــ" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"ہاں! وہ تو اب تیرا مقدر ہے۔ سُن جب تک تو میرے تلوے نہیں چاٹے گا، میرے جنگل سے نہیں نکل سکے گا، تو یہاں سے جا بھی نہیں سکے گا۔ دیوانے راجہ دھانی کے بڑے بڑے سندر، بڑے بڑے کڑیل جوان، جو اپنی مونچھ کے ایک بال کی بہت بڑی قیمت سمجھتے ہیں منوما کی آنکھ کے ایک اشارے پر اپنا جیون وارنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ تو سندر ہے لیکن ایسا انوکھا بھی نہیں ہے کہ کوئی تیرے مقابلے کا نہ ہو۔"

"میں جانتا ہوں منوما! اور تو سُن لے، میں تجھے کتیا کی موت مارو گا" میں واپسی کے لیے پلٹا۔

"تو جا رہا ہے ـــــ؟" منوما مضحکہ خیز لہجے میں بولی۔

"ہاں! میں جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟"

"واپس۔ میں امی چند سے بھی تیرے بارے میں بات کروں گا۔"

"جا سکتے ہو تو ضرور جاؤ ـــــ ولیشو! یہ جانے کے لیے کہہ رہا ہے" منوما نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور اس کی آواز کے جواب میں ایک بھیانک قہقہہ سنائی دیا۔

"جائے گا کہاں منوما دیوی! اگر اس نے یہاں سے جانے کی کوشش کی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا!" ایک بھدی اور پھٹی پھٹی سی آواز اُبھری اور اس کے ساتھ ہی کسی نے میری گردن پکڑ لی۔ منوما کا خیال تھا کہ اس نظر نہ آنے والے کی گرفت سے میں خوف سے مردہ ہو جاؤں گا، لیکن میرے نزدیک خوف کا کیا گزر۔ میں نے نہایت سکون سے اس کے پورے بدن کو ٹٹولا جس کی گرفت میری گردن پر کافی سخت تھی، مکمل جسم تھا لیکن بس نگاہوں سے غائب تھا، اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا تھا پروفیسر! نظر آئے یا نہ آئے۔

اس کی گرفت میری گردن پر اتنی سخت تھی کہ بلاشبہ کوئی نہتا ہو گا، میرا مطلب ہے ایسا انسان ہوتا جو ایک طاقتور ترین آدمی سے بھی نمٹنے کی صلاحیت [illegible] رکھتا ہوتا تو اس گرفت سے مایوس ہو جاتا۔ لیکن میرے بدن پر تیز دھ[illegible] ور روزنی قوت والے ہتھیار بھی بے اثر ہوتے تھے! اس کی گرفت مجھے کیا پریشان کرتی۔ ہاں میں نے سکون سے اس کے بدن کو ٹٹولا۔ کر بالآخر اس کی کمر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی، اور پھر میں نے اسے قوت صرف کر کے اوپر اٹھا لیا۔

"ابے ابے کیا کرتا ہے، ابے چھوڑ ـــــ چھو ـــــ او ـــــ او" پھٹی پھٹی آواز میں بوکھلاہٹ تھی۔

"ولیشو! دبا دے گردن، مار دے جان سے، اس نے میرا اپمان کیا ہے۔" منوما غرائی۔

"ابے چھو چھو ـــــ اے اپدیشی! بچا ـــــ بچا مجھے اس کے ہاتھوں سے۔ ہا ـــــ ہائے، کلاّ... کلاّ ـــــ" کریہہ آواز گھٹی جا رہی تھی۔ میری گردن سے گرفت تو پہلے ہی ختم ہو گئی تھی۔ اب وہ خود میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر میں نے اچانک ہاتھ نیچے گرائے اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں۔

"ابے ـــــ ابے یہ کیا کر رہا ہے ـــــ ابے" آواز نے پھر کہا، لیکن اب ٹانگیں میری گرفت سے کہاں نکل سکتی تھیں، میں نے ان پر اپنی گرفت قائم کی اور پھر میرے ہاتھ پھیلنے لگے۔

"دیوی! دیوی اسے روکو ـــــ یہ کیا کر رہا ہے، میں نشٹ ہو جاؤں گا۔ آہ ..... آہ، ہائے۔ ہائے" آواز بھیانک ہوتی گئی اور میرے ہاتھ زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ اختیار کرنے لگے، اور پھر اچانک میں نے زمین پر ایک سیاہ رنگ کا سیّال گرتے دیکھا۔ چیخیں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھیں۔ اور پھر اس کی آخری بھیانک چیخ اُبھری، اور میرے ہاتھ پوری طرح پھیل گئے۔ سیاہ سیّال کافی مقدار میں گر رہا تھا اور رانی منوما غور سے میری شکل دیکھ رہی تھی۔

اور پھر وہ، جو نظر نہیں آ رہا تھا، زندگی کھو کر اب حقیقی شکل میں آگیا۔ بڑی بھیانک شے تھی پروفیسر! میں نے اس وقت کی داستان لکھتے ہوئے اس کی خیالی تصویر بھی بنائی تھی میری کتاب میں محفوظ ہے، کسی وقت دکھاؤں گا۔ سیاہ جسم، انتہائی لمبا چوڑا لباس سے بے نیاز۔ اس کی سُرخ زبان تقریباً گز لمبی باہر نکل آئی تھی، دونوں سفید دیدے کرب سے پھٹ گئے تھے۔ بالکل کوئلے کے ایک مجسمے کی طرح سیاہ عفریت مر چکا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ [illegible] اور [illegible] کی طرف دیکھنے لگا۔

"خوب! وہ مسکرائی، تیرے شریر کی شکتی تو واقعی ماننے کے قابل ہے۔ ہائے تیرے بازوؤں کی گرفت کتنی مضبوط ہو گی، ترستی ہوں میں ایسے مرد کے لیے جو میرے بدن کی ساری ہڈیاں اپنے بازوؤں میں دبا کر چور چور کر دے، مگر پاپی! تو تو ایسا کٹھور بن گیا ہے، پگلا کہیں کا۔"

"میں تیری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا منوما ـــــ" میں نے غراتے ہوئے کہا۔

"نانا... ایسے نہیں ـــــ اسے مار کر اتنا خوش مت ہو! تیرا سدا جیون ایسے راکششوں سے لڑتے لڑتے بیت جائے گا، تب بھی یہ ختم نہ ہوں گے۔ چل ایسا کریں، میں تجھے یہیں چھوڑے جاتی ہوں تو سوچ لے، کل تک کوئی فیصلہ کر لینا۔ اگر تو اسے من سے نکال کر صرف میرا بن جائے تو میں تجھے آزادی دے دوں گی، ورنہ ....."

"ورنہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تھوڑے دن تجھے زندہ رکھ کر مار دوں گی۔" منوما نے لاپرواہی سے کہا۔

اور میں نے اس کی لاپرواہی سے ذرا فائدہ اٹھایا۔ میرے خیال میں اسے میرے کسی اچانک حملے کی توقع نہیں ہو گی چنانچہ میں نے نہایت پھرتی سے چھلانگ لگا دی اور سیدھا منوما پر جا پڑا۔ لیکن میری حماقت تھی۔ میں اس گندے علم کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ منوما کا بدن میری یقینی گرفت میں آیا تھا لیکن میں خود ہی شرمندہ ہو گیا تھا کیونکہ منوما اطمینان سے میری گرفت سے نکل کر الگ جا کھڑی ہوئی تھی! اس کا تو کوئی وجود ہی نہیں تھا!

"میرا شریر تمھاری پکڑ میں نہیں آسکے گا مہاراج۔ آؤ۔ میرے قریب آؤ۔ آؤ بھی!" اس نے مجھے چیلنج کیا اور میں اس کے نزدیک آگیا۔ "لو مجھے پکڑ لو" وہ بولی اور میں نے اس کے بدن کو چھوا، لیکن میرے ہاتھ اس کے بدن سے نکل گئے جیسے کوئی ٹھوس وجود ہی نہیں تھا۔

"کیا خیال ہے؟" وہ مسکرائی، اور میں نے اپنی پوزیشن پر غور کیا۔ میں بلاوجہ غصّہ کر رہا تھا۔ یہ انوکھی مخلوق درحقیقت ابھی تک ناقابل شکست تھی یوں سمجھیں پروفیسر نہ وہ میرا کچھ بگاڑ سکتی تھی اور نہ میں اس کا، لیکن بہرحال اس وقت وہ میرے اوپر حاوی تھی اور میرے ذہن میں اس کے خلاف کوئی ٹھوس اور کاری وار کرنے کی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے مجھے اپنے غصّے پر قابو پانا تھا اور اس کے بعد ہی کوئی ترکیب سوجھ جاتی۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور منوما کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"کیا خیال ہے؟" اس نے پھر کہا۔

"منوما! کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ تو لچھی کو ٹھیک کر دے، اسے اصلی حالت میں لے آ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے بھی اپنا قرب دے دوں گا، تم دونوں کو برابر کا درجہ دوں گا۔"

"ہونہہ ـــــ برابر کا درجہ ـــــ میری اور اس کی کیا برابری اور پھر اب تو وہ بے چاری کسی قسم کی برابری کرنے کے قابل ہی نہیں رہ گئی۔"

"کیا مطلب؟"

"پتھر کی مورتیوں میں بھی کبھی جان پڑی ہے۔"

"تو کیا یہ اب .....؟" میرے بدن میں چنگاریاں سی دوڑنے لگیں۔

"پتھر کا یہ خوبصورت مجسمہ اب یونہی رہے گا مہاراج، بلکہ کرشنو مہاراج کوئی شکتی اب اسے زندہ نہیں کر سکتی، میں چاہوں تو میں بھی نہیں۔"

"اوہ، ذلیل عورت! تو نے اس کی جان لے ہی لی۔" میں غرایا، اور میں نے پھر اس پر جھپٹا مارا ـــــ لیکن پروفیسر! ساری زندگی میں پہلی بار مجھے بے بسی کا احساس ہوا تھا، میں پکڑتا تو کسے، غصّہ نکالتا تو کس پر؟

"تم ابھی ٹھیک نہ ہو گے مہاراج! میں اب چلتی ہوں۔ بس تم اس پتھر سے اپنا [illegible] پھوڑتے رہو، تم اب یہاں سے جا بھی نہ سکو گے۔" منوما نے کہا۔ اور پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر کیے اور میری نگاہوں سے غائب ہو گئی۔

میں احمقوں کی طرح گھوم گھوم کر اسے تلاش کرنے لگا لیکن اب اس اتنے بڑے طلسم خانے میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا، میں نے گہری سانس لی اور گردن جھٹکنے لگا۔ لچھی کا بے جان بُت دیکھ دیکھ کر مجھے اور غصّہ آ رہا تھا بالآخر میں زمین پر بیٹھ گیا۔ اب یہاں کوئی آواز نہیں تھی، کوئی سرسراہٹ بھی نہیں تھی۔ میں کافی دیر تک زمین پر بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر لچھی کے مجسمے کے نزدیک پہنچ گیا۔

"لچھی!" میں نے اس کے پتھریلے بدن پر ہاتھ پھیرا۔ "مجھے افسوس ہے لچھی! میں تجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کر سکا، ہاں لچھی! میں اعتراف کرتا ہوں کہ کائنات بے حد وسیع ہے، میری طویل ترین زندگی بھی ابھی اس کائنات کے سارے راز معلوم کرنے میں ناکام رہی ہے، ابھی اس کائنات کے بے شمار راز چھپے ہوئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے لچھی! لیکن تیری زندگی کی کہانی یہیں تک تھی۔ ہر دور کے انسان کا خیال رہا ہے کہ زندگی کی ایک حد ہوتی ہے اور اس کے بعد موت یقینی ہے، مرنے کے بے شمار طریقے ہوتے ہیں۔ تم سمجھ لینا، تمہاری موت کا یہی وقت تھا، یہی انداز تھا۔ تمہاری زندگی کی حدیں یہیں آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ بہرحال اس کے باوجود مجھے افسوس ہے۔"

میں نے اس کا پتھر یلا شانہ تھپکا اور پھر اس کے نزدیک سے ہٹ آیا اس سے زیادہ افسوس میں کسی کے لیے نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ ہمدردی اور محبّت کا تاثر میں کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔ لچھی میری زندگی سے نکل گئی تھی۔ ہاں لیکن اس بات کو میں نہیں بھول سکتا تھا کہ اسے موت کی طرف دھکیلا گیا ہے اور دھکیلنے والے کو میں کس طرح معاف کر سکتا تھا؟

منوما مجھے اپنے اس طلسم خانے میں چھوڑ گئی تھی۔ کیا ایک قیدی کی حیثیت سے؟ ویسے اگر اس نے مجھے یہاں قید بھی کر لیا ہو تو تعجب کی کوئی بات نہیں تھی۔ پُراسرار علوم کی ماہر اس عورت کے پاس بہرحال ایک

برتر قوت تھی جو جسمانی طاقت سے ختم نہیں کی جاسکتی تھی۔

لیکن میرا کوئی قصور تو نہیں تھا۔ اس علم کے بارے میں پہلے کوئی آواز ہی میرے کانوں میں نہیں پڑی تھی۔ میں نے اس خطے میں آکر اسے دیکھا تھا، اور بہر حال یہاں بھی یہ عام نہیں تھا۔ کیونکہ لوگ اس علم والوں سے خوفزدہ تھے۔ اس کی عزت کرتے تھے۔

لیکن منوہا مجھے قید کر کے کہاں گئی اور کیا میں یہاں قید ہو گیا ہوں یہ تو مشکل ہے، اگر میں قید ہو گیا ہوں تو صدیوں کی کہانی یہیں ختم ہو جانی چاہیے۔ میں نے چاروں طرف دیکھا، اور پھر میں ایک طرف چل پڑا، لیکن صرف چند قدم۔ اس کے بعد میں کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا، لیکن جس چیز سے میں ٹکرایا تھا وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ بلاشبہ وہ نظر نہ آنے والی دیوار تھی لیکن شاید شیشے کی دیوار، کیونکہ اس کے دوسری طرف کا منظر بھی صاف نظر آرہا تھا۔

میں نے رخ بدل لیا۔ لیکن چند منٹ کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ چاروں طرف دیواریں ہیں۔ منوہا مجھے شیشے کے قید خانے میں بند کر گئی تھی جہاں مجھ کے بت اور میرے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ لیکن اس نے کوئی مضبوط کام نہیں کیا تھا۔ میں ایک دیوار کا انتخاب کر کے اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر میرے دونوں ہاتھ دیوار پر جا ٹکے، اور دیوار پر دباؤ پڑنے لگا۔ میں نے اپنی قوت آہستہ آہستہ بڑھانی شروع کر دی، اور کوئی خاص مشکل نہیں ہوئی۔ ہاں! شیشے کے ٹوٹنے کی کھنک بہت زبردست تھی۔ میرا خیال ہے دور تک سنی گئی ہوگی۔ میں نے قید خانے کو توڑ دیا تھا اور پھر میں ایک گہری سانس لیکر آگے بڑھ گیا۔

منوہا کو شاید اپنے اس طلسم خانے کے ٹوٹنے کی خبر نہیں ہوئی تھی ورنہ وہ ضرور آتی، بہر حال میں اطمینان سے آگے بڑھتا رہا۔ مجھے باہر نکلنے کے راستے کی تلاش تھی۔ لیکن کمبخت عجیب قید تھی۔ عمارت در عمارت! ان میں دروازے ضرور تھے لیکن ایک دروازے سے نکل کر دوسرے کمرے میں تو جایا جاسکتا تھا۔ کمروں سے باہر نہیں، اور بلا مبالغہ میں نے درجنوں کمرے طے کیے۔

پھر کافی دیر کے بعد احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ باہر کے راستے کا نہ ملنا بھی اس کمبخت منوہا کی حرکت ہے۔ راستے ہٹائے بھی جاسکتے ہیں منوہا۔ میں ہونٹ بھینچ کر بولا، اور ایک لمحے کے لیے میرے دل میں آیا کہ اس پورے طلسم خانے کو مٹی کا ڈھیر بنا دوں لیکن اپنی جھنجلاہٹ کا یہ انداز خود مجھے پسند نہیں آیا۔ اس طرح منوہا کو اپنے سے برتر سمجھتا ہوں۔ اس کے طلسم کو پوری طرح جاننے کی کوشش تو کی جائے۔ میں نے اپنے ذہن کو پرسکون کیا اور ان دروازوں سے گزرتا رہا، جو چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ویسے خوبی یہ تھی کہ ایک دروازے سے ہو کر میں جس کمرے میں جاتا تھا وہ نیا ہوتا تھا۔ ایک بھی کمرے میں دوبارہ نہیں گیا تھا۔ دل ہی دل میں میں اس انوکھے علم سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ جو انسان کو اس حد تک جکڑ سکتا تھا۔

"سنو..... !" یونہی میں ایک کمرے میں داخل ہوا میرے کانوں میں ایک آواز گونجی اور میں اچھل پڑا۔ اس طویل و عریض طلسم خانے میں یہ پہلی آواز تھی۔

میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔

"ادھر — اس دیوار پر —" وہ آواز پھر آئی۔ اور اس بار میں نے اس کی سمت کا اندازہ لگا لیا۔ میں نے اپنی پشت کی دیوار پر دیکھا۔ ایک انسانی چہرہ دیوار میں نصب تھا۔ ایک نوجوان کا چہرہ تھا، جس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اس چہرے پر تاثرات بھی تھے۔ خوبصورت آنکھیں یاس بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

میں اپنی جگہ کھڑا احمقانہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

"میرے قریب آجاؤ —" اس کے ہونٹ ہلے اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ آہستہ آہستہ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"باقی کہاں گئے بھائی؟" میں نے مضحکہ خیز لہجے میں پوچھا۔

"بتا دوں گا، پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"یار! دیوار میں ٹنک کر بھی ضد کرو گے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تب تم کوئی مصیبت زدہ نہیں ہو سکتے۔" اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"بیر ہوا اس کے۔"

"بیر کیا ہوتا ہے۔" میں نے پوچھا، اور یاس بھری آنکھیں میرا جائزہ لینے لگیں، بڑی گہرائی تھی ان آنکھوں میں، جیسے وہ مجھے اندر سے ٹٹول رہی ہوں۔

"خود سے یہاں آپھنسے ہو؟" چند لمحات کے بعد اس نے سوال کیا۔

"یونہی سمجھ لو۔"

"بدنصیب ہو۔" اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں؟"

"شاید اب کبھی یہاں سے نہ نکل سکو، چونکہ خوبصورت انسان ہو، اس کی نگاہ تم پر پڑ گئی تو پھر وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گی۔"

"منوہا کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں! اسے جانتے بوجھتے بھی یہاں آگئے۔" دیوار کے چہرے نے کہا۔

"میں پاگل ہوں، مگر اب تم اپنے بارے میں بھی کچھ بتاؤ گے یا میرے ہی کان کھاتے رہو گے۔"

"میں ستم رسیدہ ہوں بھاگوں کا مارا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا بتاؤں۔" اس نے درد بھری آواز میں کہا۔

"تو میں جاؤں؟" میں نے پوچھا اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں... آنسوؤں کے قطرے اس کے گالوں پر لڑھک آئے اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"جاؤ — کب تک یہاں رہو گے، بھگوان کرے تم جا سکو....."

حسرت و یاس میں ڈوبی اس آواز نے میرے دل پر اثر کیا۔ اس سے قبل میں یہی سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے یہ بھی منوہا کا کوئی مذاق ہو لیکن دیوار میں ٹکے ہوئے اس

سر کی آواز نے مجھے متاثر کیا اور میں نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

"تم خود سمجھ سکتے ہو دوست! جس حالت میں تم مجھے دیکھ کر کیا میں تمہیں مکمل انسان سمجھ سکتا ہوں۔"

"میں مکمل انسان ہوں لیکن میرا بقیہ جسم..... وہ سامنے صندوق دیکھ رہے ہو، میرا باقی جسم اس میں ہے۔" میں نے گھوم کر اس کے اشارے کی سمت دیکھا۔ پتھر کا ایک تابوت نما صندوق رکھا ہوا تھا۔

"اور سر دیوار میں لٹکا ہوا ہے۔"

"ہاں!"

"اس کے باوجود تم زندہ ہو۔"

"ہاں! کیونکہ وہ شکتی مان ہے۔" اس نے کہا اور میں نے سنجیدگی سے اس کی باتوں پر غور کیا۔ یہ تو درست ہے، وہ جادوگرنی جب مچھلی کو پتھر بنا سکتی ہے تو یہ بھی کر سکتی ہے

"کیا تمہارا بدن جوڑا نہیں جا سکتا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ جوڑ لیتی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"جب اس پاپن کو ضرورت ہوتی ہے تو جوڑ لیتی ہے۔ کیا تم میری پوری کہانی سنو گے؟"

"ہاں ہاں ضرور — سناؤ —" میں نے کہا۔

"میرا نام سرینیدر کمار ہے، بھوجا بستی کا رہنے والا ہوں۔ بھوجا بستی یہاں سے کافی دور ہے۔ بچپن ہی سے مجھے دیوی دیوتاؤں سے بڑی عقیدت ہے۔ میرے پتاجی کافی دھن دان تھے۔ دوسرے بھائی بھی تھے اس لیے میں آزاد تھا، اور سارے ہندوستان میں دیوی دیوتاؤں کے مندروں کی یاترا کرتا ہوتا تھا۔ مجھے کسی بات کی کوئی چنتا نہیں تھی۔ پھر میں قسمت کا مارا ہر مسان آنکلا۔ یہاں کے بلدیوا مندر کے بارے میں بھی میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ بڑی پوجا کی رات تھی۔ میں بھی لکشمن کے چرنوں میں تھا۔ کہ منوہا کی نگاہ میرے اوپر پڑ گئی۔ حسین رانی مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ پاپن ہے بھی بڑی سندر، میں اسے دیکھنے سے باز نہ رہ سکا، اور ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، پھر وہ خاموشی سے چلی گئی اور میں من کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا اور سنبھل گیا۔"

"لیکن — رات کے سمے میں، اپنے خیمے میں سویا تھا کہ کسی نے مجھے جگایا، اور میں چونک پڑا۔ "کون ہے؟" میں نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

"داسی ہوں مہاراج!" ایک عورت میرے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے؟ رات کے سمے تم کیوں آئی ہو؟"

"بڑے کٹھور ہو مہاراج! وہ تمہاری یاد میں جاگ رہی ہے کروٹیں بدل رہی ہے اور تم سکھ کی نیند سو رہے ہو، کیسی بُری بات ہے۔" عورت نے جواب دیا۔

"کون جاگ رہا ہے۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"تو تم اسے بھول بھی گئے، مرد ہوتے ہی خراب ہیں۔" عورت نے نخرے سے کہا، اور میں نے اسے غور سے دیکھا۔ کچی نیند سے جاگ گیا تھا اس لیے چڑچڑا ہو رہا تھا، لیکن اسے دیکھ کر میں ٹھیک ہو گیا۔ اچھی خاصی جوان اور خوبصورت عورت تھی۔ لیکن میں دیوی دیوتاؤں کا پجاری تھا۔ دھرم کی اچھی باتوں کا قائل تھا اس لیے میرے من میں کوئی کھوٹ نہیں آئی۔ اور میں نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹالیں۔

"میں نہیں سمجھا دیوی، تم کس کی بات کر رہی ہو۔" میں نے صاف لہجے میں کہا۔

"ہائے رام ایسی باتیں مت کرو، وہ ناراض ہو جائے گی۔"

"مگر کون؟" میں نے جھنجلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"رانی منوہا، اور کون۔" اس نے کہا اور مجھے وہ خوبصورت آنکھیں یاد آگئیں۔ لوگوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ہر مسان کی رانی ہے۔ راجہ امی چند کی چہیتی پتنی ہے، اور میں دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ میرے من میں اس کا جو خیال پیدا ہوا تھا۔ میں نے اسے تھپک تھپک کر سلا لیا تھا۔ جیون میں پہلی بار میں کسی سے متاثر ہوا تھا تو وہ بھی اتنی بڑی عورت تھی۔ وہ مجھ سے اتنی دور تھی کہ میں اس کی گرد بھی نہ پا سکتا تھا۔ لیکن..... لیکن اس عورت کی آمد سے میرے من میں لاکھوں دیپ جل گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسے بھی میرا خیال ہے۔ میں بے اختیار ہو گیا۔

"دیوی ــــ دیوی ــــ تو کیوں آئی ہے؟" میں نے بیتابی سے پوچھا۔
"تمہیں وہ یاد آ گئی؟" عورت نے پوچھا۔
"ہاں، مگر ــــ وہ تو رانی ہے۔" میں نے داسی سے پوچھا۔
"پریم میں کیا رانی۔ کیا مہترانی۔"
"تو کیا ــــ تو کیا وہ بھی...... وہ بھی۔"
"بے کل ہے تیرے لیے، تڑپ رہی ہے۔"
"میں ــــ میں کیا کروں دیوی، مجھے بتا، میں کیا کروں۔"
"تو اس کے پاس جانا چاہتا ہے؟"
"ہاں!" میں نے بے اختیار کہا۔ عورت سنسار کی سب سے بڑی ناگن ہے بھائی۔ اس کی کالی شکتی کے آگے سنسار کی ساری شکتی ہیچ ہے۔ میں نے ساری عمر دیوی دیوتاؤں سے من لگایا تھا، پرنتو اب کایا جال میں پھنس گیا تھا اور سب کچھ میرے من سے نکل گیا تھا، بے شک یہ دیوتاؤں کا اپمان تھا۔ میں نے ایک پل میں سب کو بھلا دیا تھا، اور اس بات کی سزا تو مجھے ملنی ہی چاہیئے تھی، اس لیے دیکھ لو، آج کس حال میں ہوں
"پھر کیا ہوا دوست!" میں نے پوچھا۔
وہ پھر شروع ہو گیا۔
"تو پھر آؤ ــــ" عورت بولی اور میں سب کچھ بھول کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ عورت مجھے لیے ہوئے سنسان راستوں سے گزر کر محل میں جا رہی تھی اور میرے من میں پٹاخے چھوٹ رہے تھے۔ اس سمے مجھے بس وہ حسین آنکھیں یاد تھیں ان کے سوا کچھ بھی یاد نہیں تھا۔
تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں محل کے پیچھے کے حصے میں پہنچ گئے رانی منورما مکمل طور پر رانی تھی۔ سب کے سب اس کے راز دار تھے۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ ہمیں روکتا، اور میں منورما کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ جہاں وہ میری راہ تک رہی تھی۔ [illegible] ــــ میں اس کے اور میرے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ مجھ سے پریم کی باتیں کرنے لگی اور میں دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا۔
پھر جب اس نے مجھے گناہ پر آمادہ کیا تو نہ جانے کہاں سے میرے من میں پاپ اور پاپن کا خیال آ گیا۔ میری بچپن سے اب تک کی تپسیا ابھر آئی اور میں سنبھل گیا۔
"رانی منورما!" میں نے اسے مخاطب کیا۔
"ہوں۔" وہ مخمور لہجے میں بولی۔ وہ مسہری پر میرے نزدیک لیٹی انگڑائیاں لے رہی تھی۔
"میں...... میں پاپ نہیں کروں گا۔" میں نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور اس نے میری کمر پکڑ لی۔ پھر وہ پریت سے بولی۔
"کیا ہو گیا تمہیں؟"
"میں پاپ نہیں کروں گا رانی! تم دوسرے کی استری ہو اور تم رانی ہو نہیں تو میں تم سے وواہ کر لیتا۔ بھگوان کی سوگند میں تم سے پریم کرنے لگا ہوں۔ مگر...... میں پاپ نہیں کروں گا۔"
"کیا بکواس کر رہے ہو۔ کیا یہ تمھارے بھاگ نہیں ہیں کہ ہم نے تمہیں اتنا بڑا ادر جہ دیا ہے، بے تکی باتوں سے ہمارا من میلا نہ کرو۔"
"نہیں رانی! میں پاپ نہیں کروں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
"تم میرا اپمان کر رہے ہو۔" وہ غرائی۔
"نہیں، مگر میں پاپ کسی طور نہیں کروں گا۔"
"تب تم جہنم میں جاؤ۔ رکھی! تم نے اپنے لیے کانٹے بوئے ہیں۔"
"کچھ بھی ہو، مجھے جو کہنا تھا میں نے کہہ دیا۔ تم اتنی سندر ہو کر اندر سے اتنی میلی ہو، مجھے معلوم نہیں تھا۔ پریم تو سنسار کی سب سے انمول چیز ہے۔ ہم دیویوں دیوتاؤں سے پیار کرتے ہیں۔ اس میں شریر کی کھوٹ ٹھیک نہیں ہے۔"
"دلیشو!" اس نے غصناک لہجے میں آواز دی اور ایک خوفناک شکل کا آدمی میرے پاس آ گیا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی میرے حواس خراب ہونے لگے تھے۔ "اسے جاؤ ٹھاکر، اور جادو منڈل میں قید کر دو۔" کالے رنگ کے بھوت نے میری گردن اس زور سے پکڑی کہ میں بے ہوش ہو گیا اور ہوش آیا تو یہاں قید تھا۔ دن بھر میں بھوکا پیاسا بند رہا۔ یہ میں نے من میں سوچ لیا تھا کہ اگر وہ مجھے جان سے بھی مار دے تب بھی میں اس کی بات نہیں مانوں گا۔
دوسری رات وہ سج بن کر یہاں آئی۔ اور اس نے وہی باتیں شروع کر دیں۔ "اب کہو مہاراج! اب تمہارے من میں کیا ہے؟"
"میں پاپ نہیں کروں گا دیوی! میں نے تجھ سے پریم کا فیصلہ ہی غلط کیا تھا، تو اوپر سے اجلی مگر اندر سے کالی ہے تیرا من میلا ہے۔"
"اور تو پاگل ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔
"میں اب تجھ سے نفرت کرتا ہوں دیوی۔" میں نے کہا۔
"میں تیرا دماغ ٹھیک کر دوں گی۔ جب تک تو اپنے من سے مجھے نہ پکارے گا، اب جب تک تو خود میرے پیروں پر گر کر میرا داس نہ بن جائے گا میں تجھے معاف نہیں کروں گی۔" اس نے کہا اور پھر اس نے ہاتھ اوپر کیا اور دھار والا چکر اس کے ہاتھ میں آ گیا! اس نے چکر گھما کر میری طرف پھینکا اور میری گردن کٹ کر نیچے جا گری لیکن میں ہوش میں تھا۔ مجھے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں سوچ سکتا تھا، سمجھ سکتا تھا، سن سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا لیکن میرے سر کا اب میرے شریر سے اب کوئی ناطہ نہیں رہا تھا۔ تب اس نے میرے سر کو اس دیوار پر لٹکا دیا اور میرے شریر کو پتھر کے اس صندوق میں بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ دوسرے تیسرے دن میرے پاس آتی رہی اور میرا خوب مذاق اڑاتی رہی۔ وہ پاپن کئی بار نئے نئے جوانوں کو میرے پاس لائی اور میرے سامنے ان سے منہ کالا کیا مگر میں کیا کہہ سکتا تھا، کیا کر سکتا تھا۔ اس کا کہنا تھا جس دن میں اس کی بات ماننے پر تیار ہو جاؤں گا، وہ میرا سر میرے شریر سے جوڑ دے گی، پر میرا من نہ مانا اور اب تو اس نے مہینوں سے آنا چھوڑ دیا ہے اور میں اسی طرح لٹکا ہوا ہوں۔"
تو پروفیسر، سریندر کی عجیب کہانی میں نے سنی اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ دیوار پر لٹکا ہوا یہ بولتا سر میرے لیے بے حد عجیب تھا لیکن عجیب تو بے شمار چیزیں تھیں کس کس پر حیرت کرتا۔ کافی دیر تک میں خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔
"میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں دوست؟"
"مدد۔ میری۔ تم کیا کر سکتے ہو؟" وہ مایوسی سے بولا۔ "مگر تم خود کون ہو؟"
"بس، یہ سوال مت کرو۔" میں نے جواب دیا۔
"اس کے شکار ہو گے۔ اس کے علاوہ کون ہو سکتے ہو مگر ایک بات بتاؤ۔ کیا اوں کے ساتھ وہ کوئی برا سلوک نہیں کرتی جو اس کی بات مان لیتے ہیں؟"
"میں اس کا شکار نہیں ہوں دوست لیکن ابھی میں اس سے جنگ کی کوئی ترکیب نہیں تلاش کر سکا ہوں۔ بہر حال شکست اسی کی ہو گی۔ اسے بھی ابھی تک میرا جیسا کوئی نہیں ملا ہو گا۔" میں نے پر خیال انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ "تم اس کی بات کیوں نہیں مان لیتے؟"
"کون سی بات؟"
"صورت شکل کی بری نہیں ہے۔ اس کے علاوہ عورت بھی ہے اس کی بات مان لو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ پھر زندگی بھر اس پاپ کا پرائشچت کرتے رہنا۔"
"اس سمے میری عمر تیرہ سال تھی جب ایک گیانی مہاراج نے میرا ماتھا دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ بائیس سال کی عمر میں میرے اوپر ایک مصیبت آئے گی۔ اگر میں اس مصیبت سے چھٹکارا پا گیا تو مجھے بڑا گیان ملے گا اور اگر کایا جال میں پھنس گیا تو پھر جیون نشٹ ہو جائے گا اور کسی کام کا نہیں رہوں گا۔"
"تو تم گیان حاصل کرنے کے چکر میں بھٹکے ہوئے ہو؟"
"ہاں مہاراج اور ابھی ہمت نہیں ہارا ہوں۔"
"کیا مطلب؟"
"جب من دو بھر جائے گا تو اس کی بات مان لوں گا اور یہ سوچ لوں گا کہ گیان حاصل کرنا میرے بھاگ میں ہی نہیں تھا۔ ابھی تو میں اس طرح بہت سے دن گذار سکتا ہوں مہاراج!" اس نے مسکرا کر کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ مجھے اس نوجوان سے ہمدردی ہو گئی تھی جو نیکیوں کی طرف جانے کے لیے بدی کا ظلم برداشت کر رہا تھا۔
"میں تمھارا جسم تو دیکھوں، اس کی کیا کیفیت ہے!" میں نے پتھر کے صندوق کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور دیوار میں لٹکا ہوا سر ہنسنے لگا۔
"کیوں، ہنس کیوں رہے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
"تمھارا مذاق نہیں اڑا رہا دوست، بلکہ تمھاری ناسمجھی پر ہنس رہا ہوں۔ یہ جادو کا صندوق ہے۔ اگر پچاس آدمی مل کر بھی اسے کھولنے کی کوشش کریں تو نہیں کھول سکتے۔ میں نے سریندر کی بات پر گردن ہلائی اور پھر میں نے صندوق کو ٹٹول کر دیکھا۔ مضبوط پتھر کا صندوق تھا، جس کا ڈھکنا بھی بہت موٹا تھا۔ میں نے انگلیوں کی قوت سے ڈھکنے کو تھوڑا سا اٹھایا اور جب میری انگلیاں اس میں پھنس گئیں تو میں نے پوری قوت صرف کر کے ڈھکنے کو اٹھا اور اٹھا کر دور پھینک دیا۔
دیوار میں لٹکے ہوئے سریندر کا چہرہ ایک دم سکڑ گیا۔ اس پر عجیب سے اضطرابی جذبات نظر آئے۔ "ارے۔ ارے یہ تو کھل گیا۔" اس کے منہ سے نکلا لیکن میں اس کی طرف متوجہ نہ ہوا اور دوبارہ اس بغیر سر کے انسانی جسم کو دیکھنے لگا جو بالکل خراب نہیں ہوا تھا۔ تب میں نے اسے احتیاط سے صندوق سے نکال لیا۔
"مہاراج! مہاراج! ہے مہاراج جلدی کرو۔ مجھے دیوار سے نیچے اتار لو۔ مجھے اس کے ساتھ جوڑ دو۔ ممکن ہے بھگوان نے تمھیں اسی لیے بھیجا ہو۔"
سریندر کے جسم کو زمین پر رکھ کر میں اس کے سر کی طرف بڑھا۔ سر دیوار سے چپکا ہوا تھا۔ میں نے اس پر تھوڑی سی قوت صرف کی اور اسے دیوار سے جدا کر دیا لیکن دیوار سے جدا ہوتے ہی سریندر کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس کے چہرے سے زندگی کی چمک چھنتی جا رہی تھی اور پھر اس کی زبان بھی بند ہو گئی۔
"سریندر۔ سریندر!" میں نے اسے کئی آوازیں دیں لیکن اب وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اس سر کو کٹے ہوئے بدن سے جوڑ دوں اور میں نے نہایت احتیاط سے سر کو کٹی ہوئی گردن پر رکھ دیا لیکن اسے جوڑوں کس چیز سے؟
لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کی گردن کی رگیں خود بخود دوسری رگوں سے مل گئیں اور میں نے سکون کی سانس لی اور اس کا ردعمل دیکھنے لگا۔ وقت گذرتا رہا۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں کم بخت منورما کو اس بارے میں معلوم نہ ہو جائے۔ سچ بات تو یہ ہے پروفیسر، تم نے اندازہ لگایا ہو گا کہ طویل ترین زندگی میں اس وقت میں جن حالات سے دوچار ہوا تھا، ایسے حالات سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا اور میں اس بے ایمان عورت سے کسی قدر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ جسمانی قوت سے تو میں ہر چند نمٹ سکتا تھا خواہ کیسی ہی ہو لیکن یہ سب کچھ میری سمجھ سے باہر تھا۔
پھر جب میں نے سریندر کے بدن میں سانس دوڑتی محسوس کی تو میرے بدن میں خوشی کی لہریں دوڑ گئیں اور میں نے زمین پر بیٹھ کر اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ سریندر کو میری آغوش میں ہی ہوش آیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک ٹکٹکی لگا کر میری شکل دیکھتا رہا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی لیکن پھر وہ چونک پڑا۔
"ارے۔ کیا۔ کیا۔ کیا ہے بھگوان!" اس نے نگاہیں نیچی کیں اور اپنے بدن کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی اور اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔ "ہے بھگوان!" اس نے کہا اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔
"سریندر!" میں نے اسے جھنجھوڑا اور اس نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔

"میں ٹھیک ہوگیا۔ میں ٹھیک ہوگیا مگر ـــــ میں تو بدن کو حرکت دینا ہی بھول گیا۔ مجھے سب کچھ یاد دلاؤ۔ میں کھڑا کیسے ہوں۔ میں تو بدن کی ساری حرکتیں بھول گیا۔" خوشی سے اس کی کیفیت عجیب ہوگئی تھی۔ میں نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا اور پھر سہارا دے کر کئی قدم چلایا بھی۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا اور اس کے چہرے سے مسرتیں پھوٹ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹھیک ہوگیا اور پھر اس نے احسان مندانہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

"میں کس منہ سے تمھارا شکریہ ادا کروں۔" وہ آہستہ سے بولا اور میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ کاش اسی طرح لچھی کی زندگی بھی بچ سکتی لیکن اس میں اور اس نوجوان کے معاملے میں بہت فرق تھا۔ لچھی کو پتھر سے انسان بنانے کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔

"کیا اب بھی تم اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے میرے محسن؟" سریندر نے کہا۔

"میں تمھیں کیا بتاؤں سریندر۔ میری اور تمھاری کہانی میں تھوڑا سا فرق ہے۔ میں بھی بلدیو امندر آیا تھا لیکن میری استری میرے ساتھ تھی۔ منورما نے مجھے دیکھا اور ہم دونوں کو یہاں بلا لیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں اپنی عورت کو چھوڑ دوں اور اسے اپنا لوں۔ میں نے انکار کر دیا تو ـــ اس نے میری عورت کو پتھر بنا دیا۔"

"پتھر بنا دیا؟" سریندر چونک پڑا۔

"وہ مجسمے میں بدل گئی اور اسی جگہ موجود ہے۔"

"ہے بھگوان!" سریندر نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔ چند لمحے خاموش کھڑا رہا، پھر بولا "پر اب تم کیا کرو گے بھائی۔ اب کیا کر سکتے ہو۔"

"بس یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"اوہ! ہاں۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں دوبارہ واپس آئے، ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔"

"کیا تمھیں باہر جانے کا راستہ معلوم ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ ہم دونوں مل کر تلاش کریں گے۔"

"آؤ۔ کوشش کرتے ہیں۔" میں نے کہا۔ حالانکہ شیطان صفت منورما کے بارے میں اندازہ لگانے کے بعد یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ راستہ تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا، پھر بھی ہم چل پڑے۔ "تم نے تو کبھی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی تھی؟" میں نے بے خیالی میں پوچھا۔

"میں کیسے کرتا؟" سریندر بولا اور مجھے اپنے سوال پر خود ہنسی آگئی۔

"ہاں۔ میں نے سوچا، شاید اس نے تمھیں ویسے بھی قید رکھا ہو۔"

"نہیں۔ بس اس نے تو میرے ساتھ یہی سلوک کیا تھا مگر تمھاری استری کی بات پر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔"

"اوہ، ہاں۔ بے چاری لڑکی۔" میں بے خیالی میں بولا۔ دراصل میری نگاہیں اس سمت کا جائزہ لے رہی تھیں، جہاں ایک خوبصورت پردہ پڑا ہوا تھا۔ "سریندر!" میں نے سریندر کو آواز دی۔

"مہاراج!" سریندر جلدی سے بولا۔

"آؤ۔ دیکھیں اس پردے کے دوسری طرف کیا ہے؟"

"آیئے مہاراج! بھگوان کرے ہم اس پاپن کے طلسم سے نکل جائیں۔" سریندر نے کہا اور ہم اس پردے کی طرف چل پڑے۔ ابھی تک میں نے یہاں جو کچھ دیکھا تھا، اس کے تحت تو مجھے بھروسہ نہیں تھا کہ راستہ مل سکے گا ـــ بہرحال کوشش تو کرنا ہی تھی۔ ہم نے پردے کے قریب پہنچ کر اسے سرکانے کی کوشش کی لیکن پھر ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔ دُور سے دروازہ اور پردہ نظر آنے والی چیز ٹھوس چٹان کی طرح تھی۔

"دھوکا ہے مہاراج!" سریندر نے بھاری [illegible] کہا۔

"اوہ۔ میں یہاں دروازہ بنا کر مانوں گا۔" میں نے کہا اور میں نے اس طلسمی دیوار سے پشت لگا دی اور پھر میں اپنے صدیوں کے پلے بدن کی قوت صرف کرنے لگا۔ سریندر کی نگاہوں میں عجیب سی کیفیت اُبھر آئی۔ اس میں ہلکے سے خوف کا عنصر بھی شامل تھا جیسے وہ سوچ رہا ہو کہ اچانک میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔

لیکن سیدھا سادا نوجوان، بے چارہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس دیوار کی حیثیت ہی کیا تھی۔ پتھر اپنی جگہ چھوڑنے لگے۔ چوکور سلوں سے دیواریں تعمیر کی گئی تھیں، ان کے جوڑ کھل گئے اور پوری دیوار دوسری طرف جا پڑی۔ خاصا زوردار دھماکہ ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی سریندر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"آؤ۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر ہم پتھروں کو پھلانگتے دوسری طرف نکل آئے۔ یہ ایک لمبی سی راہداری تھی جو تاحدِ نگاہ چلی گئی تھی۔ اس طلسم خانے کی تعمیر عجیب تھی۔ کوئی طرز، کوئی تک ہی نہیں تھی۔ بس جہاں جو دل چاہا، بنا لیا گیا تھا۔ بہرحال ہم راہداری میں آگے بڑھتے رہے اور پھر اس کا سرا نظر آیا۔ ایک چوکور رخنہ تھا جس سے دوسری طرف کا حصہ نظر آ رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے بھی اندر آ رہے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ واقعی ہم باہر نکلنے والے راستے تک پہنچ گئے ہیں اور ہماری رفتار تیز ہوگئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اس سرنگ نما راہداری کے دہانے سے نکل آئے اور دوسری طرف کھلا آسمان اور درخت دیکھ کر سریندر خوشی سے اچھل پڑا۔

"مہاراج ـ مہاراج ہم باہر نکل آئے۔"

"شاید۔" میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چھدرے چھدرے درخت چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ عجیب بے رونق سا جنگل تھا۔ بہرحال عمارت پیچھے رہ گئی۔ ہم نہایت تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ سریندر میری بہ نسبت زیادہ خوش تھا۔ اس کے چہرے سے مسرت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

درختوں کا سلسلہ طے ہوتا رہا۔ ہم نے سیدھا راستہ اختیار کیا تھا

اور پھر تھوڑی دیر کے بعد درخت پیچھے رہ گئے۔ اب سُرخ زمین کا ایک صحرا تھا، جہاں بے آب و گیاہ سُرخ چٹانوں کے سوا کچھ نہیں نظر آ رہا تھا۔

"سریندر!" میں نے سریندر کو مخاطب کیا۔

"جی مہاراج!" سریندر جلدی سے بولا۔

"پہلے تم اس علاقے میں آئے ہو؟"

"اس طرف نہیں آیا مہاراج!"

"ظاہر ہے یہ علاقہ ہرڈے مان سے زیادہ دُور نہیں ہوگا؟"

"ہاں مہاراج! ابھی ہم چلے ہی کتنا ہیں۔"

"کیا خیال ہے سیدھے چلتے رہیں، یا کوئی اور سمت اختیار کریں؟"

"سیدھے ہی چلتے رہیں مہاراج۔ ہرڈے مان سے جتنی دُور نکلا جا سکتا ہے نکل چلیں، تاکہ منحوس رانی کو ہماری خوشبو بھی نہ مل سکے۔"

"تم اس سے بہت ڈرتے ہو سریندر؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔ میں دوبارہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ بھگوان نے ہماری سہائتا کی ہم نکل آئے۔ اگر اس کمینی کو معلوم ہو جائے تو وہ ہمارا پیچھا کرے گی۔"

"تمھارے خیال میں یہ راستہ کہاں جاتا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا مہاراج!"

"تمھاری اپنی کیا کیفیت ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اپنے جسم میں تمھیں کوئی تبدیلی محسوس ہو رہی ہے؟"

"بالکل نہیں مہاراج۔ میں نے خود بھی غور کیا ہے۔"

"بھوک وغیرہ بھی نہیں لگ رہی؟"

"ابھی تک نہیں لگی۔" سریندر نے جواب دیا اور میں گردن ہلانے لگا۔ چند لمحات میں سوچتا رہا اور پھر میں نے بھی سریندر سے اتفاق کیا۔ ہرڈے مان سے جتنی دُور نکل جایا جائے ٹھیک ہے۔ رہ گئی لچھی کی بات تو اس کے لیے میں نے پہلے ہی صبر کر لیا تھا۔ اس بے چاری کی زندگی یہیں تک تھی۔ اس کے بعد میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں منورما سے انتقام کی بات تھی۔ اس نے جو کچھ کیا تھا اس کا جواب میں اسے دینا چاہتا تھا لیکن ـــ ابھی یہ میرے لیے مشکل تھا۔ میں وہ علم نہیں جانتا تھا جو وہ جانتی تھی۔ وہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتی تھی لیکن، میں بھی ابھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

اور پھر بردباری میرے ذہن پر دباؤ ڈالنے لگی۔ انتقام کی خواہش کو دبا دینا ہی ٹھیک ہے۔ ابھی اس علم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیے۔ یہ علم اگر حاصل بھی ہو سکے تو کیا بات ہے، لطف آ جائے گا۔ ویسے میں نے ایک بات محسوس کی تھی۔ ابھی تک اس علم کے دو پیرو میری نگاہوں میں آئے تھے۔ ایک تو وہ بوڑھا گرنتھ اور دوسری منورما لیکن دونوں شیطان صفت تھے۔ وہ اپنے علم سے اچھے کام بھی کر سکتے تھے لیکن جو کچھ انھوں نے کر دکھایا تھا وہ شیطانی چرخہ تھا۔

میں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ سریندر کی آواز نے مجھے چونکا دیا ـــ "مہاراج!" اس نے مجھے آواز دی اور میں اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"کیا بات ہے سریندر؟"

"کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟"

"کوئی خاص بات نہیں سریندر۔"

"تم ہمیں اپنا نام بھی نہیں بتاؤ گے مہاراج؟"

"اوہ! جو تمھارا دل چاہے کہہ لو سریندر۔ ویسے تم مجھے انوپی کہہ سکتے ہو۔" مجھے لچھی یاد آگئی۔ یہ نام اسی معصوم لڑکی نے مجھے دیا تھا۔

"انوپ کمار؟" سریندر نے کہا۔

"ہاں۔ اسی سے انوپی بنتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"بڑا سندر نام ہے مہاراج۔ تم خود بھی بڑے سندر ہو۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"یہ ساری باتیں ہم اس وقت کریں گے سریندر، جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ ہم اس کے چنگل سے نکل چکے ہیں۔" میں نے کسی قدر اُلجھتے ہوئے کہا۔ سریندر کی باتوں کا جواب دینا اس وقت مجھے پسند نہیں تھا۔

سریندر خاموش ہوگیا اور سفر جاری رہا۔ طویل میدان پار کرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا اور پھر مجھے محسوس ہوا کہ سریندر غیر معمولی طور پر خاموش ہے۔ شاید اسے میری جھلاہٹ کا احساس ہوگیا تھا۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں نے اس بے چارے پر ایسے ہی جھلاہٹ کا اظہار کیا تھا۔ وہ تو خود زندگی اور موت کی کشمکش سے بچا تھا۔ چنانچہ میں نے خود ہی اسے مخاطب کیا۔

"اب تم خاموش ہو گئے سریندر!"

"نہیں مہاراج! ہم تو صرف اس لیے خاموش ہیں کہ تم سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔"

"اوہ۔ میں کوئی خاص بات نہیں سوچ رہا۔"

"نہیں انوپی جی۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمھارا من دُکھی ہے۔"

"ارے۔ کیوں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"استری جیون بھر کی ساتھی ہوتی ہے۔"

"استری۔ اوہ۔ تم اس کی بات کر رہے ہو جسے پتھر بنا دیا گیا؟"

"ہاں مہاراج!"

"ہاں۔ مجھے اس کا افسوس ہے سریندر! بڑی معصوم لڑکی تھی۔"

"بھگوان ناس کرے اس عورت کا۔ تم دیکھ لینا مہاراج، وہ کتیا کی موت ماری جائے گی۔"

"تھک تو نہیں گئے سریندر؟"

"اب کچھ تھکن لگ رہی ہے مہاراج!" سریندر نے کہا۔

"اوہ۔ وہ سامنے دیکھو۔ درخت نظر آ رہے ہیں۔ ممکن ہے وہ کوئی اچھی جگہ ہو۔ ہمیں وہاں تک چلنا چاہیے۔ اس کے بعد ہم رات اسی جگہ

گذاریں گے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج!" سریندر نے کہا اور ہم نے رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچ گئے۔ پھل دار درخت تھے اور درختوں کے دوسری طرف ایک چھوٹی سی ندی بھی نظر آ رہی تھی۔

"اوہ۔ عمدہ جگہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم اس طرف کبھی نہیں آئے مہاراج!"

"بہر حال قیام کے لیے یہ عمدہ جگہ ہے۔" میں نے ندی کے کنارے کے چند درختوں کے نزدیک کی جگہ کا انتخاب کیا اور بالآخر ہم نے ایک درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔

"اب تو ہم اس جادو نگری سے کافی دور نکل آئے ہیں مہاراج!"

"ہاں۔ کافی فاصلہ طے کر لیا ہے۔ کچھ کھاؤ گے؟"

"درختوں میں پھل تو بہت ہیں مہاراج۔"

"پانی بھی ہے۔ ٹھہرو۔ میں پھل توڑتا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا اور پھر میں ایک درخت کا انتخاب کر کے اس کے قریب پہنچ گیا۔ تب میں نے درخت پر دونوں ہاتھ رکھے اور اسے زور زور سے ہلانے لگا۔ موٹے تنے کے درخت کو ہلتا دیکھ کر ایک بار پھر سریندر حیرت کا شکار ہو گیا۔ زمین پر بے شمار پھل گر پڑے تھے لیکن سریندر ان کی طرف لپکنے کے بجائے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جب کافی پھل ہو گئے تو میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"انھیں جمع کرو سریندر!" میں نے کہا۔

"اوہ۔ ہاں۔" وہ پھلوں کی طرف لپکا اور پھر وہ خاموشی سے پھل جمع کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ندی کے کنارے بیٹھے تھے اور عمدہ اور خوش ذائقہ پھل کھا رہے تھے۔

"ایک بات کہوں انوپی جی!" پھل کھاتے ہوئے سریندر نے کہا۔

"ضرور کہو۔"

"آپ مجھے عام انسانوں سے الگ لگتے ہیں۔ آپ نے وہ دیوار آسانی سے توڑ دی تھی اور اب آپ نے اتنے موٹے درخت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اس کے علاوہ آپ نے پتھر کا وہ صندوق بھی آسانی سے کھول لیا تھا جس کے بارے میں منورما نے کہا تھا کہ پچاس آدمی بھی مل کر اسے نہیں کھول سکتے۔"

"اوہ۔ ہاں سریندر! میں عام لوگوں سے زیادہ طاقتور ہوں۔"

"نہ صرف طاقتور، بلکہ بہت زیادہ طاقتور!"

"یہی سمجھ لو۔" میں نے کہا۔ ابھی میں سریندر کو اپنے بارے میں تفصیل نہیں بتانا چاہتا تھا۔ چھوٹی سی عقل کا معصوم سا انسان تھا۔ اس کا ذہن میری باتوں کو نہ تو سمجھ سکے گا اور نہ قبول کر سکے گا اور پھر ہر جگہ پبلسٹی سے فائدہ بھی کیا اس لیے میں نے ٹال جانا ہی مناسب سمجھا۔ پھل کھانے کے بعد ہم نے ندی سے پانی پیا اور سیر ہو گئے۔

رات ہو گئی تھی۔ آرام کرنے کے لیے بھی یہ جگہ بُری نہیں تھی چنانچہ درخت کے نیچے ہی ہم دونوں لیٹ گئے۔ اب میں نے ذہن سے سارے تفکرات جھٹک دیے تھے اور پھر یوں بھی مجھے فکر ہی کون سی تھی۔ مجھی کا صبر آ چکا تھا اور اب میں پھر ایک آزاد انسان تھا۔ بس دل میں ایک خواہش بار بار سر اُبھارنے لگتی تھی۔ منورما کو اس کے غرور کی سزا دی جائے لیکن عقل مطمئن کر دیتی تھی ابھی یہ اس کا وقت نہیں ہے۔

"سریندر!" میں نے خاموشی سے اکتا کر اسے آواز دی۔

"انوپی مہاراج!"

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"گھر والے یاد آ رہے ہیں مہاراج۔" سریندر نے بھاری آواز میں کہا۔

"کیا تمھیں اس کی قید میں طویل عرص[illegible] یا تھا؟"

"ہاں مہاراج! بہت دن ہو گئے۔"

"ٹھیک ہے، اب تم گھر چلے جانا۔"

"آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے مہاراج؟"

"میں؟"

"ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارے ساتھ ہی چلیں۔ آپ کا گھر کہاں ہے مہاراج؟ کیا آپ کے ماتا پتا اور بہن بھائی نہیں ہیں؟" معصوم سریندر نے پوچھا۔

"نہیں سریندر۔ تمھارے اس پورے سنسار میں میرا کوئی نہیں ہے۔"

"ارے!" سریندر نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ "کہاں چلے گئے سب کے سب؟"

"پتہ نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بس میں نے کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ میں اکیلا ہوں۔"

"تب پھر چنتا نہ کریں مہاراج۔ ہم آپ کے ہیں۔ بھگوان کی سوگند، ہم آپ کو اکیلا ہونے کا احساس نہ ہونے دیں گے۔" سریندر کے لہجے میں بےحد خلوص تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔

"ٹھیک ہے سریندر۔ مجھے کوئی چنتا نہیں ہے لیکن میرے دوست میں ایک لاابالی انسان ہوں۔ آوارہ گرد ہوں۔ بس یوں سمجھو میں تو تمھارے دیش کا ہوں بھی نہیں۔ نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔"

"یہ تو اور اچھی بات ہے۔ ہم یہاں سے گھر چلیں گے اور پھر یاترا کو چلیں گے۔ مجھے بھی پورے ہندوستان میں گھوم کر یاترا کرنے کا شوق ہے۔ ہم ساری جگہیں دیکھیں گے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے سریندر مگر میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ میں ہندوستان کا رہنے والا نہیں ہوں۔ مجھے یہاں کی یاتراؤں کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔"

"مجھے معلوم ہے آپ چنتا نہ کریں انوپی جی۔" سریندر نے کہا۔ اس بےچارے کے ذہن میں یہ سوال ہی نہیں آیا تھا کہ پھر میں کہاں کا رہنے والا ہوں۔

"اس کے علاوہ میں تمھارے دیش کے اس علم کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جسے جادو کہتے ہیں۔"

"اوہ! جادوگر جگہ جگہ ملیں گے۔ یہ پاپی بڑے بڑے جاپ کر کے بیر بیربیت قبضے میں کر لیتے ہیں اور پھر ان سے کام لیتے ہیں۔"

"اور یہ بیر اور بیربیت کیا ہوتے ہیں؟"

"گندی روحیں ہوتی ہیں جو جگہ جگہ بھٹکتی پھرتی ہیں۔ مرنے کے بعد یہ بھوت بن جاتے ہیں اور پھر سارے کام کر سکتے ہیں۔"

"اوہ!" میں نے گردن ہلائی۔ حالانکہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا اور پھر ہم سونے کی کوشش کرنے لگے۔ رات کے نہ جانے کون سے حصے میں مجھے نیند آ گئی۔ سریندر بھی کروٹ لیے خاموش لیٹا تھا۔ نہ جانے سو گیا تھا یا اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچ رہا تھا بہر حال میں نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔

دوسری صبح سورج بھی نہیں نکلا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ ایک سُریلی آواز تھی جس نے جگایا تھا۔ میں نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا پھر بہت سی لڑکیوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس بار ان کی سمت کا اندازہ ہو گیا۔ سریندر بےخبر پڑا سو رہا تھا۔ میں نے آواز کی طرف دیکھا۔

ندی کے کنارے رنگین لباسوں میں ملبوس لڑکیوں کا پورا گروہ موجود تھا۔ ان کے ہاتھوں میں تانبے اور پیتل کے کلسے تھے جن میں وہ پانی بھر رہی تھیں۔ میں خوش ہو گیا۔ شاید کوئی بستی قریب تھی اور لڑکیاں پانی بھرنے آئی تھیں۔ ان سے ان کی بستی کے بارے میں معلوم کروں۔ میں نے سوچا اور ان کی طرف چل پڑا۔

لڑکیاں آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ پھر ان میں سے کسی نے مجھے دیکھ لیا اور اس نے دوسری لڑکیوں کو میری طرف متوجہ کیا۔ سب کی سب شرارت بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگیں۔

تازہ ہواؤں اور سرسبز کھیتوں کی یہ مخلوق کافی دلکش تھی۔ ہندوستان کا روایتی حسن ان کے چہروں سے جھلک رہا تھا۔ ایک سے ایک بڑھ کر حسین تھی! انھوں نے لہنگے اور چولیاں پہنی ہوئی تھیں اور ان کی اوڑھنیاں ڈھلکی ہوئی تھیں۔ میری نگاہوں نے کافی خوشگوار کیفیت محسوس کی اور میں ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ ان سے گفتگو کرنے کے لیے میں نے ان کی زبان کے مناسب الفاظ تلاش کیے اور پھر میں نے انھیں مخاطب کیا۔

"سندریو!"

"مسافر ہو۔ پانی پیو گے کیوں؟" ایک شوخ سی لڑکی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مگر یہ صبح ہی صبح تمھیں پیاس کیوں لگ اٹھی؟" دوسری نے کہا۔

"کیا رات بھر سفر کرتے رہے ہو؟" تیسری بولی۔

"اری تو نہ جانے، ندی کے کنارے ناریوں کو دیکھ کر ان سارے مردوں کو ایک دم پیاس لگنے لگے ہے۔"

"مگر یہ ہے کون؟"

"اس کا مکھ کیسا پیلا ہے، سونے کی طرح۔"

"تم کون ہو مہاراج؟ کیا آکاش سے اُترے ہو؟"

"یا اس ندی میں سے نکلے ہو!"

"یا کھیتوں میں اُگے ہو!" ایک لڑکی نے کہا اور سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

نئی نئی جوان ہوئی تھیں۔ امنگ بھرے دل تھے۔ انگ انگ میں شرارت تھی۔ سب کی سب تیز تھیں اور اپنی دانست میں انھوں نے میرا مذاق اڑا کر مجھے بدحواس کر دیا تھا۔

لیکن میں خاموشی سے ان کی سُن رہا تھا اور ان کے خاموش ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

"ارے کچھ تو بولو لونٹی کے مادھو!" ان میں سے ایک مجھے خاموش پا کر چند قدم آگے بڑھ آئی۔

"تم لوگ خاموش ہو تو کچھ بولوں۔"

"چلو ہم خاموش ہیں۔" اس نے سینہ تان کر کہا۔

"شکریہ! تمھاری بستی یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اتنی دور کہ اگر تم کوئی حرکت کرو اور ہم چیخ کر چاچا کو آواز دیں تو پوری بستی ڈنڈے لیکر آئے گی اور تمھاری چٹنی بنا دے گی۔" اس لڑکی نے جواب دیا۔ اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"مگر یہ جب ہو گا نا، جب میں کوئی حرکت کروں گا یا پھر تم ویسے بھی چیخ پڑو گی؟"

"اب جلدی سے مطلب بتاؤ اور راستہ ناپو۔ لڑکیوں کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے ان سے باتیں بنانے۔"

"تم نے میری بات کا جواب ہی نہیں دیا۔"

"بس تھوڑی دور ہے۔ ہم پانی بھرنے یہاں آتے ہیں۔"

"کیا نام ہے تمھاری بستی کا؟"

"رکمنی!" لڑکی نے جواب دیا۔

"ہم مسافر ہیں۔ دیکھو میرا دوسرا ساتھی وہ درخت کے نیچے سو رہا ہے۔ ہم نے رات یہاں بتائی ہے۔ کسی بستی کی تلاش میں تھے۔ اب تم لوگ نظر آئی ہو تو جان میں جان آئی ہے۔"

"آئے ہائے آ گئی نا جان میں جان۔ دیکھا میں نہ کہتی تھی۔" لڑکی شرارت سے بولی۔

"بس کرو مالتی۔ اب اور زیادہ پریشان نہ کرو بےچارے کو۔" ایک لڑکی نے ہمدردی سے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے مگر اسے بتا دو مدھو کہ بستی میں قدم نہ رکھے ورنہ یہ جو جان میں جان آئی ہے پھر چلی جائے گی۔" مالتی نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں مسافر، تم ہماری بستی میں قدم مت رکھنا!"

"کیوں؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"بس یہ تمھارے ہی بھلے کے لیے ہے۔ تمھاری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ درختوں سے پھل کھاؤ اور ندی سے پانی پیو۔" لڑکیوں نے اپنے اپنے کلسے اٹھائے۔ تقریباً سب نے پانی بھر لیا تھا۔

"مدھو!" میں نے اس ہمدرد لڑکی کو مخاطب کیا اور وہ تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "کیا یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ تم نے ہمیں اپنی بستی میں آنے سے کیوں منع کیا ہے؟"

"ہمارے ہاں کے مرد کسی مسافر کو اپنی بستی میں نہیں آنے دیتے۔ وہ مسافروں سے نفرت کرتے ہیں اور اگر کوئی مسافر بستی میں داخل ہو جاتا ہے تو اسے مار کوٹ کر پھینک دیتے ہیں۔"

"مگر اس کی وجہ؟"

"بس بس۔ اس سے زیادہ سمے نہیں ہے میرے پاس۔" اس نے نخوت سے کہا اور پھر وہ سب مڑ کر واپس چل پڑیں۔ میں انھیں جاتے دیکھتا رہا۔ ان کے راستے سے میں نے بستی کی سمت کا اندازہ لگایا اور جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں تو میں پلٹ آیا۔ بے چارہ سریندر اب بھی اسی طرح سو رہا تھا۔ نہ جانے کب کا تھکا ہوا تھا۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر سریندر نے کروٹ بدلی اور پھر وہ جاگ گیا۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی تھی۔ چند لمحوں تک وہ میرا چہرہ دیکھتا رہا۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔

پھر اچانک اس کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔

"ارے، ارے آہا۔ میں تو ٹھیک ہوں۔ ارے ہاں لو میں بھول ہی گیا تھا، انوپی مہاراج!" اس نے خوشی سے لرزتے لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں، اٹھو۔ جاگ گئے سریندر!" میں نے نرم اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں مہاراج! نیند بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں صدیوں کے بعد سویا ہوں۔"

"ہاں۔ تم بہت دن کے بعد سکون کی نیند سوئے ہو گے؟"

"بڑے سمے کے بعد مہاراج!"

"اچھا اب اٹھو، چلو ندی پر منہ ہاتھ دھولیں۔" میں نے کہا اور وہ سعادت مندی سے میرے ساتھ چل پڑا۔ ندی پر جا کر ہم نے منہ دھویا اور پھر شام کے بچے ہوئے پھلوں کا ناشتہ کیا۔ وہ اب بالکل پُرسکون تھا۔

"سریندر!" میں نے ایک گہری سانس لیکر اسے آواز دی۔

"جی مہاراج!"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے جب تم سو رہے تھے، یہاں ندی پر کچھ لڑکیاں پانی بھرنے آئی تھیں!"

"یہاں؟" سریندر اچھل پڑا۔

"ہاں۔ اس ندی پر۔ میں نے ان سے گفتگو بھی کی تھی۔"

"مگر وہ کہاں سے آئی تھیں انوپی جی مہاراج؟"

"ظاہر ہے اپنی بستی سے۔"

"اوہ! اوہ، تو اس کا مطلب ہے ان کی بستی زیادہ دُور نہیں ہے۔"

"ہاں۔ میرا خیال ہے درختوں کے اس جھنڈ کے دوسری طرف۔"

"تب تو پھر ہمیں وہاں چلنا چاہیے مہاراج۔ وہاں سے ہمیں معلوم بھی ہو جائے گا کہ ہم کہاں ہیں اور ہمیں کس طرف جانا چاہیے اور پھر وہاں سے ہمیں کھانے پینے کی چیزیں بھی مل جائیں گی۔"

"لیکن ان لڑکیوں نے کچھ اور ہی کہا ہے سریندر۔"

"کیا؟"

"میں تمھیں بتا چکا ہوں میری ان سے بات چیت ہوئی تھی۔ بڑی شوخ لڑکیاں تھیں۔ اپنی دانست میں انھوں نے مجھ سے خوب مذاق کیا۔ پھر میں نے ان کی بستی کے بارے میں پوچھا تو انھوں [illegible] ان کی بستی درختوں کے اس پار ہے لیکن ہم وہاں آنے کی کوشش [illegible] ان کے مرد مسافروں کو زندہ نہیں چھوڑتے۔"

"کیوں؟"

"بس، اس سے زیادہ انھوں نے کچھ نہیں بتایا۔"

"ٹھٹھول کیا ہوگا مہاراج! پورے ہندوستان میں ایسے لوگ کہیں نہیں پائے جاتے جو مسافروں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہوں۔ ضرور ان شریر لڑکیوں نے ٹھٹھول کیا ہوگا۔ چلیں مہاراج، بستی والے ہماری سہائتا ضرور کریں گے۔"

"تم مناسب سمجھتے ہو تو ضرور چلو۔" میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا اور ہم دونوں بستی کی طرف چل پڑے۔ درختوں کا جھنڈ زیادہ دُور نہیں تھا۔ میں سریندر کے ساتھ اسی راستے پر چل رہا تھا جدھر میں نے ان لڑکیوں کو جاتے دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کے جھنڈ کے نزدیک پہنچ گئے۔ جھنڈ بہت گھنا نہیں تھا۔ ہم اس کے دوسری طرف نکل آئے لیکن اس کے بعد کچھ نہیں تھا۔ دوسری طرف گھاس کا ایک میدان پڑا تھا۔

میں حیران رہ گیا۔ سریندر بھی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہاں تو کوئی بستی نہیں انوپی جی!"

"لیکن لڑکیاں اسی طرف آئی تھیں۔" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"سامنے بھی دُور دُور تک کسی بستی کے آثار نہیں ہیں۔"

"ہوں۔" میں پُرخیال انداز میں بولا۔ درحقیقت بڑی تعجب خیز بات تھی۔ درختوں کے اِدھر اُدھر کا ماحول بھی صاف تھا۔ یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ بستی کسی اور طرف ہوگی اور جتنی دُور تک ہم دیکھ سکتے تھے اتنی دُور تک کوئی بستی نہیں تھی۔ اس سے زیادہ دُور سے لڑکیاں پانی بھرنے نہیں آ سکتی تھیں۔

سریندر پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

"ادھر تو کوئی بستی نہیں ہے مہاراج!" اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں سریندر، لیکن لڑکیاں اسی طرف آئی تھیں۔ ظاہر ہے میں غلط بھی نہیں کہہ رہا۔"

"نہیں مہاراج، مگر یہ ہوا کیا؟"

"میں نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال ہم ان لڑکیوں کو تلاش کریں گے۔" میں نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔

"مگر کہاں مہاراج؟" سریندر نے پوچھا۔

"بس چلتے رہو۔ دیکھیں گے وہ لڑکیاں کہاں سے آئی تھیں۔" اور سریندر نے گردن ہلا دی اور ہم نے سامنے کی سمت سفر شروع کر دیا لیکن میدان در میدان، سورج سر پر آ گیا اور پھر گزر بھی گیا لیکن بستی کا کوئی نشان نہیں ملا۔ میں بھی پریشان تھا۔ سریندر بدستور میرا ساتھ دے رہا تھا۔ ظاہر ہے اتنی طویل مسافت سے وہ تھک گیا ہوگا لیکن اس کے چہرے سے کسی ہچکچاہٹ کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ پھر میں ہی رُک گیا اور میں نے مسکراتے ہوئے سریندر کی طرف دیکھا۔ سریندر بھی مسکرا دیا۔

"کیا خیال ہے سریندر؟"

"جو مہاراج کا!"

"اس سے زیادہ دُور سے تو کوئی پانی بھرنے نہیں آتا؟"

"نہیں مہاراج! ہم تو بہت دُور نکل آئے۔"

"اب کیا خیال ہے؟"

"مہاراج جو کہیں!"

"واپس چلنا بھی بیکار ہے لیکن میں سخت حیران ہوں۔ آخر لڑکیاں کہاں گئیں۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "بہرحال اب واپس چلنا بیکار ہے، ہمیں آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائیں گے۔" سریندر نے میری بات سے اتفاق کیا تھا اور ہم دونوں آگے بڑھتے رہے۔ سورج اپنا آخری سفر طے کر رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے منہ چھپا لیا۔ تاریکی پھیل گئی تھی۔ ہم نے میدان میں ایک مناسب جگہ قیام کا بندوبست کیا تھا اور پھر ہم آرام کرنے لیٹ گئے۔ اس چٹیل میدان میں کھانے پینے کا کوئی بندوبست ممکن ہی نہیں تھا اس لیے اس گفتگو کا آغاز ہی نہیں کیا گیا۔

سریندر خاموش تھا۔ ہم دونوں صاف ستھری جگہ لیٹے ہوئے تھے۔ کافی دیر خاموشی سے گزر گئی تو میں نے خاموشی توڑنے کے لیے سریندر کو مخاطب کیا اور اس نے طویل سانس لیکر میری طرف دیکھا۔

"اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کرو گے سریندر؟"

"میں کیا کہوں مہاراج!"

"بہرحال اس میں کسی دھوکے کا تو امکان ہی نہیں ہے۔"

"پھر بستی کہاں گئی؟"

"ایک بات بتاؤ سریندر؟"

"جی مہاراج!"

"منوراما کو ہمارے فرار کا علم تو ہو ہی گیا ہوگا؟"

"او شش مہاراج! وہ بڑی چالاک ہے۔"

"تو وہ اس کی حرکت تو نہیں تھی؟"

"ہو بھی سکتی ہے۔"

"اگر یہ بات مان لی جائے تو اس کا مطلب ہے کہ منوراما ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔"

"بھگوان بچائے مہاراج! وہ بہت بڑی جادوگرنی ہے۔"

"تب پھر خیال رکھنا پڑے گا۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا اور ہم اچانک چونک پڑے۔ کہیں دُور سے ساز بجنے کی آواز سنائی دی تھی۔ ڈھول اور مجیروں کی آواز تھی۔

ہم دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ سریندر غور سے آواز سُن رہا تھا۔ کافی صاف تھی اور پھر اس میں گانے کی آواز بھی شامل ہو گئی۔

"آؤ سریندر۔ دیکھیں۔"

"ضرور کوئی گڑبڑ ہو گی مہاراج!"

"وہ تو ہو گی ہی۔ دیکھیں تو سہی۔"

"چلیں مہاراج!" سریندر کی آواز سہمی ہوئی تھی لیکن اگر میں اسے یہاں چھوڑ بھی دیتا تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہمارا تعاقب یہاں تک کیا گیا تھا۔ سریندر کو اس جگہ بھی پکڑا جا سکتا تھا اس لیے میں نے اس کے خوف کی پرواہ نہیں کی اور وہ میرے ساتھ چل پڑا۔ آواز صاف آ رہی تھی اور پھر ایک جگہ روشنی دیکھ کر ہم نے اس سمت کا تعین کیا اور چل پڑے۔

فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم مشعلوں کے نزدیک پہنچ گئے اور یہ دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی کہ وہاں بہت سی جھونپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گویا کوئی بستی تھی۔

لیکن دن کی روشنی میں یہ بستی کہاں غائب ہو گئی تھی۔ ہم نے دن میں اسے نہیں دیکھا تھا، حالانکہ ایسی پوشیدہ جگہ بھی نہیں تھی کہ نظر ہی نہ آ سکے۔

بہرحال ہم اس انسانی گروہ کے پاس پہنچ گئے جو مشعلوں کی روشنی میں گا بجا رہا تھا۔ سادہ لوح دیہاتی تھے جو دن بھر کی مشقت کے بعد گا بجا کر دل بہلا رہے تھے۔ درمیان میں دو تین لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ دو لڑکیاں ایک دیہاتی گانا گا رہی تھیں اور بہت سے لوگ حقے لیے چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

رات ہونے کے باوجود بہرحال ہم ان سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔ ہماری موجودگی کا احساس ہوتے ہی ناچ گانا بند ہو گیا اور سب گردنیں اٹھا اٹھا کر ہمیں دیکھنے لگے۔ بہت سے لوگ چارپائیوں سے نیچے اُتر کر کھڑے ہو گئے تھے۔ سادہ لوح انسانوں کے چہروں پر خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔

پھر ایک بوڑھا آدمی ایک نوجوان دیہاتی کے ساتھ آگے بڑھا۔ ہمارے قریب آ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"پالاگ مہاراج!" بوڑھے آدمی نے کہا۔

"پالاگ!" سریندر بھی اسی کے انداز میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"تم کون ہو مہاراج؟" بوڑھے نے پوچھا۔
"مسافر ہیں بابا!"
"اتنی رات گئے کہاں سے آرہے ہو؟"
"بس سفر کر رہے تھے۔ شام ہوگئی۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔
"کہاں جا رہے تھے؟"
"راستہ بھٹکے ہوئے ہیں مہاراج۔ یہ کون سی بستی ہے؟" میں نے پوچھا۔
"نرسنگھی بستی کہلاتی ہے۔ اب رات کہاں جاؤ گے، آؤ بیٹھو۔ ہمارے مہمان رہو۔"

"بڑی کرپا مہاراج!" میں نے عاجزی سے کہا اور بوڑھے نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مجھے دوستانہ انداز میں آگے لیے جا رہا تھا۔ سریندر بھی میرے پیچھے پیچھے تھا۔

"بیٹھو بیٹیا! ارے چلو رے۔ مہمانوں کے لیے جل پانی لاؤ۔ کھانے کا بندوبست کرو۔" بوڑھے نے پُراخلاق لہجے میں کہا اور دو نوجوان اٹھ کر ایک طرف چلے گئے۔

ہم لوگوں کو ایک چارپائی پر بٹھا دیا گیا۔ رقص کرنے والی لڑکیاں خاموش کھڑی تھیں۔ ساز بجانے والے بھی چپ بیٹھے تھے۔ سب کی نگاہیں ہماری طرف تھیں اور ماحول میں ایک عجیب سی گھٹن پیدا ہوگئی تھی۔

"بس یونہی گا بجا رہے تھے۔ دن بھر کی تھکن کے بعد ہا ہو کر لینے سے طبیعت خوش ہو جاوے ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"بہت اچھی بات ہے۔ ہمیں افسوس ہے آپ کو ہماری وجہ سے رُکنا پڑا۔"

"ارے اس میں افسوس کی کیا بات ہے۔ تم بھی سنو۔" بوڑھے نے کہا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ بالکل۔" میں نے کہا اور بوڑھے نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ناچو ری چھوریو۔ مسافر ہیں۔ یہ بھی خوش ہوں گے۔"

اور اچانک ساز پھر بجنے لگے اور دیہاتی الہڑ دوشیزاؤں نے رقص شروع کر دیا۔ ذہن میں جتنی اُلجھن تھی دور ہوگئی اور ہم دونوں ان دیہاتی انسانوں کی خوشی میں شریک ہوگئے، ان کے سادہ رقص میں کھو گئے۔ میں تو میں سریندر بھی ساری باتیں بھول گیا تھا۔

اور پھر ہمارے لیے کھانا آگیا۔ باجرے کی روٹیاں، مکھن، دودھ اور ساگ کی ترکاری۔ بہت بڑی نعمت تھی، سیر ہو کر کھائی۔ ساتھ ہی رقص کا لطف بھی اٹھاتے رہے۔ بوڑھا کہہ رہا تھا۔

"میں اس گاؤں کا مکھیا ہوں۔ بس چھوٹی سی بستی ہے اپنی۔"

"بہت خوبصورت بستی ہے۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔" میں نے کہا اور بوڑھا ہنسنے لگا۔ تبھی کسی طرف سے ایک لڑکی چھن چھن کرتی آئی اور پیتل کے کٹورے میں پانی ہمارے سامنے رکھ دیا۔

"کیا ہے رتنا؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"جل لائی ہوں مہمانوں کے لیے۔" خوبصورت آواز اُبھری اور نہ جانے کیوں یہ آواز مجھے جانی پہچانی محسوس ہوئی۔ میں نے چونک کر گردن اٹھائی۔

گو رات کا وقت تھا لیکن میں نے اس لڑکی کو پہچان لیا۔ یہ بھی ندی پر پانی بھرنے والی لڑکیوں میں شامل تھی اور میں چونک پڑا لیکن میں نے سریندر وغیرہ سے کچھ نہیں کہا۔ لڑکی نے پانی ہمارے سامنے رکھا۔ اس کی مسکراتی آنکھیں میرے اوپر جمی ہوئی تھیں اور پھر اس نے آہستہ سے ناک چڑھائی۔ بڑی پیاری ادا تھی۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے ایک بار پھر گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور ایک طرف چلی گئی۔

"میری بیٹی ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"اوہ!" میں سنبھل گیا۔ بہرحال تھوڑے سے آداب ضروری تھے۔ اس طرح لڑکی کو گھور گھور کر دیکھنا بھی مناسب نہیں تھا لیکن ایک بے چینی سی میرے ذہن میں پیدا ہوگئی۔ یہ سب کچھ مجھے پُراسرار لگ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس ماحول کو ذہن قبول نہیں کر رہا تھا اور پھر حالات بھی عجیب تھے۔ اتنا طویل فاصلہ، جس میں پورا دن صرف ہوگیا تھا، طے کر کے یہ لڑکیاں پانی لینے گئی تھیں، یہ کیا تُک ہے لیکن اس بات کا جواب کس سے ملتا۔ خاموشی کے سوا چارہ نہیں تھا۔ ہاں میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دوسرے دن میں اس بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ یہ رات خاموشی سے گزار لینی چاہیے۔

خاصی رات گئے تک ہنگامہ جاری رہا اور پھر سب تھک گئے۔

"بس بھئی۔ اب ختم کرو، نیند آرہی ہے اور پھر مسافر بھی تھکے ہوئے ہوں گے۔" او ہنگامہ ختم ہوگیا۔

"ارے منوہر!" بوڑھے نے کسی کو آواز دی۔

"جی مکھیا چاچا!"

"مہمانوں کے لیے بندوبست کر دیا؟"

"کر دیا چاچا!"

"کہاں کیا ہے؟"

"رکھا کی کُٹیا خالی کرالی ہے۔"

"تب پھر مہمانوں کو وہاں پہنچا دے۔"

"جو آگیا چاچا! آؤ بھیا۔" نوجوان نے کہا اور ہم دونوں اس کے ساتھ چل پڑے۔ بستی چھوٹی سی تھی۔ جس جھونپڑی میں ہمارے لیے بندوبست کیا گیا تھا وہ زیادہ دور نہ تھی۔ چھوٹی سی مضبوط اور صاف ستھری جھونپڑی، جس میں ایک مشعل روشن تھی۔ دو صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے۔

"آرام کرو بھیا۔ پالاگ!" ہمارے راہبر نے کہا اور واپس پلٹ گیا۔

سریندر بھی خاموشی سے بستر پر بیٹھ گیا! اس کے چہرے پر بھی غور و فکر کے آثار تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو سریندر؟"

"بس انوپی مہاراج۔ دماغ چکرایا ہوا ہے۔"

"کیوں؟"

"یہ بستی دن میں ہمیں کیوں نہیں نظر آئی تھی؟"

"ہاں۔ تعجب کی بات ہے۔"

"اب ہم ایسے اندھے بھی نہیں ہیں کہ اسے دن میں دیکھ نہ سکیں۔"

"تمھارا کیا خیال ہے؟"

"میرا تو کوئی خیال نہیں ہے انوپی جی۔ بھگوان ہی جانے۔" سریندر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"میں ایک بات بتاؤں سریندر؟"

"جی مہاراج!"

"مکھیا کی لڑکی پانی لائی تھی؟"

"ہاں!"

"یہ لڑکی بھی ان لڑکیوں میں شریک تھی جو مجھے ندی پر ملی تھیں۔" میں نے کہا اور سریندر اچھل پڑا۔

"ارے!" وہ منہ پھاڑ کر بولا۔

"ہاں۔ میری آنکھوں کو دھوکا نہیں ہوا۔ میں نے اسے اچھی طرح پہچانا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اتنی دُور پانی بھرنے گئی ہوں؟"

"ناممکن ہے مہاراج!"

"پھر یہ سب کیا چکّر ہے؟"

"میری مانو مہاراج، تو یہ سب بھی منو لماہی کا چکّر ہے۔ خاموشی سے یہاں سے نکل چلو۔ نہ جانے کیا حالات پیش آئیں۔" سریندر نے لرزتی آواز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں مہاراج۔ میری بات مان لو۔"

"لیکن سریندر، پر کہاں چلیں۔ تم غور تو کرو۔ وہ یہاں تک ہمارے پیچھے لگی ہوئی۔ ہم یہاں سے چلیں بھی تو وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور ہمارے ساتھ لگی رہے گی اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ہم کہاں جا رہے ہیں — باقاعدہ آبادی کتنی دُور ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہم سفر کرتے ہیں تو اس سے فائدہ؟"

"تو پھر مہاراج؟" سریندر نے پریشانی سے پوچھا۔

"جو ہو رہا ہے اس میں خاموش تماشائی بنے رہو سریندر۔"

"اور — اور اگر مہاراج، ہم — ہم دوبارہ اس کے چنگل میں پھنس گئے؟"

"تو دیکھا جائے گا۔ چنگل میں تو اب بھی ہیں۔" میں نے کہا اور سریندر خاموش ہوگیا۔ وہ سہم گیا تھا لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ جو کچھ تھا بے حد پُراسرار تھا۔ سریندر اگر اس کی طرف سے آنکھیں بند کرتا تو حماقت تھی۔ اگر یہ صرف اتفاق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر — منو لماہی کا پھیلایا ہوا کوئی چکّر ہے تو پھر اس سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ سریندر خاموش ہوگیا تھا۔ سونے کا تو خیر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اسے تو خوف کی وجہ سے نیند ہی نہیں آسکتی تھی۔ بہرحال وہ اسی انداز میں لیٹا تھا جیسے سو چکا ہو۔

میں نے بھی کروٹ بدل لی اور ان حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ان معاملات سے کوئی خوف نہیں تھا۔ پچھی تو ہاتھ سے جا چکی تھی۔ اب کس بات کی فکر تھی۔ رہ گئی احمق منو لما، تو وہ ہتھکنڈے استعمال کرتی رہے میرا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ ہاں یہ بے وقوف سریندر پریشان کر رہا تھا! اس کی زندگی کا بوجھ خواہ مخواہ کندھوں پر آ پڑا تھا۔ بہرحال اب تو اس بوجھ کو سنبھالنا ہی تھا۔ ظاہر ہے میں کسی زندہ انسان کو، مجبور انسان کو موت کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اگر موت کسی سمت سے آ کر اسے دبوچ لے تو دوسری بات ہے۔ اس بارے میں میں بے بس تھا لیکن کم از کم اس وقت تک ———

— رات گزرتی رہی اور پھر آنکھوں میں غنودگی آنے لگی تھی کہ اچانک ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ یوں لگا تھا جیسے کسی نے کسی کو مخاطب کیا ہو۔

میں نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ جھونپڑے کے دروازے میں کوئی کھڑا تھا۔ میں چونک کر سیدھا ہوگیا۔ گویا اندر ہی اشارہ کیا جا رہا تھا۔ شی شی کی آواز دوبارہ سنائی دی اور میں نے سریندر کی طرف دیکھا۔ اس بے چارے کو شاید نیند ہی آگئی تھی۔

بہرحال میں اٹھ بیٹھا اور پھر میں جھونپڑے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ باہر چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے رتنا کو پہچان لیا۔ یہ بوڑھے مکھیا کی بیٹی رتنا تھی۔

"مہاراج!" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہوں!"

"مجھے پہچانتے ہو؟"

"ہاں۔ تم رتنا ہو!"

"ارے! مگر میں نے تمھیں اپنا نام تو نہیں بتایا تھا؟"

"مکھیا نے تمھارا نام رتنا لیا تھا، اس وقت جب تم میرے لیے پانی لائی تھیں۔"

"اوہ! تم نے اس سے پہلے بھی تو مجھے دیکھا تھا۔"

"ہاں، ندی پر۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک۔ تمھارا کیا نام ہے مہاراج؟"

"انوپی!"

"کیا تمھارا ساتھی سو گیا ہے؟"

"ہاں!"

"میری ایک بات مانو گے؟"

"کہو!"

"باہر چاندنی چٹکی ہوئی ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ بڑا ہی سندر لگ رہا ہے باہر کا موسم۔ تھوڑی دیر مجھ سے باتیں کرو گے؟"

"ضرور۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا! اس نے اپنے نازک ہاتھ میں میرا ہاتھ لے لیا اور ایک طرف بڑھنے لگی۔ پھر وہ مجھے بستی سے کافی دُور لے گئی۔ یہاں کچھ کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ چاندنی میں لکھوری اینٹوں کا یہ ڈھیر بڑا عجیب لگ رہا تھا لیکن یہ کھنڈرات بھی میرے لیے حیرت انگیز تھے۔ آخر دن کی روشنی میں یہ سب کچھ کہاں غائب ہو گیا تھا! اس وقت مجھے یہ کھنڈر بھی نہیں نظر آئے تھے۔

"یہ جگہ اچھی ہے۔" رتنا نے رُک کر کہا۔

"ہوں — مگر بستی سے کافی دُور ہے۔"

"اس کی چنتا نہ کرو۔ میں یہاں اس لیے آئی ہوں کہ بستی کے دوسرے لوگ ہمیں پریشان نہ کریں۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ بیٹھ جاؤ۔"

اور میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ میں غور سے رتنا کو دیکھ رہا تھا۔ چاندنی رات میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ بھی میرے سامنے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے رتنا؟" میں نے پوچھا۔

"انوپی!" اس نے مخمور آواز میں کہا۔

"ہوں!"

"تم اس سمے بھی مجھے اچھے لگے تھے جب میں نے تمھیں ندی کے پاس دیکھا تھا اور اس سمے تو تم بہت ہی سندر لگے جب چاچا کے پاس چارپائی پر بیٹھے ناچ دیکھ رہے تھے۔" اس نے کہا! اس کی آواز میں ایک شرمگیں سی کپکپاہٹ تھی۔ میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس سے زیادہ وہ کیا کہتی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر میں اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"خوبصورت تو تم بھی ہو رتنا!"

"سچ۔" اس نے میری گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

"ہاں رتنا۔ تم کافی خوبصورت ہو اور اس وقت بھی بہت اچھی لگ رہی ہو۔" میں نے جواب دیا اور رتنا نے میرے سینے سے سر ٹکا لیا۔ "لیکن ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

"کیا؟" اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"وہ ندی تمھاری بستی سے کافی دُور ہے۔ تم اتنی دُور پانی بھرنے کیسے گئی تھیں؟"

"تم نے دیکھا ہو گا، یہاں سے کافی دُور دُور تک پانی نہیں ہے۔ بستی کی دوسری سمت سے ایک چھوٹا راستہ ہے ندی کی طرف جانے کا۔ ہم سب اسی کھنڈر سے ہوتے دوسری طرف جاتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی سرنگ ہے جو پتھروں کے اس طرف نکلتی ہے۔"

"اوہ! اس کھنڈر میں راستہ ہے؟"

"ہاں انوپی!"

"لیکن یہ سب کچھ بڑا عجیب ہے۔ خیر ہو گا۔ ہمیں ان باتوں میں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔" میں نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا اور وہ کسمسانے لگی۔

"مہاراج!"

"ہوں!"

"چاندنی پھیلی ہوئی ہے۔ آؤ، اندر چلیں۔"

"آؤ۔" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں کھنڈر میں داخل ہو گئے۔ کھنڈرات میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بڑے پُراسرار لگ رہے تھے لیکن میں دلچسپی سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ پھر رتنا ایک دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

"یہاں تو بڑا اندھیرا ہے رتنا۔" میں نے کہا۔

"میں ابھی روشنی کرتی ہوں مہاراج!" رتنا کی آواز اُبھری اور پھر کچھ گڑبڑ کی آواز سُنائی دی اور پھر روشنی پھیل گئی۔ میں نے دیکھا دیوار میں لگی ایک مشعل روشن ہو گئی تھی لیکن اس کی روشنی آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی اتنی تیز کہ یہ جگہ بے حد صاف نظر آنے لگی۔ میں نے حیرت سے مشعل کی طرف دیکھا اور اسی وقت پیچھے سے بے شمار قہقہے اُبھرے اور میں پلٹ پڑا۔

"ہائے رام — یہ چنڈالیں کہاں سے آ گئیں۔" رتنا گھبرا کر بولی۔ میں بھی لڑکیوں کے اس گروہ کو دیکھ رہا تھا۔ یہ سب وہی لڑکیاں تھیں جنھیں میں نے ندی کے کنارے دیکھا تھا۔ میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا لیکن مشعل کی سفید روشنی میرے لیے اب بھی حیرت انگیز تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔ بالکل سورج کی مانند سفید، —— تیز روشنی والی مشعل تھی۔ پھر میں نے پلٹ کر ان شریر لڑکیوں کے گروہ کی طرف دیکھا۔

اور —— سچی بات یہ ہے پروفیسر کہ ایک لمحے کے لیے میں سٹپٹا گیا تھا! ابھی چند لمحات قبل میں نے انھیں دیکھا تھا تو وہ سب کی سب بنی سنوری تھیں اور خوب اچھے لباسوں میں تھیں لیکن —— اب ان کی شکلیں اس قدر بھیانک ہو گئی تھیں کہ ان پر نگاہیں جمانا مشکل تھا۔ بکھرے ہوئے بال، پھٹی پھٹی سفید آنکھیں، لمبے لمبے دانت، زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور پھر وہ سب بھیانک انداز میں ہنسنے لگیں۔

میں وحشت زدہ انداز میں پلٹا اور میں نے ان کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خوف سے بے ہوش ہونے والی ہو گی لیکن رتنا، اس کی شکل تو ان سب سے زیادہ بھیانک تھی۔ میں اسے گھورنے لگا۔ تب رتنا نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور منمناتے ہوئے بولی۔

"بڑی ہی چنڈالیں ہیں یہ سب کی سب انوپی۔ آؤ ہم دوسرے کمرے میں چلیں۔ آؤ نا میری جان!" اس نے بڑے بھیانک انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور میں اچانک ہی سنبھل گیا۔ میں نے دل میں سوچا، ٹھیک ہے دیکھوں گا تم لوگ کتنے پانی میں ہو اور دوسرے لمحے میں بھی مسکرا پڑا۔

"ہاں، آؤ۔" میں نے بھی کہا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس طرف بڑھ گیا، جدھر اس نے اشارہ کیا تھا! اس طویل و عریض ہال میں ایک اور دروازہ تھا۔ رتنا مجھے لیے اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ دوسری طرف بھی ویسی ہی روشنی تھی لیکن اس روشنی میں مجھے ایک اور وجود نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی۔ منورما کو پہچاننا مشکل کام نہیں تھا۔

"خوب!" میں مسکرایا اور منورما بھی تحسین آمیز انداز میں مسکرائی۔

"بھگوان کی سوگند! بڑے ہی دل گردے والے ہو!"

"کیسی ہو رانی منورما؟"

"اچھی ہوں مگر تم سے خوش نہیں ہوں۔"

"اوہو — کیوں؟" میں نے چہکتے ہوئے کہا۔

"اے! اب تم کیا کر رہی ہو — جاؤ۔" منورما کرخت لہجے میں رتنا سے بولی۔

"اس نے مجھے اس شکل میں بھی مان لیا تھا رانی۔" رتنا ٹھنکتے ہوئے بولی۔

"اچھا — تو — تو اسے چاہتی ہے؟"

"آج کی رات — صرف آج کی رات دے دو۔" رتنا نے کہا اور منورما نے اچانک ہاتھ لہرایا۔ سُرخ دہکتا ہوا ایک کوڑا رتنا کی طرف بڑھا اور اس کے بدن سے لپٹ گیا۔

"ہائے میں مری — ہائے میں جلی۔" وہ دلدوز چیخیں مارتی ہوئی باہر بھاگ گئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ منورما پھر میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"تمھیں ان ساری باتوں سے ڈر نہیں لگا؟" منورما نے پوچھا۔

"ڈر کیا ہوتا ہے؟"

"اسی لیے کہا تھا کہ بڑے دل گردے کے مالک ہو۔ تمھارا کیا خیال ہے، ایک پل کے لیے بھی میں تمھاری طرف سے انجان رہی ہوں۔ میں تمھاری ایک ایک حرکت دیکھتی رہی ہوں انوپی۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"تم دیوار میں لٹکے بولتے سر کو دیکھ کر بھی خوفزدہ نہیں ہوئے، بلکہ تم نے اس کی سہائتا بھی کی۔"

"تم نے اس وقت مجھے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی منورما؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے اس پاپی سے اب کوئی لگاؤ نہیں رہا انوپی۔ تم نے اسے ٹھیک کر دیا، میں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔"

"اور یہ سب کیا تھا؟"

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"یہی، ندی، لڑکیاں، بستی وغیرہ؟"

"کھیل پسند نہیں آیا؟" منورما مسکرا کر بولی۔

"پسند تو بہت آیا ہے منورما، لیکن تم سے خوش نہیں ہوں۔"

"کیوں مہاراج؟"

"پچھی کے ساتھ تم نے بہت بُرا سلوک کیا ہے۔"

"اوہ! میں جسے پسند کرتی ہوں اسے کسی دوسری عورت کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی اور پھر تم تو بہت ہی انوکھے ہو۔ میں نے جیون بھر میں تم جیسا جوان نہیں دیکھا اور دو شواش کرو، اگر تم میرے ہو جاؤ تو پھر میں کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھوں گی۔"

"میں ایک شرط پر تمھاری بات مان سکتا ہوں منورما!"

"کیا؟"

"تم پچھی کو ٹھیک کر دو۔ میں اسے خود سے الگ کر دوں گا! اس کے لیے کوئی معقول بندوبست کر دیں گے تاکہ وہ باقی زندگی آرام سے بسر کرے اور پھر میں تمھارے ساتھ رہوں گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تم مجھے اپنا یہ حیرت انگیز علم سکھاؤ گی۔ میں تمھارے اس انوکھے علم سے بہت متاثر ہوا ہوں جسے تم جادو کہتی ہو۔"

"پہلی بات تو اب میرے بس میں بھی نہیں ہے۔ ہاں میں تمھیں اپنا علم ضرور سکھا دوں گی۔ وچن دیتی ہوں مگر پچھی کو اب میں بھی ٹھیک نہیں کر سکتی۔ وہ سدا کے لیے پتھر بن گئی ہے۔"

"اوہ — ذلیل عورت — کیا تو نے یہ اچھا کام کیا ہے؟" مجھے غصہ آ گیا۔

"تم اس کے لیے مجھے گالیاں دے رہے ہو۔ میں تمھیں جلا کر خاک کر دوں گی۔" منورما غرائی۔

"نہیں منورما۔ میں پچھی کے ساتھ ہونے والے سلوک کو نہیں بھول سکتا۔ میں تجھ سے انتقام لوں گا، میں تجھے موت کے گھاٹ اُتار کر ہی دم لوں گا۔" میں نے خونخوار لہجے میں کہا اور درحقیقت پروفیسر — میں نے اس سے جو کچھ کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔ مجھے اس علم سے دلچسپی تھی۔ میں اسے سیکھنا چاہتا تھا۔ پچھی کے بارے میں، میں نے سوچا تھا کہ اگر وہ پھر سے انسان بن گئی تو اس کے لیے کوئی بندوبست کر دیا جائے گا لیکن پچھی کی دشمن کو، اس کی قاتل کو صرف اس لیے معاف کرنا میرے ضمیر کے خلاف تھا کہ میں اس

سے علم سیکھتا۔ یہ خود غرضی تھی اور جس بات کو میرا دل نہ پسند کرے میں کسی قیمت پر اسے نہیں کرتا تھا۔

"تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے انوپی۔"

"یہ تو آنے والا وقت بتلائے گا!"

"جتنا وقت گزرتا جائے گا، تمھارے لیے بُرا ہو گا! ابھی تمھارے لیے میرے من میں نفرت نہیں جاگی۔ تم اتنے بہادر ہو کر میں تمھاری ساری باتیں درگزر کر دیتی ہوں۔ سچ انوپی۔ میں بہادر اور طاقتور مردوں کی دیوانی ہوں اور پھر تمھارا تو کوئی جواب ہی نہیں ہے۔" منولما کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔

"لیکن میں تجھ سے محبت نہیں کر سکتا منولما۔ تو نے کھچی کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے۔"

"تو سُن لو انوپی جی! میں تمھارا وہ حشر کروں گی کہ تم کھچی کو بھول کر اپنی خیر مناؤ گے۔ سُنو۔ تم سارا جیون ان جنگلوں میں بھٹکتے رہو۔ اگر کبھی کوئی گھر، کوئی عمارت نظر آئے تو بے کھٹکے اس کے اندر آجانا۔ یہ راستہ میرے گھر کا راستہ ہو گا اور اندر صرف میں ملوں گی۔ تم سارا جیون میرے جنگل سے نہ نکل سکو گے۔" منولما نے دانت پیستے ہوئے کہا اور میں سپاٹ نگاہوں سے اسے گھورنے لگا اور پھر میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"بے وقوف رانی! کیوں پتھر سے سر پھوڑ رہی ہے جس زندگی کے بارے میں تو کہہ رہی ہے، خود تجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اگر تیرا علم بتا سکتا ہے تو اس سے میرے بارے میں پوچھ۔ نہیں بتا سکتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مکمل نہیں ہے اور اگر بتا دے تو خود ہی شرمندہ ہو جا۔ سوچ کر تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"کیوں، تم دیوتا ہو نا؟" اس نے طنز بھرے لہجے میں کہا اور میں ہنسنے لگا۔ "تو دیوتا جی! اپنی شکتی کو کیوں آواز نہیں دیتے۔ جاؤ اسے آواز دو اور یہاں سے نکل جاؤ۔"

"بڑی پاگل ہے تو منولما۔ ٹھیک ہے۔ میں یہاں سے نکل جاؤں گا مگر تو میری بات سُن۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ میری طرف دیکھنے لگی۔ "قریب آ منولما۔" میں نے نرم لہجے میں کہا اور وہ نزدیک آگئی۔ میرے اس انداز پر وہ حیران رہ گئی تھی لیکن جونہی وہ میرے قریب آئی، میں نے لپک کر اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر —— بڑی سخت ناکامی ہوئی تھی پروفیسر۔ میرے ہاتھ پہلے کی طرح اس کے بدن سے نکل گئے تھے۔ وہ کم بخت تو انسانی وجود ہی نہیں رکھتی تھی۔ میں نے اس بار اس کے بالوں پر ہاتھ ڈالا لیکن کچھ بھی نہیں تھا۔

منولما نے میری کیفیت دیکھی اور پھر اس نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔ "اوہ! چالاکی کر رہے ہو انوپی۔ مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔ مار ڈالنا چاہتے ہو مجھے لیکن اطمینان رکھو یہ تمھارے بس کی بات نہیں ہے۔ بھٹکتے رہو [illegible] ویرانوں میں اور سُن لو اس بات کو کہ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ طلسمی زمین ہے میری تیار کی ہوئی۔ ساری عمر اس میں بھٹکتے رہو گے۔ ہاں جب تمھارے من میں یہ احساس جاگ اٹھے کہ تم ہار گئے تو اپنی شکست کا اعتراف کرنے کسی بھی دروازے میں گھس آنا جو تمھیں نظر آجائے کیونکہ اس طلسم خانے کے سارے دروازے میری طرف آتے ہیں۔" منولما نے کہا اور بجھ گئی۔

"ہاں۔ میں اسے بجھنا ہی کہوں گا۔ وہ اس طرح غائب ہو جاتی تھی جیسے کسی جلتے ہوئے چراغ کا شعلہ بجھ گیا۔ میں اس کی تلاش میں آنکھیں پھاڑتا رہا لیکن اس کا کوئی نشان نہ ملا۔ تب میں گہری سانس لے کر واپس اس دروازے کی طرف چل پڑا جس سے اندر آیا تھا۔ باہر کا ماحول ویسے ہی خاموش تھا۔ ہر چیز جوں کی توں تھی۔ کسی ذی رُوح کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں کھنڈرات سے ہی نکل آیا۔

چاندنی میلی ہو گئی تھی۔ چاند پر روشنی کا پارہ چڑھنے لگا تھا اور وہ بے نور ہوتا جا رہا تھا۔ اپنی پیلاہٹ کھوتا جا رہا تھا۔ گویا صبح ہونے والی تھی۔ میں اس بستی کی طرف چل پڑا۔ میرے ذہن میں سینکڑوں خیالات تھے لیکن میں پریشان نہیں تھا۔ پریشان کیوں ہوتا۔ میری زندگی کا کون سا مشن تھا جس میں رُکاوٹ پڑ رہی تھی۔ کچھ وقت یہاں بھی سہی۔ منولما بوڑھی ہو جائے گی اور پھر اسے اپنی بے بسی کا احساس ہو گا۔ میں جوں کا توں رہوں گا۔ ہاں میں جوں کا توں رہوں گا۔

کافی دُور نکل آیا۔ اندازے کے مطابق میں اب بستی کے قریب تھا۔

لیکن بستی —— بستی کہاں گئی —— یہاں تو کچھ نہیں تھا۔ جھونپڑی کیا، درخت کیا، کسی پتّے کا نشان نہیں تھا۔ معاً مجھے سر بندر کا خیال آیا۔ اس غریب کے ساتھ کیا بیتی؟ میں نے اس کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور تھوڑی دُور پر، ایک پتھریلی جگہ پر وہ زمین پر کروٹ لیے نظر آیا۔

"اوہ!" میرے منہ سے افسوس کی آواز نکلی اور میں دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ جھک کر دیکھا تو وہ کروٹ لیے مزے سے سو رہا تھا۔ تب میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ اسے کوئی حادثہ نہیں پیش آیا تھا۔ بس غائب ہونے والی چیزیں غائب ہو گئی تھیں اور سر بندر کو ان کا احساس بھی نہیں تھا۔

میں نے اسے جگا دینا ہی مناسب سمجھا اور اس کے قریب بیٹھ کر اسے آوازیں دیں۔ دوسری تیسری آواز میں وہ جاگ گیا اور آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹھو۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"صبح ہو گئی۔" سر بندر نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ اس پر وہی ردِ عمل ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ وہ بُری طرح اچھل پڑا۔

"ارے۔ ارے!" اس نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ۔ وہ بستی۔ ہم تو رات کو —— رات کو بستی میں تھے اور —— اور ایک جھونپڑے میں سوئے تھے!"

"وہ اچھی جگہ نہیں تھی۔ ہم وہاں سے نکل آئے۔" میں نے کہا۔

"لک۔ کیا مطلب؟"

"بس چلے آئے وہاں سے۔"

"مگر کس طرح؟"

"ارے تو کیا میں تمھیں اٹھا کر نہیں چل سکتا!"

"اور میری آنکھ نہیں کھلی؟"

"تم بہت گہری نیند سوتے ہو۔"

"اوہ۔ کیا کروں۔ نہ جانے کب کا جاگا ہوا ہوں مگر کیا بات تھی۔ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"بس آگئی۔" میں نے کہا۔ سر بندر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ پریشان لہجے میں بولا۔

"لیکن انوپی مہاراج!"

"ہوں!"

"یہ جگہ تو وہی ہے۔ میرا مطلب ہے بالکل وہی جگہ۔"

"واقعی؟"

"ہاں مہاراج۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔"

"اگر یہ وہی جگہ ہے تو درخت کہاں گئے؟" میں نے پوچھا۔

"ایں۔ ہاں درخت نہ جانے کہاں گئے۔"

"جھونپڑیاں بھی نہیں ہیں اور نہ ان میں رہنے والے، وہ جو رات کو گا بجا رہے تھے۔"

"بھگوان ہی جانے مہاراج!"

"ہو گا سر بندر۔ تم اس کے لیے پریشان کیوں ہوتے ہو۔ ممکن ہے جھونپڑیاں ہی یہاں سے کہیں چلی گئی ہوں۔ ان کے رہنے والوں نے یہ علاقہ بھی چھوڑ دیا ہو۔"

"اور وہ درخت بھی اٹھا کر لے گئے؟" سر بندر نے ایسے لہجے میں کہا کہ مجھے ہنسی آگئی۔

"ان کی چیز تھی، لے گئے۔ ہم کیا کر سکتے تھے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھگوان کے لیے انوپی مہاراج، میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا۔"

"ذرا ذرا سی بات پر پاگل ہونے کی باتیں مت کیا کرو سر بندر۔ مجھے بزدلی بالکل پسند نہیں ہے۔ تم حالات سے اس قدر خوفزدہ کیوں ہو جاتے ہو۔ سُنو۔ ہم ابھی تک منولما کے جنگل میں ہیں۔ وہ بستی جادو کی بستی تھی۔ یہ زمین جادو کی زمین ہے۔ اب خوف سے مر جاؤ۔" میں نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا اور سر بندر پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ کافی دیر تک وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لیکر بولا۔

"شما کر دو مہاراج!"

"کوئی بات نہیں ہے سر بندر، لیکن یہ تو سوچو، ہم موت کے خوف سے ہی مر جائیں۔"

"میں اب نہیں ڈروں گا۔" اس نے عاجزی سے کہا اور مجھے اس پر ہنسی آگئی۔

"ڈرنا بیکار ہے سر بندر! ہم کوشش کرتے رہیں گے۔ ویسے میں تمھیں ایک بات بتا دوں۔"

"کیا مہاراج؟"

"تمھاری زندگی کو اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"منولما کو اب تمھاری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔"

"اوہ! تمھیں کیسے معلوم؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ میرے پاس سے گئی ہے۔"

"تمھارے پاس سے؟" سر بندر اچھل پڑا۔

"ہاں۔ رات بھر اس نے بڑے کھیل کھیلے ہیں۔"

"اوہ!" سر بندر نے کہا اور میں نے اسے مختصر تفصیل سُنائی۔ سر بندر غور سے پوری کہانی سُن رہا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے مہاراج، مگر اب کیا کریں؟"

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے سر بندر۔ ہم کوشش کرتے رہیں گے۔"

"اب مجھے کوئی چنتا نہیں ہے مہاراج۔ تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ بھاگوں میں اگر اس کے جنگل سے نکلنا لکھا ہے تو نکل جائیں گے اور اگر اس جادو نگری میں موت لکھی ہے تو پھر کون روک سکتا ہے۔"

"یہ ہوئی بہادری کی بات۔ آؤ۔ اب اس جگہ کو چھوڑ دیں۔" میں نے کہا اور سر بندر تیار ہو گیا۔ تب ہم وہاں سے آگے بڑھے لیکن اس طرف جہاں کھنڈرات تھے اور بس ایک ہلکا سا خیال ہی میرے ذہن میں آیا تھا کہ ممکن ہے بستی کی طرح کھنڈرات بھی یہاں نہ ہوں لیکن یہ خیال غلط نہیں تھا۔ چاروں طرف پتھریلی زمین کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی —— کھنڈرات کا کہیں نشان نہیں تھا۔

اس بارے میں، میں نے سر بندر سے کچھ نہ کہا۔ ضرورت بھی کیا تھی۔ ہم آگے بڑھتے رہے۔ جادو کی زمین دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ نہ جانے یہ زمین تھی یا صرف خیال، نظری دھوکا۔ ممکن ہے ہم ایک چھوٹے سے دائرے میں ہوں، اسی میں چاروں طرف گھوم کر مختلف مناظر دیکھ رہے ہوں لیکن خوب تھا یہ سب کچھ۔ درحقیقت میری طویل زندگی کا سب سے انوکھا دور۔ میری صدیوں دیکھی نگاہوں کے لیے سب سے عجیب منظر۔! درحقیقت سر بندر اب بالکل ٹھس ہو گیا تھا۔ وہ خاموش رہتا تھا۔ بہت کم بات کرتا تھا لیکن اب نہ وہ کسی بات سے الجھتا تھا اور نہ کسی سے خوفزدہ ہوتا

تھا بس میرا ساتھ دیتا تھا۔ دائرے کا سفر جاری تھا لیکن متاثر ہوئے ہوئے تھے اور وقت گزرتا جا رہا تھا۔ میں نے بھی نہ رُکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بس اگر پریشانی تھی تو صرف اس احمق سریندر کی، جس کی وجہ سے میں کبھی کبھی سوچ میں پڑ جاتا تھا ویسے پروفیسر، اس خاصے عرصے میں بھی میں کوئی ترکیب نہیں سوچ سکا تھا۔ دن ہوتا، رات ہو جاتی۔ نہ جانے کتنے دن گذر چکے تھے اس کے بعد نہ تو کوئی بستی نظر آئی، نہ کوئی جاندار۔ یوں لگتا تھا جیسے کائنات پھر سے ویران ہو چکی ہو اور اب اس پوری زمین پر صرف دو انسانوں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا ہو۔ تب ایک رات، میں ایک پہاڑی ٹیلے پر بیٹھا سوچ میں گم تھا۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر سریندر کروٹ بدلے سو رہا تھا۔ اب وہ بے فکری کی نیند سوتا تھا۔ اس کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی، ہر بات سے بے پرواہ۔ اگر میں اسے چھوڑ بھی دیتا تو شاید وہ احتجاج بھی نہ کرتا، شکایت بھی نہ کرتا۔۔۔ خاموشی سے وہیں رہ جاتا جہاں میں اسے چھوڑتا۔

لیکن انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز تھی۔ میں اس سے اور متاثر ہو گیا تھا۔ اب میں اسے کوئی تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔ سوچوں میں گم، میں کافی دیر تک ٹیلے پر بیٹھا رہا اور پھر لیٹ گیا۔ میری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اوپر ستارے مسکرا رہے تھے۔ مجھ سے نگاہ ملتے ہی ہنس پڑے اور میں چونک پڑا۔

اوہ! انسانی ذہن بھی بعض اوقات کس انداز میں سوچتا ہے۔ میں اپنے دوستوں کو بھول ہی گیا تھا۔ میرے وہ دوست، جو ہر دور میں، ہر ماحول میں، ہر جگہ میرے ساتھ رہتے تھے، میں نے ان سے معذرت کی، اپنی بھول کا اعتراف کیا اور انھوں نے خوشی سے مجھے معاف کر دیا۔ بڑے فراخ دل تھے وہ۔ سو میں نے ان سے وقت کی بات کہی اور انھوں نے میرے اُوپر طنز سے بھرپور نگاہیں ڈالیں۔

"یُوں لگتا ہے جیسے تم نے صدیاں گنوائی ہیں۔ وقت کی ایک بے مایہ مخلوق تمھیں بے بس کر رہی ہے، جبکہ ہم تمھارے محسن، تمھارے رہبر موجود ہیں۔" ستارے بولے۔

"ہاں۔ میں بھول گیا تھا میرے ازلی شناساؤ لیکن تم اس بات کو درگذر کرو اور مجھے بتاؤ، کیا اس مشکل کا بھی کوئی حل ہے؟" سو کہا ستاروں نے کہ یہ بھی کوئی مشکل ہے۔ زمین کے بسنے والے ایسے ہی علوم آشنا ہوں، ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں اور نہایت ہی معمولی بات ہے لیکن سوچی نہیں تو نے کہ وہ تیری توجہ کی طالب ہے اور تیرا تجربہ وسیع تر۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ تو اسے اپنے بدن کے جال میں پھانس لے اور اس وقت تو وہ روشنی کے لبادے میں نہ ہو گی جب تیری آغوش میں ہو گی اور عورت ہر دَور کی یکساں ہے اور اپنی فطرت بدلنے پر قادر نہیں اور تیری آتشِ بدن اس کے احساسات کو سُلا دے گی اور سوتی ہوئی عورت کو گہری نیند سُلا دینا کوئی مشکل کام تو نہ ہو گا۔ کیسی آسان بات ہے۔" کہا ستاروں نے اور میں چونک پڑا۔

ہاں۔ سیدھی سی بات ہے واقعی۔ افوہ۔ بعض اوقات تل کی اوٹ پہاڑ آ جاتا ہے۔ میں کون سے اقدار کا قائل تھا۔ اگر ایک ایسی ہستی کو میں دھوکا دے دیتا جو مجسم دھوکا تھی تو کون سی مشکل پیش آتی اور بہت پہلے بھی ایسا ہوا تھا۔ اب ہو جاتا تو کیا حرج تھا۔

لیکن وقت کی بات بھی ہوتی ہے اور ستارے میرے رہنما ہیں۔ تو اس وقت کی صبح میرے لیے کافی روشن تھی۔ سچ بات ہے ذہن پر یکسانیت کی گرد تھی جو ستاروں کی دوستی سے صاف ہو گئی تھی اور سریندر نے بھی میری بدلی ہوئی حالت محسوس کی لیکن اس سے کوئی ذکر فضول تھا۔ ہاں مجھے تو اس دروازے کی تلاش تھی جس کے بارے میں منورما نے کہا تھا اور ضروریات سے فارغ ہو کر ہم د..وازے کی تلاش میں چل پڑے۔

دائرے

سفر جاری رہا لیکن اب شکل بدل گئی تھی۔ اب مجھے ان دروازوں میں سے کسی ایک کی تلاش تھی جن کے بارے میں منورما نے کہا تھا۔ سریندر کو میں نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ بے چارہ بدستور میرا ساتھ دیے جا رہا تھا لیکن اس کے چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مستقبل سے مایوس ہے اور اسے قطعی اُمید نہیں ہے کہ وہ منورما کے جال سے نکل سکے گا۔ بہرحال ہم چلتے رہے اور پھر ایک شام ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو گہری نگاہ سے دیکھنے پر قدرتی معلوم نہیں ہوتی تھی۔

بہت چھوٹے سے دائرے کی چھوٹی سی جھیل جس کے کنارے دو درخت سر جوڑے کھڑے تھے۔

"مہاراج! اب کب تک چلتے رہیں گے؟" سریندر نے مایوس لہجے میں کہا۔

"تھک گئے سریندر؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں مہاراج! منزل کا کوئی پتہ ہو تو آدمی اس کو تلاش کرنے کے لیے جیون بھر چل سکتا ہے، پھر اس جادو منڈل میں گھومتے رہنے سے کیا فائدہ؟ کتنے ہی چلتے رہو اس سے نہ نکل سکو گے۔"

"نکلنا چاہتے ہو سریندر؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"تو اب تک کیا کرتے رہے ہیں مہاراج، کیا تم نے پہلے نکلنے کی کوشش نہیں کی؟" سریندر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے سریندر، اب ہم بہت جلد اس جال سے نکل جائیں گے۔ فی الحال قیام کے لیے یہی جگہ مناسب ہے۔ رات یہیں گذاری جائے گی۔" میں نے کہا اور سریندر نے گردن ہلا دی۔

سرگوشیاں کرتے ہم نے درختوں کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ سریندر یقینی طور پر بھوکا تھا۔ ہلکی سی خواہش مجھے بھی تھی لیکن تم جانتے ہو پروفیسر کہ انسانی زندگی کی ہر ضرورت میرے لیے معمولی حیثیت رکھتی ہے۔ میں خوراک کے لیے بے چین نہیں تھا لیکن مجھے سریندر کا خیال تھا۔ یہ کمزور شخص خوراک کے بغیر زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے گا لیکن اس جادو کے جنگل میں شکار بھی تو مشکل

تھا اور پھر یہ احمق لوگ گوشت کھاتے بھی تو نہیں تھے اور میں اس کے لیے کیا کرتا۔ چنانچہ میں نے بھی خاموشی اختیار کی۔ سورج چھپ چکا تھا، تاریکی تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ ہم دونوں آرام کرنے لیٹ گئے۔ درختوں کی جڑیں تکیے کا کام دے رہی تھیں۔ سریندر بالکل خاموش تھا، میں بھی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک سریندر کی آواز سنائی دی۔

"مہاراج! مہاراج!" اس کی آواز میں ایک عجیب سی لرزش تھی۔

"کیا ہے سریندر؟"

لیکن پھر سریندر کو کچھ بولنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میری نگاہ بھی چھوٹی سی جھیل کے پانی کی سطح پر جا پڑی۔ آسمان پر چاند نہ تھا۔ چاروں طرف کا ماحول تاریکی میں چھپا ہوا تھا لیکن پانی کی سطح پر چمکدار دائرے اُبھر رہے تھے۔ روشنی کے ہالے ایک جگہ سے پھُوٹتے اور ایک دائرے کی طرح پھیلتے چلے جاتے۔ تب ان دائروں نے چاند سے چہرے اُگل دیے۔

اپسراؤں نے پانی سے سر نکالا اور پھر بلند ہوتی چلی گئیں۔ ہم دونوں حیرانی سے اس جھیل کی مخلوق کو دیکھ رہے تھے جو باقاعدہ لباس میں ملبوس تھی۔ ان سب کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے تھال تھے اور ان تھالوں میں مختلف چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ پانی سے نکل کر وہ ہمارے نزدیک آ گئیں۔ اور انھوں نے تھال ہمارے سامنے رکھ دیے۔

سریندر کے تو حواس گم تھے لیکن مجھے ایک دروازہ نظر آ گیا تھا۔

"اٹھو سریندر! بھوجن کر لو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مم۔ مہاراج!" سریندر ہکلاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم بھوکے ہو نا، اب اگر چاہو تو ان لڑکیوں کو بھی کھا سکتے ہو!" میں نے کہا اور سریندر بوکھلائے ہوئے انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"مگر یہ آئیں کہاں سے مہاراج؟" وہ سرسراتی آواز میں بولا۔

"تمھارے سامنے ہی پانی سے نکلی ہیں۔ ویسے اگر تم چاہو تو ان سے پوچھ سکتے ہو۔ یہ سب کی سب منورما کی داسیاں ہیں۔"

"مم۔ منورما۔ یہ سب منورما کی داسیاں ہیں، تمھیں ان کے بارے میں کیسے معلوم مہاراج؟" سریندر احمقانہ انداز میں گفتگو کر رہا تھا لیکن میں نے ان میں سے ایک لڑکی کو اشارہ کیا اور وہ بلاتعرض میرے نزدیک آ گئی۔

"تمھارا کیا نام ہے؟"

"کمپتی!" لڑکی نے جواب دیا۔

"کیا تم رانی منورما کی داسی نہیں ہو؟"

"ہاں مہاراج!" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عقیدت سے آنکھیں بند کر لیں۔ "ہم سب مہان رانی کی داسیاں ہی ہیں۔" اور میں نے سریندر کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی منہ پھاڑے بیٹھا تھا۔ تب میں نے تھال اپنی طرف سرکائے اور پھر سریندر کا انتظار کیے بغیر کھانا شروع کر دیا۔

"آ جاؤ سریندر، ورنہ گھاٹے میں رہو گے۔" میں نے اس سے کہا اور سریندر کے حواس بھی کسی حد تک بحال ہو گئے۔ وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم کھانے سے فارغ ہو گئے۔ جھیل سے نکلنے والیاں قطار بنائے کھڑی تھیں اور بڑی دلچسپ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھیں۔

"رانی منورما سے ہمارا شکریہ ادا کر دینا۔"

"ہمیں آ گیا ملی ہے مہاراج کہ ہم ہر طرح آپ کا من بہلائیں۔" ایک خوبصورت لڑکی بولی۔

"کیوں بھئی۔ کیا خیال ہے؟" میں نے سریندر سے کہا اور سریندر بغلیں جھانکنے لگا۔ "پسند ہے ان میں سے کوئی؟"

"نہیں مہاراج!" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"افسوس لڑکیو، میرا دوست تو تم میں سے کسی کو پسند نہیں کرتا۔ رہی میری بات تو میں رانی منورما سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرا یہ سندیس منورما کو دے دو۔" لڑکیاں چونک پڑیں۔ وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں مہاراج؟"

"ہاں، بالکل سچ!"

"تب تو۔ تب تو آپ نے ہمیں نیا جیون دے دیا۔ ہم یہ بڑی خبر رانی منورما کو دیں گے اور وہ ..... آؤری سکھیو۔ آؤ۔" وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ پڑیں اور غڑاپ غڑاپ کر کے واپس جھیل میں کود گئیں۔ سریندر متعجب نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا اور جب لڑکیوں کا کوئی نشان نہیں رہا تو اس نے میری طرف دیکھا۔

"یہ آپ نے کیا کہا مہاراج؟ کیا آپ ـــــ؟"

"ہاں سریندر! میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اب ہم اس جال سے نکل جائیں گے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"مگر۔ مگر مہاراج۔ کیا آپ۔ کیا آپ اَنی منورما کی بات مان لیں گے؟"

"اس کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے سریندر۔ تمھارے ذہن میں اور کوئی ترکیب ہے۔ جب ہم اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتے تو ہمیں اس کی بات مان لینی چاہیے۔"

"مگر میں تو نہیں مانوں گا مہاراج۔ میں نے تو ہر طرح کے کشٹ بھوگنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں پھر مرنے کے لیے تیار ہوں، پر بھگوان کی سوگند میں اس کی بات نہیں مانوں گا۔"

"میرا خیال ہے اب وہ تمھیں پریشان نہیں کرے گی سریندر۔ وہ پوری طرح میری طرف متوجہ ہے اور تمھاری جان بچ گئی ہے۔ رہی میری بات تو سریندر، میرا تو کوئی دھرم ہی نہیں ہے۔ تمھارا دھرم تمھیں بُرے کاموں سے روکتا ہے مگر میں نے کسی دھرم کی بات نہیں مانی ہے۔ میں تو صرف وقت کا دوست اور وقت کا پیروکار ہوں۔"

سریندر عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا لیکن اس کے بعد کچھ بولنے کی گنجائش نہ رہی! اچانک جھیل روشن ہو گئی۔ پانی چاندی کی طرح چمکنے لگا۔ چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ پھر پانی پر ایک تخت اُبھرا۔ تخت پر چ..ن

طرف حسین داسیاں ہاتھ باندھے کھڑی تھیں، درمیان میں ایک حسین اور مرصع سنگھاسن پر منورما بیٹھی تھی۔

سولا سنگھار کیے، چمکتے زیورات سے لدی ہوئی، چہرے پر ستارے چپکے ہوئے تھے اور سر پر ایک حسین تاج رکھا ہوا تھا۔ ہیروں کے زیورات کی شعاعیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور انھوں نے اسے سینکڑوں رنگ دے رکھے تھے۔ بلاشبہ اس تاریک رات میں اگر کوئی ذی روح اسے اس عالم میں دیکھ لیتا تو حواس قائم نہ رکھ سکتا۔

میں بھی دلچسپی سے اسے دیکھتا رہا اور معاً میرے ذہن میں خیال آیا، آخر منورما میں کیا برائی ہے، سوائے اس کے کہ وہ جادوگرنی ہے مگر مجھے اس سے کیا۔ عورت ہے اور ایک خوبصورت عورت ہے۔ اگر اس عورت سے مجھے اس کا پُراسرار علم بھی مل جائے تو کیا حرج ہے۔ بحیثیت عورت بھی وہ بری نہیں ہے۔

لیکن انوکھے حالات کا شکار ہونے کے باوجود پروفیسر، میرے اندر بھی ایک ضد موجود تھی۔ ایک ایسی ضد جسے تم کوئی بھی نام دے لو، میں اسے کوئی نام دینے سے احتراز کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے لمحے میں نے سوچا کہ یہ منورما کی فتح ہو گی اور میری شکست۔ وہ سوچے گی کہ بالآخر میرے حواس درست ہو گئے اور ـــــ پھر صدیاں مجھے ملامت کریں گی۔ میرے سارے علوم مجھ سے متنفر ہو جائیں گے۔ وہ مجھے ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ بالآخر صدیوں کا تجربہ ایک عورت کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ایک عورت نے صدیوں کو شکست دے دی اور پروفیسر یہ صدیاں ہی تو میری ہمدم تھیں۔ ادوار گذر جاتے ہیں، کردار گذر جاتے ہیں لیکن صدیاں میری معاون رہتی ہیں، میرے رازوں کی امین، میرے راستوں کی معاون!

منورما کا تخت آہستہ آہستہ کنارے کی طرف آ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ کنارے سے آلگا۔ تب وہ کھڑی ہو گئی۔ اس کی چمکدار نگاہیں ہیرا اور پر جمی ہوئی تھیں۔

"انوپی مہاراج!" اس کی آواز گونجی اور میں آگے بڑھ گیا۔ "میری داسیوں نے مجھے آپ کا سندیس دیا تھا، کیا وہ سندیس ٹھیک ہے؟"

"ہاں منورما!" میں نے پُر وقار انداز میں جواب دیا۔

"لیکن مہاراج۔ آپ تیار کیسے ہو گئے؟" وہ مسکراتی ہوئی بولی اور میری آنکھوں میں غصے کی کیفیت ابھر آئی۔ میں اسے گھورنے لگا۔

"کیا تو میری زبان سے شکست کا اعتراف چاہتی ہے؟" میں غرایا۔

"ارے نہیں نہیں مہاراج۔ شما چاہتی ہوں۔ بس یونہی پوچھ لیا تھا۔ بہر حال آپ تیار ہیں تو آئیے۔ اس تخت پر آجائیے۔" اس نے مجھے جگہ دیتے ہوئے کہا اور میں نے اپنے پیچھے کھڑے سریندر کو دیکھا۔

"اسے یہیں رہنے دیں مہاراج!" منورما میرا ارادہ سمجھ کر بولی۔

"اس کا کیا ہو گا منورما؟" میں نے پوچھا۔

"اس پاپی سے اب مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔ تم اس کے لیے کیا چاہتے ہو انوپی مہاراج؟"

"اسے اس جادو منڈل سے نکال دیا جائے۔" میں نے کہا اور منورما نے اس کی طرف ہاتھ اٹھا لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سریندر میری نگاہوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

میں نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا اور پھر منورما کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس کے بارے میں چنتا نہ کریں مہاراج۔ اب وہ اپنے گھر والوں میں پہنچ جائے گا۔ میں نے آپ سے پریم کا پہلا ثبوت یہی دیا ہے۔ میں آپ سے کوئی دھوکا نہ کروں گی۔"

"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی۔

"آئیں مہاراج!" وہ پھر بولی اور میں آگے بڑھ کر اس کے تخت پر پہنچ گیا۔ منورما نے محبت بھرے انداز میں میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور پھر وہ پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی اپنے سنگھاسن کی طرف چل پڑی اور اس کا بجرہ آہستہ آہستہ کنارہ چھوڑنے لگا۔ میں خاموشی اس کے ساتھ اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

جھیل کے درمیان پہنچ کر بجرہ آہستہ آہستہ نیچے بیٹھنے لگا۔ میرا خیال تھا اب وہ پانی میں غرق ہو جائے گا لیکن پانی تھا کہاں۔ ہم تو کسی عمارت میں اُتر رہے تھے اور جس جگہ ہم اُترے وہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ اس کی سجاوٹ کا ذکر طویل ہو جائے گا، بس یوں سمجھ لیں پروفیسر، وہ بے حد حسین جگہ تھی۔

منورما اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "ناچ رنگ ہو گا مہاراج؟"

"جو تم چاہو۔" میں نے آہستہ سے کہا اور راج کنول نے ہاتھ بلند کر دیا! اس کے بعد رقص شروع ہو گیا۔ وہ جادوگرنی جو کچھ بھی نہ کر لیتی وہ کم تھا۔ ایسے ایسے حسین رقص پیش کیے گئے جو میں نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ رقص تو ان لوگوں کے دھرم کا ایک جز و تھا۔ ہندو لڑکیاں درحقیقت دنیا کے منتخب حسن کی مالک تھیں۔

خاصی رات گئے تک رقص و سرود جاری رہا۔ پھر منورما نے ہاتھ اٹھا دیا۔ "اب ہم آرام کریں گے۔ آؤ مہاراج!" اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

چند ساعت کے بعد ہم ایک دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ منورما کے ہونٹوں پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی۔ سرخ رنگ کے ایک چھپر کھٹ پر اس نے مجھے بٹھا دیا اور خود میرے سامنے ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اب وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"مہاراج!"

"ہوں!" میں نے بھی یونہی بے خیالی کے سے انداز میں کہا۔

"اس سمے میں اس لیے خاموش ہو گئی تھی کہ داسیوں کے سامنے تم میرے سوالوں کو اپمان سمجھتے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں مہاراج!"

"ہوں۔ کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟" میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم بڑے ہی سندر ہو انوپی، بڑے ہی من موہن۔ تمھاری صورت دیکھ کر من پر قابو پانا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے۔ پھر میری بات اور ہے۔ میں عام عورتوں سے الگ ہوں۔ میں اندر باہر دونوں طرف دیکھتی ہوں اور یہ میرے لیے بہت ضروری ہے مہاراج۔ تم تو بڑے ہی ضدی تھے، بڑے ہی کٹھور تھے۔ اب رام کیسے ہو گئے؟"

"واقعی تو بہت چالاک ہے منورما ـــــ لیکن خود تیرا کیا خیال ہے؟"

"تمھارے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی مہاراج! جس طرح میں عام عورتوں سے الگ ہوں، اسی طرح سنسار میں تمھارے جیسے بھی کم ہوں گے۔ بھگوان کی سوگند، میں جسے چاہوں میرا داس بن کر جیون بتانے پر تیار ہو جائے مگر ـــــ مجھے وشواش ہے کہ تم۔ تم نے مجھے من سے پسند نہیں کیا ہے۔"

"تیرا یہ خیال غلط ہے منورما!" میں نے کہا۔

"کیا مطلب مہاراج؟" منورما عجیب سے لہجے میں بولی۔

"بحیثیت عورت، تو اتنی سندر ہے کہ کوئی بھی ایک نگاہ تجھے دیکھ کر گھائل ہو سکتا ہے۔"

"پر تم نہیں ہوئے تھے۔" منورما نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں گھائل نہیں ہوا تھا لیکن میں نے دل ہی دل میں تجھے پسند ضرور کیا تھا۔"

"پھر ٹھکراتے کیوں رہے مہاراج؟"

"پہلے تو میں نے سوچا کہ تو میرے ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔ میں نے تجھے پسند ضرور کیا مگر تجھے حاصل کرنے کے سپنے نہیں دیکھے کیونکہ تو رانی تھی اور میں ایک معمولی انسان۔"

"پھر جب میں نے تجھ سے کہا؟" منورما بولی۔

"تب تو نے شرط ایسی رکھ دی جو میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔"

"کیوں، لچھمی تمھارے لیے مجھ سے زیادہ تھی؟"

"یہ بات نہیں منورما۔ بلکہ تجھے معلوم ہے وہ کتنی بدنصیب لڑکی تھی۔ میں تو اس سے پریم بھی نہیں کرتا تھا۔ بس مجھے اس سے ہمدردی تھی اور پھر چونکہ ہم دونوں تنہا تھے، اس لیے وہ میرے اتنے قریب آگئی۔"

"پھر بھی تم نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔"

"مجھے آج بھی لچھمی کا افسوس ہے اور تو نے مجھے ضد دلا دی تھی جس کی وجہ سے ......"

"مگر پھر تمھارا من نرم کیوں ہوا مہاراج؟"

"صاف بات ہے منورما، میں تیرے طلسم سے نہیں نکل سکا اور یہاں مجھے ایک انسان سے ہمدردی نے مجھے تیری طرف جھکایا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کون سے انسان سے ہمدردی نے؟"

"سریندر! وہ غریب زندگی سے مایوس ہو گیا تھا۔"

"تو میرا پریم اب بھی تمھارے من میں نہیں پیدا ہوا؟"

"پسند میں تجھے اب بھی کرتا ہوں، پریم نہیں کرتا۔" میں نے کہا اور منورما سوچ میں ڈوب گئی، پھر اس نے گہری سانس لیکر کہا۔

"یہ بھی بڑی بات ہے مہاراج کہ تم سچ بول رہے ہو لیکن اس بات کا بھی کیا ثبوت ہے کہ تم اس حد تک سچ بول رہے ہو؟"

"میرا اپمان کرنا چاہتی ہے منورما؟"

"نہیں مہاراج۔ صرف وشواش چاہتی ہوں۔"

"کیسا وشواش؟"

"یہی کہ اب تم من سے میرے پاس آئے ہو؟"

"یہ تیری بے وقوفی ہے منورما۔ میں تجھے بتا چکا ہوں کہ میں مجبور ہو کر تیرے پاس آیا ہوں۔ تو نے کہا تھا کہ جب تمھیں میرے پاس آنا ہو تو کوئی دروازہ تلاش کر کے میرے پاس آجانا۔ کیا تو نے یہ بات اسی لیے کہی تھی کہ اس کے بعد تو میری بے بسی کا مذاق اڑائے؟"

"نہیں مہاراج! شما چاہتی ہوں۔ اگر تم عام انسان ہوتے تو مجھے کوئی چنتا نہ ہوتی۔ میں تو اپنے قرار کے لیے پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"مطلب کیا ہے تیرا؟"

"میرے ساتھ دھوکا تو نہیں کرو گے مہاراج؟"

"کیسا دھوکا؟"

"اب میں تمھیں کیا بتاؤں۔" منورما کسی حد تک اداس ہو گئی۔ کافی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "مجھے عورت ہی سمجھنا مہاراج۔ سنو، تمھارا منڈب جا چکا ہے۔ اب وہ میرے قبضے میں نہیں ہے مہاراج۔ اب سچ بول دو۔ من سے میرے ساتھ رہو گے یا۔ یا۔ دھوکا کرو گے؟ سچ بات بتا دو۔"

اور مجھے ہنسی آگئی۔ میں کس دل سے اس کا ساتھ دے سکتا تھا۔ طویل تر زندگی میں پہلی بار میں کسی کے سامنے بے بس ہوا تھا۔ صدیوں کا غرور خاک میں مل چکا تھا۔ میں اسے معاف کر سکتا تھا لیکن میرے دوست ستاروں نے مجھے آگاہ کر دیا تھا! انھوں نے بتایا تھا کہ اس انوکھے علم کے سامنے میں کافی بے بس ہوں اور اس عورت کو کسی دوسرے طریقے سے زیر کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ چنانچہ میں یہاں بھی اپنی فطری اسیری سے کام نہیں لے سکتا تھا۔ میں اس سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔ ہاں جھوٹ بولنا ہی مناسب تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میں خود کچھ وقت اس کے ساتھ گذارنا پسند کروں۔

"میں تجھے دھوکا کس طرح دے سکتا ہوں منورما؟" میں نے کہا۔

"میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ میں تمھیں من سے چاہنے لگی ہوں۔ اگر تم میرے ہو گئے اور پھر مجھ سے دور جانے لگے تو۔ تو میں بن موت مر جاؤں گی۔ پھر میں تمھیں نہ بھول سکوں گی مہاراج!"

"ان خیالات کو ذہن سے نکال دے منورما!"

"تمھارے من سے لچھمی کا خیال نکل گیا ہے مہاراج؟"

"مجھے اس کے ساتھ ہونے والے سلوک کا دکھ ہے لیکن، میں اس کا

عاشق نہیں تھا میرے لیے وہ ایک عام لڑکی سے زیادہ نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"اب بھی دُکھ ہے مہاراج؟"

"ہاں۔ اگر تو اسے ٹھیک کر دے تو ہم اسے کہیں دُور بھیج دیں گے جہاں وہ اپنی مرضی سے زندگی گذارے گی۔ پھر مجھے تیرے اوپر کوئی غصّہ نہیں ہوگا۔"

"نہیں مہاراج۔ میں سوگند کھا کر کہتی ہوں اب میں خود بھی اسے ٹھیک نہیں کر سکتی۔" منورما بولی۔

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے منورما تو نے ایک ایسی زندگی برباد کی ہے جو جینے کی آرزو مند تھی۔ مجھے اس بات کا ہمیشہ دُکھ رہے گا۔"

"یہ نہ کہو مہاراج۔ میں آج بھی شکتی مان ہوں۔ کس کی مجال ہے جو اس چیز کو حاصل کرلے جسے میں چاہتی ہوں۔ تم پھچی کا خیال دماغ سے نکال دو، میں اس سے تم پروشواش کر سکتی ہوں۔" منورما کے بولنے کا انداز بدل گیا۔ وہ پھر فرعون بن گئی تھی۔ اسے پھر سے اپنی قوتیں یاد آگئی تھیں۔

اور پروفیسر اس کا یہ انداز کیا مجھے اس کی محبت پر مائل کر سکتا تھا۔ بلکہ کہنا تو یہ چاہیے کہ میرے دل میں جو ایک خیال آیا تھا کہ میں اس حسین عورت سے دوہرا فائدہ اٹھاؤں یعنی بحیثیت عورت بلکہ بحیثیت ایک دلکش عورت، وہ میری آغوش کی زینت بنتی رہے اور میں اس سے اس کا علم بھی لے لوں لیکن یہ خیال ابھی کوئی ٹھوس شکل بھی اختیار نہیں کر سکا تھا کہ منورما کے ان الفاظ نے اسے ذہن سے بالکل مٹا دیا اور میں جو صدیوں سے فاتح رہا تھا اور پیچ و تاب کھا رہا تھا اس عورت کے پُراسرار علم، پھر اس علاقے کے جادوئی ماحول پر اور میں جو بے بس ہو گیا تھا سو میری بے بسی ایک عام بات نہ تھی۔ میں چاہتا تھا کہ صدیوں کی کتاب سے ایک ایسے باب کو مٹا دوں جس میں، میں نے ایک بے بس انسان کی زندگی تحریر کی تھی، سو میں منورما کو اس جادوگرنی کو ایسی موت مارنا چاہتا تھا جس سے میری عظمت کے حروف چمکتے رہیں اور انتقام کی سنہری روشنی جس پر دھند چھا گئی تھی، حصول علم کی دھند پھر سے چمک اٹھی، تو میں نے سوچا کہ اے عورت اپنی حیثیت نہ بھول، سمجھ لے گی، بہت جلد سمجھ لے گی کہ تو اور تیرا علم ایک ایسے انسان کے سامنے آپڑا ہے جو پیکر ہے عظمت و طاقت کا اور بالآخر تو منہ کے بل نیچے گرے گی اور ایسی گرے گی کہ پھر اٹھنا نصیب نہ ہوگا۔

رانی منورما کی آنکھیں، جیسے میرے ذہن کو توڑ کر اندر داخل ہونے کی خواہش مند ہوں، گویا وہ میرے چہرے کی کتاب پڑھ رہی تھی لیکن ان آنکھوں کی روشنی تیز نہ تھی۔ سو میں نے سوچا کہ اس بار جس دشمن سے واسطہ پڑا ہے وہ علم کی ایک ٹھوس گیند میں چھپا ہوا ہے۔ اس کی جسمانی ساخت کمزور ہے لیکن گیند مضبوط، سو اس گیند کو توڑنے کے لیے عقل کے مضبوط ہتھیار درکار ہوں گے اور یہاں بھی لومڑی کی چال ٹھیک رہے گی۔ شیر کی دھاڑیں اس ٹھوس دیوار سے پار نہ ہو سکیں گی اور کوئی حرج نہیں ہے کہ دشمن کو زیر کرنے کے لیے تھوڑی سی گردن جھک جائے۔ گویا دشمن پستہ قد ہے اور تلوار کا کاری وار اسی وقت کارگر ہو سکتا ہے جب تھوڑا سا جھکا جائے۔ سو میں نے تسلی دے لی اپنے دل کو کہ یونہی ٹھیک ہے اور اپنے چہرے پر ایسے آثار طاری کر لیے کہ جیسے میں اس سے مرعوب ہو گیا ہوں۔

"تم نے کیا سوچا مہاراج؟"

"پھچی تجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں تھی منورما، تو جانتی ہے لیکن مرد ہمیشہ عورت پر حاوی رہا، تو اگر مجھے اپنا غلام بنا کر رکھے گی تو میں خوش نہ رہ سکوں گا لیکن اگر تو یہی چاہتی ہے تو ٹھیک ہے۔"

"میں یہ نہیں چاہتی مہاراج، میں بس یہ شواش چاہتی ہوں کہ میرا پریمی صرف میرا ہے۔"

"تو پھر تو بھروسہ کرلے۔"

"ایسے نہیں مہاراج!"

"پھر کیا چاہتی ہے؟"

"ثبوت!" منورما نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" کمینی عورت نے کہا اور میں [illegible] گہری سانس لیکر اس کے پیچھے چل پڑا۔ دیکھیں کم بخت عورت اب کی [illegible] کھلاتی ہے۔ ویسے اس انوکھے ماحول نے میرے حواس گم کر رکھے تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ساری زمین یکساں ہو گئی ہو یعنی منورما مجھے لیکر ایک دروازے سے اندر گئی تو میں نے دیکھا یہ وہی سرنگ تھی جہاں میں پہلی بار آیا تھا۔ پھچی کا پتھریلا مجسمہ اسی جگہ موجود تھا۔

میں حیران رہ گیا لیکن اب حیرانی کی کون سی بات تھی، کون سی چیز فطری تھی۔ یہ تو سارا ماحول ہی غیر فطری تھا۔ منورما مجسمے کے قریب پہنچ گئی اور پھر وہ رُکی، اس نے ترچھی نگاہیں اٹھائیں اور مسکرا کر بولی۔

"یہ تمھاری پھچی ہے۔"

پھچی کو دیکھ کر میرے ذہن پر ہلکی سی دُھند چھا گئی۔ مندر کی وہ رات یاد آئی جب وہ سہم کر مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ بارش میں بھیگی جوانی۔ ایک ایسی لڑکی جس کا بدن چتا کے شعلوں میں سلگ رہا تھا، میرے ہاتھوں نے اسے زندگی دے دی اور اس نے مجھے اپنا سب کچھ سمجھ لیا۔

لیکن خیالات کے یہ سائے آسمان کے اس بادل کی طرح ذہن سے گذر گئے جو سورج کے نیچے سے گذرتے ہوئے اپنا ہلکا سا عکس چھوڑتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔

میں ایک ہوشیار ناگن کے سامنے تھا اور اس کی تیز آنکھیں دماغ میں چبھ کر جیسے ہر خیال کو جاننے کی خواہاں تھیں، سو میری صدیوں کا تجربہ اس عورت کے ہاتھ تو نہ لگ سکتا تھا، میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"یہ تمھاری پھچی ہے مہاراج!" منورما نے دوبارہ طنزیہ انداز میں کہا۔

"تھی، اب نہیں ہے۔"

"مگر میں تو اب بھی اسے راستے کا پتھر سمجھتی ہوں۔ میں تمھارے ساتھ یہاں تنہا رہنا چاہتی ہوں، کسی اور کا خیال بھی تمھارے من میں آیا تو مجھ سے

برداشت نہ ہوگا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے دل ہی دل میں کھولتے ہوئے پوچھا۔

"میں بتا دیتی ہوں مہاراج!" منورما نے کہا۔ پھر وہ ایک طرف بڑھی اور پتھر کا ایک وزنی گرز اٹھا کر میرے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے گرز میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

"اپنے ہاتھوں سے پھچی کے اس بُت کو توڑ دو۔"

تڑپ گیا تھا پروفیسر، گو جانتا تھا کہ اب وہ ایک پتھر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، بے جان پتھر، سالم رہے یا ٹوٹ جائے لیکن پھچی کے پتھریلے نقوش اب بھی مسکرا رہے تھے، اس امید میں کہ میں اسے پہلے کی مانند بچا لوں گا، اسی طرح جس طرح اس کے لوگ اسے اس کے نادیدہ شوہر کے ساتھ آگ میں جلا کر ستی کر دینا چاہتے تھے اور میں نے اس کا جیون بچا لیا تھا۔ آج اس کی آنکھوں میں امید کی وہ چمک نہ تھی لیکن سکون کی کیفیت ضرور تھی جو کسی اپنے کو دیکھ کر پیدا ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ صرف میرے جذبات تھے، میری سوچ تھی۔ کتنی ہی داستانیں اس پتھر کی آنکھوں سے منسوب کر دو، صرف میری اختراع تھی۔ حقیقتاً پتھر، پتھر تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو مہاراج؟"

منورما کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"کچھ نہیں منورما!" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔

"پھچی کا پریم من میں جاگ رہا ہے کیا؟" منورما طنزیہ انداز میں بولی۔

"نہیں منورما۔" میں نے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ اس منحوس وجود کو ریزہ ریزہ کرنے کے لیے پھچی کا بُت تو توڑنا ہی ہوگا۔ میں نے دل میں سوچا۔

"تو پھر توڑتے کیوں نہیں؟" منورما بل کھا کر بولی۔

اور میں نے پتھر کا گرز اٹھا کر پھچی کے سر پر مارا اور پھچی کی گردن شانوں سے الگ جا پڑی۔ پھر میں نے اس کے جسم کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ دل تو چاہ رہا تھا اس گرز سے منورما کے وجود کو بھی خاک میں ملا دوں لیکن عقل روکے ہوئے تھی، جادوگرنی اس طرح تو نہ مر سکتی تھی۔ منورما کے ہونٹوں پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی اور میں خود کو ایک حقیر چوہا سمجھ رہا تھا، جو ایک خونخوار بلی کے سامنے بے بس تھا اور بلی اسے اپنے نوکیلے پنجوں سے چھیڑ چھیڑ کر خوش ہو رہی تھی۔

"آؤ مہاراج!" منورما نے میرا بازو پکڑا اور ایک طرف لے گئی۔ میں اس کے ساتھ چلتا رہا تھا، یہاں تک کہ ہم دونوں ایک ایسے کمرے میں پہنچ گئے جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

[illegible] کے خوبصورت مجسموں سے آراستہ، عجیب و غریب چیزوں سے [illegible] "یہ ہمارے سونے کا کمرہ ہے۔" منورما نے ایک خوبصورت مسہری پر بیٹھتے [illegible] اس نے مجھے بھی بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔

پھچی کا بُت توڑ کر مجھے ذہنی صدمہ ہوا تھا لیکن اب تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا، مجھے سب کچھ بھول کر اس مغرور عورت کے وجود کو مٹانے کی کوشش میں مشغول ہو جانا تھا اور میں نے خود میں تبدیلی پیدا کر لی۔

"پسند آیا مہاراج میرا کمرہ؟"

"بہت خوبصورت ہے۔" میں نے مصنوعی مسکراہٹ سے کہا اور پھر جیسے میں نے چونک کر پوچھا۔ "لیکن منورما ایک بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی؟"

"کیا مہاراج؟"

"راجہ امی چند کو تمھارے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟"

"میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ وہ میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میں جب تک چاہوں وہ راجہ ہے اور جس سمے میں اس سے نظریں پھیر لوں اس کی حیثیت گلی میں آوارہ پھرنے والے کتے سے زیادہ نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے راجہ امی چند صرف تمھاری وجہ سے راجہ ہے۔"

"ہاں۔" وہ غرور سے سینہ تان کر بولی۔

"وہ تم سے کسی بارے میں پوچھتا بھی نہ ہوگا؟"

"اس کی کیا مجال ہے۔ ویسے میری شکتی اسے کچھ سوچنے بھی نہ دے گی۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"منورما!" منورما نے خود اپنے آپ کو آواز دی۔ دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت عورت اندر آگئی لیکن میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا کیونکہ وہ ہو بہو منورما تھی۔ "منورما! منورما کو بلاؤ۔" رانی منورما نے آنے والی کو حکم دیا اور آنے والی منورما دروازے کی طرف مڑ گئی۔

"تم سب اندر آجاؤ۔" اس نے کہا اور میرا دل چاہا کہ سر کے بل کھڑا ہو کر قہقہے لگاؤں۔ کمرے میں تقریباً بیس لڑکیاں اندر آگئیں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے مختلف نہ تھی۔ رانی منورما اگر خود مختلف لباس میں نہ ہوتی اور ان میں شامل ہو جاتی تو کوئی دیکھنے والی آنکھ یہ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی کہ اصلی منورما کون سی ہے۔

"اور دیکھو گے مہاراج؟" منورما مسکراتی ہوئی بولی۔ "اگر تم چاہو تو اس پوری بستی کی ہر عورت صرف منورما کا روپ دھار لے؟"

"نہیں منورما! بس کافی ہے۔" میں نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"جاؤ تم سب۔" رانی ہاتھ اٹھا کر بولی اور آنے والیاں مسکراتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ اس کم بخت عورت کی ہر حرکت میرے ذہن میں عجیب سے خیالات پیدا کر دیتی تھی۔ کاش یہ بُری اور ناپسندیدہ نہ ہوتی، کاش میں اس کے بارے میں اچھے انداز سے سوچ سکتا تو اس کا یہ انوکھا علم کیسا دلکش، کیسا حیرت انگیز تھا لیکن نہیں۔ وہ میرے لیے محبوب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے مجھے اس حد تک بے بس کر دیا تھا کہ وہ لڑکی جس کی زندگی بچانے کے لیے میں نے بے شمار زندگیاں ختم کیں خود میرے ہی ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو گئی۔

"تو کچھ بھی ہو منورما، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

"نہ جانے تم کہاں کھو جاتے ہو مہاراج؟" منورما کے لہجے میں جذبات

کی لرزش تھی۔

"تمھاری اس بے پناہ قوت کے بارے میں سوچنے لگتا ہوں منورما۔ اب تک تو میں خود کو دنیا کا سب سے انوکھا منش سمجھتا تھا پر تم تو بڑی انوکھی ہو۔"

"کچھ بھی ہو پریمی، تمھیں تو چاہتی ہوں۔" منورما گے کھسک کر بولی اور میں نے محسوس کیا کہ اب عورت عقل سے خالی ہوتی جا رہی ہے اور اس پر ضرب لگانے کا بہترین موقعہ یہی تو ہے لیکن ذرا ہوشیاری سے۔ عورتوں کی بھی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض عورتیں ان اوقات میں مرد کو گدھا سمجھنے لگتی ہیں، اب صرف یہ اپنی اپنی سمجھ ہے کہ کون جذبات کے ریلے میں بہہ کر گدھا بن جاتا ہے۔

سو پروفیسر اب تمھیں یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ عورت بحیثیت عورت میرے لیے کیا تھی — صدیاں گواہ تھیں۔ میں نے عورت کا کون سا روپ نہیں دیکھا۔ سو یہ احمق جادوگرنی اپنے حسن سے مجھے کیا متاثر کر سکتی تھی۔ ہاں لیکن اس وقت میری ذہانت کو اور جلا کی ضرورت تھی، چنانچہ میں نے بے اختیار ہونے کے سے انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"ہاں! مجھے اپنی اس خوش بختی پر ناز ہے کہ سنسار کی اتنی طاقتور عورت مجھ سے پریم کرتی ہے۔"

چند ہی ساعت کے بعد منورما نڈھال ہو گئی! اس وقت اس کی ساری قوت میرے شکنجے میں تھی اور میں قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ منورما کی ساری شکتی میرے آتشیں بدن کے نیچے دب گئی تھی اور اس کی سانسیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ منورما اپنی ساری شخصیت بھول گئی۔

اب صرف وہ مجھے جانتی تھی! اس کے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے صرف انوپی کا نام نکل رہا تھا اور پروفیسر اگر قبول کرو تو اس حقیقت کو قبول کر لو کہ وقتی طور پر ہی سہی لیکن میں نے اس عورت کو فتح کر لیا تھا۔ جذبات کا طوفان ڈھل گیا تو منورما جاگی اور حیران نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے مجھے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اپنے ننھے سے سینے سے لگا لیا۔

"انوپی مہاراج، انوپی مہاراج! میں تمھاری داسی ہوں۔" اس نے سسکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جلد بازی نہ کرو منورما۔ غور کر لو۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ ابھی تم ہوش میں نہیں ہو۔ ہوش میں آؤ اور سوچو کہ میری کیا حیثیت ہے!"

"اب تو سنسار میں صرف تم ہو انوپی۔ ہے بھگوان میں تو ماری گئی۔" وہ دونوں طرف گردن پٹختے ہوئے بولی اور میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ "انوپی، انوپی! بھگوان کے لیے اپنے من سے سارے کرودھ نکال دو۔ تم۔ تم مہان ہو۔ تم۔ انوپی تم —"

میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہوش میں آؤ منورما۔ تم بہت جذباتی ہو گئی ہو۔" میں نے کہا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر ایک گہری سانس لیکر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"ہوش میں آؤ منورما۔ اٹھو!" میں نے کہا اور وہ میرا سہارا لے کر اٹھ گئی۔ وہ اب بھی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"بس اب تمھارے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔ بھگوان کے لیے مجھے شما کر دو۔ میں تم سے بے پناہ پیار کرنے لگی ہوں مہاراج۔ بھگوان کی سوگند، اب تمھارے بنا ایک پل بھی میرے جیون پر بھاری ہو گا۔"

"منورما! تم خود اپنا مان توڑ رہی ہو۔"

"کسی ایسے کے سامنے نہیں، جو اس قابل نہ ہو۔" منورما نے جواب دیا۔

"لیکن میں خود کو تم سے کمتر سمجھتا ہوں۔"

"نہیں انوپی۔ اب تم مجھ سے کم نہیں ہو۔ پر۔ تم میرے ہو اور سدا میرے رہو گے۔"

"اس سے پہلے میں کسی کے سامنے بے بس نہیں ہوا تھا منورما!"

"میں شرمندہ ہوں انوپی۔ جو کچھ میں نے کیا اس کے لیے معاف کر دو۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" میں نے گہری سانس لی۔ شکار جال میں پھنس گیا تھا لیکن، یہ تو میری کوشش تھی۔ اب اس سے مصالحت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ویسے فوری طور پر میں نے اس سے کچھ پوچھنا مناسب ہی نہ سمجھا۔ اور اس کے بعد پروفیسر، منورما بھی میرے لیے ایک عام عورت سے زیادہ نہیں رہی۔ وہ صرف تنہائی کے ان لمحات کے لیے جینے لگی جب وہ میری آغوش میں ہو۔ یہ قرب اسے مجھ سے اور نزدیک لا رہا تھا۔

ویسے مجھے امی چند پر حیرت تھی۔ اس بے وقوف کو جیسے منورما کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ایک رات میں نے منورما سے اس بارے میں پوچھ ہی لیا۔

"منورما! کیا امی چند کو معلوم ہے کہ میں تمھارے پاس ہوں؟"

"نہیں انوپی! اسے کیا، کسی کو نہیں معلوم۔"

"لیکن وہ تمھاری کمی نہیں محسوس کرتا؟"

"تمھیں تو معلوم ہی ہے مہاراج!"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے تمھیں دکھایا ہے، میرے کتنے روپ ہیں! امی چند کے سامنے سینکڑوں منورمائیں جا سکتی ہیں۔ اس پاگل کو تو تمیز ہی نہیں کہ ان میں اصل کون ہے۔"

"کچھ بھی ہو منورما، تمھارے اس انوکھے علم کا میں دل سے قائل ہوں۔"

"پر میرا یہ علم بھی تو مجھے تمھارا دیوانہ بننے سے نہ روک سکا۔"

"وہ دوسری بات ہے۔"

"نہیں انوپی۔ بھگوان کی سوگند، مجھے بتاؤ۔ کیا تم سنسار کے سب سے عجیب منش نہیں ہو؟ کیا تمھارے جیسا کوئی دوسرا بھی ہو گا؟"

"اپنے علم سے پوچھو۔"

"میرے سارے علم اس بارے میں خاموش ہیں۔"

"تب پھر۔ شاید تمھارا خیال ٹھیک ہو۔"

"میں تو ایک بات سمجھتی ہوں مہاراج!"

"کیا؟"

"تمھارے شریر میں آگ ہی آگ بھری ہے اور آگ — آگ میری کسی ساری کو بھسم کر سکتی ہے۔ تمھارے شریر کی آگ ہی میرے من کو موم کر دیتی ہے اور سے میرا علم میرا ساتھ نہیں دیتا۔"

میرے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ شاید وہ مقصد حل ہو گیا تھا اس کے لیے میں کسی مناسب موقعے کا انتظار کر رہا تھا۔ ہاں شاید منورما وہ بات خود بخود کہہ گئی تھی جس کا میں انتظار کر رہا تھا۔ میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ اس نے بے اختیار کہہ دی تھی۔ میں نے فوری طور پر اس کی توجہ اس طرف سے ہٹا دی۔

"کیا سوچنے لگیں منورما؟"

"کچھ نہیں مہاراج۔ بس تمھارے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"پتہ نہیں تم نے من سے مجھے معاف کر بھی دیا ہے یا نہیں؟"

"کس بات کی منورما۔ بس تم نے شروع میں میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا لیکن خیر۔ اب وہ پرانی بات ہے۔ تم بھی اسے بھول جاؤ۔"

"تمھارے بارے میں میرا علم کیوں خاموش رہتا ہے مہاراج؟"

"کیا مطلب؟"

"سچ۔ میں بڑی حیران رہ جاتی ہوں۔"

"کس بات پر؟"

"انوپی مہاراج! سنسار میں جتنے منش ہیں، ان کی ریکھائیں ہوتی ہیں۔ دھاک پوتھی میں ان ریکھاؤں کا پتہ چل جاتا ہے۔ پرنتو دھاک پوتھی تمھارے بارے میں خاموش کیوں رہتی ہے؟"

"میں اس چیز کے بارے میں جانتا ہی نہیں تمھیں کیسے بتاؤں۔"

"اوہ! دھاک پوتھی منتر منڈل کا ایک شبد ہے۔ ہم اس میں منش کی ریکھائیں تلاش کرتے ہیں۔ جیسے تم ہو۔ میں دھاک پوتھی پر منتر پڑھتی ہوں اور پھر اس منش کا نام لیتی ہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم کرنا ہوتا ہے۔ اس کا چتر اس پر آ جاتا ہے اور پھر وہ من کے سارے بھید اگل دیتا ہے! اس پوتھی پر صرف وہ منش نہیں آتا جو مر چکا ہو، یا پیدا ہی نہ ہوا ہو لیکن مرنے والے کی آتما کو بھی دوسرے طریقے سے بلایا جا سکتا ہے۔ ہاں وہ جو پیدا ہی نہیں ہوا اور جس کا کوئی وجود نہیں ہے، اس پوتھی پر کبھی نہیں آتا اور مہاراج، جھوٹ نہیں بولوں گی میں نے کئی بار پوتھی پر تمھارے من کا بھید جاننے کی کوشش کی ہے مگر — تم اس پر نہیں آتے۔" وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

اور میں نے دل ہی دل میں اس پوتھی کا شکریہ ادا کیا جس نے مجھے بچا دیا تھا۔

"کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے مہاراج کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ وہ کون سی طاقت ہے جس نے تمھاری ریکھائیں آکاش میں چھپا رکھی ہیں؟"

"مگر تم میرے بارے میں کیوں جاننا چاہتی ہو منورما؟"

"چاہتی تو پہلے بھی تھی، پر اب بات دوسری ہے۔ اب تو میرا تمھارا ساتھ جیون بھر کا ہے اور اپنے جیون ساتھی کے بارے میں کون نہیں جاننا چاہے گا۔" منورما نے چالاکی سے کہا۔

"تھوڑا بہت تو تمھیں معلوم ہے منورما!"

"ہاں مہاراج! لیکن وہ باتیں دوسروں کے لیے تھیں۔ لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ مہان مہاراج کے ساتھ جو جوگن ہے، وہ اصل میں کون ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن تمھارا اپنا خیال میرے بارے میں کیا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"صرف ایک بات جانتی ہوں۔"

"کیا؟"

"کوئی جنتر ہے ضرور۔ کہاں چھپا کر رکھا ہے؟ دوسرا جنتر ہے کیونکہ میرا منتر بھی اس کا کھوج نہیں لگا سکا۔" منورما مسکراتے ہوئے بولی اور میں ہنس پڑا۔ جنتر منتر کی بات کر رہی تھی احمق کہیں کی۔ بہرحال چند لمحے اسی طرح گذر گئیں۔ پھر میں نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔

"کیوں نہ منورما، ہم اپنی اپنی شکتی کے بارے میں ایک دوسرے کو بتائیں۔ تم مجھے بتاؤ، تم کہاں تک ہو اور میں تمھیں بتاؤں۔"

"میں تو اب کھلی کتاب ہوں مہاراج تمھارے سامنے۔ جو کچھ ہوں تم دیکھ چکے ہو۔ میرے منتر میرا جیون ہیں اور انھیں کے بل پر میں جیون کاٹ رہی ہوں اور اپنی مرضی سے کاٹ رہی ہوں۔"

"ہوں۔ میری بات دوسری ہے منورما!"

"کیا؟"

"شاید میں تجھے بتا چکا ہوں کہ میرا دھرم وہ نہیں ہے جو تیرا ہے۔"

"ہاں۔ تم بتا چکے ہو مہاراج!"

"نہ میری شکتی وہ ہے جو تیری۔"

"میں نہیں سمجھی مہاراج!" منورما نے حیرانی سے کہا۔

"میرے پاس کوئی منتر نہیں ہے، نہ ہی میرے پاس کوئی شکتی ہے سوائے اس کے کہ میں تمھاری مانند نہیں ہوں۔ دھرم کے بارے میں، میں کہہ چکا ہوں، میرا کوئی دھرم نہیں ہے۔ میں تو صرف دیکھنے والوں میں ہوں، جو صدیوں سے بدلتے ادوار دیکھتا آ رہا ہوں۔ میں نے دھرم بھی دیکھے ہیں۔ کچھ ایسے دھرم جن کے پیرو ان کے سچے اصولوں پر چلتے تھے، کچھ ایسے جن کے دھرم تو اچھے ہوتے تھے لیکن ان کے ماننے والے برے۔ سو میں تو دیکھنے والوں میں سے ہوں۔ ہاں میری ماہیت تم سے جدا ہے۔ سنو منورما! بات جب سچائی کی ہے تو سچ سنو۔ اسے ماننا نہ ماننا تمھارا کام ہے کیونکہ آنے والا وقت سب سے بڑا گواہ ہوتا ہے اور مجھے اس گواہ کی سست رفتاری سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ سو میں نے پہلے بھی ایسے ہی زندگی گذاری ہے۔ بلاشبہ تم اپنے طلسم کے ساتھ دوسروں سے کچھ مختلف ہو لیکن مختصر حد کے اندر — میں تمھارے بدن

کے جال میں ایک طویل عرصہ گذار سکتا ہوں لیکن وہ عرصہ تمھارے لیے طویل ہوگا' میرے لیے نہیں۔ تم بوڑھی ہو جاؤ گی' تمھارے اندر تبدیلیاں آجائیں گی لیکن میں یونہی رہوں گا۔ پھر تم زمین میں واپس چلی جاؤ گی اور میں کسی اور جہان کی تلاش میں۔ سو یہی فرق ہے میری اور تمھاری شکتی میں۔ اگر تم مجھے اپنے شکتی جال میں پھانستی رہو تو میرے لیے کوئی فرق نہیں۔ ہاں فرق اس کے لیے تھا جو چلا گیا۔"

منورما عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں خاموش ہوا تب بھی وہ الجھے انداز میں خاموش رہی۔ میں نے بھی چپ سادھ لی۔ تب پھر وہی جاگی۔

"مہاراج! بھگوان کی سوگند' میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

"یہی میری شکتی ہے منورما!"

"مگر۔ یہ تم نے کیا کہا ہے؟"

"وہ جو حقیقت ہے!"

"پھر مجھے سمجھاؤ تو۔"

"اس میں نہ سمجھنے والی بات کیا ہے؟"

"ایک بھی نہیں۔ میں سمجھ ہی نہیں پائی۔"

"یہ تمھارے کمزور ذہن کی دلیل ہے۔ جس طرح تمھارا علم مجھے تلاش کرنے میں ناکام ہے اسی طرح تمھاری عقل میری باتیں سمجھنے سے معذور ہے۔"

"مگر میں جاننا چاہتی ہوں مہاراج!"

"تم نے آنکھ کھولی تو ہرے مان کے سوا کچھ اور بھی دیکھا؟"

"کیوں نہیں۔ میرے کایا جال میں بڑا سنسار سمایا ہوا ہے۔"

"بہت مختصر۔ کیا تمھاری ستاروں سے دوستی ہے؟"

"میں ستاروں سے واقف ہوں!"

"کیا کہکشاں کا ایک بھی ستارہ تمھارا رازدار نہیں ہے؟"

"لو۔ ستارے کیسے رازدار ہو سکتے ہیں؟" منورما پھیکی سی ہنسی ہنسے ہی بولی۔

"لیکن یہ صدیوں سے میرے ساتھی ہیں اور میرے دوست مجھے جہاں جہاں کی کہانیاں سناتے ہیں۔ یہ مجھے کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ کیا تم ستاروں کی باتیں سننا چاہتی ہو؟"

"ضرور۔ میں تمھاری یہ طاقت ضرور دیکھوں گی۔"

"طاقت نہیں' میں نے دوستی کی بات کی ہے۔"

"وہی سہی!"

"تب تم آگ کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"

"اگن دیوی مایا منڈل کی سب سے بڑی اچھنگ ہے۔ وہ بڑی شکتی رکھتی ہے۔"

"گویا وہ تمھارے اوپر حاوی ہے؟"

"وہ سنسار پر ادھیکار رکھتی ہے' میں کیا چیز ہوں۔"

"سو آگ میری دوست ہے منورما۔ وہ مجھے کبھی نہیں جلاتی' بلکہ اس کے شعلے زندگی بخشتے ہیں۔ ہاں اس کے لطیف شعلوں کا جو ہر میرے بدن کے مسامات کو زندگی کی حرارت بخشتا ہے۔ کیا تمھاری دوستی گہرے سمندروں سے بھی نہیں ہے؟"

"سمندر؟" منورما حیرت سے بولی۔

"ہاں۔ گرم' ٹھنڈے سمندر۔ برف سے جمے سمندر۔ ہزار ہا رازوں کے امین۔ کیا وہ تمھارے دوست ہیں؟"

"پانی بھی کسی کا دوست ہوا ہے؟"

"ہاں۔ میں اگر گہرے پانی میں سکون کی نیند سو جاؤں تو پانی میرے بدن کی حفاظت کرتا ہے اور مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچاتا۔"

"نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو انوپی؟" منورما الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

"اونچے اونچے پہاڑوں کی بلندیاں' ہوا کی آغوش' سب مجھ پر مہربان ہیں۔ یہ میری زندگی کی حفاظت کرتی ہیں۔ یوں میں ان سب چیزوں سے دوستی رکھتا ہوں۔ تم اعتراف کرتی ہو کہ وہ تمھیں پسند نہیں کرتیں۔"

"ہاں' ان میں سے کوئی میرا متر نہیں ہے۔"

"لیکن میں نے جو کچھ کہا' اس کا ایک ایک حرف درست ہے۔"

"تو کیا میں تمھارے دوستوں کو دیکھ سکتی ہوں؟"

"دیکھنا چاہتی ہو؟"

"ہاں!"

"جب تمھارا دل چاہے۔"

"آکاش پر جلتے دیپ' یہ بھی کسی کے متر ہوتے ہیں' میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آجائے گا' رات ہونے دو' میں تمھاری ملاقات ان ستاروں سے کراؤں گا۔"

"تم برا تو نہ مانو گے انوپی؟"

"کس بات کا؟"

"میں تمھاری یہ شکتی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں۔ میں برا نہیں مانوں گا۔" میں نے کہا۔ سو رات ہو گئی اور مست منورما مجھے کھلی جگہ لے آئی جہاں ستارے نظر آرہے تھے۔ ہنستے مسکراتے ستارے۔ میری چالاکی پر آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ میں نے انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور منورما ایک اونچی چٹان پر میرے ساتھ لیٹ گئی۔ اس کا حسین بدن میرے بدن سے مس ہو رہا تھا۔ اس کے انداز میں کوئی جھجک نہیں تھی! ایسا ہی سکون اس کے پورے بدن پر طاری تھا جیسے اپنے کسی پر اعتماد دوست کے ساتھ ہو — لیکن میں اسے معاف نہیں کر سکتا تھا! اس نے اپنے وقت میں دیوانگی کی انتہا کی تھی! اس نے میرے ہاتھوں لچھمی کا بت ریزہ ریزہ کرایا تھا۔ لچھمی جو زندگی سے موت کی طرف لوٹ گئی تھی۔ ہاں وہ لچھمی کی قاتل تھی! اس نے صدیوں کا غرور توڑ دیا تھا۔ میں — میں اس عورت سے انتقام لینا چاہتا تھا! اس وقت بھی — اس وقت بھی اگر میں اس پر

جارحانہ کوشش کرتا تو وہ اپنے بدن کو مچلا کر روشنی میں تبدیل کر سکتی تھی اور پھر میں اس روشنی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا لیکن ایک بات' صرف ایک راز میری مٹھی میں آگیا تھا جو اس نے نادانستگی میں افشا کر دیا تھا۔

"انوپی!" اس نے مجھے آواز دی۔

"ہوں!"

"ایک بات کہوں؟"

"ضرور!"

"تمھارے اندر اور کوئی شکتی ہو نہ ہو لیکن ایک شکتی ضرور ہے۔"

"وہ کون سی؟"

"ناری کا من موہ لینے میں تم اپنا ثانی نہیں رکھتے۔"

"اوہ' یہ کوئی طاقت نہیں ہے منورما۔"

"میں [illegible] لو ہے۔ سچ مانو' تمھارے پاس جتنا آنند ملتا ہے جیون میں کبھی نہیں ملا۔"

"تو میری دوسری قوتوں سے ابھی تک انکار کرتی ہے۔"

"تو بتاؤ نا۔ تمھارے متر تمھارے سر پر چھپے ہوئے ہیں۔"

"ہاں دیکھو۔ میرے دوست مجھے دیکھ کر ہنس رہے ہیں۔ وہ کلاٹ ہے۔ وہ ہے آٹ اور وہ ٹنگوبا لیکن میں نے ان سے ہمیشہ اپنی باتیں کی ہیں۔ کیوں نہ آج تیری باتیں کی جائیں۔"

"میری باتیں؟" منورما ہنس پڑی۔

"ہاں تیری باتیں۔ پوچھ۔ تو ان سے کیا پوچھنا چاہتی ہے؟"

"میں پوچھوں مہاراج؟" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں جو کچھ من چاہے پوچھ۔"

"تو پوچھ اپنے دوستوں سے' میرے ماتا پتا کون تھے؟ کیا یہ تجھے میری کہانی بتائیں گے؟ یہ تو بہت پرانے ہوتے ہیں۔ انھوں نے تو سب کچھ دیکھا ہوگا؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے کہا اور پھر میں نے ستاروں پر نگاہیں جما دیں۔ "کلاٹ میرے دوست! تم نے سنا یہ عورت کیا کہہ رہی ہے۔ یہ ہماری دوستی کا امتحان لے رہی ہے۔"

"ہم تجھ سے الگ تو نہیں ہیں۔" ستارے نے کہا۔

"سنا تو نے منورما۔ میرے دوست مجھے مایوس نہیں کریں گے۔"

"میں نے تو کچھ نہیں سنا مہاراج!" منورما ہنس پڑی اور مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ ذلیل عورت میرا مذاق اڑا رہی تھی۔ ستاروں پر طنز کر رہی تھی' گویا میں جھوٹ بول رہا تھا۔

"تو میرے کلاٹ! مجھے اس عورت کا ماضی بتا جس کے کان تیری سوگند [illegible] سکتے۔" میں نے کہا اور کلاٹ نے کہ "باز متی ایک سنار کی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوئی۔ لیکن سنار اس کا باپ نہیں تھا۔ سو باز متی چونکہ اپنے باپ کی بیٹی [illegible] اس لیے وہ اپنی ماں کے نقش قدم پر کیوں نہ چلتی۔ اور یہ بات اس کا باپ بھی جانتا تھا اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔ اور جب باز متی تیرہ سال کی ہو گئی تو اس کے باپ نے اس کی ماں سے انتقام لیا اور باز متی اپنے نام نہاد باپ یعنی اس سنار کی ہوس کا نشانہ بنی' اور اس کا نتیجہ منورما ہے۔ گویا وہ اپنی ماں کے باپ کی اولاد ہے۔ لیکن باز متی کی ماں نے پنچایت سے فریاد کی جس کے نتیجے میں سنار کو آگ میں زندہ جلا دیا گیا اور باز متی اور اس کی ماں کو بستی سے نکال دیا گیا۔ کیونکہ اب وہ پوری بستی کے لیے نحوست بن گئی تھیں لیکن ان کو راہ بھاتی بھر میں کوئی ٹھکانہ نہیں ملا' اور انھوں نے کشتو مہاراج کی کٹیا میں پناہ لی۔ جو بڑے گیانی تھے لیکن حرام کی جنی باز متی مرد آشنا ہو چکی تھی۔ اس نے کشتو مہاراج کا گیان بھشٹ کر دیا۔ اور ان کے ساتھ مل کر اپنی ماں کو ختم کر دیا۔ کشتو مہاراج اب ایک عام انسان تھے اور وہ یہی سمجھے کہ ان کی کٹیا میں باز متی کے پیٹ سے پیدا ہونے والی منورما ان کی اولاد ہے۔ سو انھوں نے منورما کی پرورش کی اور سارے کالے علم اسے سکھانے شروع کر دیے۔ لیکن باز متی کسی جوان کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ بوڑھا کشتو اس کے بچپن سے حسین آشنا بدن کو سکون نہیں دے سکتا تھا۔ تب اسے جنگلوں میں کالے علم تلاش کرتا ہوا بھکشو پورن مل گیا' اور باز متی نے پورن کے ساتھ مل کر کشتو مہاراج کو ختم کر دیا اور وہ منورما کو لے کر شہروں میں آگئے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہوئی کہ کالے جادو کے رسیا پورن کو باز متی کی بیٹی پسند آگئی۔ یوں پورن منورما کا پہلا مرد تھا' اور یہ کالے جادو کی بات ہی تھی کہ منورما نے بے پناہ حسن حاصل کیا۔ اور چونکہ اس کی شکتی پختہ ہو گئی تھی اس لیے اس نے پورن کی بے پناہ محنت سے حاصل کی ہوئی شکتی بھی سلب کر لی اور مہان بن گئی اور اس کے بعد اس نے ہر بڑے مان کے راجہ کو گانٹھ لیا۔ یوں وہ رانی بن گئی۔ سو یہ رانی جو کچھ نہ کر لیتی کم تھا۔"

یہ کہانی کلاٹ نے مجھے سنائی' اور میں دنگ رہ گیا۔ سو یہ منورما شیطنی مردزادی تھی۔ اس سے کوئی بات بعید نہ تھی۔

لیکن میں نے پوری کہانی منورما کو بے کم و کاست سنا دی' اور منورما تڑپ کر میری آغوش سے نکل گئی۔ اس کے طور ایک دم بدل گئے۔ اس کی آنکھیں گہری سفید ہو گئیں' اور وہ دور کھڑی ہو کر مجھے گھورنے لگی۔

"کیا اس کہانی میں کوئی سقم رہ گیا منورما؟"

"اور یہ کہانی' بقول تمھارے تمھیں کسی ستارے نے سنائی ہے؟"

"ہاں۔ لیکن ستاروں کے سامنے گہرے کان بہرے ہیں۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"تم بتاؤ۔ تمھیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا؟"

"تو نے میری طاقت کے بارے میں پوچھا تھا اور پہلی ہی بات تیرے لیے اس قدر ہیجان خیز نکلی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کبھی نہیں مانوں گی [illegible] بتانا پڑے گا تم کون ہو؟"

"بے وقوف عورت' حماقت کی گفتگو مت کر۔ تو خود کو بے حقیقت کیوں نہیں محسوس کرتی۔ یوں کیوں نہیں سوچتی کہ میں نے تیری ذات کو کبھی اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس سے قبل ستاروں سے تیرے بارے میں پوچھ ہی لیتا۔ تو میرے لیے بس ایک عورت ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہاں اگر ستاروں سے اپنے [illegible]

میں اور کچھ جاننا چاہے۔"

لیکن منورما خاموشی سے مجھے گھورتی رہی، اس کی آنکھوں کا رنگ اب ہلکا گلابی ہوگیا تھا اور پھر اس کے چہرے پر کسی قدر خوف کے آثار نظر آئے۔ آہستہ آہستہ وہ پُرسکون ہوگئی۔

"انوکھا ہے تیرا علم۔" وہ آہستہ سے مسکرائی۔

"اوہ۔ اب تو کروٹ بدل رہی ہے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بیکار بات ہے۔ تو میری بات کا مطلب خوب جانتی ہے۔" میں نے کہا۔

"دل میلا نہ کرو انوپی! میرا حیران ہونا لازمی تھا۔" منورما نے کہا۔

"صرف حیران ہونا کہو گی؟"

"میں نے تمھارا ستاروں کا علم مان لیا ہے۔"

"شکریہ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور خوب ہے بھگوان کی سوگند خوب ہے۔ میری یہ کہانی اب اتنی گہری دفن ہوگئی ہے کہ کوئی اسے نہیں جانتا لیکن اب تم جاننے والے ہوگئے ہو۔"

"تیرے اوپر اس سے کیا فرق پڑے گا۔"

"کوئی نہیں مہاراج! تم جانتے ہو زبانیں میری مٹھی میں ہوتی ہیں۔"

"ہاں اچھی طرح۔" میں نے ہوتے جواب دیا۔

"پھر بھی مجھے جیتنا نہیں ہے، میری کہانی جاننے والا کوئی غیر نہیں ہے۔"

"بیشک، بیشک۔" میں نے گردن ہلائی۔ لیکن منورما کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بے اطمینان ہوگئی ہے، اسے اب سکون نہیں رہا ہے۔

"چلو مہاراج! یہاں سے چلیں۔" اس نے کہا۔ "اب میں تمھیں کھلے آسمان کی چھت کے نیچے نہ آنے دوں گی، یہ ستارے تو بہت بُری بُری باتیں کرتے ہیں۔"

"اوہ، تو تم مجھے اپنے طلسم خانے میں قید کردو گی؟" میں نے پوچھا۔

"قید۔ جہاں میں تمھاری سیوا کے لیے موجود ہوں، تم اسے قید خانہ سمجھتے ہو۔" اس نے محبوبانہ ادا کے ساتھ کہا۔

"سنو۔" کلاٹ نے مجھے آواز دی۔ "اِدھر اُدھر دیکھو۔" اور میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ "احمق عورت چال چل رہی ہے، اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"اب وہ تمھاری موت کی خواہاں ہے۔"

"اوہ۔" میں ہنس پڑا۔ "اور کیا وہ کامیاب ہوجائے گی؟"

میرے اس سوال پر ستارہ ہنس پڑا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟"

"پھر؟"

"تم اسے اس کی کوشش سے باز تو نہ رکھ سکو گے۔"

"کیا کرے گی وہ؟"

"تمھیں تمھارے داؤ سے مارے گی۔"

"یعنی؟"

"تمھیں آگ میں جلا کر خاکستر کردے گی۔"

"ہائے۔ وہ یہ کام کب کرے گی۔ میں بھی اپنی روح پر بوجھ محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے اپنا بدن ملتے ہوئے کہا۔

"بہت جلد۔ وہ اپنے رازدار کو زندہ نہ چھوڑے گی، اس کی زندگی کا ہر لمحہ اس کے لیے خطرناک اور ذہنی بے چینی کا باعث ہے۔ کلاٹ نے جواب دیا۔

"تب وہ خود اپنے لیے موت کا وقت قریب لائے گی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا دیکھ رہے ہو انوپی؟" منورما نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"اوہ کچھ نہیں منورما۔ ذرا اپنے دوست سے الوداعی کلمات کہہ رہا تھا۔ چلو چلیں۔ تم بلاوجہ الجھن میں پڑ گئیں۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور منورما چل پڑی۔ ہم واپس اپنی جگہ پہنچ گئے لیکن صاف محسوس ہو رہا تھا کہ منورما خوفزدہ ہوگئی ہے۔ ستاروں کی یہ دوستی اسے پسند نہیں آئی تھی، آسمان کے یہ بھیدی تو بہت سے ایسے راز کھول سکتے تھے جن کا پردہ منورما کے لیے ضروری تھا اور یہ بات اس نے صاف کہہ دی تھی کہ اب وہ مجھے کھلے آسمان کے نیچے نہیں آنے دے گی۔

بے وقوف عورت۔ اپنی مختصر سی زندگی تو میرے اوپر حاوی کرنا چاہتی ہے۔ ویسے اس کی محبت اختتام کو پہنچ گئی تھی، میں اس کے لیے کوئی حیثیت تو رکھتا تھا لیکن اسے اپنا وقار مجھ سے زیادہ عزیز تھا، میرے جیسے تو اسے مل جائیں گے لیکن ایک ایسے شخص کی زندگی اس کے لیے نقصان دہ ہے جو اس کے راز سے واقف ہو۔

منورما مجھ سے آرام کرنے کے لیے کہہ کر چلی گئی لیکن یہ بھی خلافِ فطرت بات تھی، تنہا رات تو وہ کسی طور نہیں گذار سکتی تھی۔ خاص طور سے اس وقت سے جب سے میں اسے ملا تھا۔

میں آرام سے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ منورما تم جہنم میں جاؤ۔ کہہ کر میں نے کروٹ بدل لی اور پھر آرام سے سو گیا۔

دوسری صبح منورما نے خود کو پُرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن میری تجربہ کار نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں جان رہا تھا کہ وہ کچھ بولنے کے لیے بے چین ہے۔

صبح کا بھوجن کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "انوپی!"

"ہوں!"

"تم خاموش کیوں ہو؟"

"تمھاری خاموشی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"کیا؟" اس نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

"یہی کہ تم اتنی خاموش کیوں ہو؟"

"میں رات کی باتیں سوچ رہی تھی۔"

"کون سی باتیں؟" میں نے تمسخرانہ انداز میں انجان بنتے ہوئے کہا۔

"ستاروں والی!"

"اوہ! ذرا مجھے بتاؤ تو منورما کہ ستاروں کی سنائی ہوئی کہانی غلط تھی؟"

"نہیں!"

"تب پھر اس میں تمھارا کیا قصور، حالات ہی ایسے تھے اور تمھیں تو اب اس کا خطرہ بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے میں کسے تمھارے بارے میں بتانے جا رہا ہوں اور کسی کو بتانے سے تمھارا نقصان بھی کیا ہے۔ کوئی تمھارا بگاڑ بھی کیا سکتا ہے، جسے چاہو چٹکیوں میں مسل دو۔ پھر میں جانتا ہوں تمھیں اپنے انوپی پر بھروسہ بھی تو ہے۔ ہے نا؟"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔" منورما نے مجھ سے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔ "لیکن انوپی کسی دوسرے کے کانوں تک یہ بات جانا میرے لیے اچھا بھی نہیں ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"اوہ۔ میں یہ نہیں بتا سکتی۔" وہ جھلا کر بولی اور پھر سنبھل کر مسکرانے لگی۔ "لیکن مجھے پریشانی نہیں ہے کیونکہ تم بہرصورت قابلِ بھروسہ ہو۔"

"ہاں، ہاں منورما اور اب تو تم جانتی ہو کہ میں تم سے بے پناہ محبت کرنے لگا ہوں، جس بات میں تمھارا نقصان ہو، میں وہ کیوں کرنے لگا۔"

منورما کی ذہنی کیفیت عجیب سی تھی لیکن اس نے بڑی حد تک اسے سنبھالنے کی کوشش کی اور پھر خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کے لیے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ میں بھی دوبارہ اسے اس موضوع پر نہیں لایا تھا۔ اب اتنا بھی احمق نہیں تھا پروفیسر لیکن جلد باز عورت تھوڑی دیر بھی رُک نہ سکی، کہنے لگی۔

"ستاروں سے تمھاری یہ دوستی بڑی انوکھی ہے۔"

"ہاں! لیکن وہ قابلِ اعتماد دوست ہیں۔ ہمیشہ سچ کہتے ہیں۔"

"کون مانے گا اس بات کو؟"

"تم نے مانا۔"

"ہاں! میں تو مان گئی اور اس بات پر حیران ہوں کہ تمھاری یہ شکتی میرے بہت سے منتروں پر بھاری ہے مگر انوپی مہاراج، تم نے اگن والی جو بات کی ہے وہ کسی طور من سے نہیں نکلتی۔"

"اچھا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں! تم خود ہی بتاؤ اگن تو سارے منتر بھسم کردیتی ہے اس کے بعد تو منش کے پاس نہ شریر ہی رہ جاتا ہے اور نہ ہی شکتی۔"

"ٹھیک ہے منورما لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے یہ شکتی منتروں سے نہیں حاصل کی۔ ستارے صدیوں سے زمین دیکھ رہے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں زمین پر بسنے والے آتے ہیں اور پھر دھول میں مل جاتے ہیں گویا صدیوں کی کہانی ان کے سامنے لکھی جاتی ہے اور زمین پر تحریر حروف ان کی نگاہوں کے سامنے ہی معدوم ہوجاتے ہیں لیکن میں زمین کے اوپر صدیوں سے ان کا ساتھی ہوں۔ وہ مجھے پہچانتے ہیں اور مجھ سے اُنسیت رکھتے ہیں۔"

"تمھاری یہ بات بھی عجیب ہے۔ تم نے کئی بار کہی مگر میری سمجھ میں نہ آئی۔"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ تم امر ہو۔"

"ہاں! یہ بھی سمجھنے کی بات ہے؟"

"کیا تم نے امرت جل پیا ہے مہاراج؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"یہ میں خود بھی نہیں بتا سکتا۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم نے زمین کے سارے کونے دیکھے ہیں؟"

"یہ تو نہیں کہہ سکتا لیکن جب سے زمین وجود میں آئی ہے، تب سے میں اس پر بوجھ بنا ہوا ہوں۔"

"ہائے رام، تم تو صدیوں بوڑھے ہو۔" منورما ہنس پڑی۔

"یہی سمجھ لو۔"

"پر اتنے سندر، اتنے جوان، آخر کیسے؟"

"بس، اس بارے میں، میں کیا کہوں۔"

"اور وہ اگن والی بات؟"

"وہ بھی ستاروں سے مختلف نہیں ہے۔ تم جانتی ہو آگ، پانی، ہوائیں یہ بھی صدیوں سے امر ہیں اور آگ نے ہمیشہ دوست سمجھا ہے، پانی میرے بدن سے مانوس ہے، اسی طور ہوائیں۔ تو دوست تو دوستوں کو نقصان نہیں پہنچایا کرتے۔ یہ سب میرے صدیوں کے ساتھی ہیں۔"

"میں اب بھی نہیں مانوں گی۔"

"اس سے زیادہ میں کیا کہوں کہ تم ستاروں کی بات مان چکی ہو۔"

"وہ سب کچھ تو میرے سامنے ہوا۔"

"جس جس بات میں شبہ ہو اسے آزما لو۔"

"سچ؟" منورما نے کہا۔

"ہوں ہوں۔" میں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ جلدی کہہ دے احمق عورت، جو دل میں ہے اسے کہنے کے لیے یوں گھماؤ پھراؤ کیوں کرتی ہے۔

"میں تمھیں آزماؤں گی مہاراج!"

"جتنی بار چاہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یوں منورما بالآخر اپنے ارادے میں کامیاب ہو ہی گئی یعنی وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی میں نے اس کے لیے آسان بنا دیا اور پھر اسے پورا پورا موقع دیا کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتی ہے سکون سے کرلے۔ ہاں رات کو وہ میرے پاس ہوتی تھی اور پروفیسر بستر پر آنے کے بعد ہر عورت معصوم ہوجاتی ہے۔ نہ بھی ہو تو سمجھنا یہی چاہیے اور اس کا اظہار بھی کرنا چاہیے کیونکہ وہ بہرحال غریبوزہ ہے۔

سو منورما کو ایک رات بھی یہ احساس نہ ہوسکا کہ میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی بات ہے۔ ہاں آخری رات خود منورما ہی پریشان تھی، اس رات بستر پر بھی اس کے جذبات سرد رہے، اس کا ذہن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ غالباً میرے نعم البدل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ یا پھر ممکن ہے اس کے ذہن میں کوئی اور خیال ہو، یا پھر وہ میرا نقصان کرنے کو تیار نہ ہو کیونکہ بہرحال وہ مجھے پسند کرتی تھی لیکن فیصلہ جو کچھ ہوا اس کا اعلان اس نے اس رات کی

صبح ہی کر دیا۔

"اگن منڈل تیار ہو گیا ہے مہاراج۔ اب بھی سوچ لو جو کچھ تم نے کہا ہے وہ ٹھیک ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آگ تم سے ناراض بھی ہو جائے؟"

"اور مجھے جلا دے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہاں۔ ستاروں کی بات اور ہے۔ آکاش پر جلتے چراغ نرم طبیعت کے مالک ہوتے ہیں مگر اگن دیوی کے کشتی ہے۔"

"دیکھیں گے بھی اس کی دوستی میں کوئی فرق آیا کہ نہیں؟" میں نے کہا اور پھر میں نے ان جملوں کا ردِعمل منورما کے چہرے پر دیکھا۔ یوں جانو ایک کھلی کتاب تھی جس کا ہر صفحہ صاف نظر آ رہا تھا۔ "احمق انسان! بے شک تیرے بعد مجھے تجھ جیسا جوان نہ ملے گا، ہاں ہاں تیرے بدن کی گرمی میرے وجود کو پگھلا دیتی ہے، ہاں تیرا لمس آکاش کی سیر کرا دیتا ہے لیکن اس سے بھی اہم اس دھرتی کی بات ہے۔ جیون ہی نہ رہا تو جیون کے دوسرے روگ کہاں رہیں گے۔ من تو بہل جائے گا، تو نہ سہی تجھ سے کچھ کم سہی لیکن تیری موت تجھے آواز دے رہی ہے تو میں تجھے کیسے روکوں گی۔ پگلے ستارے تیرے بیری بھی تو ہو سکتے تھے۔ انھوں نے تجھے یہ نہیں بتایا کہ رانی منورما کا کچا چٹھا کسی کو نہ جاننا چاہیے۔ جو اس کے بارے میں جان لے گا اسے زندہ رہنے کا کوئی ادھیکار نہیں۔"

سو میں نے دل میں کہا۔ "دیوی منورما! تم غلط سوچ رہی ہو۔ میں نے سچ ہی کہا کہ آگ میری دوست ہے اور یہ سچ تمھیں ستاروں کی آواز میں تلاش کر لینا چاہیے تھا، جو تم نہیں سن سکیں لیکن تم نے جن کی حقیقت تسلیم کی اور جو کچھ انھوں نے کہا میں نے بے کم و کاست تمھیں بتا دیا لیکن دیوی جی رہی نہ عورت کی عورت! ستارے کچھ اور بھی تو کہہ سکتے تھے۔ جب وہ تمھارا ماضی اندھے کنویں سے نکال سکتے ہیں تو کیا وہ تمھارے من کی بات مجھے نہیں بتا سکتے، ہاں کاش تمھارے منتر، تمھارے ایسے دوست ہوتے جیسے کہ میرے دوست ستارے ۔ سو تمھیں بھی آنے والے وقت کے بارے میں کچھ معلوم ہو جاتا۔ یوں تم دھوکا کھا گئیں نا دیوی منورما۔"

تو پروفیسر، لے چلیں منورما دیوی مجھے اس اگن منڈل کی جانب جو اس نے نہ جانے کتنی محنت سے تیار کرایا تھا ــــ اور دیکھا میں نے وہ آتش کدہ کہ جس کے نمونے بارہا میری نگاہوں میں آ چکے تھے۔ کبھی مصر کے ایوانوں میں کبھی یونان کے معبدوں میں اور کبھی بابل و نینوا کے محلات میں۔ سو سب نے ایک ہی کوشش کی تھی کہ آگ اتنی تیز کر دیں، اتنی بلند کر دیں کہ شعلوں کا پیٹ اور ان کی بلندی وسیع سے وسیع تر ہو جائے۔ وہ چیخیں جو جلنے والوں کے حلق سے آزاد ہوں آگ کی تیز بھنبھناہٹ میں گم ہو جائیں، نہ دھواں اٹھے نہ جلتے ہوئے گوشت کی بدبو کہ ذہن کو پراگندہ بھی کرتی ہے اور سمع خراش بھی ہوتی ہے۔ یعنی جوں ہی مجھ جیسے حجم کا انسان اگن میں داخل ہو آگ کی زبانیں اسے اس طرح لپک لیں جیسے کوئی پیاسا بڑا سا جانور پانی کے ایک قطرے کو۔ تو میں نے دیکھا وہ آتش کدہ جس میں میری روح کی بالیدگی سلگ رہی تھی اور نشہ سا طاری ہونے لگا میرے اعضا پر کہ بے خبر تھی احمق منورما اور شاید خوش بھی کہ اس کا راز چند لمحات کے بعد شعلوں کی آغوش میں سو جائے گا۔ وہ زبان کوئلے میں بدل جائے گی جو اسے افشا کر سکتی ہے۔

شعلوں کی تپش دُور دُور تک پھیل رہی تھی لیکن وفا کی دیوی منورما اس آخری وقت میں اتنی دُور تک میرے ساتھ آئی جہاں تک اس کے علوم اس کے تن کی حفاظت کر سکتے تھے لیکن تپش سے اس کا بُرا حال تھا، اس نے گویا الوداعی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور جیسے تاسف کیا کہ اے احمق انسان دیکھ ستاروں کی دوستی تجھے کہاں لے آئی۔ شاید میرا دل تجھ سے کبھی نہ بھرتا اور شاید مستقبل میں ہر دے مان کا راجہ تو ہی بن جاتا، ہاں میری ایک مہربان جنبش یہ کام جس قدر آسانی سے کر سکتی ہے تجھے اس کا اندازہ بھی نہیں ہو گا لیکن افسوس، تو اس قدر جانتا ہے جس قدر کسی ذی روح کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔ میں تجھے زندگی کس طرح دے سکتی ہوں۔ ناممکن۔ تیرے لیے زندگی کسی طور مناسب نہیں ہے۔ ہاں، تیرے لیے زندگی کسی طور مناسب نہیں ہے۔

ہاں، وہ احمق یہی سوچ رہی تھی کہ اب زندہ رہنا میرے لیے ناممکن ہے۔ اس نے میری جانب دیکھا اور مسکرا دی۔ میں بھی مسکرانے لگا تھا۔

"انوپی مہاراج!" وہ کسی قدر طنزیہ انداز میں بولی۔

"مہان منورما!" میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"اگن تمھاری متر، تمھاری صدیوں کی ساتھی۔ کیوں۔ یہی اگن ہے، یا تم کسی اور آگ کی بات کر رہے تھے؟ ارے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم کسی اور آگ کی بات کر رہے تھے؟"

منورما کی بات پر میں ہنس دیا۔ "ایک بات اور منورما! کیا یہ بھی تیری جادو کی آگ ہے؟ کیا یہ آتش کدہ بھی تو نے اپنے منتر سے روشن کیا ہے؟"

"بالکل نہیں مہاراج! بلکہ اس کیلیے تین دن میں پورا جنگل بھسم ہو گیا ہے سینکڑوں آدمیوں نے یہاں درخت جلائے ہیں۔ اس میں میرا علم نہیں بلکہ اگن دیوی کی شکتی ہے۔ ہاں، اس میں اگن دیوی کی پوری پوری شکتی ہے۔"

"تب تو اس میں ہر چیز بھسم ہو سکتی ہے؟"

"ہاں، مگر کیا یہ اگن تمھاری متر نہیں ہے؟ یہ تو تمھیں نہیں جلائے گی مہاراج؟"

"ہاں، اور تو نے شاید یہ بات جھوٹ سمجھی ہے۔ تیرا خیال ہے میں آگ دیکھ کر خوفزدہ ہو جاؤں گا لیکن ـــــ میں آگ میں جا رہا ہوں۔ ہاں تجھے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔"

"ہاں ہاں کہو مہاراج! کہو۔"

"تو یہیں میرا انتظار کرے گی۔ یہ سوچ کر واپس مت چلی جانا کہ میں جل کر کوئلہ ہو گیا ہوں۔"

"ارے نہیں مہاراج۔ تم جھوٹ کب بولتے ہو۔ تاروں نے تمھیں جو کچھ بتایا وہ جھوٹ تو نہیں تھا۔ میں نے مان لیا۔ اگر مجھے شبہ ہوتا کہ اگن تمھیں جلائے گی تو میں تمھیں آگ میں نہ جانے دیتی۔ تو پدھارو مہاراج۔

دیکھوں تو سہی یہ اگن تمھاری کیسی متر ہے؟ کیا تمھارا ساتھ دیتی ہے؟"

"تم یہیں رہو گی منورما؟"

"ہاں مہاراج! میں یہیں رہوں گی۔" نہ جانے کیوں منورما کی آواز میں گھبیرتا آ گئی اور اب آگ سے جدائی مجھے گوارہ نہیں تھی، چنانچہ میں نے آگ میں چھلانگ لگا دی۔

منورما کی ہلکی سی چیخ میں نے سُنی تھی لیکن اس کے بعد میں ہر بوجھ سے دُور ہو گیا۔ ہاں پروفیسر میں اپنے پسندیدہ غسل میں سرشار ہو گیا اور اس غسل کے دوران مجھے بہت کم یاد رہ جاتا تھا کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں۔ شعلے میرے بدن کو چوم رہے تھے۔ میرے مسامات زندگی سے سرشار ہو رہے تھے اور میرے حلق سے لذت انگیز سسکاریاں نکل رہی تھیں۔ دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ آگ سے باہر نکلوں [illegible] نہ جانے کیسے منورما کا خیال آ گیا اور میں چونک پڑا۔ ارے ہاں، میری محبوبہ میری منتظر ہو گی!

یقینی طور پر وہ مایوس ہو چکی ہو گی۔ اس نے سوچا ہو گا بالآخر آگ کی دیوی مجھے لے ڈوبی اور آگ میرا ساتھ نہ دے سکی۔ یقیناً وہ آگ اور ستاروں کے اختلاف پر غور کر رہی ہو گی۔

ذرا دیکھوں تو ــــ آگ کہاں جاتی ہے اور ــــ اور پھر اگر شعلوں میں میرا کوئی ساتھی بھی ہو تو ..... تو ..... میں واپسی کے لیے لپکا اور چند ساعت کے بعد بدن میں بے پناہ چمک لیے باہر آ گیا۔

منورما اب تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کی کئی داسیاں بھی تھیں لیکن اس کے چہرے پر الم کے سائے تھے اور وہ کسی قدر اُداس تھی۔

سب سے پہلے اس کی ایک داسی نے آگ کے قریب کسی سائے کو محسوس کیا اور وہ چیخ پڑی پھر دوسرے لمحے سب نے مجھے دیکھ لیا اور بے شمار چیخیں بلند ہوئیں۔

"نہیں۔ نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" منورما پاگلوں کے سے انداز میں بولی اور میری طرف دوڑ آئی۔ وہ میرے بدن کو قریب سے دیکھ رہی تھی۔ "ناممکن۔ بھگوان کی سوگند۔ ناممکن۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ تم۔ تم واقعی ....."

"زندہ ہو۔" میں نے جملہ پورا کر دیا۔

"ہاں۔ تم۔ تم زندہ ہو؟"

"ارے، منورما۔ میری رانی۔ کیا تمھیں میرے کہنے پر شک تھا؟"

"مگر۔ مگر آہ۔ تمھارا بدن تو اور چمکنے لگا ہے۔ اوہ۔ اوہ۔ انوپی۔ ارے۔ تم تو کچھ سے کچھ ہو گئے۔"

"دیکھ لو منورما۔ دوست، دوست کو کیا دیتے ہیں۔"

"انوپی! تم مجھے اپنے بارے میں سچ نہ بتاؤ گے۔ بھگوان کے لیے بتا دو تم کون ہو؟ اور تم۔ تم جاؤ یہاں سے۔ تم سب بھاگ جاؤ۔" وہ داسیوں سے بولی اور داسیاں ایک ایک کر کے کھسک گئیں۔ منورما میرے بدن پر ہاتھ پھیر پھیر کر دیکھ رہی تھی۔

"تو دیکھا تم نے منورما! میں نے جھوٹ تو نہیں کہا تھا۔ گویا میری دوسری بات بھی سچ نکلی۔"

"ہاں انوپی! مگر۔ میں۔ میں کیسے مان لوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا انوپی۔"

"میری بات مان لو گی منورما؟" میں نے مکاری سے کہا۔

"کیا انوپی؟" منورما سچ مچ نڈھال ہو گئی تھی۔

"تم بھی میرے ساتھ اگن میں چل کر دیکھو۔ دیکھو تو میری متر تمھارا کیسا سواگت کرتی ہے۔"

"نہیں انوپی! اگن میری متر نہیں ہو سکتی۔ وہ۔ وہ مجھ سے میرا سب کچھ چھین لے گی۔"

"جیسی تمھاری اچھا منورما۔ یہ تم نے میری بات تو مان لی؟" میں نے اسے بازوؤں میں لے لیا اور منورما میرے بدن کی تپش سے اور متاثر ہو گئی۔ اس نے اپنا گال میرے سینے سے لگا لیا تھا۔ میں نے اس کے بدن کے گرد حلقہ تنگ کر لیا۔

"مگر یہ سب کچھ کیسے ہو سکتا ہے انوپی اور ــ اور تمھارا جیون ــــ انوپی تمھارا جیون۔"

"تمھارے لیے نقصان دہ ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔" وہ بے خیالی میں بولی۔

"کیونکہ مجھے تمھاری پچھلی کہانی معلوم ہو چکی ہے؟"

"ہاں انوپی اور میں نہیں چاہتی۔" اس نے کہا اور اچانک سنبھل گئی! اس نے سہم کر میری شکل دیکھی لیکن آگ نے اس وقت مجھے جوان کر دیا تھا، میں زندگی سے بھرپور تھا اس وقت ہر قسم کی مکاری سے کام لے سکتا تھا، چنانچہ میری آنکھوں سے بے پناہ محبت پھوٹ رہی تھی جس نے منورما کو اطمینان دلا دیا۔

"ہاں منورما مجھے بتاؤ، ممکن ہے میں تمھاری تسلی کر سکوں۔"

"مگر تمھیں۔ تمھیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"اوہ، منورما! میری جان! ستارے میرے دوست، بڑے ہی چغلخور ہیں۔ کوئی بات مجھ سے نہیں چھپاتے، چاہے وہ ان کے من کی ہو یا کسی اور کے۔"

"تو انھوں نے تمھیں۔ تمھیں؟"

"ہاں۔" میں نے اس کی آنکھ کو چومتے ہوئے کہا۔ "انھوں نے مجھے وہ بتایا جو تمھارے من نے اس وقت سوچا تھا۔ میرے دوست کلاٹ نے کہا، انوپی جی! تمھاری منورما کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ تم اس کے جیون سے واقف ہو گئے اور اب تمھاری پریمیکا تمھارا جیون لینے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔"

"اوہ۔ پھر؟"

"پھر کلاٹ نے کہا کہ منورما سوچ رہی ہے کہ تمھارے جھوٹ سے ہی تمھارے جیون کا خاتمہ کیا جائے اور پھر اس نے کہا کہ وہ تمھارے لیے ضرور اگنی منڈل تیار کرائے گی، تو یہ سب کچھ میرے لیے انجانا نہیں تھا منورما!"

"اوہ!" منورما تھوک نگل رہی تھی۔

"لیکن میں نے سوچا کیا حرج ہے۔ منورما کو یہ بھی کر لینے دیا جائے۔ حالانکہ میرے دوست ستارے اس سے پہلے بھی مجھ سے بہت کچھ کہہ چکے تھے۔"

"کیا؟" منورما نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"ان دنوں۔ ان دنوں منورما، جب میں تمھارے طلسم کے جنگل میں بھٹک رہا تھا، ایک رات میں نے اپنے دوستوں سے ملاقات کی اور بڑا ہی شریر، بڑا ہی چالاک ہے یہ کلاٹ بھی، ترکیبیں تو اتنی عمدہ بتاتا ہے کہ بس۔ اس نے کہا منورما کو شکست دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے دوستی کر لی جائے۔"

"پھر؟ پھر انوپی؟"

"اور میں نے اس کی بات مان لی اور وہ پہلا دروازہ جو تم تک آنے کا ملا، میں اسی سے اندر داخل ہو گیا۔"

"تو۔ تو انوپی تم۔ تم مجھے شکست دینے آئے تھے؟"

"ہاں منورما! اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی۔ کلاٹ نے مجھے بتایا تھا کہ آگ تمھارے منتروں کا توڑ ہے اور میں نے تمھیں تمھارے ہی داؤ سے مارنے کا فیصلہ کر لیا لیکن ——"

"لیکن کیا؟" منورما کا سانس پھولنے لگا۔

"تم میرے من کو بھا گئی تھیں منورما۔ تم بے حد سندر ہو۔ میں تمھاری سندرتا کے جال میں پھنس گیا۔"

"اوہ!" منورما کے ہونٹوں پر سکون کی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بالآخر تم مجھے یہاں تک لے آئیں۔ تم تو مجھے مُردہ سمجھ چکی ہو گی منورما؟"

"ہاں انوپی لیکن ——"

"میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا منورما —— اور بالآخر —— وہ وقت آ گیا جب میں نے کلاٹ کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"کون سی ترکیب؟" منورما نے چونک کر پوچھا۔

"یہی کہ تمھیں تمھارے داؤ سے مار دیا جائے۔" اچانک میں نے منورما کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔ منورما کے چہرے پر ایک بار پھر وحشت نمودار ہوئی لیکن دوسرے لمحے میں نے آگ میں چھلانگ لگا دی۔

منورما کی چیخ ایسی ہی تھی جیسے بے شمار روحوں نے مل کر چیخیں ماری ہوں۔ اس نے میری گرفت سے نکلنے کی زبردست جدّوجہد کی اور اگر وہ میری گرفت نہ ہوتی تو مجال تھی کسی کی جو اسے دبوچے رکھتا۔ اس کے بدن میں کسی طاقتور بھینسے کی سی قوت تھی۔ آگ سب کی دوست تو نہیں ہو سکتی تھی، اس نے منورما کے بدن کو لپیٹ لیا اور دھماکے ہونے لگے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آتش گیر مادہ پھٹ رہا ہو۔ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور میں مسرت سے قہقہے لگا رہا تھا۔

منورما کی آواز پھٹ کر بھیانک ہو گئی تھی۔ اب اس کے بدن میں کوئی سکت نہیں رہی تھی لیکن ایک بات میں نے محسوس کی تھی، اس کے بدن کا گوشت جلنے کی بو نہیں پھیل رہی تھی۔ اس کے خدوخال سیاہ ضرور ہو گئے تھے لیکن مسخ نہیں ہوئے تھے۔ پھر وہ بے جان ہو گئی اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔

پھر مجھے لگا جیسے باہر کی دنیا میں زلزلہ آ گیا ہو۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ آگ بھی اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ میری توجہ ہٹ گئی اور میں ہلتی ہوئی زمین پر غور کرنے لگا۔ تبھی اچانک مجھے کچھ بھیانک چیخیں سُنائی دیں۔ میں نے چونک کر دیکھا، منورما کا سیاہ مجسمہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"پاپی۔ ہتھیارے۔ تُو نے۔ تُو نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ تُو کامیاب ہو گیا۔ تُو نے۔ تُو نے چالاکی سے مجھے مار دیا لیکن میں۔ میں اتنی آسانی سے مرنے والی نہیں ہوں۔ میری آتما۔ میری آتما جنم جنم تیرا پیچھا کرے گی۔ جہاں بھی جائے گا میں تیرے پیچھے ہوں گی۔ میں۔ میں تجھے ایسے ایسے چرکے دوں گی کہ تُو۔ تُو جیون بھر یاد رکھے گا۔ کٹھور۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں تیرے جال میں پھنس گئی۔ میں تیرے پریم جال میں پھنس گئی ورنہ —— تُو تو۔ سو جنم میں بھی میرے اوپر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔" اور پھر سیاہ چڑیل آگ سے نکل کر بھاگ گئی میں سر کھجاتا رہ گیا تھا۔ واہ بھئی واہ۔ یہ تو مر کر بھی زندہ ہے۔ خوب ہے یہ کالا جادو بھی۔ مُردے بھی اٹھ کر بھاگ جاتے ہیں۔

لیکن میرا بڑا نقصان ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھ سے نکل گئی تھی اور میں اس کے اس انوکھے علم کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں جان سکا تھا۔ بہرحال آگ سے اچھی طرح سیراب ہو گیا تھا اس لیے باہر نکل آیا لیکن واہ۔ باہر کی دنیا بھی خوب تھی۔ بس آتش کدہ تھا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ دُور دُور تک کسی عمارت کا وجود نہیں تھا۔ ہر چیز نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ سب کچھ غائب ہو گیا تھا اور نہ جانے یہ کون سی جگہ تھی۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ بدن پر لباس بھی نہیں رہا تھا لیکن لباس کی پرواہ کسے رہی تھی۔ مجھے تو یہ قدرتی لباس ہی پسند تھا، بس دنیا والوں کی خوشی تھی جس کے لیے لباس پہن لیتا تھا مگر اب رُخ کس طرف کا کیا جائے۔ کیا ہردے مان کا وجود بھی مٹ گیا ہے؟

لیکن تھوڑی دُور چلنے کے بعد ہی اس خیال کی تردید ہو گئی۔ دُور سے بلدیوا مندر نظر آ رہا تھا۔ مندر چونکہ بہت بلند تھا اس لیے دُور سے ہی نظر آ جاتا تھا۔ میں نے اسی طرف کا رُخ کیا لیکن بہرحال مندر تک جانے کے لیے آبادی سے گذرنا ہوتا تھا اور آبادی کا پہلا شخص ایک بوڑھا آدمی تھا۔ میں اچانک اس کے سامنے آیا تھا۔ بوڑھا مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس نے "ہے رام" کہہ کر دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"ارے ارے۔ تمھاری آنکھوں کو کیا ہو گیا بڑے میاں؟"

"ارے تم ننگے ہو مہاراج! کیا مغز پھر گیا ہے؟" بڑے میاں بولے

"ہاں!" میں نے اچھل کر بڑے میاں کو دبوچ لیا اور بڑے میاں چیخ پڑے۔

"ہائے رام۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔" وہ چیخے لیکن میں نے انھیں دبوچ لیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بڑے میاں کے بدن پر بھی کچھ نہ تھا۔

"ارے تیرا ستیاناس۔ ابے۔ ابے۔ ابے میری دھوتی۔" بڑے میاں میرے پیچھے دوڑے اور میں نے انھیں کئی چکر دیے۔ بالآخر وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے اور میں وہاں سے چل پڑا۔ تھوڑی دُور جا کر میں نے دھوتی اپنے بدن سے لپیٹ لی اور بہرحال کچھ نہ کچھ ہو گیا۔

تب میں بلدیوا مندر کی طرف چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد مندر میں داخل ہو گیا۔ اتفاق سے میری ملاقات نمبودری پرشاد سے ہی ہوئی تھی۔

نمبودری مجھے دیکھ کر اچھل پڑا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور میرے سامنے جھک گیا۔ "مہاراج۔ پدھاریے مہاراج۔ ہمارے بھاگ آپ پھر سے ہمارے درمیان آئے۔ آیئے مہاراج۔ آیئے۔" اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ مندر میں مجھے وہی کمرہ دے دیا گیا جو پہلے میرے پاس تھا۔

میں نے نمبودری سے کہا کہ میں ابھی کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں اس لیے مندر میں میرے آنے کی شہرت نہ ہونے پائے اور نمبودری نے گردن جھکا دی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا اور میں کمرے میں پڑی چارپائی پر لیٹ گیا۔ بہرحال ذہنی تھکن تو تھی ہی، منورما کے ساتھ جو وقت گذرا تھا بڑا ہی ہنگامہ خیز تھا۔ بالآخر میں نے اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ آگ سے نکل کر بھاگ گئی تھی اور نہ جانے کیا کیا کہہ گئی تھی۔ میرے لیے کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن بس میرا ذہن ان حالات میں اُلجھا ہوا تھا۔

درحقیقت یوں تو میں نے بڑے بڑے دلچسپ مرحلوں میں زندگی گذاری تھی لیکن جیسے انوکھے واقعات مجھے اس سرزمین پر پیش آئے تھے وہ اور کہیں نہیں۔ خاص طور سے ان لوگوں کا یہ علم بڑا ہی دلچسپ علم تھا۔ ایک طرح سے ستاروں کے علم سے بھی دلچسپ، علم نجوم ایک خاص حیثیت رکھتا تھا، لیکن ہم اس سے صرف ماضی، حال اور مستقبل کی باتیں معلوم کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن یہ علم، اس کی تو حیثیت ہی اور تھی لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اس علم کے پیرو قاعدے کے لوگ نہیں تھے۔

صرف دو افراد ملے تھے۔ یعنی ایک گرنتھ آنندی اور دوسری منورما۔ دونوں جو کچھ تھے، تمھیں معلوم ہی ہے پروفیسر۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو خلوص دل سے میرا دوست بن سکتا اور میں اس سے اپنے علم کا تبادلہ کرتا یا اس سے کچھ سیکھ سکتا۔

بہرحال یہاں تو یہ علم عام معلوم ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے یونان میں علم نجوم تھا۔ کوئی تو سلیقے کا انسان مل ہی جائے گا، تلاش جاری رکھنی چاہیے اور اس طرح سے اب میرے لیے زیادہ آسانیاں تھیں۔ تجھی بے چاری قابلِ رحم تھی لیکن بہرحال میرے اوپر اس کی ذمہ داریاں تھیں۔ اب یہ ذمہ داریاں ختم ہو گئی تھیں اور میں نے کان پکڑے تھے کہ اب یہاں کی کسی عورت کو ساتھ نہیں لگاؤں گا۔ فی الحال یہ مندر مناسب جگہ تھی لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب خاموشی سے ہردے مان سے نکل جاؤں گا۔ نمبودری پرشاد بُرا انسان نہیں ہے۔ وہ مجھے یہاں روکنے کی کوشش کرے گا کیونکہ کافی عقیدت رکھتا ہے مجھ سے لیکن اس بے چارے کو دھوکا دینا پڑے گا۔

جی بھر کر آرام کیا۔ نمبودری نے دو پنڈت میری خدمت پر مامور کر دیے تھے۔ ویسے اس نے میرے حکم کی تعمیل بھی کی تھی اور ابھی تک کسی نے مجھے پریشان نہیں کیا تھا۔ اس دوران میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا اور پھر میں نے اسی پر عمل کیا۔

جونہی رات ہوئی اور سارے ہنگامے سرد پڑ گئے، میں نے اپنا کمرہ چھوڑ دیا اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔ میں نے مندر کی عقبی سمت کا رُخ کیا تھا۔ لیکن یاتریوں کے خیمے چاروں طرف لگے ہوئے تھے۔ میں جہاں تک ممکن ہو سکا لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا چلنے لگا لیکن بالآخر پکڑا گیا۔ عقب سے اُبھرنے والی ایک آواز نے میرے قدم روک لیے تھے۔

"مہاراج۔ انوپی مہاراج!"

"لعنت ہے۔" میں نے دل میں سوچا اور کوئی میرے قریب آ گیا۔ لیکن اسے دیکھ کر میری جھنجھلاہٹ مسکراہٹ میں بدل گئی۔ "ارے، سریندر!" میں نے مسرت سے کہا۔

"تو یہ تم ہی ہو مہاراج؟" سریندر بھی خوش ہو کر بولا۔

"ہاں مگر تم کہاں سریندر؟"

"ابھی یہیں ہوں مہاراج!" سریندر نے کہا۔

"کمال کے انسان ہو۔ تمھیں تو جتنی جلدی ہوتا یہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔"

"ہاں مہاراج! چاہیے تو ایسا ہی تھا۔" سریندر مسکرانے لگا۔

"پھر؟"

"بس مہاراج، من نہیں چاہا۔"

"بلدیوا کی عقیدت نے جوش مارا ہو گا؟"

"یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ جا کہاں رہے تھے مہاراج؟ اور ——؟"

"میں یہاں سے بھاگ رہا تھا اور تمھیں بھی مشورہ دیتا ہوں کہ یہاں سے نکل چلو۔"

"اوہ! کوئی خاص بات ہو گئی ہے مہاراج؟" سریندر نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ کوئی خاص بات تو نہیں ہے لیکن ——"

"آپ میرے خیمے میں آئیں گے مہاراج۔ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"ایک شرط پر۔"

"جی؟"

"میں راتوں رات یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"
"میں بھی چلوں گا مہاراج! اگر آپ پسند کریں۔"
"ہاں۔ ہاں۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے مسرور انداز میں کہا۔
بہرحال سریندر ایک اچھا ساتھی ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ بُرا انسان نہ تھا۔
"تو پھر آیئے تو سہی۔" سریندر نے کہا۔ اس کا خیمہ وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ اس کے خیمے میں داخل ہو گیا۔
"خوب! تم نے تو یہاں باقاعدہ ڈیرہ ڈالا ہے۔"
"میں اُلجھا ہوا انسان ہوں مہاراج۔ میرے فیصلے کی شکتی ختم ہو گئی ہے۔"
"ارے! کیوں؟"
"بس نہ جانے کیوں۔ میں پریشان تھا کسی بات میں من ہی نہیں لگ رہا۔"
"کہیں منورما سے پریم تو نہیں ہو گیا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"بھگوان کے لیے بھگوان کے لیے اس کا نام بھی نہ لیں۔ میرا شریر کانپنے لگتا ہے۔"
"اتنے خوفزدہ ہو گئے اس سے؟"
"اس سے بھی کہیں زیادہ۔" سریندر نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔
"بہرحال اب اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"اوہ۔ اوہ۔ کیوں مہاراج؟"
"لمبی کہانی ہے۔ بتا دوں گا۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔
سریندر خاموشی سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔ "اس سمے آپ کے لیے جل پانی نہ پیش کر سکوں گا مہاراج۔"
"اوہ، سریندر، اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں تو بس ایک بات کہوں گا، یہاں سے نکل چلیں۔"
"صبح کا انتظار بھی نہیں کریں گے مہاراج؟"
"نہیں سریندر، میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"
"تو پھر مجھے کون سی سامان کی گٹھری باندھنی ہے مہاراج۔ چلیں، راستے میں ہی باتیں کریں گے۔" سریندر نے کہا اور میں تیار ہو گیا۔
"ہاں یہی ٹھیک ہے۔" اور پھر ہم دونوں خیموں کی بستی سے خاموشی سے دُور نکل آئے۔ ہرے مان کے آخری سرے پر پہنچ کر ہی ہم نے دم لیا اور پھر یہ جادو کا شہر پیچھے رہ گیا۔ کافی تیزی سے سفر ہو رہا تھا۔ رات کا دوسرا پہر بھی گذر چکا تھا۔ سریندر خاموشی سے میرے ساتھ چل رہا تھا اور اس طویل سفر میں ہم نے جو خاموشی اختیار کی تھی، وہ حیرت انگیز تھی۔ نہ جانے کیوں سریندر بھی چپ کچھ سوچ رہا تھا۔ بالآخر میں ہی اس طویل خاموشی سے اکتا گیا۔
"تم تو بالکل ہی خاموش ہو گئے سریندر؟"
"بس مہاراج! سوچ رہا تھا جب آپ منا سب سمجھیں گے تو بات کروں گا۔"

"میرا خیال ہے ہم ہرے مان سے کافی دُور نکل آئے؟"
"ہاں مہاراج! اگر یہ بھی منورما کا جادوئی جنگل نہ ہو۔"
"منورما اپنی حیثیت کھو چکی ہے سریندر!" میں نے آہستہ سے کہا۔
"میں اس کے بارے میں جاننے کو بے چین ہوں مہاراج!"
"میں نے اس کا غرور توڑ دیا۔"
"وہ ہے کہاں انوپ مہاراج؟"
"نرکھ میں!"
"ہے بھگوان! نہ جانے آپ کی بات کا کیا مطلب ہے؟"
"جو کہہ رہا ہوں وہی مطلب ہے سریندر!"
"تو کیا وہ مر گئی مہاراج؟"
"یہ تو نہیں کہہ سکتا کیونکہ مرنے کے بعد بھی اس نے مجھے دھمکیاں دی تھیں۔"
"کک۔ کیا مطلب؟"
"میں نے کہا نا سریندر لمبی کہانی ہے۔ اپنے بارے میں میں نے تمھیں تھوڑا بہت بتایا ہے اس میں اتنا سا اضافہ اور کر لو کہ میں جیوتش بھی جانتا ہوں اور اکثر تنہائی میں ستاروں سے باتیں کرتا ہوں۔ تو میرے دوست ستاروں نے اس وقت مجھے مشورہ دیا جب میں منورما کے جادو کے جنگل میں بھٹک رہا تھا۔ انھوں نے کہا کہ عورت ہر دَور میں ایک ہی ذہن کی مالک رہی ہے۔ بے شک وہ انوکھے انوکھے رُوپ دھار لیتی ہے لیکن جب اس کے بدن سے لباس اُترتا ہے تو وہ صرف عورت ہوتی ہے۔ تو یہ اشارہ تھا منورما کی طرف کہ اس کو قابو میں کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر کی عورت عریاں کر دی جائے اور میں نے یہی کیا۔ تمھارا دھرم تمھیں بہت سی باتوں کی اجازت نہیں دیتا لیکن میں تو بے دھرم انسان ہوں۔ حالات، وقت، موسم میرا دھرم ہیں۔ جو کچھ وہ چاہتے ہیں، جو کچھ وہ کہتے ہیں، وہی میں کرتا ہوں۔ سو میں نے ستاروں کی بات مانی اور منورما کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ تمھیں آزادی مل گئی یہ میرا سب سے بڑا مقصد تھا اور اس کے بعد میں نے منورما کو اسی کی آگ میں جلا دیا۔ اس دیوانی نے بالآخر من کے بھید کھول ہی دیے تھے! اس کے دماغ میں یہ نہ تھا کہ جس بات کو اس نے یونہی رواروی میں کہہ دیا ہے وہی اس کے لیے موت کا پھندا بن جائے گی۔"
"کون سی بات مہاراج؟" سریندر نے دلچسپی سے پوچھا۔
"اس نے کہا تھا کہ صرف اگن دیوی اس کے سارے منتر بھسم کر سکتی ہے۔"
"ہاں مہاراج، یہ تو جادو کا سب سے بڑا اصول ہے۔"
"کیا؟" میں نے پوچھا۔
"جادو پاتال میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتا لیکن اگر انسان آگ سے جل جائے تو پھر اس کے اوپر کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ تو جس طرح وہ آدمی جادو کے زور سے بچ جاتا ہے جس پر جادو کیا گیا ہو اسی طرح جادوگر کے منتر

اگن دیوی چھین لیتی ہے۔" سریندر نے بتایا۔
"تم یہ بات پہلے سے جانتے تھے؟"
"ہاں مہاراج۔ سب ہی جانتے ہیں۔ تم نہیں جانتے تھے؟"
"بے وقوف ہو پورے۔ میں بتا چکا ہوں کہ تمھارے دھرم کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم، نہ ہی میں ان جادو منتروں کے بارے میں جانتا ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو کب کا اس بے وقوف عورت کو چٹکیوں میں مسل دیتا۔" میری آواز میں بلی سی غراہٹ آگئی۔
"تب تو ہم سے بڑی غلطی ہوئی مہاراج۔" سریندر نے تاسف سے کہا۔
"بہرحال میں نے ستاروں کی بات پر عمل کیا۔ اس نے میرے لیے آگ کا الاؤ تیار کیا لیکن میں اسے بازوؤں میں بھینچ کر اپنے ساتھ ہی آگ میں لے گیا اور وہ جل کر کوئلہ ہو گئی لیکن سریندر اس وقت جب اس کوئلے میں جان تھی وہ اچانک اٹھی اور پھر اس نے مجھے بڑی دھمکیاں دیں۔ اس نے کہا اس کی آتما میرا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟"
"رادھے کرشن، رادھے شیام!" سریندر نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔
"کیا مطلب؟"
"وہ پاپن چڑیل بن گئی مہاراج!"
"چڑیل کیا ہوتی ہے؟"
"گندی آتما، جو بھٹکتی رہتی ہے۔ جادوگرنی نے جیون بھر پاپ کیے تھے مرنے کے بعد اسے ایک نئی شکتی مل گئی اور اب وہ اپنی من مانی کریگی۔"
"کیا بکواس ہے۔ تمھارے ہاں انسان مرنے کے بعد بھی سکون نہیں پاتے؟" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"وہ آتمائیں جو جیون میں اچھے کام کرتی ہیں، مرنے کے بعد شانت ہو جاتی ہیں مہاراج اور پھر وہ کوئی نیا جیون روپ دھار کر دھرتی پر آ جاتی ہیں لیکن وہ آتمائیں جنھوں نے جیون میں بُرے کام کیے ہوتے ہیں مرنے کے بعد ان کو سورگ میں جگہ نہیں ملتی اور انھیں پھر سے جیون نرکھ میں گذارنا ہوتا ہے۔ وہ سنسار میں اپنی ان گندی خواہشوں کو لیے گھومتی رہتی ہیں جو ان کے جیون میں پوری نہیں ہوتیں اور طرح طرح سے انھیں پورا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔"
"لیکن یہ تو عجیب بات ہے؟"
"ہاں مہاراج!"
"گویا تمھارے ہاں مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ضروری ہوتی ہے؟"
"ہاں مہاراج! آواگون تو منش کے کرموں پر ہوتا ہے۔"
"گویا مرنے والا دوبارہ دنیا میں ضرور آتا ہے؟"
"آتا ہی رہتا ہے مہاراج!"
"واہ۔ تو پھر مرتا کیوں ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔
"بھگوان کے بھید بھگوان ہی جانے۔ ہمیں تو بس اتنا ہی معلوم ہے۔"
"تو اس منورما کی قوتیں اسے مرنے کے بعد پھر واپس مل جائیں گی؟"

"نہیں مہاراج۔ جو جادو جیون میں اس نے سیکھا تھا، وہ تو اس کے مرنے کے ساتھ اگن میں بھسم ہو گیا۔ آتما تو خود ایک شکتی رکھتی ہے، اب صرف اس کے پاس مرنے کے بعد جو شکتی ہوتی ہے وہی ہو گی۔"
"گویا جادو نہیں ہو گا؟"
"نہیں مہاراج! وہ تو ختم ہو گیا۔"
"اوہ۔ تب دیکھ لیں گے۔ مردوں سے جنگ کا بھی ایک تجربہ ہی سہی۔"
"بھگوان کرپا کریں مہاراج۔" سریندر نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔
"اب تم بتاؤ، تم یہاں کیوں رُک گئے؟" میں نے کہا۔
"بس مہاراج۔ اس ناگنی نے جب میری جان چھوڑ دی تو میں نے خود کو ہرے مان کے ایک محلے میں پایا۔ پہلے تو میرا من چاہا کہ میں چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں۔ سچ مہاراج مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اس ہتھیاری کے چنگل سے نکل گیا ہوں لیکن پھر مجھے تمھارا خیال آیا۔ میرا من رو رہا تھا کہ میں تمھیں اکیلا چھوڑ کر آ گیا لیکن یہ سب کچھ میرے بس میں نہ تھا مہاراج۔ میں تو تمھارے لیے کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا اب میں کہاں جاؤں۔ میرے سارے ٹھکانے میرے لیے بے کار تھے۔ میرا من سنسار سے اوبھ رہا تھا تب میں سکون حاصل کرنے کے لیے بلدیوا مندر آ گیا۔ یہاں مجھے بڑی شانتی ملی مہاراج، میں جانتا تھا کہ اب مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم نے میرا بوجھ اپنے کندھوں پر لے لیا ہے اس لیے میں نے سوچا تھا کہ کچھ روز یہاں گذار کر پھر کہیں اور یاترا کو چلا جاؤں گا۔"
"گویا تمھارا اپنے گھر جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟"
"گھر۔" سریندر ہنسا۔ "مہاراج، یہ پورا سنسار میرا گھر ہی تو ہے۔ جوگی جب اپنے ٹھکانے سے نکل آئے اور بھگوان کی تلاش میں چل پڑے تو تب اس کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔"
"تمھیں اپنے لوگ یاد نہیں آتے؟"
"سنسار میں کوئی اپنا نہیں ہوتا مہاراج۔ رشتے ناطے منش کے من سے ہوتے ہیں اور منش کا من بھگوان کی امانت، بھگوان کی چیز اگر بھگوان کے لیے رہنے دی جائے تو یوں سمجھو کہ بھگوان سے کیا ہوا وعدہ پورا کر نا ہوتا ہے اور منش اگر یہ وعدہ پورا کر دے تو اس سے بڑی بات کون سی ہو گی آتما کی شانتی کے لیے۔" سریندر نے گہری سانس لیکر کہا اور میں اس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ بہرحال یہ اس کی سوچ تھی، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ یہ باتیں میری دلچسپی کی بھی نہیں تھیں۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔ ہم لوگ بدستور سفر کر رہے تھے۔ سریندر بھی عام حالات میں ایک جفاکش انسان تھا۔ اس نے ایک بار بھی تھکن کا اظہار نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ صبح کی روشنی نمودار ہو گئی۔
اور اس وقت تک ہم ہرے مان سے بہت دُور نکل آئے تھے۔ دُور دُور تک کوئی بستی نہیں تھی لیکن ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ سادھو لوگ تھے جہاں ڈیرہ ڈال لیا وہیں آبادی ہو گئی۔ یہ آب و گیاہ چٹانیں تھیں جہاں کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا لیکن کھانا ضروری تو نہیں تھا۔ ہم

نے ایک سائے دار چٹان منتخب کرلی۔

"کیسی جگہ ہے مہاراج؟" سریندر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"زمین ہر جگہ یکساں ہوتی ہے سریندر!" میں نے طویل سانس لیکر کہا اور ہم نے چٹان کے نیچے آرام سے ڈیرہ ڈال لیا۔

"سوؤ گے مہاراج؟"

"تمھیں نیند آرہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں۔"

"میری وجہ سے تمھاری رات بھی خراب ہوئی ورنہ آرام سے اپنے خیمے میں سو رہے ہوتے۔"

"ایسی باتیں نہ کریں مہاراج!" سریندر نے دُکھ سے کہا۔

"کیوں؟"

"آپ کی وجہ سے میرا سر میرے کندھوں پر موجود ہے ورنہ میں تو دیوار سے لٹکا ہوا تھا اور میرا شریر ایک صندوق میں بند تھا جسے کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔"

"اوہ!" میں ہنس پڑا، پھر میں نے کہا۔ "لیکن سریندر۔ یہ جادو ہے خوب چیز۔"

"بھگوان ناس کرے ان پاپیوں کا۔" سریندر دانت نکوس کر بولا۔

"ارے، کیوں؟"

"بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں یہ جادوگر۔"

"ایک بات بتاؤ سریندر۔"

"جی مہاراج!"

"کوئی بھی علم ہو، وہ تو سینے کو سمندر بنا دیتا ہے۔ کشادہ اور وسیع یہ لوگ تو انسانوں کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنی شکتی سے کام لے کر انسان کی بھلائی کے لیے بے شمار کام کر سکتے ہیں، یہ جانور کیوں بن جاتے ہیں؟"

"انسان کا ذہن بہت کمزور ہے مہاراج۔ پاپی، ذرا سی شکتی مل جاتی ہے تو آپے میں کہاں رہتا ہے، سارے سنسار کو اپنے پیروں میں دیکھنا چاہتا ہے۔"

"میں نے دو جادوگر دیکھے ہیں، دونوں ایک جیسے تھے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جادو سیکھ کر آدمی درندہ ہی بن جائے؟"

"نہیں مہاراج! یہ بات نہیں۔ یہ چھچھورے لوگ ہوتے ہیں ورنہ بڑے بڑے شکتی مان ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے جو آکاش کی خبر لے آئیں مگر وہ سنسار کے لوبھی نہیں ہوتے اور اپنے گیان کے ساتھ پہاڑوں کی گپھاؤں میں چھپے بھگوان کی تپسیا کرتے رہتے ہیں۔"

"اوہ! ہوتے ہیں ایسے لوگ؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کیوں نہیں ہوتے مہاراج۔ پر وہ کالے جادو کے ماہر نہیں ہوتے۔"

"اچھا۔ جادو کی قسمیں بھی ہوتی ہیں؟"

"ہاں مہاراج۔ کالا جادو بھوت پریت کے لیے ہوتا ہے۔ کالے جادو کے ماہر کے پاس بھی بڑی شکتی ہوتی ہے مگر وہ گندی شکتی ہوتی ہے جبکہ سادھو سنتوں کے پاس دیوی دیوتاؤں کی شکتی ہوتی ہے۔ کالے جادو کی اس شکتی کے سامنے کچھ نہیں چلتی۔" سریندر نے بتایا۔

میں نے سریندر کی بات بڑی دلچسپی سے سُنی تھی۔ میں بھی ایسے ہی جادو کی تلاش میں تھا۔

"سریندر!" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ہاں مہاراج!"

"مجھے جادو سیکھنے کا بڑا شوق ہے۔"

"اوہ!"

"کیا مجھے کوئی ایسا گیانی مل سکتا ہے جو مجھے کچھ ۔ ۔ ے؟"

"ناممکن نہیں ہے مہاراج! مگر آپ کی لگن سچی ہو تو۔"

"کیا مطلب؟"

"میں بتا چکا ہوں ایسے لوگ سنسار کے لوبھی نہیں ہوتے۔ اگر وہ سنسار کے لوگوں کے سامنے بھی آتے ہیں تو ایسے روپ میں کہ انسان انھیں کوئی حیثیت ہی نہ دے۔ وہ لوگ انسانوں سے خود کو چھپاتے ہیں مہاراج۔"

"کیوں؟"

"بس وہ اپنی تپسیا کو سنسار باسیوں کے ساتھ رہ کر بھنگ نہیں کرنا چاہتے۔"

"اوہ۔ وہ تارک الدنیا ہوتے ہیں؟"

"ہاں مہاراج!"

"مگر ایسے لوگوں کو کہاں تلاش کیا جائے؟"

"پہاڑوں میں، یاتراؤں میں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں مہاراج آپ بھی بہت کچھ ہیں۔ اگر کسی سنت کی نگاہ آپ پر پڑ گئی تو آپ کا کام ہو جائے گا۔"

"ہوں۔ تم میرا ساتھ دو گے سریندر؟"

"جیون بھر مہاراج! میں تو آپ کا داس ہوں۔"

"تو سُنو سریندر! میں تمھارے اوپر کوئی پابندی نہیں لگا رہا۔ میری خواہش ہے کہ تم جب تک تمھارا دل چاہے میرے ساتھ رہو، جب تمھارا دل مجھ سے الگ ہونے کو چاہے تو مجھے بتا کر جہاں چاہو چلے جانا لیکن اس وقت تک جب تک تم میرے ساتھ ہو، مجھے ایسی ساری جگہوں پر لے چلو جہاں ایسے سادھو مل سکیں۔ باقی کام میرا ہے۔"

"بڑی خوشی سے مہاراج۔ خود میرا من بھی یہی چاہتا ہے۔ میں نے بھی اسی لیے گھر بار چھوڑا ہے مہاراج۔ بھگوان کی سوگند میں بڑی خوشی سے تیار ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ سریندر۔ کیا تم یقین کرو گے میرے دوست کہ اس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے ورنہ میں اُلجھا ہوا تھا۔"

"میں دل و جان سے تیار ہوں مہاراج!"

"بس ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور پھر ہم سونے کی کوشش کرنے لگے۔ نیند کہاں نہیں آتی پروفیسر اور پھر وہ بھی ہم جیسے آوارہ گردوں کو، جن کی شام کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ سریندر بھی آوارۂ وطن تھا اور میں۔ میں تو جو کچھ ہوں تمھیں معلوم ہے۔ بہرحال ہم سو گئے اور خوب سوئے۔ چٹان محبت کی دیوی تھی، اس نے ہمیں سورج کی تپش سے بچائے رکھا۔ ٹھنڈی ہوائیں ہمیں ہلکورے دیتی رہیں اور جب سورج ڈھلا تو ایک بے وقوف، بلکہ مہمان نواز خرگوش نے ہمیں جگا دیا۔ وہ دوڑتے دوڑتے جھونک میں ہمارے سینوں پر چڑھ گیا تھا۔ آنکھ کھلنے پر ہم نے اسے خود سے تھوڑی دُور دیکھا تھا۔

"جاگ گئے سریندر؟"

"ہم سو رہے تھے مہاراج؟" سریندر نے حیرانی سے کہا۔

"کیوں، کیا جاگ رہے تھے؟"

"نہیں۔ مگر۔ ارے۔ دوپہر ڈھل گئی!"

"ہاں!" میں ایک انگڑائی لیکر اٹھ بیٹھا۔ سریندر بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ہم دونوں دُور دُور تک اُداس ویرانے کو دیکھتے رہے۔ پھر سریندر کھڑا ہو گیا۔

"چلیں اتو پی مہاراج!"

"چلو۔" میں نے گہری سانس لیکر کہا اور دونوں چل پڑے۔ سریندر کچھ زیادہ ہی اُداس اور نڈھال نظر آرہا تھا اور میں اس کی وجہ جان گیا۔ وہ بھوکا پیاسا بھی تھا۔ بہرحال اس احمق کے لیے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو گوشت بھی نہیں کھاتا تھا ورنہ میں قدیم طرز پر پتھروں سے شکار کرنے کی کوشش کرتا۔ خود اپنے لیے میں کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال سریندر ضبط کرنے والوں میں سے تھا۔ اس نے برابر میرا ساتھ دیا۔

سورج اب بالکل چھپ گیا تھا۔ دُور سے ایک پیاؤ نظر آئی اور سریندر اچھل پڑا۔ "مہاراج!" اس نے خوشی سے کہا۔

"کیا بات ہے سریندر؟"

"وہ دیکھو۔ پیاؤ ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ پانی ہے وہاں؟"

"ہاں مہاراج!" سریندر کی رفتار خود بخود تیز ہو گئی اور میں مسکرا پڑا۔ بہرحال مجھے اس پر رحم آرہا تھا۔ بے چارہ انسان ہی تو تھا۔ تقریباً دوڑتے ہوئے ہم پیاؤ پر پہنچے۔ وہاں پتھر کے ایک بڑے برتن میں پانی موجود تھا۔ قرب و جوار میں کوئی کنواں نہیں تھا۔

سریندر نے پہلے پانی مجھے پیش کیا اور ان لوگوں کے مخصوص انداز میں خوب جان گیا تھا۔ چنانچہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں، میں نے پانی پیا۔ پھر سریندر کو پلایا۔ سریندر تازہ دم ہو گیا تھا۔ "قریب ہی کوئی بستی ضرور ہے مہاراج!" اس نے خوشی میں ڈوبی آواز میں کہا۔

"کیسے اندازہ کیا؟" میں نے سریندر سے پوچھا۔

"یہاں کنواں نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"پانی کہاں سے آیا مہاراج۔ ضرور کوئی پانی یہاں تک پہنچاتا ہے۔" سریندر نے کہا اور میں نے اس سے پورا اتفاق کیا۔ یقیناً بستی کہیں قریب ہی تھی۔

"اگر یہ بات ہے سریندر تو ٹھیک ہے۔ چلو ہمیں بستی تلاش کرنی چاہیے۔" میں نے کہا اور سریندر نے گردن ہلا دی لیکن بھوک سے اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ وہ دو چار قدم چلا اور پھر ڈگمگا گیا اور پھر اس کی ڈوبتی آواز اُبھری۔

"مم۔ مہاراج۔ میں۔ میں۔" یہ کہتے ہوئے وہ زمین پر گرنے لگا۔ اور میں نے اسے سنبھال لیا۔

"کیا بات ہے سریندر۔ کیا ہو گیا تمھیں؟"

"نہ جانے۔ نہ جانے کیا مہاراج۔ نہ۔ جانے۔" وہ بالکل ہی بے سُرور ہو گیا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں نے اس کا پورا وزن سنبھال لیا اور پھر اسے زمین پر لٹا دیا۔ سریندر شاید بے ہوش ہو گیا تھا اور اس کی یہ حالت میرے خیال میں بھوک سے ہوئی تھی۔ بہت سخت بھوکا تھا۔ طویل راستہ طے کیا تھا اس نے اور پھر خالی پیٹ پر پانی اسے نقصان پہنچا گیا لیکن اب اس کمزور انسان کی زندگی کے لیے فوری طور پر غذا کی ضرورت تھی۔ کسی طرح دودھ یا کوئی اور چیز اس کے حلق سے اترنی چاہیے۔ نہ جانے بستی کتنی دُور ہے۔

میں نے اسے وہیں چھوڑا اور بستی کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ اگر کسی سمت چل پڑوں اور وہ بستی کی سمت نہ ہو تو سریندر کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خطرہ لاحق ہو گا اس لیے پہلے بستی کی صحیح سمت کا اندازہ ضروری تھا اور تھوڑی دُور پر اچانک مجھے کوئی چیز متحرک نظر آئی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ ایک لمبی سی گاڑی تھی، جس میں دو دیو قامت بیل جتے ہوئے تھے۔ اگلے حصے میں ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ گاڑی کا رُخ اسی طرف تھا۔ میں نے زور سے ایک آواز نکالی اور اسے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرنے لگا۔

لیکن وہ تو آ ہی اسی طرف رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ہمارے قریب پہنچ گیا۔ سیاہ رنگ کا ایک دیہاتی نوجوان تھا۔ قوی ہیکل، لمبے چوڑے بدن کا مالک۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھا۔

"کیا بات ہے مہاراج؟" اس نے کھرکھراتی آواز میں پوچھا۔

"بستی یہاں سے کتنی دُور ہے؟ میرا ساتھی بیمار ہو گیا ہے۔" میں نے اس سے پوچھا۔ وہ پریشان سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور جیسے کسی خیال میں کھو گیا تھا لیکن پھر اسے میری بات کا خیال آگیا اور وہ چونک پڑا۔

"بستی۔ بس یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا تم بستی ہی جا رہے ہو؟"

"ہاں مہاراج!"

"تو اس بیمار آدمی کی مدد کرو۔ اپنی گاڑی میں اسے بستی لے چلو۔"

"ہاں ہاں۔ ضرور ضرور۔" دیہاتی گاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ میں نے دیکھا اس کا قد بھی خوب تھا اور لباس سے اس کا کسا ہوا بدن صاف جھلک رہا تھا۔

"کیا تم بھی بیمار ہو مہاراج؟" اس نے پوچھا۔

"میں؟ نہیں! میں تو ٹھیک ہوں۔"

"ارے ہاں۔ تم تو ٹھیک ہو۔" اس نے جھک کر میرے ساتھ بے ہوش سریندر کو اٹھاتے ہوئے کہا اور پھر ہم دونوں نے اسے گاڑی میں ڈالا۔ میں سریندر کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اس نے بیلوں کو ہانکنا شروع کر دیا لیکن وہ بار بار پلٹ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس دیہاتی کی یہ حرکت عجیب تو لگی لیکن بہرحال میں نے اس سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔

"کیا نام ہے تمھاری بستی کا؟"

"ٹھگ دویا۔" اس نے جواب دیا۔

"اوہ!" میں نے گردن ہلائی۔ یہ نام بھی میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ بہرحال مجھے احساس ہو گیا کہ دیہاتی کے انداز میں کوئی انوکھی بات ہے لیکن یہ بھی سوچا جا سکتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر حیران ہو اور اس سے ایسی حرکتیں سرزد ہو رہی ہوں۔

"یہ بیمار کیسے ہو گیا مہاراج؟" تھوڑی دیر کے بعد اس نے پوچھا۔

"بس بھوکا تھا بے چارہ۔ ہم سادھو لوگ ہیں۔ سفر کر رہے تھے کھانے کو کچھ نہیں ملا اور پھر پانی نظر آیا اور اس نے پیٹ بھر کر پانی پی لیا۔ اب خالی پیٹ پانی نقصان نہ کرے تو کیا ہو۔"

"ہاں اور کیا۔ تم چالاک نکلے مہاراج!" وہ خواہ مخواہ ہنس پڑا۔

"کیوں؟"

"تم نے پانی نہ پیا ہو گا؟"

"نہیں پیا تو تھا لیکن....." میں خاموش ہو گیا۔ دیہاتی نوجوان نے بھی اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا! اس کے بعد وہ خاموشی سے بیل ہانکتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بستی نظر آ ہی گئی لیکن یہ سفری بستی تھی—— پہاڑوں کے درمیان لاتعداد خیمے لگے ہوئے تھے۔ رسیوں کے احاطے کر کے گھوڑے باندھنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ مویشی بھی تھے ویسے یہ لوگ کافی عرصے سے یہاں آباد معلوم ہوتے تھے لیکن ان علاقوں میں یہ طرزِ رہائش کم ہی نظر آیا تھا۔ میں نے تو پہلی بستی ایسی دیکھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بیل گاڑی بستی میں پہنچ گئی اور دس بارہ جوان گاڑی کے گرد جمع ہو گئے۔

لیکن ان میں ایک بھی شریف آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سب کے چہرے عجیب تھے "کیا لائے ہو رتنا مہاراج؟" ایک جوان نے گاڑی میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"دو عدد سادھو ہیں!"

"دھت تیرے کی۔ ابے ان کا کیا ہو گا۔" وہ بولا۔

"ٹھاکر جانے!"

"ٹھاکر تو خوب جانے گا بیٹا۔ تو ہمیشہ ایسے ہی کام کرتا ہے۔ ابے ان کے بدن پر تو پورے کپڑے بھی نہیں ہوتے۔ ان کے پاس سے ... ملے گا؟"

"گیان دھیان۔" دوسرے نے جواب دیا اور سب ہنس پڑے۔

میں غور سے ان لوگوں کی باتیں سُن رہا تھا اور کسی حد تک سمجھ بھی رہا تھا۔ پھر وہ سب مجھے دیکھنے لگے اور پھر ان میں سے ایک نے حیرت سے کہا۔

"ابے، یہ تو ہوش میں ہے۔"

"ہاں۔ حالانکہ اس نے بھی پانی پیا تھا۔" رتنا حیرت سے بولا۔

"اوہ۔ ٹھاکر آ رہا ہے۔" کسی نے کہا اور وہ سب چونک کر سیدھے ہو گئے۔ ٹھاکر بھی خوب تھا۔ مضحکہ خیز حد تک بڑی مونچھوں کا مالک ایک لمبا چوڑا آدمی۔ اس کی مونچھیں گردن تک لٹک رہی تھیں۔ وہ بڑی شان سے سینہ تانے آ رہا تھا اور پھر وہ بیل گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا لائے ہو رتنا جی؟" اس نے بڑے خوشگوار انداز میں پوچھا۔

"مم۔ مہاراج۔ ٹھاکر مہاراج! پیاؤ کے پاس یہ دونوں ہی تھے۔"

"اوہ!" ٹھاکر نے مجھے غور سے دیکھا، میرے قریب آیا اور پھر اس نے میرے بدن پر انگلی پھیری "سونے کے معلوم ہوتے ہو مہاراج! مگر تم ہو کون؟"

"سادھو ہیں!"

"سادھو؟" ٹھاکر چونک پڑا اور پھر اس نے گاڑی میں جھانکا، اسی طرف دیکھتے ہوئے دہاڑا "رتنا!" اور رتنا کا چہرہ دھواں ہو گیا "یہ کیا ہے——؟"

"یہی ملے تھے مہاراج!" رتنا سہمی ہوئی آواز میں بولا اور ٹھاکر ہنس پڑا۔ دوسرے لوگوں کی جان میں جان آئی تھی لیکن ٹھاکر نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور پھر رتنا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہی ملے تھے۔ تو نے بڑا ہی اچھا کیا رتنا۔ سادھو سنتوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا لیکن ان کی سیوا کرنے سے سورگ ضرور مل جاتی ہے۔ کیوں؟"

"ہاں مہاراج!" رتنا نے دانت نکال دیے۔

"تب تو تجھے انعام ملنا چاہیے اس بات پر۔ ہیں؟" ٹھاکر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور رتنا نے فخریہ انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو، دیکھا گدھو۔ ہونہہ۔ خواہ مخواہ میرا مذاق اُڑا رہے تھے، لیکن دوسرے لمحے ٹھاکر نے پاؤں سے جوتا اتار لیا اور اپنے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کو اشارہ کیا۔ تب دوسرے لوگ ہنس پڑے اور انھوں نے رتنا کو پکڑ کر ٹھاکر کے سامنے پیش کر دیا۔

"جب بھی تیری باری آئی تو نے ایسی ہی حرکت کی۔ ایک دفعہ اس مرتی ہوئی بڑھیا کو اٹھا لایا اور ہمیں اس کا کریا کرم کرنا پڑا۔ ایک دفعہ ان کنگلے دیہاتیوں کو، جن کی جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی اور اب ان نکموں کو لے آیا ہے۔ ابے کیوں؟" ٹھاکر نے رتنا کے سر پر جوتے برساتے ہوئے کہا۔

میں خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کسی حد تک ان لوگوں کو سمجھ بھی رہا تھا۔ جب رتنا پر کافی جوتے پڑ گئے تو اسے چھوڑ دیا گیا اور پھر ٹھاکر میری طرف متوجہ ہوا۔

"تم ہوش میں کیوں ہو مہاراج؟"

عجیب سوال تھا۔ میں نے اس کا تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن دل ہی دل میں، میں نے کچھ سوچ لیا تھا۔ "میں اس بارے میں کیا کہوں ٹھاکر مہاراج، لیکن تم پہلے میری ایک بات سُن لو۔"

"ہاں، ہاں سنت جی، کہیں۔ ضرور کہیں۔"

"میرا ساتھی بھوک سے نڈھال ہے۔ وہ اسی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے۔ پہلے آپ اس کے لیے دودھ اور کھانے پینے کی کچھ چیزوں کا انتظام کر دیں۔"

"ہاں ہاں۔ ضرور، ضرور۔ ہم تو پہلے ہی جانتے تھے۔ ابے رتنا اب لا سالے دودھ۔ لا ملائی۔ سیوا کر سادھو مہاراج کی۔ چل جلدی کر۔ خود تمھارے کیا حال ہیں سادھو مہاراج؟" اس نے آخری الفاظ مجھ سے کہے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کچھ زیادہ ہی ٹھیک نظر آ رہے ہو مہاراج! آؤ، بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" ٹھاکر نے کہا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

"میرے ساتھی کی مدد کی جائے گی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ارے، ہاں ہاں۔ ابے سُنا نہیں تم نے۔ پانی پی لیا ہو گا۔ سمرنے کا ست پلاؤ، ہوش میں آ جائے گا اور پھر اسے دودھ پلاؤ اور ہاں، مہاراج کے لیے میرے ڈیرے میں کھانے پینے کی چیزیں بھجوا دو۔ آؤ مہاراج چنتا نہ کرو۔ اب ہم بھی بھگوان کے داسوں کی سیوا کر ہی دیتے ہیں۔ آ جاؤ۔" اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

ٹھاکر کا خیمہ کافی کشادہ تھا۔ اندر قیمتی سامان بھی نظر آ رہا تھا! اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"تو تم نے پانی نہیں پیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"تم بار بار پانی کی بات کیوں کرتے ہو؟"

"ارے وہی تو اصل بات ہے مہاراج!" ٹھاکر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بڑے ہی بھولے ہو بھولے ناتھ۔ اچھا یہ بتاؤ ہمارے بارے میں کیا اندازہ لگایا تم نے؟"

"تمھاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔"

"ہے۔ یہی تو بات ہے بھولے ناتھ جی۔ ہم ڈاکو ہیں ڈاکو۔ لوٹ مار کرتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ آج یہاں کل وہاں اور جہاں ہم وہی ہمارا نگر۔ کیا سمجھے؟"

"خانہ بدوش ہو تم؟"

"بالکل۔ بالکل!"

"اور لوٹ مار کر کے جیون بتاتے ہو؟"

"دیکھو مہاراج۔ اپدیش دینے نہ بیٹھ جانا۔ ہاں، ہم تمھاری نصیحت نہیں سُنیں گے، صرف کام کی بات کرو۔ تمھیں سنسار تیاگ کر کیا ملا۔ دیکھو جنگلوں میں بھوک کے پیاسے مارے مارے پھرتے ہو۔ ہاہا۔ ہاہا۔"

"میں تمھیں کوئی نصیحت نہیں کروں گا۔"

"ہوئی نا بات۔" وہ ہنس پڑا۔

"تم ان کے سردار کی حیثیت رکھتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں اور کون ہے میا کا لال۔ ہے کوئی میرے جوڑ کا یہاں؟" ٹھاکر نے کہا۔

"میں نے ابھی سب کو دیکھا ہی کہاں ہے اور پھر جب تم سردار ہو تو یقیناً ان لوگوں نے تمھیں ملا دیجہ سردار نہ بنا لیا ہو گا۔" میں نے کہا۔

"ہا۔ ہوئی نہ بات۔" وہ پھر مخصوص انداز میں بولا۔ ہنسنے لگا۔

"پانی کی بات بار بار کیوں کر رہے تھے؟"

"پیتے تو پتہ چلتا مہاراج! سردار ٹھاکر ہوں، معمولی آدمی نہیں ہوں ایسی ایسی باتیں سوچتا ہوں کہ بس۔ مانتے ہیں سسرے سب کے سب۔ ارے یہ پیاؤ یہاں کون بناتا۔ میں نے بنائی ہے۔ مسافر آتے ہیں اور تم جانو پانی دیکھ کر اسے بھی پیاس لگ جاتی ہے جو پیاسا نہ ہو اور پھر پانی پیتے ہی اُلٹا ہو جاتے ہیں سسرے۔ تب ہمارے ساتھی ان کے کپڑے تک اُتار لاتے ہیں۔ عقل کی بات ہے مہاراج! پر لگے نہ پھٹکری، پر رنگ چوکھا آتا ہے پیسے کا پورا۔ لڑائی نہ جھگڑا۔ مگر تم نے پانی کیوں نہیں پیا؟"

"پیاس نہیں لگی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"جبھی سیدھے کھڑے ہو۔ ورنہ اپنے ساتھی کے برابر لیٹے ہوتے!" ٹھاکر ہنسنے لگا۔

"تو میرا ساتھی پانی پی کر بے ہوش ہوا ہے؟"

"ہاں.... ستوئرے کے بیج ہوتے ہیں، بس بے ہوش کر دیتے ہیں، نقصان نہیں پہنچاتے۔"

"افسوس۔ ہمارے پاس سے تمھیں کچھ نہیں ملا۔"

"جُوتے بھی تو پڑے سسرے رتنا کے۔ کتنی بار کہا کہ صرف کام کے آدمیوں پر ہاتھ ڈالا کر۔ مگر ایک بھی کام کا آدمی جو لایا ہو۔" اس نے کہا اور پھر چونک کر بولا۔ "مگر تمھارا ہوگا کیا مہاراج؟"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"اب تم یہاں سے کسی بستی میں جاؤ گے اور دوسروں کو ہمارے بارے میں بتاؤ گے۔" ٹھاکر نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"ایسے نہیں ٹھاکر۔ ہم جنگلوں کے باسی، اوّل تو بستی میں جائیں گے نہیں، چلے بھی گئے تو ہمیں کیا پڑی کہ ہم کسی کو تمھارے بارے میں بتلاتے پھریں۔"

"بس بس۔ اگو نہ بتاؤ۔ اتنا بھاری پیٹ نہیں ہوگا تمھارا، مگر میں تمھارا کروں کیا؟ اگر مار ڈالوں تب بھی بُرا ہے۔"

"تم اطمینان رکھو ٹھاکر! ہم وچن دیتے ہیں کسی کو تمھارے بارے میں نہیں بتائیں گے۔"

"میں نہیں مانتا تمھارے وچن کو۔ نہیں بھائی! ابھی ہمیں یہاں سے کچھ نہیں ملا۔ تمھیں چھوڑ کر پھنسنا تھوڑی ہے؟"

"پھر کیا ارادہ رکھتے ہو ٹھاکر؟" میں نے پوچھا۔ اس وقت اس کا ساتھی دودھ، خشک پھل اور دوسری چیزیں لے آیا۔ اس نے یہ ساری چیزیں میرے سامنے رکھ دیں۔

"کھاؤ مہاراج! کھاؤ پیو۔ میں تمھارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" اس نے کہا، اور میں مسکرا کر ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پھر میں نے اس سے پوچھا جو یہ چیزیں سب لایا تھا۔

"میرا ساتھی ہوش میں آ گیا؟"

"ہاں مہاراج! ہم نے اسے اطمینان دلایا ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔" ٹھاکر بولا۔ اور وہ چلا گیا۔ ٹھاکر ابھی تک سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ "نہیں مہاراج! تمھیں جیتا چھوڑنا خود موت کے منہ میں جانا ہے۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا۔"

"تم اپنی طاقت کے بل پر ان لوگوں کے سردار بنے ہو ٹھاکر؟" میں نے پھل کھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"مجھے دوست بنا لو، ورنہ کیا فائدہ ان میں تمھاری ساکھ بگڑ جائے۔ اگر میں ان کے سامنے تمھاری پٹائی کروں تو یہ کیا سوچیں گے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ اور ٹھاکر کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

خونی نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا اور پھر اس نے گردن ہلائی۔ "یہ تو پتہ چل جائے گا بیٹے۔ کھا پی لو۔ میں بھوکا مارنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"میرے ساتھی کو بھی قتل کر دو گے؟" میں نے پھل کھاتے ہوئے پوچھا۔

"تم دونوں کو کتے کی موت مار دوں گا۔ تمھیں معلوم نہیں میں ٹھاکر ہوں، اونچی ذات کا۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ تم مجھے مارو گے؟"

"ہاں ٹھاکر! میں تمھاری ہڈیاں پسلیاں توڑ دوں گا۔" میں نے اسی اطمینان سے کہا اور دودھ کا برتن منہ سے لگا کر اسے چڑھا گیا۔ میں نے ٹھاکر کے سُرخ چہرے کی طرف بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ٹھاکر میرے الفاظ اور میرے اطمینان پر پیچ و تاب کھاتا رہا اور پھر بمشکل تمام بولا۔

"اونچی ذات کا ہوں مہاراج، اس لیے کھاتے میں وار نہیں کروں گا۔ جلدی کھا لو تاکہ میں تمھاری گردن کاٹ کر چیل کوؤں کے سامنے ڈال دوں۔ ٹھاکر نے آج تک کسی کو اتنی مہلت نہیں دی۔"

"میرے ساتھی کو بھی کھانے کے لیے دیا گیا؟"

"ہاں ہاں۔ مل گیا ہے اسے۔ ہم اتنے کمینے بھی نہیں ہیں۔ جلدی کرو ورنہ۔۔۔ ورنہ۔۔۔" ٹھاکر کسی خونخوار بھیڑیے کی مانند غرّا رہا تھا۔ میں نے پھل رکھ دیے اور کھڑا ہو گیا۔

"تمھیں بہت جلدی ہے ٹھاکر؟"

"ہاں۔ اپنی موت تم نے ہی قریب بلائی ہے۔"

"کیا تم اپنے آدمیوں کے ہاتھوں سے مجھے قتل کراؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"اب نہیں۔ اب میں خود تجھے جان سے ماروں گا۔ یہ کام اب میرا ہو گیا ہے۔"

"اگر تم مجھے نہ مار سکے ٹھاکر؟"

"تو پھر تیری ہر بات مانوں گا۔ ہمارے یہاں بڑا وہ ہے جو طاقت میں بھی بڑا ہو۔ عقل میں بھی بڑا ہو۔ میں تجھے مار ڈالوں گا ورنہ پھر تیرا غلام رہوں گا۔" ٹھاکر غصّے سے کانپ رہا تھا۔

"تب پھر آ جاؤ۔" میں نے کہا۔

"تو پیٹ بھر کر کھا لے۔" ٹھاکر بناوٹ سے بولا۔

"بعد میں کھا لوں گا ٹھاکر۔ تجھے زیر کرنے میں کتنی دیر لگے گی۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"تب باہر چلو سورما۔ تاکہ۔ تاکہ میرے آدمی بھی دیکھ سکیں۔"

"تیری مرضی ٹھاکر!" میں نے کہا اور ہم باہر نکل آئے۔ تب ٹھاکر نے چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو پکارا اور ذرا سی دیر میں سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔

"سُنو بھائیو۔ ٹھاکر تمھارا سردار کیوں ہے؟" ٹھاکر نے پوچھا۔

"تو ہم میں سب سے بڑا ہے ٹھاکر! سب سے جیالا ہے، سب سے طاقتور ہے۔"

"اور اگر کوئی مجھے تمھارے سامنے پچھاڑ دے؟"

"تب پھر تُو نے جو رامائن اور بھگوت گیتا کی سوگند کھا کر وچن دیا ہے اس کی رُو سے تجھے سرداری چھوڑنی پڑے گی۔" لوگوں نے جواب دیا۔

"تب پھر مترو، سُنو تو، سادھو مہاراج کا کہنا ہے کہ وہ مجھے ہلاک کر دیں گے، وہ مجھے جنگ کر کے نیچا دکھائیں گے۔ تو میرے بھائیو، اگر مہاراج اپنی بات پوری کر دیں تو سُنو، انھیں اپنا سردار مان لینا۔ یہ میرا کہنا ہے۔"

"سادھو مہاراج تجھے جان سے مار دیں گے ٹھاکر!" ان میں سے کئی ہنس پڑے۔

"ان کا یہی کہنا ہے۔ ممکن ہے ان کے پاس ایسا کوئی گیان موجود ہو۔ آزمانے میں کیا حرج ہے بھائیو۔ مہاراج کا گیان بھی دیکھے لیتے ہیں۔ آؤ مہاراج۔" اس نے کہا اور دونوں ہاتھ سیدھے کر کے کھڑا ہو گیا۔

"کشتی لڑو گے ٹھاکر؟" میں نے پوچھا۔

"یہی ٹھیک ہے مہاراج ۔۔۔ ورنہ جب میرے ہاتھ میں تلوار آ جاتی ہے تو پھر میں سارے وچن بھول جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں تمھارے من میں کوئی آرزو نہ رہے۔"

"میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تلوار لے لے، یا پھر جیسے تیری مرضی۔ اگر تُو محسوس کرے کہ مجھے ہاتھوں سے مارنا ممکن نہیں ہے تو بیشک تلوار لے لینا۔"

"آؤ۔ آؤ مہاراج۔ ابھی تو تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی دل ہی دل میں مسکرا پڑا۔

"تو میرے لیے نیا انسان نہیں ہے۔ روئے زمین پر سب تھوڑے سے ردّ و بدل کے ساتھ یکساں ہوتے ہیں، سب ایک ہی انداز میں سوچتے ہیں، سب اپنی طاقت، اپنی عقل زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ سو ٹھاکر، تُو جو کچھ بھی ہے، ابھی اپنے منہ سے کہے گا، مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے، سو میں ڈھیلا بدن چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور ٹھاکر مجھے للکارنے لگا۔

"آؤ مہاراج! کیا ہوا۔۔۔ اپنے گیان کو آواز دو۔ ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آ جاؤ، موت تو آنی ہی ہے ایک دن۔ آج کیا، کل کیا۔"

"تو ہی آ جا ٹھاکر۔ ستون اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ میں تو ستون ہوں۔ ہلا سکتا ہے تو ہلا دیکھ۔" میں نے سکون سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ! آپ ستون ہیں مہاراج!" ٹھاکر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تو بھائیو، اس کا مطلب ہے میں ہنومان ہوں۔ یقین نہیں آتا تو دیکھو میں ابھی اس پہاڑ کو اٹھا کر لنکا میں پھینک آتا ہوں۔" ٹھاکر آگے بڑھا۔ پہلے وہ محتاط تھا کہ شاید اس کے قریب پہنچنے پر میں کوئی داؤ لگا دوں لیکن میں نے دونوں ہاتھ اور نیچے کر لیے تھے اور ٹھاکر نے جھک کر پھرتی سے میری کمر پکڑ لی اور پھر اس نے جے بجرنگ بلی کا نعرہ لگا کر زور لگایا اور لگاتار رہا۔ اگر وہ اس ستون میں ہلکی سی لہر بھی پیدا کر دیتا تو پھر خود کو ستون کہنا حماقت تھی۔

ٹھاکر سُرخ ہو گیا اور پھر سفید پڑ گیا۔ اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ چاروں طرف دیکھا، پھر زمین پر بیٹھ کر میرا ایک پاؤں اوپر اٹھایا، پھر دوسرا اٹھا کر دیکھا اور پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اور بنیاد بھی زمین کے اندر نہیں ہے۔" مجھے اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔ "ایک دفعہ اور کوشش کر لوں مہاراج!" اس نے کہا۔

"سو دفعہ ٹھاکر!" میں نے ہنس کر کہا۔

"نہیں۔ بس ایک دفعہ اور۔" ٹھاکر نے کہا اور اس بار وہ میری ٹانگوں میں گھُس گیا تھا لیکن نتیجہ وہی ہوا جو پہلے تھا۔ مجھے اپنی جگہ سے ہلانا آسان کام نہیں تھا۔ وہ زمین پر ہی بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک ہانپتا رہا، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کر کے بولا۔ "بھائیو! میں ہنومان نہیں ہوں۔ تم میں سے کوئی ہے تو کوشش کر لے۔"

"ایک نہیں ٹھاکر۔ ان میں سے دس بارہ سے کہو۔ ممکن ہے وہ کامیاب ہو جائیں۔"

"دس بارہ سے مہاراج؟"

"ہاں ہاں۔ میری طرف سے اجازت ہے۔" میں نے کہا۔

"آؤ۔ آؤ۔ ارے آؤ۔ دیکھو تو سہی۔ گیان کے روپ دیکھو۔" ٹھاکر نے بچوں کے سے انداز میں کہا اور پروفیسر، میرا کچھ ہنا بے کار ہے سوائے اس کے کہ وہ بھی ناکام رہے۔ انھوں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن ستون کبھی نہیں ہلتے۔ ہلتے ہیں تو گر جاتے ہیں۔ سب ہٹ گئے۔ تب ٹھاکر نے میرے پاؤں چھُوئے اور بولا۔

"کچھ بھی کہو مہاراج، میں اسے منش کی شکتی ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ ہاں اس سے پہلے میں نے گیان نہیں دیکھا تھا۔ ہم اسے گیان کی شکتی کہہ سکتے ہیں۔ بس تم نے مجھے گیان کا قائل کر دیا اور۔۔۔ مہاراج! آج سے میں سادھوؤں کی عزّت کروں گا، کبھی ان کے منہ نہیں آؤں گا۔"

"اب کیا ارادہ ہے ٹھاکر؟"

"میں وچن ہار گیا ہوں مہاراج! کوئی بھی شکتی ہو، تم نے مجھے شکست تو دے دی ہے۔ اب تم مالک ہو۔ ٹھاکر نیچ ذات نہیں ہے کہ وچن سے پھر جائے۔"

"اب اس گروہ کا سردار کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم ہو مہاراج! بھگوان کی سوگند تم ہو۔"

"تم لوگوں کا کیا خیال ہے دوستو؟" میں نے دوسرے لوگوں سے پوچھا۔

"تم مہان ہو مہاراج! تم ہمارے سردار ہو۔"

"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی۔ "اگر تم یہ بات مان گئے تو ٹھیک ہے مگر دوستو، سردار تو ٹھاکر ہی رہے گا۔ ہم سادھو لوگ ہیں۔ ہم یہ کام نہیں سنبھال سکتے۔ اب تم ہمارے جانے کا بندوبست کرو۔"

"کہاں جاؤ گے مہاراج۔ بھگوان کی سوگند ہم تمھاری سیوا کریں گے، ہم تمھیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ بس تم یہیں رہو۔"

"نہیں ٹھاکر! سادھوؤں کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ ہم تو گیان کے رستے پر چلتے رہتے ہیں، گیان کی تلاش میں۔ تم ہمارے لیے گھوڑے مہیا کر دو اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں۔ بس یہی تمھاری مہربانی ہوگی۔"

"جو آگیا مہاراج!" ٹھاکر تیار ہو گیا۔ سریندر کو بھی میرے پاس پہنچا دیا گیا اور اس کے بعد دو عمدہ قسم کے گھوڑے، جن پر سامان کے تھیلے لٹک رہے تھے۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل پڑے۔ سریندر کو چُپ لگ

گئی تھی! اس دوران اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

جب ہم وہاں سے کافی دُور نکل آئے تو سریندر نے گہری سانس لی۔ اس کا گھوڑا میرے گھوڑے کے بالکل برابر چل رہا تھا۔ "تقدیر ہی تھی مہاراج جو ہم نکل آئے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس میری تو سمجھ میں ہی نہیں آرہا، یہ سب کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا۔ ارے یہ سب کے سب ڈاکو تھے۔" سریندر نے انکشاف کیا اور میں نے بمشکل ہنسی روکی۔

"واقعی؟" میں نے مسخرانہ انداز میں کہا۔

"بھگوان کی سوگند مہاراج! بڑے ہی کٹھور ہوتے ہیں پاپی۔ منش کے جیون کی تو ان کی نگاہ میں کوئی قدر ہی نہیں ہوتی۔ نہ جانے انھوں نے ہمیں کیوں چھوڑ دیا۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ڈاکو ہیں؟"

"میں نے بات کی تھی مہاراج۔ بڑے ہی چالاک ہیں پاپی۔ پیاؤ کے پانی میں بے ہوشی کی دوا ملا رکھی ہے۔ ہے رام، لُوٹنے کے کیسے گُر نکالے ہیں انھوں نے۔ پرنہ جانے کیا ہوا، انھوں نے تو ہمیں گھوڑے بھی دے دیے اور ان تھیلوں میں نہ جانے کیا ہے۔ پرنت ابھی نہ دیکھو مہاراج۔ ان سے جتنی دُور نکل جائیں اچھا ہے۔"

"چلو پھر گھوڑوں کی رفتار تیز کر دو۔" میں نے کہا اور سریندر نے مجھ سے اتفاق کیا۔ گھوڑے تیز رفتاری سے چل پڑے۔ مجھے سریندر کی سادگی پر ہنسی آرہی تھی۔ اس بے چارے کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ گھوڑے سارا دن سفر کرتے رہے۔ پھر شام ہو گئی اور ہم نے ایک جگہ قیام کا فیصلہ کر لیا۔ سرسبز جگہ تھی۔

"کیا خیال ہے سریندر، یہ جگہ بہت اچھی ہے۔"

"ہاں مہاراج! ٹھیک ہے۔"

"تم کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو سریندر؟"

"ہاں مہاراج!"

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"ہم گیل بھول گئے ہیں مہاراج اور جنگلوں میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ نہ جانے ہم کدھر جا رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جنگلوں ہی میں مارے مارے پھرتے رہیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے سریندر؟"

"ارے تو کیا سارا جیون جنگلوں میں ہی بتا دیں گے؟" سریندر نے پریشانی سے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"میں انسان کے بارے میں سوچ رہا ہوں سریندر! مٹی کا رُخ مٹی کی طرف ہی ہوتا ہے۔ تم نے دُنیا چھوڑ دی ہے۔ تم خود کو تیاگی سمجھتے ہو، اپنے بھگوان سے لو لگانا چاہتے ہو، جیسا کہ تمھارا خیال ہے، جو کہ تمھاری سوچ ہے، وہ تو یہ بات نہیں کہتی کہ تم انسانوں میں رہو، بلکہ انسانوں کی بستی میں تو الجھنیں زیادہ ہوتی ہیں۔ انسانوں سے دُور رہ کر بھگوان سے لو لگانے میں

زیادہ لطف آتا ہے لیکن تم انسان ہو اور انسانوں سے دُور بھاگنے کی کوشش کے باوجود ان کا قرب چاہتے ہو۔ بہرحال یہ غیر فطری بات نہیں ہے۔"

سریندر سوچ میں ڈوب گیا۔ کافی دیر تک خاموش رہا۔ اس دوران وہ اپنے کاموں میں مشغول رہا۔ گھوڑوں کو اس نے ایک درخت سے باندھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر میرے پاس آگیا۔

"تم میرے لیے سنسار کے سب سے حیرت انگیز منش ہو مہاراج!"

"خوب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تمھارے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں مہاراج۔ جو کچھ تم کر چکے ہو، وہ معمولی کام نہیں ہے۔ نہ جانے تم نے اتنی بڑی جادوگری کے منتروں کو کس طرح توڑ دیا۔ میں نے تو یہ دیکھا ہے مہاراج، کہ جہاں تم ہوتے ہو، وہاں پر کوئی کچھ نہیں رہتا اور پھر تمھاری باتیں۔ تمھاری باتوں سے کیسا گیان جھلکتا ہے۔ بھگوان کی سوگند، تمھاری تو باتیں بھی من میں دیپ جلاتی اتر جاتی ہیں۔"

"تمھیں کیسے اندازہ ہوا سریندر کہ ہم آبادیوں سے دُور نکل آئے ہیں؟"

"کوئی بستی نہیں ملی مہاراج، حالانکہ بستیاں اتنی دُور دُور نہیں ہیں۔ جتنا راستہ ہم طے کر چکے ہیں اس میں تو بہت سی بستیاں ملنی چاہیے تھیں۔"

"اوہ! یہ بات ہے۔"

"ہاں مہاراج!" سریندر نے کہا۔

"ٹھیک ہے سریندر۔ ہم تو یاتری ہیں اور ضروری نہیں ہے کہ انسانوں کی تیار کی ہوئی مندروں کی عمارتوں کو ہی تلاش کریں اور ان میں بھگوان کو ڈھونڈیں۔ یہ جنگل، دریا، پہاڑ بھی تو تمھارے کہنے کے مطابق بھگوان ہی نے بنائے ہیں۔ ان میں سے ہر چیز کی یاترا بھگوان کی یاترا ہے۔"

"رادھے شیام۔ رادھے شیام!" سریندر عقیدت سے بولا۔

"انھیں دیکھو اور بھگوان کو یاد کرو۔"

"سچ کہا مہاراج۔ سچ کہا۔"

"اطمینان ہو گیا؟"

"ہاں اور یقین بھی!"

"یقین کیسا؟"

"یہی کہ تمھارے اندر کوئی مہان گیانی چھپا ہوا ہے۔ تم ظاہر کرو مہاراج یا نہ ظاہر کرو اور یہ سچ بھی ہے، گیانی خود کو چھپا کر رکھتے ہیں، سو تم بھی خود کو چھپائے ہوئے ہو۔ پرنت اب سریندر کو تمھارے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ اب وہ تمھاری سیوا کر کے گیان حاصل کرے گا۔"

"سیوا تو تم اب بھی کر رہے ہو سریندر!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں مہاراج! اب تو سریندر تمھارا داس ہے۔" سریندر نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ اب میں اس بے چارے کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ کچے ذہن کا مالک تھا، یا پھر اس کی ذہنی پہنچ ہی یہاں تک تھی اس لیے اسے بھی زندہ رہنے کے لیے سہارے کی ضرورت تھی۔ رہا میرا سوال، تو آبادیوں کی تلاش تو مجھے بھی تھی لیکن ضروری نہیں تھا کہ آبادیاں فوراً ہی مل جائیں۔ اس پورے علاقے کو دیکھنا بھی

دلچسپی سے خالی نہیں تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ مجھے یہاں کسی ایسے عالم کی تلاش تھی جو مجھے وہ پُراسرار علوم سکھا دے جسے جادو کہا جاتا ہے۔

سریندر نے تھیلے کھولے۔ ان میں بے شمار چیزیں تھیں! اس نے عمدہ خوراک تیار کی اور ہم دونوں نے پیٹ بھر لیا۔ گھوڑوں کے لیے بھی سریندر نے چارہ اکٹھا کر لیا۔ پانی بھی مل گیا، چنانچہ گھوڑوں کو کھلا پلا کر درخت سے باندھ دیا گیا اور ہم بھی آرام کرنے لیٹ گئے۔

دوسری صبح بے حد خوشگوار تھی۔ چڑیوں کی حسین چہچہاہٹ نے جگا دیا۔ سریندر بھی اٹھ گیا۔ صبح کا یہ حسین منظر ہم دونوں کو بے حد پسند آیا اور سریندر بھگوان کے گن گانے لگا۔ وہ ایک بھجن گا رہا تھا اور اس کے معصوم بول چڑیوں کی آوازسے ہم آہنگ ہو کر بہت پیارے لگ رہے تھے۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔

"بھوجن تیار کروں مہاراج؟"

"تمھاری مرضی۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ایسی پوتر صبح میں نے کبھی نہیں دیکھی مہاراج!" اس نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

"کبھی جنگل میں رات نہیں گذاری؟"

"گذاری ہے مہاراج! پرنت ایسا سواد کبھی نہیں آیا۔"

"محسوس نہ کیا ہو گا؟"

"یہ بات نہیں ہے مہاراج!"

"پھر؟"

"گیانیوں کا ساتھ بھی بڑی بات ہوتی ہے۔"

"اوہ! اچھا یہ بات ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ میں اب اس کی ان باتوں کی تردید مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اگر وہ دھوکے میں ہے تو مجھے کیا۔ میں اس کا دل کیوں توڑوں۔

روشنی اور پھیل گئی اور سریندر ناشتہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ پھر ہم دونوں نے ناشتہ کیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ یہ پورا دن بھی سفر میں گذر گیا اور مجھے سریندر کا خیال ہی درست محسوس ہونے لگا۔ ہم جنگلوں کے کسی طویل سلسلے میں نکل آئے تھے۔

لیکن علاقہ بہت حسین تھا۔ ہر جگہ سبزہ، پانی دستیاب تھا۔ جنگلی پھلوں کی بہتات تھی۔ میں نے اتنا خوبصورت علاقہ پہلے نہیں دیکھا تھا۔ بہت سے علاقے دیکھے تھے، وہ بھی کافی خوبصورت تھے لیکن ہندوستان کے یہ علاقے بہت نفیس تھے اور میں دلچسپی سے انھیں دیکھ رہا تھا۔

پھر تیسرے دن کا سفر بھی حسب معمول تھا۔ دن بھر کے سفر کے بعد جب ہم نے گھوڑے روکے تو شام کا جھٹپٹا ہو رہا تھا۔ قیام کے لیے ایک جگہ کا انتخاب کیا گیا لیکن گھوڑوں سے اُترے ہی تھے کہ کہیں دُور سے ایک آواز سُنائی دی۔ جنگل کے سناٹے میں یہ آواز صاف سُنائی دی تھی۔

سریندر چونک پڑا۔ وہ غور سے آواز سُننے لگا اور پھر اس کے چہرے پر خوشی کی لہریں نظر آئیں۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

"سُن رہے ہو مہاراج؟"

"کیسی آواز ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سنکھ بج رہے ہیں۔ ضرور ہم کسی آبادی کے قریب ہیں مہاراج!"

"اوہ!" میں نے گہری سانس لی۔ درحقیقت یہ آواز کانوں آشنا تھی، لیکن اس وقت سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سریندر کے کہنے سے مجھے یاد آگیا کہ یہ مندروں میں بجایا جاتا ہے! اس کا مطلب تھا کہ قریب ہی کوئی مندر موجود ہے اور اس کے ساتھ ہی میں نے سریندر کی آنکھوں میں خوشی کی چمک بھی دیکھی تھی۔

"اب کیا خیال ہے مہاراج؟ آواز زیادہ دُور سے نہیں آرہی۔" سریندر بولا۔

"آؤ۔" میں نے اس سے کہا اور ہم نے گھوڑوں کو آگے بڑھا دیا۔ سنکھ کی آواز ہماری راہبر تھی۔ سنکھ کی آواز ہواؤں کے دوش پر دُور تک چلی آئی تھی۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں روشنی نظر آئی۔ چراغ کسی اونچی جگہ پر جل رہا تھا۔۔۔ بہرحال تھوڑی کے بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے۔

کچی مٹی کی ایک اونچی لاٹ کھڑی ہوئی تھی جس کے اُوپری حصے میں چراغ روشن تھا۔ چاروں طرف سرمئی مٹی کا احاطہ تھا اور اس کا دروازہ لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ میں اور سریندر کھلے دروازے کے پاس پہنچے، پھر اندر داخل ہو گئے۔ اندر سفید دھوتیوں میں ملبوس گٹھے سروالے لوگ موجود تھے۔ جگہ جگہ کچی مٹی کے بنے ہوئے عجیب الخلقت بُت ایستادہ تھے اور پجاری ان کے سامنے دوزانو تھے۔

لیکن تاریکی اتنی گہری نہیں تھی کہ ہم ان کی شکلیں نہ دیکھ سکتے۔ ان کے چہرے ہندوستان کے دوسرے باشندوں سے کسی قدر مختلف تھے، چپٹی چپٹی ناکیں اور کسی حد تک چھوٹی آنکھیں۔ چہرے زیادہ سفید نہیں تھے بلکہ ان پر کسی حد تک زردی کھنڈی ہوئی تھی۔

ابھی تک ہماری طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ سنکھ اب بھی بج رہا تھا، گھنٹوں کی آوازیں بھی ابھر رہی تھیں۔ پھر کافی دیر کے بعد پوجا ختم ہوئی اور چند لوگ مٹھائی اور پھلوں کے تھال لیے لوگوں کے درمیان گھومنے لگے۔ شاید ابھی تک انھوں نے ہماری شکلیں نہیں دیکھی تھیں اور ہمیں اپنوں میں ہی سمجھ رہے تھے لیکن تھالوں کی مٹھائی بانٹتے ہوئے وہ ہمارے پاس پہنچے تو پھر ہماری شکلیں دیکھ کر چونک پڑے۔

ان میں سے ایک نے ہم سے کچھ کہا لیکن ابتدا میں اس کے الفاظ نہ میں سمجھ سکا اور نہ سریندر۔ سریندر میری شکل دیکھنے لگا۔

"کیا کہہ رہے ہیں یہ سریندر؟"

"میں نہیں سمجھ سکا مہاراج!"

"یہ علاقہ دوسرا معلوم ہوتا ہے؟"

"ہیں تو یہ ہندو دھرم سے ہی مہاراج، مگر ان کی تو صورتیں بھی ہم سے الگ ہیں اور ان کی بھاشا ہماری سمجھ میں تو نہیں آرہی۔"

اس دوران وہ لوگ ہم سے بہت سے سوالات کر چکے تھے اور ہماری طرف سے جواب نہ پا کر آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے اپنی انسانی [illegible] کو آواز دی اور ان پر غور کرنے لگا۔ صدیوں کی [illegible] ہوئی قوت [illegible] استعمال

کرنے سے مجھے ان کی گفتگو سمجھنے میں آسانی ہوگئی اور میں ان کی گفتگو پر غور کرنے لگا۔

وہ کہہ رہے تھے "صورت سے گیانی معلوم ہوتے ہیں۔"

"پھر یہ ہماری باتیں کیوں نہیں سمجھ رہے ہے؟"

"یہ اُتر کے باشندے معلوم ہوتے ہیں۔ وہاں دوسری زبان بولی جاتی ہے۔ صورتیں بھی ہم سے الگ ہیں۔"

"پر اب کیا کیا جائے؟"

"ارے کیا کیا جائے، ان کے ٹھہرنے کا بندوبست کرو۔ مہمان تو بھگوان کا اوتار ہوتا ہے۔ ہم ان کی سیوا کریں گے۔"

"ٹھیک ہے مگر ہم ان سے باتیں کیسے کریں؟"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور پھر وہ میرے سامنے آگیا! اس نے اشاروں میں نیازمندی کا اظہار کیا اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خوشی کے بارے میں بتانے لگا۔ درمیان میں وہ الفاظ کا سہارا بھی لے رہا تھا لیکن غیراختیاری طور پر میں البتہ اس کے الفاظ بخوبی سمجھ رہا تھا۔

جب وہ اپنا مافی الضمیر بتا چکا تو میں نے سکون سے کہا "تمھارا شکریہ دوستو! تمھاری بستی کا نام کیا ہے؟"

"سوالا!" اس نے جھونک میں کہا اور پھر چونک پڑا۔

"ارے! تم ہماری زبان بول سکتے ہو؟"

"ہاں! میں بول سکتا، میرا ساتھی نہیں۔"

"پھر اب تک کیوں نہیں بولے تھے؟"

"بس تمھاری سُن رہا تھا۔"

"تم کہاں سے آئے ہو مہاراج؟"

"کسی ایک جگہ کا نام نہیں لے سکتے۔ ہم تو پہاڑوں اور جنگلوں میں بھٹکنے والے سادھو ہیں۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"ہم تمھارے آنے سے بہت خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم کچھ روز ہمارے ساتھ رہو۔"

"ایک بار پھر تمھارا شکریہ۔ ہمیں تمھارے ساتھ رہنا منظور ہے۔" میں نے کہا۔ دوسرے سارے لوگوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

اور پھر ان لوگوں نے ہماری خاطر مدارات میں کمی نہ اٹھا رکھی ۔ وہ کچے مکانات بنا کر رہنے کے عادی تھے۔ سادہ سادہ سے مکانات تھے ۔ ایسے ہی ایک مکان میں ہم نے قیام کیا، جہاں ہمارے لیے ساری سہولتیں مہیا کردی گئی تھیں۔ بہت دن کے بعد ایک آرام دہ رات گذاری۔ سرینڈر کو اس بات پر بھی شدید حیرت ہوئی تھی کہ میں ان کی زبان جانتا ہوں لیکن بہرحال اب وہ میرے بہت بڑے گیانی ہونے پر یقین کرچکا تھا اس لیے اس نے خود کو مطمئن کرلیا تھا۔

دوسری صبح آنکھوں میں روشنی آگئی۔ ہمارے لیے دودھ پھل اور ایک خاص قسم کا پکا ہوا کھانا لیکر جو لڑکی آئی وہ بہت خوبصورت تھی۔ خدوخال تو اس کے بھی دوسرے لوگوں کی مانند تھے لیکن چہرے کی حلاوت جان لیوا تھی۔ آنکھیں چھوٹی لیکن بہت پُرکشش تھیں۔

میں نے سرینڈر کو ٹھوکا دیا اور وہ اچھل پڑا۔

"کک ۔ کیا ہوا مہاراج؟" وہ جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

"لڑکی!" میں نے کہا۔

"ہے رام ۔ یہ ۔ یہ کیا ہے، کیسی ہے ۔ مم ۔ میں نہیں سمجھا مہاراج؟"

"بیٹھ جا بیل ۔ گدھا کہیں کا۔" میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور وہ گر پڑا۔ بُری طرح نروس ہوگیا تھا بے وقوف کہیں کا۔

لڑکی تھال اٹھائے میرے پاس پہنچ گئی اور اپنی زبان میں بولی ۔

"بھوجن لائے ہیں مہاراج!"

"آؤ۔" میں نے کہا اور وہ قریب آگئی۔ پھر اس نے تھال رکھ دیا۔

"کیا نام ہے تمھارا؟"

"لاکھی!" اس نے جواب دیا۔

"بڑا خوبصورت نام ہے۔ تمھارے چہرے کی طرح۔ تمھارے پتی کا کیا نام ہے؟"

"بیاہ نہیں ہوا ابھی ہمارا۔" اس نے شرما کر جواب دیا۔

"اوہ! کب ہوگا؟"

"کیا معلوم؟ کاکا کو معلوم ہوگا۔"

"تمھارے کاکا کا کیا نام ہے؟"

"بچن!"

"یہ بھوجن کس نے بھیجا ہے؟"

"کاکا نے!"

"اور کیا کہا ہے؟"

"کہا ہے تمھاری سیوا کریں۔" لڑکی نے جواب دیا اور میرے دل میں عجیب سی گڑبڑ ہونے لگی۔ کیا وہ میری ہر قسم کی سیوا کرسکتی ہے، حالانکہ سوچنے کا یہ انداز ٹھیک نہیں تھا پروفیسر۔ وہ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کررہے تھے۔ ان محسنوں کو دھوکا دینا بُری بات تھی لیکن نہ جانے اسے دیکھ کر کیوں ذہن پر سرور سا طاری ہوگیا تھا۔ بہت دنوں سے عورت سے دور تھا اور پھر عورت بھی جو سامنے آئی تھی وہ ایسی دلکش تھی کہ دل بے اختیار مچل گیا تھا۔

"تو کیا تم یہاں رہو گی؟ میرے پاس؟"

"تم کہو تو رہیں گے۔"

"ہوں۔" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ہم دونوں نے ناشتہ کیا اور وہ تھال اٹھا کر جانے لگی "لاکھی!" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں!" وہ رُک گئی۔

"اب کب آئے گی؟"

"سورج چڑھے۔ دوپہر کا بھوجن لیکر۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلادی اور پھر سرینڈر کی طرف دیکھنے لگا۔ "کیا حال ہیں سرینڈر ناتھ جی؟"

"ٹھیک ہوں مہاراج!"

"یار تجھے عورت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟"

"نہیں مہاراج! سچ مانو تو میں عورت سے ڈرنے لگا ہوں۔"

"اوہو ۔ کیوں؟"

"بس اسے منورما کے روپ میں دیکھ کر۔"

"اوہ ۔ بے وقوف آدمی ۔ ہر عورت منورما تو نہیں ہوتی۔"

"پھر تم سچ مانو مہاراج، مجھے ہر عورت کو دیکھ کر منورما یاد آجاتی ہے۔"

"گویا تم شادی ہی نہیں کروگے؟"

"کروں گا تو بے کار ہوگی۔"

"کیوں؟"

"میں اس کا پتی ہی نہیں بن سکتا۔ عورت کو دُور سے دیکھ کر ہی میرا من کانپنے لگتا ہے۔ جب وہ میرے قریب آئے گی تو میں کسی قابل ہی نہیں رہوں گا۔"

"احمق ہے پورا۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور سرینڈر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"یہ لڑکی کیا کہہ رہی تھی مہاراج؟"

"کہہ رہی تھی تمھارا ساتھی بہت خوبصورت ہے۔ میں اس سے پریم [illegible]وں گی۔"

"نہیں مہاراج ۔ ہم سے کہیں زیادہ سُندر آپ ہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ رہی تھی۔"

"پھر تمھارے خیال میں کیا کہہ رہی ہوگی؟"

"ضرور وہ آپ سے پریم کرنے لگی ہے۔"

"تمھارا کیا خیال ہے سرینڈر، لڑکی کیسی ہے؟"

"بہت سُندر ہے مہاراج ۔ پرنتو ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کیا؟"

"آپ اتنے بڑے گیانی ہوکر استری جال میں کیوں پھنس جاتے ہیں؟"

"تم بھی مجھے ایک بات بتاؤ سرینڈر، یہ اتنے بڑے بڑے گیانی کیا خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں۔ انھیں بھی تو کوئی عورت ہی جنم دیتی ہے اس کا مطلب ہے کہ عورت بُری چیز نہیں ہے۔"

"بُری چیز تو نہیں ہے مہاراج مگر...."

"ہاں ۔ مگر کیا؟"

"گیان حاصل کرنے کے لیے برہمچاری ہونا ضروری ہے۔"

"میں تو نہیں ہوں۔"

"ہاں ۔ آپ پہلے سادھو ہیں مہاراج، جسے میں نے استری کے قریب دیکھا ہے۔"

"ابھی تو بہت کچھ دیکھو گے سرینڈر!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مگر مہاراج، ایک بات ہے۔ یہ کنیا کنواری معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ ناراض ہوگئے تو؟"

"دیکھا جائے گا سرینڈر! میں نے کبھی ان باتوں کی پرواہ نہیں کی ہے۔" میں نے کہا اور سرینڈر کافی دیر تک الجھن میں گرفتار رہا! اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

مختصر یہ کہ لاکھی دوپہر کو آئی۔ پھر شام کو بھی وہ آئی۔ شام ڈھلے ہم مندر میں پوجا کرنے بھی گئے اور مندر میں بھی ہماری کافی آؤ بھگت ہوئی۔ پہلے روز لاکھی سے بس بے تکلف ہونے کی کوشش جاری رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے انداز میں کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی ہے! اس کی آنکھوں میں بھی روشنی پیدا ہوگئی ہے اور دوسری صبح میں نے پہلا قدم اٹھالیا۔ لاکھی صبح کا بھوجن لائی تو میں نے باہر احاطے میں ہی اس کا استقبال کیا۔ جونہی اس نے تھال رکھا میں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے .... لاکھی کی حالت غیر ہوگئی! اس کا تنفس تیز ہوگیا، آنکھیں سُرخ ہوگئیں اور چہرے سے تپش اٹھنے لگی۔

"مہاراج! مہاراج! یہ تم نے کیا کردیا ہمیں ۔ ہمارا تو سارا بدن ٹوٹنے لگا ۔ ہمارا تو ۔ نہ جانے کیا ہوگیا ہمیں۔"

"سمجھنا چاہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے معصومیت سے گردن ہلادی۔

"تب پھر ۔ رات کو جب میرے لیے بھوجن لائے تو دیر سے جانا ــــ یاد دوبارہ آجانا ــــ مگر سُن، تجھے میری یہ حرکت بہت اچھی لگی ہے؟"

"ہاں مہاراج ۔ بس پورے بدن میں اینٹھن ہوگئی ہے۔ نہ جانے کیوں۔" اس نے کہا۔ اسی وقت اندر سے سرینڈر باہر نکل آیا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا، پھر اتنی بدحواسی سے پلٹا کہ بڑی زور سے بند دروازے سے ٹکرایا اور پھر سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔

"جا لاکھی! رات کا وچن یاد رکھنا۔" میں نے اس سے کہا اور وہ لڑکھڑاتے قدموں واپس چلی گئی "کیا ہوگیا سرینڈر مہاراج ۔ کیا تم زندہ ہو؟"

"مر گیا مہاراج ۔ بڑی زور سے لگی ہے۔"

"عورت کا اپمان کروگے تو ایسا ہی ہوگا، چلو بھوجن کرلو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور ہم دونوں نے ناشتہ کیا اور پھر گھومنے نکل آئے۔ ایک طرف سے پہاڑ اور تین سمت میں سبزہ زاروں سے گھری ہوئی اس بستی کی آبادی بہت مختصر تھی۔ ساٹھ ستر سے زیادہ مکانات نہیں تھے۔ سیدھے سادے لوگ کھیتی باڑی کرتے

تھے اور اپنے مسائل آپ حل کرتے تھے کیونکہ دُور دُور تک کوئی اور آبادی نہیں تھی۔ نہ جانے یہ اس دُور دراز خطے میں کیوں آ بسے تھے اور دنیا سے الگ تھلگ زندگی گذار رہے تھے۔ ہندو دھرم کے پیرو تھے اور شاید سختی سے دھرم کی پابندی کی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر میں ہم نے ساری بستی گھوم لی اور واپس آ گئے۔

"کب تک یہاں رہو گے مہاراج؟" سریندر نے پوچھا۔

"جب تک دل نہ بھر جائے۔" میں نے جواب دیا۔

"کب تک دل بھر جائے گا مہاراج؟"

"کیوں؟ تم یہاں اکتاہٹ محسوس کر رہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ارے نہیں مہاراج۔ ہماری کیا ہے، کہیں بھی جیون بتا سکتے ہیں بس اگر کوئی مہان یاترا ہوتی تو من خوب لگتا تمھارے ساتھ۔" سریندر نے جواب دیا۔

"پھر وہی بات سریندر۔ میں کہتا ہوں گیان میں دھیان لگایا ہے تو اس کے لیے جگہ کی کوئی قید نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مہاراج، پرنتو ——"

"یا پھر ممکن ہے تمھارا دل میری طرف سے ہٹ گیا ہو؟"

"ایسا کیوں سوچتے ہیں مہاراج۔" سریندر جلدی سے بولا۔

"کوئی بُری بات نہیں ہے سریندر۔ تمھارے دھرم میں گیانی بہت پوتر ہوتا ہے۔ اسے سنسار کا کوئی لوبھ نہیں ہوتا لیکن میرے ساتھ یہ بات نہیں ہے۔ میں نے تمھیں پہلے بھی دھوکے میں نہیں رکھا سریندر، میں تمھارے ان گیانیوں میں سے نہیں۔ میرا تو دھرم بھی وہ نہیں ہے جو تمھارا ہے۔ اگر تم مجھ سے گیان لینا چاہتے ہو تو یہ تمھاری بھول ہے۔ اب بھی میری بات مانو تو اپنے لیے ٹھیک راستے کا انتخاب کر لو۔"

"آپ۔ آپ ناراض ہو گئے مہاراج؟" سریندر افسردگی سے بولا۔

"نہیں میرے دوست۔ یقین کرو، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تو تمھیں حقیقت بتائی ہے۔ اگر تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے تو میں تمھیں قصوروار نہیں ٹھہراؤں گا کیونکہ میرا اور تمھارا مسلک الگ الگ ہے۔"

"کچھ بھی ہو مہاراج، اب میں آپ کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔"

"تب پھر —— میرے معاملات میں دخل نہیں دو گے سریندر۔ جو کچھ ہو، اسے دیکھو۔ یا آنکھیں بند کر لو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں وچن دیتا ہوں مہاراج، آئندہ ایسا ہی ہو گا۔" سریندر نے کہا اور میں اس احمق انسان کے احمقانہ خلوص پر ہنسنے لگا۔ گیان کی تلاش میں بھٹکتا ہوا ایک غلط راستے پر آ لگا تھا۔ بھلا میرے ساتھ اسے کیا ملتا سوائے غلط باتوں کے، جن کا دھرم سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

دوپہر کو لاکھی پھر آئی۔ اس میں نمایاں تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ خود کو سجانے کے لیے اس نے ہلکے سے زیور اور آرائش کی دوسری چیزیں استعمال کی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک نظر آ رہی تھی۔

"ارے لاکھی! کیا بات ہے۔ تو تو بڑی خوش ہے؟" میں نے کہا۔

"کیا میں سچ مچ خوش ہوں مہاراج؟"

"ہاں۔ تیرا تو روپ ہی بدل گیا ہے۔"

"سب یہی کہہ رہے ہیں۔ جو دیکھ رہا ہے یہی کہہ رہا ہے۔ اب میں کسی کو کیا بتاؤں کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ لکشو مردار تو پیچھے ہی پڑ گئی۔"

"لکشو کون ہے؟"

"میری سکھی ہے، پر میں نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا۔"

"ہاں لاکھی۔ ان باتوں کو من میں چھپائے رکھنا چاہیے۔ کسی کو کچھ بتانا ٹھیک نہیں ہوتا۔" میں نے کہا۔

"تو میں کوئی پاگل تھوڑی ہوں جو کسی کو کچھ بتا دوں گی۔ اب میں جاؤں؟"

"ہاں۔ رات کو آئے گی نا؟"

"ہائے رام۔ رات ابھی کیوں نہیں ہو جاتی!" لاکھی نے حسرت سے کہا اور میں نے اس کے گال پر پیار سے تھپکی دی۔

"اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی لاکھی۔ بس اب جا۔ رات کو میں تیرا انتظار کروں گا۔" اور وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے ایک گہری سانس لی اور سریندر کی طرف چل پڑا۔ مجھے بھی رات کا انتظار تھا۔ اس کے ساتھ ہی میرے بدن میں خوشگوار لہریں دوڑ رہی تھیں۔

پھر رات ہو گئی۔ آسمان ابر آلود تھا۔ نہ جانے کیوں یہ رات کافی سنسان سی تھی۔ ابھی تک رات کا کھانا نہیں آیا تھا۔ شاید لاکھی نے جان بوجھ کر دیر کی تھی تاکہ پھر آرام سے میرے ساتھ رہ سکے۔ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر ہو گئی۔ سریندر بھی کھانے کے انتظار میں تھا۔

"کیا بات ہے مہاراج، لاکھی نہیں آئی؟"

"آج وہ آئے گی تو —— پھر صبح کو جائے گی۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ کہہ گئی ہے کیا؟"

"ہاں!"

"ٹھیک ہے۔" سریندر نے ایک گہری سانس لی۔

"کیوں کیا سوچنے لگے سریندر؟"

"کچھ نہیں مہاراج۔ آج میں سوچ رہا تھا کہ رات کے بھوجن کے بعد باہر کی سیر کو نکلوں گا۔ رات کو چندرما کے نیچے سیر کیے ہوئے کئی دن گذر گئے۔"

"ہاں۔ ہاں ضرور۔ تم ایک اچھے دوست، اچھے ساتھی ہو۔" میں نے سریندر کی بوکھلاہٹ بھانپتے ہوئے کہا اور سریندر بغلیں جھانکنے لگا۔ اسی وقت باہر قدموں کی چاپ سُنائی دی اور پھر کسی نے دروازہ کھولا۔ لاکھی کھانا لیکر آ گئی تھی۔ اب وہ بے دھڑک اندر آ جاتی تھی لیکن اس وقت شرما رہی تھی شاید۔

"اندر آ جاؤ لاکھی۔" میں نے کہا اور وہ اندر آ گئی لیکن یہ لاکھی نہیں تھی۔

میں چونک پڑا۔ "کون ہو تم؟ لاکھی کہاں گئی؟" میں نے پوچھا۔

"ہم سنتی ہیں مہاراج! کھانا لائے ہیں۔" لڑکی کی سہمی آواز سُنائی دی۔

"لاکھی کہاں گئی؟"

"مر گئی مہاراج!" اس نے سسکی سی لی اور میں اچھل پڑا۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ سریندر مجھے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا اسے۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟" میں نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"لاکھی مر گئی سرکار۔" سنتی نے جواب دیا۔

"کیسے؟ کس نے مارا اسے؟" اچانک میرے بدن کے بال کھڑے ہو گئے۔

"چڑیل نے۔" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہم سے نہ پوچھو مہاراج۔ ہمیں جاتے ہوئے ڈر لگے گا۔" سنتی نے جواب دیا۔

"کیا تو نے سچ کہا ہے سنتی؟ کیا لاکھی سچ مچ مر گئی ہے؟"

"ہاں مہاراج!" اس نے جواب دیا۔

"تب پھر کھانا رکھ دے، میرے ساتھ چل، مجھے لاکھی کے گھر لے چل۔" میں نے کہا اور پھر سریندر کی طرف رُخ کر کے بولا۔ "سریندر! تم کھانا کھاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا۔"

"معاملہ کیا ہے مہاراج، مجھے بھی تو بتائیں؟"

"واپس آ کر بتاؤں گا۔" میں نے کہا اور سنتی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باہر رات تاریک تھی میں سنتی کے ساتھ چل پڑا۔ "ایک بات بتا سنتی لیکن بالکل سچ؟"

"جی مہاراج؟"

"لاکھی کو اس کے باپ یا بھائی نے قتل کیا ہے یا اس کے کسی اور عزیز نے؟"

"ارے۔ وہ اسے کیوں مارتے مہاراج۔ اسے تو۔ اسے تو ——"

"ہاں ہاں بول۔"

"ہم بتا چکے ہیں مہاراج۔ ہائے رام ہمارا بدن کیسے کانپ رہا ہے۔"

"اسے کس نے مارا ہے سنتی؟"

"چڑیل نے۔ سب یہی کہہ رہے ہیں۔" سنتی نے کہا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میرا خیال تھا معصوم لاکھی نے کسی کو اپنا راز دار بنا لیا، بات کھل گئی اور کسی غیرت مند نے اسے ہلاک کر دیا۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو۔ تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ میں نے غصے سے سوچا۔

اور پھر ہم لاکھی کے کچے مکان پر پہنچ گئے۔ مکان میں سناٹا تھا۔ عجیب منحوس سا ماحول تھا۔ گھر میں داخل ہوا تو بہت سے لوگ نظر آئے۔ خاموش، سہمے سہمے۔ میں نے ایک ایک کی شکل دیکھی۔ کسی کے چہرے پر ایسے تاثرات نہیں نظر آئے جو میرے لیے بُرے ہوتے۔

"لاکھی کا باپ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا اور کسی نے لاکھی کے باپ کو آواز دی۔ وہ میرے پاس پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

"مر گئی۔ ہماری لاکھی مر گئی مہاراج! چڑیل نے اس کی گردن دبا دی۔"

"کیسی چڑیل؟ کہاں سے آئی تھی؟" میں نے غرا کر پوچھا۔

"میری آنکھوں دیکھی بات ہے۔ تمھارے لیے بھوجن پروس رہی تھی۔ بڑی خوش تھی آج۔ صبح ہی سے بات بات پر ہنس رہی تھی، نہ جانے کیوں —— نہ جانے کیوں۔ پھر اس نے تھال رکھا اور اسی وقت، ہائے بھگوان۔ میں نے فوراً دیکھا۔ کالی بھجنگ، لال آنکھیں، زبان باہر نکلی ہوئی اور لمبے لمبے ہاتھ —— اس نے میری لاکھی کی گردن پکڑ لی اور پھر لاکھی کی چیخ سُنائی دی۔ ہائے رام۔ میں تو کچھ بھی نہ کر سکا اس کے لیے۔ بس وہ مر گئی۔ اس کی ماتا بھی اسے نہ بچا سکی۔ ہائے میری لاکھی مر گئی۔"

"اس کی ارتھی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ارتھی بن گئی ہے۔ صبح کو شمشان لے جائیں گے۔"

"مجھے دکھاؤ۔" میں نے کہا اور لاکھی کا باپ مجھے اس کی ارتھی کے پاس لے گیا۔ تب میں نے رنج و افسوس کے ساتھ حسین لاکھی کو دیکھا۔ لگتا تھا سو گئی ہے۔ چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ میں جھک گیا اور پھر میں نے اس کی گردن دیکھی، نہایت بیدردی سے دبائی گئی تھی، کسی بہت طاقتور ہاتھ کے شکنجے نے اسے بھینچا تھا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ میں کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تھی۔

میں گہری سانس لیکر پلٹ گیا اور پھر میں وہاں نہیں رُکا۔ لاکھی کے گھر والوں کے چہرے میں نے بغور دیکھے تھے۔ اگر میرے معاملے میں لاکھی کو قتل کیا گیا ہوتا تو یقیناً ان میں سے کسی کے چہرے پر میرے لیے بھی نفرت ہوتی لیکن ایسی کوئی بات نہیں نظر آئی تھی اور پھر اگر ایسی بات ہوتی تو دوبارہ کسی لڑکی کو میرے پاس نہیں بھیجا جاتا۔ تب پھر —— اسی ادھیڑ بن میں، میں واپس اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔

سریندر بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا! اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ "ارے سریندر! تم نے بھوجن نہیں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"من ہی نہیں چاہا مہاراج۔ تم کسی پریشانی میں گئے تھے تم نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں اور میں ان پاپیوں کی زبان نہیں سمجھتا۔" سریندر نے کہا۔

"ایک افسوسناک واقعہ ہو گیا ہے سریندر!" میں نے کہا۔

"ہوا کیا مہاراج؟"

"لاکھی مر گئی!"

"ہیں۔ لاکھی۔ پر کیسے مہاراج؟"

"کسی نے اس کی گردن دبا دی۔"

"گگ۔ گردن دبا دی۔ ہرے رام۔ مگر کس نے؟ کیا لوگوں کو پتہ چل گیا؟"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا سریندر، مگر یہ بات نہیں ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ کسی چڑیل نے اس کی گردن دبا دی۔ اس کا باپ کہتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے چڑیل کو دیکھا تھا۔"

"چچ۔ چڑیل۔ ہرے رام۔ ہرے شنکر۔ ہرے رام۔ ضرور دبا یا ہو گا مہاراج۔ ہے بھگوان، وہی ہوا جس کا خیال تھا۔ ہرے رام۔ ہرے رام۔" سریندر کانپنے لگا۔

"کیا بکواس ہے!" میں نے سریندر کو گھورا۔

”وہ ہمارا پیچھا کر رہی ہے مہاراج۔ ضرور یہ اسی کا کام ہے۔ تم مانو یا نہ مانو مہاراج، منوتما ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ ہمیں اکیلا پا کر ضرور وار کرے گی۔“

اور میں گم سم رہ گیا۔ سریندر کا دماغ خوب پہنچا تھا۔ ممکن ہے وہ درحقیقت منوتما ہی ہو اور میں خاموشی سے سریندر کی شکل دیکھتا رہا۔

”یہ ممکن ہے سریندر ۔ اس نے جلن میں لاکھی کو ختم کر دیا ہوگا۔“

”یہی بات ہے مہاراج ۔ بالکل یہی بات ہے ——— مگر یہ تو اچھی بات نہیں ہے مہاراج ۔ اب تو ہمارا جیون سخت خطرے میں ہے ۔ وہ ۔ وہ ضرور ہمیں مار دے گی ۔ ایک دن وہ ہمیں بھی ختم کر دے گی۔“ سریندر کی آواز خوف و دہشت سے لرز رہی تھی۔

”اوہ بکواس مت کرو۔ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ چلو آؤ۔ کھانا کھاؤ۔“ میں نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا اور تھال سامنے رکھ لیا۔

”تم کھاؤ مہاراج۔ میں نہیں کھا سکوں گا۔ مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔“ سریندر نے کہا۔

”جہنم میں جاؤ۔“ مجھے اس کی بزدلی پر غصہ آ گیا۔ میں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ اگر سریندر نے اب کوئی حماقت کی بات کی تو اسے اچھی طرح ڈانٹ دوں گا۔ میرے ذہن میں شدید جھنجھلاہٹ تھی۔ منوتما نے مجھے دوسری بار زبردست چوٹ دی تھی۔ اس نے میری دوسری محبوبہ کو قتل کر دیا تھا۔ کاش وہ کسی طرح میرے ہاتھ لگ جاتی! ایسی ایسی اذیتیں دے کر مارتا کہ یاد رکھتی، لیکن یہ سب کچھ تو میری عقل سے بھی باہر کی بات تھی۔ میں اسے کہیں بھی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔

سریندر کی خوش بختی تھی کہ اس نے اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کی اور پھر کھانے کے بعد میں نے ہی اسے مخاطب کیا۔ ”مجھے خطرہ ہے کہ تم خوف سے مر ہی نہ جاؤ۔“

”یہ بات نہیں ہے مہاراج، مجھے بھی اس بے چاری کے مرنے کا افسوس ہے۔“

”کیا منوتما میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ زندہ انسانوں کو قتل کرتی پھرے؟“

”گندی مٹی ہے مہاراج۔ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اس کے ساتھ گندی روحیں ہوں گی۔ تم۔ تم وشواش کرو مہاراج۔ وہ ہم دونوں کو بھی آسانی سے مار سکتی ہے اور پھر۔ اور پھر۔“

”ایک بات بتاؤ سریندر۔“ میں نے حلیمی سے کہا۔

”جی مہاراج!“

”اسے اب کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے؟“

”بس گیان سے مہاراج! اس کے لیے کسی بڑے گیانی سے ملنا ضروری ہے۔ تم کسی بڑے گیانی کو تلاش کرو اور اس سے کہو کہ وہ اس کو بھسم کر دے، دوسری کوئی ترکیب نہیں ہے۔“

”اوہ! گیانی کہاں ملے گا؟“ میں نے غرا کر کہا۔

”اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا مہاراج۔“ سریندر نے کہا اور میں جھنجھلائے ہوئے انداز میں خاموش ہو گیا۔ سریندر منہ لپیٹ کر لیٹ گیا۔ پھر میں نے اسے مخاطب نہیں کیا۔ میں بھی آرام کرنے لیٹ گیا تھا اور پھر بے چاری لاکھی کی موت پر افسوس کرتے کرتے میں سو گیا۔

دوسری صبح آنکھ جلد ہی کھل گئی۔ طبیعت پر گرانی سی تھی۔ میں نے سریندر کی طرف دیکھا لیکن سریندر موجود نہیں تھا۔ شاید وہ بھی رات بھر سو نہیں سکا تھا اور صبح ہی صبح باہر نکل گیا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک کاہلوں کے سے انداز میں لیٹا رہا۔ پھر اٹھ گیا اور باہر نکل گیا۔

سریندر نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ جانے میرے ذہن میں کیا خیال آیا کہ میں باہر نکل آیا اور پھر میں نے ایک گہری سانس لی۔ ایک گھوڑا غائب تھا۔ پہلا خیال جو میرے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ سریندر مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کی وجہ بھی منوتما کا خیال ہی تھا۔ سریندر عام حالات میں شاید میرا ساتھ نہ چھوڑتا لیکن، منوتما کے خوف نے اسے میرا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ اب منوتما کی توجہ میری طرف ہی ہے اور وہ میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ وہ خود بھی مارا جائے گا اور بہرحال زندگی احمقانہ عقیدت سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ میرے خیال میں سریندر نے مناسب فیصلہ کیا تھا۔ مجھے اس کے فیصلے سے کوئی دکھ نہیں ہوا۔ وہ میرے لیے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ ایک طرح سے ایک فضول ساتھی تھا۔ بے مصرف، غیر دلچسپ۔ اس کے ساتھ ہونے سے مجھے کوئی خاص خوشی نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اب ۔ اب میں کیا کروں ۔ میں نے سوچا اور پھر دیر تک سوچتا رہا۔ یوں تو ہمیشہ بدلے ہوئے ادوار کے بدلے ہوئے انداز میں نے دیکھے تھے، ان ادوار میں میری مختلف حیثیتیں رہی تھیں لیکن کبھی اس طرح بے بسی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے تھوڑی سی جد و جہد سے ہر طاقت کو کچل دیا تھا لیکن یہ کم بخت منوتما ابھی تک میرے بس میں نہیں آئی تھی۔ اگر اسے ختم نہ کیا گیا تو خاصی غیر دلچسپی پیدا ہو جائے گی اور اس کے لیے ۔ اس کے لیے ان کا علم سیکھنا ضروری ہے۔ کچھ بھی ہو، کیسے بھی ہو ۔

اور پھر میں اس بستی سے بیزار ہو گیا۔ بس اب یہاں مزید رکنا حماقت ہے۔ چلنا چاہیے۔ یہاں سے چلنا چاہیے اور یہ خیال اس شدت سے میرے سر پر سوار ہو گیا کہ میں نے اسی وقت وہاں سے چل پڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ بستی کے لوگ شاید لاکھی کی ارتھی شمشان لیجا چکے تھے، اسی لیے دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے گھوڑا سنبھالا اور اس کی پشت پر سوار ہو کر چل پڑا۔

اکا دکا عورتیں نظر آئی تھیں لیکن ان میں سے کسی نے مجھ سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں کی اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس چھوٹی سی بستی سے کافی دور نکل آیا۔ بس رخ کا تعین تو کیا نہیں تھا، جدھر منہ اٹھا تھا چل پڑا تھا۔ گھوڑا سبک روی سے سفر کر رہا تھا۔

دوپہر تک کافی دور نکل گیا اور پھر گھوڑے کو آرام دینے کے لیے میں نے ایک جگہ قیام کیا۔ گھوڑے کو چرنے چھوڑ دیا۔ خود بھی کچھ جنگلی پھل تلاش کیے اور ان سے پیٹ بھر لیا۔ تقریباً دو گھنٹے تک وہاں رکنے کے بعد میں اور گھوڑا دونوں تازہ دم ہو گئے اور وہاں سے چل پڑے۔

شام ہوئی اور پھر رات ہو گئی۔ جنگل، درخت، ان کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ اب درختوں کا سلسلہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ چھدرے چھدرے ہو گئے تھے۔ رات کے قیام کے لیے یہی جگہ مناسب سمجھی تھی، سو رات گذری اور صبح ہو گئی۔ میں نے دوبارہ سورج کے ساتھ ساتھ سفر شروع کر دیا اور جب سورج بلندی پر پہنچا تو درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ انسان کی شکل کو ترس گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ شاید اس طرف انسانوں کا وجود ہی نہیں ہے۔

ایک پہاڑی کے دامن میں گھوڑا رکا اور اس کی پشت پر ہاتھ مار کر اسے بھگا دیا کہ وہ آرام کر لے اور پھر مڑا ہی تھا کہ ——— کہ ایک انسان پر نگاہ پڑی ۔ ایک بہت بڑی چٹان کے سامنے پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ تقریباً نیم برہنہ ۔ بدن پر مٹی جمی ہوئی ۔ برے حال۔ نزدیک ہی کھانے پینے کی چند چیزیں پڑی ہوئی تھیں لیکن وہ بھی ابتر حالت میں۔

اور معاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ممکن ہے یہ کوئی علم والا ہو۔ سریندر کے الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگے تھے۔ ایسے گیانی لوگ سنسار کا کوئی لوبھ نہیں رکھتے۔ وہ تو جنگلوں اور ویرانوں میں اپنا مسکن بناتے ہیں۔ تو ضرور یہ شخص یہیں رہتا ہے۔ اگر اس سے کام بن جائے تو کتنی عمدہ بات ہوگی۔ میں اس کے سامنے پہنچ گیا! اس کی آنکھیں بند تھیں اور شاید وہ اتنا کھویا ہوا تھا کہ اسے میرے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنائی دی اور وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔

’کھولے گا تو سہی آنکھیں، کب تک بند رکھے گا۔‘ میں نے سوچا اور اس کے سامنے اس کے انداز میں پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اگر سانس کی آمد و رفت نہ ہوتی تو سوچا جا سکتا تھا کہ بیٹھے بیٹھے مر گیا ہے لیکن تنفس جاری تھا، پلکوں میں بھی لرزش ہوتی تھی لیکن وہ آنکھیں نہیں کھول رہا تھا۔

کافی دیر اسی طرح گذر گئی اور اب مجھے الجھن ہونے لگی۔ تب میں آہستہ سے کھنکارا اور وہ اچھل پڑا! اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں اور اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا۔

”ہری کرشن، رادھے کرشن۔ ہری کرشن رادھے کرشن۔ وہ جلدی جلدی الاپنے لگا! اس کے ساتھ ہی وہ پیچھے بھی کھسکتا جا رہا تھا اور پھر چٹان سے پشت لگی تو چیخ پڑا، پھر ٹٹول کر چٹان کو دیکھا اور پھر سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

جوان آدمی تھا۔ کافی دن کی شیو بڑھی ہوئی تھی اس لیے عمر کا صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

”ارے کیا ہو گیا تمھیں؟ کیوں ڈر رہے ہو؟“

”رادھے ۔ رادھے کرشن ۔ ہری کرشن ۔ رادھے۔“ وہ اور زور سے بولا اور میری طرف منہ کر کے پھونکیں مارنے لگا۔

”ٹھیک ہو جا بھائی۔ بس بہت ہو گئی۔ میں تجھے کھا نہیں جاؤں گا۔“

”رادھے شیام۔ مم۔ مگر ابھی تو چالیس دن پورے بھی نہیں ہوئے۔ منگل منگل آٹھ منگل پندرہ اور اکیس اور ——— ابھی تو کئی روز باقی ہیں۔“

”تو پھر؟“ میں نے پوچھا۔

”تم ابھی سے کیوں آ گئے؟“ اس نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”جلدی آ گیا کیا؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”ہاں۔ ابھی تو پانچ دن باقی ہیں۔“

”چلو یار۔ پانچ دن سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے تمھیں پانچ دنوں کی رعایت دے دی۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا، حالانکہ اس کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

”تم بھیروکا ہو نا؟“

”بھیروکا! بڑا غیر رومانی نام ہے۔ چلو یہی سہی۔“

”اور تم میری ساری منوکامنائیں پوری کرو گے؟“

”میں؟“

”ہاں۔ کیا تم میرے داس نہیں ہو؟“

”داس۔ یعنی غلام؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ لگ۔ کیا تم۔ کیا تم ابھی میرے قبضے میں نہیں آئے؟“

”کھوپڑی اپنی جگہ سے کھسکی ہوئی ہے کیا۔ ایک ہاتھ ماروں گا گردن ٹوٹ جائے گی۔“ میں نے کہا اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس کا وہی منتر دوبارہ شروع ہو گیا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اب وہ نکل بھاگنے کی فکر میں ہے اور اسی انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا ہے۔

پھر اس کی نگاہ گھوڑے پر پڑی اور وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔

”بیٹھ جاؤ دوست۔ نہ جانے تمھارے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ بڑی مشکل سے تم ملے ہو۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”مم۔ مگر تم ہو کون؟“ اس نے پوچھا۔

”اگر بھیروکا تمھارا غلام ہے تو بہرحال میں بھیروکا نہیں ہوں۔ ہاں دوسرے حالات میں تم مجھے اپنا دوست سمجھ سکتے ہو۔“

”ارے تو تم آئے کہاں سے ہو اور کون ہو؟“ اب اس کے انداز میں کسی قدر جھلاہٹ آ گئی۔

”بس مسافر ہوں۔ ادھر سے گذر رہا تھا، تم پر نگاہ پڑی تو تمھارے پاس آ گیا۔“

”منش ہو؟“ اس نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

”تو تمھیں راکھشش نظر آ رہا ہوں!“

”ارے تمھارا ستیاناس۔ تم نے میرا سارا جاپ بھنگ کر دیا۔“ اس نے کلکلا کر کہا۔ ”ہائے رام مجھے کیسا دھوکا ہوا۔ ارے میں تو بن موت مارا گیا۔“ وہ افسوس زدہ لہجے میں بولا۔ میں صبر و سکون سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”ٹھیک ہو گئے ہو تو بتا دو، یا پھر کچھ ٹھونک پیٹ کر سیدھا کرنا پڑے گا؟“

”کیوں میری جان کو آ گئے ہو بھائی۔ جاؤ اپنا راستہ ناپو۔ تم نے میری مٹی

پلید کردی۔جاؤ۔میری سمجھ میں نہیں آرہا اب کیا کروں۔اب تو نئے سرے سے جاپ کرنا پڑے گا، پورے چالیس دن، ہائے رام میں لُٹ گیا۔"

"تم کوئی جاپ کر رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"تو کیا جھک مار رہا تھا یہاں پینتیس دن سے!"

"اور بھیرو کا کو قبضے میں کرنا چاہتے تھے؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔

"کیا کام لینا چاہتے تھے اس سے؟"

"بہت سے۔ہائے مگر اب کیا فائدہ۔اب تو ساری گڑبڑ ہوگئی۔"

"تب پھر یہ سمجھ لو، تمھارا جاپ پورا ہوگیا۔"

"کک۔کیا مطلب؟"

"میں بھیرو کا ہی ہوں۔تم سے اب تک مذاق کر رہا تھا میں تمھارا داس ہوں۔"

"ہیں۔" وہ اچھل پڑا "کھاؤ بھگوان کی سوگند۔"

"بھگوان کی سوگند۔" میں نے کہا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔وہ بے حد مسرور نظر آنے لگا تھا۔خوشی سے اس کی آواز بلند ہوگئی تھی۔کافی دیر اس کی یہ حالت رہی اور پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔میں مضحکہ خیز انداز میں اسے دیکھ رہا تھا ویسے صورتِ حال کسی حد تک میری سمجھ میں آرہی تھی۔میں نے جسے کوئی مہان گیانی سمجھا تھا، وہ بے چارہ تو خود اپنی آرزوئیں لیے کسی بھیرو کا کو قبضے میں کرنے کی فکر میں سرگرداں تھا۔

بہرحال آدمی تو تھا۔۔۔ اور نہ جانے کیوں مجھے اس وقت کسی آدمی کی ضرورت تھی۔دیکھنا چاہیے یہ آدمی کن ضرورتوں میں گھرا ہوا ہے۔چند منٹ کے بعد میں نے کہا۔

"اب آنکھیں کھول لو میرے مالک۔" اور اس نے آنکھیں کھول لیں۔

"میں اپنے مالک کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"میرا نام پربھو دیال ہے!"

"بڑا ہی سندر نام ہے۔تمھاری منوکامنا کیا ہے مہاراج؟"

"تو نہیں جانتا بھیرو کا؟" اس نے کہا۔

"ارے بھیرو کا تو پاتال میں رہتا ہے، اسے کسی منش کے بارے میں کیا معلوم۔ تم خود ہی بتا دو مہاراج!"

"بھگوان کی سوگند بھیرو کا، مجھے مال و دولت کی کوئی چنتا نہیں ہے۔ پرنت رکمنی کا لوبھی باپ دولت کا بھوکا ہے۔اسے دولت چاہیے اور مجھے رکمنی!"

"ہائے۔پریم کرتے ہو مہاراج؟"

"ہاں بھیرو کا۔میں اسے اپنے جیون سے زیادہ چاہتا ہوں۔"

"اسی کے لیے جاپ کر رہے تھے؟"

"ہاں!"

"تمھاری بستی یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"زیادہ دور نہیں ہے مہاراج۔ان پہاڑوں کے دوسری طرف ہے۔"

"کیا نام ہے تیری بستی کا؟"

"دولت نگر۔وہ بستی دولت رام نے ہی بسائی ہے۔اس کے پاس بے اندازہ دولت ہے مگر پھر بھی وہ دولت کا بھوکا ہے۔"

"رکمنی اسی کی لڑکی ہے؟"

"ہاں!"

"تو اس سے ودواہ کرنا چاہتا ہے؟"

"ہاں بھیرو کا! وہ ہمارے جیون کی سب سے بڑی منوکامنا ہے۔" پربھو دیال نے جواب دیا۔

"تب چنتا نہ کر پربھو دیال۔تیری یہ منوکامنا پوری ہو جائے گی، اور کیا چاہتا ہے؟"

"بس بھیرو کا، اس کے سوا کچھ نہیں۔"

"ایک بات بتا۔کیا رکمنی بھی تجھے چاہتی ہے؟"

"من سے مہاراج! وہ اپنے لوبھی باپ کے خلاف ہے مگر کیا کرے بول بھی تو نہیں سکتی۔" پربھو دیال نے افسوسناک لہجے میں کہا اور میں اسے تسلیاں دینے لگا۔دل ہی دل میں، میں ہنس رہا تھا۔خوب تفریح ہو رہی ہے۔اپنا کام کرنے نکلا ہوں لیکن اس سلسلے میں کچھ نہیں کر پا رہا اور دوسروں کے مسائل سر پر سوار ہو رہے ہیں۔بہرحال کچھ کر لینا میرے اختیار میں نہیں تھا۔حالات جو کہیں وہی ٹھیک ہے۔اس انوکھے ملک نے مجھے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔۔۔ لیکن پروفیسر، دل کی بات بتا رہا ہوں جھوٹ نہیں بول رہا۔انسان خود پسند ہے۔وہ ہر حال میں اپنی برتری چاہتا ہے۔میں نے تو صدیاں گذاری تھیں۔کسی دور نے، کسی ماحول نے مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔وقتی طور پر نہ سہی لیکن کسی بھی جگہ بہرحال حالات نے میرے لیے جگہ بنا دی تھی اور میری عظمت کو تسلیم کیا گیا تھا لیکن یہاں، اس پُراسرار ملک میں، میں بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا۔۔۔ اور پروفیسر، صرف عورت کے نہ ملنے کی جھنجھلاہٹ تھی ورنہ یہ بے بسی بھی پُرلطف تھی۔

پچھلے ادوار میں، میں نے صرف دوسرے انسانوں کو مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے دیکھا تھا اور میں جس کی مدد پر آمادہ ہوگیا تھا، اس کی تقدیر بدل گئی تھی۔اس دور میں، اس ملک میں، میں خود اپنے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔میرا مسئلہ میرے سامنے تھا اور میں کسی طور اس مسئلے کا حل نہیں تلاش کر پا رہا تھا۔میں اپنے مسئلے میں اُلجھ کر رہ گیا تھا اور جب عورت میرے ذہن پر سوار نہ ہوتی تو میں اس جدوجہد سے لطف اندوز بھی ہوتا تھا۔

"اب ہم کیا کریں بھیرو کا؟" پربھو دیال نے پوچھا۔

"بس تیری بستی چلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔چلو، مگر تم کیا کرو گے؟"

"جو کچھ کروں گا، تیرے بھلے کے لیے ہوگا پربھو۔"

"ہاں بھیرو کا! تو میرا داس نہیں، میرا متر ہے۔بس میرا یہ کام کر دے، اس کے بعد تو آزاد ہوگا۔میں تجھے جیون بھر قبضے میں نہیں رکھوں گا۔میں تو محنت مزدوری کر کے کھانے کا قائل ہوں۔"

"واہ۔اچھا آدمی ہے۔دل خوش کر دیا۔" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

"محنت کی روٹی، سنتھان کے لیے بھی ٹھیک ہوتی ہے۔"

"وہاں تیرا گھر بھی ہوگا؟"

"ہاں۔سب کے سب ہیں۔" پربھو نے بتایا۔

"تیرے گھر والوں کا کیا خیال ہے تیرے بارے میں؟"

"پاگل سمجھتے ہیں سب کے سب اور بات بھی ٹھیک ہے بھیرو کا بھیا۔ ہم میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔ہم مزدور کسان آدمی، وہ بستی کا مالک۔پریم بھی دیکھ بھال کے کیا جاوے ہے۔پر ہم کیا کریں، ہمیں تو خود بخود پریم ہوگیا۔"

"خود بخود؟"

"ہاں بھیا!"

"وہ کیسے؟"

"اماوس کی رات، وہ مندر میں دیپ جلانے آئی تھی اور خود بھی کوئی جلتا دیپ معلوم ہو رہی تھی۔بس ہم سینہ مسوس کر اسے دیکھتے رہ گئے۔ہماری حالت خراب ہوگئی تھی۔پھر نہ جانے کیسے، اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا اور بھیا، دیکھتی رہی، دیکھتی رہی۔پھر ہمارے پاس آگئی۔وہ ہماری بہن کیکیٹی کو جانے ہے۔اس نے ہم سے ہمارا نام پوچھا اور ہم نے بتا دیا۔کیکیٹی کا ذکر بھی آیا اور وہ مسکرانے لگی۔چلتے سمے اس نے کہا کہ وہ ہمارے گھر آئے گی۔بس، پھر وہ آنے لگی۔ہم تو اس کے ہاں جا نہیں سکتے تھے۔وہ آتی رہی اور پریم جوت جلتی رہی۔ہم دوسری جگہوں پر بھی ملنے لگے۔تب ہمارے پریم کا بھانڈا پھوٹ گیا۔دولت رام نے ہمارے سارے گھر والوں کو بُرا بھلا کہا اور انھیں بستی سے نکالنے کی دھمکی دی۔تب گھر والوں نے ہمیں گھر سے نکال دیا مگر اس سے کچھ نہ ہوا۔ہم جنگل میں آپڑے تو رکمنی بھی وہیں آنے لگی۔اس کا باپ اور بھائی اسے روکنے میں ناکام رہے۔سو جتن کر کے آتی تھی۔دولت رام پریشان ہوگیا تو اس نے ہم سے پوچھا کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ہم نے کہہ دیا ودواہ۔تو اس نے کہا کہ اس کی بیٹی سے ودواہ کرنے کے لیے کوئی حیثیت تو بناؤ۔اس نے کہا اسے دولت چاہیے۔اگر تم دولت لے آتے ہو تو میں رکمنی کی شادی کر دوں گا۔سو بھیا، ہم نے مان لیا اور تمھیں بلانے کے لیے تپسیا شروع کر دی۔"

"اوہ، تو کیا میں تمھارے خیال میں دولت کے ڈھیر تمھارے سامنے لگا دوں گا؟"

"ہاں بھیا! کیا تم ایسا نہیں کر سکتے؟"

"کر سکتا ہوں۔۔۔ مگر دیر لگے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"کتنی؟"

"زیادہ نہیں۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ان کے نزدیک دولت سونے کے ڈھیر ہوں گے، میں نے کبھی اس پر توجہ نہیں دی ورنہ میرے پاس کیا نہیں ہوتا پروفیسر۔بہرحال اب مجھے سونے کے ذخیرے کی ضرورت تھی اور دولت نگر میں یہ ذخیرہ دولت رام کے گھر کے سوا کہاں مل سکتا تھا۔ وہیں سے کوئی ترکیب کرنی پڑے گی۔

"رکمنی بہت پریشان ہوگی مہاراج۔ہم اس سے ملے بھی نہیں۔ہمارا من اسے دیکھنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔"

"جنگل میں وہ کہاں تم سے ملنے آتی تھی؟"

"شوامد کے نالے کے پار۔"

"وہاں کوئی ایسی جگہ تھی جہاں تم رہتے تھے؟"

"ہاں مہاراج! وہاں بہت سی گپھائیں پھیلی ہوئی ہیں۔کہتے ہیں وہاں کسی گپھا میں دھن راج سبھا لگی ہوئی ہے مگر آج تک کسی کو وہ سبھا ملی نہیں۔"

"یہ کیا ہے؟ میرا مطلب ہے دھن راج سبھا؟"

"پریتوں کی بستی ہے۔بس پُرکھوں سے سنتے آئے ہیں، دیکھی کسی نے نہیں ہے، حالانکہ بہت سے منش اسے تلاش کرنے نکلے۔"

"تم نے بھی کوشش کی ہوگی؟"

"کیوں نہیں مہاراج! اپنی منوکامنا پوری کرنے کے لیے ہم نے یہ کوشش بھی کی تھی۔"

"نہیں ملی؟"

"پُرکھوں سے سنتے آئے ہیں، کسی کو نہیں ملی، ہمیں کیا ملتی۔"

"یہ سبھا کسی غار میں ہے؟"

"ہاں۔یہی سُنا ہے۔"

"خیر۔۔۔ اسے بھی تلاش کرلیں گے پربھو دیال۔پہلے تمھارا کام کرنا ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا اور پھر اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔

"پرنت کہاں چل رہے ہیں بھیرو کا؟"

"اسی جگہ، جہاں تمھاری رکمنی تم سے ملتی تھی۔میں اسے تمھارے بارے میں خبر کر دوں گا اور وہ تم سے ملنے آجائے گی۔تم اسے تسلی دے دینا کہ تم دولت کا بندوبست کر رہے ہو اور بہت جلد اس کے باپ کا مطالبہ پورا کر دو گے۔"

"تم یہ بندوبست کر دو گے نا؟"

"بالکل کر دوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"تب ٹھیک ہے چلو، مگر گھوڑا تو ایک ہی ہے؟"

"پرواہ مت کرو۔یہ جادو کا گھوڑا ہے، ہم دونوں کو آسانی سے لے چلے گا۔" میں نے اسے گھوڑے پر سوار کر دیا اور پھر ہم دونوں چل پڑے۔سادہ لوح معصوم کے چہرے پر امیدوں کی چمک نظر آرہی تھی اور میں اس کے کام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔اسے قیام کے لیے چھوڑ کر میں بستی جاؤں گا اور پھر وہاں چکر چلاؤں گا۔ممکن ہے دولت رام بغیر دولت کے ہی مان جائے۔اس طرح کسی اُلجھن کے بغیر ہی کام چل جائے گا اور پھر پربھو دیال کی منوکامنا بھی پوری ہو جائے گی۔

گھوڑا ہم دونوں کو لے کر سفر کرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم مطلوبہ جگہ پہنچ گئے۔درحقیقت پہاڑ چھلنی ہو رہا تھا۔چھوٹے بڑے بے شمار غار چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔پہاڑی کے دامن سے ایک تند رو نالہ گذر رہا تھا، جس کا پانی شفاف تھا۔ایک مخصوص جگہ پہنچ کر پربھو دیال نے رُکنے کو کہا اور چوڑا نالہ پار کر کے ہم دوسری طرف پہنچ گئے۔

"یہ گپھا ہے۔" پربھو دیال نے ایک غار کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہاری بستی کس طرف ہے؟"

"بس اس کنارے کے ساتھ ساتھ تھوڑی دُور چلے جاؤ۔ وہ جو پہاڑ کی دیوار نظر آرہی ہے، اس کے دوسری طرف۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی اور پھر پربھودیال کی قیام گاہ اندر سے دیکھی، اس کے لباس کا حلیہ درست کیا، اسے سکون سے رہنے کی تلقین کی اور بستی کی طرف چل پڑا۔

فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ میں بستی میں داخل ہو گیا۔ مٹی کے مکانات اور جھونپڑے ملے جلے نظر آرہے تھے۔ گلیوں میں دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ مجھے دیکھا گیا اور نظرانداز کیا گیا۔ لوگ ایک دوسرے سے کانا پھوسیاں کرنے لگے اور پھر بہت سے لوگ ایک گروہ کی شکل میں میری طرف بڑھے۔ ان کے چہروں سے نیازمندی جھلک رہی تھی۔ میں نے گھوڑے کی رفتار سست کر دی اور جب وہ میرے قریب پہنچ گئے تو میں گھوڑے سے اُتر پڑا۔

"کیا بات ہے، کیا ہوا؟" میں نے پُر رعب آواز میں پوچھا۔

"جے رام جی کی مہاراج!"

"جے رام جی کی۔"

"کہاں سے پدھارے ہیں مہاراج؟"

"پہاڑوں سے۔ دریاؤں سے۔ تنومند دریاؤں سے، جہاں منش کے قدم نہیں پہنچے۔" میں نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"دولت نگر کے باسی آپ کا سواگت کرتے ہیں۔"

"دولت نگر باسیو! دولت نگر کا مالک کون ہے؟"

"دولت رام مہاراج!"

"کہاں ہے وہ؟ اسے ہمارے آنے کی خبر کر دو۔"

"آپ آئیے مہاراج! ہم پہلے آپ کے استھان کا بندوبست کریں۔ اسے بھی خبر دے دی جائے گی۔"

"نہیں بھائیو۔ اگر بستی میں اس نے ہمارا سواگت نہیں کیا تو ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے۔" میں نے کہا اور وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر ان میں سے دو آدمی ایک طرف دوڑ گئے اور باقی مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ میں اندرونی طور پر کوئی ایسی بات سوچ رہا تھا جس سے انھیں مرعوب کیا جاسکے۔ پھر میں نے تھوڑی دُور پر ان لوگوں کو واپس آتے دیکھا جو دولت رام کو لینے گئے تھے۔

بھاری بدن کا ایک شخص ان کے ساتھ آرہا تھا۔ یقیناً یہی دولت رام تھا۔ تبھی میری نگاہ ایک ایسے درخت پر پڑی جس کا تنا کافی موٹا تھا لیکن وہ اس طرح زمین پر جھکا ہوا تھا کہ اس نے راستہ روکا ہوا تھا۔ میں آگے بڑھا، دولت رام تھوڑے فاصلے پر تھا۔ میں نے درخت کے تنے پر بازوؤں کی گرفت قائم کی اور قوت صرف کرنے لگا۔ مجھے کھڑا ہوا گروہ میری اس احمقانہ حرکت کو دیکھ رہا تھا لیکن پھر جب درخت اپنی جڑ مٹی کے ایک بڑے تودے کے ساتھ باہر نکل آئی تو بے شمار آوازیں میرے کانوں میں گونج اٹھیں۔

دولت رام اپنی جگہ ٹھٹھک کر رُک گیا تھا۔ میں نے درخت کے تنے کو دونوں ہاتھوں پر سنبھالا اور اسے سر سے اونچا کر کے ایک طرف ڈال دیا۔ لوگوں کی پھٹی ہوئی آنکھیں اور کھلے ہوئے منہ عجیب لگ رہے تھے۔ دولت رام بھی متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ دولت رام۔ میں تمھارے لیے بہت کچھ لیکر آیا ہوں۔"

"جے مہاراج، جے مہاراج!" دولت رام ہاتھ جوڑ کر بولا اور میرے قریب پہنچ گیا۔ میرے دونوں پاؤں چھوئے اور ہاتھ ماتھے سے لگا لیا۔

"تم اس بستی کے مالک ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مہاراج مالک ہیں۔" دولت رام

"یہ درخت تمھارے راستے میں تھا ہم نے اسے اکھاڑ کر پھینک دیا۔"

"دھن واد مہاراج دھن واد۔" دولت رام عقیدت سے بولا۔

"ہم اسی لیے تمھارے پاس آئے ہیں دولت رام کہ تمھارے راستے کی ہر رُکاوٹ دُور کر دیں۔"

"میرے بھاگ مہاراج، بھگوان کی کرپا!" دولت رام خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"ہم جانتے ہیں کہ تمھارے اُوپر بہت سے کشٹ ہیں اور بہت سے کشٹ آنے والے ہیں۔ سو ہمیں وردان ہوا کہ جائیں اور تمھاری سہائتا کریں۔"

"جے پربھو، جے بھگوان!" دولت رام خوشی سے بولا۔ "مہاراج میرے ساتھ چلیں۔"

"چلو۔" میں نے کہا اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند لوگوں نے میرے گھوڑے کی باگ تھام لی تھی۔ بہرحال میں کافی حد تک ان لوگوں کے ذہن پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

دولت رام مجھے اپنی کچی حویلی میں لے گیا۔ خاصی کشادہ عمارت تھی جس میں بے شمار کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک بڑی بیٹھک میں مجھے ٹھہرایا گیا۔

باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ سب میرے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے دو تین آدمی اندر بھی آگئے اور بھاگ بھاگ کر میرے قیام کے لیے ضروری چیزوں کا بندوبست کرنے لگے۔ دولت رام انھیں ہدایت دے رہا تھا۔ یہ صورتِ حال خاصی امیدافزا تھی۔ پربھودیال کا کام بھی بنتا نظر آرہا تھا۔ چہرے سے دولت رام زیادہ مکار نہیں نظر آتا تھا۔ چند ہلکے پھلکے واقعات اسے لائن پر لا سکتے تھے، جن کے لیے مجھے بعد میں سوچنا تھا۔

یہاں میرے قیام کا معقول بندوبست کر دیا گیا۔ بہت سے لوگ آکر مجھ سے ملے اور میری ظاہری شخصیت سے مرعوب ہو کر مجھے بہت بڑا اوتار مان بیٹھے۔ میرے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ بس ایک درخت ہی تو اکھاڑنا پڑا تھا۔ شام ہوئی اور دولت رام نے مجھے بھوجن کے لیے گھر کے اندرونی حصے میں مدعو کیا۔ یہاں اس کی پتنی، بیٹے اور بیٹیاں موجود تھے۔ سب نے میرے چرن چھو کر آشیرواد لی اور پھر ہم چوکے پر بیٹھ گئے۔ تھالوں میں بھوجن [illegible] گیا اور کھانا شروع ہو گیا۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔ پھر دولت رام [illegible] سے کہا۔

"بھاگوان! بھگوان نے ہمارے بھاگ کھول دیے ہیں، ایسے مہان سوامی [illegible] گھر میں پدھارے ہیں کہ ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ اپنے من کی ساری [illegible] ان سے کہہ ڈال، جو مانگنا ہے مانگ لے۔"

"مہاراج! یہ میرے بیٹے بیٹیاں ہیں ان کے لیے شانتی مانگتی ہوں۔"

"بھگوان ان کا من شانت کرے۔ تیرا نام کیا ہے؟" میں نے ایک [illegible] سی لڑکی کو مخاطب کیا۔

"رکمنی، مہاراج۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"میں تیرے ماتھے پر کرودھ کی لکیریں دیکھ رہا ہوں۔ کیا تیرے جیون [illegible] کوئی کٹھنا ہے؟" میں نے براہِ راست پوچھا اور رکمنی گھبرا کر چاروں طرف [illegible]۔

"یہ کٹھنا صرف تیرے من کا روگ نہیں بلکہ تیرے پتا کے من کا روگ [illegible]۔ دولت رام میں اپنے استھان پر جا رہا ہوں اسے میرے پاس بھیج دینا۔"

"جو آگیا مہاراج!"

"اور ہاں سنو، اپنی حویلی کے پیچھے کسی کھلی جگہ میں اگن روشن کرا دو، ہم [illegible] تمھارے ہاں رہیں گے اور تمھارے سارے کشٹ دُور کر دیں گے۔ پرنتو [illegible] اوپر سے کالے ناگ ہٹانے کے لیے ہمیں اگن کے بیچ کھڑے ہو کر تپسیا [illegible] ہوگی۔ ہم نے جو درخت اکھاڑا ہے اس کے بڑے بڑے لکڑ پورے [illegible] دینا۔"

"اگن بیچ کھڑے ہو کر مہاراج؟"

"ہاں دولت رام۔ سانپ آگ سے بھاگتے ہیں۔ تو چنتا نہ کر [illegible] نہیں گے بلکہ تیرے کشٹ جلا دیں گے۔" میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

میرا خیال تھا کہ اب دولت رام کو رکمنی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں [illegible] بلکہ وہ خود ہی دوڑی [illegible] گی اور میرا خیال غلط نہ نکلا۔ تھوڑی [illegible] گذری تھی کہ رکمنی میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے [illegible] تھے۔ اس نے میری شکل دیکھی اور پھر میرے قدموں میں آجھکی۔

"بھگوان۔ مہاراج۔ کیا کہا تم نے؟ تم نے میرے بھاگ میں کیا پڑھا؟"

"اٹھو تو سہی رکمنی، اتنی پریشان نہ ہو، ایسے ہلکان نہ ہو۔ ہم تیری سہائتا [illegible] ہیں۔ ہم تیرے من کے سارے روگ دھو دیں گے۔"

"میں بھاگن ہوں مہاراج، میں دُکھیا ہوں، اس پورے گھر [illegible] زیادہ دُکھیا ہوں مہاراج، کوئی میرا نہیں، میں اکیلی ہوں، [illegible] بھگوان کے لیے میری سہائتا کرو۔" رکمنی نے میرے دونوں [illegible] پکڑ لیے۔

"رکمنی ——— پربھودیال اپنی پرانی جگہ موجود ہے اُسی گپھا میں [illegible] ملتی رہی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اس کی آنکھیں [illegible] اس کے ہاتھوں کی گرفت میرے پاؤں پر مضبوط ہو گئی ——— وہ ہذیانی انداز میں کانپ رہی تھی۔ اس سے میں نے اس کی محبت کی شدت کا اندازہ لگایا۔

"مم ——— مہاراج ——— مہاراج ——— آپ اُسے جانتے ہیں؟"

"ہم سے ایسے سوالات مت کرو رکمنی۔"

"ہاں۔ ہاں آپ مہان ہیں مہاراج۔ آپ مہان ہیں مہاراج۔ مگر ——— مگر ———"

"ہیں۔ مگر کیا ———؟"

"مگر وہ تو نہ جانے کہاں چلا گیا تھا مہاراج! وہ تو ——— وہ تو دولت کمانے گیا تھا۔"

"گیا ہوگا۔ مگر اب وہ اس گپھا میں تمھارا انتظار کر رہا ہے۔"

"میں وہاں ضرور جاؤں گی مہاراج، میں وہاں ضرور جاؤں گی، مگر تم سے کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہوں مہاراج!"

"کہو ———!"

"آپ جیسے مہان رشی بار بار نہیں ملتے۔ آپ ہماری منوکامنا پوری کرنے میں ہماری سہائتا کریں۔ آپ ایسا کر سکتے ہیں مہاراج، آپ ایسا کر سکتے ہیں۔" اس نے پھر میرے پاؤں پکڑ لیے۔

"اٹھو رکمنی ——— میں خود بھی تمھارے پریم کو پھلتے پھولتے دیکھنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے ایک بات بتاؤ۔"

"جی مہاراج؟"

"تمھارے پتا کے پاس کافی دولت ہے۔ پھر وہ اور دولت کیا کرے گا؟"

"کیا کہوں مہاراج! دولت کے لوبھ نے پتاجی کو نہ جانے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ میں تو کچھ کر بھی نہیں سکتی۔"

"کر سکتی ہو رکمنی۔"

"کیا کر سکتی ہوں مہاراج؟ مجھے بتائیں۔"

"کرو گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ پربھو کے لیے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"تو پھر اپنے باپ کی دولت میں سے اتنی دولت پربھودیال کو پیش کر دو جتنی تمھارا باپ طلب کرتا ہے۔" میں نے کہا اور رکمنی کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے میری شکل دیکھنے لگی پھر بولی "یہ کام مشکل ہے۔"

"آسان بھی نہیں ہے مہاراج۔"

"کیوں؟"

"پتاجی اپنی دولت کو اپنے جیون سے بھی زیادہ چاہتے ہیں۔ کسی کو نہیں معلوم کہ ان کی دولت کہاں چھپی ہوتی ہے۔ کوئی پتہ لگانا چاہے تب بھی نہیں لگا سکتا۔ ماتاجی بھی نہیں۔"

"ہوں۔" میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی "ٹھیک ہے رکمنی، میں کچھ اور سوچوں گا۔ بس تمھاری من کی شانتی کے لیے فی الحال اتنا

ہی کافی ہے۔"

"مہاراج!" رکمنی نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور پھر میں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ یہ دو کام تو بخوبی انجام پا گئے تھے لیکن ابھی کچھ اور مسائل تھے، ان سے بھی نمٹنا تھا اور پھر اپنا مسئلہ ——— میں خود بھی عورت کی پیاس محسوس کر رہا تھا۔ عورت کا حصول بھی زیادہ مشکل نہیں تھا لیکن۔۔ لیکن میں کسی اور نوخیز زندگی سے کھیلنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں یقین ہو گیا تھا کہ جب تک منورما کو مکمل طور سے ختم نہیں کیا جائے گا، کم از کم وہ کسی عورت کو میری خلوت میں نہیں آنے دے گی، اور پروینیر در حقیقت کبھی کبھی تو مجھے اس پر بہت ہی غصہ آتا تھا۔ میں نے ایک طویل و عریض زندگی میں پہلی بار بے بسی کا مزا چکھا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد دولت رام آ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ڈنڈوت کی اور بولا "اگن کب سے جلائی جائے مہاراج؟"

"لکڑیاں منگوالیں؟"

"ہاں مہاراج۔ میں نے آدمیوں کو بھیج دیا ہے۔"

"بس کل صبح ہم تمہارے لیے اگن جاپ کریں گے دولت رام، اور آگ جتنی تیز ہو گی اتنی ہی جاپ میں آسانی ہو گی۔ اس لیے آگ تیز کرنے کے لیے تم جب سے چاہو الاؤ جلوا دو۔"

"ٹھیک ہے مہاراج۔ اور جن چیزوں کی ضرورت ہو بتا دیں۔"

"اب اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے دولت رام۔" میں نے کہا۔

دولت رام مجھ سے اپنی پریشانیاں کہتا رہا۔ پھر اس نے رکمنی کے بارے میں بتایا۔

"میری بیٹی ایک کٹھنائی میں پڑ گئی ہے مہاراج! اس کے لیے بھی کچھ کریں۔"

"کیا کٹھنائی ہے دولت رام؟"

"وہ ایک کنگال سے پریم کرنے لگی ہے۔ میرے پاس اتنی دولت ہے مہاراج، میں کسی کنگال سے اپنی بیٹی کو کیسے بیاہ سکتا ہوں۔"

"پھر تم نے کیا کیا دولت رام؟"

"میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ دولت لے آئے، میں اس کی بات مان لوں گا۔"

"پھر اس نے کیا جواب دیا؟"

"گیا ہے کہیں دیوانہ کہیں کا۔ اب دولت گلیوں اور جنگلوں میں تو پڑی مل نہیں جاتی۔ کہاں سے لائے گا سسرا۔ ناکام رہے گا تو واپس ہی نہیں آئے گا۔ آ گیا تو میں بھگا دوں گا۔"

"اور اگر وہ دولت لے کر آ ہی گیا تو؟" میں نے پوچھا۔

"ایں!" دولت رام چونک پڑا۔

"ہاں، اگر وہ کامیاب ہو گیا تو؟"

"تو پھر ——— تو پھر میں اس سے اپنی بیٹی بیاہ دوں گا۔ اگر ملنش کے پاس دولت ہو تو پھر اس میں خرابی ہی کیا رہ جاتی ہے مہاراج....؟"

دولت رام نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ وہ واقعی دولت رام تھا لیکن میں اُسے ٹھیک کرنے کا گُر سوچ چکا تھا، اور مجھے یقین تھا کہ وہ میرے داؤ پر چت ہو جائے گا۔

"ٹھیک ہے دولت رام۔ ہم کل کے جاپ میں تیری ساری پریشانیوں کا حل تلاش کریں گے۔ مگر ایک بات سُن۔ تجھے ہمارے اُوپر وشواش کرنا ہو گا جو کچھ اگن منڈل سے ہمیں ملے ہمیں دے دیں گے۔ اگر تو نے ان میں سے ایک بھی بات پر گردن ہلائی تو پھر ہم ہی تیرے سب سے بڑے دشمن ہوں گے۔"

"ارے نہیں، نہیں مہاراج۔ میری مجال، میں آپ کی بات نہ مانوں۔"

"جو جاپ ہم کر رہے ہیں، تو خود دیکھ لے گا کہ کتنا مشکل ہے۔ اگر ہمیں کہیں اوپر سے حکم نہ ملتا تو ہم یوں جیون کو خطرے میں ڈالنے پر تیار نہ ہوتے۔"

"آپ کی بڑی مہربانی مہاراج!" دولت رام نے کہا۔

بہرحال میں نے اس شخص کو کافی حد تک سمجھ لیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکوں گا۔ بہرحال وہ رات گزر گئی اور دوسرے دن صبح جب سُورج بھی نہیں نکلا تھا، میں جاگ گیا۔ آگ کی تپش دُور سے ہی محسوس ہو رہی تھی۔ گھر کے دوسرے لوگ بھی جاگ چکے تھے اور میرا انتظار کر رہے۔ دولت رام، اس کی بیوی اور دُوسرے لوگ آگ سے خاصی دُور کھڑے ہو گئے تھے۔

میں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے بھڑکتی ہوئی زندگی کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا: "اشلوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟"

"ہاں مہاراج۔ آگ بہت تیز ہو گئی ہے۔" دولت رام نے کانپتی آواز میں کہا۔

"آگ جتنی تیز ہو گی دولت رام، اتنی ہی تمھاری پریشانیاں دُور ہوں گی۔ اب میں جاپ کرنے جا رہا ہوں۔"

"آگ کے زیادہ قریب نہ جائیں مہاراج بہت تیز ہو گئی ہے۔" دولت رام نے کہا۔

"پاگل ہو دولت رام۔ دُور رہ کر تمھاری پریشانیاں کیسے دُور ہوں گی۔ میں آگ کے اندر جا رہا ہوں۔ اپنے شریر کو کشٹ دے کر ہی تمھارے کشٹ دور کر سکوں گا۔" میں آگے بڑھ گیا۔

"تو کیا ——— تو کیا ———" دولت رام منہ پھاڑ کر رہ گیا لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور آگ کی طرف بڑھتا چلا گیا ——— اور پھر میں نے اپنے پیچھے چند چیخیں سنیں لیکن میں نے ان پر توجہ نہیں دی۔ اس سے پہلے بھی حیرت کی سینکڑوں چیخیں سنی تھیں۔ لوگوں کی عقل ہی یہ بات تسلیم نہیں کرتی تھی کہ کوئی انسان بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو کر زندہ واپس آ سکتا ہے۔ اور آگ میں داخل ہو کر بہت سی باتیں فراموش ہو جاتی ہیں بالکل اسی انداز میں جیسے شراب کا سرُور ذہن کو دوسری فکروں سے آزاد کر دیتا ہے۔ آگ کی شراب میرے انگ انگ میں مستی بھر رہی تھی اور میں بے خود ہو رہا تھا۔ آگ سے باہر کے مناظر بھی مجھے یاد نہ رہے اور میں پوری

طرح اس سے لطف اندوز ہونے لگا۔ نہ جانے کتنی دیر ہو گئی۔ روشنی پھوٹ آئی اور آگ مرجھانے لگی۔ اس نے اپنی زندگی مجھے بخش دی تھی، اپنی تپش مجھے سونپ دی تھی، اپنی جوانی مجھے سونپ دی تھی اور اب وہ بوڑھی ہو رہی تھی۔

میں بھی خوب سیر ہو گیا تھا۔ تب میں واپس پلٹا اور تب ہی میں نے باہر کے لوگوں کو یاد کیا۔ باہر بے حد شور ہو رہا تھا، بے شمار آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ آوازیں صرف ان لوگوں کی تو نہیں ہو سکتی تھیں۔ اور بھی کچھ لوگ آ گئے ہیں شاید۔ چلو کیا فرق پڑتا ہے۔

میں آگ کی جوانی سمیٹے جھومتا، مست شرابی کی مانند آگ سے باہر آ گیا۔ اور میرے چمکدار وجود کو دیکھ کر بے شمار حیرت ناک آوازیں اُبھریں۔ پھر مذہبی نعرے گونجے اور سنکھ بجنے لگے، زور زور سے۔ لوگ مذہبی جوش سے سرشار ہو گئے تھے۔ میرے بدن کا لباس جل چکا تھا۔ دولت رام نے فوراً ایک دوشالہ منگوا کر میرے بدن پر ڈالا۔ اس کا گھر تو انسانوں سے بھر گیا تھا۔ شاید پوری بستی ہی امنڈ آئی تھی۔ عورتیں، مرد، بوڑھے، بچے۔ اور مجھے زندہ سلامت آگ سے نکلتا دیکھ کر سب کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ ان کے لیے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ آگ نے مجھے جلانے کے بجائے اور چمکا دیا تھا۔

"جے مہاراج کی، جے مہاراج کی۔ جے بھگوان۔ رادھے شیام۔" بے شمار آوازیں اُبھر رہی تھیں۔

"کیا آپ آرام کریں گے مہاراج؟" دولت رام سب کو پیچھے ہٹاتا ہُوا بولا۔

"نہیں، دولت رام، میں ٹھیک ہوں۔"

"یہ سب آپ کی آشیرباد چاہتے ہیں۔"

"ہم آپ سے بنتی کرنا چاہتے ہیں مہاراج! ہم اپنی کٹھنائیاں لے کر [illegible] آئے ہیں۔" بہت سے لوگوں نے کہا۔

"یہ سب یہاں کیسے آ گئے دولت رام؟" میں نے پُوچھا۔

"بس مہاراج، میں نے آپ کے بارے میں بتایا۔ ایسے مہان اوتار ہماری بستی میں کبھی نہیں آئے۔ بستی کی تقدیر جاگ گئی۔"

"ان سے کہہ دو دولت رام، ابھی تو میں کافی دن تک یہاں ہوں۔ سب ایک ایک کر کے آئیں۔ ایک ساتھ تو میں ان کے دکھ نہیں سن سکتا۔"

"ہاں مہاراج۔" دولت رام نے کہا "سن رہے ہو بھائیو، مہاراج کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ٹھیک ہے دولت رام۔ بھگوان نے تمہیں ایسے اوتار کا داس بنایا ہے کہ ہمیں بھول جانا۔ ہمیں مہاراج کے چرن چھونے کا موقع ضرور دینا۔"

"مہاراج کی آ گیا ہے، ضرور بھائیو۔" دولت رام نے کہا اور لوگ رخصت ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دولت رام، اور اس کے گھر والے اور چند لوگ رہ گئے۔ اب میں اپنے استھان کی طرف آرام کرنے چلا گیا اور تھوڑی دیر تک تنہا رہا۔ دولت رام بھی اس دوران میرے پاس آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ پھر میں نے رکمنی کو طلب کیا اور رکمنی جلدی سے میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ مچل رہی تھی۔

"جی مہاراج!" وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"کیسی ہو رکمنی؟"

"بھیروں کا مہاراج کی دیا ہے۔" رکمنی مسکرا کر بولی۔

"اوہ اس کا مطلب ہے پربھو دیال سے ملاقات ہو گئی۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"مہاراج کی کرپا ہے۔"

"کیا بات ہوئی رکمنی؟"

"بس مہاراج، وہ بہت خوش ہے اور اب تو مجھے بھی وشواش ہے کہ آپ۔۔ آپ ہمارا ملاپ ضرور کرا دیں گے۔" وہ لجا کر بولی۔

"ہوں۔ دولت رام کا داس جو ہوں۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"آپ جو کوئی بھی ہیں مہان ہیں مہاراج۔ آپ نے ہماری جو سہائتا کی ہے، ہم اسے جیون بھر نہیں بھول سکتے۔" رکمنی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"سب ٹھیک ہے رکمنی۔ جاؤ دولت رام کو بھیج دو۔" میں نے کہا اور دولت رام تھوڑی دیر میں میرے پاس پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں سے عقیدت جھانک رہی تھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا "تو تو بڑا ہی بھولا ہے دولت رام۔ تیرے اوپر کشٹ پر کشٹ آ رہے ہیں اور تجھے پتہ نہیں ہے۔"

"کیا ہُوا بھگوان؟" دولت رام کانپنے لگا۔

"تیرے سر پر تو کالا سورج ناچ رہا ہے۔ دولت کے لوبھی تیری دولت پر نگاہ لگائے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ایسی ترکیب کی ہے کہ تیری ساری دولت پر قبضہ کر لیں۔ اور دولت رام، یہ دولت تیری جان کا روگ بن جائے گی۔"

"ہے مہاراج۔ ہے پربھو۔ یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"سُن سکتا ہے تو سن لے دولت رام۔ اپنی دولت کی وجہ سے تو کتے کی موت مارا جائے گا۔ تیری پتنی اور تیری بیٹی بھی ماری جائے گی۔ اس سمے تیری سب سے بڑی دشمن تیری دولت ہے۔"

دولت رام کی حالت بُری ہو گئی تھی۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں تھا۔ موت کی زردی اس کے چہرے پر نظر آنے لگی تھی۔ مجھے تو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں اس کے دل کی حرکت ہی بند نہ ہو جائے۔ اور اس کا یہ خوف بجا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے میرے دو کارنامے دیکھے تھے۔ اس کے بعد میری بات کو جھوٹ سمجھنا حماقت ہی تھی۔ اور اس جیسا کمزور دل اور ضعیف الاعتقاد شخص اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ کئی منٹ خاموشی رہی۔ پھر وہ لرزتی آواز میں بولا:

"پر مہاراج ۔۔۔ آپ نے کہا تھا ۔۔۔ آپ نے کہا تھا آپ میرے سارے کشٹ دور کر دیں گے۔"

"ہاں ــــ لیکن اس کے لیے تجھے بھی کچھ کرنا ہو گا۔"

"میں مر جاؤں گا مہاراج۔ میں مر جاؤں گا، جلدی بتائیں۔ کیا میری جان بچ سکتی ہے؟"

"بچ سکتی ہے دولت رام۔"

"کس طرح مہاراج ــــ کس طرح ــــ؟"

"اگر تو اپنی دولت سے چھٹکارہ پالے۔"

"ہے رام ــــ یہ ــــ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تو ایسے بھی مر جاؤں گا۔" دولت رام کی سٹّی گم ہو گئی۔

"ایک اور اُپائے ہے دولت رام۔" میں نے کہا۔

"وہ بھی بتائیں مہاراج۔"

"تو نے پربھو دیال کے بارے میں بتایا تھا۔"

"ہاں مہاراج۔"

"اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر کے ساری دولت اپنی بیٹی کو دے دے۔ اس طرح بھی تیری جان بچ سکتی ہے۔"

"ہائے ــــ اس کنگلے کو ــــ ہائے ــــ ہائے ــ" دولت رام کراہنے لگا۔

"پھر نرکھ میں جا ــــ پھر نرکھ میں جا ــــ!" میں نے بگڑے لہجے میں کہا اور دولت رام چیخ پڑا۔ وہ بُری طرح گھگھیانے لگا تھا "نہیں مہاراج شراپ نہ دو۔ شراپ نہ دو مہاراج۔ سوچو تو، میں نے یہ دولت بڑی محنت سے جمع کی ہے۔ میں اسے کس طرح دوسروں کے حوالے کر سکتا ہوں مہاراج۔"

"تو سُن دولت رام! آج سے ٹھیک چوتھے دن تیری دولت جہاں بھی ہو گی اگن دیوی اسے تلاش کر لے گی اور اس رات تو بھی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گا۔ یہ ہمارا شراپ نہیں آکاش کی بات ہے۔ یہ بات آکاش سے کہی گئی ہے۔"

"بھسم ہو جاؤں گا؟" دولت رام تھوک نگل کر بولا۔

"ہاں، ایسا کر ــــ جا اپنی دولت کے ڈھیر پر جا بیٹھ تاکہ لوگوں کو تیری ارتھی بنانے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ تیری دولت پگھل پگھل کر تیرے بدن سے لپٹ جائے اور لوگ کہیں دیکھو دولت رام کتنا دولت مند تھا۔ وہ دولت کے ڈھیر میں جلا ہے۔"

"ہائے رام ــــ ہائے رام ــــ میں کیا کروں!" کنجوس انسان پر بڑا وقت پڑا تھا۔ بالآخر کافی کشمکش کے بعد وہ بولا "وہی کروں گا مہاراج جو تم کہو گے وہی کروں گا۔"

"نہیں کرے گا تو کتے کی موت مارا جائے گا۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں۔ ارے نہیں، میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"تب پھر جتنی جلدی ممکن ہو اس موت کو خود سے دُور دھکیل دے۔"

"اپنے دھن کو؟" اس نے کراہ کر پوچھا۔

"ہاں۔"

"ہائے! مگر کیسے۔ کروڑی لال جی اپنے بیٹے سے شادی کرنے کو تیار ہے وہ تو کافی دولت مند ہے۔ مگر ــــ مگر ــــ وہ کلکنی مانے تب نا!"

"کون کلکنی؟"

"ارے وہی، اپنی رکمنی۔ وہ تو اس پاپی پربھو دیال سے، ہائے وہ تو اسی سے وواہ کرنا چاہتی ہے۔"

"اس کے سوا کسی سے کرنا بھی نہیں دولت رام!"

"ارے تو اب کیا کروں مہاراج؟ یہ تو بتاؤ۔" دولت رام کی حالت بڑی مضحکہ خیز ہو گئی تھی۔ اس کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ ایک طرف موت کا خوف تھا اور دوسری طرف دولت چھن جانے کا جان لیوا خیال۔ دونوں خیال ہی موت کے مترادف تھے، اور بہر حال وہ ایک فیصلہ کر چکا تھا۔

"پربھو دیال کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہ جانے کہاں مر گیا پاپی۔ مجھے کیا معلوم؟"

"تم اسے تلاش کرو گے؟"

"ارے میں کہاں مارا مارا پھروں گا۔ دولت کمانے گیا تھا پاپی کہیں مر کھپ نہ گیا ہو۔"

"اگر وہ مر گیا ہے تو تمھاری موت بھی یقینی ہے دولت رام!"

"ارے دیا رے دیا۔ کیوں، آخر کیوں؟ اگر وہ مر گیا۔ تو میں نے اُسے مار دیا؟ اب بتاؤ میں اُسے کہاں تلاش کروں۔ تم ہی بتاؤ مہاراج، میں اُسے کہاں تلاش کروں؟"

"میں کہہ چکا ہوں تم نرکھ میں جاؤ۔ میں تو تمھاری سہائتا کرنے آیا تھا۔ میں نے تو تمھارے لیے آگ میں کھڑے ہو کر کشٹ بھوگا۔ لیکن تمھاری موت تمھارے سر پر منڈلا رہی ہے۔ جو بھاگوں میں ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ کوئی اسے نہیں روک سکتا اور منش خود اپنے بُرے کرموں سے اپنے لیے نرکھ تیار کرتا ہے۔ میں اب تمھاری کوئی مدد نہیں کروں گا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔"

میں اُٹھ گیا۔ لیکن اس گدھے نے لپک کر میرے پاؤں پکڑ لیے اور پھر گدھوں ہی کی طرح رونے لگا۔ "نہیں جانے دوں گا مہاراج۔ نہیں جانے دوں گا میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"مرنا بھی نہیں چاہتا اور میری بات بھی نہیں ماننا چاہتا۔"

"مان تو رہا ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولا اور مجھے ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔

"رو رو کر مان رہا ہے۔ خوشی سے مان۔"

"اب خوش بھی ہونا پڑے گا؟ ہا ــــ بڑی مشکل سے جمع کی تھی۔ اب دوسرے کی ہو گی۔ ارے، مگر میں اُسے کہاں تلاش کروں۔ تم ہی میری ۔۔۔ کرو مہاراج۔"

"ہوں۔" میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر گردن اٹھا کر بولا "ٹھیک ہے گھوڑے تیار کرا۔ میں اُسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

بہر حال کنجوس دولت رام نے گھوڑے تیار کیے اور دو چار جگہ اسے گھما کر آخر میں اسے اس غار میں لے گیا جہاں پربھو دیال موجود تھا۔

دولت رام اُسے دیکھتے ہی چیخا "کیوں بے کنگلے، تو اس غار میں گھسا ۔۔۔ جمع کر رہا ہے؟ ایں۔ مجھے کیا وچن دیا تھا تو نے۔ ارے بول یہاں کیا ۔۔۔ ہے؟"

"دولت رام ــــ دولت رام، یہ میری بیٹی کا پتی ہے۔"

"ارے اس کا ستیاناس۔ ارے یہ مر جائے بھگوان کرے۔ ارے ۔۔۔ میری شکل کیا دیکھ رہا ہے۔ چل میرے ساتھ۔ مگر ایک پیسہ بھی اٹھا سید ھا ۔۔۔ تو تیرے پران نکال لوں گا۔"

پربھو دیال بدحواس ہو گیا تھا۔ اس نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے ۔۔۔ کو دیکھی اور میں نے اسے آنکھ کا اشارہ کر دیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

"پربھو دیال تمھارا نام ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔" پربھو دیال نے جواب دیا۔

"اور تم اس کی بیٹی سے وواہ کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں مہاراج!"

"منہ پھوٹ جائے تیرا۔ کس ڈھٹائی سے کہہ رہا ہے 'ہاں مہاراج' ۔۔۔ کچھ جمع کیا؟" دولت رام منہ ٹیڑھا کر کے بولا۔

"ابھی نہیں۔" پربھو دیال نے جواب دیا۔

"ابھی نہیں!!" دولت رام پھر اسی طرح منہ چڑاتے ہوئے بولا۔ اس ۔۔۔ بات ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"میں اس سمے تک تمھاری بیٹی سے وواہ نہیں کروں گا جب تک تمھاری ۔۔۔ ساری دولت تمھیں نہ دے دوں۔ تم بار بار میرا اپمان کر رہے ہو ۔۔۔" ۔۔۔ دیال نے کہا۔

"ٹھیک ہے پربھو دیال! تو جو کہہ رہا ہے وہی کرنا۔ جاؤ دولت رام ۔۔۔ دیال نہیں جائے گا تمھاری بیٹی سے وواہ رچانے اور اب میں بھی اس کے ساتھ اسی غار میں رہوں گا۔ آج سے ٹھیک چار روز کے بعد تم مر جاؤ گے ۔۔۔ کے بعد پربھو دیال آرام سے تمھاری بیٹی کے ساتھ وواہ کرے گا۔"

"ارے ارے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ہی مر جاؤں گا۔ تمھیں چلنا پڑے گا پربھو۔ بھگوان کی سوگند تمھیں چلنا پڑے گا۔"

"تم برابر اس کا اپمان کیے جا رہے ہو اور وہ تمھارے ساتھ جائے گا۔ تم تو اسے بُرا بھلا کہے جا رہے ہو۔"

"ایں ــــ ارے میری تو مت ہی ماری گئی ہے۔ کیا کروں ــــ ٹھیک ہے پربھو دیال۔ شما کر دے۔ معاف کر دے مجھے۔ اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

"ہیں ــــ؟" پربھو چونک پڑا۔

"ہاں۔ میرے ساتھ چل۔ میں اپنی پتری سے تیرے پھیرے کرا دوں گا۔"

"جے بھیرو کا مہاراج!" پربھو دیال آہستہ سے بولا۔ اور پھر دولت رام کی طرف رُخ کر کے کہنے لگا "نہیں نہیں دولت رام میں اس طرح تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ ورنہ تم طعنہ دیتے رہو گے کہ میں وچن پورا نہیں کر سکا۔"

"نہیں دیں گے کبھی طعنہ۔ نہیں دیں گے۔" دولت رام اب صبر کر چکا تھا۔ بہر حال پربھو دیال سمجھ گیا تھا کہ کوئی تیر نشانے پر بیٹھ گیا ہے۔ چنانچہ اس نے پہلے تو خوب نخرے کیے، پھر چل پڑا۔

اور پھر خوب لطف رہا۔ دولت رام نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی لیکن اس کی حالت نیم پاگلوں کی سی تھی اور اپنی دولت کی چابیاں دینے کے بعد تو وہ پلنگ پر ہی گر پڑا تھا۔

"اس طرح تو یہ بڈھا مر جائے گا۔" پربھو دیال نے مجھ سے کہا۔

"تمھیں اس سے کیا۔ بہر حال اس کی دولت تو تمھیں مل ہی گئی۔"

"بھگوان کی سوگند بھیرو کا مہاراج۔ مجھے دولت رام کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے تو بس اپنی رکمنی کو چاہا تھا سو وہ مجھے مل گئی۔"

"تب پھر آؤ۔ اس کی دولت کی چابیاں اسے واپس کر دو۔"

"ہاں۔ ہاں۔ میں تیار ہوں۔"

"کیا کہو گے اس سے؟"

"یہ بھی تم ہی بتاؤ بھیرو کا مہاراج!"

"تم اس سے کہو کہ وہ دولت کا نگران رہے اور تمھیں اس کی دولت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"جو آگیا مہاراج۔" پربھو دیال نے کہا، اور پھر ہم دولت رام کے پاس پہنچ گئے۔ جو جاں کنی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اس کی بیوی اس کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھی۔

"کیا بات ہے دولت رام؟" میں نے پوچھا۔

"جا رہے ہیں مہاراج۔ سمے آگیا ہے۔ ہائے ہاتھ پاؤں کی جان نکل گئی ہے ساری۔"

"کیوں۔ اچانک تمھاری حالت ایسی کیوں ہو گئی دولت رام؟"

"آپ مریں گے نہیں پتا جی۔ آپ کی دولت کا حساب کون رکھے گا؟ یہ چابیاں سنبھالیے۔ میں نے آپ کی دولت دیکھی تھی بہت ہے۔ آپ اسے دیکھ لیجیے۔" پربھو دیال نے کہا اور چابیاں نکال کر دولت رام کو دے دیں ــــ

دولت رام نے جلدی سے چابیاں اچک لی تھیں۔ اور پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"مگر —— کیا مطلب —— کیا مطلب —— ؟" اس نے ہکلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"پربھو دیال کو تمھاری دولت نہیں چاہیئے دولت رام!"
"ہائے رام —— مگر —— مگر ——" دولت رام نے چابیاں ایک دم رکھ دیں "مگر پھر میں کیسے بچوں گا ؟"
"اس کا بھی ایک اُپائے ہے دولت رام۔" میں نے کہا۔
"کیا —— ؟" دولت رام نے چابیاں پھر اچک لیں۔
"تم نے اپنی ساری دولت پربھو دیال کو دے دی ؟"
"ہائے ——" دولت رام کراہا۔
"ہاں کہو دولت رام —— ہاں کہو!"
"ہاں —— ہاں مہاراج!"
"بس تمھارا کشٹ ختم ہو گیا۔ اب یہ دولت تمھاری نہیں رہی اس لیے تمھارا مرض بھی ٹل گیا۔ لیکن دولت تمھارے قبضے میں ہی رہے گی۔ پربھو دیال اپنی مرضی سے اسے خرچ نہیں کر سکے گا۔ تم ہی اسے خرچ کرو گے۔ بس ان سے تو نے مان لیا کہ دولت تمھاری نہیں ہے۔ اب تمھارے اُوپر کوئی کشٹ نہیں ہے۔"
"سچ کہہ رہے ہو بھگوت ——" اچانک دولت رام کے چہرے کی سرخی واپس آگئی۔
"ہاں۔ بات تو پوری ہو گئی دولت رام۔"
"مگر یہ —— یہ پربھو دیال ؟"
"پربھو دیال تمھاری دولت کا لالچی نہیں ہے دولت رام —— وہ تمھارا آشیرباد چاہتا ہے۔"
"ارے تو میرے گلے کیوں نہیں لگتا نرکھی ؟ ارے تو تو اب میری سنتان ہے۔" دولت رام نے پربھو دیال کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا تھا۔ اس کی طبیعت اب بالکل ٹھیک ہو گئی تھی۔
اور پھر سارے گھر میں قہقہے گونجنے لگے۔ پھر باہر کے لوگ آگئے۔ وہ میرے پاس اپنے دُکھڑے کر آئے تھے لیکن اب میں انھیں ٹال رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ ہاں بس ایک بات میرے ذہن میں تھی اور وہ تھی دھن راج سبھا جسے یہ لوگ راہ دھن سبھا بھی کہتے تھے۔
چنانچہ رات کو میں نے کچھ بوڑھوں سے اس کے بارے میں پوچھا جو میرے پاس گیان لینے آئے تھے۔ راہ دھن یا دھن راج سبھا کا نام سن کر سب چپ ہو گئے۔
"مہاراج خود سمجھ دار ہیں۔ رات میں اس کا نام نہیں لیتے۔" ایک بوڑھا بولا۔
"کیوں —— ؟" میں نے حیرت سے کہا۔
"نہیں مہاراج۔ بھگوان کے لیے نہیں۔ رات کے اندھیرے میں سارے پریت اِدھر اُدھر گھوم رہے ہوتے ہیں۔ کون جانے، کون کہاں ہو —— " ایک بوڑھے نے کہا۔

"او ہو۔ تم ان کی چنتا مت کرو کاکا۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔ کیا تم میں سے کسی نے دھن راج سبھا دیکھی ہے ؟"
"ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھی مہاراج۔"
"پھر اس کے بارے میں کیا سنا ہے ؟"
"بس مہاراج، نالے پار کے پہاڑوں میں سے ایک گپھا ایسی ہے جس میں بھوت پریت رہتے ہیں۔ کبھی کسی نے وہ گپھا دیکھی تھی۔ مگر جس نے دیکھی اُسے کوئی نہیں جانتا۔"
'اوہ، ممکن ہے یہ بھی ایک مفروضہ روایت ہو۔' میں نے دل میں سوچا۔ 'جب یہ بڑے بوڑھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے تو پھر اس بات کی صداقت پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے'۔ تاہم میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اُسے تلاش ضرور کروں گا، دیکھوں گا کیا ہے، اور پھر اس رات میں نے بہت سے فیصلے کیے۔ پربھو دیال کی مشکل حل ہو گئی تھی۔ اب یہاں رہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ یہ تو پوری بستی کے مسائل تھے۔ اب میں ساری بستی کے مسائل حل کرنے میں تو مصروف نہیں ہو سکتا تھا مگر میں ان لوگوں سے کہہ کر یہاں سے جاتا تو وہ میرے پیچھے پڑ جاتے اس لیے خاموشی سے روانگی کی ٹھانی اور پھر میں کسی کام میں وقت گزاری کا تو قائل ہی نہیں تھا، اس لیے دیر کرنے سے فائدہ!
جونہی میں نے محسوس کیا کہ اب بستی والے سو چکے ہوں گے، میں اپنی جگہ سے باہر نکل آیا۔ گھوڑا لیا اور پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔ پہاڑوں کا راستہ بخوبی ذہن میں تھا۔ پوری بستی گہری نیند سو رہی تھی۔ میں آگے بڑھتا رہا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ آخر میں نالے کے پاس پہنچ گیا اور ٹھنڈے پانی کے اندر سے گزر کر دوسرے کنارے پر گھوڑے سے اُتر گیا۔ گھوڑے کی پشت پر ہاتھ مار کر میں نے اُسے آزاد کر دیا اور پھر خود پہاڑی سوراخوں کی ٹھانی۔ اب میں سامنے نظر آنے والے ہر سوراخ کا جائزہ لینے کا تہیہ کر چکا تھا۔
اور پروفیسر وہ ساری رات عجیب گزری۔ نیند میرے لیے ایک عام حیثیت رکھتی ہے۔ ہاں، اس وقت، جب فرصت ہو۔ اگر کوئی مصروفیت ہوتی ہے تو پھر مجھے رات کو سونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میری اصل نیند کے بارے میں تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ جسمانی اعضاء اور اعصاب کو سکون دینے والی ایک دل کش نیند تو حیثیت ہی دوسری رکھتی ہے اور میں ابھی اس کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا تھا۔
بہرحال رات بھر میں بے شمار سوراخ دیکھ ڈالے۔ عجیب عجیب۔ بہت سے سوراخوں میں سانپوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ لیکن اس رات میں جستجو میں تھا اس لیے کسی سے دشمنی مول نہ لی۔ کسی کی زندگی سے نہ کھیلا اور میری تلاش جاری رہی۔ یہاں تک کہ اجالا پھوٹ آیا۔ گھوڑا نہ جانے کہاں سے کہاں چلا گیا تھا مگر مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ میں تو اب ان علاقوں کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں ابھی میں نے تلاش و جستجو نہیں کی تھی۔
بہرحال پہلا دن بھی اسی طرح گزر گیا اور مجھے وہ روایت صرف روایت

محسوس ہونے لگی۔ تب میرے ذہن نے ایک بات سوچی۔ دھن راج سبھا کی ایک کہانی مشہور ہے۔ ہر روایت کا ایک پس منظر ضرور ہوتا ہے۔ ممکن ہے ایسی کوئی چیز موجود ہی ہو۔ ان لوگوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش بھی ضرور کی ہو گی لیکن اس کے نہ ملنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اسے غلط انداز میں تلاش کیا ہو۔ کسی غار کا دہانہ بند بھی تو ہو سکتا ہے۔ کوئی چٹان بھی غار کے منہ پر آ کر اٹک سکتی ہے، اور اس طرح ممکن ہے وہ نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئی ہو۔ تب میں نے ایسی چٹانوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا جو بے سہارا ہوں اور آج کا دن اسی مصروفیت میں گزار دیا۔ رات ہو گئی اور اس رات میں نے پہاڑوں ہی میں آرام کیا۔ بستی والے شاید مجھے تلاش کرنے نہیں نکلے تھے کیونکہ اس طرف میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ یا ممکن ہے انھیں ادھر کا خیال ہی نہ آیا ہو۔
اس رات بہت غور کرنے کے بعد میں نے طے کیا کہ کل دوپہر تک کام اور کروں گا۔ اس کے بعد میں یہاں سے چل دوں گا۔ بلا مقصد ایک روایت کے چکر میں پہاڑوں میں سر مارنے سے کیا فائدہ! چنانچہ میں نے صبح تک آرام کیا اور دوسرے دن پھر اپنا کام شروع کر دیا۔
اور پروفیسر —— اگر وہ کوئی حقیقت تھی تو مجھ جیسے سر پھرے سے کہاں چھپ سکتی تھی۔ ایک بڑی چٹان اس طرح نظر آئی جیسے پہاڑ ہلنے کی وجہ سے وہ اپنی جگہ چھوڑ چکی ہو۔ ممکن ہے اس چٹان کے نیچے میرا گوہرِ مقصود ہو —— میں نے سوچا —— اور میرے بازو اس وزنی چٹان کو اپنی جگہ سے کھسکانے لگے۔ چٹان کو پہلی بار اپنی بے وزنی کا احساس ہوا اور وہ غراتی ہوئی گہرائیوں کی طرف چل پڑی —— اور اس کے نیچے غار دیکھ کر میری آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔
ممکن ہے یہی ہو —— اور میں دوسرے لمحے غار میں اُتر گیا۔ پہلے میں گز تک نیچے گرتا چلا گیا۔ پھر زمین سے پاؤں ٹک گئے۔ اور جب پاؤں ٹکے تو غار کی جگمگاہٹ کا احساس ہوا۔ جگہ جگہ چراغ جل رہے تھے۔ لیکن میری آنکھوں نے چراغوں کی حقیقت بھانپ لی۔ یہ قیمتی ہیرے تھے جنھوں نے پورے غار کو منور کر رکھا تھا۔ ایک وسیع و عریض ہال تھا جو آہستہ آہستہ نگاہوں کے سامنے واضح ہو گیا۔
اور یہ درحقیقت دھن راج سبھا تھی۔ چاروں طرف سنگی مجسمے ایستادہ تھے عجیب عجیب سی شکلیں لیے ہوئے۔ کہیں حسین عورتوں کے رُوپ میں، کہیں بوڑھے جوگیوں کے روپ میں اور کہیں نوجوان لڑکوں کی شکل میں۔ فن سنگ تراشی کے اعلیٰ شاہکار۔ میں ان میں سے ایک کے قریب پہنچ گیا۔
اور پھر میں حیران رہ گیا —— یہ ایک ہندو جوگی کا مجسمہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کا کشکول تھا اور گلے میں قیمتی اور چمکدار موتیوں کی مالا پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں نے ایک ایک مجسمے کو دیکھا۔ ہر مجسمہ سونے اور قیمتی جواہرات سے آراستہ تھا۔ بے پناہ، بے اندازہ دولت تھی، اس غار میں کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں چاروں طرف دیکھتا پھرا۔

یقیناً یہی دھن راج سبھا تھی جسے وہ لوگ تلاش نہیں کر پائے تھے۔ ویسے شاید اس کی اصل حقیقت انھیں بھی معلوم نہ ہو گی ورنہ بھوت پریت کے تصور کے ساتھ بھی اگر دولت کا تصور ہوتا تو بہت سے سر پھرے جان پر کھیل کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔
میں اب ساری باتیں بھول گیا تھا۔ وقت کا بھی کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ نہ جانے مجھے یہاں آئے ہوئے کتنی دیر ہو چکی تھی۔ ایک ایک مجسمے کو میں قریب سے دیکھ رہا تھا۔ حسین اور نوجوان لڑکیوں کے مجسمے بھی موجود تھے۔ وہ زیورات سے لدی ہوئی بے حد خوبصورت نظر آرہی تھیں اور پھر ایک انتہائی دلکش صورت کے قریب میرے قدم رک گئے۔ وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی، اور جیسے منتظر تھی کہ میں اس سے بات کروں گا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"افسوس —— میں تجھے پیار نہیں کر سکتا!" میں نے کہا۔
"کیوں —— ؟" ایک سسکی سی میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں اُچھل پڑا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر حسین لڑکی کے اس مجسمے کی طرف۔ پھر میں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔
"کیا یہ تم بولی تھیں —— ؟"
"ہاں!" پھر وہی نسوانی آواز اُبھری۔
"تم بول سکتی ہو —— ؟" میں نے اس کے بدن کو چھو کر دیکھا، سخت پتھر کا بدن تھا۔
"ہاں!"
"مگر کیسے ؟ تم تو پتھر ہو۔"
"میں —— میں پتھر نہیں ہوں۔"
"مگر تمھارا بدن —— !"
"وہ میرے باپُو کی ضد کا شکار ہو گیا ہے۔" آواز آئی۔ مجسمے کے ہونٹ تک نہیں ہل رہے تھے۔ بس ایک آواز تھی جو میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔
"باپو کی ضد کا —— ؟"
"ہاں!"
"وہ کیسے ؟"
"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ سنو اجنبی! کیا تم میرے پتھریلے ہونٹوں کو چوم سکتے ہو —— ؟ تمھارا یہ پیار میرے شریر میں زندگی دوڑا دے گا۔ بولو —— کیا تم میری سہائتا کرو گے —— ؟"
میں اُسے گھورنے لگا۔ عقل سے باہر کی بات تھی۔ میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔ لیکن بہرحال یہ جادو کی سرزمین تھی اور میں کوئی خوفزدہ انسان نہیں تھا۔ چنانچہ میں اس کے اور قریب پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ میری سانس اس کے بدن سے ٹکرانے لگی۔ میں یہ دلچسپ تجربہ ضرور کرنا چاہتا تھا۔
"بولو اجنبی! ان غاروں میں آنے والے تم دوسرے انسان ہو۔ بہت

پہلے بھی کوئی آیا تھا۔ لیکن وہ میری آواز سن کر ہی ڈر گیا تھا۔ وہ یہاں سے نکل بھاگا تھا۔"

"کیا میرے چومنے سے تم زندہ ہو جاؤ گی؟"

"میں زندہ تو اب بھی ہوں۔ مگر میرا بدن پتھر کا ہے۔"

"تب میں یہ تجربہ ضرور کروں گا۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ کر سب سے پہلے میں نے اس کے ہونٹ چومے۔ سرد اور بے جان ہونٹ۔۔۔ اور پروفیسر، پھر میں ہٹ گیا۔ تب میں نے اسے مسکراتے دیکھا۔ ہاں، اس کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں کھنچ رہے تھے۔

"میرے پورے شریر کو جیون دے دو اجنبی۔" اس بار ہونٹ صاف ہلے تھے۔ میں نے انھیں لچکدار دیکھا۔ بلاشبہ ان میں ایک جوان دوشیزہ کے ہونٹوں کی سی گرمی اور نمی تھی۔ میں ششدر رہ گیا لیکن اس دلچسپ تجربے کو میں مکمل کر لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اُس کی دونوں آنکھیں چوم لیں اور اُس کی پلکیں جھپکنے لگیں۔

"اجنبی! میں تمھارا یہ احسان جیون بھر نہ بھولوں گی۔" وہ سسک کر بولی اور پروفیسر، پھر میں نے اسے انسان بنانا شروع کر دیا۔ میرے بے شمار بوسوں نے اس کے پورے جسم میں رُوح پھونک دی۔ اس کے جس عضو میں جان پڑتی اُسے ہلا کر وہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتی اور میں نے تھوڑی دیر میں یہ کام مکمل کر لیا۔ تب ایک حسین خدوخال اور حسین بدن والی نوجوان دوشیزہ میرے سامنے کھڑی تھی اور میں دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں کس زبان سے تمھارا شکریہ ادا کروں۔" اس نے فرطِ مسرت سے کہا۔

"کیوں، کیا ابھی تمھاری زبان ٹھیک نہیں ہوئی؟" میں نے ازراہِ مذاق پوچھا۔

"نہیں، اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ایک بات بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"ضرور پوچھو۔"

"کیا یہاں موجود سارے بُت پیار کرنے سے ٹھیک ہو سکتے ہیں؟"

"نہیں۔ یہ شکتی صرف مجھ میں تھی۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ یہاں صرف دھن راج انسان ہے یا میں۔ باقی سب اس کے بنائے ہوئے بُت ہیں۔"

"دھن راج کہاں ہے؟"

"نہ جانے۔۔۔" اس نے جواب دیا۔

"آؤ اسے تلاش کریں۔" میں نے کہا اور اس نے میرا سہارا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اسے سہارا دیا اور وہ میرے ساتھ چل پڑی۔

"سینکڑوں سال سے اسی طرح کھڑی ہوں۔ چلنا بھول گئی ہوں۔ کیسا عجیب لگ رہا ہے۔"

"سینکڑوں سال سے؟" میں نے تعجب سے پُوچھا۔

"ہاں سوامی! سینکڑوں سال سے۔"

"کیا تم دھن راج کا بُت پہچان لو گی؟"

"کیوں نہیں، وہ میرے پتا تھے۔"

"اوہ! تم دھن راج کی بیٹی ہو؟"

"ہاں سوامی!" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ میں یہ پوری کہانی سننا چاہتا تھا لیکن پہلے اس سبھا کے خالق کو بھی تلاش کر لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہم پورے ہال میں پھرتے رہے ۔۔۔ اور پھر ایک جگہ ایک انسانی ڈھانچہ زمین پر پڑا ملا۔ اس کے قریب اس کا بوسیدہ لباس پڑا تھا۔ لڑکی رک گئی۔ وہ اس لباس کو دیکھتی رہی، اس ڈھانچے کو دیکھتی رہی اور پھر سسکی سی لے کر بولی:

"یہ۔۔۔ یہ میرے پتا ہیں۔"

"اوہ ۔۔۔!" میں نے ڈھانچے کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔ دیکھو یہ دھن راج ہے جو ۔۔۔ امر نہ ہو سکا۔ دیکھو اس کا دھن کسی کام نہیں آیا۔"

"اور یہ تمھارا باپ ہے؟"

"ہاں۔"

"آؤ!" میں نے اس کا بازو پکڑا اور وہاں سے ہٹا لایا ۔۔۔ حیرت انگیز لڑکی میرے ساتھ آگے بڑھ آئی۔ میں اسے غار کے دہانے پر لے آیا۔

"تم، تم زندگی حاصل کرنے کے بعد یہاں سے نکلنا چاہتی تھیں نا؟"

"ہاں۔ ان پتھروں کے ساتھ میں نے صدیاں گزاری ہیں، مجھے ان سے بے پناہ اکتاہٹ ہو گئی ہے۔ بھگوان کے لیے مجھے یہاں سے لے چلیں۔" اور میں اسے لے کر باہر نکل آیا۔ اس کے بدن کے زیورات جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ لباس بھی پرانی طرز کا تھا۔ باہر آ کر میں نے اُسے غور سے دیکھا۔ حسن بے مثال تھا۔ کم سنی اور جوانی کے درمیان نہایت متناسب جسم۔ بلاشبہ اسے حسین ترین کہا جا سکتا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ چہرہ اٹھا کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"میں تمھیں کس نام سے پکاروں؟" میں نے پوچھا۔

"ودیا ۔۔۔!" اس نے مترنم لہجے میں کہا "اور تم؟"

"میں ۔۔۔" میں نے گہری سانس لی "مجھے اپنی پسند کا نام دے دو، خود تمھارا نام کیا ہے؟"

"کرشنو ۔۔۔!"

"بالکل سندر نام ہے۔"

"ودیا میں تمھاری کہانی سننے کے لیے بے چین ہوں ۔۔۔ کیا تم مجھے اپنی کہانی سناؤ گی؟"

"ہاں ۔۔۔ میں نے تم سے کہا تھا لمبی کہانی ہے لیکن مختصر یوں ہے کہ میرا باپ دھن راج اس علاقے کا راجہ تھا۔ مایا کا لوبھی تھا۔ جس طرح بھی ہوتا مایا اکٹھی کرتا تھا۔ اس نے اپنی پرجا کو ننگا کر دیا تھا۔ سارا دھن دولت اس کی ملکیت ہوتا تھا۔ بڑے ہی پریشان تھے اس بستی کے لوگ۔ تب اسے ایک گیانی ملا۔ اس نے کہا کہ وہ جو پرجا پر ظلم ڈھا رہا ہے تو یہ مایا کسی کام کی جب وہ مرے گا تو ساری مایا یہیں رہ جائے گی اور اسی وقت سے دھن راج کو یہ فکر ہو گئی کہ کسی طرح ایسا ہو جائے کہ جب وہ مرے تو کسی طرح اس کی مایا بھی اس کے ساتھ ہی جائے۔ اس نے کوششیں شروع کر دیں۔ بڑے بڑے سیانوں کو بلایا، ویدوں، عطاروں اور جڑی بوٹیوں کے ماہروں کو بلایا اور اُن سے مشورے لیتا رہا۔ پھر نہ جانے کس نے اُسے یہ ترکیب بتائی، اس نے یہ غار بنوایا اور یہاں بُت تراشے اور پھر ساری دولت ان بُتوں کو پہنا دی۔ سیانوں نے اُسے بتایا تھا کہ اب اس کی عمر کم رہ گئی ہے، اس لیے ایک دن وہ مجھے لے کر اس غار میں آ گیا۔ میں اس کی اکیلی بیٹی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی دولت میرے ذریعے بھی باہر نہ جائے اس لیے جڑی بوٹیوں کے ست سے اس نے مجھے پتھر بنا دیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ خود بھی یہ ست پی کر انھی پتھروں میں شامل ہو جائے گا۔ اس طرح اپنی دولت کے ساتھ امر ہو جائے گا۔ جتنے لوگ اس کے ساتھ ان غاروں میں آئے تھے۔ ان سب کو اس نے وِش دے کر مار ڈالا اور اب اس غار کا جاننے والا کوئی نہ تھا۔ پھر مجھے نہیں معلوم کرشنو کہ کس طرح اُسے موت آ گئی۔ شاید وہ پتھر بنانے والا جل نہیں پی سکا تھا۔

میں پتھر بن گئی تھی۔ مگر اس طرح کہ بول ۔۔۔ سکتی تھی، ہل نہیں سکتی تھی مگر سوچ سکتی تھی، سُن سکتی تھی۔ پھر میرے من میں خیال آیا کہ میں نے اب تک جو گیان حاصل کیا ہے اُسے دُہراؤں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ علم میرے دھیان میں اُتر تا رہا اور اسی سے مجھے معلوم ہُوا کہ اگر کسی بھرپور جوان کے سانسوں کا لمس میرے شریر کو مل جائے تو اس دوا کا اثر ختم ہو سکتا ہے جس نے مجھے پتھر بنا دیا ہے۔ اور میں انتظار کرتی رہی۔ طویل انتظار ۔۔۔ اور آج ۔۔۔ آج میں پھر سے زندہ ہو گئی ہوں۔"

"انوکھی کہانی ہے ودیا!"

"لوبھ کی کہانی ہے مہاراج۔ دیکھ لو، دھن راج اپنی مایا کے ساتھ کس طرح پڑا ہے۔"

"ہاں انسان عجیب عجیب داستانوں کا خالق ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا "خیر، اب تمھارا کیا ارادہ ہے ودیا؟"

"میرا ۔۔۔؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ چند ساعت خاموش رہی۔ پھر کہنے لگی "میرا کیا ارادہ ہو سکتا ہے کرشنو جی۔ میں تو اس نئے سنسار کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تو اس کے لیے بالکل اجنبی ہوں۔"

"پھر تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں کیا چاہوں گی۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو ۔۔۔ میں سنسار میں اجنبی لوگوں کے درمیان بھٹکتی پھروں گی۔ مگر کیا تم مجھے چھوڑنا چاہتے ہو کرشنو؟"

"نہیں ودیا ایسی بات نہیں ہے۔ میں تمھیں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "مگر تمھیں کچھ باتیں ضرور بتاؤں گا۔"

"بتاؤ کرشنو کا!"

"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میں ایک آوارہ گرد ہوں۔ آج یہاں کل وہاں۔ کیا تم میرے ساتھ اِدھر اُدھر گھومتی رہو گی؟"

"تم جانتے ہو کرشنو، میری بھی کوئی منزل نہیں۔ میرا بھی کوئی ۔۔۔ نہیں ہے اور پھر میں بھی تو اس بدلے ہوئے سنسار کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"تب پھر ٹھیک ہے۔ ہمارا تمھارا ساتھ خوب رہے گا۔"

"میں ہر طرح تمھارے ساتھ خوش رہوں گی۔ اگر تم چاہو تو اس غار سے اور دولت بھی لے لو۔ سنسار میں ہمارے کام آئے گی۔"

"اوہ نہیں ودیا۔ میرا تو خیال ہے تم اپنے یہ زیورات بھی اُتار کر یہیں ڈال دو تاکہ تمھارے لوبھی پتا کی آتما کو شانتی ملے۔ مجھے دولت کی فکر نہیں ہے۔"

"نہیں کرشنو۔ آخر اس پر میرا بھی حق ہے۔" ودیا نے کہا اور پھر ہم دونوں وہاں سے چل پڑے۔ مجھے ایک عورت مل گئی تھی پروفیسر ۔۔۔ ایک حسین عورت، ایک حسین اور انوکھی عورت۔ اور میں بہت خوش تھا۔ میری تو تقدیر میں ہی انوکھی عورتیں لکھی تھیں۔ سو اس بار بھی ۔۔۔ اور ودیا کے کم سن بدن کا تصور میرے جذبات میں ہلچل مچانے لگا۔



اسی طرح پھیلی رہی اور ہم اسے چھوڑ کر غار سے نکل آئے۔ ودیا میرے ساتھ چلنے پر آمادہ تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس حسین و کمسن دوشیزہ کو لے کر میں کہاں جاؤں۔ بستی دولت نگر واپس جانا تو حماقت تھی۔ وہاں کے لوگ میرے ساتھ سلوک تو بہت اچھا کریں گے اور پھر وہاں پر بھوپال اور رکمنی بھی تھے۔ دونوں میرے بے حد ممنون تھے اور اپنی پُرمسرت زندگی کا کارن مجھے سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہاں آؤ بھگت تو خوب ہوگی لیکن نہ جانے کیوں اب وہاں جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا اور پھر حسین ودیا کو لے کر چل پڑا۔

ودیا کے چھوٹے چھوٹے پاؤں ننگے تھے۔ دودھ کی مانند سفید پاؤں نرم گوشت سے بنے ہوئے۔ ان میں پتھر بھی چبھ سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے اپنے گھوڑے کو پکارا اور پھر ودیا کو کمر سے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ ودیا کی آنکھوں میں سکون کا ساگر لہریں لے رہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی گھوڑے پر بیٹھ گئی! اس نے دونوں پاؤں ایک ہی سمت لٹکا رکھے تھے۔ میں نے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور اسے پکڑے ہوئے چلنے لگا۔

"ارے، کیا تم نہ بیٹھو گے کرشنو؟" ودیا چونک کر بولی۔

"بیٹھ جاؤں گا ودیا! میرے پاؤں تمھاری طرح نازک نہیں ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ودیا کی مسکراہٹ بھی گہری ہوگئی۔

"ہم بھی ویسے نازک تو نہیں ہیں مہاراج!" اس نے انبساط میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا۔ بہت مضبوط ہو تم؟"

"تو اور کیا۔ اگر مضبوط نہ ہوتے تو صدیوں تک کھڑے کیسے رہتے۔ ہمارے پاؤں دُکھ نہ جاتے۔"

"ارے ہاں، یہ بات تو ٹھیک ہے۔" میں نے اس کی دلیل پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ودیا! اس وقت تو تم پتھر کی تھیں؟"

"من تو پتھر کا نہ تھا مہاراج! سچ جانو، اس سمے کو کیسے بتایا ہے ہم نے۔ ویسے من رولیتا تھا، پتھر کے ان بُتوں کو دیکھتے دیکھتے، ہماری آنکھیں پتھر کی تھیں، لیکن ایسے نیر بہاتی تھیں جیسے ساون بھادوں۔ ہم سوچتے تھے بھگوان نے ہمیں جنم ہی کیوں دیا تھا۔ کیا پتھر بنانے کے لیے۔ ہماری یہ حالت بنانے والا ہمارا پتا تھا اور ہم نہ سُنی جانے والی آواز میں اپنے پتا کو پکارتے تھے۔ ہم اس سے کہتے تھے کہ دولت کا لوبھی تو تو تھا، ہمیں کیوں اس جنجال میں پھنسا دیا، ہم نے تو تیری دولت نہیں مانگی تھی۔ پر ہمیں جواب کون دیتا۔"

"سچ کہہ رہی ہو ودیا۔ بڑا دل گھبراتا ہوگا ان غاروں میں؟"

"ہے بھگوان۔ ہم کیا کہیں۔"

"بہرحال اب تو تم پتھروں سے نکل آئی ہو، اب تو خوش ہونا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہم بہت خوش ہیں مہاراج۔ کیا بتائیں تمھیں۔" ودیا نے آنکھیں بند کرکے کہا اور اس رُوپ میں وہ کچھ اور بھی حسین ہوگئی۔ بس اب اسے پاکر بہت خوش تھا پروفیسر۔ اس کا انوکھا پن میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ ممکن ہے کوئی عام انسان اسے پورے طور پر اس لیے قبول نہ کر پاتا کہ وہ پتھر سے انسان بنی تھی اور اس کا باپ ایک جادوگر تھا لیکن میری بات دوسری تھی۔ میں عام انسان تو نہیں تھا اس لیے مجھے دنیا کے اس انوکھے پن سے کوئی وحشت نہیں ہوسکتی تھی لیکن اب چند سوال میرے ذہن میں تھے۔ میں اسے کہاں لے جاؤں؟ اور یہ سوال میں نے ودیا سے کر دیا۔

"ہم چلیں کہاں ودیا؟"

"میں کیا جانوں مہاراج!" اس نے معصومیت سے کہا۔

"کچھ تو کہو۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ آپ نے ہم کو پھر سے منش بنایا ہے۔ اب تو ہم آپ کے ہیں۔ جنگل میں رکھیں گے، جنگل میں رہ لیں گے، بستی میں لے جائیں گے، بستی میں رہیں گے۔ یہ چنتا تو آپ کریں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ تمھارے دل میں فوراً کسی آبادی میں چلنے کی خواہش نہ ہو!"

"ہمارے من میں تو اب تمھارے سوا کچھ نہیں ہے مہاراج۔ ہمیں ہر وہ جگہ پسند ہے جہاں تم ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"تب ٹھیک ہے۔ چلتے رہتے ہیں، جہاں رات ہو جائے گی، بسیرا کرلیں گے۔ اب کس بات کی فکر ہے۔" میں نے کہا۔

"تو پھر گھوڑے پر آجایئے مہاراج!" ودیا نے کہا۔ حسین لڑکی کو میرا بہت خیال تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ ودیا کو میں نے آگے بٹھا لیا تھا اور پھر گھوڑا اس کی مرضی پر چھوڑ دیا، جہاں بھی لیجائے۔ گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا۔ کافی فاصلے طے ہوگیا۔ ودیا خاموش بیٹھی تھی۔ میرے سینے سے وہ ایسے چپکی ہوئی بیٹھی تھی جیسے برسوں کے بعد انسانی لمس نے اسے بے خود کر دیا ہو۔ میں نے بھی اسے سپنوں میں کھوئے رہنے دیا اور کوئی بات نہ کی لیکن اس خاموشی سے ودیا ہی اکتا گئی۔

"کرشنو کا مہاراج!" اس نے کہا۔

"کیا بات ہے ودیا؟" میں نے کہا۔

"کچھ باتیں کرو مہاراج! تم نے بارے میں تو بتایا ہی نہیں۔"

"اپنے بارے میں تمھیں کیا بتاؤں؟" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔

"کیوں مہاراج؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"یا تو تمھاری سمجھ میں نہیں آئے گا یا تم اسے جھوٹ سمجھو گی۔"

"نہیں مہاراج! ہماری ایسی مجال ہے کہ ہم آپ کی بات جھوٹ سمجھیں۔ آپ ہمیں اپنے بارے میں بتایئے۔"

"بس تو پھر یوں سمجھو جس طرح تم صدیوں سے پتھر بنی دھن راج سبھا میں کھڑی تھیں اسی طرح میں صدیوں سے انسان کے روپ میں روئے زمین

پر بھٹک رہا ہوں۔ میرے لیے موت نہیں ہے اور میں ہر دَور کا چشم دید گواہ ہوں۔ میں نے صدیوں کا غرور دیکھا ہے، صدیوں کی تباہی دیکھی ہے۔ نہ جانے کیا کیا دیکھا ہے میں نے ودیا۔ جسے میں خود بھی سوچنے بیٹھوں تو ربط نہ رہے۔ سکون سے وجود میں اُلجھ کر تمھارا معصوم ذہن الجھنوں کے سوا کچھ نہ پاسکے گا۔"

ودیا خاموش ہوگئی اور میرے خاموش ہو جانے کے بعد بھی کافی دیر تک کچھ نہیں بولی تو میں نے ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ "خاموش کیوں ہوگئیں ودیا؟"

"ہم کیا بولیں مہاراج! تم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔ ہم نہیں جانتے تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"ہاں ودیا! میرے بارے میں جاننے کی کوشش مت کرو۔ بس یہ بتاؤ کیا میں تمھیں پسند ہوں؟"

"ہاں مہاراج! تم انوکھے ہو۔ بڑے ہی سندر۔ بڑے ہی من موہن۔"

"تم میرے ساتھ صرف اس لیے جیون گزاروگی کہ میں نے تمھیں پتھر سے انسان بنایا ہے، یا تم میرے ساتھ خوش بھی رہوگی؟"

"ہم تمھارے ساتھ خوش رہیں گے مہاراج!" اس نے لجاتے ہوئے کہا اور میں نے ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کر اسے خود سے بھینچ لیا۔ عورت کا نرم و گداز لمس میری رُوح میں گدگدیاں کر رہا تھا۔ کیا چیز ہوتی ہے عورت بھی۔ بہرحال وہ محرومی دُور ہوگئی تھی جس سے میں طویل عرصے سے دوچار تھا لیکن ایک اور خیال میرے ذہن میں سر اُبھار رہا تھا اور یہ خیال تشویشناک تھا۔ اچانک مجھے لاکھی یاد آگئی تھی۔ لاکھی جسے منوکا چڑیل نے ختم کر دیا تھا۔ کہیں ودیا بھی اس کا شکار نہ ہو جائے اور اس خیال نے مجھے پریشان کر دیا۔

بہرحال سفر جاری رہا۔ شام ہوگئی اور پھر جب ہمیں احساس ہوا کہ گھوڑا تھکن سے چُور ہوگیا ہے تو ہم نے قیام کی ٹھانی اور ایک سرسبز جگہ گھوڑے کو روک لیا اور اسے چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور پھر میں نے ودیا پر اپنے خیال کا اظہار کر دیا۔ "میں کسی قدر پریشان ہوں ودیا!"

"کیوں مہاراج؟" وہ چونک کر بولی۔

"بتادوں، تم ڈروگی تو نہیں؟" میں نے کہا۔

"نہیں مہاراج! ڈر خوف کا تو ہمارے من میں گذر ہی نہیں ہے۔ ہم ہزاروں سال ان خاموش مجسّموں کے ساتھ گذارے ہیں، جو نہ ہنستے تھے، نہ بولتے تھے۔ نہ سوچ سکتے تھے، نہ دیکھ سکتے تھے۔ بس گم صُم خاموش کھڑے رہتے تھے۔ شروع شروع میں ہمارا دل خوف سے دھڑکتا تھا لیکن پھر ہم تنہائی کے عادی ہوگئے۔ پھر ہمارے من سے ڈر بالکل نکل گیا اور اب ہم کسی چیز سے نہیں ڈرتے۔"

"اوہ، یہ تو اچھی بات ہے۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ ودیا؟" میں نے کہا۔

"وہ بھی پوچھو مہاراج!"

"کیا تمھارا جیون ایک عام منش کا جیون ہے؟"

"ہم سمجھے نہیں مہاراج؟" اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اگر کوئی تمھارے پران لینا چاہے تو آسانی سے لے سکتا ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتی مہاراج! مگر آپ نے یہ بات کیوں پوچھی؟"

"میں تمھیں بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں ودیا، تم کہہ چکی ہو کہ اب تمھارے دل میں کوئی خوف نہیں ہے۔ پچھلے دنوں ایک جادوگرنی میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔ میں نے اسے آگ میں جھونک دیا لیکن وہ چڑیل بن گئی اور میرے پیچھے لگ گئی۔ میرا تو وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی لیکن جو لڑکی مجھ سے محبت کرتی ہے وہ اس کی جان لینے کے درپے ہو جاتی ہے اور اسے مار کر ہی دم لیتی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں وہ تمھاری جان لینے پر بھی نہ تُل جائے۔" میں ودیا کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار اُبھر آئے۔ چند منٹ وہ خاموش رہی، پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"میں نہیں کہہ سکتی مہاراج کہ وہ میرا کچھ بگاڑ سکتی ہے یا نہیں۔ لیکن میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ میرے پاس بھی کچھ گیان ہے، میرے پاس بھی کچھ شکتی ہے جس سے میں نے معلوم کیا تھا کہ میں دوبارہ انسان کیسے بن سکتی ہوں۔"

"اوہ۔ ہاں تم نے مجھے بتایا تھا۔" میں نے چونک کر کہا۔

"چڑیلوں کے بارے میں مجھے صرف ایک بات معلوم ہے۔"

"کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہمیں کھلی جگہ میں نہیں سونا چاہیے۔ خاص طور سے رات کو۔ رات کو ہمیں کھلے آسمان کے نیچے نہیں ہونا چاہیے، چاہے کسی درخت کا سایہ ہی ہو لیکن سایہ ضرور ہو۔ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔"

"اوہ۔ یہ عمدہ بات ہے۔ بہرحال تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمھاری حفاظت کروں گا۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں مہاراج۔ مجھے اس بات سے ذرا بھی ڈر نہیں لگا۔ میں تو صرف اس لیے پریشان ہوگئی ہوں کہ وہ پاپن تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔" ودیا نے معصومیت سے کہا۔ اس کی حسین آنکھوں میں میرے لیے بے پناہ محبت کے آثار تھے اور وہ میرے لیے فکرمند نظر آرہی تھی۔ میں نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈالے۔

"میرے لیے بالکل فکرمند نہ ہو میری جان۔ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔" وہ بھی میرے بدن سے لپٹ گئی۔

"پھر بھی مہاراج۔ کرشنو کا مہاراج! ہم کسی پیڑ کے نیچے سوئیں گے اور تم رات بھر مجھ سے الگ نہ ہوگے!"

"میں تو تم کہو تو دن میں بھی الگ نہ ہوں۔" میں نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا لیکن اس کی آنکھوں میں وہی سادگی، وہی معصومیت نظر آرہی تھی۔ وہ شاید مرد کے کسی دوسرے رُوپ سے آشنا ہی نہ تھی۔ ہو جائے گی۔ پھر شرمائے گی بھی، لجائے گی بھی۔ میں نے سوچا اور پھر میں نے ایک سایہ دار درخت تلاش کیا اور اس کے نیچے ہم نے بسیرا کرلیا۔

"میں تمھارے ساتھ بہت خوش ہوں کرشنو کا!" ودیا میرے سینے سے سر ٹکا کر بولی۔

"میں بھی میری رُوح۔ مگر سُنو۔ تم بھوکی ہوگی؟ میں تمھارے لیے

حوز اس تلاش کروں!"

"بھوک؟" وہ پُرخیال انداز میں بولی۔ چند ساعت سوچتی رہی پھر بولی۔ "ہم جھوٹ نہیں بول رہے مہاراج۔ سنسار کی بہت سی باتیں تو ہم بالکل ہی بھول گئے۔ ہاں بھوک کچھ ہوتی تو ہے مگر کیا؟ یہ ہمیں یاد نہیں آرہا۔"

"ارے۔ کیا تمھیں بھوک نہیں لگ رہی؟ کیا تم کچھ کھاؤ گی نہیں؟"

"ہمیں تو کچھ نہیں پتہ چل رہا مہاراج۔ آپ ہمیں سنسار کی باتیں بتائیں۔ ہم نے تو صدیوں سے کچھ کھایا ہی نہیں۔ بس کھڑے کھڑے ٹکر ٹکر سارے پتھروں کو دیکھتے رہا کرتے تھے۔" اس نے جواب دیا اور میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ودیا، درحقیقت تو میری ٹکر کی ہے۔ بہرحال تو بھوک میں زندہ رہ سکتی ہے تو یہ تو اچھی بات ہے۔ میں بھی غذا کا اس قدر عادی نہیں ہوں کہ نہ ملے تو پریشان ہو جاؤں۔ ہاں لیکن بدن کی طلب مجھے بھوک سے زیادہ شدید لگتی ہے اور بہرحال اس کے لیے تو موجود ہے۔

"کیا تم نیند بھی بھول گئی ہو ودیا؟"

"نیند۔ نہیں مہاراج! مگر میں برسوں سے نہیں سوئی ہوں۔"

"لیکن تمھاری آنکھیں بوجھل ہو رہی ہیں۔"

"شاید—— آہستہ آہستہ مجھے سب کچھ یاد آجائے گا۔" اس نے کہا اور مجھے یہ بھولی ہوئی لڑکی بے حد پسند آئی۔ میں نے سوچا، اس کے ساتھ طویل لمحات خوب گذریں گے لیکن اب کسی بستی کی تلاش ضروری ہے تاکہ وہاں کچھ روز قیام کر کے سکون کی سانسیں لی جاسکیں۔ کافی دیر تک ہم نے وہیں قیام کیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑے۔ ودیا میرے سینے سے چپکی ہوئی بیٹھی تھی۔

"ایک بات بتاؤ ودیا!" میں نے کہا۔

"ہوں!"

"تمھیں اپنی پچھلی زندگی بالکل یاد نہیں ہے؟"

"سب کچھ یاد ہے مہاراج! بس یوں سمجھو میں وہ ساری باتیں بھول گئی ہوں جو زندہ انسان کرتے ہیں۔ مجھے آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آتا جارہا ہے۔"

"کیا تمھاری زندگی میں کوئی مرد کبھی داخل ہوا تھا؟"

"تمھارا جیسا نہیں۔ میری عمر زیادہ نہیں ہے مہاراج!"

"ہاں۔ اس کا اندازہ میں لگا چکا ہوں۔ تم ایک حسین عورت ہو۔ کسی بچے کی مانند، جو نیا نیا دنیا میں آیا ہو لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ بچے کا ذہن بھی چھوٹا ہوتا ہے اور—— بدن بھی—— لیکن تمھارا نہ ذہن چھوٹا ہے نہ بدن۔ تم سوچ لیتی ہو۔ کر لیتی ہو۔ جبکہ کوئی بچہ ان دونوں باتوں سے محروم ہوتا ہے۔"

"تم بھی مجھے ایک بات بتاؤ مہاراج۔" اس نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ "تمھارے جیون میں میری جیسی کوئی لڑکی آئی ہے؟" اس نے پوچھا اور میں اس کی بات پر مسکرا دیا۔ لڑکی سننا چاہتی تھی کہ وہ دنیا کی سب سے انوکھی لڑکی ہے اور یہی ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے لیکن مجھے یہ سب کچھ کہتے ہوئے عجیب لگتا تھا، خواہ مخواہ جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔

"میرا جیون لڑکیوں سے خالی نہیں ہے ودیا! لیکن ہر لڑکی الگ روپ کی حامل ہوتی ہے۔ تم پوچھ رہی ہو کہ میرے جیون میں تمھاری جیسی کوئی لڑکی آئی ہے، تو میرا جواب یہی ہے کہ نہیں۔ تم اپنے روپ کی انوکھی لڑکی ہو اور جس انداز سے تم مجھے ملی ہو تو وہ تو اور بھی عجیب ہے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج! مگر تمھارا من ہم سے بھرے گا تو نہیں؟ ہم کو چھوڑ تو نہیں دو گے؟" ودیا نے معصومیت سے کہا اور اب میری سمجھ میں آیا کہ اس نے یہ معصومانہ سوال کیوں کیا تھا۔

"نہیں ودیا! میں ایسا انسان نہیں ہوں۔ بارہا، ایک دور میں، میں نے اس وقت تک ایک عورت پر قناعت کی ہے، جب تک اس کی زندگی کی جوانی نے میرا ساتھ دیا۔ تم میرے ساتھ ہی رہو گی، اس وقت تک جب تک تم زندہ رہو گی، جوان رہو گی۔ میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے ودیا کو سینے سے لپٹا لیا اور اسے جیسے میری بات سے سکون ہو گیا۔

گھوڑے کی رفتار ہم نے تیز نہیں کی تھی۔ موسم بھی خراب نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے۔ کوئی منزل تو تھی نہیں، بس چل رہے تھے۔ ودیا خاموش ہو گئی تھی۔ سورج ہمارے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ گرمی زیادہ ہو گئی تو میں نے گھوڑے کو ایک جگہ روک لیا۔ اس پورے علاقے میں یہ خوبی تھی کہ کتنی ہی دور نکل جاؤ، سبزہ ہی سبزہ تھا۔ جس جگہ ہم رکے تھے وہ بھی بہت ہی خوبصورت تھی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک چشمہ تھا جس کے کنارے کنارے پھلوں کے درخت اگے ہوئے تھے۔ میں نے گھوڑے کی زین اتار دی اور اسے آزاد چھوڑ دیا۔ گھوڑا چشمے کے نزدیک پہنچ گیا۔ پہلے اس نے پانی پیا اور پھر گھاس کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے زین ایک درخت کے نیچے رکھ دی اور مسکرا کر ودیا کو دیکھا۔ ودیا بھی مسکراتی ہوئی میرے پاس پہنچ گئی اور پھر وہ زمین پر بیٹھ گئی۔ "لیٹ جاؤ ودیا!" میں نے پیار سے کہا اور وہ زمین پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں پیار اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ "تھک گئی ہو نا؟"

"نہیں۔" اس نے مخمور آواز میں کہا۔

"ارے ہاں۔ تم تو ابھی اپنے انسانی احساسات واپس نہیں لاسکیں۔ تم آرام کرو۔ میں تمھارے لیے پھل توڑ کر لاتا ہوں۔ پھر میں تمھیں بھوک سے آشنا کروں گا۔ میں نہیں جانتا کہ انسانی بدن میں آنے کے بعد بھی ابھی تک تمھیں ان ساری چیزوں کی طلب کیوں نہیں محسوس ہوئی اور یہ کہ اگر تم غذا اور پانی سے مزید دور رہیں تو اس کے بعد تمھاری کیا کیفیت ہو گی۔ ممکن ہے تمھارے جسم کو گھن لگ جائے اس لیے تمھیں غذا کا استعمال شروع کر دینا چاہیے۔"

"جیسی تمھاری مرضی پران ناتھ!" ودیا نے جواب دیا اور میں چشمے کے کنارے درختوں کے پاس پہنچ گیا۔ خوبصورت رنگین پھل کافی تعداد میں لٹک رہے تھے۔ میں نے درخت کو گرفت میں لیا اور پھر چند ہی جھٹکے دیے تھے کہ پھلوں کی بارش شروع ہو گئی۔ اتنے پھلوں کی تو ضرورت بھی نہیں تھی۔ بہرحال میں نے پھل سمیٹے اور ودیا کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر میں نے اسے پھل کھلائے۔ ودیا بڑے مزے سے پھل کھاتی رہی۔ پھر میں نے اسے پانی پلایا۔ میں خود بھی اس کے ساتھ شریک تھا۔ وہ میری عورت تھی پروفیسر، اور میرے اور اس کے درمیان کوئی دیوار نہیں تھی چنانچہ اب اس کا آرام، اس کی نگہداشت کی ذمہ داری میری تھی۔

پھل کھانے اور پانی پینے کے بعد وہ کسی قدر نڈھال ہو گئی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں بھی اس کے نزدیک ہی سستانے لیٹ گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ خاموش رہی اور پھر میں نے اس کی سانسوں میں گہرائی محسوس کی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ غذا سے آشنا ہوتے ہی اسے نیند آگئی تھی۔ یہ سب کچھ فطری عمل تھا۔ میں نے اسے سونے دیا اور خود درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بہرحال میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ودیا کے مل جانے سے مجھے کافی خوشی تھی۔ عمدہ وقت گذرے گا۔ گو میرے کام کے ابھی تک کوئی آثار نہیں نظر آتے تھے لیکن ودیا کے ساتھ رہ کر میں اپنے کام کے لیے جدوجہد کر سکتا تھا۔ کم از کم ایک ایسی لڑکی مل گئی جس پر منوسا کا جادو نہیں چل سکتا تھا اور اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ ودیا ابھی تک ٹھیک ٹھاک تھی۔

ودیا سوتی رہی اور میں سوچ میں ڈوبا رہا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ تب ودیا کی آنکھ کھلی۔ وہ سادہ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی اور پھر ایک دم چونک پڑی۔ "ارے کرشنو کا!"

"کیوں؟ کیا ہوا ودیا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کیا ہوا تھا؟ میں کہاں چلی گئی تھی؟" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"نیند کی وادیوں میں!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ! واقعی؟" وہ پُرمسرت لہجے میں بولی۔

"ہاں! کیا تم کوئی خوشگوار کیفیت محسوس کر رہی ہو؟"

"بے حد۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میرے اندر تو بڑی تبدیلیاں آتی جارہی ہیں کرشنو کا۔ مجھے تو بہت ہی اچھا لگ رہا ہے۔" وہ مست انداز میں بولی۔

"مجھے خوشی ہے۔ تم زندگی سے بھرپور ہوتی جارہی ہو۔" اور اس وقت تو ودیا نے درحقیقت زندگی سے بھرپور ہونے کا ثبوت دے دیا۔ وہ پاگلوں کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑی تھی لیکن میرا کیا بگاڑ سکتی تھی پروفیسر، میں تو فتح ہوں، صرف فتح—— اور جب اسے اپنی شکست کا احساس ہو گیا تو اس نے شرما کر میرے سینے میں منہ چھپا لیا۔

"تم نے مجھے نیا جیون ہی نہیں دیا کرشنو جی، نیا سنسار بھی دیا ہے۔ یہ سنسار اتنا سندر تو اس سمے بھی نہیں تھا، جب میرے پتا جی زندہ تھے۔ خود تمھارے من کی کوئی منوکامنا نہیں ہے کرشنو؟"

"میری آرزو۔" میں نے گہری سانس لی۔

"ہاں۔ تم نے میرے جیون کی ساری آشائیں پوری کر دیں۔ خود تمھارے من میں بھی تو کوئی آشا ہو گی؟"

"ہاں! میرے من میں ایک آشا ہے۔" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔

"کیا مہاراج؟" ودیا نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"ودیا! ممکن ہے میں نے اپنے بارے میں تمھیں جو کچھ بتایا تھا، وہ تمھاری سمجھ میں نہیں آیا ہو۔ میں اس وقت اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ صرف اتنا بتاؤں گا کہ میں نے دنیا کے بے شمار علوم سیکھے ہیں۔ میری زندگی کی سب سے بڑی دلچسپی یہی ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ اور ہر مذہب اور ثقافت کے علوم سیکھوں۔ تمھارے ہاں ایک علم ہے جسے تم لوگ جادو کہتے ہو۔ مجھے وہ علم بہت پسند ہے لیکن ابھی تک میں کسی ایسے انسان کو نہیں تلاش کر سکا جس سے میں وہ علم سیکھ سکوں۔"

"تم جادو سیکھنا چاہتے ہو؟" ودیا نے کہا۔

"ہاں ودیا! یہ میری سب سے بڑی آشا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمیں کوئی ایسا گیانی مل جائے۔" میں نے کہا اور ودیا کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ میں نے اسے خاموش پا کر پوچھا۔ "کیوں؟ تم کیوں پریشان ہو گئیں ودیا؟"

"میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں مہاراج!"

"کیا؟"

"ستھیانند مہاراج رندھیرا کے پہاڑوں کے دامن میں رہتے تھے۔ میرے پتا دھن راج ایک بار مجھے ان کی سیوا میں لے گئے تھے۔ ستھیانند امر تھے۔ انھوں نے امرت جل پی رکھا تھا اور وہ رندھیرا کی گپھاؤں میں تپسیا کرتے تھے۔ سنسار کے سارے جادو انھیں آتے تھے۔" ودیا پُرخیال انداز میں بولی۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ودیا کی باتیں میرے لیے بے حد دلچسپ تھیں۔ جس شخص کا وہ ذکر کر رہی تھی اگر مجھے مل جائے تو یقینی طور پر میرا کام بن سکتا ہے۔ ودیا کے خاموش ہونے پر میں بے چینی سے اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ مزید کچھ نہ بولی تو میں نے بے چینی سے کہا۔

"تم مجھے ان کے پاس لیجا سکتی ہو ودیا؟"

"ستھیانندجی امر تھے۔ صدیاں بیت چکی ہیں، پرنت مجھے وشواش ہے کہ وہ زندہ ہوں گے۔ ہاں میں نہیں کہہ سکتی رندھیرا کا کیا حال ہے۔ ممکن ہے اس علاقے کا نام ہی بدل گیا ہو۔ ہم انھیں تلاش کریں گے کرشنو!"

"ضرور تلاش کریں گے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ میری سب سے بڑی منوکامنا ہے۔ میں ہر قیمت پر گیان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمھاری سہائتا کروں گی کرشنو! میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہوگی کہ میں تمھارے کام آؤں۔"

"تم نے میرے من میں نئی جوت جگا دی ہے وڈیا۔ ہمارے جیون میں اب ایک مقصد پیدا ہو گیا ہے۔" میں نے کہا اور پھر نہ جانے کب تک میں وڈیا کے کان کھاتا رہا۔ میں اس سے طرح طرح کے سوالات کر رہا تھا اور ستھیانند کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر رہا تھا اور پھر ہم نے ایک اور رات اسی جگہ گذاری۔ ہر رات وڈیا کے من میں نئے پھول کھلتے تھے۔ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ چاہنے لگی تھی۔

دوسرے دن ہم چل پڑے اور اب مجھے شدت سے کسی آبادی کی تلاش تھی۔ تیسرے دن ہمیں آبادی کے آثار نظر آئے اور ہمارا خیال درست تھا۔ یہ کرشن پور تھا۔ کچے پکے بے شمار مکانات کا شہر۔ گلیاں اور بازار کشادہ تھے۔ سڑکوں پر گہما گہمی تھی۔ ہم دونوں مسافروں کی حیثیت سے اس شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ایک دھرم شالہ میں قیام کے لیے جگہ مل گئی اور ہمیں پتی اور استری کی حیثیت دے کر ایک کمرہ دے دیا گیا۔ مندر کی طرف سے بھوجن مل گیا۔ جب تک من چاہے ٹھہرو کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔

"ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رکیں گے وڈیا!" میں نے کہا۔

"میں نہیں سمجھی منوہر!" وڈیا پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"تم میرے من کی بات جانتی ہو وڈیا۔ میں جلد از جلد ستھیانند تک پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

"تمھاری منوکامنا اوش پوری ہوگی کرشنو کا، چنتا مت کرو۔ ہم یہاں رک کر رندھیرا کے بارے میں معلوم کریں گے۔ ہمیں ضرور پتہ چل جائے گا۔"

"یہی میں چاہتا ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ وڈیا بحیثیت عورت میرے لیے دلکش تھی لیکن بہرحال میں اپنا کام بھی پورا کرنا چاہتا تھا۔ اس میں جتنی دقتیں ہو رہی تھیں اتنا ہی میرا شوق بڑھتا جا رہا تھا۔ وڈیا انوکھی تھی اس لیے کہ منوما کا جادو اس پر نہیں چل سکا تھا۔ یہ بات تو میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ منوما نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہوگا لیکن یقیناً وڈیا جیسی پُراسرار ہستی پر اس کا جادو نہیں چل سکا ہوگا۔ اسی لیے وڈیا زندہ تھی اور وڈیا کی زندگی بہرحال میرے لیے سکون بخش تھی لیکن اب وڈیا نے جو کچھ مجھے بتایا تھا اس نے میرے دل میں وڈیا سے دلچسپی اور بڑھا دی تھی۔ اگر وہ مجھے ایسے کسی آدمی تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئی تو اس سے عمدہ بات کیا ہو سکتی ہے۔ وڈیا نے بھی پوری طرح میری دلچسپی محسوس کر لی تھی اور وہ بھی اس سلسلے میں پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔

پھر میں اپنے طور پر اور وڈیا اپنے طور پر اس بارے میں کوشش کرنے لگے اور دوسرے دن شام کو وڈیا نے مجھے ایک خوشخبری سنائی۔ "کرشنو کا۔" اس نے مسرور لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے وڈیا؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ کام بنا؟" وڈیا بولی۔

"نہیں وڈیا! لوگ اس طرح اس نام کو سنتے ہیں جیسے روئے زمین پر اس کا وجود ہی نہ ہو۔"

"لوگ صحیح کہتے ہیں کرشنو کا مہاراج!" وڈیا مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیا مطلب؟"

"اگر تم لوگوں سے پوچھو کہ ستھیا پہاڑی کہاں ہے تو وہ فوراً تمھیں اس کے بارے میں بتا دیں گے۔"

"ستھیا پہاڑی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں! رندھیرا کا نیا نام یہی ہے۔ ہمارے لیے نیا لیکن یہاں کے لوگ پرکھوں سے یہی نام جانتے ہیں اور ستھیانند مہاراج آج بھی انہی پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔"

"اوہ! لیکن وہ پہاڑی یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"بالکل دور نہیں۔ صرف بیس کوس دور۔"

"اوہ، کیا یہ اتفاق نہیں ہے وڈیا؟" میں مسرور ہو کر بولا۔

"ہاں۔ انوکھی بات ہے کہ ہم اسی جگہ آنکلے۔"

"مگر تمھیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"بس ایک جٹا دھاری سادھو جی مل گئے۔ میں نے ان سے پوچھ لیا وہ مسکرائے اور مجھے یہ بات بتائی۔"

"پھر اب ہم کب روانہ ہوں گے وڈیا؟"

"جب تم کہو مہاراج!" وڈیا نے جواب دیا۔

"کل صبح صبح ہم یہاں سے چلیں گے۔" میں نے کہا اور وڈیا نے گردن جھکا دی۔ اس رات میں بہت خوش تھا۔ وڈیا بھی میری خوشی سے خوش تھی، اس نے متحیرانہ انداز میں بتایا کہ ستھیانند مہاراج آج بھی اسی طرح پوجے جاتے ہیں۔ "لوگ انھیں بخوبی جانتے ہیں لیکن ہم وہاں تنہا نہیں چلیں گے ناتھ۔" آخر میں اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟ ہمارے ساتھ کون جائے گا؟"

"کسی نہ کسی کو ساتھ ضرور لیجانا پڑے گا۔" وہ پُرخیال انداز میں بولی۔

"میں نہیں سمجھا وڈیا؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم چنتا مت کرو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔ میں تمھیں وچن دے چکی ہوں کہ تمھیں مہاراج ستھیانند سے ضرور ملاؤں گی۔ جتنے بڑے گیانی، جتنے بڑے تیاگی وہ ہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو ان سے ملنا آسان بات نہیں ہے۔ بہت کچھ کرنا ہوگا۔" وڈیا نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ اگر وڈیا سارے کام سنبھالنے کے لیے تیار تھی تو پھر مجھے الجھنے کی کیا ضرورت تھی!

پھر وڈیا کی حسین آغوش میں پہنچ کر میں سب کچھ بھول گیا۔

دوسری صبح وڈیا مجھ سے آ گیا لیکر چل گئی اور پھر کافی دیر کے بعد وہ واپس آئی۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ اس نے پیار بھرے انداز میں مجھے دیکھی اور بولی۔ "سب ٹھیک ہو گیا کرشنو!"

"ہوں۔ پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"بس۔ چلو۔" وڈیا نے کہا اور میں تیار ہو گیا۔ وڈیا اپنے لیے بھی ایک گھوڑا لے آئی تھی۔ ہم دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد شہر سے باہر نکل آئے۔ وڈیا ایک مخصوص جگہ پہنچ گئی۔ یہاں ایک رتھ کھڑا ہوا تھا جو چاروں طرف سے بند تھا۔ رتھ میں دو گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ اندر نہ جانے کون تھا۔ میں نے وڈیا سے اس کے بارے میں پوچھا۔

"اس میں وہ ہیں مہاراج، جو ہمارے ساتھ جائیں گے۔" وڈیا نے گول مول سا جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا وڈیا!" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کرشنو کا!" وڈیا التجا آمیز لہجے میں بولی۔ "مہاراج ستھیانند کے پاس جانے کے لیے کچھ کشٹ بھوگنے پڑتے ہیں، کچھ کام کرنے پڑتے ہیں — میں تمھارے کارن وہ سارے کام کر رہی ہوں۔ تم میرے کارن صرف ایک کام کرو اور وہ یہ کہ مجھ سے ان کاموں کے بارے میں کچھ مت پوچھو۔ یہ بہت ضروری ہے کرشنو ورنہ میں ایسی بات نہ کرتی۔"

"اوہ! کیا بے وقوفی کی بات ہے وڈیا۔ گویا میرے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے اور مجھے ہی کچھ نہیں بتایا جائے گا۔" میں نے کہا۔

"ہاں مہاراج! ایسی ہی بات ہے۔ بس اب آپ اس بارے میں کچھ مت پوچھیں۔" وڈیا نے کہا اور میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ کیا حماقت کی تھی اس بے وقوف لڑکی نے۔ حالانکہ اس نے ایک عجیب زندگی گذاری ہے لیکن اس کی اس عمر کو تو زندگی میں شامل ہی نہیں کیا جا سکتا جو اس نے بھٹکی حیثیت سے گذاری ہے۔ دوسری حیثیت میں وہ صرف ایک کمسن لڑکی ہے لیکن — نہ جانے کیوں وڈیا کی بعض باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کافی جہاندیدہ ہے اور بعض باتوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے۔

بہرحال میں خاموش ہو گیا۔ وڈیا نے اپنا گھوڑا بھی رتھ میں جوت لیا اور پھر وہ خود رتھ ہانکنے لگی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وڈیا پہلے سے زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی، رتھ ہانکتی ہوئی وہ عجیب لگ رہی تھی — میں خاموشی سے سفر کرتا رہا۔ گھوڑے تیز رفتاری سے چل رہے تھے اور میں نے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ اب میں اتنے کچے ذہن کا مالک بھی نہیں تھا کہ رتھ کے بارے میں ہی پڑ جاتا۔ میں تو اب اس شخص کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے وڈیا کے امرت جل پی لیا تھا اور ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا تھا — وہ بعض لحاظ سے میرا ہی بھائی بند تھا۔

وڈیا نے کافی دور چل کر ایک جگہ قیام کیا۔ رتھ اس نے ایک درخت کی چھاؤں میں روک دیا اور پھر خود بھی ایک درخت کے نیچے آ گئی۔ "ہم رات یہیں گذاریں گے مہاراج!" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ آگے نہیں چلو گی؟ ابھی تو روشنی باقی ہے۔"

"آگے پتہ نہیں ایسی جگہ ملے یا نہ ملے اور پھر ابھی راستہ تو کافی باقی ہے۔ ابھی تو کل بھی اتنا ہی سفر طے کرنا ہے، جتنا آج کیا ہے۔ پھر جلدی کیوں کی جائے۔"

"جیسی تمھاری مرضی۔" میں نے کہا اور وڈیا مسکرانے لگی۔ پھر اس نے قیام کا مختصر بندوبست کیا اور میرے آرام کے لیے جگہ بنا دی۔ رتھ اسی طرح کھڑا تھا۔ "کیا رتھ کے گھوڑے نہیں کھلیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"کھولنے پڑیں گے مہاراج!" وڈیا نے کہا۔

"لیکن یہ خاموش لوگ کون ہیں؟ میں نے ایک بار بھی ان کی آواز نہیں سنی۔"

"ہاں۔ انھیں خاموش رہنے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔"

"مجھے ان کے بارے میں بتاؤ وڈیا۔ تم نے خواہ مخواہ کی الجھن ڈال دی ہے۔"

"اس میں الجھنے کی کیا بات ہے مہاراج؟"

"میں جانتا ہوں تم جو کچھ کر رہی ہو، میرے لیے کر رہی ہو۔ میں تمھارے کسی کام میں رکاوٹ تو نہیں ڈالوں گا۔ پھر تم مجھے اس بارے میں کیوں نہیں بتا رہیں؟"

"نہ بتلانے کی کوئی بات نہیں ہے مہاراج۔ بس یہ ٹوٹکے ہوتے ہیں۔ تم انھیں دیکھو گے تو ان کے بارے میں پوچھو گے اور یہیں سے بات خراب ہو جائے گی۔ میں تمھیں ان کے بارے میں بتاؤں گی ضرور مہاراج لیکن ابھی نہیں، کام ہونے کے بعد۔"

"میں انھیں دیکھ بھی نہیں سکتا؟" میں نے پوچھا اور وڈیا کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے گردن ہلائی۔

"دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کرو گے۔ انھوں نے برت رکھا ہوا ہے، بولیں گی نہیں اس لیے تم ان سے بات کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ آؤ۔ ہم انھیں نیچے اتار لیں۔" وڈیا نے کہا اور پھر وہ میرے ساتھ رتھ کے قریب پہنچ گئی۔ تب رتھ کا پردہ ہٹا اور میں نے ان چاروں خوبصورت لڑکیوں کو دیکھا جن کے چہرے پیلے پڑے ہوئے تھے۔ نوجوان لڑکیاں تھیں۔ کسی کی عمر سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ان کے جسموں پر سفید ساڑھیاں تھیں اور بال کھلے ہوئے تھے۔ ایک عجیب سا خوف، عجیب سی سوگواری نظر آ رہی تھی ان کے چہروں پر۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی مرضی سے نہ آئی ہوں۔

"نیچے آ جاؤ سُنتھا باریو۔" وڈیا نے کہا اور وہ سب گرتی پڑتی رتھ سے نیچے اتر آئیں۔ میں الجھی ہوئی نگاہوں سے انھیں دیکھتا رہا۔ لڑکیوں کی کیفیت سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خوش نہیں ہیں اور کسی نہ کسی طرح وڈیا کے زیرِ اثر ہیں لیکن اب میں وڈیا سے ان کے بارے میں کیسے معلوم کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ نہ جانے کیوں وڈیا میری نگاہوں میں پُراسرار ہو گئی۔ اس کے پُراسرار ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تھا۔ پتھر سے انسان بنی تھی، اپنی عمر صدیوں

کی بتاتی تھی لیکن اس کے ساتھ اس نے جو کچھ بتایا تھا اس سے وہ معصوم قرار دی جا سکتی تھی لیکن اب یہ نیا مسئلہ ــــــ

بہر حال میں نے حسبِ وعدہ اس سے اس بارے میں اور کچھ نہیں پوچھا لیکن ان لڑکیوں کے لیے میرے دل میں ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے تہیّہ کر لیا کہ موقع ملتے ہی لڑکیوں سے ان کا احوال ضرور پوچھوں گا اور میں اس کے انتظار میں رہا۔ لڑکیاں خاموشی سے درخت کے نیچے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ ودّیا نے انھیں پھل کھانے کو دیے تو انھوں نے خاموشی سے پھل کھا لیے لیکن ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔

پھر رات کو ودّیا میرے پہلو میں آ گئی۔ لڑکیاں اسی طرح بیٹھی تھیں۔

"کیا وہ سوئیں گی نہیں؟" میں نے ودّیا سے پوچھا۔

"جب نیند آئے گی تو سو بھی جائیں گی۔"

"ایک بات تو بتا دو ودّیا؟"

"انھی کے بارے میں ہو گی؟" ودّیا عجیب سے لہجے میں بولی۔

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

"میں دیکھ رہی ہوں ناتھ، تم بُری طرح ان میں الجھے ہوئے ہو۔"

"ہاں ودّیا! ان کی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے تمھارے ساتھ نہیں آئیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ وہ اپنی خوشی سے نہیں آئیں۔"

"مگر تم انھیں کیوں لائی ہو؟"

"ضرورت کے تحت!" ودّیا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا ضرورت ہے ان کی؟" میں نے بھی سخت لہجے میں کہا۔

"کرشنو! بس جو کچھ کر رہی ہوں، تمھارے لیے کر رہی ہوں اور تم ــــــ اور تم مجھ سے ایسی باتیں کر رہے ہو۔"

"سُنو ودّیا! میرے پاس طویل عمر ہے۔ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ کوئی کام اگر سالوں نہ ہو پائے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اس کے بعد میں اسے کر لوں گا لیکن اپنے کسی کام کے لیے میں کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا جس سے کسی کو نقصان پہنچے۔" میں نے کہا اور ودّیا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے رہے۔ پھر وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرا دی۔

"میں جانتی ہوں ناتھ، تم نرم ہردے کے مالک ہو۔ پر تم میں انھیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچاؤں گی۔"

"پھر انھیں کیوں لائی ہو؟"

"یہ نَرتکی ہاریاں ہیں۔ مندروں میں ناچتی ہیں۔ میں انھیں سوامی ستھیانند جی کے دوار لے جاؤں گی۔ یہ سوامی مٹھ میں ناچیں گی اور مہاراج خوش ہو جائیں گے تب ہماری منوکامنا پوری ہو گی۔ پھر ہم انھیں واپس پہنچا دیں گے۔"

"اوہ! یہ ضروری ہوتا ہے؟"

"ہاں کرشنو کا! ان رشیوں مُنیوں کی بھی کچھ باتیں ہوتی ہیں جو پوری ہی ہوتی ہیں۔ یوں سمجھو یہ دکشنا ہوتی ہے جو انھیں دی جاتی ہے۔"

"لیکن یہ لڑکیاں خوفزدہ کیوں ہیں؟"

"یہ ہمارے ساتھ آنے کو تیار نہیں تھیں۔"

"پھر؟"

"میں انھیں زبردستی لائی ہوں۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اگر وہ ساتھ چلنے کو تیار نہ ہوئیں تو ان کی سُندرتا ہمیشہ کے لیے چھن جائے گی۔ بس دھمکی انھیں لے آئی ہے ورنہ وہ نہ آتیں۔ وہ سوچ رہی ہیں کہ نہ جانے ان کے ساتھ کیا سلوک ہو۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔" میں نے سادگی سے اس کے بیان پر یقین کر لیا۔ لڑکیوں کے خوف کی وجہ بھی میری سمجھ میں آ گئی اور ودّیا کی ضرورت بھی۔ بہر حال وہ انھیں لے آئی تھی اس لیے کوئی حرج نہیں تھا اور پھر اس طرح اگر کام ہو تو کیا حرج ہے۔ یہ تو میں دیکھ چکا تھا کہ ناچ رنگ ان لوگوں کا مذہب ہے۔ ان کی عبادت گاہوں میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ چنانچہ میں مطمئن ہو گیا اور ودّیا کی طرف سے جو شبہات میرے ذہن میں پیدا ہوئے تھے ختم ہو گئے۔ تب بقیہ رات سکون و اطمینان سے گذری۔ لڑکیاں بھی ایک دوسرے پر گر پڑ کر سو گئی تھیں اور رات کے آخری پہر میں ہم دونوں بھی سو گئے۔ پھر صبح خوب سورج چڑھے جب ہماری آنکھ کھلی۔

چاروں لڑکیاں اسی درخت کے نیچے بیٹھی اونگھ رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر وہی اُداسی، وہی سوگواری تھی۔ حالانکہ وہ رات میں فرار بھی ہو سکتی تھیں لیکن نہ جانے کیوں انھوں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے رتھ میں گھوڑے جوتے اور ہم چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ راستے میں، میں نے ودّیا سے اس بارے میں پوچھا۔

"میں نے ان لڑکیوں میں ایک خاص کیفیت پائی ہے ودّیا! اس کی ..."

"کیسی کیفیت کرشنو؟"

"یہ صبح کو ہمارے جاگنے سے پہلے جاگ گئی تھیں۔"

"ہاں۔ پھر؟"

"اگر یہ بھاگنا چاہتیں تو بھاگ سکتی تھیں۔"

"جاتی کہاں سُسریاں اس جنگل میں؟ اور پھر تمھاری ودّیا کے پاس بھی تو کچھ ودّیا ہے۔" ودّیا مسکراتی ہوئی بولی۔

"اوہ! کیا مطلب؟"

"میں تمھیں بتا چکی ہوں پران ناتھ کہ میرے پتا نے مجھے کچھ گیان سکھائے تھے جن کی مدد سے میں نے اپنے نئے جیون کے بارے میں معلوم کیا۔"

"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔"

"تھوڑی سی شکتی میرے پاس بھی ہے، اسی کی مدد سے میں نے ان کے پاؤں باندھ رکھے ہیں۔"

"اور شاید زبانیں بھی؟" میں مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟ زبانیں کیوں؟"

"میں نے انھیں بولتے ہی نہیں سُنا۔"

"پگلی ہیں سُسریاں۔ خود کو مصیبت کا مارا سمجھتی ہیں اس لیے ان کے حواس بھی خراب ہو گئے ہیں اور اچھا ہی ہے ورنہ ہمارے کان کھا جاتیں۔" ودّیا ہنس کر بولی۔

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور پھر باقی سفر خاموشی سے طے ہو گیا۔ مجھے ودّیا پر اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ میں نے باقی راستے میں اس سے کوئی سوال نہیں کیا اور پھر ہم اونچی پہاڑیوں کے قریب پہنچ گئے۔ سورج ڈھلان کا سفر طے کر رہا تھا۔ فضا میں دھوپ کی تیزی ختم ہو گئی تھی۔ سارے راستے ہم نے لڑکیوں کی کوئی آواز نہیں سُنی تھی۔ یہ سب کچھ مجھے عجیب لگ رہا تھا لیکن بہر حال میں نے اس وقت اس بارے میں کچھ سوچنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں تو اب اس شخص کے بارے میں سوچ رہا تھا جس سے مجھے ملاقات کرنی تھی۔

میرا گھوڑا اور ودّیا کا رتھ پہاڑیوں کے قریب پہنچ گیا اور ودّیا نے رتھ روک لیا۔

"کیا یہی ہماری منزل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ستھیا پہاڑی یہی ہے۔" ودّیا نے جواب دیا۔

"لیکن پہاڑی سلسلہ تو دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہمیں ستھیانند کی گپھا تلاش کرنا پڑے گی۔"

"شاید نہیں۔" ودّیا نے جواب دیا۔

"تمھیں کوئی اندازہ ہے؟" میرے ذہن میں پھر شبہ جنم لینے لگا۔

"کسی حد تک۔" ودّیا پُرخیال انداز میں بولی۔ وہ پہاڑیوں میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ رتھ میں داخل ہوئی اور اس نے رتھ میں لگا ہوا گھنٹہ بجانا شروع کر دیا۔ ٹھن ٹھن کی آوازیں پہاڑوں میں گونجنے لگیں۔ ودّیا کافی دیر تک گھنٹہ بجاتی رہی تھی اور پھر شاید اس نے تھک کر ہی گھنٹہ بند کیا تھا۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ قرب و جوار کی پہاڑیوں میں ابھی کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ ودّیا رُک گئی۔ وہ بھی گھنٹے کی آواز کا ردِّ عمل چاہتی تھی اور پھر ردِّ عمل ہوا۔ ہمیں اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ دونوں جٹا دھاری سادھو کہاں سے نکل آئے تھے۔ دونوں کریہہ المنظر تھے۔ ان کے جسموں پر نہایت مختصر لباس تھے۔ بدن گرد میں اٹے ہوئے تھے۔ بال بھی ایسے خراب تھے کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سُرخ تھیں۔ دونوں ہمارے سامنے آ گئے اور ودّیا انھیں دیکھنے لگی۔

پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ میں اسی طرح کھڑا انھیں دیکھتا رہا تھا۔

"کون ہے تو ناری؟ مہاراج ستھیانند کی تپسیا کیوں بھنگ کی ہے تُو نے؟" ایک سادھو نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں مہاراج سے ملنے آئی ہوں۔"

"کیوں ملنے آئی ہے؟" سادھو کڑک کر بولا۔

"مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے۔"

"مگر مہاراج کسی سے نہیں ملتے۔" دوسرا سادھو بولا۔

"مجھ سے ملیں گے۔ تم انھیں اطلاع دو۔"

"اندر کون ہے؟"

"سب کچھ مہاراج کو ہی بتایا جا سکتا ہے۔" ودّیا نے جواب دیا۔

"ہم مہاراج کے داس ہیں۔"

"میں بھی ان کی داسی ہوں۔" ودّیا برجستہ بولی۔

"اور یہ منوئی کون ہے؟"

"میرا پریمی!" ودّیا نے جواب دیا۔

"اوہ! تو اپنے پریمی کے ساتھ آئی ہے۔ شاید تم دونوں مہاراج ستھیانند کی آشیرواد چاہتے ہو۔" ان میں سے ایک نے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

"کیا مہاراج نے تمھیں اس کا ادھیکار دیا ہے کہ تم دونوں ان سے ملنے آنے والوں سے ٹھٹھول کرو؟" ودّیا نے پوچھا۔

"تُو نے بات ہی ٹھٹھول کی کی ہے۔" سادھو بولا۔

"کیوں؟ اس میں ٹھٹھول کی کیا بات ہے؟"

"مہاراج پچھلے بارہ برسوں میں کسی منوئی سے نہیں ملے۔"

"اور ناری سے؟" ودّیا نے پوچھا۔

"ہاں ناری سے ملنے میں انھیں کوئی کرودھ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، تو میں ان سے ملوں گی۔" ودّیا بولی۔

"اور یہ منوئی کہاں رہے گا؟"

"انھی پہاڑوں میں رہے گا۔ میرا انتظار کرے گا، تمھیں کیا۔" ودّیا نے کہا اور میں نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔ ودّیا نے مجھ سے پوچھے بغیر میرے بارے میں فیصلہ کر دیا تھا۔ دونوں سادھو کچھ سوچنے لگے۔ پھر انھوں نے گردن ہلائی اور بولے۔

"رتھ میں کیا ہے؟"

"بلی!" ودّیا آہستہ سے بولی۔ میں نے اس کے الفاظ پر غور نہیں کیا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اچانک دونوں سادھوؤں کا رویّہ بدل گیا اور پھر وہ بولے۔

"چلیے دیوی جی۔ بھگوان کرے ستھیا مہاراج آپ سے ملنے پر تیار ہو جائیں۔" تب ودّیا میرے پاس آئی اور میرے بازوؤں پر رخسار رکھ کر بولی۔

"میں سنسار کی سب سے پیاری چیز کی سوگند کھا کر کہتی ہوں کرشنو، جو کچھ کر رہی ہوں، تمھارے لیے کر رہی ہوں۔ تم یہاں میرا انتظار کرنا۔ ممکن ہے مجھے دیر لگ جائے، پرنت میں مہاراج کو تیار کر لوں گی۔ اوش تیار کر لوں گی کہ وہ تمھیں اپنے پاس بلا لیں اور گیان دیں۔"

"میں یہاں تمھارا انتظار کروں ودّیا؟" میں نے کہا۔

"ہاں مہاراج!" اس نے خوشامدانہ انداز میں کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ سب کچھ برداشت کر رہا تھا، یہ بھی سہی۔ حالانکہ یہ سب کچھ میری سمجھ

میں نہیں آرہا تھا۔ بہرحال بہت سے گورکھ دھندے ابھی میری سمجھ سے باہر تھے اس لیے میں نے دخل نہیں دیا اور پھر ودیا ——————

سادھوؤں کے ساتھ چل پڑی۔ گھوڑا اس نے میرے پاس چھوڑ دیا تھا اور خود رتھ ہانکتی ہوئی لے گئی تھی۔ دونوں سادھو رتھ کے پیچھے پیچھے پیدل چل رہے تھے۔ گھوڑوں کی رفتار بہت تیز تھی لیکن میں نے دیکھا دونوں سادھو بآسانی قدم بڑھاتے ہوئے رتھ کے پیچھے جا رہے تھے۔ ان کے قدم جیسے زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے۔

اور اس منظر نے مجھے کسی حد تک مطمئن کر دیا۔ ان لوگوں کی یہ کیفیت دیکھ کر میں نے سوچا کہ ممکن ہے میں بھی یہاں کچھ سیکھ جاؤں۔ چنانچہ میں نے پوری دلجمعی سے ودیا کے انتظار کا فیصلہ کر لیا اور اس وقت تک رتھ کو جاتے دیکھتا رہا، جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ گویا یہاں سے ستھیانند مہاراج کے استھان کا کافی فاصلہ تھا۔

بہرحال پھر میں اپنے قیام کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ پورا علاقہ ہی مناسب تھا۔ تاہم میں نے مناسب ترین جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور بلندی سے چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا۔ پھر ایک اور نزدیکی ٹیلے پر مجھے پھولوں کے کچھ جھنڈ نظر آئے اور میں نے جھنڈ کے نزدیک کی جگہ پسند کی۔ پھر میں اس ٹیلے سے اس دوسرے ٹیلے پر پہنچ گیا اور پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے نزدیک ایک سرسبز علاقے کو میں نے اپنا مسکن بنا لیا اور وہاں پر لیٹ گیا۔ کام ہی کیا تھا۔ کسی خاص چیز کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ بس سوچنے کے علاوہ کچھ نہیں۔ شام ہو گئی۔ سورج ڈوب گیا۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے جمع ہونے لگے اور انھوں نے روشنی کو وقت سے پہلے چھپا دیا۔ تاریکی اس تیزی سے پھیلی کہ تھوڑی دیر کے بعد ساری پہاڑیاں اندھیرے میں غروب ہو گئیں۔

میں اپنی جگہ لیٹا رہا۔ کوئی خیال ذہن میں نہیں تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور ایسے اوقات میں ماضی کی داستانیں میری سب سے بڑی مونس ہوتی تھیں۔ کچھ بھی سوچ لیا جائے دلکش تھا، دلچسپ تھا۔ بادلوں نے آسمان ڈھک لیا تھا ورنہ اپنے دوست ستاروں سے ہی گفتگو کی جاتی۔ طویل عرصہ ہو گیا تھا، ان سے ملاقات کیے ہوئے۔ بہرحال ادوار میرے ذہن میں گردش کرنے لگے۔ وحشیوں کی بستیاں، انسان کی ابتدائی شکل، لاکا، لولیتا، شکالا اور نہ جانے کیا کیا۔ پھر فراعنہ کے دربار، پھر یونان کی سطوت اور پھر اس کے بعد کے دور —— اور یہ مختصر وقت نہیں تھا۔ روشنی کا احساس ہونے پر میں نے بند آنکھوں سے یہ مناظر نکالے اور حیرت سے اس اچانک پھیل جانے والی روشنی کو دیکھا۔ سورج تھا جو اچانک نکل آیا تھا۔ بالکل نا وقت۔؟

لیکن دھوکا مجھے ہی نہیں ہوا تھا، ننھے ننھے پرندے بھی دھوکا کھا گئے تھے، یا پھر۔ یا پھر واقعی رات چپکے سے گذر گئی تھی۔ آہٹ کیے بغیر۔ یا۔ مجھے ہی وقت کے گذرنے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ کچھ ہوا ضرور تھا۔ یوں بھی میں نے صدیوں کی یاد تازہ کی تھی اور اگر اس کی رفتار تیز نہ ہوتی، اگر واقعات چھلانگیں مارتے نہ گذرتے تو۔ شاید ایک صدی بھی ایک رات میں پوری نہ ہوتی۔ بہرحال دن نکل آیا تھا اور پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

انتظار۔ تنہائی مجھے زیادہ پسند نہیں آئی۔ میں سوچنے لگا مجھے کیا کرنا چاہیے۔ لاؤ شکار کیا جائے۔ گوشت کھائے ہوئے عرصہ گذر گیا تھا۔ ہندو معاشرے میں گوشت کھانا جائز نہیں تھا لیکن میں بہرحال گوشت خور تھا، بلکہ کیا کیا کھا لیتا تھا، ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ میں نے شکار کے جانوروں کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ بہت کچھ تھا۔ خرگوش، تیتر اور دوسرے جانور۔ خرگوش ٹھیک رہے گا، میں نے سوچا اور پھر نوکدار پتھر تلاش کرنے لگا۔

میرے مطلوبہ پتھر مجھے مل گئے اور میں نے خرگوش کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ کمی تو تھی نہیں۔ میرے ہاتھ سے ایک پتھر نکلا اور خرگوش نے قلابازی کھائی۔ پھر وہ کیا چل سکتا تھا۔ اسی طرح میں نے چار خرگوش ہلاک کیے اور پھر آگ تلاش کرنے لگا لیکن اس سرسبز علاقے میں سوکھی گھاس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ آگ کہاں سے آتی۔ تب میں نے صبر کیا اور پھر کچا گوشت ہی کھانے کا فیصلہ کیا۔ بھوننے سے گوشت میں کچھ اور لذت پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی تصور میرے ذہن میں نہیں تھا۔ بہرحال کچا ہی سہی اور میں بیٹھ کر دانتوں سے خرگوش کی نرم کھال ادھیڑنے لگا اور تھوڑی دیر کے اندر ان چاروں کو چٹ کر گیا۔ خرگوش کے خون نے ہی پانی کی طلب بھی پوری کر دی تھی ورنہ یہاں قرب و جوار میں پانی نہیں نظر آرہا تھا۔ اس کے بعد میں زمین پر لیٹ گیا —— بے کاری کا شغل بھی کیا ہو سکتا تھا۔

اور لیٹنے کے بعد اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ودیا کسی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔ دونوں سادھو شکل سے ہی شیطان نظر آرہے تھے۔ کہیں انھوں نے ودیا کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کیا ہو۔ اوہ۔ احمق لڑکی میری وجہ سے کسی مصیبت میں تو گرفتار نہیں ہو گئی۔ سادھوؤں نے اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا دیا۔ بہت سے وسوسے میرے ذہن میں گردش کرنے لگے اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں نے پریشانی سے گردن کھجائی —— کیا میں ودیا کو تلاش کروں؟ اس طرف جاؤں جدھر وہ رتھ لے گئی تھی لیکن وہ مجھ سے انتظار کرنے کو کہہ گئی تھی اور پھر۔ اور پھر —— وہ خود بھی کچھ گیان رکھتی تھی، اسے آسانی سے قابو میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر میں سادھوؤں کے علاقے میں نکل جاؤں تو ممکن ہے ودیا کا کام بگڑ جائے اس لیے ابھی کچھ اور انتظار کر لیا جائے۔ ودیا خود بھی تو میری طرف سے غافل نہیں ہو گی۔ میں نے خود کو روکا اور ایک رات اور تنہا گذارنے کا فیصلہ کر لیا۔ رات اتنی آسانی سے نہیں آئی جتنی آسانی سے پچھلی رات کی صبح ہو گئی تھی۔ بہرحال رات ہو گئی لیکن نہ جانے اس علاقے میں شام ہوتے ہی بادل کیوں چھا جاتے تھے۔ بارش پچھلی رات بھی نہیں ہوئی تھی، بس رات بھر بادل چھائے رہے تھے اور صبح ہوتے ہی آسمان صاف ہو گیا تھا۔ آج بھی آسمان بادلوں سے چھپا ہوا تھا اور تاریکی خوب گہری تھی۔ یوں تو نہ جانے میں نے کیسا کیسا وقت گذارا تھا۔ صدیاں انسانوں سے دور گذار دی تھیں لیکن انسانوں سے قریب رہ کر جنگل کی یہ

تنہائی بڑی شاق گذر رہی تھی۔ میں اپنی مخصوص جگہ پر لیٹ گیا اور لیٹا رہا۔

اور پھر رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اچانک میں نے دور۔ بہت دور روشنی دیکھی۔ میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ یہ روشنی کسی پہاڑی ٹیلے پر ہو رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے پہاڑوں میں کسی ساز کی آواز سنائی دی اور دور کی یہ آواز کانوں کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ یہ روشنی اور آواز اس سمت سے نہیں آرہی تھی جدھر ودیا گئی تھی بلکہ یہ اس کی مخالف سمت تھی۔ اس طرف جانے میں کوئی قباحت نہیں تھی چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ روشنی کے قریب جاؤں گا اور پھر میں ٹیلے سے اتر آیا۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے دوڑ لگانا پڑی تھی۔ رات تاریک ضرور تھی لیکن میری آنکھیں رات کی تاریکیوں میں بھی دن کی روشنی کی مانند دیکھ سکتی تھیں، چنانچہ میں نے پہاڑیاں پھلانگنا شروع کر دیں۔ ایک عام آدمی آدھی رات تک بھی وہ فاصلہ طے نہیں کر سکتا تھا جو میں نے تھوڑی دیر میں طے کر لیا اور پھر میں اس ٹیلے پر چڑھ گیا جس پر آگ روشن تھی۔ ہاں وہ روشنی آگ جلنے سے ہی ہو رہی تھی۔ کسی نے آگ کا چھوٹا سا الاؤ روشن کر رکھا تھا لیکن اسے خشک لکڑیاں کہاں سے مل گئیں۔ میں نے آگ کے عقب میں ایک ہیولا سا محسوس کیا۔ کوئی چادر اوڑھے ساز بجا رہا تھا —— روشنی کی تپش اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ میں نے دیکھا وہ لمبی سفید داڑھی والا ایک سادھو تھا، جس کے ہاتھ میں ایک بے ہنگم ساز تھا اور ساز کے اکلوتے تار کو وہ انگلی سے بجا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ ساز کی آواز میں مست تھا۔

لیکن سب سے زیادہ حیرت مجھے آگ کو دیکھ کر ہوئی۔ میں نے دیکھا جس چیز سے شعلے اٹھ رہے تھے وہ لکڑیاں نہیں تھیں، بلکہ پتھر تھے۔ پتھر آگ اگل رہے تھے۔ وہ سوکھی لکڑیوں کی طرح جل رہے تھے۔ یہ کیا چکر ہے؟ میں نے سوچا۔ یہ سادھو کون ہے؟ اور میں آگ کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ کافی دیر تک میں خاموش کھڑا رہا لیکن سادھو کو شاید میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے اپنے ساز میں مصروف رہا اور جب میں کھڑے کھڑے اکتا گیا تو میں نے زور سے پاؤں زمین پر پٹخا۔

”کیا تو سُر سے ناآشنا ہے بالک؟“ سادھو کی آواز ابھری۔ اس کی آنکھیں اسی طرح بند تھیں، البتہ اس نے ساز سے انگلی ہٹا لی تھی اور اب صرف تار کی جھنکار گونج رہی تھی۔

”تو تمھیں میرے آنے کی خبر تھی؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔ من کی آنکھوں سے تجھے دیکھ رہا تھا۔“ سادھو نے جواب دیا۔

”اور اس کے باوجود مجھ سے مخاطب نہیں ہوئے؟“ میں نے کہا۔

”تیرے من کو دکھ ہوا۔“ سادھو نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

”میں بہت دور سے تمھیں دیکھ کر آیا ہوں۔“

”شما کر دے بالک۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ سُر تیرے من کو بھی شانتی دے رہے ہوں۔“ وہ معذرت آمیز انداز میں بولا۔

”کیا تمھیں اس کا احساس ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ مجھے افسوس ہے۔“

”تب ٹھیک ہے۔ احساس کرنے والے برے لوگ نہیں ہوتے۔“

”اچھی ذات صرف پربھو کی ہے۔ منش تو برائیوں کی پوٹ ہے۔“ اس نے انگلی اٹھا کر کہا اور پھر ہاتھ سے اپنا ساز رکھ دیا۔ ”کون ہے تو؟ بیٹھ جا، کھڑا کیوں ہے، بیٹھ جا بالک بیٹھ جا۔“ اور میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ ”ان پہاڑوں میں کہاں سے آگیا؟“ اس نے پوچھا۔

”پتھروں سے آگ کیوں جل رہی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ نرکھ ہے۔ سارا سنسار ہی نرکھ ہے، پھر آگ کہیں سے بھی ابلے۔“

”شعلے بجھ بھی سکتے ہیں مہاراج!“ میں نے کہا۔

”کیسے؟“ اس نے پوچھا۔

”ایسے۔“ میں نے جواب دیا اور جلتے ہوئے پتھروں کو سمیٹ کر بدن کے نیچے دبا لیا۔ آگ میرے نیچے سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اور میں اسے چاروں طرف سے سمیٹ رہا تھا۔ سادھو مجھے دیکھتا رہا، پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

”بس کر۔ بس کر بالک۔ اچھا تماشا ہے۔ بس اب پتھروں پر سے ہٹ جا۔ میں نے تجھے پہچان لیا۔“ اور میں نے پتھر چھوڑ دیے۔ آگ پھر اسی طرح روشن ہو گئی تھی۔

”پہچان لیا تم نے مجھے؟“

”ہاں۔ تیری شکتی مان لی۔“ سادھو بولا۔

”نام بھی جان لیا ہو گا؟“ میں مسکرایا۔

”سنسار نے تجھے نام دیا ہی نہیں۔ بس جس کا جو من چاہا کہا، میں تجھے کس نام سے پکاروں۔“ سادھو نے جواب دیا اور میں نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔

”تمھارا کیا نام ہے؟ کیا ستھیانند؟“ میں نے پوچھا۔

”رام رام رام —— کس راکھشس کا نام لے لیا تو نے۔ مجھے یوں لگا ہے جیسے کسی نے میرے منہ پر کیچڑ کھینچ ماری ہو۔“

”تمھارا کیا نام ہے پھر؟“

”کرنامی۔ پاپی کرنامی۔ سنسار میں بے کار آیا ہوں اور بے کار مر جاؤں گا۔ رادھے شیام۔“ اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”میرے بارے میں اور کیا جانتے ہو؟“

”ارے میں کیڑا کیا جانوں گا۔ بھگوان نے اپنے اس کارخانے میں بہت کچھ چھوڑا ہے۔“

”اچھے انسان معلوم ہوتے ہو۔“ میں نے متاثر ہو کر کہا۔

”کہہ چکا ہوں اچھی ذات صرف بھگوان کی ہے۔“

”اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔“ میں نے کہا۔

”کیا بتاؤں۔ [illegible] روتا ہوا آیا تھا، بھگوان کے مایا بھنڈار سے گیان کی بھیک مانگتے۔ [illegible] اور کچھ نہ ملنے پر اب بھی رو رہا ہوں کہ شاید بھگوان کو دیا آجائے۔“

”مجھ سے باتیں کرنا پسند کرو گے؟“ میں نے تمھیں پریشان تو نہیں کیا؟“

"رام - رام - رام - کیسی باتیں کرتے ہو۔ جنم داتا نے تمھیں بھی جنم دیا ہے۔ جس طرح بھی دیا ہو، اس نے تمھیں منش کی شکل دی، سو منش پر تمھارا بھی اتنا ہی ادھیکار ہے۔ مجھے بتاؤ میں تمھاری کیا سیوا کروں؟" اس نے نرم آواز میں کہا۔
"کرنامی جی! میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
"میں نے کب منع کیا مہاراج، ضرور کرو۔ اگن روشن ہے، جب تک اس میں روشنی ہے تم مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ میں تمھاری باتوں کے جواب اوش دوں گا۔" بوڑھے کرنامی نے جواب دیا۔
"بھگوان نے تمھیں کیا دیا ہے اور کیا نہیں دیا اس کی شکایت تم بھگوان سے کرو۔ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے کیا دو گے؟"
"رام رام۔ منش، منش کو کیا دے سکتا ہے بالک؟"
"جو کچھ اس کے پاس ہے وہ تو دے سکتا ہے۔"
"میرے پاس جو کچھ ہے اگر اس سے کسی منش کی کوئی ضرورت پوری ہو جائے تو میرے بھاگ۔"
"تمھاری چند باتوں نے مجھے تم سے بہت متاثر کیا ہے۔ تم مجھے بتاؤ مہاراج، تمھارا گیان میرے بارے میں کیا کہتا ہے؟"
"من کی باتیں من میں رکھنا اچھی بات ہوتی ہے بھیا۔" کرنامی بولا۔
"نہیں۔ مجھے ان باتوں کی ضرورت ہے۔"
"ایک رات کے ساتھی، اگر تو میرا امتحان لینا چاہے تو لے سکتا ہے، ورنہ تیرے پاس بھی بڑی شکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ شکتی منش کے مسلک میں نہیں آسکتی۔ تیرا اشریر اگن دوست ہے۔ پانی تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تو نہ جانے کیا ہے اور — اور تیری آنکھوں میں سنسار کے نہ جانے کتنے یگ رچے ہوئے ہیں۔ میرا تھوڑا سا گیان مجھے یہی بتاتا ہے۔"
"تمھارا علم ٹھیک کہتا ہے مہاراج! بے شمار علوم میرے سینے میں دفن ہیں لیکن تمھاری دھرتی پر، تمھارے اس دیش میں، میں تمھارے ایک علم سے بہت متاثر ہوں اور وہ ہے جادو۔"
"جادو کوئی اچھی چیز نہیں ہے بھائی۔ اس کے چکر میں نہ پڑ۔"
"تم گیانی ہو کرنامی! میرے بارے میں جس حد تک جانتے ہو اس سے اندازہ لگاؤ کہ میں نے جتنے علوم سیکھے ہیں اپنی معلومات کے ذخیرے میں اضافے کے لیے سیکھے ہیں۔ میں اپنی طاقت کے کسی پہلو سے ناجائز فائدے نہیں اٹھاتا۔ تمھارے اس جادو کو بھی میں ایک علم کی حیثیت سے سیکھنا چاہتا ہوں! اس کے علاوہ اور کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں ہے۔"
کرنامی نے آنکھیں بند کر لیں اور چند ساعت خاموش رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "تو ٹھیک کہتا ہے بھائی، مگر سنسار میں کچھ ایسے علم بھی ہیں جو اچھے نہیں ہوتے۔"
"جادو کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔
"جادو کو کالا جادو کہا جاتا ہے اور اس کی سیاہی من کو کالا کر دیتی ہے۔"
"کیا یہ ضروری ہے کہ اس سے من کالا ہی ہو؟"
"تجھے دو تجربے ہو چکے ہیں۔ گرنتھا کو تو نے دیکھا، وہ تیرے ہی ہاتھوں مارا گیا اور دوسری آج تک تیرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ میرا مطلب ہے کلموہی منورما!" بوڑھے نے جواب دیا اور میں دنگ رہ گیا۔ بوڑھا واقعی دانش مند تھا۔ میں اس سے اور زیادہ متاثر ہو گیا۔
"تمھارا خیال درست ہے کرنام مہاراج! مگر کیا تم اس علم سے واقف نہیں ہو؟"
"نہیں میرے بچے! میں نے کبھی گندگی میں ہاتھ نہیں ڈالے۔ میں نے کبھی جادو سیکھنے کی کوشش نہیں کی۔"
"پھر یہ کون سی شے ہے جس نے تمھارا ذہن روشن کر دیا ہے؟ میں تم سے جادو کے بارے میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں اور یہ میری سب سے بڑی خواہش ہے جو تمھیں پوری کرنا ہو گی۔"
"بھگوان کے دیے ہوئے گیان اور شیطان کے بتائے ہوئے جادو میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔
"اوہ! تو جادو کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں؟"
"بھگوان کی بھکشا کو تم جادو نہ کہو بالک۔ وہ بس اس کی دین ہوتی ہے۔ منش کو تھوڑی بہت مل جائے تو اس کے بھاگ۔"
"اور جادو؟" میں نے پوچھا۔
"شیطان نے بھی اپنے کشان چھوڑے ہیں لیکن اسے اپنانے والے کا بھگوان سے ناطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اسے سنسار میں کافی شکتی مل جاتی ہے لیکن مرنے کے بعد اس کی آتما کو شانتی نہیں ملتی اور اسے نہ جانے کب تک کرموں کا پھل بھوگنا ہوتا ہے۔"
"اوہ۔ تو جادو سیکھنے کے لیے بھی بُرے کام ہی کرنا ہوتے ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں بالک! جس کا پھل ایسا ہو، اس کا بیج بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔"
"مجھے بتاؤ مہاراج، اس کے لیے کیا کرنا پڑتا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا اور کرنامی مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"بالک! ہم سادھو سنت بھگوان کی آشا میں پہاڑوں کی خاک چھاننے والے، گیان کی تلاش میں بھٹکنے والے، سنسار کے کاموں میں مشکل ہی سے پڑتے ہیں لیکن اس سنسان جنگل میں، اس انوکھی رات میں تو نے لمبا سفر طے کیا ہے اور ہمارے پاس پہنچا ہے اور ہم نے وچن بھی دیا ہے کہ تجھ سے باتیں کریں گے۔ سو ہم تجھے اس بارے میں بتائے دیتے ہیں۔ تو بھول گیا کہ جب تو نے ہم سے کہا تھا کہ کیا ہم تھیانند ہیں، تو ہم نے جواب دیا کہ رام رام، تم ہمیں راکھشس کیوں کہتے ہو؟"
"اوہ! ہاں مجھے یاد ہے۔"
"اس کے برعکس تیری ودیا نے اسے ایک مہان پرش کہا تھا۔"
"اوہ! تو تم ودیا کو بھی جانتے ہو؟" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔
"اب جب تیرے اچھے اور بُرے راستے کی ذمہ داری ہمارے

کندھوں پر آپڑی ہے تو ہمیں بہت کچھ جاننا پڑے گا۔ ہاں، ہم تیری ودیا کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ گیان کی تلاش میں بھٹکنے والے بیراگی! تو نے ہزاروں جیون بتائے ہیں لیکن ابھی تیرے من کی آنکھوں میں جوت نہیں جاگی۔ تو منش کے روپ پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔"
"میں نہیں سمجھا مہاراج؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔
"بھگوان نے برائیوں کو بھی بڑی شکتی دی ہے۔ انھیں پھیلنے سے نہیں روکا کیونکہ اسی سے اچھے بُرے انسانوں کی پہچان ہوتی ہے۔ ہے بھگوان، ہمیں شکتی دے کہ ہم تھوڑا اسے اس کے سامنے لوٹا سکیں۔" سادھو نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا اور اچانک آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ میں نے چونک کر آگ کی طرف دیکھا اور اسی وقت کرنامی کی آواز گونجی۔
"دیکھ بالک، اگن میں دیکھ — سمے لوٹ آیا ہے۔ وہ سمے جو تیری آنکھوں سے اوجھل تھا۔ تو پہاڑوں میں تھا اور تیری ودیا شیطان کے روپ جگا رہی تھی۔ تھیانند کالے جادو کا ماہر ہے۔ وہ راکھشس ہے اور اس کی جیون رکھشا صرف کنواری ناریوں کا خون کرتا ہے۔ اب تک اس نے اپنے جیون کو قائم رکھنے کے لیے نہ جانے کتنے انسانوں کا خون پیا ہے۔"
"کیا مطلب؟" میں اچھل پڑا۔
"تیرے جیسے نادان اس کے جال میں آپھنستے ہیں اور اس کا جیون قائم رہتا ہے۔ ہزاروں بُری آتمائیں اس کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں اور ودیا بھی ایسی ہی آتما ہے۔"
"ودیا؟" ایک بار پھر میں اچھل پڑا۔
"ہاں۔ وہ تیرے ہاتھوں چوٹ کھائی ہوئی ناگن، منورما ہے۔" بوڑھے نے بتایا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ودیا، منورما ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ لیکن — لیکن بوڑھے کرنامی کے علم کو میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا تھا اور یہ بات، درحقیقت میرے لیے سنسنی خیز تھی۔
"تیرا من یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں پھنسا ہوا ہے۔ پرنتو میں تجھے شروع سے بتاتا ہوں۔ اس سمے تک کے حالات تو تیرے علم میں ہیں جب تو نے منورما کو آگ میں بھسم کر دیا تھا۔ چالاک منورما تیرے جال میں پھنس ہی گئی۔ اسے جیون کا سب سے بڑا دھکا لگا تھا اور اس دھکے سے وہ جیون ہی کھو بیٹھی لیکن کالی شکتی کی مالک نے مرتے مرتے بھی اپنی آتما بھسم ہونے سے بچالی اور چڑیل بن گئی۔ اس کی کالی شکتی نے اس کا ساتھ دیا۔ یوں تو جیون میں اس نے بہت سے منش ڈکارے بنا ہضم کر لیے تھے۔ اس نے نالی نالی کیچڑ چکھی تھی پرنتو تیرے بدن کی آگ نے اسے سنسار کے سارے منشوں سے بے نیاز کر دیا۔ وہ تیرے لیے باؤلی ہو گئی اور اس کے اسی باؤلے پن کا شکار بے چاری لاکھی ہو گئی۔ وہ یہ بات برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی اور عورت تیرے بدن کی آگ چکھے۔ اس نے مچھی کو بھی اسی لیے ختم کر دیا تھا اور پھر لاکھی کو بھی۔ پھر وہ تیرے پیچھے لگی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ کسی بھی طرح عورت کے روپ میں تیرے سامنے آنا چاہتی تھی اور چالاک عورت تیرے من کے بھید جانتی رہتی تھی۔ تب تو پربھو دیال کی بستی میں پہنچ گیا اور منورما نے جان لیا کہ رادھن سبھا تیرے لیے دلکش ہے۔ سو اس نے رادھن سبھا کے غار میں اپنا بھی ایک بُت بنا لیا اور وہاں تجھے اپنی طرف متوجہ کر کے ایک جھوٹی کہانی سُنا دی اور وہ اپنی چالاکی میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے تیرا ساتھ پکڑ لیا اور اس کی منوکامنا پوری ہو گئی —— پرنتو — وہ اس پریشانی میں رہنے لگی کہ بہت جلد تجھے اس کا بھید معلوم ہو جائے گا اور تو اسے چھوڑ دے گا۔ وہ کوئی ایسا کام چاہتی تھی کہ تو ہمیشہ کے لیے اس کا داس بن جائے۔ تیری گیان حاصل کرنے کی منوکامنا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے تھیانند سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ تھیانند کالے جادو کا ماہر ہے۔ وہ راکھشس ہے اور اس کے گرگے اس کے لیے سُندر ناریاں پکڑ کر لاتے رہتے ہیں۔ منورما خود اس کے پاس نہیں جا سکتی تھی کیونکہ وہ اسے پہچاننے کی شکتی رکھتا ہے اس لیے اس نے چار سُندر ناریوں کو پھانسا اور پھر ان کے دماغ اپنے قبضے میں کر لیے۔ وہ ناریوں کو تھیانند کے حوالے کر کے اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔"
بوڑھا کرنامی خاموش ہو گیا۔ میں محوِ حیرت، اس کی کہانی سُن رہا تھا لیکن یہ تو میری کہانی تھی اور جو شخص میری کہانی سے اس حد تک واقف ہو، اس پر شک کیسے کیا جا سکتا تھا۔ کافی دیر تک کرنامی کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے۔ منورما کے لیے میرے دل میں نفرت کی چنگاریوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ اتنے دنوں تک میں اس کے جال میں پھنسا رہا۔ بالآخر میں حیرت کے دریا سے نکل آیا اور پھر میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔
"وہ تھیانند سے کیا چاہتی ہے مہاراج؟"
"تجھے میری باتوں پر وشواش ہے بالک؟"
"ہاں مہاراج!" میں نے جواب دیا۔
"تو دیکھ۔ میں نے بھگوان سے پرارتھنا کی کہ میں سمے لوٹانا چاہتا ہوں اور جلتے ہوئے شعلوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ مجھے آگیا ہے — دیکھ، اس سمے کے بعد کی کہانی دیکھ، جب وہ تجھے پہاڑوں میں چھوڑ کر گئی تھی۔"
"منورما مہاراج؟"
"ہاں!" بوڑھے نے جواب دیا اور پھر آگ کی طرف اشارہ کیا — اور پروفیسر — میں نے دیکھا شعلے تھرا رہے تھے۔ ایک دیوار سی بنتی جا رہی تھی۔ پھر شعلوں کی دیوار میں کچھ نقوش اُبھرے۔ مختصر لباس والے سادھو نظر آئے جو منورما یا ودیا کے ساتھ جا رہے تھے۔ چٹانی راستہ تھا، دشوار گذار۔ لیکن سادھوؤں کے ساتھ منورما بھی اس راستے کو اسی طرح طے کر رہی تھی۔ وہ بھی ان کالے جادو والوں سے کم نہ تھی۔ پھر وہ ایک بلند پہاڑی کی چڑھائیاں عبور کرنے لگے اور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے جہاں ایک گپھا نظر آرہی تھی۔ مجھے سب کچھ صاف نظر آرہا تھا۔ منورما گپھا میں داخل ہو گئی۔ تب دونوں سادھو اسے ایک جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ رتھ انھوں نے پہاڑ کے دامن میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ سادھو واپس آگئے اور انھوں نے منورما سے ساتھ چلنے کے لیے کہا — اور منورما گپھا کے دوسرے حصے میں داخل ہو گئی،

جہاں ایک دیوقامت جٹادھاری سادھو پالتی مارے بیٹھا تھا! اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ پورا بدن فولاد کا بنا معلوم ہوتا تھا! اس نے منورما کو قہر آلود نگاہوں سے گھورا اور منورما کانپنے لگی۔
"کلنکنی۔ نرکھنی! اب آوارہ آتماؤں کو بھی اتنی شکتی مل گئی کہ وہ سُندر ناریوں کے رُوپ میں ہمارے پاس آنے لگیں۔" سادھو کی آواز اُبھری۔
"نہیں مہاراج! نہیں کرکاداس! یہ رُوپ تیرے لیے نہیں ہے۔ کس کی مجال ہے کہ تیری آنکھوں میں دھول جھونکے۔" منورما لرز کر بولی۔
"تب اپنے اصلی رُوپ میں آ!" ستھیانند نے کہا اور منورما کا لباس جل گیا۔ اب وہ مادرزاد برہنہ کھڑی تھی۔ اس کا بدن کوئلے کی مانند تھا اور شکل چڑیلوں کی۔
"جے ستھیانند!" اس کے منہ سے مری مری آواز نکلی۔
"اب بول کیا بات ہے؟"
"میں مہاراج کی بَلی کے لیے چار سُندر ناریاں لائی ہوں۔"
"کیا؟" سادھو اچھل پڑا۔
"ہاں۔ چار کنواری کنیائیں!"
"کیا تو سچ کہہ رہی ہے؟" سادھو کی زبان لپلپانے لگی۔
"مہاراج کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمّت کسے ہے۔"
"کہاں ہیں وہ؟"
"رتھ میں موجود ہیں۔" منورما نے جواب دیا۔
"راگھن۔ راگھو!" ستھیانند نے پکارا اور وہی دونوں سادھو اندر داخل ہوگئے۔ "کیا نیچے رتھ موجود ہے؟"
"ہاں مہاراج!"
"اور اس میں ناریاں بھی ہیں؟"
"ہاں مہاراج!"
"تو پاپیو۔ انھیں لاتے کیوں نہیں؟" سادھو دہاڑا اور وہ دونوں جلدی سے باہر نکل گئے۔ منورما کے سفید سفید دانت مسکراہٹ کے انداز میں چمکنے لگے۔ "تجھے یقین ہے وہ کنواری ہیں؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں مہاراج! میں انھیں چھانٹ کر لائی ہوں۔"
"تب تو سچّی ہے۔ تب تو ہماری سچّی داسی ہے۔ ہمیں وشواش ہوگیا کہ تُونے ہم سے چلتر نہیں کیا ہے۔ جا۔ اس پتھر پر بیٹھ جا۔ ہم پہلے ان ناریوں سے مل لیں اس کے بعد تجھ سے بات کریں گے۔ اب ہم تیرے متر ہیں ——"
سادھو کا رویّہ نرم ہوگیا اور پروفیسر، چند ساعت کے بعد دونوں سادھو ان چار معصوم لڑکیوں کو لیکر گپھا میں داخل ہوگئے۔ لڑکیوں کے بدن تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کا ہراس بڑھ گیا تھا۔ ستھیانند کو دیکھ کر وہ نیم مُردہ ہوگئیں۔
اور ستھیانند کا چہرہ اور بھیانک ہوگیا! اس کی سُرخ زبان بار بار باہر نکلنے لگی۔ اس کے ہونٹوں سے رال ٹپک رہی تھی اور آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔ "آؤ۔ آؤ۔" اس نے بھیانک آواز میں کہا اور لڑکیوں کے قدم جم گئے۔ ان پر نیم مدہوشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ شاید یہ حد سے بڑھے ہوئے خوف کا نتیجہ تھا۔
"آجاؤ۔ آ بھی جاؤ۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے بولا اور پھر زور سے دہاڑا۔ "آؤ۔" اور لڑکیاں بدحواسی میں کئی قدم آگے بڑھ آئیں۔ تب ستھیانند نے ایک ہاتھ اٹھایا۔ اس کی پانچوں انگلیوں سے شعاعیں پھوٹیں اور لڑکیوں کے لباس میں آگ لگ گئی۔ لڑکیاں بے تحاشہ چیخنے لگی تھیں۔ وہ آگ بجھانے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن آگ ان کا لباس تیزی سے جلا رہی تھی اور ستھیانند قہقہے لگا رہا تھا۔
"کیوں اچھل کود رہی ہو پاگلو۔ یہ تو سوچو کیا اگن تمھارے شریر کو بھی جلا رہی ہے۔ وہ تو تمھارے شریر کو چھو بھی نہیں رہی ہوگی۔ پھر کیوں بھاگ دوڑ کر رہی ہو۔" ستھیانند نے کہا لیکن لڑکیاں اس وقت تک اچھلتی کودتی رہیں جب تک ان کے بدن پر لباس کا ایک ایک تار نہ جل گیا اور پھر ان کے کورے بدن عُریاں ہوگئے۔ درحقیقت بڑے خوبصورت بدن کی مالک لڑکیاں تھیں لیکن اس وقت میرے دل میں ان کے لیے کوئی بُرا خیال نہیں اُبھرا۔ میرا خون غصّے سے کھول رہا تھا۔
"کرنامی مہاراج!" میں غرّایا۔
"ہوں!"
"صرف اتنا کریں کہ مجھے ان تک پہنچا دیں۔ آپ کو اپنے بھگوان کی سوگند۔"
"کوئی فائدہ نہیں ہے پگلے۔ تمھیں معلوم ہے کہ یہ بات آج کی نہیں ہے۔ میں نے سمے واپس مانگا تھا سو یہ گذرے ہوئے سمے کی بات ہے۔"
"اوہ!" میں نے اذیّت سے کہا۔ "میں ان کے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔"
"شاید۔ یہ اب کچھ کرنے کے سمے سے گذر بھی چکی ہوں۔" کرنامی مہاراج نے کہا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور آگ کی طرف دیکھنے لگا۔ منظر ناقابلِ برداشت تھا۔ دیو ہیکل ستھیانند نے ایک گڑیا جیسی لڑکی کو اپنے بدن میں سمیٹا ہوا تھا اور چڑیل منورما دلچسپی سے اس کے لٹنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔ دوسری لڑکیاں برابر چیخ رہی تھیں۔
کافی دیر تک ستھیانند لڑکی کے بدن کو بھنبھوڑتا رہا اور پھر جب وہ نیم مردہ ہوگئی تو اسے چھوڑ دیا۔ پھر وہ کھڑا ہوگیا۔ یا۔ اس نے سکون کی ایک سانس لی۔ "کیا نام بتایا تھا تُونے اپنا؟"
"منورما، مہاراج!" منورما جلدی سے بولی۔
"ہم تجھ سے بہت خوش ہیں۔ بہت ہی خوش ہیں۔ مانگ کیا مانگتی ہے؟"
"مہاراج! میں ایک کٹھور منش سے پریم کرتی ہوں۔"
"اب بھی کرتی ہے۔ ارے تو اب بھی اس سے پریم کرتی ہے؟"
"ہاں مہاراج!"
"اور وہ تیری صورت سے بدکتا ہوگا۔ کیوں؟"
"نہیں مہاراج!"

"پھر۔ پھر کیا بات ہے؟"
"مہاراج! وہ انوکھا انسان ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"مہان شکتیوں کا مالک۔ آگ بھی اسے بھسم نہیں کرسکتی۔ وہ کہتا ہے وہ امر ہے اور صدیوں سے زندہ ہے۔ مہاراج! میری موت کا کارن وہی ہے۔ اسی نے مجھے آگ میں جھونک دیا تھا اور میں چڑیل بن گئی۔ میں اس سے بے پناہ پریم کرتی ہوں مہاراج! میں اسے بے پناہ چاہتی ہوں۔ میری آتما اس کے بنا شانت نہیں ہوسکتی۔ میں اس کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"
"ارے تم کیوں چیخے جا رہی کنیاؤ۔ چُپ ہوگی کہ تمھاری گردنیں اتاردوں؟" ستھیانند نے چیختی ہوئی لڑکیوں سے کہا اور پھر منورما سے بولا۔ "ٹھہر جا منورما میں تیری بپتا ابھی سُنتا ہوں۔ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ راگھو!" اس نے پھر اپنے چیلوں کو آواز دی اور دونوں اندر آگئے۔ "انھیں لیجاؤ اور بند کردو۔ ابھی یہ تینوں تین وقت میں کام آئیں گی۔"
"چلو۔" دونوں شیطان صفت سادھوؤں نے لڑکیوں کو دھکا دیا اور انھیں اس غار سے باہر لے گئے۔ جس لڑکی کو ستھیانند شیطان نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا، وہ اسی طرح زمین پر پڑی تھی۔
"منورما!" اس نے منورما کو آواز دی تھی۔
"مہاراج!" منورما آگے بڑھ آئی۔
"لے۔ اس کی گردن کاٹ لے۔" اس نے ایک پتھر پر سے چھری اٹھا کر منورما کو دیتے ہوئے کہا اور منورما نے نہایت سعادت مندی سے چھری لے لی اور پھر میں نے ایک درندگی سے بھرپور منظر دیکھا۔ منورما زمین پر بیٹھی اور پھر اس نے زمین پر پڑی لڑکی کو بڑی بے دردی سے ذبح کردیا۔ لڑکی تڑپنے لگی۔ اس کی گردن سے خون کی جوان دھاریں اچھل رہی تھیں۔ "الگ کردے اسے۔ اوہ۔ خون زمین پر گرایا ہے۔ نرکھی کہیں کی۔ گردن کاٹنا بھی نہیں آتی۔" ستھیانند نے کہا اور پھر چھری منورما کے ہاتھ سے چھین کر ایک ہی وار میں لڑکی کی گردن الگ کردی۔ پھر اس نے اس کے بدن کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں اٹھا لیا اور اسے اُٹھا کر خون کی دھاروں سے منہ لگالیا۔ کٹی ہوئی گردن منورما نے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لی اور اس کا خون وہ پینے لگی۔
"رادھے شیام۔ رادھے شیام!" کرنامی نے آنکھیں بند کرلیں۔ میری آنکھوں میں خون چھلک رہا تھا لیکن مجھ پر بےبسی طاری تھی۔ میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ خاموشی سے یہ خوفناک منظر دیکھتا رہا۔ دونوں شیطانوں نے خون پیا اور پھر لڑکی کا بے جان بدن ایک طرف پھینک دیا۔
"راگھو!" ستھیانند نے پھر راگھو کو آواز دی اور دونوں اندر آگئے۔ "لے جاؤ۔ کھا پی کر ہڈیاں پھینک دو۔" ستھیانند نے کہا اور دونوں شیطانوں کے منہ میں جیسے پانی آگیا۔ وہ دونوں بڑی چاہ سے لڑکی کے مردہ بدن کو اٹھا کر لے گئے اور پھر آگ کی دیوار سادہ ہوگئی۔ میں نے طویل سانس لی تھی۔
"یہ ہے ستھیانند اور یہ ہے اس کا گیان اس کی ودیا!"
"باقی لڑکیوں کا کیا ہوا مہاراج؟" میں نے پوچھا۔
"سب کے ساتھ یہی سلوک ہوا ہے۔ دیکھو۔" کرنامی نے پھر ہاتھ اٹھایا اور میں نے دیکھا۔ تینوں لڑکیوں کی لاشیں بھی جگہ جگہ سے نچی پڑی تھیں۔
"بس کرنامی! میں اس سے زیادہ دیکھنا نہیں چاہتا لیکن ایک بات میں تم سے ضرور پوچھوں گا۔"
"وہ بھی پوچھ لو میرے متر۔" کرنامی نے کہا۔
"اگر انسان کے پاس قوت ہو تو کیا وہ دوسروں کی مدد نہیں کرسکتا؟"
"کرنی چاہیے۔ منش کو منش کی سہائتا ضرور کرنی چاہیے۔"
"تب پھر۔ اگر تمھارے علم میں لڑکیوں کا یہ حشر تھا تو تم نے ان کی مدد کیوں نہیں کی؟" میں نے سوال کیا اور بوڑھے نے گردن جھکالی پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ گردن اٹھا کر بولا۔
"تم نے ٹھیک کہا بالک! مگر یوں سمجھو ان کی سہائتا کرنا میرے بس سے باہر تھی۔"
"آخر کیوں؟"
"اس سے آگے نہیں بتاؤں گا۔ بس سمجھ لو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔" کرنامی نے کہا۔
"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی مہاراج! لیکن تم کہتے ہو تو میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔" بوڑھے کرنامی نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور پھر چند منٹ کے بعد وہ بولا۔
"پھر اب تیرا کیا ارادہ ہے بالک؟"
"میرا ارادہ ——" میں نے غرّاتے ہوئے کہا۔
"ہاں، میری جان! اجاڑ دیکھنے کا خیال من سے نکال دے۔ میرے ساتھ چل، میں تجھے کسی مہان گیانی کے پاس لے چلوں گا اور گیان دلواؤں گا۔"
"گیان حاصل کرنا میری دلی خواہش ہے لیکن تمھیں اس وقت تک میرا انتظار کرنا پڑے گا جب تک میں ستھیانند کو ٹھکانے لگا کر واپس نہ آجاؤں۔" میں نے کہا اور کرنامی مہاراج تعریفی نگاہوں سے میری شکل دیکھنے لگا۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں اپنے طور پر ستھیانند کے چیتھڑے اُڑانے پر غور کر رہا تھا۔
"دھن واد بالک، دھن واد!" کرنامی نے تعریفی انداز میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "تو جو کوئی بھی ہے میں تو بس یہی کہوں گا کہ مہان ہے۔ ہاں مجھے تیرے من کی منو کامنا معلوم ہے۔ میں اوش جانتا ہوں کہ تو ہمارے دیش کا یہ علم سیکھنے کے لیے بے چین ہے۔ پرنت وہ جو تیرے کوئی نہیں ہیں ان کے کارن تو اپنا یہ خیال تیاگ دینے کو تیار ہوگیا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں بالک کہ شیطان کا چیلا ستھیانند مہان شکتی کا مالک ہے، اس سے ان معصوم ناریوں کا بدلہ لینا کسی منش کے بس کا روگ نہیں ہے۔
پرنت میرے بالک، میرا گیان مجھے بتاتا ہے کہ تو عام منش میں سے نہیں ہے اور میری یہ بات مان لے کہ جس بھروسے سے تو اس سے بدلہ لینے

جا رہا ہے تجھے اس میں ناکامی نہیں ہوگی۔"

"اگر تم میرے اس اقدام سے متفق ہو کرنامی مہاراج تو پھر میری سہائتا کرو۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"بھگوان تیری سہائتا کرے گا۔ وہی سب سے مہان ہے۔ تو جا — بس میں اس کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔" کرنامی مہاراج نے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج! لیکن اگر میں ستھیانند کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کے بعد تم سے کہاں ملاقات ہوگی؟"

"بھگوان کی دھرتی بہت لمبی ہے بالک۔ کہیں نہ کہیں مل ہی جائیں گے۔" کرنامی نے جواب دیا۔

"یہاں نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں بھی مل سکتے ہیں، پرنتو تیرے من میں بدلے کی جو منوکامنا ہے یا جو بھاونا ہے اسے تو پورا کر۔"

"ٹھیک ہے کرنامی مہاراج! میں نے پوری زندگی علوم سیکھنے میں گذاری ہے۔ تمھارے دھرم کے اس علم نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ میں اسے بھی سیکھنا چاہتا ہوں اور سیکھ لوں گا، ابھی نہ سہی کچھ دیر بعد سہی مگر سیکھ ضرور لوں گا ویسے بھی مجھے زندگی کے ختم ہونے کا خدشہ تو ہے نہیں۔ تم چلے جاؤ گے، تمھارے جیسا کوئی دوسرا مل جائے گا۔"

"ہاں۔ بھگوان کی اس دھرتی پر بڑے بڑے مہان سادھو پڑے ہوئے ہیں جن کے من گیان کی روشنی سے بھرے ہوئے ہیں — اور بالک تیری لگن سچی ہے تو بھگوان تیری سہائتا کریں گے۔ اب تو جا۔ میں تجھے کسی ایسے کام سے روکنا نہیں چاہتا جس سے بھگوان بھی ناخوش ہوں۔ ویسے بھی ستھیانند جیسے شیطان کے لیے تو ہی ٹھیک منش ہو سکتا ہے۔"

"میں جا رہا ہوں مہاراج!" میں نے کہا اور پھر میں واپس چل پڑا۔

مجھے اس راستے کا پورا پورا اندازہ تھا جس طرف ستھیانند کے دونوں چیلے، ودیا یا منورما کو لے گئے تھے۔ سادھو کرنامی نے آگ کے دائرے میں جو کھیل دکھایا تھا اس سے میں نے راستے کا بھی اندازہ لگا لیا تھا، چنانچہ اب اس راستے کو تلاش کرنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس نے میرے بدن میں چنگاریاں بھر دی تھیں۔

میں ان بدبخت لڑکیوں کے لیے بے حد پریشان تھا۔ کاش مجھے احساس ہو جاتا کہ کم بخت منورما ان معصوم لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے لیجا رہی ہے، میں منورما کو وہیں روک دیتا جس طرح بھی ممکن ہوتا لیکن اس ذلیل عورت نے جال ہی ایسا پھیلایا تھا کہ میں اس کے چکر میں آ گیا تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال نہیں جاگا تھا کہ دھن راج سبھا کے مجسموں کے درمیان کھڑی ہوئی خوبصورت لڑکی منورما بھی ہو سکتی ہے۔ چالاک عورت نے اپنے آپ کو جس انداز میں پیش کیا تھا، اس نے پورے طور سے مجھے اپنے جال میں جکڑ لیا تھا اور پھر میری فطرت جو عجوبوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی تھی شاید منورما نے اس کے بارے میں بھی اندازہ لگا لیا تھا۔ بہرصورت پروفیسر، میں نے صدیاں دیکھی تھیں اور صدیوں کا طویل عرصہ میرے ذہن کو عام انسانوں سے ممتاز کر چکا تھا لیکن اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ مختلف ادوار میں پیدا ہونے والے بعض اوقات ایسی ذہانت کے مالک نکل آتے ہیں کہ میرا تجربہ خاک میں مل جاتا ہے اور پھر یوں بھی جوں جوں وقت گذرتا ہے، ذہنوں میں تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں۔

اور پروفیسر تم خود دیکھو انسان غاروں سے، پہاڑوں سے، جنگلوں سے، درختوں سے اُتر کر آبادیوں میں آیا۔ اس کے ذہن نے رفتہ رفتہ کام شروع کیا۔ اس نے سوچ کو پہچانا اور یہی سوچ اس کے لیے نت نئے راستے تلاش کرتی رہی۔ میں تو صرف ایک دیدہ ور تھا۔ میں نے دیکھا اس وقت جب انسان کر چکا تھا۔ میں نے سوچا اس وقت اس کے بارے میں جب وہ سوچ کر اپنی سوچ کو عملی شکل دے چکا تھا۔ گویا میں سوچنے والوں سے پیچھے تھا اور سوچنے والے نت نئی بات سوچتے ہیں۔ سو ہم ان کی سوچ کے ساتھ نہیں دوڑ سکتے۔

اب کردار خواہ کچھ بھی ہوں چاہے وہ یونان کا سکندر اعظم ہو، راجا ابھی ہو یا پھر منورما، سب کے سوچنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں کہیں سادھو کرنامی ہوتا ہے اور کہیں شیطان صفت ستھیانند۔

منورما کی سوچ گو تخلیقی نہیں تھی وہ تخریب کار تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ذہین تھی اور اس کی ذہانت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب میں نے اسے چڑیل منورما کے بارے میں بتایا تو اس نے میری ہی بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"اس کا گیان کہتا ہے کہ چڑیل منورما اسے کھلی جگہوں پر نقصان پہنچا سکتی ہے اور اگر وہ پیڑ کے نیچے رہیں تو منورما اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

کیا تم سمجھ سکتے ہو پروفیسر کہ اس بات سے اس کا کیا مقصد تھا؟

"کیا مطلب؟" پروفیسر چونک پڑا۔

ہاں پروفیسر، چالاک عورت نے اس وقت بھی خوب سوچا تھا اور اچھی سوچ کی داد نہ دینا ناانصافی ہے۔ بہرحال اس کا مقصد کچھ بھی ہو لیکن اس نے جو کچھ کیا وہ کامل تھا۔

"کیا مقصد تھا اس کا؟" پروفیسر نے پوچھا۔

تمھیں یاد ہوگا پروفیسر کہ منورما نے میری ستارہ شناسی سے چوٹ کھائی تھی اور شاید تم یہ بھی بھولے نہ ہو گے کہ اس کی موت ستاروں کے ذریعے آئی تھی۔

"اوہ! ہاں۔ شاید۔" پروفیسر یاد کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے بتایا تو تھا۔"

پروفیسر حیرت سے اچھل پڑا۔

ہاں۔ میرے دوست ستاروں نے مجھے بتا دیا تھا کہ منورما کیا ہے اور یہ بات منورما بھی جانتی تھی کہ ستارے اس کے سب سے بڑے دشمن ہیں، یا چغل خور ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ستارے اس کی نشاندہی کر دیں اور میں پھر بروقت اس کی کسی کوشش سے واقف نہ ہو جاؤں۔ چنانچہ پروفیسر درخت کے سائے

میں اس نے مجھے ستاروں سے دُور رکھنے کی کوشش کی اور بہر صورت یہ کوشش ذہانت سے بھرپور تھی۔

پروفیسر خاور نے ایک طویل سانس لی۔ صدیوں پہلے کے لوگ بھی آج کے انسان سے مختلف نہ تھے۔ سازش کرنے والے اس وقت بھی سازشی ذہنوں سے بہرہ ور تھے۔" واقعی اس نے خوب سوچا۔" پروفیسر مسکراتے ہوئے بولا۔

ہاں تو میں سینے میں انتقام لیے ستھیانند کے غاروں کی تلاش میں چل پڑا لیکن ابھی میں اپنے اس استھان پر بھی نہ پہنچا تھا جہاں پر میں نے روشنی دیکھی تھی اور جہاں منورما یا ودیا مجھے چھوڑ گئی تھی کہ اچانک میں نے پہاڑوں میں ایک آواز گونجتی سُنی۔

"کرشنو کا۔ پران ناتھ! تم کہاں ہو؟ کرشنو کا، کرشنو کا!" اور یہ آواز، یہ منحوس آواز اس ڈائن کے سوا کسی کی نہیں تھی۔ منورما واپس آ گئی تھی، شاید ستھیانند کی مدد سے میرے لیے کوئی جال تیار کر کے، اور پروفیسر میں اس جال میں پھنسنے کے لیے تیار تھا۔ اگر صدیوں کی زندگی مجھے اس جادوگرنی سے یا اس کے چیلوں سے شکست دلا سکتی تھی تو مجھے یہ زندگی، یہ شکست قبول نہ تھی۔

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا دل تو چاہ رہا تھا کہ اوپر سے حسین اور اندر سے مکروہ اس عورت کے لمبے گھنے اور خوبصورت بال دونوں مٹھیوں سے پکڑ کر اس زور سے کھینچوں کہ اس کے بدن کی پوری کھال جسم سے اُتر آئے اور پھر بغیر کھال کے گوشت کو ان پہاڑی پتھروں پر گھسیٹتا پھروں، اس میں خراشیں پڑ جائیں، ہڈیاں نظر آنے لگیں یہاں تک کہ ہڈیاں بھی گھس جائیں اور اس کی اذیت ناک چیخوں سے پہاڑیاں بھی چیخنے لگیں لیکن پروفیسر، انتقام کی اس آگ کے باوجود میں اس کے بارے میں دوسری باتیں بھی سوچ رہا تھا۔ کم بخت جادوگرنی آگ کے شعلوں میں جل کر دوسرا روپ دھار کر اسی دنیا میں رہ گئی تھی اور بظاہر اب اس کے لیے موت نہ تھی کیونکہ روحیں فنا نہیں ہوتیں۔ مجھے یہ بھی سوچنا تھا کہ اسے کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں شاید میرے دوست ستارے ہی میری کچھ مدد کر سکتے اور پھر اس وقت صرف منورما کو قتل کرنا مقصود نہیں تھا بات تو ابھی اس درندے ستھیانند اور اس کے چیلوں کی بھی تھی۔ میں انھیں بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

چنانچہ وقت نے آہستہ سے کہا کہ خود کو قابو میں رکھو اور میں نے وقت کی بات کو تسلیم کر لیا۔ میں نے اپنے گرم سمندر جیسے لہو کو سرد کیا، اپنے چہرے کے تاثرات بدلے اور پھر اس طرح ودیا کی طرف بڑھا جیسے میں اس کے لیے بے چین ہوں۔

"ودیا!" میں نے اسے زور سے آواز دی اور وہ میری طرف دوڑی چلی آئی۔

"کہاں چلے گئے تھے کرشنو، کہاں چلے گئے تھے، میں کب سے تمھیں تلاش کر رہی ہوں۔" وہ دوڑ کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میرے دونوں ہاتھ اس کی کمر میں حائل ہو گئے۔

"میں تو تمھیں تلاش کرتا پھر رہا تھا ودیا، کہاں چلی گئی تھیں تم — میری آنکھیں تو تمھارے انتظار میں پتھرا گئیں۔" میں نے اپنے لہجے میں سپردگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"ہائے پران ناتھ تم مجھ سے میرے من کا حال تو پوچھو۔ اُف یہ دو راتیں تمھارے بنا کیسے گذریں۔ کاش میں تمھیں بتا سکتی۔" ودیا مکاری سے بولی۔

"نہیں ودیا تم تو پھر بھی انسانوں میں تھیں۔ سچ جانو ان پہاڑی چٹانوں میں میرا من ایک پل بھی نہیں لگا۔ میں نے سوچا میں نے اپنی ودیا کو نہ جانے کن جھنجٹوں میں پھنسا دیا۔ بھگوان کی سوگند ودیا مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ اگر سارا جیون میری منوکامنا پوری نہ ہو اور تم میرے ساتھ رہو تو پھر میں اپنے من سے گیان کا خیال ہی نکال دوں۔"

اور پروفیسر عورت بہرحال عورت ہے خواہ وہ کتنی ہی چالاک کیوں نہ ہو لیکن مرد کی چکنی چپڑی باتیں اسے مکمل عورت بنا دیتی ہیں۔ میں نے ودیا کی آنکھوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتے دیکھا۔ وہ بے اختیار میرے سینے سے لپٹ گئی تھی۔

"تم جانتے ہو پران ناتھ — میں بھی تمھارے بنا بے کل رہتی ہوں، پرنتو کام ہی ایسا تھا میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کیا ہو سکتی ہے کہ میں اپنے پریمی کے کام آؤں۔" اس نے میری دونوں آنکھیں چوم لیں۔

اس کی اس گرم جوشی کا جواب میں نے بھی ناچار اسی گرم جوشی سے دیا لیکن میں جلے ہوئے کوئلے کے اس بدہیئت مجسمے کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ چکا تھا اور اس وقت اس کا نرم ملائم گوشت میری نگاہ میں درختوں کے پتے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

بلاشک پروفیسر وہ عورت اس قابل نہ تھی کہ اس کے بدن کو اپنے جسم سے چھونے بھی دیا جا سکتا لیکن مصلحت — میں اسے برداشت کر رہا تھا اور منورما بے خود ہوتی جا رہی تھی۔ پھر جب میری اندرونی کیفیت قابو سے باہر ہونے لگی تو میں نے اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے اپنے بدن سے علیحدہ کر دیا۔

"ہائے ناتھ — خود سے علیحدہ نہ کرو — خود میں سمو لو مجھے — تم کیا جانو ناتھ، میں نے یہ سمے کیسے بتایا ہے۔"

"ودیا!" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "رات اپنی ہے، ماحول اپنا ہے، کون ہے جو ہمارے راستے کی دیوار بن سکے — لیکن میری پریمیکا، جس کام کے لیے تم مجھے بے کل کر کے چلی گئی تھیں، اس کا کیا ہوا؟ مجھے اس کے بارے میں تو بتا دو۔" میں نے چاپلوسی کرتے ہوئے کہا۔

"بتا دوں گی کرشنو کا، اتنے بے کل کیوں ہو؟" منورما کی آنکھوں میں خمار چھا رہا تھا۔ اس کے دل میں گندے جذبات پھر جاگ اٹھے تھے لیکن سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ جس غلاظت کو میں قریب سے دیکھ چکا تھا اسے اپنے جسم کے قریب لانا میرے لیے کسی طور ممکن نہ تھا۔

میں تو جلد از جلد اپنا انتقام پورا کرنا چاہتا تھا اور میں نے منورما کے جذبات کو ہوا نہ دی، میں اسی طرح سرد مہری برتتا رہا اور منورما کے جذبات برانگیختہ ہوتے رہے۔

”ناتھ! کیا ہو گیا ہے تمھیں؟“ وہ میرے بدن سے کھیلتے ہوئے بولی۔

”ودّیا! یہ میری کمزوری ہے۔ اب میں اس وقت تک خود کو کسی اور طرف راغب نہیں کر سکتا جب تک مجھے میرے کام کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے۔“

”کیسے ہو تم ناتھ——“ وہ ایک ادا سے بولی۔

”ہر انسان میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں ودّیا۔“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔

”لیکن میں جل رہی ہوں——“

”میں بھی جل رہا ہوں ودّیا! تم یقین کرو میرا ذہن اس وقت کسی اور چیز کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔“ میں نے سرد لہجے میں کہا اور ودّیا چڑ گئی۔

”کیا تمھاری ملاقات ستھیانند سے نہیں ہوئی؟“ میں نے پوچھا لیکن ودّیا خاموشی سے میری شکل دیکھتی رہی پھر اس نے سوچا کہ حالات بگاڑنے نہیں چاہئیں میں تو سدا کے لیے اس کا ہوں۔ میں کہاں جاؤں گا اور اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ پھر وہ مسکرانے لگی۔

”تمھاری ودّیا کسی کام کا بیڑا اٹھائے اور وہ پورا نہ ہو۔“

”اوہ! کیا مطلب؟“ میں نے مصنوعی خوشی کا اظہار کیا۔

”بالآخر میں نے ستھیا مہاراج کو تیار کر ہی لیا۔“

”کیا وہ مجھے گیان دیں گے؟“

”کیوں نہ دیں گے۔ تمھاری ودّیا نے ان سے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کی۔“

”اوہ—— ودّیا! تم کتنی اچھی ہو۔“ میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ دونوں ہاتھوں کی قوت اس کے چہرے پر استعمال کر کے اس کے دونوں جبڑوں کی ہڈیاں آپس میں جوڑ دوں لیکن ابھی یہ مناسب نہیں تھا—— مصلحت—— مصلحت——

”ناتھ!“ وہ مخمور لہجے میں بولی۔ ”مجھے دھن واد دو۔“

”دھن واد ودّیا!“ میں نے نہ جانے کس دل سے کہا۔

”ایسے نہیں ناتھ—— دیکھو آکاش پر چندرما ابھر رہا ہے۔ روشنی میں نہائی ہوئی چٹانیں کیسی سُندر لگ رہی ہیں۔ ناتھ! یہ ٹھنڈی ہوائیں بدن کو چھونے کے لیے بے چین ہیں اور ہم اس طرح کھڑے ہیں۔“

”ہاں—— ودّیا! آج کی رات ہماری نہیں ہے۔“

”پر کیوں ناتھ؟“

”ودّیا! ضد نہ کرو۔“ میں نے کسی قدر جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”میں اس وقت تمھارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔“ میں نے دوسری طرف منہ کر لیا۔ اب میری قوتِ برداشت جواب دیتی جا رہی تھی۔ پھر مجھے ودّیا کی آواز سنائی دی۔

”آؤ۔“ اس نے کہا اور میں نے رُخ بدل لیا۔ ودّیا شاید ناراض ہو گئی تھی اور بھلا مجھے اس کی ناراضگی کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ ہاں اگر وہ اسی طرح ناراض رہے تو مجھے اس کے یہ غلیظ بوسے تو نہ برداشت کرنا پڑیں۔ اس نے آگے قدم بڑھائے اور میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ پھر سارے راستے اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی اور پھر نہ جانے کہاں کہاں سے گزرتے ہوئے ہم اس گپھا کے دہانے پر پہنچ گئے جسے میں نے آگ میں دیکھا تھا۔

منورما چند ساعت کے لیے رُکی، میری طرف دیکھا اور پھر گپھا میں داخل ہو گئی۔

”مجھے کیا کرنا ہے ودّیا؟“ میں نے پوچھا۔

”کچھ نہیں پران ناتھ۔“ منورما کے لہجے کی زندگی لوٹ آئی۔ اب یہاں آنے کے بعد شاید اس نے سوچا تھا کہ ضد کرنے سے کیا فائدہ، جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ کیوں نہ کیا جائے کیونکہ اس کے بعد—— اس کے بعد تو میں صرف اس کے احکامات کی تعمیل کروں گا۔

”کیا مہاراج ستھیانند اسی وقت مجھے مل سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نہیں کہہ سکتی پران ناتھ—— انھوں نے مجھ سے پوچھنے آنے کو کہا تھا۔ پرنتو تم چنتا نہ کرو، میں کوشش کرتی ہوں کہ وہ اسی سمے تم سے مل لیں۔“

”ہاں ودّیا! اب میں اس وقت تک بے کل رہوں گا جب تک کہ ستھیانند سے نہ مل لوں۔“

”تم یہاں رُکو۔ میں مہاراج کو تلاش کرتی ہوں۔“ ودّیا نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ وہ چلی گئی اور میں ان غاروں کو دیکھنے لگا۔ آگ میں نظر آنے والے مناظر میں، میں نے اس غار کو بھی دیکھا تھا اور یہاں سے آگے جانے کے دوسرے راستے بھی مجھے یاد تھے۔ بہر حال میں نے خاموشی سے ودّیا کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑک رہی تھیں۔ میں جلد از جلد ستھیانند کا سامنا کرنا چاہتا تھا۔ ودّیا یا منورما تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی۔ اس کے چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کافی پریشان ہو۔ بہر حال اس نے آکر کہا۔

”آؤ پران ناتھ! میں نے تم سے کہا تھا نا کہ مہاراج ستھیانند جی منش سے ملاقات نہیں کرتے۔ بڑی مشکل سے میں نے انھیں تیار کیا تھا! اس سمے تو وہ کسی سے نہیں ملتے لیکن میں نے ان کی بنتی کر کے انھیں تیار کر ہی لیا ہے۔“ اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ گپھا در گپھا ہوتے ہوتے ہم ایک کشادہ غار میں پہنچ گئے۔ غار دیکھنے میں بہت خوفناک معلوم ہوتا تھا۔ جگہ جگہ انسانی ڈھانچے، کھوپڑیاں، جانوروں کے ڈھانچے بکھرے پڑے تھے۔ خون کے بڑے بڑے چھتے جگہ جگہ نظر آ رہے تھے۔ غرض کہ ایک عام انسان کو مرعوب کرنے کے لیے یہ ماحول کافی تھا، لیکن اگر یہ میرے لیے اہتمام کیا گیا تھا تو اہتمام کرنے والے اوّل درجے کے گدھے تھے۔ اس وقت میرا غصہ عروج پر تھا۔ میں کسی چیز کو خاطر میں نہیں لا سکتا تھا۔ میں نے خاموشی سے پورے ماحول کو ایک نگاہ دیکھا اور پھر منورما کی طرف دیکھا۔

تب غار کے ایک دوسرے دہانے سے وہی قوی ہیکل سادھو باہر نکل آیا جسے میں نے آگ میں دیکھا تھا! اس درندہ صفت انسان کو دیکھ کر میرا خون کھول گیا۔ میں نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ سادھو کی آنکھیں بدستور سُرخ ہو رہی تھیں اور وہ غضیلے انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر ہماری نگاہیں ایک دوسرے سے چپک گئیں۔ سادھو کی آنکھوں سے سبز رنگ کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔

اس کی آنکھوں کے رنگ بدل رہے تھے اور پھر اچانک اس کے سُرخ ہونٹ مسکرا اٹھے—— بے حد خوفناک مسکراہٹ تھی۔ لگتا تھا جیسے کسی بھیڑیے نے منہ کھول دیا ہو۔

”منوری! یہ تو کسے لے آئی ہے؟“

”لگ۔ کیوں مہاراج؟“

”اس کی آنکھوں میں تو بڑی جان ہے۔“

”منوری؟“ میں نے زہریلے انداز میں کہا۔

”پران ناتھ! ہم—— میں——“ منورما بوکھلا گئی۔

”یہ کون ہے ستھیانند جی؟“ میں نے بے خوفی سے پوچھا۔

”ودّیا دتی رانی منورما—— اور اب میری داسی۔ کیوں پوچھ رہے ہو بھولے ناتھ؟“ ستھیانند مسکرا کر بولا۔

”رانی منورما!“ میں نے گردن ہلائی اور پھر ودّیا کی طرف رُخ کر کے بولا۔

”کیوں ودّیا، کیا یہ درست ہے؟ کیا تو رانی منورما ہے؟“

”میں کہہ رہا ہوں بھولے ناتھ، کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“

”ودّیا! کیا ستھیانند جھوٹ بول رہا ہے؟“ میں نے ودّیا سے پوچھا۔

”نن۔ نہیں مہاراج!“

”تو منورما ہے؟“

”ہاں!“ منورما نے گردن ہلائی۔

”اری ڈر کیوں رہی ہے دیوانی، اب تو ستھیانند کی داسی ہے۔“

”ہاں، میں منورما ہوں کرشنو جی!“

”رادھن راج کی کہانی جھوٹی تھی؟“

”ہاں!“

”خوب! اور ستھیانند جی کون ہیں؟ اس مہان گیانی نے تجھ چڑیل کی سہائتا کرنے کی کیوں ٹھان لی؟“

”یہ ہماری باتیں ہیں بھولے ناتھ، تو ان میں نہ پڑ۔ تو ہم سے بات کر۔“ ستھیانند نے کہا۔

”تو بات کرو ستھیا جی!“

”تو جادو سیکھنا چاہتا ہے؟“

”ہاں چاہتا تو ہوں۔“

”ہمارا چیلا بنے گا؟“ ستھیانند مسکرا کر بولا۔

”اگر تم اس قابل ہوئے تو۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“ ستھیانند کی مسکراہٹ سکڑ گئی! اس کی آنکھوں کی سُرخی کچھ اور گہری ہو گئی۔ ”کیا بکواس کر رہا ہے۔ کون ہے جو ہماری شکتی کا مقابلہ کر سکے؟“

”تمھارا چیلا بننے کے لیے کیا کرنا پڑے گا مہاراج؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”سب سے پہلے خون کا کٹورہ پی کر سوگند کھانی پڑے گی۔ ہماری داسی منورما تجھ سے پریم کرتی ہے۔ پہلی سوگند تجھے یہ کھانی پڑے گی کہ تو سارا جیون اس کے چرن دھو دھو کر پیے گا، کبھی اس کی کسی بات سے انکار نہیں کرے گا۔ سدا اس سے پریم کرتا رہے گا۔“

”دوسری سوگند کون سی ہے مہاراج؟“ میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

”ہم جو کچھ کہیں گے، اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرے گا۔“

”لیکن مہاراج، آپ تو صورت سے ہی شیطان معلوم ہوتے ہیں اور میرے اس خیال کی تصدیق اس چڑیل سے ہوتی ہے، جو گندی روح ہے۔ میں اس کالی چڑیل سے کیسے پریم کر سکتا ہوں مہاراج؟“

”منورما!“ ستھیانند دہاڑا۔ ”یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

”اس کی جیب بند کر دو مہاراج! یہ تمھارا اپمان کر رہا ہے۔ اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دو۔“ منورما غصیلے انداز میں چیخی۔

”منورما! میں نے یہ کھیل بند کر دیا۔“ وہ چاروں لڑکیاں کہاں ہیں، جنھیں تو لائی تھی؟“

”میرے پیٹ میں اُتر گئی ہیں بھولے ناتھ!“ ستھیانند بولا۔

”میں انھیں تمھارے پیٹ سے نکال لوں گا ستھیانند جی!“ میں نے غراتے ہوئے کہا۔

”مہاراج۔ مہاراج! اسے چھوٹ نہ دیں۔ جلدی کریں۔ جلدی کریں یہ آپ کا برابر اپمان کیے جا رہا ہے۔“

”تو کیا چاہتی ہے منورما؟“

”بس اسے میرا داس بنا دیں۔ اس کے من میں میرا پریم رکھ دیں۔ یہ کتے کی طرح میرے پیچھے دُم ہلاتا رہے۔ کبھی میری کسی بات سے انکار نہ کرے۔ اس کے سوا میں کچھ نہیں چاہتی۔“

”سُن رہا ہے کلمو ہے۔ تو ایسا ہی کرے گا۔ اگر تو نے جیون بھر اس کی بات نہ مانی تو کتے کی طرح بھونکنا پڑے گا گلیوں میں۔ تیرا وہ بُرا حال ہو گا جس کی تو سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”کیا تو بھی اس کی طرح پریت ہے ستھیانند؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں۔ میں زندہ انسان ہوں۔ کیوں؟ تو میرا کچھ بگاڑنا چاہتا ہے؟“

”اگر تو زندہ انسان ہے تو میں تجھے للکارتا ہوں مجھ سے مقابلہ کر۔ تو کافی قوی ہیکل ہے۔ اگر شکتی رکھتا ہے تو مجھے مار دے اور اگر بزدل ہے، اگر نامرد ہے تو یہاں سے بھاگ جا۔“ اور میں نے دیکھا ستھیانند کے پورے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی آنکھیں غیظ سے نکلی پڑ رہی تھیں۔ کافی دیر تک وہ مجھے خوفناک انداز میں گھورتا رہا۔ پھر اس نے گرجدار آواز میں کہا۔

”میں تجھے چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں۔ اگر میں اپنے سپھادھاریوں کو آگیا دے دوں تو وہ تیری تکا بوٹی کر ڈالیں لیکن تو نے مجھے للکارا ہے میں تیری للکار مانتا ہوں لیکن اگر تو ہار گیا تو میں تیری ہتھیا نہیں کروں گا، میں نے اپنی داسی کو وچن دیا ہے کہ میں تجھے اسے دے دوں گا۔ ہاں اس میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا پڑے گی۔ وہ یہ کہ اب تو اسے اس کی اصلی شکل میں سوئیکار کرے گا۔ بول تجھے منظور ہے؟“

"منظور ہے ستھیانند! لیکن تو اپنا گیان میرے مقابلے پر نہیں لائے گا۔"
"جو کچھ میں ہوں، وہی تیرے سامنے آؤں گا۔"
"مجھے تیری بات منظور ہے۔" میں نے کہا اور منورما خوشی سے اچھل پڑی۔
"مارو — مہاراج اس کا مان توڑ دو۔ اسے مارو مہاراج، اسے مارو۔" وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں چیخی۔ "مارا گیا بن موت پاپی — اب تو مجھے میری اصلی شکل میں ہی دیکھے گا اور جیون بھر جلتا رہے گا۔"
"سُنو رے پچھو — اسے بتاؤ کہ ستھیانند کیا ہے۔ بتا دو۔ پہلے اسے بتا دو۔" ستھیانند نے کہا اور جیسے چاروں طرف بھونچال آ گیا۔ جانوروں کے مجسمے چل پڑے۔ ان سب کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ وہ چیخ رہے تھے، غرا رہے تھے۔ پھر کھوپڑیاں اپنی جگہ سے پرواز کرنے لگیں۔ وہ چمگادڑوں کی طرح مجھ پر جھپٹے مارنے لگیں۔ چند ایک میرے بدن سے ٹکرائیں اور میں نے ان میں سے کچھ کو ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ جو میرے ہاتھ میں آئیں چکنا چُور ہو گئیں۔ جو میرے بدن سے ٹکرائیں میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ جانور میرے اوپر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ان کے لمبے لمبے ناخن میرے بدن پر خراشیں لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے دانت میرے بدن میں پیوست ہونے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اب ان کے دانتوں کا جو حشر ہو رہا تھا، وہ تو انھیں ہی معلوم ہو گا۔ پھر انسانی ڈھانچے بھی چل پڑے۔ انھوں نے قدیم طرز کے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔
"بس۔" ستھیانند نے ہاتھ اٹھایا۔ "اس نے مجھے للکارا ہے۔ یہ میرا شکار ہے۔ تم سب رُک جاؤ — جاؤ۔ اپنی جگہ واپس جاؤ اور سُنو، اب میرے اور اس کے معاملے میں مت بولنا۔" اور انسانی ڈھانچے اپنی جگہ لوٹ گئے۔ جانور اپنی جگہ پہنچ کر ساکت ہو گئے اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ واقعی زندہ انسان تھا، اسی لیے دھوکے میں آ گیا تھا۔ اسے میرے بارے میں معلوم نہیں تھا ورنہ ایسی حرکت نہ کرتا، ایسا خطرہ مول نہ لیتا۔ میرے خیال میں یہی اس کی موت تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس نے اپنے سر کیسی مصیبت مول لے لی ہے۔ منورما کو ستھیانند پر شاید پورا اعتماد تھا اس لیے وہ مطمئن کھڑی تھی۔ ستھیانند آگے بڑھ آیا۔ بلاشبہ اس کا قوی ہیکل جسم بڑا شاندار تھا لیکن پروفیسر میرے بارے میں تم بخوبی جانتے ہو — ہاں ستھیانند میں ایک تبدیلی ضرور ہوئی۔ اس کے بدن میں بے شمار ہاتھ نکل آئے۔ سارے ہاتھوں میں مختلف ہتھیار تھے اور وہ ان سارے ہتھیاروں سے لیس میری طرف بڑھا۔
"کیا تم مجھے ایک بھی ہتھیار نہیں دو گے ستھیانند؟"
"تیرے پیچھے پڑے ہیں، ان میں سے جو چاہے لے لے۔" ستھیانند نے جواب دیا اور میں پلٹ پڑا۔ درحقیقت پیچھے ہتھیار موجود تھے۔ میں نے جھک کر ان میں سے ایک تلوار اٹھا لی لیکن اسی وقت عقب سے میری کمر پر نیزے کی انی پڑی۔ ستھیانند نے پیچھے سے وار کر دیا تھا اور پھر اس نے متحیرانہ انداز میں نیزے کی مڑی ہوئی انی دیکھی اور میرے بدن پر زخم تلاش کرنے لگا — لیکن میرے بدن پر خراش بھی نہیں آئی تھی۔ وہ خوفناک انداز میں دہاڑا اور پھر اس نے اپنے بے شمار ہاتھوں سے بیک وقت میرے اوپر حملہ کر دیا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اور میں اپنی تلوار پر اس کے سارے وار روک رہا تھا۔ میرا ہاتھ بہت تیزی سے چل رہا تھا۔ اس کے بے شمار ہاتھوں کی وجہ سے ابھی تک مجھے اس پر وار کرنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن بہرحال میں تاک میں تھا اور ابھی تک صرف اسے طرح دے رہا تھا کیونکہ مجھے بہرحال اپنے بدن کی پرواہ تو نہیں تھی، اس پر اس کے ہتھیار کارگر تو ہو نہیں رہے تھے اور پھر میں نے پہلا وار کیا۔ اس کے بہت سے ہتھیار میرے بدن پر پڑے تھے لیکن میں نے ان کی پرواہ کیے بغیر اس پر وار کر دیا اور اس کے دو ہاتھ کٹ کر نیچے گر پڑے۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ پیچھے ہٹ گیا لیکن اب میں اسے موقع نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے تابڑ توڑ حملے کر کے اس کے ہاتھ کاٹنے شروع کر دیے اور اب صرف اس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ بے تحاشہ چیخ رہا تھا۔ اب وہ میرے اوپر حملے نہیں کر رہا تھا بلکہ میرے وار روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"ستھیا ہاریو — روکو — اسے روکو۔" وہ چیخا اور ایک بار پھر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ستھیانند زمین پر بیٹھ گیا تھا اور اس کے بدن سے خون کے فوارے چل رہے تھے۔ اس کے انداز سے نقاہت جھلک رہی تھی۔ انسانی ڈھانچے اچھل اچھل کر میرے اوپر حملے کر رہے تھے۔ کھوپڑیاں میرے بدن کے مختلف حصوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ جانور اپنے دانت میرے بدن میں گاڑنے میں کوشاں تھے اور میں اپنی زندگی کی سب سے خوفناک جنگ لڑ رہا تھا۔ میں نے انسانی ڈھانچوں کو تقریباً ختم کر لیا تھا اب ان کی ہڈیاں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں۔ پھر جانوروں کی باری آئی اور ستھیانند چیخا۔
"اری او کم بخت منوری — کس مصیبت کو لے آئی تر کھنی — اب میری سہائتا تو کر — لے چل، مجھے سہارا دے کر یہاں سے لے چل — جلدی کر۔" لیکن منورما پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کا منہ تعجب سے کُھلا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے ستھیانند کے سارے ستھیا ہاریوں کو ختم کر دیا — اور پھر میں نے تلوار پھینک دی اور ستھیانند کی طرف بڑھا۔
"کیا ہے — کیا ہے — دُور رہ مجھ سے دُور رہ — میں — میں تجھ سے ہار مان چکا ہوں — بس اب اور کیا کرے گا پاپی — اری روک اسے — روک اسے کم بخت ماری — میں اٹھ نہیں سکتا۔" وہ منورما کی طرف رُخ کر کے چیخا لیکن منورما اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔ وہ اسی طرح مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے جھک کر ستھیانند کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں اور پھر اسے اُلٹا لٹکا لیا۔ "ابے — ابے کیا کر رہا ہے — ہائے کیا کر رہا ہے؟" وہ پھر چیخا اور پھر اسے بہت جلد پتہ چل گیا کہ میں کیا کر رہا ہوں — اس کی ہڈیاں کڑکڑانے لگیں، کھال پھٹنے لگی اور وہ کسی ذبح ہونے والے بیل کی مانند چیخنے لگا۔ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں چیر دی تھیں اور پھر میری بے پناہ قوت نے اسے کمر تک چیر کر رکھ دیا۔ اس کی آخری چیخ بے حد بھیانک تھی اور پھر اس کا بدن کافی دیر تک اُچھلتا رہا تھا۔ پھر وہ سرد ہو گیا۔ تب میں نے منورما کو دیکھا۔ وہ اب بھی خاموش کھڑی تھی اور اس رُوپ میں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف رُخ کر کے تھوک دیا۔

"شما کردو — شما کردو کرشنو کا!" وہ رونے والے انداز میں بولی۔
"تُو مجھے یہاں کیوں لائی تھی منورما؟" میں نے پوچھا۔
"میں تم سے پریم کرتی ہوں کرشنو — تم بڑے شکتی مان ہو، مجھے خیال تھا کہ کبھی نہ کبھی تمھیں میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ سو میں نے سوچا کہ ستھیانند سے کہہ کر تمھیں سدا کے لیے اپنا داس بنا لوں تاکہ تم مجھ سے دُور نہ جاؤ۔"
"حالانکہ — اگر تو اسی طرح میرے ساتھ رہتی منورما تو میں کبھی تیرے بارے میں نہ سوچتا۔"
"ہم سے بھول ہو گئی مہاراج!" منورما بولی۔
"اب بول تیرے ساتھ کیا سلوک کروں؟"
"بس ہمیں شما کردو مہاراج!"
"ستھیانند کو خوش کرنے کے لیے تُو نے ان معصوم لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ کم بخت ذلیل چڑیل — کاش میں تیرے اس منحوس بدن کے چیتھڑے اُڑا سکتا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا اور پھر میں دانت پیس کر اس کی طرف جھپٹا۔ میں نے اس کی گردن پکڑ لی اور منورما نے ایک چیخ ماری۔ پھر میں نے ایک جھرجھری سی لی اور مجھے محسوس ہوا جیسے اس کی گردن اچانک سخت ہو گئی ہو۔ میں اسے دباتا رہا لیکن اب منورما کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا یہاں تک کہ اس کی گردن درمیان سے ٹوٹ گئی اور پھر وہ بے جان مجسمے کی مانند ایک طرف گر پڑی۔ تب میں نے صورتِ حال کا اندازہ لگایا۔ منورما نے شاید مجسمہ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے اپنی آتما مجسمے سے نکال لی تھی اور مجھے اپنی پشت پر آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ منورما اس طرف کھڑی ہوئی تھی لیکن اپنی اصلی شکل میں۔ سیاہ کوئلے کے مجسمے کے رُوپ میں — مادر زاد برہنہ — لیکن اس کی آنکھوں میں سوگواری تھی۔ چہرے کے تاثرات میں گھبراہٹ تھی اور پھر اس نے بڑے دلسوز انداز میں مجھے آواز دی۔
"کرشنو کا! شما نہ کرو گے کرشنو کا؟"
میں غصیلے انداز میں اسے گھورنے لگا۔ "ہم سے بھول ہوئی ہے کرشنو کا۔ سچ ہم سے بڑی بھول ہوئی ہے۔ پرنت ہم تمھارے پریم میں ایسے بیراگی ہو گئے تھے کہ بس ہمارے من میں ایک ہی آشا تھی وہ یہ کہ تم جیون بھر ہم سے دُور نہ ہو۔"
"اور اس کے لیے تُو نے چار معصوم لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تو بے حد سنگدل ہے منورما۔ اگر یہ علم سیکھنے والے ایسے ہی گندے اور سنگدل ہوتے ہیں تو میں نے اس کے حصول پر لعنت بھیجی۔"
"ہم کہہ چکے ہیں ہم سے بھول ہوئی ہے۔ ہمیں تو تمھارا پریم مل گیا تھا جس رُوپ میں بھی تھا، تم ہمیں پیار تو کرتے تھے۔ پرنت اب ہم سوچ رہے ہیں کہ اب ہمیں تمھارا پریم نہیں مل سکے گا۔"
"ودیا کے رُوپ میں تو ہمیں اتنی پسند تھی منورما کہ اگر ہمیں پتہ بھی چل جاتا کہ تو منورما ہے تب بھی ہم تجھے نہ چھوڑتے۔ ہم تجھے اس روپ میں اتنا ہی چاہنے لگے تھے۔" میں نے کہا اور میری یہ چوٹ واقعی منورما کے لیے زبردست رہی۔ وہ سینہ کوبی کرنے لگی رونے لگی چیخنے لگی کراہنے لگی۔ اسے اپنی اس حماقت پر شدید افسوس تھا۔
"میں تمھارے لیے سینکڑوں رُوپ دھار لوں گی کرشنو۔ بھگوان کے لیے مجھے سویکار کر لو۔"
"ایک بات بتا منورما۔"
"جی مہاراج!"
"تو مر چکی ہے مگر اب بھی تیرے دل میں مرد کی چاہت ہے۔ یہ کیسی آتما ہے کہ مرنے کے بعد بھی دنیا کی لذتوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے؟"
"ہمارے یہاں، اگر جیون میں منش کی ساری منوکامنائیں پوری ہو جائیں تو اس کی آتما شانت ہو جاتی ہے اور اگر وہ کسی ایسی موت مر جائے جیسے تم نے مجھے مار ڈالا تھا نردوئی، تو پھر آتما بھٹکتی رہتی ہے۔ اس میں وہی شکتی باقی رہتی ہے جو جیون میں اسے حاصل تھی۔ میں تمھارے پریم کی پیاسی تھی اور میری پیاس بجھی بھی نہیں تھی کہ تم نے مجھے مار دیا۔ بس میری آتما کی وہی طلب باقی ہے۔"
"کب تک باقی رہے گی؟"
"جنم جنم تک — اس سمے تک جب تک میں کوئی دوسرا جنم نہ لے لوں۔"
"اوہ! دوسرا جنم تم کب لو گی؟"
"افسوس، یہی تو میرے بس میں نہیں ہے۔ اگر میں اپنی مرضی سے دوسرا جنم لے سکتی تو یہی کرتی۔ میں دوسرا جنم لیکر تمھارے پاس ایک نئی شکل میں آ جاتی لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ اب تم جہنم میں جاؤ۔ میں یہاں سے چلتا ہوں۔"
"ناتھ — پران ناتھ! ایسا نہ کرو۔ بھگوان کے لیے ایسا نہ کرو۔ بس ایک بار شما کر دو۔ کرشنو جی — بس ایک بار شما کر دو۔" وہ میرے پیچھے چیختی ہوئی چل پڑی لیکن میں نے اس کی آواز کی طرف سے کان بند کر لیے تھے۔ ستھیانند زندہ انسان تھا، میرے غضب نے اسے پا لیا اور ہلاک کر دیا لیکن یہ کم بخت عورت میرے بس میں نہیں تھی۔ میں اسے کیسے ختم کر سکتا تھا۔ میں کوشش کر چکا تھا اور میں نے اس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا تھا۔ یعنی اس نے ودیا کا بدن چھوڑ دیا تھا اور وہاں صرف ایک مجسمہ رہ گیا تھا۔ اب کوئی دوسری کوشش کس طرح کارگر ہو جائے گی۔ اس کا مجھے احساس تھا چنانچہ اس کے لیے کوئی کوشش کرنا ہی بے کار تھا۔ ہاں اب آئندہ زندگی میں اس کے فریب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کون سی ترکیب کارگر ہو سکتی ہے؟
میں اس گپھا سے بھی نکل آیا۔ ستھیانند کے دونوں چیلے بھی مجھے یاد تھے لیکن اب کسی کو ہلاک کرنے کی کوشش مجھے بے کار معلوم ہوئی۔ بس ستھیانند جیسے درندے کو میں نے فنا کر دیا اور نہ جانے آئندہ کیسے کیسے المناک حادثے روک دیے۔ ایک درندے کا مر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ویسے اس بات کا مجھے احساس تھا کہ ستھیانند صرف شیخی میں مارا گیا ہے۔ اگر وہ اپنے جادو کو استعمال کرتا تو شاید اس کی موت اتنی آسان نہیں ہوتی لیکن اسے اپنی جسامت پر ناز تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ اتنا ہی کافی ہو گا کہ اس کے بدن پر کئی ہاتھ نکل آئیں۔ ظاہر ہے اتنے سارے ہتھیار کسی ایک آدمی کے مقابلے میں استعمال ہوں گے تو اس کی

زندگی بچنا محال ہے لیکن مقابل کے بارے میں اس نے کوئی اندازہ نہیں لگایا تھا۔

میں گپھا سے نکل آیا۔ اپنے پیچھے میں نے قدموں کی چاپ برابر سُنی تھی۔ یقیناً منورما میرے پیچھے آرہی تھی۔ باہر آکر میں رُک گیا اور پھر میں نے پلٹ کر دیکھا۔ منورما کھڑی تھی۔ میرے رُکنے پر وہ بھی رُک گئی تھی۔

"اب تم میرا پیچھا کیوں کررہی ہو منورما؟"

"صرف اس لیے کہ شاید تمھیں مجھ پر دیا آجائے۔" اس نے جواب دیا۔

"حالانکہ یہ ناممکن ہے۔"

"بس ایک بار میری بات مان لو مہاراج۔ آئندہ۔ آئندہ تمھیں مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔ سُنو مہاراج۔ میں ایک سے ایک حسین ناری کا روپ دھار کر تمھارے سامنے آیا کروں گی۔ میرے شریر میں بھی تمھیں ہر بار ایک الہڑ اور سُندر کنواری ناری کی سُندرتا اور لوچ ملے گا اور ناتھ میں اب کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گی جو تمھاری مرضی کے خلاف ہو۔ بس ایک بار مجھے شما کر کے اپنے چرنوں میں آجانے دو۔"

"تُو بے ایمان ہے منورما۔ تُو جھوٹی ہے۔ تُو نے بچّی کو چالاکی سے مار دیا۔ مجھے اسی وقت سے تجھ سے نفرت ہوگئی اور پھر تُو نے مجھے بھی ختم کرنے کی کوشش کی۔ میں تیری کوئی بات نہیں مان سکتا۔ تُو نے رادھن سبھا میں پتھر کا روپ اپنا کر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی۔ تُو قطعی طور پر ناقابلِ اعتبار ہے۔ میں تیرے سائے سے بھی نفرت کرتا ہوں۔"

"تو تم نہیں مانو گے مہاراج؟" منورما ہونٹ بھینچ کر بولی اور میں اسے گھورنے لگا۔

"کیا کہنا چاہتی ہے؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ اگر تم میری ساری التجائیں ٹھکرادو گے تو پھر—— میں بھی تم سے بدلہ لینے پر اتر آؤں گی۔"

"اوہ۔ تو اب تک تو میرے ساتھ دوستی کے سلوک کررہی تھی؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں۔ میں ایسا ہی کررہی تھی۔"

"ستھیانند سے میری لڑائی بھی اسی بات کا ثبوت تھی؟"

"نہیں۔ یہاں میں بے بس ہوگئی تھی۔"

"کیوں؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم دونوں کوئی ایسا کام شروع کردو گے۔ مہاراج نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمھیں پتھر بنا کر مجھے دے دیں گے اور پھر جب میں تمھارے اوپر جل کے چھینٹے ماروں گی تو تم زندہ ہوجایا کرو گے۔ بس میں تم سے پریم کروں گی اور پھر تمھیں پتھر بنا دوں گی تاکہ تم نہ تو کسی اور ناری کو دیکھو اور نہ پھر میرے خلاف کوئی کام کرسکو۔"

"لیکن منورما، اگر ستھیانند مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہوجاتا تب تم کیا کرتیں؟"

"میں صبر کرلیتی۔ میں تمھیں کسی اور سے پریم کرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"اس سے ظاہر ہوگیا کہ تم ایک خود غرض عورت ہو۔ بہرحال میں تم سے نفرت کرتا ہوں منورما۔ بے پناہ نفرت۔ اگر میں کوئی علم سیکھ لوں گا تو سب سے پہلے میں کوشش کروں گا کہ تمھیں فنا کردوں۔ اس طرح میں ان معصوم لڑکیوں کا بدلہ لوں گا جنھیں تم نے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج۔ تب پھر میرا قول بھی سُن لو۔ میں سائے کی طرح تمھارے ساتھ رہوں گی۔ تمھیں طرح طرح سے پریشان کروں گی۔ میں یہ بھی کوشش کرتی رہوں گی کہ کسی طرح تم میرے بس میں آجاؤ اور جب تم میرے بس میں آجاؤ گے تو پھر میرے من میں تمھاری کوئی عزت نہیں ہوگی۔ اس کے بعد میں تمھیں حقیر نگاہوں سے دیکھوں گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تب پھر نرکھ میں جاؤ مہاراج۔ مجھے سویکار کرلیتے تو سنسار میں نہ جانے کیا کچھ پالیتے مگر اب ٹھوکروں کے سوا تمھیں کچھ نہ ملے گا۔" اس نے کہا اور اچانک وہ میری نگاہوں سے غائب ہوگئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے ایک طویل سانس لی اور پھر میرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بات کچھ یوں ہے پروفیسر کہ میں بھی زندگی کا اتنا شائق نہیں ہوں کہ اس کی بقا کے لیے پریشان رہوں۔ میری کیفیت کچھ اس قسم کی ہے، سمجھ لو کہ زندگی کے سارے رموز سے تو آشنا ہوچکا تھا! اتنی طویل زندگی پائی تھی کہ اب اس کی قدر میرے دل میں باقی نہیں رہی تھی۔ ہاں جب یہ احساس پیدا ہوتا تھا کہ میں دوسرے انسانوں کی طرح مرجانے کے لیے نہیں ہوں تو کبھی کبھی ماحول سے ہلکی سی اکتاہٹ کا احساس ہوتا تھا اور میں سوچتا تھا کہ اگر زندگی کی ساری دلچسپیاں ختم ہوگئیں تو کیا کروں گا؟ تم میری ذہنی کیفیت سمجھ رہے ہو پروفیسر؟"

"کسی حد تک۔" پروفیسر خاور نے طویل سانس لے کر کہا۔

"تمھارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" اس نے پوچھا۔

"یعنی؟"

"کیا ایک طویل عمر انسان، جس نے انسانی سوچ کے ہر پہلو سے لطف حاصل کرلیا ہو، جس نے جو کچھ سوچا ہو پالیا ہو اور اب اس کے دل میں پانے کی آرزو ہی ختم ہوگئی ہو اس کے لیے زندگی کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے؟"

"تم نے ایک بات کہی ہے کہ پانے کی آرزو ہی ختم ہوجائے۔ درحقیقت پانے کی آرزو ختم نہیں ہوتی اور شاید یہی طلب انسان کو زندہ رکھتی ہے۔" پروفیسر خاور نے جواب دیا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"ہاں، تم نے یہ بات ٹھیک کہی پروفیسر۔ پانے کی آرزو ہی ایک ایسی چیز ہے جو میری طرح لافانی ہے، یہاں تک کہ ہم موت کی بھی خواہش کرتے ہیں، اس کا انتظار کرتے ہیں۔"

"یقیناً!"

"تمھارا خیال درست ہے۔ میں تم سے متفق ہوں۔ بہرحال میری کیفیت یہ تھی کہ میں نے خود کو ایک چٹان سمجھ لیا تھا جو کسی شاہراہ کے کنارے اٹھی ہر آنے جانے والے کو دیکھتی رہتی ہو۔ اس نے بہت کچھ دیکھ لیا ہو، بہت کچھ دیکھنے کے لیے تیار ہو لیکن اگر وہ کسی حادثے کے تحت ریزہ ریزہ ہوجائے تو اسے کوئی غم بھی نہ ہو، بلکہ اسے اپنے وزن سے نجات بھی مل جائے۔"

"تو کیا تمھارے دل میں کبھی موت کی خواہش پیدا ہوئی؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"موت —— موت کی خواہش نہ کہو۔ میں کبھی زندگی سے اتنا نہیں اکتایا کہ موت کا آرزومند ہوجاؤں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیسی قابلِ رشک زندگی ہے تمھاری۔" فروزاں بولی۔

"اور میرے خیال میں — معاف کیجیے گا آپ دونوں۔ آپ نے ایک بے مقصد گفتگو شروع کردی ہے۔" فرزانہ پہلی بار بولی اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"ارے۔ کیوں فرزانہ؟" پروفیسر خاور نے تعجب سے کہا۔

"آپ نے اتنی خوبصورت داستان کو درمیان سے روک دیا ہے۔" فرزانہ نے کہا اور پروفیسر ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"ہاں بھئی، میرا خیال ہے فرزانہ ٹھیک کہتی ہے۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا؟" اور وہ بھی مسکرادیا۔ اس کی آنکھیں پھر ماضی میں کھوگئیں۔ اس کے ذہن میں ماضی کی کتاب کھل گئی اور وہ اس کے اوراق پر داستان باستاں تلاش کرنے لگا۔ پھر اس کی آواز اُبھری۔

"زندگی سے کسی قدر عدم دلچسپی کی بات میں نے یوں شروع کی تھی کہ خوف کی بنیاد، زندگی کے ختم ہوجانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ہم جب کسی لیے خوفزدہ ہوتے ہیں تو اس کا محرک کوئی ایسا احساس ہوتا ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہو کبھی خود کے لیے، کبھی ایسے کے لیے جو ہمیں خود کی طرح عزیز ہو۔ تو جہاں تک خود کی طرح عزیز انسانوں کی بات ہے، تو ادوار ایسے بھی آئے جب کچھ لوگ دل و جان سے قریب ہوگئے اور ان کے لیے ذہن میں بے چینی پیدا ہوگئی لیکن ایک احساس ہمیشہ رہا — وہ یہ کہ کارواں گذر جائے گا، گذرتا رہے گا اور سڑک بھی یہی قائم رہے گی۔ میں تو سڑک ہوں پروفیسر، جس پر سے بے شمار کارواں گذرے ہیں۔ کچھ نقش مجھے پسند آئے، کچھ ناپسند قرار دیے گئے لیکن رفتار نہیں تھم سکی اور رفتار کو بند کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ دل و جان سے عزیز کسی شے کو میں مرنے سے، فنا ہونے سے نہیں روک سکتا۔ یہ قدرت میرے اندر نہیں ہے۔ میں تو صرف دیدہ ور ہوں۔ دیکھ سکتا ہوں، سُن سکتا ہوں، تخلیق نہیں کرسکتا، جاوداں نہیں کرسکتا۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ زندگی کی اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے وقت اور ماحول سے بھی کوئی لگاؤ نہیں تھا —— وہ چلی گئی۔ مجھے دھمکیاں دے گئی تھی۔ چند لمحات میں، میں نے سب کچھ بھلادیا۔ اگر وہ سائے کی طرح میرے ساتھ رہے تو مجھے کیا۔ کیا بگاڑ لے گی میرا — ہاں، ایک احساس ضرور تھا۔ وہ یہ کہ میری وجہ سے کچھ اور زندگیاں اس چڑیل کے ہاتھوں ضائع نہ ہوں۔

میں چند ساعت ان پہاڑوں میں رُکا اور پھر ایک طویل سانس لے کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اب میں کچھ دیر بیٹھ کر آرام کرنا چاہتا تھا اور اس آرام کے لیے میں نے وہ جگہ منتخب کی جہاں کرنامی سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ سادھو گیانی تھا۔ بلاشبہ اس کے پاس پُراثر علم تھا۔ جادو کے فن نے مجھے متاثر ضرور کیا تھا اور میں اس کا حصول چاہتا تھا۔ میں بھی چاہتا تھا کہ میں مافوق الفطرت ہستی بن جاؤں لیکن جادوگروں کی جو ہیئت میرے سامنے آئی تھی وہ بڑی گھناؤنی تھی۔ اب تک تین جادوگر دیکھے تھے، ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جسے باظرف سمجھا جائے۔ ہاں کرنامی نے اس کی دو شکلیں بتائی تھیں۔ ایک تو گیان کی شکتی، دوسری گندی شکتی۔ مجھے گندی شکتی نہیں درکار تھی میں تو اس علم کو ایک علم کی حیثیت سے سیکھنا چاہتا تھا جیسے میں گذرے ہوئے ادوار میں کرتا آیا تھا۔ کسی بھی علم کے لیے میں خود کو گرا نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ میں اس علم کے ذریعے کسی چیز کے حصول کا محتاج نہیں تھا۔

لیکن —— کیا کرنامی نے یہ زمین چھوڑ دی؟ میں نے سوچا۔ اس نے مجھے پیشکش کی تھی کہ میں اس کے ساتھ چلوں۔ کیا اس نے میرا انتظار کیا ہوگا؟ میں نے رفتار تیز کردی اور پھر میں اس جگہ پہنچ گیا، جہاں پچھلی رات پتھروں کی آگ دیکھی تھی لیکن —— اب وہاں سادھو کرنامی کا کوئی نشان نہیں تھا۔

میں نے گہری سانس لی اور ان پتھروں کے پاس بیٹھ گیا جو رات کو روشن تھے۔ خوب ہوتے ہیں یہ علوم بھی۔ بہرحال یہ سرزمین میرے لیے سب سے زیادہ پُراسرار ثابت ہوئی تھی۔ ممکن ہے مشرق کا پورا علاقہ ہی پُراسرار ہو۔ میں چاہتا تو آگے بڑھ سکتا تھا لیکن ابھی یہاں سے میرا دل نہیں بھرا تھا۔ میں ابھی اس علم کے حصول کی کوشش میں سرگرداں رہنا چاہتا تھا۔ اتنا اندازہ میں نے لگا لیا تھا کہ ان علوم کے ماہر عام طور سے ویرانوں میں ملتے تھے۔ وہ جنھوں نے اپنی گندی طاقتوں سے انسانوں کو آزار پہنچانے کے لیے ویرانے اپنائے ہوئے تھے اور وہ بھی، جو علم کی طاقت سے سرشار ہو کر دنیا چھوڑ چکے تھے، بہرحال مندر اور جنگل ہی ان کا مسکن ہوتے تھے۔ چنانچہ مجھے انھی جگہوں کی خاک چھاننی چاہیے اور یوں بھی اب آبادیوں سے میری دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ کم بخت منورما میری جان کو آگئی تھی۔ اب میں عورت کا قرب نہیں حاصل کرسکتا تھا۔ میں کسی کی زندگی سے نہیں کھیل سکتا تھا اور پھر کیا ضروری تھا منورما دوسرے روپ بدل کر مجھے دھوکا نہ دیتی۔ میں اب دھوکا کھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

میں اسی جگہ لیٹ گیا اور پھر یوں ہی میں نے پتھروں کو کریدنا شروع کردیا۔ یہ پتھر نہ جانے کیسے روشن ہوگئے تھے۔ نہ جانے کس طرح ان میں آگ سلگ اٹھی تھی۔ دفعتاً میں اچھل پڑا۔ میں نے ایک پتھر اٹھایا تو مجھے ایک آواز سُنائی دی۔ "بالک!" اور یہ آواز کرنامی کے سوا کسی کی نہیں تھی۔ میں خوشی سے اچھل پڑا۔

"تم کہاں ہو کرنامی بابا؟"

"میں جارہا ہوں بالک۔ ممکن ہے جب تو یہاں پہنچے تو میں یہاں

سے بہت دُور جا چکا ہوں۔ مجھے وشواش ہے کہ پاپی راکھشس ستھیا نند تیرے ہاتھوں سے ضرور مارا جائے گا۔ یہ بھگوان کی لیلا ہے۔ وہ پاپ کی ہانڈی پکنے دیتا ہے اور جب وہ پوری طرح پک جاتی ہے تو پھر اسے پھوڑنے کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ضرور کیا جاتا ہے۔ ستھیا نند کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی کے ہاتھوں مرنا ہی ہے اور —— تیرے ماتھے کے نشان بتاتے ہیں کہ تو ہی اس کے جیون کی ڈور کاٹے گا۔ تیرے من میں گیان حاصل کرنے کی اِچھا ہے۔ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ بھگوان تیری یہ اِچھا پوری کرے۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی مہان گیانی تجھے مل ہی جائے گا جو تیری یہ منوکامنا پوری کر دے گا لیکن بیٹا ایک بات میں تجھ سے ضرور کہوں گا، شکتی مل جائے تو جھک جانا۔ جھکنے میں بڑا ہی مزہ ہے۔ میں جانتا ہوں بالک کہ نرکھنی منورما تیرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ وہ آیندہ بھی تیری جان کو آئے گی اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بُری آتمائیں روپ بدل سکتی ہیں اس لیے میرے بچے، میری طرف سے ایک تحفہ سویکار کر۔ سُن۔ غور سے سُن۔ اگر کوئی ناری تیرے پاس آئے اور تجھے شبہ ہو کہ وہ منورما بھی ہو سکتی ہے تو ایک کام کرنا۔ اس کی انگلیوں کے ناخن دیکھ لینا۔ اگر وہ منورما ہوگی تو اس کے ہاتھ کتنے ہی سُندر کیوں نہ ہوں ان کی انگلیوں میں ناخن نہیں ہوں گے۔ میں نے تیرے لیے اس کے ناخن چھین لیے ہیں۔ خود اسے بھی اس بات کا پتہ نہیں ہوگا اور دوسری بات اور سُن۔ تو جب تک بڑا گیان نہ حاصل کر لے گا اس کی آتما کو بھینٹ نہیں کر سکتا۔ ہاں اسے تکلیف دینے کے لیے ایک کام کر سکتا ہے۔ ایسا کام جس سے وہ اپنے سارے ارادے ترک کر دے گی۔ اب کی بار اگر وہ تجھے مل جائے تو۔ تو کسی طرح چالاکی سے اس کے سر کے کچھ بال کاٹ لینا اور انھیں احتیاط سے رکھنا، تو اسے کسی کام سے روکنا چاہے تو اس کے بالوں کو آگ دکھا دینا۔ ہوش ٹھیک ہو جائیں گے سُسری کے۔ تو میرے بچے، میری طرف سے آشیرواد سویکار کر اور ستھیا نند جیسے راکھشس سے سنسار کو نجات دلانے پردھن واد بھی سویکار کر۔ میں اپنی یہ آواز پتھر کے نیچے دبا کر جا رہا ہوں۔ میں تجھے نہ مل سکوں گا، مجھے تلاش کرنے کی کوشش مت کرنا۔ میری دُعائیں تیرے ساتھ رہیں گی۔"

کرنامی کی آواز بند ہو گئی۔ میں نے دوسرے پتھر ہٹائے لیکن اب کوئی آواز نہیں تھی کیسی حیرت انگیز بات تھی۔ وہ اپنا پیغام پتھر کے نیچے دبا گیا تھا لیکن پروفیسر، اس نے جو کچھ مجھے دیا تھا وہ بھرپور تھا۔ میرے سارے بدن میں مسرت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اب تو تیری ایسی تیسی منورما۔ دیکھ لوں گا تجھے اچھی طرح۔ مل تو جائے اب کہیں۔ میں نے مسرت سے سوچا اور پروفیسر، کچھ ایسی خوشی مجھے ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ بعض اوقات بڑے سے بڑا انسان کتنی معمولی معمولی باتوں پر خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ میں اسی وقت وہاں سے اٹھ گیا اور پھر میں نے اپنے گھوڑے کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ گھوڑے کے لیے قرب و جوار میں ہی بہت کچھ تھا اس لیے وہ زیادہ دُور نہیں گیا ہوگا۔ میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور بہت دُور پر مجھے اپنا گھوڑا نظر آیا۔ وہ اطمینان سے پیٹ بھر کر بیٹھا ہوا تھا۔

میں اس کی طرف بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے گھوڑے پر بیٹھا جا رہا تھا۔ کوئی منزل نہیں تھی، کسی راستے کا تعین نہیں تھا بس سفر ہو رہا تھا۔ نامعلوم منزل کی طرف۔ اب میرے ذہن میں کوئی خاص خیال بھی نہیں تھا۔ میں نے حصولِ علم کا خیال بھی ذہن سے نکال دیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ میں ایک چیز کے پیچھے ہی ہاتھ دھو کر پڑ جاؤں۔ ہاں اگر آسانی سے میری یہ خواہش پوری ہو گئی تو ٹھیک ہے۔ جادو کو اس شکل میں حاصل کرنے کا تصور بھی اب میرے ذہن میں نہیں تھا جس طرح میں نے ان جادوگروں کے پاس دیکھا تھا۔ کرنامی کی بعض باتیں مجھے بہت پسند آئی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ گندے علوم گندگی سے ہی جنم لیتے ہیں۔ اچھی چیزوں کا حصول بھی صاف ستھرے طریقے سے ہوتا ہے۔ جو لوگ خون پئیں اور گوشت کھائیں وہ جیسے ہو سکتے ہیں، اس کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

سفر — دن رات سفر۔ راستے میں چند چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی نظر آئیں لیکن میں نے ان کا رُخ نہیں کیا اور سفر جاری رکھا۔ اب میں ایک پتھریلے راستے سے گذر رہا تھا۔ سُرخ پتھروں کا طویل و عریض میدان جہاں گھاس وغیرہ بھی نہیں تھی، پہلی بار میں نے اتنا بڑا بنجر ٹکڑا اس علاقے میں دیکھا تھا ورنہ عام طور سے یہاں سبزہ کافی تھا۔ اس طویل میدان کو عبور کر کے میں ایک پہاڑی سلسلے کے نزدیک پہنچ گیا۔ پہاڑی ڈھلان تھے لیکن نہایت پھیلے ہوئے۔ بلندی بھی بہت زیادہ نہیں تھی۔ میں نے گھوڑے کو اس پر ڈال دیا اور گھوڑا بے تکان اوپر پہنچ گیا۔

لیکن دوسری طرف میں نے ایک اور منظر دیکھا تھا۔ چوٹی سے دوسری سمت کے ڈھلان نظر آتے تھے لیکن ان کے اختتام کے بعد ایک اور طویل میدان تھا اور اس میدان کے دوسرے سرے پر پہاڑوں کی بلندیوں پر ایک قلعہ نظر آ رہا تھا۔ اونچی اونچی سیاہ دیواروں والا قلعہ۔

ایسے قلعے میں نے اکثر یہاں دیکھے تھے۔ گویا میں کسی بڑی آبادی کے قریب تھا۔ شاید کسی نئی راجدھانی میں۔ بہرحال اسے نظرانداز تو نہیں کر سکتا تھا۔ دیکھنا چاہیے یہ کیسے انسانوں کی بستی ہے اور یہاں کے کیا کیا اسرار ہیں۔ میں نے گھوڑا میدان میں چھوڑ دیا اور تھوڑی دیر چلنے کے بعد مجھے میدان کے آخری سرے پر سفید سفید خیمے نظر آئے۔ گویا قلعے کے باہر بھی آبادی تھی۔ خیموں کے درمیان گھوڑے بھی نظر آ رہے تھے اور چلتے پھرتے لوگ بھی۔ میں نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی اور جلد از جلد خیموں کے نزدیک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

شام جھک آئی تھی اور اندھیرا تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا بہت سے لوگ مجھے دیکھنے کے لیے ایک قطار میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن دل میں تضحیک تھی۔ نہ جانے کیوں۔ بہرحال اس میں پریشانی کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ میں ان کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ تب دو آدمی آگے بڑھے اور انھوں نے میرے گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں۔

"اس طرف آ جائیں مہاراج! اب سامنے جگہ نہیں ہے۔" ان میں

سے ایک نے کہا اور میں گھوڑے سے اُتر گیا۔ دوسرے لوگ اسی تضحیک آمیز انداز میں مجھے دیکھ رہے تھے۔

"بالک تو سُندر ہے بھائیو۔" کسی نے کہا۔

"جوان بھی تگڑا ہے۔" دوسرے کی آواز اُبھری۔

"مگر اس کے کپڑے کہاں گئے؟" کسی اور نے کہا۔

"سادھو معلوم ہوتا ہے۔"

"تو یہاں کیا گیان لینے آیا ہے یا۔ پھر یاترا کرنے؟"

"اسے بتاؤ بھائی۔ یہاں تو بس پدمنی کی یاترا ہوتی ہے۔ یہاں بھگوان نہیں بلکہ اندر اکھاڑے کی اپسرا ہے۔" لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے اور میں ان کی باتوں سے حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ نہ جانے کیا چکر تھا؟ نہ جانے یہ لوگ کیا بکواس کر رہے تھے؟

"آیئے مہاراج!" ان لوگوں نے پھر کہا جنھوں نے میرے گھوڑے کو پکڑا تھا۔

"کہاں چل رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کو آپ کا تنبو دکھا دیا جائے۔" ان میں سے ایک بولا۔

"تم کون ہو؟"

"داس ہیں مہاراج!" دونوں نے بیک وقت کہا۔

"اور یہ سب کون ہیں؟" میں نے دوسرے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

"راجکمار ہیں سب کے سب۔ سوئمبر میں آئے ہیں۔" ملازم نے جواب دیا اور میں گردن ہلانے لگا۔ بہرحال پھر میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ خیموں کی اچھی خاصی آبادی تھی۔ مجھے کافی دُور جا کر خیمہ ملا۔ نوکروں نے اس کے دروازے کا پردہ کھول دیا تھا۔

"آپ کے ساتھ کوئی نوکر نہیں ہے مہاراج؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"نہیں!" میں نے جواب دیا۔

"پھر آپ کی سیوا کون کرے گا؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم لوگ چنتا مت کرو۔"

"بھوجن تو راج محل سے آئے گا مگر دوسرے کاموں کے لیے تو آپ کو نوکر کی ضرورت پڑے گی ہی؟"

"نہیں۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"دیکھ نہیں رہے۔ راجکمار سنتوں کی طرح کے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی سیوا خود کرتے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔ ہم جائیں مہاراج۔ جس چیز کی ضرورت ہو ہمیں بتا دیں۔ ہم کٹھلان کے خیمے میں رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ جاؤ۔" میں نے جواب دیا۔ ان لوگوں سے کچھ معلوم کرنا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ میں خود ہی اپنے طور پر حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ کوئی دلچسپ صورتِ حال ہی معلوم ہوتی تھی۔ بہرحال مجھے تو صرف دلچسپیاں ہی درکار تھیں۔ یہاں بھی جو کچھ ہوگا سامنے آ جائے گا۔ چنانچہ پہلے میں نے اپنے خیمے کا جائزہ لیا۔ وہ لوگ میرا گھوڑا لے گئے تھے۔ بہرحال کوئی غلط صورتِ حال نہیں تھی۔ میرے بارے میں یہ لوگ اگر کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔

میں نے اپنے چھوٹے سے خیمے کا جائزہ لیا۔ زیادہ چھوٹا بھی نہیں تھا۔ ضرورت کی ساری چیزیں مہیا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ سونے کے لیے آرام دہ کھاٹ تھی اور ضرورت کا دوسرا سامان جس میں پانی وغیرہ بھی شامل تھا۔ کیا سارے خیموں میں یہ انتظامات کیے گئے تھے؟ لیکن مسئلہ کیا تھا؟ سوئمبر۔ یہ کیا ہوتا ہے؟ میں سوچ رہا تھا۔

"خیمے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ ہر خیمے سے کچھ فاصلے پر زمین میں ایک بانس گڑھا ہوا تھا جس پر مشعل اُڑسی ہوئی تھی۔ ملازم دُور سے مشعلیں روشن کرتے آ رہے تھے اور یہ ماحول کافی خوبصورت محسوس ہونے لگا تھا۔ میں نے دلچسپی سے ان سارے مناظر کو دیکھا اور پھر میری نگاہ اپنے خیمے سے تھوڑے فاصلے پر لگے ایک خیمے کی طرف اٹھ گئی۔ وہاں کوئی کھڑا تھا۔ میں نے اس کا جائزہ لیا۔ ایک خوبصورت سا نوجوان تھا۔ درمیانی جسامت کا۔ سنجیدہ سا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ نوجوان مجھے شریف صورت نظر آیا تھا اس لیے میں اس کی طرف بڑھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"جے رام جی کی مہاراج!" اس نے کہا اور میں نے بھی جواب میں ہاتھ جوڑ دیے۔ "آپ تو ابھی آئے ہیں؟" اس نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ —

"بڑی دیر کی آپ نے۔ کل سے تو گنتی شروع ہو جائے گی۔ آج رات تک جو بھی آ جائے گا وہ سوئمبر میں حصہ لے سکتا ہے۔ کل آنے والے کو سویکار نہیں کیا جائے گا۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلا دی۔ فوری طور پر ان حالات سے ناواقفیت کا اظہار مناسب نہیں تھا۔ پہلے نوجوان کو پرکھنے کی کوشش کی جائے اس کے بعد اسے اپنا رازدار بنایا جائے۔

"بہرحال آپ سمے پر آ گئے۔ کہیں دُور سے آئے ہوں گے اسی لیے دیر ہو گئی۔"

"ہاں۔ میں بہت دُور سے آیا ہوں۔"

"کون سی راجدھانی ہے آپ کی؟" اس نے پوچھا۔

"بس یوں سمجھ لو، سارے سنسار پر اپنی حکومت ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تمھاری راجدھانی کونسی ہے؟" میں نے اُلٹا اس سے سوال کر دیا۔

"تلنکا! میں تلنکا کا راجکمار ہوں۔"

"خوب! کیا نام ہے تمھارا؟"

"روپ کمار! اور آپ کا کیا نام ہے راجکمار؟" اس نے پوچھا۔

"میرا نام"۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا "میرا نام سُروپ ہے۔ سُروپ چند!" میں نے یونہی ایک نام لے لیا۔ ظاہر ہے ہر جگہ تو میں اپنی حیثیت کا پٹارہ کھول کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

"اوہ! میرے بڑے بھائی کا نام بھی سُروپ ہے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی تم اپنا بڑا بھائی ہی سمجھو۔ ویسے تم کچھ سُست نظر آ رہے ہو اور ان دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ بھی ہو جو وہاں میرا مذاق اڑانے میں پیش پیش تھے"۔

"مجھ بُرے ہیں مہاراج! اور کیا کہا جا سکتا ہے"۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم ان کے ساتھ شامل نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"انھوں نے تو کوشش کی لیکن مجھے ہی وہ پسند نہیں آئے اس لیے میں ان میں گھل مل نہیں سکا"۔

"ہوں"۔ میں نے گردن ہلائی "تمھیں یہاں آئے ہوئے کتنے دن گذر گئے روپ کمار؟"

"تیسرا دن ہے مہاراج۔ بس جلدی آ گیا اور یہ بھی پتاجی کا حکم تھا"۔

"جلدی جانے کا؟"

"ہاں۔ میرا معاملہ بھی عجیب ہے۔ میرے چھ بھائیوں میں چار مجھ سے بڑے ہیں اور ایک چھوٹا۔ اپنے گھر میں میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ پتاجی کا خیال ہے کہ میں بڑا نکما آدمی ہوں۔ راجدھانی میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ سب سے بڑا بھائی راجہ بنے گا، اس سے چھوٹا منتری اور باقی دو بھائیوں میں سے ایک فوجوں کا کام سنبھالے گا وہ سیناپتی ہوگا اور چوتھا خزانوں کا محافظ ہوگا۔ باقی رہ گئے ہم دو، تو ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے"۔

"اوہو — مگر تمھیں فکر ہی کیا ہے۔ کیا تمھارا بھائی راجہ بن کر تمھاری سہائتا نہیں کرے گا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کہلائیں گے تو نکمے۔ مُکڑ گدا"۔ روپ کمار نے کہا۔ اس کی باتوں میں بڑی معصومیت تھی۔ مجھے یہ نوجوان بہت پسند آیا — کم از کم ریا کار نہیں تھا۔

"ایک بات بتاؤ روپ کمار، تمھارے متر کتنے ہیں؟"

"یوں تو سینکڑوں ہیں مگر اچھے دو چار ہی ہیں"۔

"کیا تم ان سے پریم کرتے ہو؟ ان کی بات راز رکھتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔ متر پر تو متر کا بڑا ادھیکار ہوتا ہے"۔

"تب پھر مجھے بھی اپنا متر بنا لو۔ میں تمھارا اچھا دوست ثابت ہوں گا"۔ میں نے کہا اور وہ میری شکل دیکھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"بات پکّی ہو گئی۔ تم میرے ساتھ دوستی نبھاؤ گے۔ اگر تم یہاں کامیاب بھی ہو گئے تو مجھ سے ملتے رہو گے۔ یہ نہیں سوچو گے کہ میں ہارا ہوا آدمی ہوں"۔ اس نے بدستور بچکانہ انداز میں کہا۔

"بالکل پکّی"۔ میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"چلو مجھے خوشی ہے، یہاں کسی سے من کی بات تو کہہ سکتا ہوں ورنہ ان چھچھوروں میں تو مجھے کوئی پسند ہی نہیں آیا تھا"۔

"اب میں تمھیں ایک خاص بات بتا دوں"۔ میں نے رازداری سے کہا اور وہ سوالیہ انداز میں میری شکل دیکھنے لگا۔ "میں کہیں کا راجکمار نہیں ہوں۔ میری کوئی راجدھانی نہیں ہے۔ تم میرے لباس سے اندازہ لگا لو۔ میں تو ایک آوارہ گرد سادھو ہوں۔ اتفاقیہ طور پر آ نکلا۔ لوگ مجھے غلط سمجھے اور پھر ان کی الٹی سیدھی حرکتیں میری سمجھ میں بھی نہیں آ سکیں"۔

"ارے سچ۔ تو تم سوئمبر میں حصہ لینے نہیں آئے"۔ روپ کمار تعجب سے بولا۔

"مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم میرے بھائی کہ سوئمبر کہتے کسے ہیں؟"

"اوہ! یہ بھی نہیں معلوم؟"

"نہیں"۔ میں نے گردن ہلا دی۔

"پر کیوں؟ کیا تم دھرم کی رسمیں بھی نہیں جانتے، کیسے سادھو ہو؟"

"میں ایسا ہی ہوں۔ پورا جیون تو پہاڑوں میں بتایا ہے، پہلی بار بستی کا راستہ دیکھا ہے"۔

"اوہ! مجھے بڑی حیرت ہے۔ ارے تو تم یونہی یہاں آ پھنسے، مگر بھگوان کی سوگند، بڑے ہی سُندر ہو۔ میرا خیال ہے اگر راجکمار ہوتے تو وَرمالا تمھارے ہی گلے میں پڑی ہوتی"۔

"وَرمالا کیا ہوتی ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں تمھیں ساری باتیں بتا دوں۔ تمھارے ساتھ تو سچ مچ بڑا ہی مزہ آ رہا ہے۔ اس بستی کا نام معلوم ہے؟"

"نہیں"۔ میں نے گردن ہلا دی۔

"اس راجدھانی کا نام ترکھانی ہے اور یہاں کا راجہ ترکھان ہے۔ پدمنی اس کی اکلوتی بیٹی ہے۔ راجہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے اس لیے جو کوئی پدمنی کا پتی بنے گا وہی یہاں کا راجہ بھی ہوگا۔ جب لڑکی جوان ہوتی ہے تو سوئمبر رچایا جاتا ہے اور دُور دُور کے راجے مہاراجے جمع ہو جاتے ہیں۔ راجکماری ایک مالا لے کر ان کے درمیان گھومتی ہے اور پھر جسے وہ پسند کرتی ہے ورمالا اس کے گلے میں ڈال دیتی ہے۔ وہی اس کا پتی ہوتا ہے۔ چنانچہ راجہ ترکھان نے سب کو اسی لیے بلایا ہے اور اسے سوئمبر کہتے ہیں"۔

"خوب! تو یہ معاملہ ہے۔ تم نے پدمنی کو دیکھا ہے؟"

"ارے میری کیا بات کرتے ہو مہاراج، میں تو اپنی مرضی سے سوئمبر میں آیا بھی نہیں ہوں"۔

"اوہو۔ پھر؟"

"بس پتاجی نے مجھ نکمّے کو اسی لیے بھیج دیا ہے کہ ممکن ہے میرے بھاگ کھل جائیں اور پدمنی ورمالا میرے گلے میں ڈال دے۔ اس طرح مفت میں مجھے راجدھانی مل جائے گی"۔ روپ کمار نے بتایا اور اس کے لہجے پر مجھے ہنسی آ گئی۔ بہرحال خاصا دلچسپ معاملہ تھا۔ بس میں، میں بلاوجہ شریک ہو گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں مجھ سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا۔ سوئمبر کے بارے میں اس نے جو کچھ بتایا تھا، میرے لیے خاصی دلچسپ حیثیت رکھتا تھا۔ یہ لوگ مجھے بھی کہیں کا راجکمار ہی سمجھتے تھے اور بہرحال یہ بات تو خود بھی سوچی جا سکتی تھی کہ سوئمبر میں شرکت کرنے والوں کے لیے خود راجہ نے یہ بندوبست کیا ہوگا۔ اس سے قبل میں نے ہندوؤں کی اس رسم کے بارے میں کچھ نہیں سُنا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ رسم کیسی ہوتی ہے۔ تب میں نے روپ کمار سے پوچھا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا روپ کمار کہ پتی کا انتخاب کرنے کے لیے صرف لڑکی کی رائے کافی ہوتی ہے؟"

"ہاں مہاراج! ایسی بات ہے لیکن سوئمبر میں شریک ہونے والوں کو پہلے پرکھ لیا جاتا ہے کہ وہ اس قابل ہیں بھی کہ نہیں"۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ مہاراج کہ آج تک جتنے راجکمار آ گئے، کل صبح سے ان میں سپہ گری کے مقابلے ہوں گے اور ان کو حیثیت دے دی جائے گی۔ جو اصل ہی بے حیثیت ثابت ہوگا، اسے سوئمبر میں شریک ہی نہیں کیا جائیگا"۔

"بے حیثیت سے تمھاری کیا مراد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے مہاراج، اس مقابلے میں جو بالکل ہی نکمّے ثابت ہوں گے، انھیں سوئمبر میں شریک ہی نہیں کیا جائے گا"۔

"اوہ۔ تمھاری مراد مقابلوں میں ہار جانے والوں سے ہے؟"

"ہاں!" روپ کمار نے جواب دیا۔

"ابھی تک ان میں مقابلے نہیں ہوئے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مہاراج! آج تک آنے والوں کا آخری دن تھا۔ کل آنے والوں کو سویکار نہیں کیا جائے گا اور کل کا دن صرف مقابلوں کے لیے ہے"۔

"تم بھی مقابلے میں حصہ لو گے؟" میں نے پوچھا۔

"لڑنا تو پڑے گا مہاراج — مگر مجھے لڑائی بھڑائی سے کبھی شوق نہیں رہا۔ سیدھی سی بات ہے یہاں بھیجنا پتاجی کا شوق تھا، یہاں سے ناکام واپس جانا میرا اپنا کام ہوگا"۔

"اوہو۔ تم کامیاب نہیں ہونا چاہتے؟" میں نے پوچھا۔

"چاہوں بھی تو کیا ہوگا مہاراج — اب تم خود ہی دیکھ لو، اگر میرا مقابلہ تم سے ہو جائے تو مجھ میں اور تم میں کتنا فرق ہے۔ دوسری بات یہ کہ جتنے سالے جو یہاں آئے ہیں، سب کے سب پاگل نہ ہوں گے۔ لڑائی بھڑائی سے ضرور واقف ہوں گے جبکہ مجھے تلوار ہاتھ میں پکڑنا بھی بُری لگتی ہے"۔

"لیکن روپ کمار، تمھاری ناکامی سے تمھارے پتاجی کو تو بڑا دُکھ ہوگا؟"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دُکھ تو ہونا ہی ہے"۔

"کیوں؟"

"ارے میں چاہوں بھی تو کامیاب نہیں ہو سکتا نا"۔ روپ کمار نے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"مجھے لڑنا ہی نہیں آتا اور یہ بات پتاجی کو بھی معلوم تھی۔ انھیں سوچ لینا چاہیے تھا کہ ان کا سپوت یوں بھی سوئمبر جیت کر نہ آئے گا، اس نے آج تک کوئی ڈھنگ کا کام کیا ہے"۔ روپ کمار نے اس انداز میں کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ بڑا دلچسپ نوجوان تھا۔ اچھی گفتگو کرتا تھا۔ میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"بہرحال تم اچھے انسان ہو روپ! دوست بنانے کے قابل تھے۔ تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے"۔

"سچ کہتے ہو سُروپ جی؟" روپ کمار نے غور سے میری شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں، تمھیں اس میں کوئی جھوٹ محسوس ہو رہا ہے؟"

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے سُروپ جی!"

"پھر کیا بات ہے؟"

"اگر تم من سے میرے میت بن گئے ہو تو میری بات سُنو۔ میں تو سوئمبر میں جیت ہی نہیں سکتا۔ یہاں میں نے جیسے جیسے لوگوں کو دیکھا ہے انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تم بھی نہ جیت سکو گے۔ ہمیں چاہیے کہ اوّل وقت میں ایک آدھ سے لڑ بھڑ کر یہاں سے نکل چلیں۔ تمھاری کوئی راجدھانی تو ہے نہیں کہ واپس وہاں جاؤ۔ سادھو قسم کے آدمی ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ دونوں تلنگا چلتے ہیں۔ وہاں رہیں گے عیش کریں گے"۔

"ایسے ارے، تم تو بہت ہی چالاک آدمی ہو۔ اگر ایسے ہی چلنے کا ارادہ ہے تو پھر لڑنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ راتوں رات یہاں سے نکل چلتے ہیں، ہمیں پوچھنے والا کون ہے؟"

"ہے نا یار"۔ روپ کمار نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کون ہے؟"

"اف اوہ۔ تم نہیں جانتے بھائی، پتاجی مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ انھوں نے اپنا ایک ہرکارہ میرے ساتھ کر دیا ہے"۔ روپ کمار نے جواب دیا۔

"اچھا۔ تو تمھارے خیمے میں تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"ہاں۔ بوڑھا سکھ داس۔ وہ یہاں میرے داس کی حیثیت سے آیا ہے لیکن اصل میں وہ میرا نگران ہے اور جب تک لڑوں بھڑوں گا نہیں بھائی، میری جان کہاں چھوٹے گی ورنہ جا کر کہہ دے گا ہتھیارا کہ مہاراج تو ان میں جانے سے پہلے ہی بھاگ آئے"۔ روپ کمار نے کہا۔

"اوہ، کہاں ہے اس وقت وہ؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بس یونہی تماشہ دیکھنے چلا گیا ہے کہیں۔ آ دھمکے گا تھوڑی دیر کے بعد"۔ اب میں سمجھا کہ ان دونوں خادموں نے مجھ سے میرے کسی خادم کے بارے میں کیوں پوچھا تھا۔ گویا یہاں لوگوں کے ساتھ ان کے ملازم بھی آئے تھے۔ بہرحال روپ کمار کی بات میں نے سُن لی تھی اور اب میں اپنے طور پر سوچ رہا تھا۔ روپ کمار کی یہ تجویز مجھے پسند نہیں تھی کہ سوئمبر میں حصہ نہ لیا جائے۔ رہی لڑنے بھڑنے کی بات تو بہرحال میں اس سے بھی باز نہیں رہ سکتا تھا۔

اور یہ تو مجھے یقین ہی تھا پروفیسر کہ جیت میری ہی ہو گی۔ یہ دوسری بات

ہے کہ میں خود بھی راجکماری پدمنی کا شوہر نہیں بننا چاہتا تھا، ویسے بھی شوہر بننے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی، نہ میں ان کے دھرم سے تعلق رکھتا تھا لیکن لڑائی تو میرا دلچسپ مشغلہ تھا اور میں اس سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد روپ کمار کا خادم واپس آ گیا۔ روپ کمار نے اسے خیمے میں جانے کے لیے کہا اور بولا۔

"تو پھر آپ نے کیا سوچا مہاراج؟"

"کس بارے میں روپ کمار؟"

"میری تجویز ٹھیک ہے نا؟"

"نہیں یار۔ تھوڑی بہت تو دلچسپی ضرور لیں گے۔ دیکھیں گے تو سہی کہ تمھاری پدمنی کسے پسند کرتی ہے۔"

"جیسی تمھاری مرضی، مگر یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ خود راجکماری پدمنی کیسی ہیں۔"

"اوہو۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔ "تو کیا تم لوگوں نے اسے دیکھا بھی نہیں ہے؟"

"نہیں سروپ جی! وہ ابھی تک کسی کے سامنے نہیں آئی۔"

"کمال ہے یار — لیکن اس کے اتنے سارے عاشق جمع کیسے ہو گئے؟"

"یہ اس کے پریمی نہیں ہیں مہاراج۔ ان کا تعلق تو پریمی راج دھانی سے ہے۔ پدمنی کے پتی بننے کے بعد انھیں راج گدی جو مل جائے گی۔" روپ کمار نے کہا۔

"ہونہہ، تو یہ معاملہ ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "لیکن ایک بات تو بتاؤ روپ کمار، اگر پدمنی واقعی خوبصورت ہے تو کیا پھر بھی تم اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے؟"

"خوبصورت لڑکیاں کسے پسند نہیں ہوتیں مہاراج لیکن اگر ان کے لیے جیون کی بازی بھی لگانی پڑے تب وہ واقعی خطرناک ہوتی ہیں۔" روپ کمار نے کہا۔

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" مجھے ہنسی آ گئی۔ "تو گویا تم بیوی کا حصول بھی اسی آسانی سے چاہتے ہو؟"

"ارے سروپ جی۔ اس جیون میں کیا رکھا ہے۔ تھوڑی سی سانسیں لے کر آئے ہیں۔ جس وقت سانسوں کے تار ختم ہو جائیں گے تو واپس آکاش پر چلے جائیں گے۔ ان چند سانسوں کے لیے مٹی پر ہنگامے کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔" روپ کمار نے جواب دیا۔

"واہ! انوکھی سوچ ہے تمھاری۔ تمھیں تو فنکار ہونا چاہیے تھا۔"

"جو کچھ ہونا چاہیے تھا، وہ ہوں مہاراج۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ پتا جی کی نگاہوں میں کچھ نہیں ہوں۔"

"میری مانو تو روپ کمار چلو ایک نگاہ اسے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔" میں نے تجویز پیش کی۔

"کسے سروپ جی؟" روپ کمار حیرت سے بولا۔

"راجکماری پدمنی کو۔"

"ارے رام رام رام۔ کیسے دیکھیں گے اسے؟ اور کہاں دیکھیں گے؟"

"ارے وہ کہیں نہ کہیں تو رہتی ہو گی۔"

"راج محل میں رہتی ہے۔" روپ کمار نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر — اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"راج محل میں جانا آسان تو نہ ہو گا؟" روپ کمار دانت نکال کر بولا۔

"ہاں۔ تم تو یہاں بھی آسانیاں تلاش کرتے پھرو گے۔ بہر حال ہم راج محل ضرور جائیں گے۔ ضرور جائیں گے روپ کمار جی!"

"ارے ارے۔ کیسی باتیں کرتے ہو سروپ جی؟" روپ کمار ہنستے ہوئے بولا اور میں نے اس کی پیٹھ پر دھول جمائی۔

"میرا تو ہردے کانپنے لگا ہے۔" روپ کمار لرزتے ہوئے بولا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

ذرا سی دیر میں اس نوجوان سے کافی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ دلچسپ تھا، ہنسنا جانتا تھا اور ایسے لوگ کبھی ذہن پر بار نہیں بنتے۔ بہر حال میں نے اسے تیار کر لیا کہ وہ میرے ساتھ راج محل جائے گا۔

"پر میں اس بوڑھے کا کیا کروں گا؟" روپ کمار نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"کس بوڑھے کا؟"

"ارے وہی میرے باپ کا داس۔" روپ کمار جلے کٹے لہجے میں بولا۔

"کیوں؟ کیا وہ تم پر آنے جانے کی نگاہ بھی رکھے گا؟"

"رکھے گا کیا، رکھ رہا ہے۔" روپ کمار جلے کٹے لہجے میں بولا۔

"لیکن آخر کیوں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"سروپ بھیا! اصل بات یہ ہے کہ میرے پتا جی کا خیال ہے کہ میں کبھی کوئی کام کی بات نہیں کر سکتا۔ انھیں خطرہ ہے کہ میں راتوں رات یہاں سے بھاگ جاؤں گا۔ یا کوئی اور ایسی حرکت کروں گا کہ سوئمبر میں حصہ لینے میں ناکام رہوں۔ بس اسی لیے انھوں نے بوڑھے داس کو میرے بارے میں سب کچھ سمجھا دیا ہے اور یہ نوکر ایسی نگائی بجھائی کرتے ہیں کہ اچھی خاصی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔" روپ نے کہا۔

"اوہو۔ پھر تو کچھ سوچنا پڑے گا۔" میں نے پُر خیال انداز میں کہا۔

"سوچو۔ سوچو۔ سوچ لو۔" روپ کمار گردن ہلا کر بولا۔

"تم ایسا کرو روپ کمار، تم اس سے ایسا کہہ دو کہ رات کو تم میرے خیمے میں رہو گے۔"

"وہ پوچھے گا کیوں؟"

"کہہ دینا میں تمھارا متر ہوں۔" میں نے کہا۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے، کچھ نہ کچھ تو کہہ ہی دوں گا۔"

"بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ آج ہی تمھیں متر بنایا اور آج ہی تم سولی پر لیے جا رہے ہو۔" روپ کمار بے چارگی سے بولا اور میں ہنسنے لگا۔

میں جانتا تھا کہ وہ دل سے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہے لیکن اپنے مسخرے پن کی وجہ سے فضول باتیں کر رہا ہے۔ ہم رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ رات کا کھانا آ گیا تھا۔ خاصا اچھا تھا۔ میں نے اور روپ کمار نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ پھر ہم چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ روپ کمار اور میں قلعے کے دروازے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں مجھے خیال آیا اور میں نے روپ کمار

سے پوچھا۔

"ایک بات تو بتاؤ روپ کمار!"

"پوچھو بھگوت!" روپ کمار گہری سانس لے کر بولا۔

"قلعے میں داخل ہونے کے لیے کیا کرو گے؟"

"کیوں؟" اس نے میری شکل دیکھی۔

"قلعے میں داخل ہونے پر کوئی اعتراض تو نہیں کیا جاتا؟"

"نہیں — خیر — اب اتنے بُرے تو نہیں ہیں۔ مہمانوں پر پابندیاں نہیں لگائی ہیں انھوں نے۔"

"گویا ہم آسانی سے قلعے میں داخل ہو سکتے ہیں؟"

"ہاں — عام حالات میں شاید قلعے کا بڑا دروازہ بند رہتا ہو لیکن اب چھوٹا دروازہ دن رات کھلا رہتا ہے۔ مہمانوں کو کسی بھی سمے آنے جانے کی اجازت ہے۔"

"بس پھر ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

ہم لوگوں کو قلعے کے دروازے تک پہنچنے کے لیے سارے خیموں کے آگے سے گزرنا پڑا تھا چونکہ رات زیادہ ہو گئی تھی اس لیے دوسرے لوگ اپنے اپنے خیموں میں داخل ہو چکے تھے۔ راستے میں ہمیں کوئی نہ ملا اور ہم قلعے کے دروازے تک پہنچ گئے۔

مسلح سنتری دروازے پر موجود تھے۔ انھوں نے اپنے نیزے مختلف سمتوں میں جھکا دیے، گویا ہمیں اندر جانے کی اجازت تھی اور ہم چھوٹے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

میں نے اس کشادہ قلعے کو اندر سے دیکھا۔ رات کی تاریکی میں وہ سنسان پڑا تھا۔ صرف پہرہ دینے والے سنتری جاگ رہے تھے، سڑکوں اور گلیوں میں گشت کر رہے تھے۔ ہمیں کسی نے نہ روکا اور ہم گلیوں میں سے آگے بڑھتے رہے۔ پورا شہر آباد تھا۔ طرزِ تعمیر بھی خوبصورت تھا۔ میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔

"تمھیں اندازہ ہے روپ کمار کہ راج محل کس طرف ہو گا؟"

"اوہو۔ میں دن میں یہاں کی سیر کر چکا ہوں سروپ جی!"

"تو گویا تمھیں معلوم ہے کہ راج محل کس طرف ہے؟"

"ہاں — ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"تب پھر ادھر ہی چلو۔" میں نے کہا۔

"ہم ادھر ہی چل رہے ہیں مہاراج!"

تھوڑی دیر کے بعد ہم راج محل کے نزدیک پہنچ گئے۔ راج محل پر بھی مسلح سنتریوں کا پہرہ تھا۔ بھاری بھاری قدموں سے چل رہے تھے۔ میں نے راج محل کے چاروں طرف چکر لگایا اور پھر ایک جگہ منتخب کر لی۔

"میرا خیال ہے یہاں سے ہم اندر داخل ہو سکتے ہیں؟" میں نے کہا۔

"میرے تو ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے ہیں مہاراج!" روپ کمار لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"اوہ، روپ کمار بزدلی کی باتیں مت کرو۔" میں نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"مگر دیوار اتنی اونچی ہے ہم اندر داخل کیسے ہو سکیں گے؟"

"میں اوپر چڑھ جاتا ہوں! اس کے بعد تم میرا ہاتھ پکڑ لینا۔ میرا خیال ہے مشکل نہ ہو گا۔"

"تم کیسے اوپر چڑھو گے مہاراج؟" روپ کمار نے پوچھا۔

"ایسے۔" میں اچانک اپنی جگہ سے اچھلا اور دیوار پر جا کھڑا ہوا۔ روپ کمار حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے دیوار پر بیٹھ کر دونوں طرف پیر لٹکا دیے اور پھر ایک سمت جھک گیا۔ روپ کمار کو میرا ہاتھ پکڑنے کے لیے کسی قدر اچھلنا پڑا تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح میں نے روپ کمار کو اوپر کھینچ لیا تھا اور پھر ہم دیوار کے دوسری طرف کود گئے۔

"رادھے شیام۔ رادھے کرشن۔ ہے بھگوان۔ یہاں تو جو درگت بنے گی سو بنے گی، پتا جی بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔" روپ کمار آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا اور مجھے اس کے مسخرے پن پر ہنسی آ رہی تھی۔

بہر حال میں اس شخص کو پسند کرنے لگا تھا۔ ہم نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور پھر آگے بڑھ گئے۔

"سروپ جی!" روپ کمار آہستہ سے بولا۔

"ہوں۔ بولو۔" میں نے کہا۔

"راج محل اب اتنا چھوٹا تو نہیں ہے کہ ہم یہاں سے سیدھے کماری پدمنی تک پہنچ جائیں گے۔ اسے تلاش کرنا آسان تو نہ ہو گا۔"

"رات بھر تلاش کریں گے یار۔ کہیں نہ کہیں تو مل ہی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے بھگوت۔ رات بھر جاگیں گے اور صبح آرام کریں گے۔" روپ کمار نے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں ہنس پڑا۔

"ارے رات بھر جاگنے کے بعد کس میں اتنی ہمت رہے گی کہ صبح کے وقت اتنی وزنی تلوار اٹھائے۔"

"یار، تم تو لڑکیوں سے بھی کم ہمت ہو۔" میں نے کہا۔

"ہے بھگوان، کاش تو لڑکی ہی بنا دیتا۔ سوئمبر ہوتا بس اتنا کرنا پڑتا کہ مالا کسی کے گلے میں ڈال دیتے اس کے بعد رام رام۔" اور میں اسے دھکیلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

ہم راج محل کے مختلف حصوں میں پھرتے رہے۔ اس کی خوبصورتی کا اندازہ لگاتے رہے۔ اب ہم راج محل کے پچھلے حصے میں تھے۔ یہاں پر بھی دوسری طرف کی طرح ماحول سنسان اور خاموش تھا۔ اب اسے اتفاق کہا جائے یا خوش بختی کہ راج محل کے پچھلے باغ میں ہمیں کچھ چہل پہل نظر آئی۔ ایک چھوٹے سے تالاب کے کنارے کچھ روشنی بھی ہو رہی تھی اور اس روشنی میں کچھ سائے بھی نظر آ رہے تھے۔ چاند بادلوں میں ڈھکا ہوا تھا اور سیاہ بادل اس سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ ہم روشنی سے منہ چھپائے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ روپ کمار بدستور خوف زدہ تھا اور آگے بڑھنے سے ڈر رہا تھا۔

دیر کے بعد ہم اس تالاب سر کے پچھلے حصے میں درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئے۔ یہاں سے ہم تالاب کے گرد لرزاں سائے بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

تالاب کے کنارے سے رنگین قہقہے ابھر رہے تھے اور نسوانی قہقہوں کی کھنک دُور تک گونج رہی تھی۔ ”روپ کمار!“ میں نے روپ کمار کے کان میں سرگوشی کی۔

”جی سروپ کمار!“ وہ کانپتے لہجے میں بولا۔

”لڑکیاں ہیں نا!“

”مجھے تو چڑیلیں معلوم ہوتی ہیں بھگوت!“ وہ آہستہ سے بولا۔

”اگر چڑیلیں بھی اس قدر خوبصورت ہوتی ہیں تو چلو ان میں سے دو چار چڑیلوں کو پکڑ کے چلتے ہیں۔ نہ سہی رانی پدمنی، یہ ہی سہی۔ کام آ جائیں گی۔“

”ہرے رام۔ ہرے رام۔ چڑیلوں کو پکڑ کر کیا بپت مول لینی ہے۔“

”او ہو۔ روپ اُدھر دیکھو وہ کون ہے؟“ میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ شمعوں کی روشنی میں ایک حسین چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا تھا جسے دیکھ کر آنکھیں پلک جھپکانا بھول جاتی تھیں۔ سلونا سا حسن، ہندوستان کی سرزمین کا عکاس، لانبی لانبی پلکیں جو آنکھوں پر جھکی ہوئی تھیں۔ چہرے پر بلا کی حلاوت اور بدن میں قیامت کا لوچ۔ وہ بڑے ناز سے آ رہی تھی اور شاید چاند اسی کے انتظار میں تھا۔ چاند نے بادلوں کی چادر دونوں طرف سے سمیٹی اور اس میں سے منہ نکال کر جھانکا۔ تب اس کا چہرہ مکمل طور پر روشن ہو گیا۔

روپ کمار شاید بولنا بھول گیا تھا وہ ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہا تھا۔ خوبصورت لڑکی داسیوں کے جھرمٹ میں تالاب کے کنارے پڑے ہوئے خوبصورت تخت تک پہنچ گئی۔ تخت ہیرے جواہرات سے مزین تھا اور شاید اسی مورت کے لیے بنایا گیا تھا۔

اور میرے ذہن میں ایک شبہے نے سر اُبھارا۔ کیا یہی کماری پدمنی ہے؟ عین ممکن تھا اور میرا یہ خیال غلط ثابت نہ ہو! تالاب کے کنارے موجود داسیوں نے اس کا بڑا احترام کیا تھا اور پھر وہ ناز سے تخت پر بیٹھ گئی۔

”چمپا!“ اس نے مترنم آواز سے کسی کو پکارا۔

”کماری جی!“ ایک حسین خادمہ آگے بڑھائی۔

”کیا خبر ہے؟“ کماری پدمنی نے پوچھا۔

”بس کماری جی، کم سے کم چالیس آدمی آئے ہیں۔“

”تو نے انھیں دیکھا؟“ کماری پدمنی نے پوچھا۔

”نہیں۔ کماری جی! میں بھلا کیسے دیکھتی۔ بس بانکے مجھے بتا رہا تھا۔“

”کیا بتا رہا تھا؟“ پدمنی نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”یہی کہ بڑے بڑے راجکمار ہیں۔“

”بس؟“ پدمنی ہنس پڑی۔

”ہاں کماری جی، راجکمار، راجکمار ہی ہوتے ہیں۔“

”ہوں۔ مگر یہ بڑی بری بات ہے۔ پتاجی نے انھیں قلعے کے باہر ٹھہرایا ہے۔ اگر وہ قلعے کے اندر ہوتے تو کسی نہ کسی طرح ہم انھیں چوری چھپے دیکھنے کی کوشش کرتے۔“

”چلیے کماری جی اب سمے ہی کتنا رہ گیا ہے۔ آپ انھیں آرام سے دیکھ لیجیں گی، کل شام کو سوئمبر رچے گا اور آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا۔“

”یہی تو مشکل ہے چمپا۔ ہمیں بس انھیں ایک نظر دیکھنے کی مہلت ملے گی اور اس ایک نظر ہی میں ہمیں فیصلہ کر لینا پڑے گا۔ ہم تو چاہتے تھے کہ انھیں من بھر کر دیکھیں اور اس کے بعد فیصلہ کریں۔“

”مجبوری ہے کماری جی۔ برسوں سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ اب تو آپ ایسا ہی کریں کہ کسی کو پسند کریں اور پھر اسے من بھر کر دیکھیں۔“

”ہمارا تو من کانپ رہا ہے چمپا!“

”اسے ٹھہرائیں کماری جی۔ کل تک تو انتظار کرنا ہی ہوگا۔“

”ہاں۔ چھوڑو ان باتوں کو گیت سناؤ۔“ کماری پدمنی نے کہا۔

”من جو نہیں لگے ہا مہارانی کا۔“ ایک اور داسی بولی۔

”ہائے من میں تو نہ جانے کون کون ہوگا۔“

”ارے بھئی نہیں۔ ہماری کماری ایسی نہیں ہیں۔ کسی منش کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھا ہوگا انھوں نے۔“

”تو اور کیا۔“ دوسری داسی بولی۔

خیر جتنے منہ تھے اتنی زبانیں۔ سب کماری پدمنی کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور میں دلچسپی سے ان لڑکیوں کی چہلیں دیکھ رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر وقتی طور پر میری توجہ روپ کمار سے ہٹ گئی تھی لیکن چند لمحات کے بعد ہی مجھے احساس ہو گیا۔ روپ کمار بے حد خاموش تھا۔

اور میں نے اس کی طرف دیکھا۔ تب میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ روپ کمار کی نگاہیں کماری پدمنی پر گڑھی ہوئی ہیں اور میری صدیوں کی تجربہ کار نگاہوں نے اس مدھم سی روشنی میں بھی اندازہ لگا لیا کہ روپ کمار کی شکنیں سکڑ اور پھیل رہی ہیں۔ اس کے چہرے پر کافی حد تک تبدیلی آ چکی تھی۔ شاید کماری پدمنی کا حسن آنکھوں کے راستے دل میں اتر گیا ہے۔

بہرحال پروفیسر میرے بارے میں تو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ دنیا کا کتنا ہی حسین چہرہ میری نگاہوں میں آ جائے وہ میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ میں نے تو صدیوں کا منتخب حسن دیکھا تھا۔ میں نے تو ایسے ایسے حلیم چہرے دیکھے تھے جن کو دیکھ کر مر جانے کو جی چاہے اور اس کے بعد زندگی بے کار ہو۔

کماری پدمنی کمسن تھی، بے حد حسین تھی۔ عام حالات میں اگر مجھے اس کے حصول کا کوئی ذریعہ نظر آتا تو میں اس کے لیے پوری پوری کوشش کرتا لیکن اگر میرا دوست اور یہ دلچسپ نوجوان اس پر فریفتہ ہو گیا تو میں اس کا رقیب نہ تھا، بلکہ خلوص دل سے اسے راجکماری پدمنی سے عشق کرنے کی اجازت دے دیتا۔

”روپ جی!“ میں نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا اور وہ چونک پڑا۔

”مم۔ مہاراج۔ مہاراج۔“ وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

”ہاں۔ ہاں کہیے، کیا بات ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ۔ وہ پدمنی ہے؟“

”جی ہاں۔ وہی ہے۔“

”وہ کماری پدمنی ہے سروپ مہاراج!“ روپ کمار کی حالت ایکدم بدل گئی تھی۔ وہ عجیب سے انداز میں یہ الفاظ ادا کر رہا تھا۔ مجھے اس کی کیفیت پر ترس آ گیا اور میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”کیسی ہے روپ؟“ میں نے پوچھا اور جواب میں روپ کمار نے ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا جن سے حسرت اور بے چارگی ٹپک رہی تھی۔ پھر بولا۔

”بہت اچھی ہے مہاراج، بہت سُندر ہے مہاراج!“

”اب بولو۔ اب کیا کہتے ہو؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”کیا کہوں گا سروپ جی؟“ وہ بے چارگی سے بولا۔

”اتفاق ہے روپ کمار کہ ہمارا کام بڑی ہی جلدی ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نادیدہ قوت نے ہمیں اس طرف بھیجا ہو اور شاید وہی قوت راجکماری کو بھی اسی طرف کھینچ لائی تھی۔“

”ہاں مہاراج ۔۔۔ مگر یہ اچھا نہ ہوا۔“ روپ بے چارگی سے بولا۔

”کیوں؟“

”کچھ نہیں۔“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”چلیں یہاں سے؟“ میں نے پوچھا۔

”جیسی آپ کی مرضی۔“ وہ حسرت سے بولا۔

”اُفوہ۔ پاگل آدمی، اتنے پریشان کیوں ہو؟“

”یہ اچھا نہیں ہوا مہاراج۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔“ اس نے اسی انداز میں کہا اور پھر سامنے نگاہیں جھکا دیں۔ اچانک سامنے سے سنگیت کی آوازیں ابھریں اور ایک داسی رقص کرنے لگی۔ دوسری داسیاں گیت گانے لگی تھیں اور راج محل کے پچھلے حصے میں تالاب کے کنارے یہ محفل کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ چاروں طرف خاموشی طاری تھی اور اسی خاموشی میں گیت کی آوازیں کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔

رقاصہ کا خوبصورت بدن لچک رہا تھا اور میرے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات آ رہے تھے۔ میں نے روپ کمار کی طرف ۔۔۔ سے توجہ ہٹا لی تھی اور وہ خاموشی سے رقص دیکھ رہا تھا اور گیت سن رہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اس کی نگاہیں پدمنی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں پدمنی کی آنکھوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ وقت اتنی تیزی سے گذر گیا کہ پتہ بھی نہ چلا۔ رقص ختم ہو گیا اور راجکماری اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ میرے خیال میں یہ بہتر ہی ہوا تھا، ورنہ روپ کمار کا دل رات بھر اٹھنے کو نہ چاہتا۔ راجکماری واپس جا رہی تھی اور داسیاں اس کے پیچھے تھیں۔ پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

روپ کمار دل پکڑ کر بیٹھ گیا تھا اور میں اس کی یہ کیفیت بغور دیکھ رہا تھا۔

”چلیں ۔۔۔ روپ کمار ۔۔۔؟“ میں نے پوچھا۔

”چلیے مہاراج!“ وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا اور میں اسے لے کر واپس چل پڑا۔ واپسی کا سفر نہایت خاموشی سے طے ہوا تھا۔ بالآخر یہ طویل فاصلہ طے کر کے ہم قلعے کے چوبی دروازے سے باہر نکل آئے اور پھر خیموں کا شہر عبور کر کے اپنے خیمے میں پہنچ گئے۔ روپ کمار نے مجھ سے جانے کی اجازت مانگی تھی۔

”کیوں روپ کمار، میرے خیمے میں نہ رہو گے؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں مہاراج۔ آ گیا دیں، مجھے نیند آ رہی ہے۔“ روپ کمار نے جواب دیا۔

اس کے بدلے ہوئے لہجے سے میں نے اس کی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا۔ بہرحال میں نے اسے نہ روکا اور وہ اپنے خیمے میں چلا گیا۔ میں بھی مسکراتا ہوا اپنے خیمے میں واپس آ گیا تھا۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں پروفیسر کہ راجکماری پدمنی مجھے خوبصورت ضرور لگی تھی لیکن میرے ذہن نے ایسا کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا کہ میں اس کے حصول کے لیے بے چین ہو جاتا۔ ہاں میں نے تو ہر دور میں انسانوں کی مدد کی تھی اور اب میں سوچ رہا تھا کہ روپ کمار کے لیے کیا کروں؟

بظاہر کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن یہ فیصلہ تو میں نے کر لیا تھا کہ اگر میرا دوست پدمنی کو پسند کرتا ہے تو پدمنی اس کے علاوہ کسی اور کی پتنی نہیں بن سکے گی۔ میرا کیا ہے۔ یوں بھی کم بخت منورما نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ اگر میں کسی لڑکی کو اپنانے کی کوشش بھی کرتا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی اور راجکماری پدمنی، ارمان بھری جوانی کی ایسی منزل میں تھی جہاں اسے محبت کی ضرورت تھی۔ اگر اسے محبت کے بجائے موت ملتی تو مجھے کسی قیمت پر یہ گوارا نہیں تھا۔

گو مہاراج کرنامی نے مجھے منورما کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا لیکن اس کے باوجود میں مطمئن نہیں تھا۔ منورما خود کسی روپ میں میرے سامنے آتی تو میں اسے پہچان سکتا تھا لیکن اگر وہ رقابت کی آگ میں جل کر کسی ایسی لڑکی پر وار کرتی جس کا میرے قریب ہونے کا امکان ہو تو میں اس کی کیا مدد کر سکتا تھا، سوائے اس کے کہ اس کی موت پر افسوس کرتا۔

نہیں نہیں۔ دو زندگیوں کو مصیبت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ روپ کمار کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پدمنی پر مر مٹا ہے اور اب پدمنی اس کی ضرورت بن گئی ہے۔ اگر پدمنی اسے نہ ملی تو اسے زبردست صدمہ ہوگا اور پدمنی بھی خوبصورت اور جوان تھی۔ میں اس کی زندگی سے نہیں کھیل سکتا تھا۔ مجھے روپ کمار پر ہنسی آنے لگی۔ انسان کتنا کمزور ہوتا ہے۔ معصوم راجکمار تھوڑی دیر قبل یہاں سے بھاگ جانے کی سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے پتاجی کو کوس رہا تھا کہ انھوں نے بلا وجہ اسے اس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔

لیکن اب ۔۔۔ اب شاید اس کے دل کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوگی کہ وہ کسی طرح دوسروں کو شکست دے دے اور مالا اس کے گلے میں

آپڑے۔ ویسے میں نے ایک نگاہ ان دوسرے راجکماروں کو دیکھا تھا۔ ان میں بہت سے بانکے سجیلے جوان تھے لیکن اگر صورت دیکھی جاتی تو روپ کمار درحقیقت روپ میں سب سے اچھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسی نرمی اور ملائمت تھی کہ دل بے اختیار اس کی طرف کھنچتا تھا۔ بہرحال میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں ہر قیمت پر اس کی مدد کروں گا۔

اور پروفیسر میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، اس بات کا اندازہ تمھیں بھی بخوبی ہے۔ رات کو میں حالات پر غور کرتا رہا لیکن کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تب میں نے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں اور پھر میرا دماغ غنودہ ہو گیا۔ جب میں کسی بات کا فیصلہ نہیں کر پاتا تھا تو پھر ذہن کو آزاد چھوڑ دیتا تھا اور پھر حالات مجھے جہاں سے بھی آواز دیتے۔ میں عام حالات کو تو قابو میں کرنے کی ہمت رکھتا تھا اور بہرحال اپنے اس دوست کی مدد کا میں نے فیصلہ کر لیا تھا۔

صبح ہو گئی اور صبح ہونے کی اطلاع بھی مجھے روپ کمار نے دی تھی۔ شاید وہ ساری رات نہیں سویا تھا اور روشنی کی پہلی کرن پھوٹتے ہی وہ میرے خیمے میں آ گیا تھا۔ میں نے اس کی شکل دیکھی۔ آنکھیں سرخ، بال بکھرے ہوئے۔ عجیب حالت تھی اس کی۔

"ارے۔ روپ! کیا بات ہے؟" میں نے پُرتپاک انداز میں اس کا استقبال کیا۔

"صبح ہو گئی سروپ جی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تو ہونے دو۔ تم اتنی صبح کیسے جاگ گئے؟"

"بس۔ میں سو نہیں سکا۔" اس نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"یونہی۔ بس نیند نہیں آئی۔"

"بھاگ جانے کی سوچ رہے ہو گے؟" میں نے شرارت سے کہا۔

"نہیں۔ ایسے تو نہیں بھاگیں گے۔" روپ کمار آہستہ سے بولا۔

"جنگ کرو گے؟"

"ہاں۔ کرنا ہی ہو گی۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرایا اور پھر بولا۔ "تمھیں کماری پدمنی کیسی لگی سروپ کمار؟"

"اوہ۔ رات بھر اسے سپنوں میں دیکھتا رہا ہوں بس سوتا جاگتا رہا۔ وہ تو بڑی ہی من موہنی ہے۔" میں نے جواب دیا اور روپ کمار کی آنکھوں کے چراغ بجھ گئے۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ میرے ذہن میں شرارت ناچ رہی تھی۔ میں نے اسے اپنے دل کی بات نہیں بتائی اور خاموشی سے اس کی صورت کا جائزہ لیتا رہا۔

"بھوجن تو ساتھ ہی کرو گے سروپ جی؟" اس نے مُردہ لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ہم دونوں تو ایک دوسرے کے متر ہیں۔ ابھی ہماری دشمنی تو نہیں ہوئی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ روپ کمار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اب تو اس کی کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ کافی دیر گذر گئی۔ پھر ہم دونوں اٹھے اور باہر نکل آئے۔ منہ ہاتھ دھویا۔ میرے پاس تو پہننے کے لیے دوسرا لباس بھی نہیں تھا لیکن اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ہاں روپ کمار کو میں نے نیا لباس پہننے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تم نہیں پہنو گے سروپ جی؟" وہ میری محبت سے متاثر ہو کر بولا۔

"کیا پہنیں یار۔ ہم سادھوؤں کے پاس لباس ہوتے ہی کہاں ہیں۔ ہاں اگر پدمنی دیوی مالا ہمارے گلے میں ڈال دے اور ترکھانی کی راج گدی مل جائے تو بہت سے کپڑے بنا لیں گے اپنے لیے۔"

"میرے کپڑے تو تمھارے آ نہیں سکتے۔" وہ بولا۔

"ہاں نہیں آئیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ پھر ہمارے لیے صبح کا بھوجن آ گیا۔ اس وقت بھی ہم دونوں نے ساتھ ہی ناشتہ کیا تھا۔ روپ کمار کی ذہنی کیفیت کا میں نے بخوبی اندازہ لگا لیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ کافی ظرف سے کام لے رہا تھا۔ ایک طرف اس کا دل پدمنی کے لیے تڑپ رہا تھا تو دوسری طرف دوستی کی بھی اس کی نگاہ میں کافی اہمیت تھی۔ وہ میری دوستی کو بھی نہیں ترک کرنا چاہتا تھا اور اب تو وہ مجھ سے دل کی بات بھی نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ میرے منہ سے پدمنی کے بارے میں سن چکا تھا۔

بھوجن ختم ہو گیا اور پھر ہم سیر کے لیے نکل پڑے۔ دوسرے سارے راجکمار بھی سیر کے لیے نکل آئے تھے۔ ہم نے ان کی تیاریاں دیکھیں، سب کے سب اکڑتے پھر رہے تھے۔ ہر ایک اپنے آپ کو سب سے بڑا سورما سمجھ رہا تھا اور مونچھوں پر تاؤ دے رہا تھا۔ ہم دونوں ان کے درمیان سے گذرتے رہے۔ بہت سے راجکماروں نے ہمارے اوپر فقرے بھی کسے تھے اور ایک جگہ روپ کمار کی دلی کیفیت پھر میرے سامنے آئی۔ ہم ایک خیمے کے سامنے سے گذر رہے تھے کہ ایک قوی ہیکل راجکمار خیمے سے نکل آیا۔ تھوڑے فاصلے پر کچھ اور لوگ بھی کھڑے تھے۔

"اوہو۔ دیکھو کل والے سادھو مہاراج۔" قوی ہیکل راجکمار نے کہا۔

"یہ شاید ہمیں آشیرواد دینے آئے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔

"اوہ۔ ٹھیک کہا تم نے۔ مہاراج کا دم ہمارے لیے غنیمت ہے۔ آؤ مہاراج سے آشیرواد لے لیں۔" اور وہ سب ہمارے سامنے آ گئے۔ ان کی تعداد پانچ چھ تھی۔

"جے رام جی کی مہاراج!" قوی ہیکل راجکمار نے شرارت سے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور میں رُک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ روپ کمار کی آنکھوں میں غصے کے تاثرات نظر آنے لگے تھے۔

"کیا بات ہے راجکمار؟" میں نے حلیمی سے پوچھا۔

"کچھ پوچھنا ہے سوامی؟" وہ بولا۔

"پوچھو!"

"آپ اس جوانی میں ہی اتنے بڑے گیانی کیسے بن گئے؟"

"اور تم اس جوانی میں کیوں مرنا چاہتے ہو؟" میری بجائے روپ کمار آگے بڑھ کر بولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

"اوہو۔ یہ تمھارا نیا چیلا بن گیا ہے مہاراج۔ بڑے ہی مہان ہیں، آتے ہی چیلے بھی بنا لیے مگر آپ نے اپنے اس چیلے کو یہ نہیں بتایا کہ راجکمار آپس میں کس طرح ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں اور غلط طور سے گفتگو کرنے پر بعض اوقات دانتوں سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔" قوی ہیکل شخص نے فیصلے انداز میں کہا۔

"ہمیں ایک دوسرے سے اس طرح گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔" میں نے اسی بردباری سے کہا۔

"یہی تو میں کہتا ہوں مہاراج۔ آپ اسے سمجھا دیں ویسے آپ دونوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟"

"ہم تم سے بات نہیں کرنا چاہتے۔" میں نے کہا۔

"کرنا پڑے گی مہاراج۔ ہمیں بھی آشیرواد کی ضرورت ہے۔ ہم بھی تمھیں اتنی ہی اچھنا دیں گے جتنی یہ دے گا۔ ویسے تم ادھر آ کس طرح گئے۔ ویسے تو تم سادھو معلوم ہوتے ہو۔"

"میں جو کوئی بھی ہوں، تمھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ راستے سے ہٹ جاؤ!" میں نے کہا۔

"ہٹ جاؤ بھئی ورنہ مہاراج کو غصہ آ گیا تو ہمیں شراپ دے دیں گے۔" قوی ہیکل نے کہا اور پھر وہ لوگ سامنے سے ہٹ گئے۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا تھا سروپ جی؟" روپ کمار بولا۔

"کیا؟"

"یہی کہ یہ چھچھورے ہیں۔"

"اونہہ۔ ہوں گے۔ ہمیں کون سا ان سے دوستی کرنا ہے۔ دل کی بھڑاس نکال رہے تھے بے چارے۔ تم ان باتوں کی پرواہ مت کرو۔" میں نے کہا اور روپ کمار کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ پھر ہم نے گھوم پھر کر یہ سارا علاقہ دیکھا۔ ایک طویل و عریض میدان تھا جس میں نہ جانے کب سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یہ سب سوئمبر کی ابتدائی رسموں کا تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ بڑے پُرجوش تھے سب کے سب۔ گردنیں اٹھا اٹھا کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ہم نے جنگ کا میدان دیکھا اور پھر اس جگہ آ گئے جہاں چند گھوڑ سوار آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ قلعے کے اندر سے آئے تھے اور شاید کوئی سندیس لائے تھے۔ چند لوگ ہماری طرف بھی آئے اور انھوں نے ہمیں مخاطب کیا۔

"مہاراج! سندیسی آئے ہیں۔ سب کے نام پوچھ رہے ہیں۔ آپ بھی چلیں۔" انھوں نے کہا اور ہم ان کے ساتھ چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ان کے پاس پہنچ گئے۔ سب کے نام پوچھے جا رہے تھے۔ پھر میری باری آئی اور سندیسیوں نے مجھے تعجب سے دیکھا۔

"آپ بھی راجکمار ہیں مہاراج؟"

"تمھارا کیا خیال ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا شبھ نام؟"

"سروپ کمار!" میں نے کہا اور انھوں نے میرا نام لکھ لیا۔ پھر ان میں سے ایک بوڑھے آدمی نے زور زور سے کہا۔

"مترو! راجکمار پدمنی کے سوئمبر میں شریک ہونے پر مہاراج ترکھان تمھارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ سوئمبر میں شریک ہونے کی کچھ شرطیں تمھیں پوری کرنی ہیں۔ جیسا کہ تم سب کو معلوم ہے کہ مہاراج ترکھان کے کوئی بیٹا نہیں ہے اس لیے جو راجکمار، کماری پدمنی کا پتی بنے گا وہی ترکھانی کا مہاراجہ بھی ہو گا اور مہاراج ترکھان کے دیہانت کے بعد وہی راج گدی پر بیٹھے گا اور راج گدی کا مالک بننے کے لیے کسی مضبوط اور بہادر سورما کی تلاش بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے تمھیں آپس میں مقابلہ کرنا ہو گا۔ سوئمبر میں وہی شریک ہو گا جو بہادری کے کارنامے دکھائے گا۔ کسی بزدل یا سپہ گری میں نکمے راجکمار کو سوئمبر میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ جن راجکماروں کے ساتھ ان کے متر یا ایسے سورما آئے ہیں جو ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنے ساتھی کی مدد کر سکتے ہیں۔ ان کا کام صرف اپنے راجکمار کے لیے ہو گا۔ یہ مقابلے کی شرائط ہیں۔"

"اس بات کو دوبارہ بتاؤ سندیسی۔" ایک راجکمار نے کہا۔

"سیدھی سی بات ہے مہاراج۔ تم اگر کسی راجکمار سے لڑ رہے ہو اور اس سے کمزور پڑ رہے ہو تو تمھارا متر تمھاری سہاتا کر سکے گا لیکن جس راجکمار سے تم کمزور پڑ رہے ہو اس کا متر اگر چاہے تو تمھارے اوپر تلوار نکال سکتا ہے۔ گویا اس طرح جوڑی جوڑی لڑے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ خوشی سے بولا۔ شاید اس کا ساتھی کوئی بڑا سورما تھا۔

"اس کے علاوہ مترو، اگر لڑائی میں کوئی راجکمار کسی کے ہاتھوں مارا جائے تو راجہ ترکھان اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ تم سب اپنی اپنی مرضی سے جنگ کر رہے ہو۔ اس بات کی منظوری دو۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمیں منظور ہے۔" سب نے کہا لیکن پروفیسر اس بات پر سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوئی تھی۔ میں نے سکون کی سانس لی تھی۔ راہ خود بخود ہموار ہو گئی تھی۔ اس طرح میں اپنے دوست کی مدد بہ آسانی کر سکتا تھا جس کے لیے میں دل سے بے چین تھا۔ اب میرا دل خوشی سے سرشار تھا۔ میری سب سے بڑی مشکل خود بخود آسان ہو گئی تھی۔

میں نے مسکرا کر روپ کمار کی طرف دیکھا لیکن روپ کمار کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ اس کے دل میں امید کی کوئی روشنی نہیں تھی۔ وہ بدستور اداس تھا۔

پھر جب سندیسی قواعد کا اعلان کر کے چلے گئے تو اس نے آہستہ سے کہا۔ "پتا جی نے میرے لیے کچھ نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟"

"کاش وہ میرے ساتھ بھی کسی سورما کو بھیج دیتے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ میرے ساتھ بھی ایسا نہیں ہے۔" میں نے کہا اور روپ کمار ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرے ہنگامے شروع ہو گئے۔ بڑے بڑے لوگ آنے لگے تھے۔ ان کے لیے باقاعدہ نشستوں کا بندوبست تھا۔ سورج چڑھے نقارے پر چوٹ پڑی۔ یہ

راجہ ترکھان کی آمد کی اطلاع تھی اور اس کے آنے کے بعد مقابلے شروع ہونے والے تھے۔

راجہ ترکھان کی سواری بڑی شان سے آئی۔ پینتالیس ۴۵ سال کی عمر کا شاندار آدمی تھا۔ چہرے سے بارعب نظر آرہا تھا۔ خوبصورت انسان تھا۔ اس کے چہرے میں پدمنی کی شباہت تھی۔ بے شمار لوگوں کی معیت میں وہ مقابلے کے میدان میں پہنچ گیا۔ سارے لوگ اس کے نام کی جے جے کار کر رہے تھے۔

پھر راجہ بیٹھ گیا اور اس کے بعد جنگ کا نقارہ بجنے لگا اور بانکے سجیلے راجکمار ہتھیاروں سے لیس میدان میں آنے لگے۔ کاش میرے پاس میرا کھانڈا ہوتا۔ اسے دیکھ کر بہت سوں کے پتے پانی ہو جاتے تھے لیکن میرے پاس تو کوئی ہتھیار ہی نہیں تھا۔ روپ کمار بھی اب مجھ سے جدا ہو گیا تھا ورنہ اس سے ہی کوئی تلوار مانگ لیتا۔

مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر اسی راجکمار نے مجھ پر طنز کیا۔ ”ارے مہاراج! آپ خالی ہاتھ ہی میدانِ جنگ میں جا رہے ہیں۔“ وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

”ہاں راجکمار جی! دراصل یہاں کوئی میرے مقابلے کا ہے ہی نہیں۔ ان معمولی انسانوں کے لیے ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے۔“

”ہاں آپ تو گیان سے جنگ لڑیں گے۔“

”اس کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم جیسوں کے لیے میرے ہاتھ ہی کافی ہیں۔“ میں نے کہا۔

”میرے مقابلے پر نہ آئیے گا مہاراج۔ میں گیانیوں کا سخت دشمن ہوں۔ پھر نہ کہیں کہ آپ خالی ہاتھ تھے۔“

”کیا تم مجھے للکار رہے ہو راجکمار؟“

”ارے کیا للکاروں گا آپ کو۔ میرے مقابلے پر تو یہاں کوئی ہے بھی نہیں۔“ اس نے حقارت سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ میں بھی مسکراتا ہوا میدان کی طرف چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد سب میدان میں پہنچ گئے — سارے راجکمار ایک لائن میں کھڑے ہو گئے تھے۔ تب راجہ ترکھان اپنی جگہ سے اٹھا اور راجکماروں کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے سارے راجکماروں کو آشیرواد دی۔ میرے قریب رک کر اس نے مجھے غور سے دیکھا تھا اور پھر کئی سیکنڈ وہاں کھڑا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔

”تم کون سی راجدھانی سے آئے ہو راجکمار؟“

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ روپ کمار مجھ سے کافی دُور تھا اس لیے مجھے پرواہ نہیں ہوئی۔ میں نے راجہ ترکھان کی طرف دیکھا اور پھر گردن جھکا کر بولا۔ ”میں مہاراج روپ کمار کا داس ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ راجہ ترکھان حیرت سے بولا۔

”ہاں۔ میں ان کی طرف سے لڑوں گا۔ میں ان کی سہائتا کروں گا۔“

”اوہ۔ لیکن تمہارا لباس سادھوؤں کا سا ہے؟“

”مجھے یہی لباس پہننے کی عادت ہے۔“ میں نے جواب دیا اور راجہ ترکھان نے گردن ہلائی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے میری بات پر یقین نہیں آیا ہو۔ یا پھر اسے افسوس ہو کہ میں خود کسی ریاست کا حکمراں کیوں نہیں ہوں۔ لیکن میرے قریب کھڑے دوسرے راجکمار مجھے بُری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں حقارت جھلک رہی تھی لیکن میں نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی اور دوسری طرف رُخ کر لیا۔

پھر سارے راجکمار منتشر ہو گئے اور اس کے بعد وہ اپنے اپنے ہتھیار چلا کر دیکھنے لگے۔ اس کے بعد مقابلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے دو راجکمار تلواریں لیکر میدان میں آئے اور راجہ ترکھان کے اجازت لینے پر ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگے۔ پھر فوراً ہی دوسری جوڑی بھی میدان میں اُتر آئی اور چاروں شمشیر زن ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ ایک راجکمار ہلکا پڑنے لگا تو اس کا مددگار جو کالے رنگ کا ایک دیو ہیکل آدمی تھا، تلوار لیکر میدان میں اتر آیا۔ وہ اپنے راجکمار سے اچھا لڑا اور جلد ہی اپنے مقابل کو تھکانے میں کامیاب ہو گیا۔ تب اس کے مالک نے دوبارہ تلوار سنبھال لی لیکن دوسرے راجکمار کا بھی ساتھی موجود تھا، وہ اپنے مالک کی مدد کو آ گیا۔ اس طرح یہ مقابلہ کافی دلچسپ ہو گیا تھا۔ میں دلچسپی سے مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے کافی فاصلے پر روپ کمار بھی کھڑا خاموشی سے مقابلہ دیکھ رہا تھا اور پھر مقابلے کا پہلا حریف شکست کھا کر میدان سے پلٹا اور اس کی جگہ روپ کمار میدان میں آگیا۔ میرے بدن میں پھریریاں اٹھنے لگیں۔ میں روپ کمار کا مددگار تھا۔

روپ کمار نے شروع میں جس بددلی کا مظاہرہ کیا تھا اور جنگ و جدل سے جس طرح بیزاری کا اظہار کیا تھا، اس وقت وہ کیفیت اس میں نہیں تھی۔ وہ کافی چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔ اس نے آتے ہی اپنے مقابل پر تابڑتوڑ وار کیے اور اس کا مقابل بوکھلا گیا۔ اس کی پیشانی پر ایک چرکا بھی لگ گیا تھا جس سے خون کی لکیر نیچے رینگ آئی تھی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر اس کا مددگار اس کی مدد کو آگیا۔ یہ وہی قوی ہیکل سیاہ فام تھا جو مجھے خاص لڑاکا نظر آتا تھا۔ اس نے روپ کمار پر وار کرنے شروع کر دیے۔ دو تین ہاتھوں میں ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ روپ کمار اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس وقت میں نے روپ کمار کے انداز میں بدحواسی سی محسوس کی۔

روپ کمار اس کے وار روکنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا لیکن سیاہ فام کے قوی ہیکل بازوؤں کے سامنے اس کی ایک نہیں چل رہی تھی چنانچہ اب وقت نہ رہا تھا۔ تب میں اپنے دوست کی مدد کے لیے آگے بڑھا اور سیاہ فام کے مقابل پہنچ گیا۔ ایک لمحے کے لیے سب حیران رہ گئے کیونکہ میرے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہ تھا۔

سیاہ فام ٹھٹھکا اور پھر اس نے دانت پیس کر میرے اوپر تلوار کا وار دیا۔ میں نے اسے جھکائی دی اور دوسرے لمحے میرا ایک زوردار مکّہ سیاہ فام کے چہرے پر پڑا۔ سیاہ فام کی گردن ٹیڑھی ہو گئی تھی اور دوسرے لمحے وہ چاروں شانے چت تھا۔ میرا کام بس اتنا ہی تھا۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ روپ کمار نے حیرت سے مجھے دیکھا لیکن پھر سنبھل کر دوبارہ اپنے مقابل کے سامنے آگیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی لیکن آنکھوں سے حیرانی بھی جھلک رہی تھی۔

شاید اسے تعجب تھا کہ میں اپنے طور پر لڑنے کی بجائے اس کی طرف سے کیوں لڑ رہا ہوں۔ میرا مقابل سیاہ فام ایک گھونسے سے زیادہ مار کھانے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ وہ اپنے قدموں سے اٹھ کر نہ جا سکا۔ لوگ گردن اٹھا اٹھا کر اسے دیکھ رہے تھے مجھے دیکھ رہے تھے۔ یہ کیسی جنگ تھی، جس میں ایک خطرناک آدمی نے اس طرح شکست کھائی تھی۔

تب میں نے سیاہ فام کی تلوار اپنے قبضے میں کر لی اور اطمینان سے پیچھے ہٹ آیا۔ روپ کمار اب زیادہ دلجمعی سے لڑ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے مقابل کو شکست دے دی۔

چوتھا آدمی وہی راجکمار تھا جس نے میرا مذاق اُڑانے کی کوشش کی تھی۔ وہ تلوار ہلاتا ہوا آیا اور روپ کمار پر پل پڑا۔ مجھے روپ کمار کی پھرتی پر حیرت تھی۔ اس نے جنگ سے جس بیزاری کا اظہار کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے کبھی تلوار اٹھائی نہ ہوگی لیکن اس وقت وہ جس بے جگری سے مقابلہ کر رہا تھا اس پر میں حیران تھا۔ نہایت برق رفتاری سے وہ لڑ رہا تھا۔ ابتدا میں تو اس نے اپنے دوسرے مقابل کو بھی بدحواس کر دیا لیکن بعد میں اس کے ہاتھ کی رفتار ہلکی پڑ گئی۔ تب میں نے اپنے ذہن میں ایک بات سوچی۔ اگر روپ کمار کو زیادہ محنت کرنا پڑی تو شاید وہ زیادہ دیر تک میدان میں نہ رہ سکے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسے کم سے کم تلوار چلانے کا موقع دیا جائے اور اس طرح اس کے مقابل آنے والوں کو شکست دی جا سکے۔

تب میں آگے بڑھا اور اس خطرناک آدمی کا وار میں نے اپنی تلوار پر روکا۔

”اوہ۔ آگئے میرے دوست۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تعجب ہے کہ تم اپنے لیے لڑنے کی بجائے دوسروں کے لیے لڑ رہے ہو۔“ وہ پیچھے ہٹا اور پھر تلوار کے کئی تابڑتوڑ وار اس نے میرے اوپر کیے۔ میں نے اطمینان سے اس کے کئی وار اپنے اوپر روکے اور پھر کہا۔

”میں نے تم سے وعدہ کیا تھا راجکمار کہ میں تمہارے مقابل آؤں گا خالی ہاتھ۔“

”ہاں۔ ہاں مہاراج تم نے وعدہ تو کیا تھا مگر یہ وعدہ خلافی کیوں؟“

”نہیں وعدہ خلافی نہیں۔“ میں نے تلوار ایک طرف پھینک دی اور میرے مقابل نے ایک قہقہہ لگایا۔ بلاشبہ وہ پھرتیلا تھا اور کافی جنگجو بھی، لیکن اس کی بدقسمتی اسے میرے سامنے لے آئی تھی۔

مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر اس نے موقعے سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت سمجھا اور پھر اس نے پینترے بدل کر میرے اوپر بھرپور وار کیے۔ میں نے اچھل اچھل کر اس کے کئی وار خالی جانے دیے اور پھر میں نے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔ اب بھلا تلوار اس کے ہاتھ میں کیسے رہ جاتی۔ اس کی تلوار گر گئی اور میں نے اچھل کر اس کی گردن پکڑ لی۔

”کیا خیال ہے راجکمار؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرے مقابل کے چہرے کی کیفیت اب کسی قدر بدل گئی تھی اور اب وہ بدحواس نظر آرہا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے اس کی گردن چھوڑ دی اور پھر اسے للکارا لیکن وہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ایک بار پھر اس نے تلوار اٹھا لی اور شاید اپنی زندگی کی شدید ترین کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ تلوار میرے بازو پر پڑی تھی لیکن جس طرح وہ بازو سے اچھلی اس نے میرے مقابل کو حیران کر دیا۔

لیکن اب میں فیصلہ کر لینا چاہتا تھا۔ روپ کمار اطمینان سے ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور دلچسپی تھی۔ تب میں نے اپنے مقابل کو اٹھایا اور اٹھا کر اسے زوردار جھٹکے سے زمین پر گرا دیا۔ اس کی چیخ پورے میدان میں گونج اٹھی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اب وہ اس قابل نہیں رہا ہے کہ روپ کمار کے مقابل آسکے۔

چاروں طرف سے داد و تحسین کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں بڑی سعادت مندی سے پیچھے ہٹ گیا اور روپ کمار دوبارہ اپنی تلوار لے کر میدان میں آگیا۔

اور پھر تو جنگ کا فیصلہ سامنے آنے لگا۔ روپ کمار کو لڑنے کا بہت کم موقع مل رہا تھا۔ اس کا جو بھی مقابل آتا، میں اس کو اس قابل نہ چھوڑتا کہ وہ روپ سے مقابلہ کر سکتا اور روپ کے کرنے کے لیے کچھ نہ رہ جاتا۔ اب چاروں طرف سے لوگ روپ کمار کی جے روپ کمار کی جے کر رہے تھے۔ روپ کے نام کے نعرے پورے میدان میں گونج رہے تھے۔

دوسرے لڑنے والوں میں سے بھی بہت کے فیصلے ہوئے، کچھ جیتے کچھ ہارے اور شاید راجہ ترکھان کی توقع سے بہت پہلے یہ مقابلے ختم ہو گئے۔ روپ کمار کے علاوہ دوسرے شاندار طور پر فتح حاصل کرنے والوں میں دلاور سنگھ کا نام سب سے آگے تھا۔ میں نے بھی دلاور سنگھ کو دیکھا۔ بلاشبہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ شاندار آدمی تھا لیکن پھر دلاور سنگھ کی قسمت نے اسے دھکا دیا، اگر وہ نہ بھی چاہتا تو مجھ سے جنگ کرنے کی اسے کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن طاقت کے زعم میں وہ مجھے بھی شکست دینے پر تل گیا اور پھر وہ تلوار لے کر خاص طور پر میرے مقابل آیا۔ میں نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ دوسرے چند لوگ بھی دیکھ رہے تھے کہ دلاور سنگھ کس طرح اکڑ رہا ہے۔ چند لوگوں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا بھی کہ دلاور سنگھ تم اس طرح کیوں لڑ رہے ہو باز آؤ لیکن دلاور نہ مانا۔ اس نے میرے اوپر حملہ کر دیا۔ میں نے اب تک جس انداز میں جنگ کی تھی دوسرے لوگوں کو اس کا اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ انھوں نے اپنے طور پر دلاور سنگھ کی شکست کا یقین کر لیا تھا اور اس یقین کو میں نے ٹھیس نہ پہنچنے دی۔

دلاور سنگھ نے تین تلواریں طلب کیں اور میں نے ایک ایک کر کے تینوں تلواریں توڑ دیں اور تلوار کا ٹوٹنا بدترین شکست میں شمار ہوتا تھا — دلاور سنگھ کو اس کا کوئی اندازہ نہ تھا اور یہی بات اس کی بدقسمتی کا باعث بن گئی۔

میدانِ جنگ کا کھیل ختم ہو چکا تھا اور جن لوگوں کو اس میں کامیاب قرار دیا گیا ان میں دلاور سنگھ نہیں تھا۔ راجہ ترکھان نے سوئمبر میں حصہ لینے والوں کے ناموں کا اعلان کیا ——— اور یہ خوشی کی بات تھی کہ روپ کمار کا نام اس فہرست میں ٹاپ پر تھا۔

میری خوشی کی انتہا نہ تھی لیکن دلاور سنگھ آگے بڑھا اور اس نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ انیائے ہے ترکھان مہاراج!"

"کیا مطلب؟" راجہ ترکھان نے ٹیڑھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں نے صرف ایک آدمی سے شکست کھائی ہے اور دس آدمیوں کو شکست دی ہے۔"

"لیکن دلاور سنگھ! تم نے جس انداز میں شکست کھائی ہے کیا تمھیں اس کا کوئی احساس ہے؟" راجہ ترکھان کا لہجہ سخت تھا۔

"ٹھیک ہے لیکن میں سوئمبر میں حصہ لوں گا۔"

"میری مرضی کے بغیر؟" راجہ ترکھان نے پوچھا۔

"میں فاتح ہوں۔"

"اگر تم فاتح ہو دلاور سنگھ تو اس جوان سے پھر مقابلہ کرو۔" راجہ ترکھان نے میری طرف اشارہ کر کے کہا اور دلاور سنگھ کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وہ راجکمار نہیں ہے۔" دلاور سنگھ چیخ کر بولا۔

"لیکن وہ روپ کمار کا ساتھی ہے۔" راجہ نے کہا۔

"اوہ ——— روپ کمار ——— مجھے روپ کمار سے مقابلہ کرنے کی اجازت دی جائے مہاراج؟" دلاور سنگھ خونخوار لہجے میں بولا۔

"نہیں۔ مقابلے ختم ہو چکے ہیں۔ جن شرائط کا اعلان کیا گیا تھا، سارا کام انھی شرائط کے مطابق کیا گیا ہے چنانچہ مقابلہ ختم کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اور جن لوگوں کو سوئمبر میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی ہے، وہی اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔" چاروں طرف سے راجہ ترکھان کی بات کی تائید کی گئی اور راجہ ترکھان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے اپنے کسی آدمی کو اشارہ کیا اور وہ میری طرف آگیا۔

"مہاراج ترکھان نے رات کو آپ کو بلایا ہے۔"

"صرف مجھے؟" میں نے پوچھا۔ معاً میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ راجہ ترکھان مجھ سے متاثر نہ ہو گیا ہو اور مجھ سے تنہائی میں کوئی ایسی بات نہ کرنا چاہتا ہو جو میرے دوست روپ کمار کے مفاد کے خلاف ہو لیکن بہرحال میں اتنے کچے ذہن کا مالک تو نہیں تھا اور پھر جب دل میں ایک فیصلہ کر لیا تھا تو اسے بدلنے کا کیا سوال۔

راجہ ترکھان کے ملازم نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خاموشی سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ "کیا راجہ ترکھان نے خاص طور سے مجھے بلایا ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"ہاں مہاراج!" اس نے جواب دیا۔

"تمھیں یقین ہے کہ اس نے میرے مالک کو میرے ساتھ نہیں بلایا؟"

"ہاں، مہاراج ترکھان نے یہی کہا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"مجھے اپنے مالک سے آگیا لینا ہوگی۔ اس کی آگیا کے بنا میں کیسے آسکتا ہوں مہاراج۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں راجہ سے کہہ دیتا ہوں۔" وہ بولا اور واپس چلا گیا۔ راجہ ترکھان نے اس کی سنی اور پھر اسے دوبارہ میرے پاس بھیجا۔ "مہاراج کہتے ہیں وہ تمھیں مہمان کی حیثیت سے بلا رہے ہیں۔ تمھیں آنا چاہیے۔ تم کہو تو تمھارے مالک سے اجازت لے لی جائے۔"

میں چند لمحات سوچتا رہا اور پھر میں نے کہا۔

"میں آجاؤں گا مہاراج!"

"ہم تمھیں لینے آئیں گے۔" اس نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ راجہ ترکھان کیا کہنا چاہتا تھا، سن لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ظاہر ہے میں سچ مچ تو روپ کمار کا ملازم نہیں تھا۔ سارا مجمع منتشر ہو گیا۔ جو ہار گئے تھے، ان کے لیے یہاں رکنا اب بے کار تھا۔ وہ واپسی کی تیاریاں کرنے لگے۔ ان کی نگاہوں میں کینہ توزی تھی اور چہروں پر افسردگی۔ میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑا کر روپ کمار کو تلاش کیا۔ وہ ایک طرف خاموش کھڑا تھا۔ بہت سے لوگ اس کے گرد جمع تھے لیکن اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میں لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"مہاراج ——— بدھائی ہو مہاراج!" میں نے اس سے کہا اور اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار ہو گئے۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ رو پڑے گا۔ میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ "آئیے روپ جی۔ اپنے استھان پر چلیں۔" میں نے کہا۔ وہ میرے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں بھی بہت سے لوگوں نے ہم سے ملاقات کی کوشش کی لیکن میں روپ کمار کو ان سے بچاتا ہوا آگے لے گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنے خیمے پر پہنچ گئے۔ خیمے پر پہنچ کر روپ کمار نے مجھے دھکا شروع کر دیا۔ وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ میں مسکراتا ہوا اس کے خیمے میں چلا گیا۔ پھر وہ احمق میرے پیروں پر جھک گیا۔ اس نے میرے بازو پکڑے اور رونا شروع کر دیا۔

"ارے۔ ارے روپ کمار ——— روپ کمار کیا ہوا؟" میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر اسے اٹھایا اور اپنے مقابل کھڑا کر لیا۔

"سروپ بھیا۔ سروپ بھیا ——— یہ تم نے کیا کیا ——— سروپ بھیا میں تمھارے اس احسان کو کیسے اتار سکتا ہوں۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تم نے ایسا کیوں کیا میرے دوست؟" وہ روتے ہوئے بولا۔

"چپ ہو کر میری بات سن سکتے ہو تو سن لو ورنہ میں کچھ نہیں بولوں گا۔"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا بھیا ——— یہ تم نے ———"

"کیوں؟ آخر کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"تم ——— تم ——— میں ——— میں تمھارا کون ہوں۔ تم نے میرے لیے یہ ———"

"پگلے ہو روپ۔ کیا میں نے تمھیں نہیں بتایا کہ میں سوئمبر میں حصہ لینے یہاں نہیں آیا تھا۔ میں تو یہ قلعہ دیکھ کر اس طرف چل پڑا تھا۔ یہاں آکر ہی مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"پھر بھی، تم یہی کام اپنے لیے کر سکتے تھے۔"

"ہم سادھو سنت لوگ، آوارہ گرد، ہم ان چکروں میں کہاں پڑتے ہیں روپ کمار۔"

"مہاراج ——— سروپ مہاراج! تمھیں بھگوان کی سوگند۔ تمھیں بھگوان کی سوگند مہاراج، مجھے بتاؤ، کیا تمھارے من میں سچ مچ سوئمبر میں حصہ لینے کی بھاونا نہیں تھی؟"

"ہرگز نہیں روپ کمار۔ تمھیں معلوم ہے یہاں آتے ہی میری تم سے دوستی ہو گئی تھی۔ اسی سمے میرے دوست ——— اسی سمے میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر میں نے اس جھنجھٹ میں حصہ لیا تو صرف تمھارے لیے۔"

"اوہ۔ میرے بھیا ——— میرے من میں تمھاری اس مہانتا کا خیال بھی نہیں تھا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے بھاگ ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔"

"دو باتیں ہیں روپ کمار ——— اوّل تو تم نے مجھے اپنا دوست بنایا تھا، دوسرے میرا نام تمھارے بھائی کے نام پر تھا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے، اپنے بھائی کے لیے کیا ہے۔"

"میں تمھیں بھائی بن کر دکھاؤں گا سروپ۔" روپ کمار نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"سب ٹھیک ہے میرے یار۔ تم چنتا کیوں کرتے ہو۔ بس کل سوئمبر اور جیت لو، مجھے اسی وقت خوشی ہو گی اور ذرا مجھے ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھو سروپ!"

"تمھارے من میں سوئمبر سے اس وقت تک کوئی دلچسپی نہیں تھی جب تک تم نے پدمنی کو دیکھا نہیں تھا لیکن اسے دیکھنے کے بعد تمھاری حالت بدل گئی تھی۔ مجھے بتاؤ روپ کمار! کیا تم اس کے تیرِ نظر کے گھائل نہیں ہو گئے تھے؟"

روپ کمار نے گردن جھکا لی۔ چند منٹ وہ اسی طرح گردن جھکائے رہا اور ایک بار پھر وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ "سروپ بھیا! بھگوان کی سوگند، میں تو مر گیا تھا ——— میں تو مر ہی گیا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا بھیا کہ اگر میں مقابلے میں جیت نہ سکا تو اپنے مقابل سے اس طرح لڑوں گا کہ وہ مجھے ہلاک کر دے۔ میں مر کر ہی میدان سے ہٹنا چاہتا تھا۔"

"کیوں روپ کمار؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے اس سے پریم ہو گیا ہے مہاراج! میں پدمنی پر مرمٹا ہوں ——— بھگوان کی سوگند، اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں مر جاؤں گا۔ مجھے راج گدی نہیں چاہیے بھیا۔ مجھے اس کی کوئی چنتا نہیں ہے مگر پدمنی ———"

"تم اچھے انسان ہو روپ کمار! تم نے اعتراف کر لیا۔"

"تم بھی ایک بات بتاؤ گے بھیا؟"

"ہاں۔ ضرور۔"

"کیا تمھیں پدمنی پسند نہیں آئی تھی؟"

"بہت پسند آئی تھی روپ کمار! مگر اس پسند کی حیثیت بدلی ہوئی تھی۔ میں نے اسے اپنے بھائی کی پتنی اور اپنی بھاوج کی حیثیت سے پسند کیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"تم مہان ہو بھیا! مگر ———" روپ کمار اداس ہو گیا۔ "مگر کیا ضروری ہے کہ سوئمبر میں، پدمنی مجھے ہی پسند کرے؟"

"پدمنی اگر پاگل نہیں ہے تو تمھارا انتخاب ہی کرے گی۔ تم سب سے زیادہ من موہن ہو اور پھر چاروں طرف تمھاری دھوم مچی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے روپ کمار، وہ تمھارا ہی انتخاب کرے گی۔ وہ مالا تمھارے ہی گلے میں ڈالے گی۔" میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا اور روپ کمار خاموش ہو گیا۔

"راجہ ترکھان نے مجھے اپنے محل میں طلب کیا ہے۔"

"اوہ۔ ہاں میں نے اس کے آدمی کو تمھارے پاس آتے دیکھا تھا. ضرور جاؤ بھیا۔ دیکھو وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔"

"میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے۔ میرے اوپر بھروسہ رکھنا روپ کمار۔"

"مجھے تمھارے اوپر پورا پورا وشواش ہے میرے دوست۔" روپ کمار نے کہا اور ہم خاموش ہو گئے۔ پھر باہر سے کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ کچھ فراخ دل لوگ تھے جو مقابلے میں ہار گئے تھے اور ہمیں بدھائی دینے آئے تھے۔ ہم نے بھی خلوص دل سے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ پھر شام ہو گئی۔ سورج چھپے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ راجہ ترکھان کا آدمی میرے پاس پہنچ گیا۔ "مہاراجہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔ کیا آپ تیار ہیں مہاراج؟" اس نے کہا۔

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

روپ کمار اس وقت اپنے خیمے میں تھا۔ میں نے اس سے ملنا ضروری نہ سمجھا۔ میں یہ بات اسے بتا چکا تھا چنانچہ میں راجہ ترکھان کے آدمی کے ساتھ چل پڑا۔ خیمے سے باہر دو گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے گھوڑے پر بیٹھنے کی پیش کش کی اور میں گھوڑے پر بیٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ راستہ جانا پہچانا تھا، گھوڑے کا سفر زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا اس لیے جلد ہی میں راج محل پہنچ گیا۔

راج محل کے دروازے پر راجہ ترکھان کے چند خاص آدمیوں نے میرا استقبال کیا اور مجھے بڑے احترام سے اندر لے گئے۔ راج دربار کے پیچھے راجہ ترکھان کا خاص کمرہ تھا جہاں وہ شاید راج نیتی کے فیصلے کیا کرتا تھا۔ راجہ ترکھان نے بھی ایک پُرخلوص مسکراہٹ سے میرا استقبال کیا اور مجھے بڑے احترام و اعزازات کے ساتھ بیٹھنے کی پیش کش کی گئی۔ میں بیٹھ گیا۔ تب راجہ کے ساتھ موجود دوسرے لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔ راجہ ترکھان

خود بھی میرے سامنے ایک نشست پر بیٹھ گیا۔

اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں "تمہارا نام سروپ کمار ہے مہاراج؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں راجہ ترکھان!"

"اور تم روپ کمار کے داس ہو؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن نہ جانے کیوں یہ بات میرے من میں نہیں اتر رہی؟" راجہ ترکھان بولا۔

"کون سی بات مہاراج؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ تم روپ کمار کے داس ہو سکتے ہو۔"

"اس میں من سے نہ اترنے والی کون سی بات ہے؟" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"تمہارا چہرہ، تمہارا انداز، کوئی چیز یہ ثابت نہیں کرتی کہ کسی کے داس ہو سکتے ہو بلکہ سچ پوچھو تو مجھے تم ہی راجکمار معلوم دیتے ہو۔ مجھ سے جھوٹ نہ بولو مہاراج، میرا خیال ہے تم نے روپ کمار کے ساتھ کوئی وچن نبھایا ہے ورنہ یہ سوئمبر تم آسانی سے جیت سکتے تھے۔" راجہ ترکھان نے کہا۔

"ممکن ہے تمہارا خیال ٹھیک ہو راجہ ترکھان، لیکن اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، سوئمبر ابھی نہیں ہوا اور نہیں کہا جا سکتا کہ مالا کس کے گلے میں ڈالی جائے لیکن پھر بھی میرا مالک، میرا دوست روپ کمار تمہاری بیٹی کی قسمت کا مالک بن جائے تو مجھے خوشی ہوگی۔ مجھے مسرّت ہوگی۔" میں نے کہا۔

"مجھے کوئی کرودھ نہیں ہے مہاراج، بس میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم کون ہو؟ تمہارے بدن پر سادھوؤں کا سا لباس ہے، پرنت میدان جنگ میں تم ایسے سورما ثابت ہوئے کہ کوئی بھی تمہارے سامنے نہ ٹک سکا۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے سروپ کمار، میری منوکامنا یہی تھی کہ میری بیٹی جس سے بیاہی جائے وہ تمہارے جیسا ہی کوئی جوان ہو جو بہادری میں یکتا اور بے مثل ہو۔" راجہ ترکھان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"روپ کمار بھی تمہارے لیے برا ثابت نہ ہوگا راجہ ترکھان!"

"ٹھیک ہے۔ جو بھگوان کی مرضی — لیکن میں نے تمہیں صرف اسی لیے بلایا تھا کہ تمہیں تمہارا فیصلہ بدلنے کے لیے کہوں۔ میں چاہتا ہوں سروپ کہ تم میری راجدھانی کے مالک بنو اور تم ہی میری بیٹی کی قسمت کے مالک ہو۔"

"یہ کسی طور ممکن نہیں ہے راجہ ترکھان۔ بھگوان نہ کرے اگر میں روپ کمار کا ساتھی نہ بھی ہوتا تب بھی میں یہ بات پسند نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔

"آخر کیوں؟" راجہ ترکھان نے کہا۔

"بس، مجھے سنسار کا لوبھ نہیں ہے۔ میں راجہ بننا نہیں چاہتا۔ میرے شریر پر سادھوؤں کا لباس ہے۔ بس تم سمجھ لو کہ میں سادھو ہی ہوں۔ مجھے سنسار کا کوئی لوبھ نہیں ہے۔ مجھے راج سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج، پھر یوں کہو کہ میرا خیال ٹھیک تھا۔"

"یہ میری اور تمہاری آپس کی بات ہے راجہ ترکھان لیکن اگر سارے راجکماروں کے سامنے تم یہی بات کرو گے تو میں خود کو روپ کمار کا داس ہی بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"میں تم سے سب کے سامنے یہ سوال نہیں کروں گا مہاراج۔" راجہ ترکھان ٹھنڈی سانس لیکر بولا "بہرحال جو میری آشا تھی، وہ میں نے تمہیں بتا دی۔ واگیاوان ہے روپ کمار کہ اسے تمہارے جیسا متر، ساتھی یا داس ملا۔ ہاں ایک بات میں تم سے کہوں گا اور کہہ سکتا بھی ہوں، کیا اجازت ہے؟"

"ہاں ہاں۔ مہاراج۔ کہیے۔ میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"سوئمبر میں کوئی بھی کامیاب ہو، مالا کسی کے گلے میں پڑے لیکن اگر تم پسند کرو اور اگر روپ کمار سے تمہارا کوئی ایسا رشتہ نہ ہو، کوئی ایسا ناطہ نہ ہو جس کی وجہ سے تم اس کی بات ماننے پر مجبور ہو تو میری اچھا ہے کہ تم کچھ سمے میرے ساتھ میری راجدھانی میں گذارو۔" راجہ ترکھان نے نہایت خلوص سے کہا۔

"اگر تمہاری پدمنی میرے متر کو پسند کر لیتی ہے تو شاید میں کافی عرصہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" راجہ ترکھان بولا۔ "مجھے تم سے بڑا لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ میدانِ جنگ میں تم شیر کی طرح نڈر نظر آ رہے تھے اور میں دلیروں کی قدر کرتا ہوں۔"

"میں تمہاری اس محبت کی قدر کرتا ہوں مہاراج ترکھان۔" میں نے جواب دیا۔

"رات کا بھوجن تم میرے ساتھ ہی کرو۔" راجہ نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پھر راجہ ترکھان مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ درحقیقت وہ مجھ سے بہت متاثر نظر آتا تھا اور یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی پروفیسر۔ گذرے ہوئے ادوار میں میں نے ہمیشہ ایک خاص حیثیت حاصل کی تھی۔ میری شخصیت ہی ایسی تھی کہ کوئی مجھے نظرانداز نہیں کر پاتا تھا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کچھ معاملات میں کچھ لوگ مجھے ناپسند بھی کرتے تھے لیکن ناپسند کرنے والوں کی میں نے کبھی پرواہ نہیں کی تھی۔

رات کے کھانے پر میں نے راجہ ترکھان سے کہا "مہاراج! آپ نے مجھے جتنی محبت دی ہے، جتنا پریم دیا ہے، اس کا سہارا لیکر میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں۔ ہاں کہو سروپ جی۔ کیا بات ہے؟"

"میں چاہتا ہوں مہاراج کہ تمہاری پدمنی کل سوئمبر سے پہلے ایک بار میرے متر سے مل لے۔ ہمارا تمہارا ناطہ اس وقت بہت مضبوط ہو جائے گا جب میرا متر تمہارا داس بن جائے گا۔"

"اوہ۔" راجہ پرخیال انداز میں بولا۔ "اگر کماری پدمنی نے اسے پسند نہ کیا تو؟"

"یہ میرے متر کے بھاگ کی بات ہے لیکن اگر آپ میری بات مانیں تو ان کو ملنے کا موقع دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کماری سے بات کر لیتا ہوں۔" راجہ ترکھان بولا۔

"مجھے آگیا دیں مہاراج۔" میں نے اس سے اجازت چاہی اور راجہ ترکھان نے مجھے شاہی لباس سے نوازا۔

"میں نے تمہارے بدن کا لحاظ کر کے یہ لباس تیار کرایا ہے، اسے میری خوشی کے لیے پہن لو۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی خوشی پوری کر دی۔ پھر میں گھوڑے پر بیٹھ کر واپس چل پڑا۔ میرا خیال تھا کہ روپ کمار میرا انتظار کر رہا ہوگا۔

میرا خیال ٹھیک تھا۔ روپ کمار دور سے ہی مجھے اپنے خیمے کے سامنے ٹہلتا ہوا نظر آ گیا۔ اس کے انداز سے بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔ میرے گھوڑے کو دیکھتے ہی وہ میری طرف لپکا۔ پھر میرے بدن کے لباس کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا اور پھر اس کی آنکھوں سے خوشی جھانکنے لگی۔ اس نے میرے گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں اور میں نیچے اتر آیا۔ روپ کمار پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"بڑے ہی سندر لگ رہے ہو بھیا!" اس نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"شاید۔ لیکن اس لباس کے بغیر ٹھیک نہیں لگ رہا تھا؟"

"بھگوان کی سوگند بھیا، اس وقت بھی تم بڑے ہی سندر لگ رہے تھے۔ میں تمہیں ایسے کپڑوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔"

"تم میرا انتظار کر رہے تھے روپ کمار؟" میں نے اس کے ساتھ اپنے خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"بڑی بے چینی سے بھیا۔"

"تمہارے من میں بہت سے برے برے خیالات آ رہے ہوں گے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا اور روپ کمار میری شکل دیکھنے لگا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"میری بات پر وشواش کرو گے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں۔ میں دھرم کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ میرے من میں کوئی برا خیال نہیں آیا۔ میں نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ میرا بھیا کوئی ایسا کام کرے گا جو میرے لیے برا ہو اور یہ سوچنا بے وقوفی بھی تھی۔ جس شخص نے بھرے بیچ میرا داس بن کر میری سہائتا کی ہے وہ میرے خلاف کوئی کام کیسے کرے گا۔ میں تو بس اس لیے تمہاری باٹ تک رہا تھا کہ دیکھوں تو سہی راجہ ترکھان تم سے کیا کہنا چاہتا ہے۔"

"ہوں۔ راجہ ترکھان میرے بارے میں جاننے کا خواہش مند تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں کون ہوں۔ کیا میں واقعی روپ کمار کا داس ہوں اور میں نے اسے وشواش دلا دیا۔"

"کیا وشواش دلا دیا؟" روپ کمار نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہی کہ میں روپ کمار کا داس ہوں۔"

"اوہ!" روپ کمار نے گردن جھکا لی۔ کافی دیر تک اسی طرح گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لیکر بولا۔ "میں تم سے بہت شرمندہ ہوں سروپ بھیا!"

"پگلا ہے تو۔" میں نے اس کے گال پر پیار سے چپت لگائی۔ "بس اب اس بارے میں کچھ مت سوچ اور ہاں تھک تو نہیں لیا؟"

"کیوں؟" روپ کمار نے چونک کر پوچھا۔

"پوچھ رہا ہوں، تھکن تو نہیں ہو گئی؟"

"تم نے مجھے کرنے ہی کیا دیا ہے بھیا جو میں تھکتا۔ سارے کشٹ تو تم خود بھوگ رہے ہیں۔" روپ کمار نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد کماری پدمنی کی کوئی داسی تمہارے پاس آئے گی۔ میرا خیال ہے پدمنی آج رات تم سے ملاقات کرے گی۔"

"مجھ سے؟" روپ کمار متحیرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں!"

"مگر کیا۔ کیا راجہ ترکھان نے ایسی کوئی بات کہی ہے؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں۔ ایسی ہی بات ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"راجہ ترکھان نے؟" روپ کمار کے لہجے کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"تجھے ان باتوں سے کیا غرض روپ کمار۔ تو بتا کیا تو پدمنی سے ملنا چاہتا ہے؟"

"میں اس سے مل کر کیا کروں گا بھیا، کیا کہوں گا؟"

"اب یہ بھی میں ہی بتاؤں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم ہی بتا دو۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے عقل نام کی کوئی چیز میرے پاس ہی نہ رہی ہو۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔ "من کا بھید کہہ دینا اس سے۔"

"کیا اس کا موقع ملے گا؟" روپ کمار نے پوچھا۔

"ظاہر ہے وہ تجھ سے باقاعدہ ملاقات کرے گی۔" میں نے کہا۔

"لیکن بھیا، کیا وہ اس بات کا برا نہیں مان جائے گی؟"

"اب یہ تو تیری کوششوں پر ہے تو اسے شیشے میں اتارنے پر کس قدر کامیاب ہوتا ہے۔ اگر آج رات کو تو کسے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے تو کل سوئمبر میں مالا کے فیصلے میں کوئی تاخیر نہ ہوگی۔"

روپ کمار کی آنکھوں میں آشا کے دیپ جل اٹھے۔ تصوّر کی آنکھوں سے اس نے مالا پدمنی کے ہاتھ میں اور پھر اپنے گلے میں دیکھی۔ اس نے محسوس کیا جیسے سینکڑوں کینہ توز نگاہیں اسے دیکھ رہی ہوں، گھور رہی ہوں اور اس کا سینہ خوشی سے پھول گیا۔ ہاں پدمنی نے اسے اپنے پتی کی حیثیت سے چن لیا تھا۔ پدمنی آکاش سے اتری ہوئی اپسرا، اس کے گھر کا جلتا ہوا دیپ، وہ میری موجودگی بھول کر خوابوں میں کھو گیا اور میں نے اسے ان خوابوں سے نہ چونکایا۔ خواب زندگی کا سہارا ہوتے ہیں۔ خوابوں میں آدمی سکون کی وادیاں حاصل کر لیتا ہے۔ اگر خواب نہ ہوں تو انسان کے سینے میں ویران صحرا پیدا ہو جائیں۔ سو میں نے اسے خوابوں میں کھوئے رہنے دیا اور اس وقت تک کچھ نہ بولا جب تک باہر سے کسی کی آواز نے اسے

چونکا نہ دیا۔

"میں اندر آسکتی ہوں مہاراج؟" ایک نسوانی آواز اُبھری۔

میں چونک پڑا اور روپ کمار اچھل پڑا۔

"آجاؤ۔" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی اندر داخل ہوگئی۔ اس نے ہم دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟" میں نے پوچھا۔

"داسی ہوں مہاراج!" وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔ "روپ کمار جی کون ہیں؟" اس نے ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ہیں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟" میں نے روپ کمار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"روپ جی! کیا میرے ساتھ باہر چلیں گے؟" اس نے روپ کمار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "باہر میرا گھروالا بھی موجود ہے۔"

"جاؤ، روپ کمار تم اس کے ساتھ باہر جاؤ اور ہاں فکر نہ کرو۔ باہر اس کا گھروالا بھی موجود ہے۔" اور روپ کمار جھینپے ہوئے انداز میں مسکرا دیا۔ وہ میری طرف معذرت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا اور میں نے دونوں نگاہوں سے اسے چلے جانے کو کہا۔ روپ کمار لڑکی کے ساتھ باہر نکل گیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جا بھائی۔ رام بھلی کرے۔" میں نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اطمینان سے اپنی جگہ لیٹ گیا۔ دو عاشق عشق کر رہے تھے۔ میرا بھلا اس میں سوچنے یا دخل دینے کا کیا جواز تھا۔ چنانچہ میں سارے خیالات ذہن سے جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگا اور پھر دوسری صبح ہی روپ کمار سے ملاقات ہوئی تھی۔ نہ جانے وہ رات کے کس حصے میں واپس آیا تھا۔ مجھے اس کے آنے کی کوئی خبر نہ تھی۔ میرے خیمے میں آکر اس نے میرے پاؤں چھوئے اور میں چونک پڑا۔

"آؤ۔ روپ کمار میں تو تمھاری واپسی کا انتظار بھی نہ کرسکا اور پھر انتظار کرنا بھی فضول تھا۔ جب ایک نوجوان اپنی محبوبہ کو ملنے کسی جگہ جائے تو اس کے دوست کو اس کی واپسی کے وقت کا تعین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ محبوبہ سے ملاقات میں واپسی کے وقت کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔" میں نے کہا اور روپ کمار مسکرا دیا۔

روپ کمار کے چہرے کی تازگی اور اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اس بات کا پتہ دیتی تھی کہ رات کی ملاقات کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو کتنی ہی کٹھن کیوں نہ ہو، بہرصورت خوشگوار رہی ہے اور اس میں ایسی کوئی بات پیدا نہیں ہوئی جس کی وجہ سے روپ کمار آزردہ ہو۔ بہرصورت میں اس ملاقات کا حال جاننے کیلیے بے چین تھا۔

"کہو مادھو لال، منہ سے تو بولو، کیا ہوا، ملاقات ہوئی؟"

"ہاں بھیا!" روپ کمار شرماتے ہوئے بولا۔

"ارے واہ میرے شیر تو تو پدمنی سے بہت کچھ سیکھ آیا ہے۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"پدمنی سے؟" روپ کمار نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

"یہ شرم و حیا، یہ لجانا لچکنا۔" میں نے شرارت آمیز لہجے میں کہا اور

روپ کمار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ارے نہیں بھیا میں نے اس سے یہ سب کچھ نہیں سیکھا۔"

"چلو ٹھیک ہے مان لیا یہ ساری باتیں تمھیں پہلے سے آتی تھیں لیکن اب یہ تو بتاؤ پدمنی سے ملاقات کیسی رہی؟"

"بالکل ٹھیک بھیا۔ میں تو سوچتا ہوں کہ تم بھگوان کا روپ ہو، تم جیون میں کیا آئے روشنیاں ہی روشنیاں جل اٹھیں۔" روپ کمار عقیدت سے بولا۔

"اچھا، اچھا۔ میں کہتا ہوں پدمنی کی باتیں کرو اور تم میری ہی باتیں کرنے لگ گئے۔"

"پدمنی کی کیا بتاؤں بھیا۔ پہلی نگاہ میں اجنبیت تھی، دوسری میں پسندیدگی اور تیسری میں محبت۔ بس یہ ساری کہانی ہے۔" روپ کمار بولا۔

"واہ، واہ۔ ایسے نہیں چھوڑوں گا ساری بات بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"ساری بات کیا بتاؤں بھیا۔" روپ کمار بولا۔

"اچھا اچھا ابھی نہ مالا گردن میں آئی نہ لگن ہوئے نہ پھیرے اور ہم سے باتیں چھپانا بھی شروع کردیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں بھیا، بھلا آپ سے کیا چھپاؤں گا۔ بس داسی مجھے اس کے پاس لے گئی۔ وہ میرا انتظار کر رہی تھی میں تمھیں بتا چکا ہوں، وہ مجھے دیکھتی رہی، پہلے شرم کی وجہ سے کچھ نہ بول سکی اور اس کے بعد اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا میں نے مختصراً اسے اپنے بارے میں بتایا پھر اس نے میری خاطر مدارت کی۔ مجھ سے مزید سوالات پوچھتی رہی۔ اب میں تمھیں کیا بتاؤں بھیا ایسا لگتا تھا جیسے اس کے من میں بھی میرے لیے کوئی جگہ بن گئی ہو۔"

"واہ کیوں نہیں بنتی۔ کوئی معمولی انسان ہے میرا روپ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس بھیا اس نے کہا کہ اس کے پتا نے اسے آگیا دی ہے کہ محبت مل لے پھر بس کوئی خاص بات نہ ہوئی، اس نے چلتے سے مجھ سے پوچھا کہ کیا کل میں سوئمبر میں آؤں گا۔ عجیب سوال تھا۔ ظاہر ہے میں سوئمبر میں شریک ہونے کے لیے ہی آیا تھا پھر بھی میں نے اس کے سوال کا یہی جواب دیا کہ میں ضرور آؤں گا۔ اور پھر چلتے سے اس نے مجھ سے پھر کہا اس وقت جب میں اس کے کمرے کے دروازے سے نکل رہا تھا کہ وہ کل میری باٹ تکے گی۔" روپ کمار کا، اس کے چہرے پر شرم کی سرخی، بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ میں نے دل کھول کر اس کا مذاق اڑایا، اس سے شرارت بھری باتیں کیں اور پھر اسے سو جانے کیلیے کہا۔

"رات بھر جاگتے رہے ہو تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ ورنہ ایسا نہ ہو کہ سوئمبر کے سمے اونگھ رہے ہو۔"

"اونگھ نہیں آئے گی بھیا۔ تم اطمینان رکھو۔"

"ارے ہاں اب تو تم مہینوں نہیں سوؤ گے بہرحال میری طرف سے بدھائی ہو۔" میں نے خلوص دل سے کہا اور روپ کمار نے ایک بار پھر عقیدت سے میرے پاؤں چوم لیے۔

سوئمبر کا دن آگیا۔ روپ کمار جی خوب بن ٹھن کر سوئمبر کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ میری ان کے ساتھ جانے کی کوئی تک نہ تھی چنانچہ میں خیمے پر ہی اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا حالانکہ میرے دل میں یہ رسم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔

لیکن پروفیسر اس خواہش کو دبانا ہی پڑا۔ بعد میں اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کی جاسکتی تھیں لیکن اس وقت وہاں جانا ٹھیک نہ تھا حالانکہ مشرقی لڑکیوں کے بارے میں مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ ایک بار جسے دل میں بسا لیتی ہیں پھر دوسرا مرد شاذ ہی ان کی نگاہ میں جگہ پا سکتا ہے لیکن میں احتیاطاً وہاں جانا نہیں چاہتا تھا جو کسی حادثے کا سبب بن جائے۔ چنانچہ میں انتظار کرتا رہا اور پھر سوئمبر کی تفصیلات مجھے روپ کمار ہی سے معلوم ہوئی تھیں۔

وہ لوگ جو سوئمبر میں مدعو نہیں کیے گئے تھے اپنا کاٹھ کباڑ سمیٹ کر واپس جا چکے تھے۔ جانے والوں میں دلاور سنگھ بھی تھا اور دلاور یہ دھمکی دے گیا تھا کہ راجہ ترکھان نے اسے اپنے ادوار بلا کر اس کا اپمان کیا اور وہ اس اپمان کا بدلہ ضرور لے گا بہرحال راجہ ترکھان بھی موم کا بنا ہوا نہیں تھا۔ یہی بہتر تھا کہ دلاور سنگھ نے اس کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی ورنہ شاید اسی وقت ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ بہرحال دلاور سنگھ کے علاوہ وہ دوسرے راجکمار جو سوئمبر میں شریک تھے ناکام ہونے کے بعد منہ لٹکائے لٹکائے اپنے خیموں میں واپس آگئے تھے۔ بہت کم ایسے تھے جن کی نگاہوں میں روپ کمار کے لیے نفرت کے جذبات نہ ہوں۔ بہرحال وہ بے بس تھے۔ راجکماری پدمنی نے روپ کمار کو پسند کرلیا یہ تو اس کے بھاگ تھے۔ پھر بہت سے لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے سے باہر آئے اور روپ کمار کے نزدیک پہنچ گئے۔ انھوں نے بتایا کہ اب اس کی حیثیت راجہ کے مہمان کی سی ہے اسے چند روز راج محل میں رہنا ہوگا۔

ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا تھا یہاں بھی راجہ کے مہمان تھے اور راج محل میں بھی انھی کے مہمان رہیں گے چنانچہ میں اور روپ کمار ان لوگوں کے ساتھ چل پڑے۔ راج محل میں ہمارے قیام کا اچھا خاصا بندوبست کیا گیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ جگہ اس عقبی باغ سے دور نہیں تھی جہاں پہلی بار میں نے اور روپ کمار نے راجکماری پدمنی کو دیکھا تھا۔ گویا اگر راج کمار روپ پدمنی سے ملنا چاہتا تو اس کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑتی۔

مالا روپ کمار کے گلے میں ڈالی جا چکی تھی اس لیے اب اس کی حیثیت پدمنی کے منگیتر کی سی تھی اور خود راجہ ترکھان کو ان دونوں کی ملاقات پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا اور یہی ہوا بھی۔ محل میں داسیاں اور دوسرے نوکر ہماری بہترین مہمانداری کر رہے تھے۔ خود راجہ ترکھان دن میں دو تین بار مجھ سے ملاقات ضرور کرتا تھا اور ویسے بھی وہ مجھ سے بہت متاثر تھا اور اس نے کئی بار کہا تھا کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ میری ہی وجہ سے روپ کمار کو یہ عزت اور یہ حیثیت ملی ہے ورنہ شاید بذات خود روپ کمار یہ مقام حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

کچھ بھی کہتا کچھ بھی کرتا میں نے اپنے دوست سے کیا ہوا وعدہ پورا کردیا تھا۔ پھر تقریباً دس یا بارہ روز کے بعد روپ کمار کو وہاں سے جانے کی اجازت مل سکی تھی۔ اس سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے پتا سے مہورت نکلوا کے دن اور تاریخ سمجھوا دے کہ کب وہ پدمنی کو بیاہنے آ رہے ہیں۔ میں نے بھی روپ کمار کے ساتھ جانا چاہا لیکن راجہ ترکھان نے مجھے روک لیا۔

"نہیں مہاراج، تم نہیں جاؤ گے۔ تم کہاں جاؤ گے؟"

"اوہو۔ ترکھان جی روپ میرا بھیا ہے اور میں اپنے بھیا کے ویواہ میں شریک نہ ہوں گا کیا؟"

"اور میں جو تمھارا سب کچھ ہوں مہاراج، مجھے ٹھکرا دو گے۔" راجہ ترکھان نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ تم ایک اچھے انسان ہو، میں تمھاری دل سے عزت کرتا ہوں۔"

"تب پھر مہاراج تم میرے ساتھ رہو۔"

اور میں نے روپ کمار سے راجہ ترکھان کے پاس رہنے کی اجازت لے لی۔ روپ کمار نے کہا تھا کہ اس کی دل خواہش تھی کہ میں اس کے ساتھ اس کی راجدھانی چلوں جہاں اس کے پتا سے ملوں اور اس کے بعد اس وقت یہاں آؤں جب روپ کمار پدمنی کو بیاہنے آئے لیکن بہرحال راجہ کے اصرار کی وجہ سے اس نے بھی خوشی سے اجازت دے دی تھی۔ بس اس کے بعد کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ راج محل تھا، راجہ ترکھان تھا اور میں۔

وہ میری بہت سی باتوں سے واقف ہوگیا تھا اور پروفیسر کوئی مجھے جانے مجھ سے واقف ہو اور اسے مجھ پر حیرت نہ ہو یہ بھی تو حیرت انگیز بات ہی۔ راجہ ترکھان بھی میرے بارے میں تجسس میں ڈوب گیا تھا اور اس کی ذہنی وسعت اس قدر نہ تھی کہ وہ مجھے پہچان سکتا یا میری حقیقت جان سکتا۔ ہاں اس کے سوا جو کچھ میں اسے بتا نہ دوں۔ بہرصورت میں نے یہاں اپنی کسی خاص قوت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور ایک عام سادھو کے انداز میں راجہ ترکھان کے پاس رہ رہا تھا۔

کچھ وقت گذرا تو روپ کمار کی طرف سے اس کے پتا اور اس کی راجدھانی کے چند بڑے یہاں آئے اور آنے کے بعد شادی کی مہورت طے کردی گئی اور پروفیسر اس وقت کے حالات اس وقت تک کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے جب تک کہ شادی کے دن قریب نہ آگئے۔ پہرے داروں نے اطلاع دی کہ کوئی عظیم الشان گروہ ہتھیاروں سے مسلح اس طرف آرہا ہے۔

راجہ ترکھان حیران رہ گیا تھا اور پھر اس نے اپنا گھوڑا تیار کروایا اور چند سواروں کو ساتھ لیکر چل پڑا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ جنگ کی نیت سے آرہے یا کوئی اور مقصد ہے۔ شاید اس بات پر اسے حیرت بھی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دشمنوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے میں بھی اس کے ساتھ تھا اور پھر قلعے کی فصیلوں کے اوپر چڑھ کر ہم نے بہت دور پڑاؤ کرنے والے لشکر کو دیکھا۔ بے شمار افراد تھے اور ان کے جھنڈے فضا میں لہرا رہے تھے۔ راجہ ترکھان ان جھنڈوں کو دیکھ کر چونک پڑا اور پھر اس کے منہ سے نکلا۔

"اوہ! دلاور سنگھ!"

"دلاور سنگھ؟" میں نے متعجبانہ لہجے میں پوچھا۔
"کرنا کا کا نیا نیا راجہ دلاور سنگھ!" راجہ ترکھان نے سرد لہجے میں کہا۔
"کیا یہ وہی دلاور سنگھ ہے جو سوئمبر میں شامل نہ ہو سکا تھا اور جس نے مجھ سے شکست کھائی تھی؟"

"وہی ہے —— اور یہاں سے جاتے ہوئے وہ دھمکی دے گیا تھا کہ اپنے اپمان کا بدلہ لے گا۔"

"تو وہ بدلہ لینے آیا ہے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں - بدلہ لینے آیا ہے۔" راجہ ترکھان نے بھی مذاق اڑانے والے انداز میں کہا اور پھر دلاور سنگھ کی فوجوں کی طرف نگاہیں دوڑا کر بولا۔ "مگر اس کے قبیلے میں تو اتنے لوگ نہ تھے، یہ فوجیں کہاں سے جمع کر لایا ہے؟"

"کافی افراد ہیں ترکھان!" میں نے کہا۔

"اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ سب اس کے قبیلے سے نہ ہوں گے۔"

"ممکن ہے اس نے کسی دوسرے قبیلے کے لوگوں سے مدد حاصل کی ہو۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔ دلاور سنگھ کا گرم خون ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ اس کے جیون کا پہلا رن ہوگا! اس کے باپ کو مرے ہوئے زیادہ سمے نہیں گذرا اور وہ بے چارہ اتنا بُرا انسان بھی نہ تھا لیکن بعض اوقات پوتر جگہوں سے بھی سانپ نکل آتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں ہے۔ مہورت قریب آ گئی ہے، صرف اس کا خیال ہے کہیں رنگ میں بھنگ نہ ہو —— لیکن پھر بھی چاہے کچھ بھی ہو دلاور سنگھ کو اس کی جرأت کا مزہ ضرور چکھایا جائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو راجہ ترکھان - ایک بات تو تم جانتے ہو کہ میں تمھارا دوست ہوں۔" میں نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں - مجھے تمھاری دوستی پر ناز ہے۔" ترکھان نے جواب دیا۔

"تب پھر یوں کرو کہ قلعے کے اندر تم راجکماری پدمنی کی شادی کی تیاریاں کرتے رہو، میں میدان میں جا کر دلاور سنگھ کے حواس درست کر کے آتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ میرے سورما مجھے تجھ پر پورا پورا وشواش ہے مگر تو مہمان ہے اور ہم مہمانوں کو جنگ کرنے نہیں بھیجتے۔" راجہ ترکھان نے جواب دیا۔

"میں مہمان ہوں راجہ ترکھان؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ہاں - مہمان ہو —— مگر اپنوں سے بڑھ کر۔"

"نہیں نہیں ایک بات پر قائم رہنا ہوگا ترکھان - کیونکہ اگر میں مہمان ہوں تو میرے خیال میں مہمان کی حیثیت سے کسی کے گھر رہنا زیادہ دیر تک اچھی بات نہیں ہے - مجھے جانے کی آگیا دو —— اور اگر میں مہمان نہیں ہوں، تمھارے گھر کا ایک فرد ہوں تو پھر تم مجھے دلاور سنگھ کے مقابلے پر جانے دو۔"

راجہ ترکھان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا! اس کے لیے میری یہ ضد بڑی پریشان کن تھی۔ لوگوں سے یہ بھی نہ کہلوانا چاہتا تھا کہ راجہ ترکھان خود محل میں رہے، مہمانوں کو جنگ کے لیے بھیجنا چاہتا ہے اور خود محل میں رہ کر بیٹی کی شادی کی تیاری کر رہا ہے لیکن میری ضد کے آگے اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ البتہ فوجوں کی نگرانی اس نے خود کی تھی۔ اپنی نگرانی میں اس نے فوجیں تیار کروائیں اور پھر انھیں میرے حوالے کر دیا۔ راجہ ترکھان کا خیال تھا کہ چونکہ دلاور سنگھ کی فوجیں تعداد میں بہت زیادہ ہیں اس لیے قلعہ بند کر کے دلاور سنگھ کے حملے کا انتظار کیا جائے اور قلعے کے اوپر فصیلوں پر ساری جنگی تیاریاں مکمل کر لی جائیں اور وہیں سے دلاور سنگھ کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے۔ جب اس کی افرادی قوت مفلوج ہو جائے تو پھر تازہ دم فوجوں کے ساتھ باہر نکل کر اسے پسپا کر دیا جائے۔

تجویز بُری نہیں تھی لیکن پروفیسر مجھ جیسے انسان کے سامنے پیش کی گئی تھی، جس کے سامنے کوئی دشمن ہو تو وہ کسی شکاری کتے کی طرح زنجیریں تڑانے لگتا ہے۔ میں یہ بات کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ قلعے میں بند ہو کر اپنے دشمن کا انتظار کروں جس سے مجھے جنگ کرنی تھی۔ میں نے راجہ ترکھان کی یہ بات نہیں مانی اور راجہ ترکھان نے اس بات پر زیادہ اصرار نہیں کیا کیونکہ اتنا وہ بھی جانتا تھا کہ قلعوں میں بند ہو کر لڑنا بہادری نہیں ہوتی۔

اور بہادر مصلحتوں کے قائل نہیں ہوتے۔

"واہ۔ کیا عمدہ بات کہی ہے تم نے۔" پروفیسر خاور بے اختیار بول اٹھا اور اس نے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے تاریخ کی کہانی بے کم و کاست تمھیں سُنائی ہے پروفیسر میں نے بعض جگہوں پر مصلحت سے بھی کام لیا لیکن وہ مصلحت مکاری کی حد تک نہیں تھی۔"

"ہاں مجھے اعتراف ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"پھر کیا ہوا؟" فرزانہ بول اٹھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمھاری لڑکیاں جس صبر و سکون سے یہ کہانی سُن رہی ہیں پروفیسر، وہ قابلِ داد ہے۔ مس فرزانہ تو اس میں سکتہ برداشت ہی نہیں کر سکتی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دراصل، اس ماحول سے واپس آنے کے بعد دوبارہ وہاں جانا بے حد عجیب لگتا ہے۔ ہم خود کو وہیں محسوس کرتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ہماری آنکھیں اچانک بند کر دی گئی ہوں۔" فرزانہ نے اسے دادِ تحسین پیش کی۔

"میں نے اپنے طور پر فوجوں کو منظم کیا اور اپنے انداز میں جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے فوجوں کو قلعے کے چوبی دروازے کے پیچھے منظم کیا اور انھیں تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ بظاہر فصیلوں پر کوئی چہل پہل نہیں تھی۔ بس یوں لگتا تھا جیسے دلاور سنگھ کی فوجوں کی نگرانی کی جا رہی ہو اور قلعے کی طرف سے کسی حملے کا کوئی امکان نہ ہو۔ چنانچہ دلاور سنگھ مطمئن تھا۔ وہ اپنی فوجوں کی کثرت سے ترکھائی والوں کو خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر جب اچانک چوبی دروازہ کھلا اور اس نے ایک دم فوجیں اُگل دیں تو وہ حیران رہ گیا۔ اس کی فوجیں منظم بھی نہیں تھیں اور غیر فوجی کاموں میں مصروف تھیں۔ ترکھان کی فوجیں شکاری کتوں کی طرح ان

پر ٹوٹ پڑیں۔ پہلے ہی حملے میں سخت نقصان پہنچا تھا دلاور سنگھ کی فوجوں کو۔ اور اس وقت تک جب تک وہ سنبھل کر جنگ کرنے کے لیے تیار ہوتیں، میرے ساتھی اس کی آدھی فوجوں کا صفایا کر چکے تھے اور پھر وہ باقی فوجوں کو بھی جلد از جلد کاٹ کر پھینک دینے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔

رہی میری بات تو کبھی کبھی تو کھیت کاٹنے کے مواقع نصیب ہوتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ میں نے اپنے لیے اپنی پسند کا ایک کھانڈا تیار کر لیا تھا اور بہت عرصے کے بعد کھانڈے پر ورزش کرنے کا موقع ملا تھا۔ کھیتی سرسبز تھی۔ کمی نہ تھی چنانچہ میں نے پوری قوت سے اس کی صفائی شروع کر دی اور دلاور سنگھ کو بہت جلد احساس ہو گیا کہ اس نے خوفناک غلطی کی ہے لیکن ایسے مواقع پر احساس کے لیے بھی ٹھیک نہیں ہوتے۔ میں تو اس کی تاک میں تھا ہی، اپنے سامنے کے گھاس پھونس کو صاف کرتا ہوا میں بالآخر اس تک پہنچ گیا۔ "دلاور سنگھ! سورما - آؤ جنگ سے پوری طرح لطف اٹھاؤ۔" میں نے اسے للکارا۔

"تم ابھی تک یہاں موجود ہو سروپ کمار؟" دلاور سنگھ خوفزدہ انداز میں بولا۔

"ہاں۔ تمھارا انتظار کر رہا تھا۔ تم اپمان کرنے کا بدلہ لینے کو کہہ کر گئے تھے نا؟"

"مگر میری تم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔"

"تمھیں معلوم ہے کہ ترکھائی ریاست اب میرے دوست روپ کمار کی ہے اور تم نے میرے دوست کی ریاست پر حملہ کیا ہے۔"

"لیکن ابھی روپ کمار یہاں کا راجہ نہیں بنا ہے"

"آیندہ تو بنے گا۔" میں نے کہا اور پھر میں اس کے بالکل نزدیک پہنچ گیا اور پھر میں نے اسے للکارا۔ "بہانے کیوں تلاش کر رہے ہو دلاور سنگھ، بہادروں کی طرح لڑو۔ تم تو بڑے مان سے آئے تھے اب بغلیں کیوں جھانک رہے ہو۔ کیا اسی بل پر کماری پدمنی کے سوئمبر میں آئے تھے۔ کیا تم نے یہ نہ سوچا تھا کہ وہاں سورماؤں سے واسطہ پڑے گا؟"

"تم میرا اپمان کر رہے ہو۔" دلاور سنگھ گرجا۔

"ہاں ہاں - اپمان تو کر رہا ہوں۔ ایک اپمان کا بدلہ لینے کے لیے تم اپنی راجدھانی سے یہاں تک آئے ہو۔ دوسرے اپمان کا بدلہ تم مجھ سے لو۔ تلوار کیوں نہیں اٹھاتے، موت سے ڈرتے ہو؟" اور میں نے اس گدھے کو بہر حال غیرت دلا ہی دی۔ اس نے میرے اوپر تلوار کے وار شروع کر دیے اور میں انھیں خالی دیتا رہا۔ پھر میں نے کھانڈا اٹھایا اور دلاور سنگھ کی آنکھوں میں موت ناچ گئی۔

"کیسا ہے یہ ہتھیار دلاور سنگھ؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ دلاور سنگھ نے میرے اٹھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر پھرتی سے تلوار کا وار میری بغل کی طرف کیا۔ گو میں نے یہ وار خالی دے دیا تھا لیکن اگر وہ کامیاب بھی ہو جاتا تو کونسا فرق پڑتا سوائے اس کے کہ تلوار کی دھار برباد ہو جاتی۔ پھر میں نے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور پھر کھانڈے کے ایک وار نے نہ صرف دلاور سنگھ کو زندگی کے بوجھ سے آزادی دلا دی بلکہ اس کا گھوڑا بھی درمیان سے دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔

یوں دلاور سنگھ کا مان ٹوٹ گیا اور اس کی فوج کے بچے کھچے سپاہی گرفتار ہو گئے۔ ترکھان کا اندازہ درست تھا۔ یہ ساری فوجیں صرف دلاور سنگھ کی نہیں تھیں بلکہ اس نے قرب و جوار کے چند چھوٹے علاقوں سے جو اس کے اسیر تھے، بھی فوجیں طلب کر لی تھیں۔ بہر حال اسے نہ صرف بدترین شکست ہوئی تھی بلکہ زندگی سے بھی ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ میں فاتح کی حیثیت سے واپس ترکھائی میں داخل ہوا۔ راجہ ترکھان فصیل سے میری جنگ کا منظر دیکھ چکا تھا اور اس کا چہرہ مسرت سے سُرخ ہو رہا تھا! اس نے دوڑ کر مجھے گلے لگا لیا۔ "میں تجھے کیا کہوں سُروپ! کیا سمجھوں میں تجھے؟ بھگوان کی سوگند! اگر تو مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اب میں جیون بھر تجھے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں - میں کیا کہوں - تو نے خود ہی میری پتری کو سوئیکار نہیں کیا ورنہ — ورنہ میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں ہوتا۔"

اس وقت میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اس کی فتح کی خوشیوں میں شریک تھا۔ ترکھان نے فوری طور پر اپنے خاص آدمیوں کو تیار کیا اور اپنی فوجوں کے ساتھ دلاور سنگھ کی راجدھانی بھیج دیا تاکہ بغیر راجہ کی حکومت پر قبضہ کر لیا جائے۔ رات کو اس نے اپنے محل میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت کا روحِ رواں میں تھا۔ راجہ نے میرے بارے میں اپنے ساتھیوں کو بتایا اور میری تعریفوں کے گُن گائے جاتے رہے اور پھر دعوت کے اختتام کے بعد ترکھان میرے پاس بیٹھ گیا۔

"مجھ سے بس یہ کہہ دو سُروپ کہ تم جیون کے کسی حصے میں مجھے چھوڑ دو گے تو نہیں؟ میرے من کو شانتی مل جائے گی۔"

"میں تمھیں جھوٹی شانتی نہیں دے سکتا مہاراج ترکھان!" میں نے کہا۔

"ایں - کیا - کیا کہا تم نے؟" ترکھان حیرت سے بولا۔

"میں نے کہا ترکھان جی، میں تم سے ایسا وعدہ کیسے کر سکتا ہوں جسے میں پورا ہی نہ کر سکوں۔"

"کیا مطلب؟ آخر اس بات کا کیا مطلب؟" ترکھان اسی انداز میں بولا۔

"میں سادھو منش ہوں راجہ ترکھان۔ آج یہاں کل وہاں۔ آج تمھیں بتاؤں کہ میں سرے سے سوئمبر میں حصہ لینے ہی نہیں آیا تھا۔ میں تو یونہی اس طرف آ گیا۔ یہ قلعہ دیکھ کر میں نے ادھر کا رُخ کیا، پھر خیمے دیکھے اور وہاں پہنچ گیا۔ پھر روپ کمار سے دوستی ہوئی اور اس کے بعد یہ سارے ہنگامے۔ میں یہاں کیسے رہ سکتا ہوں ترکھان مہاراج!"

"تو - تو کیا اب تم یہاں سے چلے جاؤ گے؟" ترکھان افسردگی سے بولا۔

"ابھی نہیں - ابھی میں اس وقت تک تمھارے ساتھ رہوں گا جب تک میرے دوست کی شادی نہ ہو جائے۔ میں روپ کمار کو بہت چاہتا ہوں ترکھان مہاراج۔"

"ہاں - تو نے جس طرح اس کے لیے جنگ کی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے۔"

”چنانچہ میں اپنے دوست کی خوشیوں میں ضرور شریک ہوں گا۔“
”اچھا۔ پھر تم سے اتنا من ہی نہ لگایا جاتا تو اچھا تھا۔ تم جاؤ گے کہاں؟“
”کوئی منزل نہیں ہے راجہ ترکھان۔“
”پھر یہاں سے کیوں جا رہے ہو؟“
”گیان کی تلاش میں۔“
”تو کیا تم من سے بھی سادھو ہو؟“ راجہ عقیدت سے بولا۔
”یوں ہی سمجھ لو ترکھان جی۔“
”ٹھیک ہے۔ بھگوان تمھاری رکھشا کرے۔“ وہ ایک گہری سانس لیکر بولا۔ دلاور سنگھ کو جس طرح شکست دی گئی تھی اس کی وجہ سے قرب وجوار کے سارے علاقے اس سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ چاروں طرف ترکھان کی دھوم مچ گئی تھی اور بہت سے چھوٹے چھوٹے راجہ اس کی امان میں آنے کی خواہش کا اظہار کر رہے تھے۔ روپ کمار کو بھی معلوم ہوا اور وہ ایک فوجی دستے کے ساتھ پہنچ گیا۔ میں نے اور راجہ ترکھان نے اس کا پُرجوش خیر مقدم کیا تھا۔ روپ کمار نے آتے ہی اس کے بارے میں پوچھا۔ راجہ ترکھان نے فخریہ انداز میں اسے میرا کارنامہ بتایا اور روپ کمار کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ ”اب کوئی ترکھانی کی طرف بُری نگاہ سے دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔“ اس نے کہا اور پھر اس نے مجھ سے درخواست کی۔ ”سروپ بھیا! اب تمھیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔ کیا میری برات میں میرے ساتھ نہیں آؤ گے؟ پتا جی نے بھی یہی سندیس بھیجا ہے۔“
”مجھے کیا اعتراض ہے۔“ میں نے کہا۔
”لیکن روپ کمار! میں چاہتا ہوں کہ سروپ کمار جب تک ہمارے درمیان ہیں میرے پاس رہیں۔ میں ان کی سیوا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم انھیں میرے پاس چھوڑ دو تو تمھاری کرپا ہوگی۔“
”سروپ جی جائیں گے کہاں مہاراج۔ میری اچھا ہے کہ میرے ساتھ جائیں۔“ روپ کمار بولا۔
”اوہ۔ تو تمھیں بھی ان کا ارادہ نہیں معلوم؟“
”کیا مطلب؟“ روپ کمار نے پوچھا اور ترکھان نے روپ کمار کو میرے ارادے کے بارے میں بتایا۔ روپ کمار تو سرے سے ہی اکھڑ گیا تھا۔
”یہ نہیں ہو سکتا بھیا۔ ہم تمھارے لیے سب کچھ یہیں لے آئیں گے۔ ہم تمھاری من پسند یاترا بنا دیں گے۔ بس بھیا تم ہمیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔“ روپ کمار بولا۔

میں ان لوگوں کی محبت کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا اور خوب سمجھتا تھا کہ وہ آسانی سے مجھے نہیں چھوڑیں گے اس لیے وہی ترکیب اچھی ہے کہ انھیں آگاہ ہی نہ کرو اور کسی دن خاموشی سے نکل چلو۔ صبر تو آ ہی جاتا ہے۔ روپ کمار بھی کچھ دن مجھے یاد کرے گا اور پھر خاموش ہو جائے گا۔ بہرحال میں روپ کمار کی ضد کے سامنے اس انداز میں خاموش ہو گیا جیسے اس سے ہار مان لی ہو اور پھر میں روپ کمار کے ساتھ تلنکا چل پڑا۔

ریاست تلنکا میں بھی میرا شاندار استقبال ہوا تھا۔ روپ کمار کی حیثیت بھی اب بدل گئی تھی۔ روپ کمار کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اب ایک ریاست کا مطلق العنان راجہ ہے اس لیے اس کی بات بھی سُنی جانے لگی تھی اور میری شہرت تو دُور دُور پھیل گئی تھی۔ لوگ جوق در جوق آ کر مجھ سے ملے۔ بڑی آؤ بھگت ہوئی تھی میری۔

لیکن میں زیادہ خوش نہیں تھا۔ ان ہنگاموں میں پھنس کر میں اپنے سارے کام بھول گیا تھا۔ نہ ہی منوکما سے ٹکراؤ ہوا تھا۔ میں اب اسے کیفر کردار تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ اب تو اس کے گُر بھی میرے ہاتھ میں تھے لیکن ابھی میں ان لوگوں میں مصروف تھا۔ روپ کمار کی شادی ہو جائے تو اس کے بعد میں خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔

اور پھر میں نے یہی کیا —— روپ کمار کی شادی اسی طرح ہوئی جیسے راجکماروں کی ہو سکتی ہے۔ دونوں ریاستوں نے دل کھول کر حسرتیں نکالی تھیں۔ میں نے بھی ان معاملات میں پوری پوری دلچسپی لی۔ میں نے ان لوگوں کی شادی کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کیں، ان کی رسومات کی رُوح معلوم کی اور اس مذہب کے بارے میں بہت سے اندازے لگائے۔

روپ کمار بہت خوش تھا —— لیکن اب مجھ پر اکتاہٹ سوار ہو رہی تھی اور پھر ایک رات مجھے موقع مل ہی گیا۔ میں نے ایک عمدہ سا گھوڑا تیار کر لیا تھا۔ کچھ ضروری چیزیں بھی ساتھ لے لی تھیں جن میں میرا کھانڈا سرِ فہرست تھا۔ یہ میرے لیے سب سے عمدہ چیز تھی اور ہمیشہ میرے کام آئی تھی۔

اور پھر رات کی تاریکی میں میں گھوڑے پر بیٹھ کر نکل پڑا۔ میں راتوں رات اتنی دور نکل جانا چاہتا تھا کہ یہ لوگ میرا نشان نہ پا سکیں۔ میں نے اتنے عمدہ گھوڑے کا انتخاب کیا تھا کہ جو بے مثال تھا اور دوڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ گھوڑا ہوا کی طرح سفر کر رہا تھا اور بہت سی آبادیاں پیچھے رہ گئی تھیں۔ میں اس گھوڑے کی بے پناہ طاقت کا قائل ہو گیا۔ پوری رات اسے ایک ہی رفتار سے دوڑتے گذری تھی لیکن ابھی تک اس کے انداز میں تھکن کے آثار نہیں نظر آ رہے تھے۔

صبح کی روشنی پھوٹی تو میں ایک بستی کے قریب تھا لیکن میں بستی سے دُور سے ہی نکل گیا اور پھر کافی دُور جا کر میں صرف گھوڑے کے خیال سے رُک گیا۔ وفادار جانور اگر ساتھ دے رہا تھا تو اس کے ساتھ زیادتی کسی طور مناسب نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے ایک سرسبز علاقے میں اسے کھول دیا اور وہ گھاس کی طرف دوڑ پڑا۔ میں بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا تھا۔ پوری رات سفر کرتے گذری تھی لیکن میرے بدن پر تھکن کا کوئی احساس نہیں تھا۔ ان معمولی چیزوں سے تو میں متاثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ روپ کمار میری گمشدگی کا احساس ہوتے ہی چاروں طرف ہنگامہ برپا کر دے گا۔ مجھے تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا لیکن میں نے ایک رات میں جتنا سفر کر لیا تھا اس کی رو سے اگر روپ کمار کے آدمی تین دن بھی اسی راستے پر بھاگتے پھریں تب بھی مجھے نہ پا سکیں گے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے رات میں سفر کیا تھا اور بستیوں سے بچ کر نکلا تھا اس لیے کسی طرف سے میری نشاندہی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

ویسے اب میرے بدن پر اچھا خاصا لباس تھا اس لیے مجھے سادھو بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا اور پھر سادھو بنے رہنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ بس اتنا جانتا تھا ٹھیک ہوں۔ اب تو مجھے منوکما کی تلاش تھی —— ہاں منوکما پھر میرے ذہن میں اُبھر آئی تھی اور میں اب پوری قوت سے اسے تلاش کرنا چاہتا تھا۔

اس کے علاوہ پروفیسر! بہت دن خشک گذر گئے تھے۔ مرد کی زندگی میں اگر عورت کی رنگینی نہ ہو تو زندگی کا کوئی مقصد ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ تمھارا کیا خیال ہے؟

”اس سلسلے میں میری رائے محفوظ رہنے دو۔“ پروفیسر خاور مسکرا کر بولا۔
”کیوں؟ شاید اپنی بچیوں کی وجہ سے؟“ اس نے کہا۔
”اوہ۔ نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔“ پروفیسر گڑبڑا گیا۔
”میرا خیال ہے پروفیسر! زندگی کے حقائق سے منہ موڑنا کسی طور ممکن نہیں ہے۔ ہم ہر اچھی بُری چیز کو دیکھتے ہیں۔ آنکھ بُری شے کو دیکھ کر بند نہیں ہو جاتی۔ ہم دیکھتے ضرور ہیں۔ چنانچہ ہمیں دیکھنا چاہیے۔“
”شاید۔ تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔“
”کیا تمھیں میری اس بات سے اتفاق ہے؟“
”کون سی بات؟“
”عورت کے بغیر۔ مرد کسی ویرانے میں تنہا پڑی بے آب وگیاہ چٹان کی مانند ہے۔“
”شاید۔“
”تم اپنا تجربہ بتاؤ۔“
”میرا تجربہ تمھارے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔“
”اوہ! کیوں؟“ اس نے دلچسپی سے پوچھا۔
”دراصل تمھاری تخلیق میں فرق ہے۔ تم خود اپنے بارے میں نہیں بتا سکتے کہ تم کیا ہو۔ اسی لحاظ سے تم سوچتے بھی ہو جبکہ ہمارا نظریہ مختلف ہے۔“
”کس لحاظ سے پروفیسر۔ براہِ کرم مجھے بتاؤ۔ تمھیں معلوم ہے کہ میں محقق ہوں۔ میں ہر اس نظریے کے بارے میں جان لینا چاہتا ہوں جو دُور کی عکاسی کرتا ہو۔“
”بھئی یوں سمجھ لو۔ میری بیوی کو مرے ہوئے گیارہ سال گذر چکے ہیں لیکن میں نے آج تک اس کے نعم البدل کی ضرورت نہیں محسوس کی۔“
”گیارہ سال؟“ وہ پُرخیال انداز میں بولا۔
”ہاں پورے گیارہ سال۔“ پروفیسر فخریہ انداز میں بولا۔
”بات ایمانداری سے ہو رہی ہے پروفیسر۔ کچھ اخلاقی کچھ مذہبی ذمہ داریاں محسوس کر کے تم نے اپنی زندگی پر اگر پاکبازی کا خول چڑھائے رکھا تو دوسری بات ہے لیکن کیا کبھی تنہائیوں میں تم نے کسی ایسے مونس کی ضرورت نہیں محسوس کی؟“ اس نے پوچھا اور پروفیسر خاور بغلیں جھانکنے لگا۔ لڑکیوں کے سامنے تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

”اور میرا خیال ہے گفتگو پھر غلط موضوع کی طرف بھٹک گئی ہے۔“ فرزانہ نے پھر درمیان میں مداخلت کی اور وہ ہنس پڑا۔
”پروفیسر کو اس بروقت امداد کے لیے آپ کا شکرگزار ہونا چاہیے مس فرزانہ۔ بہرحال میں آپ لوگوں کے احترام میں اس بحث کو ختم کیے دیتا ہوں۔ میں صرف اپنی بات کر رہا تھا اور اگر میں صرف اپنی بات کرتا ہوں تو پھر وہ عام انسانوں پر لاگو نہیں ہوتی کیونکہ میں بہرحال عام انسانوں سے بہت مختلف ہوں۔“
”یہ بات ماننے سے کسی کو انکار نہیں ہے۔“ پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”چنانچہ یہ خشک زندگی اب تکلیف دہ ہو گئی تھی۔ یہاں اس دلیش میں ابھی تک میرا کوئی کام بھی نہیں ہوا تھا مجھے ایک انوکھے علم سے دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ وہ علم درحقیقت بہت شاندار تھا لیکن اس کے حصول کا ذریعہ، اس کے پیروکار، وہ بڑے نفرت انگیز تھے اس لیے اب آہستہ آہستہ مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے میں اس کے حصول میں ناکام رہوں گا اور دوسری چیز عورت تھی۔ کم بخت منوکما نے ایسا چکر چلا رکھا تھا کہ اب میں عورت کے تصور سے خوفزدہ ہونے لگتا تھا۔ میں کسی کی زندگی سے کھیلنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

لیکن یہ منوکما۔ یہ منوکما۔ اس سے تو میں ایسا انتقام لینا چاہتا تھا کہ بس —— جس وقت تک مناسب سمجھا میں نے وہاں قیام کیا پروفیسر اور اس کے بعد میں نے وہاں سے آگے کا رُخ کیا —— اور جب رات ہوئی تو میں پھر ایک بستی کے قریب تھا۔

میں نے دُور ہی سے دیکھ لیا تھا، مشعلیں روشن تھیں اور جھونپڑیاں بکھری نظر آ رہی تھیں۔ میں نے جتنا سفر کر لیا تھا اس سے احساس ہوتا تھا کہ میں اب اتنی دُور نکل آیا ہوں کہ کم از کم روپ کمار کے آدمی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے چنانچہ اب انسانوں سے اجتناب بے مقصد تھا۔

میں نے گھوڑے کو آہستہ روی سے بستی کی طرف بڑھا دیا اور تھوڑی دیر میں بستی کی پہلی جھونپڑی کے نزدیک پہنچ گیا۔ ابھی میں نے گھوڑا جھونپڑی کے قریب ہی کیا تھا کہ جھونپڑی میں سے چھن چھن کی آواز نکلی اور پھر ایک مست خرام رنگین لباس میں ملبوس، پیروں میں گھنگھرو باندھے، آنکھوں میں کاجل لگائے، ہونٹوں پہ لالی لگائے باہر نکلی۔ اس کے چہرے پر شوخی برس رہی تھی۔ چال میں الہڑپن تھا۔ عمر بھی زیادہ نہ تھی۔ مست آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی اور پھر اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔
”کون ہو تم؟“ اس نے پوچھا۔ آواز سہمی ہوئی تھی۔
”مسافر ہوں۔ تمھاری بستی کے نزدیک سے گذر رہا تھا کہ رات ہو گئی۔ کیا اس بستی میں رات گذارنے کی جگہ مل سکتی ہے؟“ میں نے پوچھا۔
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھیں جوان ضرور تھیں مگر تاریکی میں دیکھنے کی عادی نہیں تھیں اس لیے اس نے مجھے بغور نہیں دیکھا تھا جبکہ میرے

لیے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی یکساں حیثیت رکھتی تھی۔ میں اس کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ وہ بولی۔

”مسافر ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں“ میں نے جواب دیا۔

”تو پھر مکھیا کے پاس چلو۔“

”کون مکھیا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہمارا مکھیا، ورجن لال!“

”کہاں ہے وہ؟“ میں نے پھر سوال کیا۔

”اس وقت تو چوپال میں ہوگا۔“ وہ بولی۔

”چوپال کہاں ہے؟“

”راکھو کے بیٹا ہوا ہے سب اس کی خوشی منا رہے ہیں۔ سب نے اسے بدھائی دی ہے اور چوپال میں ناچ رنگ سبھا لگی ہے۔ سبھا میں بڑا مزہ آتا ہے، لیکن کیا تم تھکے ہوئے ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں دیوی۔“ میں نے آہستہ سے جواب دیا اور وہ شرارت آمیز نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

”تو پھر چلو گے چوپال؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔ ہاں کیوں نہیں“ میں نے جواب دیا۔

”تو پھر تم مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھا لو۔“ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

اور پروفیسر میری کنپٹیوں میں خون ٹھوکریں مارنے لگا۔ یہ تو وہ ہو رہا تھا جس کا میں خواہش مند تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا لیا اور پھر میں نے سست روی سے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

لیکن میرا ذہن بھٹک رہا تھا، میری سوچ گمراہ ہو رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ آخر چوپال کیوں جایا جائے؟ چوپال کے بجائے جنگل کا کوئی تاریک حصہ، بستی سے دور کوئی ویرانہ، میری خواہشات کا مسکن، جہاں میں ہوں اور یہ جوانی ہو۔

جوان جسم میرے بدن سے مس ہو رہا تھا اور میرا خون گرم ہوا جا رہا تھا۔ لڑکی کے جسم کے چبھتے ہوئے حصے اور میرے خیالات بھٹک رہے تھے۔

”کیا نام ہے تمہارا لڑکی؟“ میں نے پوچھا۔

”گوندی!“ اس نے جواب دیا۔

”ہوں“ میں نے ایک لمحے کے لیے غور کیا اور اپنے پہلے ارادے کو ترک کر دیا۔ اتنی بے صبری بھی کسی طور مناسب نہ تھی۔ میں اس سے چوپال کا راستہ معلوم کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور کچھ دیر بعد ہم چوپال پہنچ گئے۔

گوندی اسی اطمینان سے میرے پاس بیٹھی رہی تھی اور پھر وہ چوپال کے قریب ہی گھوڑے سے اتری اور چلائی۔

”چاچا مکھیا! دیکھو مسافر آیا ہے اور میں اسے تمہارے پاس لے آئی ہوں۔“

اور چوپال پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنیں میری طرف اٹھ گئیں۔ میں گھوڑے سے اتر کر آہستہ آہستہ قدموں سے چوپال میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کے قریب جا رہا تھا۔

اور چھوٹی سی بستی کے چھوٹے چھوٹے دل والے لوگوں کے چہروں سے پتہ چل گیا کہ وہ میرے لباس سے کافی مرعوب ہوئے ہیں اور میری شخصیت سے بھی۔ شمع کی روشنی میں بہرحال میں صاف نظر آ رہا تھا۔

جسے مکھیا کہا گیا تھا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دبلا پتلا لمبا سا آدمی تھا، بوڑھا کمزور قویٰ کا مالک۔

”آؤ بھگوت، مسافر تو بھگوان کا تحفہ ہوتے ہیں۔“

”میں بہت دور سے آ رہا ہوں، تمہاری بستی کے قریب سے گذرا تو سوچا کہ ایک رات یہاں گذار لوں۔“ میں نے کہا۔

”جگ جگ مہاراج، جگ جگ۔ آؤ بیٹھو۔ جاؤ رے جاؤ۔ مہاراج کے لیے جل پانی لاؤ۔“ مکھیا نے کہا۔

سادہ دل لوگوں کی سادہ سی محفل میں بیٹھ کر میں نے خوب لطف اٹھایا۔ مکھیا نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ہاں بیٹا ہونے کی خوشی منا رہے ہیں اور میں چاہوں تو میں بھی شریک ہو سکتا ہوں اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ کیا حرج تھا تھوڑی سی تفریح ہی سہی۔ کھانے پینے کی کچھ چیزیں میرے سامنے لائی گئیں اور میں نے یہاں بھی کافی بے تکلفی برتی اور اس کے بعد ڈھول پیٹے گئے۔ کنواریوں کا بے ہنگم رقص شروع ہو گیا جس میں کوئی فن تھا کوئی کلا نہ تھی۔ ہاں جوانی کی اچھل کود بذاتِ خود بھی بہت کچھ ہوتی ہے۔ خاص طور پر مجھے گوندی نے متاثر کیا تھا۔

اور خاصی رات گئے سبھا ختم ہوئی۔ اس دوران مکھیا نے مجھ سے کہا کہ اگر میں چاہوں تو مجھے آرام کرنے کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔ لیکن اس دل کش ماحول کو چھوڑ کر جانا مجھے اچھا نہ لگا۔ ہاں جب سبھا ختم ہو گئی تو میں نے مکھیا سے آرام کی اجازت مانگی اور شاید یہ قسمت کی نوازش ہی تھی کہ مکھیا نے گوندی سے کہا؛

”جا ری جا مسافر کو رگھوا کے جھونپڑے پر لے جا۔ یہ وہاں آرام کرے گا۔“

”اچھا مہاراج!“ گوندی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس درمیان میں نے محسوس کیا تھا کہ ناچتے ہوئے بھی گوندی کی چمکدار آنکھیں میرے اوپر جمی ہوئی تھیں۔ مشعلوں کی تیز روشنی میں میں نے دیکھا تھا اور اگر میرا خیال غلط نہ تھا تو پسند بھی کیا تھا۔ ویسے بھی میں بہت جلد غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہوں لیکن گوندی جس وقت مجھے جھونپڑے میں چھوڑنے آئی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ شرما گئی۔

”کیا بات ہے مہاراج؟“ وہ لرزتی آواز میں بولی۔

”کیا مجھے یہاں اکیلا رہنا پڑے گا؟“ میں نے کہا۔

”نہیں۔ نہیں۔ تم کہو تو چاچا کو بھیج دوں؟“ اس نے شرارت سے کہا۔

”تم یہاں نہیں رہ سکتیں؟“ میں نے پوچھا۔

”ہائے رام میں کیا کروں گی یہاں رہ کر؟“

”میری یہ خواہش ہے گوندی۔ ویسے بھی ایک رات کا مسافر ہوں۔ تمہاری بستی کا مہمان ہوں۔ صبح چلا جاؤں گا۔ تم چاہو تو اس رات میری میزبان بن جاؤ۔“

”ہم کچھ نہیں جانتے مہاراج، پرنت جب ہم گھر نہ جائیں گے تو چاچا پریشان ہوگا۔“

”یوں بھی آدھی رات گزر چکی ہے گوندی! کیا تمہارا چاچا سونے کے لئے نہ لیٹ گیا ہوگا؟“ میں نے اس کے بازوؤں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”ہائے رام تم تو بڑے کٹھور ہو۔ جان نہ پہچان مہمان بن کر آتے ہو اور اب نہ جانے کیا بننے جا رہے ہو۔“ اس کے الفاظ سے، اس کے انداز سے مجھے احساس ہو گیا کہ وہ مرد کی دنیا میں اجنبی نہیں ہے اور نہ اس کی زندگی میں کوئی مرد اجنبی اور یہ اچھی ہی بات تھی پروفیسر۔ ورنہ ایک رات میں کسی کو متاثر کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ پھر بہت سی باتیں ہوئیں اور بالآخر وہ رات میرے پاس رہنے پر آمادہ ہو گئی۔ بالکل اتفاق تھا کہ وہ کام اتنی آسانی سے ہو گیا جس کا میں شدت سے طلبگار تھا۔

گوندی خوبصورت تھی۔ اس کا جسم حسین تھا۔ لیکن میرا یہی اندازہ درست تھا۔ وہ مرد نا آشنا نہ تھی۔ بھرپور عورت تھی وہ۔ ناتجربہ کاری اس میں نہ تھی اور میں نے ساری باتیں بھلا دی تھیں لیکن حیرت کی بات یہ تھی پروفیسر کہ گوندی پر منورما کا بالکل اثر نہ ہوا تھا۔ اس لئے کہ شاید یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منورما دھوکا کھا گئی ہو۔ ویسے میں نے گوندی کے ہاتھ کے ناخن بھی دیکھے تھے اور انہیں غلط نہیں پایا تھا۔

گوندی میری آغوش میں اس طرح سما گئی کہ پھر اسے مجھ سے دور جانے کا خیال نہ آیا۔ نہ چاچا یاد آیا نہ کوئی اور، نہ میری اجنبیت۔ ساری رات اس نے میرے ساتھ گزار دی اور دوسری صبح اس نے سورج نکلنے سے پہلے ہی مجھے جگا دیا۔

”مسافر۔ مسافر۔ واپس نہ جاؤ گے کیا؟“

”سورج نکل آیا ہے گوندی؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں مسافر۔“

”مگر مجھے جانے کی جلدی نہیں ہے۔“

”مجھے تو جلدی ہے مسافر۔“ وہ شرمائے ہوئے انداز میں بولی۔

”کیا مطلب؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔“ اس نے کہا۔

”کہاں گوندی؟“

”جہاں تم جاؤ گے مسافر۔“

”لیکن یہ اچھی بات نہ ہوگی گوندی۔ میں ایک رات کا مسافر تمہیں پہلی بار ملا اور تم اس طرح میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئیں۔“

”میں تمہارے ساتھ جاؤں گی مسافر۔ اگر تم نہیں لے جاؤ گے تو میں کنوئیں میں ڈوب کر جان دے دوں گی۔“

”آخر کیوں؟“

”بس تم نہیں جانتے مسافر۔“

”تم بتاؤ تو سہی۔“ میں نے پوچھا۔

”چاچا جی نے تین سال قبل میری سگائی کر دی تھی مگر گونا ابھی تک نہیں ہوا اور پھر میری پوتر تا تو کبھی کی ختم ہو چکی۔ پنڈت جی میری جان کے گاہک بن گئے ہیں۔ روزانہ مجھے بلاتے ہیں اور بستی والے ایسے اندھے ہیں کہ پنڈت جی کو مہان گیانی سمجھتے ہیں۔ ان کے کرتوت کیا ہیں یہ کوئی یاد نہیں رکھتا۔ تم اگر مجھے نہ لے جاؤ گے مسافر، تب بھی میں اس بستی میں تو نہ رہوں گی۔ کچھ کھا کر سو رہوں گی۔“ گوندی نے کہا۔

”مگر میں تجھے کہاں لے جاؤں گا، میں تو خود ایک آوارہ گرد ہوں۔“

”ہوں، آوارہ گرد ہوں۔ رات بتانے کے لئے میرے ساتھ تھے، اور جب میں اس رات کا ادھیکار مانگ رہی ہوں تو جان بچا کر بھاگنے کے چکر میں پڑ گئے۔ پاپی کہیں کے۔ سارے مرد ایسے نردوئی ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے اب تم چلے جاؤ۔ میں تو بس اب آتم ہتیا کروں گی۔“

عجب مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ اتنی اچھی بھی نہ تھی۔ کوئی پاک پوتر لڑکی بھی نہ تھی لیکن اس نے جو کچھ کہا تھا وہ مجھے لرزا دینے کے لئے کافی تھا۔ میں خوفزدہ ہو گیا۔

اور پروفیسر جو حالات مجھ پر گزر رہے تھے یا جن حالات سے میں گزر رہا تھا ان میں یہ لڑکی بھی میرے لئے کافی کام کی تھی اور اس وقت یہ غنیمت تھی۔ نہ جانے کیوں اس وقت اس پر منورما کا جادو نہ چل سکا تھا۔ میرے ذہن میں ایک شبہ نے سر ابھارا لیکن کرنامی مہاراج کی بات تو غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے اس کے سارے ناخن بغور دیکھے تھے، سب سلامت تھے اور اس کے کسی انداز میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ یہ میں نے اچھی طرح دیکھا تھا۔

کافی دیر تک میں گومگو کے عالم میں رہا۔ اس دوران گوندی مجھے متواتر جھنجوڑتی رہی۔ وہ ساتھ چلنے کے لئے بضد تھی اور اس دوران اس نے جو خوفناک باتیں کہی تھیں، تب اس سے کوئی خاص لگاؤ نہ ہونے کے باوجود اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ بہرحال مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں اس جھونپڑے سے نکل آیا۔ واہ رے بستی والو کیا خوب داد دو گے کہ کس کو مہمان ٹھہرایا تھا۔ اب تمہیں کیا معلوم کہ مہمان کون تھا، کیسا تھا۔ بعض اوقات ہم جو کچھ نہیں کرنا چاہتے، بہت کچھ کر بیٹھتے ہیں۔ اتفاقات، حادثات، واقعات۔ میں نے گوندی کو گھوڑے پر بٹھایا۔ اور یہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔

صورتِ حال وہی تھی۔ میں اتنی دور نکل جانا چاہتا تھا کہ بستی والے میرے پیچھے نہ آ سکتے۔ اور اب تو یوں لگتا تھا کہ جیسے بھاگتے ہی بھاگتے زندگی گزر جائے گی۔ گھوڑا دوڑتا تھا۔ گوندی بے پناہ خوش تھی ...... اور میں اپنی زندگی سے بیزار آگے بڑھ رہا تھا۔

کن لعنتوں میں پھنس گیا ہوں، کن مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر۔ لعنت ہے اس ودیا پر جس کے حصول کے لئے اتنی مشکلات پیش آ رہی ہیں، اور لعنت ہے اس علم پر۔ جب کہ اس سے پہلے میں نے بے شمار علم حاصل کئے تھے اور ہر صورت ان کے حصول کا ذریعہ پُر وقار تھا۔

سفر جاری رہا نہ جانے کب تک کے لئے پوری زندگی ہی سفر کے لئے تھی یا شاید زندگی بذاتِ خود ایک سفر ہے لیکن اس میں جو گوندی کا اضافہ ہوا تھا وہ عجیب و غریب تھا، ایسے لگتا تھا جیسے وہ آسمان سے ٹپک پڑی ہو، بلاوجہ، بے مقصد۔ مجھے اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

بس نہ جانے کیوں میں اسے ساتھ لے آیا تھا البتہ گوندی بہت خوش تھی، پہاڑوں کے درمیان وہ پہلی رات سے زیادہ خوش تھی، پنڈت جی نے اسے کافی تجربہ کار بنا دیا تھا اس لئے وہ اپنے تجربات کا مظاہرہ بھی کر رہی تھی اور میں بس اسے قبول ہی کر رہا تھا۔

رات گزرنے لگی، گوندی میری آغوش میں چھپی ہوئی تھی شاید یہ پہلی لڑکی تھی جس سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی بس وقت گزارنے کی بات تھی لیکن وقت بھی بڑی مشکل سے گزارا جا رہا تھا۔ رات کے آخری پہر اس کی نہ سونے دینے والی کوششوں کے باوجود میں سو گیا اور پھر زیادہ دیر آنکھ بھی نہیں لگی تھی کہ اس کمبخت نے پھر جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ وہ میرا لباس کھینچ رہی تھی مجھے جھنجھوڑ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے اس سے نفرت ہونے لگی تھی، میں نے خوفناک نگاہوں سے اسے گھورا اور پھر سخت لہجہ میں بولا، "سونے دو گوندی اب تم اتنی دلکش بھی نہیں ہو کہ تمہارے لئے پوری رات آنکھوں میں گزار دوں۔" گوندی نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اس کی خاموشی میرے لئے تعجب خیز تھی، میں نے اچانک اسے دیکھا اور مجھے محسوس ہوا کہ شاید گوندی کسی تکلیف میں مبتلا ہے، اس پر تشنج کی کیفیت طاری تھی ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے، اس کے کھینچنے اور جھنجھوڑنے کے انداز میں کوئی طلب نہیں تھی بلکہ یوں لگتا تھا جیسے وہ اذیت کے عالم میں ہو، میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ اس کے دانت بھینچے ہوئے تھے اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، میں نے قرب و جوار میں دیکھا لیکن وہاں کچھ نہ تھا شاید وہ کسی مرض کا شکار تھی، میں اس کے لئے کچھ بھی نہ کر سکا اور رفتہ رفتہ وہ خود ہی اعتدال پر آ گئی۔ پھر وہ گہری گہری سانس لینے لگی، اور تھوڑی دیر کے بعد رفتہ رفتہ خود ہی پرسکون ہو گئی۔

"کیا ہوا تھا تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں مہاراج بچپن سے یہ حالت ہے کبھی کبھی اس طرح کا دورہ پڑ جاتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا واقعی سچ مچ کا دورہ تھا؟"

"ہاں مہاراج میں سچ کہہ رہی ہوں۔" گوندی نے بدستور مسکرا کر کہا۔

"لیکن میرا خیال کچھ اور ہے۔"

"کیا خیال ہے تمہارا مہاراج؟"

"اس طرح تم مجھے جگانا چاہتی تھیں۔"

"نہیں مہاراج آپ سو جائیے۔"

درحقیقت میں کچھ اس قدر جھلایا ہوا تھا کہ کروٹ بدل کر دوبارہ سو گیا اور دوسری صبح جب خوب دن چڑھے آنکھ کھلی تو میرا سر گوندی کے زانوؤں پر رکھا ہوا تھا اور وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

بہرحال اب اتنی بے حسی بھی نہ تھی اور میں بھی اتنا پتھر دل نہ تھا کہ اس کی اس حرکت سے متاثر نہ ہوتا۔ میں اسے پیار کرتا ہوا آہستہ سے اٹھ گیا۔

گوندی میری ہر طرح سے خدمت کر رہی تھی، اس نے گھوڑے کو بھی تیار کر دیا تھا۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور سوچا ٹھیک ہے چلو جب تک کسی اور لڑکی کا انتظام نہیں ہو جاتا یہ پھر بھی غنیمت ہے۔ یہ میں نے اپنے طور پر سوچا۔

پھر میں نے اسے گھوڑے پر بٹھا لیا اور... پھر وہی تکلیف دہ، اکتاہٹ آمیز سفر۔

ابھی ہم تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ اتفاقیہ طور پر میری نگاہ گوندی کے ہاتھوں پہ پڑ گئی اور اگر میں فوری طور پر خود کو نہ سنبھال لیتا تو گھوڑے کو زوردار ٹھوکر لگتی۔

میں نے بمشکل خود کو سنبھالا اور پھر گھوڑے کو۔ گوندی کے ہاتھوں کے ناخن اچانک غائب ہو گئے تھے اور یہ علامت تھی اس بات کی کہ گوندی اب گوندی نہیں بلکہ منورما ہے۔

میرے حواس جواب دینے لگے، مجھے گوندی کا وہ تشنجی دورہ یاد آیا۔ یقیناً منورما اس کی آتما کھینچ کر اس کے بدن پر قابض ہونے کی کوشش کر رہی تھی اور جب وہ کامیاب ہو گئی تو پھر اس نے گوندی بن کر ہی مجھ سے بات کی۔

"تو آ گئی یہ چنڈال" میں نے دل میں سوچا۔ میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا، بڑی خوشی ہو رہی تھی اس وقت منورما کی کہ مجھے بچہ سمجھے ہوئے تھی کہ ایک بار پھر مجھے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئی۔ اور بھلا ہو سوامی کرناجی کا جنھوں نے مجھ میں منورما کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں تمہیں دیکھوں گا منورما۔" اور میں آہستہ آہستہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا یہی بال تو مجھے درکار تھے۔ گوندی کی وجہ سے جس قدر مشکلات کا شکار ہوا تھا اب منورما کے ملنے کے بعد وہ الجھنیں ختم ہو گئیں تھیں، میں نے اور زیادہ چاہت سے اسے اپنے سینے سے چپکا لیا۔

اور سلسلہ جاری رہا اس کے دل میں گدگدیاں ہو رہی تھیں، منورما جو آج تک مجھے چوٹ دیتی رہی تھی، جس نے اتنی زندگیاں تباہ کر دی تھیں آج میرے جال میں پھنس جائے گی۔ اور اس کے بعد۔ کم از کم میں اس کا ہر روپ پہچان سکوں گا۔ یہ معمولی بات نہیں تھی۔ اب وہ کمبخت بہ آسانی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔

میری آنکھوں میں چمک تھی۔ ہم نے دوسرا پڑاؤ بستی سے دور ہی ڈالا۔ آج رات تو میں اپنا کام کرنا چاہتا تھا۔ میں گوندی سے خاص لگاوٹ کا اظہار کر رہا تھا، میں نے اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بھی مہیا کر دی تھیں جنہیں ہم دونوں نے خوب لطف لے کر کھایا تھا۔ اور پھر میری آغوش کی شوقین منورما مجھ میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ میرے بدن کو بلیوں کی طرح بھنبھوڑ رہی تھی اور میں اسے خود سے کھل کھیلنے کا موقع دے رہا تھا میں چاہتا تھا وہ بے خود ہو جائے اور اسے کوئی شبہ نہ ہونے پائے۔

اور یہی ہوا۔ اس کی دیوانگی عروج پر پہنچ گئی۔ ہم کھلے آسمان کے نیچے تھے چاند روشن تھا اور چاندنی نے ماحول کو بالکل صاف ستھرا بنا دیا تھا۔ گوندی کے روپ میں منورما میری آغوش میں مچل رہی تھی، اور اس وقت وہ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ میں پیار سے اس کے خوبصورت بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ اس کے بالوں کی ایک موٹی لٹ میری ایک انگلی میں لپٹتی جا رہی تھی اور میں اسے زیادہ سے زیادہ بل دیئے جا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ اچھی طرح میری انگلی میں لپٹ گئی اور پھر یہاں تک میں نے اس پر قوت صرف کی، اور منورما کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"ارے۔ ارے۔ یہ کیا۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔" آخری چیخ بڑی زوردار تھی کیونکہ

میں نے ایک زوردار جھٹکا دیا تھا اور منورما کی گردن ٹیڑھی ہوگئی تھی لیکن دوسرے جھٹکے سے اس کے بالوں کی پوری لٹ میرے ہاتھوں میں آگئی۔ اس بار منورما کی چیخ بدلی ہوئی تھی۔ ایک ایسی چنگھاڑ جس سے پہاڑ گونج اٹھے اور وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے سر کے اس حصے سے خون رس رہا تھا۔

"یہ کیا کیا مہاراج۔ یہ تم نے میرے بال کیوں خراب کر دیئے۔" وہ کراہتی ہوئی بولی۔

"گوندی:" میں نے مسکراتے ہوئے اسے پکارا۔

"ہائے۔ تم نے میری تو صورت بھی بگاڑ دی۔ میرے کیسے خوبصورت بال ہیں، ذرا دیکھاؤ تو۔ ہائے کیسی موٹی لٹ ہے اور دیکھو تو خون بھی نکل رہا ہے۔ یہ تم نے کیا کیا مہاراج۔ لاؤ میرے بالوں کی لٹ دو۔" اس نے میرے ہاتھ پر جھپٹا مارا لیکن میں نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اور پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تیرے یہ بال تو مجھے بھی بہت پسند ہیں گوندی۔ ہائے کیسے خوبصورت ہیں" میں نے بالوں کی لٹ اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ گوندی جھوٹ موٹ رونے لگی تھی۔

"اب میرا سر تو ٹھیک کر دو، خون نکل رہا ہے۔ لاؤ میرے بال دو۔"

"خون نکل رہا ہے تو تمہیں کیا تکلیف ہے منورما۔ تم گوندی کا بدن چھوڑ دو۔" میں نے کہا اور منورما ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اب تک وہ جتنے ناز نخرے کر رہی تھی سب ایک دم ختم ہوگئے اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی "کیا خیال ہے منورما؟" میں نے جب پیار سے اسے پکارا لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی۔

"ارے کچھ تو بولو میری جان۔"

"تم ہمیں منورما کیوں کہہ رہے ہو ناتھ۔ ہم گوندی ہیں۔"

"تم منورما ہو گوندی۔ منورما میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اب یہ بتاؤ منورما کہ گوندی کا کیا حشر ہوا۔ اگر تم اس کا بدن چھوڑ دو تو کیا اسے جیون مل جائے گا؟"

"تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ کیسی باتیں کر رہے ہو؟" وہ ٹھنک کر بولی۔

"میری بات کا جواب دو۔" میں غرایا۔

"میں گوندی ہوں تم دیکھ نہیں رہے۔"

"اوہ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔" میں نے کہا اور میں نے اس کے بالوں کی لٹ سے ایک بال نکال لیا۔ پھر میں نے دو پتھر تلاش کئے اور انہیں رگڑ کر آگ پیدا کی، دوسرے لمحے میں نے اس بال کو آگ لگا دی۔ گوندی نے پھر ایک بھیانک چیخ ماری اور اس کی شکل سیاہ ہونے لگی، اور پھر وہ گوندی سے ایک بھیانک چڑیل بن گئی۔ میں نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"ارے گوندی، یہ تمہیں کیا ہوگیا؟"

"پاپی۔ ہتھیارے تو نے یہ گر کہاں سے سیکھ لیا؟" وہ چیخی، اور میں نے پہلے سے زوردار قہقہہ لگایا۔

"میرے بال واپس کر دے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"کیا ہوگا گوندی؟" میں نے پوچھا۔

"میں — میں تیری دیوانی ہوں۔ لیکن میرے بال واپس کر دے، ورنہ میں تیری دشمن ہو جاؤں گی، میں تیرا یہ سندر مکھڑا سیاہ کر دوں گی، میں تیری دونوں آنکھیں پھوڑ دوں گی، میں تجھے اپاہج بنا دوں گی، میرے پاس اب بھی بڑی شکتی ہے۔"

"اوہ۔ تو اب تک تو نے وہ شکتی کیوں نہ آزمائی؟" میں نے پوچھا۔

"تو جانتا ہے، تو اچھی طرح جانتا ہے۔ میں تجھ سے پریم کرتی ہوں۔ انتھاہ پریم کرتی ہوں، یہ میرا پریم ہی ہے جو مجھے جگہ جگہ تیرے لئے بھٹکنے پر مجبور کر رہا ہے ورنہ میں تو تجھے اب تک کسی اندھے کنوئیں یا دھکیل چکی ہوتی مجھے اپنا دشمن نہ بنا۔ میرے بال واپس کر دے، میں کہتی ہوں میرے بال واپس کر دے۔" اس کا چہرہ بے حد خوفناک ہوگیا۔

"بڑی ہی بے وقوف ہے گوندی۔ میں تیرا ازلی دشمن ہوں۔ میں تجھ سے بے پناہ نفرت کرتا ہوں۔ یوں سمجھ اس پوری دنیا میں مجھے سب سے زیادہ نفرت تجھ سے ہے۔ میں پوری کوشش کر رہا ہوں تجھے فنا کر دوں اور ایک دن میں اس میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ سن مجھے تیرے ان بالوں کی لٹ چاہئے تھی اب یہ میں نے حاصل کر لی ہے، تو اپنی شکتی سے اسے چھین لے، ورنہ میں اسے ہر اس موقعے پر جلاؤں گا جب تجھے اذیت دینا مقصود ہوگی۔"

"اوہ — اوہ۔ پاپی — ہتھیارے، آخری بار کہہ رہی ہوں، دیکھ سن لے آخری بار کہہ رہی ہوں۔"

"گوندی کا کیا ہوا، یہ جواب دے۔"

"مر گئی ہتھیاری کہیں کی، اب اس کا شریر بھی تمہیں مل سکے گا۔"

"تو نے ایک اور خون کر دیا۔" میں نے اسے نفرت سے گھورا۔

"میں ہر اس عورت کو ختم کر دوں گی جو تیرے نزدیک آئے گی۔ سمجھا۔ تو میرے سوا سنسار کی کسی عورت کو نہیں اپنا سکے گا۔ تیرا شریر میرا ہے، صرف میرا ہے۔"

"اے ہاں، ایک بات تو بتا، تو نے گوندی کو کیوں معاف کر دیا، کیا اس کی پہلی رات تیرے علم میں نہیں تھی؟" میں نے پوچھا۔

"میں تو سائے کی طرح تیرے پیچھے رہتی ہوں اور صرف اس سمے تیرے آڑے آتی ہوں، جب کوئی عورت تیرے پاس ہوتی ہے، اور بھروسہ رکھ کہ کبھی کوئی عورت جو تیرے نزدیک آئے گی، زندہ نہ بچ سکے گی۔"

"اب ایسا نہ ہوگا منورما۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ ہوگا؟" وہ غرائی۔

"تو دیکھ لینا، اب میں جلد ہی کسی لڑکی کو اپنے قریب لاؤں گا، جہاں میں اس کے ساتھ سوؤں گا وہاں آگ بھی روشن ہوگی اور تیرے بال میرے پاس ہوں گے۔ اگر تو نے کوئی گڑبڑ کی تو میں تیرا ایک ایک بال آگ میں ڈالتا رہوں گا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ اس طرح تو روشنی میں بھی آجاتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ منورما کا یہ حشر دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوگیا تھا اور میں اسے تڑپانے میں بڑا لطف محسوس کر رہا تھا۔ منورما کا چہرہ سیاہ سے سیاہ تر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ سخت پیچ و تاب کھا رہی تھی، پھر وہ آخری بار بولی۔

"تو تم مجھے میرے بال واپس نہیں کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے لٹ اس کی طرف جھلائی۔

"تو پھر یاد رکھنا، اب منورما صرف ان عورتوں کی دشمن نہ ہوگی جو تیرے نزدیک آئیں گی، بلکہ اب میں تیری بھی دشمن ہوں، اب میں تجھے بھی نقصان پہنچاؤں گی۔"

"ابھی سے شروع کر دے منورما، تو جانتی ہے تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دیکھ لوں گی، میں تجھے دیکھ لوں گی۔" وہ آگے بڑھ گئی اور میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے بالوں کی اس لٹ کو چوم لیا جس کے آخری سرے پر بے چاری گوندی کا خون لگا ہوا تھا۔ بہرحال چونکہ لٹ اس وقت اکھاڑی گئی تھی جب گوندی کے بدن پر منورما کا قبضہ تھا اس لئے یہ لٹ منورما کے بالوں کی لٹ ہی تھی۔

منورما غائب ہوگئی، لیکن میرا کام اب بن گیا تھا، میں نے ایک بات اب بھی منورما سے چھپائی تھی وہ یہ کہ میں اس کے ناخنوں سے اسے پہچان سکتا ہوں، یہ نکتہ میں نے ابھی چھپا رکھا تھا اور اس کا پوشیدہ رہنا ہی بہتر تھا۔ بہرحال پھر میں تنہا رہ گیا۔ بالوں کی لٹ میں نے نہایت احتیاط سے رکھ لی، اور پھر اسی جگہ لیٹ گیا۔ منورما اگر میرے خلاف کچھ کرنے کی کوشش بھی کرتی تو اس کی حماقت تھی۔ اب اس کی یہ شکتی بھی نہیں تھی کہ وہ مجھ سے بھڑ جائے۔

دوسرے دن صبح میں پھر چل پڑا، آج میری ذہنی کیفیت زیادہ درست نہیں تھی، میں اب اس ملک سے ہی نکل جانا چاہتا تھا۔ جتنا وقت میں نے یہاں گذارا تھا اور جتنی الجھنوں میں یہاں گرفتار ہوا تھا اتنا کسی اور سلسلے میں نہیں ہوا تھا۔ میں بے دین تھا پروفیسر بے دین ہوں۔ لیکن جادو سیکھنے کے لئے جو کچھ کرنا پڑتا تھا، اسے میری لاابالی فطرت بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی، اور بقول سادھو کے دوسرے قسم کا گیان تو اس کے حصول میں بھی بے پناہ مشکلات تھیں۔ سادھوؤں کو تلاش کیا جائے، ان کی خوشامدیں کی جائیں اور اس کے بعد بھی سینکڑوں ہنگامے سینکڑوں نخرے سینکڑوں جھگڑے۔ چنانچہ میں نے اس علم سے بھی دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا اور سوچا کہ یہاں سے نکل ہی جاؤں تو بہتر ہے۔ لیکن کہاں جاؤں، کسی دوسرے ملک، کسی دوسری سرزمین کی تلاش میں اس کے بارے میں معلومات کرنا ضروری ہے، تب مجھے یاد آیا کہ میں نے ایک طویل عرصہ سے اپنے سب سے سچے سب سے مخلص دوستوں کو نظر انداز کر رکھا ہے۔

آسمان پر بکھرے ہوئے ستارے میرے ہمراز میرے محسن۔ میری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، ستارے ابھی پوشیدہ تھے۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ آج کی رات اپنے دوستوں سے باتیں کرتے ہوئے گذاروں گا، وہ میرے سچے ہمدرد ہیں، یقیناً میرا ساتھ دیں گے۔

میں نے گھوڑے کے انداز میں تھکن محسوس کی اور بے دلی سے اسے ایک جگہ روک دیا، زین کھولی اور اسے آزاد چھوڑ دیا۔ خود میں ایک پہاڑی چٹان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اب مجھے صرف رات ہونے کا انتظار تھا۔ میں اس علاقے سے دل برداشتہ ہوگیا تھا۔ تب اچانک پشت پر مجھے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی اور میں نے گھوم کر دیکھا اور اچھل پڑا۔

سادھو کرنامی کی صورت میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے میری جانب آرہا تھا۔ بہرصورت یہ ایک عمدہ انسان تھا اور میں اس سے کسی حد تک متاثر بھی تھا، چنانچہ میں نے کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا اور کرنامی میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"کیسے ہو بالک؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں، تمہارا دیش چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

"ارے۔ کہاں۔ کیا یہ تمہارا دیش نہیں ہے؟"

"میں نے شاید تمہیں پہلے بھی بتایا تھا مہاراج کہ میں ساری دھرتی کا انسان ہوں، میری دنیا محدود نہیں ہے۔"

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی بالک؟"

"تم نے خود ہی کہا تھا کرنامی مہاراج کہ میں عام لوگوں میں سے نہیں ہوں۔"

"غلط تو نہیں کہا تھا، میرا گیان یہی بتاتا ہے۔ تیرے جنم کنڈل کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ تیرے بارے میں معلوم کر دوں، پرنتو میں اس میں ناکام رہا، تب میرے ویروں نے بتایا کہ تیرے ستارے آکاش کے ان کونوں میں چھپے ہوئے ہیں جو منش کی نگاہوں سے اوجھل ہیں، اور بالک جن کے ستارے منش نہ دیکھ سکیں وہ دیوتا ہوتے ہیں، اوتار ہوتے ہیں یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے بارے میں بھگوان نے منش کو بتانا ٹھیک نہیں سمجھا۔ میں نے وہی بات کہہ دی جو مجھے معلوم ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے کرنامی مہاراج! میں تو صدیوں کا انسان ہوں۔"

اور جب میں زندگی سے تھک جاتا ہوں تو پھر سکون کی نیند اپنا لیتا ہوں۔ مجھے نہ انسانوں سے بیر ہے نہ محبت۔ میں تو ان کے درمیان آتا ہوں، ان کے ماحول کو ان کی تہذیب کو دیکھتا ہوں اور اپنی کتاب مرتب کرتا رہتا ہوں۔ سب سے زیادہ محبت مجھے اپنی کتاب کے اوراق سے ہے جو تاریخ کی سچی کہانی سناتے ہیں جس میں حقائق توڑ مروڑ کر نہیں درج کیے جاتے، یہ تو انسان کی سچی کہانی ہے جسے میں رقم کر رہا ہوں۔"

• میرا من کہتا تھا تو مہان ہے بالک، بلاشبہ تیرے پاس سنسار کے بہت سے آدرش ہوں گے۔"

• ہاں۔ میں نے صدیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے گذرتے دیکھا ہے مجھے علم سے محبت رہی ہے اور آج بھی میں علم کے لئے سرگرداں ہوں اور شاید صدیوں بعد بھی، صدیوں بعد کے انسان سے کچھ سیکھ لینے کا خواہاں ہوؤں گا۔"

• میرے دیش سے تمہارا من کیوں بھر گیا؟"

• بس یہاں کچھ نہیں ہے، میں یہاں سے آگے جانا چاہتا ہوں۔ میں یہ دیش چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ یہ الجھنوں کی سرزمین ہے اور میں آزاد ذہن کا مالک۔"

• اور منورما سے بدلا نہ لوگے؟" کرنامی نے پوچھا۔

• نہیں۔ وہ عورت میرا کیا بگاڑ سکتی ہے، اس نے میرا کیا بگاڑ لیا ہے۔ بس مجھے اس سے یہی پرخاش تھی کہ اس نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جن کا تھوڑا بہت تعلق مجھ سے تھا لیکن اب یہ میرا معاملہ نہیں ہے، میں تو یہ دیش چھوڑ ہی رہا ہوں۔" اور یہ حقیقت تھی پروفیسر کہ اچانک میرے ذہن میں کچھ جھنجلاہٹوں نے جنم لیا تھا۔ میں نے واقعی سوچا تھا کہ اب یہاں رہنا فضول ہے۔ اگر فوری طور پر میرے مطلب کی کوئی سرزمین نہ مل گئی تو پھر میں سونا پسند کروں گا، طویل اور گہری نیند۔

• میرے دیش سے ایسے نہ جا بالک، یہاں ابھی بہت کچھ ہے۔ تجھے بہت کچھ ملے گا۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اگر تو گیان چاہتا ہے تو میں تجھے راستے دکھا سکتا ہوں۔ آج بھی میں وہی بات کہہ رہا ہوں۔"

• تم اس دیش کے ایک اچھے انسان ہو کرنامی، میری کتاب میں تمہارا نام ایک اچھے انسان کی حیثیت سے درج ہوگا اور اگر کبھی کسی بھی دور میں تاریخ کی یہ سچی کتاب اس دور کے انسانوں کے سامنے آئی تو وہ اس میں تمہارا نام ضرور دیکھیں گے۔" میں اٹھ گیا، اور اب مجھے ستاروں کی آمد کا بھی انتظار نہیں تھا مجھے سمندر کی تلاش تھی۔ ذہن پر جو کچھ سوار ہوا تھا اسے میں فوری طور پر پورا کر دینا چاہتا تھا۔ کرنامی نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں، لیکن میں نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی اور چلتا رہا۔ راستوں سے بے نیاز، مجھ پر نیند سوار تھی اور پھر جب سمندر کی چنگھاڑ سنائی دی تو مجھے یوں لگا جیسے ماں کی آغوش میرے لئے وا ہو موجیں دھیمے سروں میں کوئی لوری گنگنا رہی ہوں۔ میری آنکھیں ایک دوسرے سے جڑنے لگیں۔ بمشکل میرے قدم مجھے سمندر تک لے گئے۔ اور پھر میں نے خود کو سمندر کے نرم بستر پر گرا دیا، گہرے اور گہرے سمندر کی طرف۔ اور پھر میں دنیا سے بے خبر ہو گیا۔ موجیں میری محافظ بن گئیں، نہ جانے کب تک کے لئے۔

سمندر،

ماں کی نرم آغوش کی مانند۔ میں ماں اور باپ کے لفظ سے آشنا ضرور ہوں پروفیسر لیکن مجھے ان لفظوں کی دلکشی اور ان کے ساتھ ابھرنے والے تصور سے ناواقفیت ہے۔ ہاں میں نے لوگوں کے جذبات اور اپنے مشاہدے سے ماں کا احساس کیا ہے۔ میں نے تکلیف سے بلکتے ہوئے بچے کو ماں کی آغوش میں پُرسکون ہوتے دیکھا ہے اس لیے سکون کی جگہ کے لیے میں ماں کی آغوش کے لفظ کو سب سے موثر اور جامع سمجھتا ہوں۔ میری اس طویل کہانی سے تم نے اندازہ لگایا ہوگا کہ ادوار میں مجھے کتنی بڑی قدرت حاصل رہی ہے۔ میں نے کس طرح ہر ماحول کو تابع کیا ہے۔ کوئی سا دور ہو، کیسے ہی لوگ ہوں بہرحال انھیں میری حیثیت میری برتری تسلیم کرنی ہی پڑی ہے لیکن اس طویل تر زندگی میں، جب بھی میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو خود کو بے شمار چیزوں سے محروم پایا اور پروفیسر میں نے ان چیزوں کے حصول میں خود کو بے بس بھی پایا، جن میں سے ایک ماں بھی ہے۔ میری یہ کہانی سبق دیتی ہے کہ لمحاتی زندگی میں خود کو مکمل سمجھ لینے والے کس قدر احمق ہوتے ہیں۔ میں نے اس طویل زندگی میں بھی اپنی مرضی کے مطابق وہ چیزیں حاصل کرنے میں ناکامی کا منہ دیکھا جنھیں میں حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔"

"بڑی عمدہ بات کہی ہے تم نے۔" پروفیسر خاور نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"گہری نیند سو جانے کے بعد آپ کے احساسات بھی سو جاتے ہوں گے، اس وقت آپ کے ذہن میں کوئی بات تو نہ ہوتی ہوگی؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں، اس انسان کی مانند جو بستر پر سکون کی نیند سو جاتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا سمندر کا کوئی طوفان، یا سمندر میں کوئی حادثہ آپ کو جگا نہیں سکتا تھا؟" فروزاں بھی خاموش نہ رہی۔

"جگا سکتا تھا لیکن حادثے میرے لیے نقصان دہ نہیں ہوتے اس لیے میں نے کبھی ان کی پرواہ نہیں کی۔ ایسے اوقات میں میری کیفیت اس انسان کی ہوتی ہے جسے سوتے میں کسی چیز کے گرنے کی آہٹ محسوس ہوتی ہے لیکن اسے اندازہ ہوتا ہے کہ کیا چیز گری ہے اس لیے وہ اس کی پرواہ کیے بغیر دوبارہ کروٹ بدل کر سو جاتا ہے۔"

"لیکن ہمارے مسئلے میں تو ایسا نہیں ہوا تھا؟" فروزاں بولی۔

"میں انسانوں کی ایک علیحدہ قسم میں ضرور ہوں لیکن میری ضروریات، وہ تم نے دوسرے انسانوں سے مختلف نہیں پائی ہوں گی۔ مثلاً خوراک، یہ حقیقت ہے کہ اگر خوراک نہ ملے تب بھی میں نہ تو مضمحل ہوں گا اور نہ میری کیفیت خراب ہو گی لیکن خوراک کے حصول کے بعد جو سکون ملتا ہے اسے تم میری ضرورت سمجھ سکتے ہو پروفیسر۔ اسی طرح میرا بدن چند باتوں سے جلا پاتا ہے اور دنیا کی ترقی نے مجھے بھی بہت کچھ دیا ہے۔ مثلاً اپنے جسم کی

تروتازگی کے لیے میں نے اس بار ایسی ایجاد کی تھی جس سے میرا جسم متاثر نہ ہو۔ تم درست زبان میں سمجھو، مجھے علم ہو گیا کہ اب میں جس صدی میں سو رہا ہوں اس کے بعد کی صدیوں کا انسان بے حد خطرناک ہوگا۔ وہ ایسی زہریلی گیسوں پر قابو پالے گا جو دور دور تک تباہی پھیلائیں گی، بارودی قوت کے علاوہ وہ بہت سی قوتوں کو تابع کرے گا اور اس طرح خطرات بڑھ جائیں گے چنانچہ میں نے اپنے بدن کو ان خطرات سے محفوظ کیا تھا۔"

"اوہ — یہ بات ہے۔" خاور نے گردن ہلائی۔

"ہاں پروفیسر، اور اس میں کوئی یاوہ گوئی نہیں ہے۔"

"تو تم بتا رہے تھے کہ تم سمندر کی آغوش میں سوئے ہوئے تھے —؟" فروزاں بولی۔

"ہاں اور میں نے اسے ماں کی آغوش سے تشبیہ دی تھی —" وہ مسکرا کر بولا۔

"ہمیں یاد ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اور ماں کی آغوش بھی یاد ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اوہ۔ وہ نہیں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"یہ بچیاں بھی اس لمس سے نامانوس ہیں۔ میری بیوی ان کے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھی۔"

"اوہ۔ اس طرح ہم لوگوں میں کوئی بات مشترک تو نکلی۔ بہرحال میں ماں کی آغوش کا تجزیہ اسی لیے کر رہا تھا کہ اس آغوش میں بڑا سکون ہے اور اس پُرسکون آغوش میں سوتے ہوئے اگر کوئی جگانے کی کوشش کرے تو بہت غصہ آتا ہے۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ سمندر میں سوتے ہوئے مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ سمندر میں سوتے ہوئے مجھے کتنا عرصہ گذر چکا ہے۔ میری نیند اس قدر گہری تھی کہ مجھے اس دوران ہونے والے واقعات بھی یاد نہیں رہے۔ میں تو اس وقت جاگا جب نہ جانے کیسے دھماکے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ میری کیفیت ایسی ہی تھی جیسے کسی کو کچی نیند سے جگا دیا جائے۔ میں نے خوابیدہ آنکھوں سے اردگرد کے ماحول کو دیکھا اور پھر مجھے حیرت ہوئی۔ نہ جانے میں کسی سمندری مخلوق کے درمیان تھا یا پاگلوں کی بستی میں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں کسی اونچی جگہ پر ہوں اور میرے گرد بے شمار لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ رنگارنگ لباس پہنے، ماتھوں پر تلک لگائے ان کے ہاتھوں میں عجیب قسم کے چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کے ساز تھے۔ جس چیز سے دھماکے پیدا ہو رہے تھے وہ ڈھول کی آواز تھی جو سوتے ہوئے ذہن پر ایسی ہی ضربیں لگا رہی تھی جیسے دھماکے ہو رہے ہوں۔

لیکن میں ان گدھوں کے ہاتھ کہاں سے لگ گیا اور اردگرد کے ماحول سے یہ بھی نہیں احساس ہوتا تھا کہ یہ سمندر ہے۔ پتہ تو یہ چلتا تھا کہ میں ابھی تک انہی آریلوں کی سرزمین پر تھا جہاں سے میں نے پریشان ہو کر نکل جانے کا عہد کیا تھا۔ ان کے لباسوں اور پیشانی کے نشانوں سے اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نسلاً اور مذہباً ہندو ہیں۔

بعد میں میں نے حالات کا مزید جائزہ لیا اور مجھے پتہ چلا کہ میں ایک زمین سے کسی قدر اونچے مٹی کے چبوترے پر ہوں۔ میرے چاروں طرف خوشبوئیں سلگ رہی تھیں جن کا دھواں مجھے کسی حد تک ناگوار محسوس ہو رہا تھا۔

لیکن آخر یہ ہے کیا لغویت؟ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور میرے اٹھتے ہی بے شمار آوازیں گونج اٹھیں۔

ہے بھگوان — ہے رام۔ ہرے شنکر۔ ہری اوم۔ پھر سنکھ اور مجیرے بجنے لگے۔ کان پھاڑ دینے والی آوازیں چاروں طرف سے ابھر رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی لوگ چیخ رہے تھے۔

"جاگ اٹھا۔ جاگ اٹھا دھن داسیو۔ اپرم پردھان جاگ اٹھا۔ چمتکار ہو گیا۔ دھن واد چمتکار ہو گیا۔ جاگ اٹھے بھاگ ہمارے اور اب چنتا نہیں اپرم کار ہو گیا۔"

میں ان آوازوں کو سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنی دانست میں ان احمقوں نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے لیکن انھوں نے میری نیند خراب کر دی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سوئے ہوئے مجھے ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا ہے خیر دیکھوں تو سہی ان گدھوں نے کیا چکر چلایا ہے۔ میں خاموشی سے بیٹھا انھیں دیکھتا رہا۔ عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ خوبصورت ہندو عورتیں مجھے ہمیشہ سے پسند تھیں۔ نظر آنے والیوں میں بھی بہت سے خوبصورت چہرے ایسے تھے جنھوں نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ ان کی تعداد کافی تھی۔ بہرحال اس وقت تو میں اپنے اس طرح جاگ جانے سے زیادہ خوش نہیں تھا اس لیے پوری طرح ان کے چہروں کا جائزہ نہیں لے سکا۔ میں تو ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو میرے اس طرح جاگ جانے سے بیحد خوش نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں؟ اب تو ان سے معلوم ہی کرنا پڑے گا چنانچہ میں چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔

لوگ مجھ سے سہمے ہوئے بھی تھے اور ان کے چہروں پر عقیدت بھی نظر آ رہی تھی۔ میں نے بے زاری سے انھیں دیکھا اور پھر انھیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔ دو تین بوڑھے آدمی ہاتھ جوڑے میرے نزدیک پہنچ گئے۔ انھوں نے مجھے پرنام کیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیوں جمع ہوئے ہو تم لوگ؟" میں نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"ہے اپرم پردھان ہم تیرا سواگت کرتے ہیں۔ ہم اپنے درمیان تجھے پا کر بہت خوش ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تو ہمارے سارے کشٹ دور کر دے گا۔ ہم تیرا سواگت کرتے ہیں بھگوان۔"

"اوہ، مگر تم مجھے نکال کہاں سے لائے ہو؟"

"ست ساگر سے مہاراج، ست ساگر سے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولے۔

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔ کسی ڈھنگ کے آدمی کو بلاؤ۔" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور وہ سہمے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ

گئے اور ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

تب ان کے عقب سے ایک شخص آگے بڑھا اور میرے سامنے پہنچ گیا۔ یہ ایک دراز قامت بوڑھا تھا۔ اس کی داڑھی کافی لمبی تھی اور لمبے لمبے بال جٹاؤں کی شکل میں بکھرے ہوئے تھے! اس نے بھی میرے سامنے عقیدت سے ہاتھ جوڑے اور پھر دوسرے لوگوں سے بولا۔ "دیکھتے نہیں ہو، ناویوا مہاراج گہری نیند سے جاگے ہیں۔ ابھی سے انھیں پریشان کر رہے ہو۔ جاؤ، انھیں آرام کرنے دو، وہ پھر تمھیں درشن دیں گے۔"

بوڑھے کی آواز وزن رکھتی تھی۔ عقیدت مند چھٹنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے۔ صرف بوڑھا ضعیف میرے سامنے کھڑا رہا تھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" میں نے پوچھا۔ اتنا اندازہ تو مجھے ہو گیا تھا کہ کسی طرح میں انھیں سمندر میں مل گیا ہوں۔ احمق لوگ نہ جانے میرے بارے میں کیا کیا مفروضات گھڑ لیے ہوں گے اور مجھے سمندر سے نکال لائے ہیں۔ اب جبکہ یہ ہو ہی گیا ہے تو پھر انھیں بھی دیکھ لیا جائے۔ نیند تو اب اچٹ ہی گئی تھی۔

"کشٹ بھومی ہے مہاراج۔ کشٹ بھومی، جہاں ہم جیون کٹھنائیں بھوگ رہے ہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"تمھاری بستی کہاں ہے؟"

"پہاڑوں میں رہتے ہیں مہاراج۔ گپھاؤں میں رہتے ہیں۔"

"اوہ، کیوں؟ صورت شکل سے تو تم سمجھدار لوگ لگتے ہو۔"

"ہے ابرم پردھان، یہی تو رونا ہے۔ ہم سے ہمارے گھر چھین لیے گئے ہیں۔ دربدر کر دیا گیا ہے ہمیں۔ پرنت اب تو جاگ اٹھا ہے، اب ہمارے سارے کشٹ دور ہو جائیں گے۔"

"تمھارا کیا نام ہے؟" میں نے اس کی بکواس سے بور ہو کر پوچھا۔

"ہری داس۔ داس کا نام ہری داس ہے۔"

"تو ہری داس، تم نے مجھے گہری نیند سے جگایا ہے۔ کیا تمھارے پاس کوئی ایسی گپھا نہیں ہے جہاں میرے لیے جگہ بن سکے۔ میں ابھی تمھاری کچھ نہیں سنوں گا، پہلے تمھیں مجھے ہوش میں لانے کے لیے کچھ کرنا ہو گا۔"

"جگ جگ بھگوان۔ مہاراج چندر گپت نے خود آپ کے لیے ایک گپھا خالی کرائی ہے۔ پدھارو مہاراج ۔ پدھارو۔" اس نے استقبالیہ انداز میں کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

پہاڑی علاقہ تھا۔ سبزہ تو اس سرزمین کے چپے چپے پر تھا اور یہ اس کی خوبی تھی۔ میں نے یہاں کہیں بھی خشکی نہیں دیکھی تھی۔ اس سلسلے میں یہ سرزمین مجھے بہت پسند آئی تھی۔ ایک اونچا پہاڑی سلسلہ دور تک چلا گیا تھا اور ان پہاڑیوں میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ یہی سوراخ ان لوگوں کا مسکن تھے۔ سوراخوں میں لوگ آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہ سب رک کر مجھے دیکھنے لگے تھے لیکن اس وقت میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ میں ایک عجیب سی بے کیفی محسوس کر رہا تھا۔ بہرحال میں ایک غار میں آ گیا جسے حتی الامکان سجانے کی کوشش کی گئی تھی۔

"ہری داس!" میں نے بوڑھے کو پکارا۔

"مہاراج ۔ داس حاضر ہے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"کیا تم آگ کا بندوبست کر سکتے ہو؟ میں نہان کروں گا۔" میں نے کہا اور بوڑھا سر کھجانے لگا۔

"کیا؟ مہاراج گرم پانی سے اشنان کریں گے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، دہکتی ہوئی آگ سے۔ تمھارے ہاں لکڑیاں تو مل جاتی ہوں گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ۔ ہاں مہاراج۔ جتنی من چاہے۔"

"بس تو کسی مناسب جگہ ایک بڑا الاؤ جلوا دو اور اس میں خوب تیز آگ روشن کر دو۔ آگ جتنی دہکا سکتے ہو دہکا دو۔ میں اس کے بعد ہی تم لوگوں سے باتیں کروں گا۔" میں نے کہا۔

"جو آگیا مہاراج۔" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور میں پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔ بوڑھا باہر نکل گیا تھا۔ یہ سب کچھ نیا نہیں تھا پروفیسر! اور مجھے وہی باتیں وہی انداز دوہرانا پسند بھی نہیں تھا لیکن اگر تم غور کرو تو اس سے ایک بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ انسان ابتدا سے ہی محیر العقول واقعات سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ وہ ہمیشہ ان چیزوں سے مرعوب ہوا ہے جو اس کی سمجھ میں نہیں آتیں —— اور شاید آج تک انسان اپنی اس فطرت کا تابع ہے۔ اس کی یہ عادت آج تک نہیں بدل سکی۔

بہرحال ابھی مجھے ان لوگوں کے بارے میں معلومات نہیں تھیں — نہ جانے کون تھے، کون سے علاقے سے تعلق رکھتے تھے، مجھ سے کیا چاہتے تھے؟ لیکن جو بکواس انھوں نے کی تھی اس سے پتہ چلتا تھا کہ کسی مصیبت کے شکار ہیں اور مصیبت کے وقت انسان انھی توہمات کا سہارا لیتا ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ ہوا میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں ابھی جاگنا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی تو مجھے سوئے ہوئے کچھ وقت بھی نہیں گذرا تھا۔ اب آگ ہی میرے بدن کی کھولت دور کر سکتی تھی۔

لیکن ایک بات سوچنے کی اور تھی۔ انھوں نے کسی چندر گپت کا نام لیا تھا۔ یہ شخص کون تھا۔ بظاہر یہ پہاڑوں میں رہنے والے ایک گروہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی کوئی حکومت تو معلوم نہیں ہوتی تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد میرے ذہن کی ساری تھکن اچانک دور ہو گئی۔ دو خوبصورت لڑکیاں اندر داخل ہو گئی تھیں۔

"داسیاں ہیں مہاراج۔ میرا نام بیلا ہے اور یہ کامنی ہے۔" انھوں نے بےتکلفی سے کہا۔ الھڑ اور کسی قدر شوخ معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے خوف بھی نہیں تھا۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"سیوا کرنے مہاراج!"

"اوہ۔ تو سیوا کرو۔" میں مسکرا کر بولا۔

"ہم آگیا دیں مہاراج۔" دونوں مستعدی سے بولیں۔

"تمھیں کس نے بھیجا ہے؟"

"ہری داس مہاراج نے۔"

"یہ ہری داس کون ہے؟"

"وہی جو ابھی آپ کے پاس سے گئے ہیں۔"

"اوہو۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں مگر وہ تمھارے درمیان کیا حیثیت رکھتے ہیں؟"

"مہان پرش ہیں۔ گیانی ستیہ ناتھ کے سب سے بڑے چیلے۔"

"گیانی ستیہ ناتھ؟"

"مہان گیانی۔ انھوں نے ہی تو آپ کے بارے میں بتایا تھا۔" کامنی بولی۔

"خوب! کیا بتایا تھا؟"

"اب یہ تو لمبی کہانی ہے۔ پہلے تم ہمیں یہ بتاؤ کہ ہم تمھاری کیا سیوا کریں؟" بیلا نے کہا۔ لڑکیاں واقعی نڈر تھیں اور مجھے وہ حیثیت نہیں دے رہی تھیں جو ان حالات میں دینی چاہیے تھی۔

"ہوں۔ تو تم سیوا کرنے آئی ہو؟"

"ہاں مہاراج!"

"مگر اس وقت تو میرا کوئی کام نہیں ہے، سوائے اس کے کہ تم مجھ سے باتیں کرو لیکن اگر تمھارا دل مجھ سے باتیں کرنے کو نہیں چاہ رہا تو تمھاری مرضی ہے تم جا سکتی ہو۔"

"چلو بیلا چلیں۔" کامنی نے کہا۔

"اری تو جا۔ تجھے تیرا بیدی یاد آ رہا ہو گا۔ میرا کون ہے۔ میں تو مہاراج سے باتیں کروں گی۔" بیلا نے شرارت سے کہا۔

"بیدی کون ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ کامنی کے چہرے پر شرم کی سرخی پھیل گئی۔

"پریمی ہے اس سسری کا۔ پریم جال میں پھنسی ہوئی ہے بیچاری۔ ہائے ہائے۔"

"بیلا! تو باز نہیں آئے گی؟" کامنی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"ارے واہ۔ کوئی جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں مہاراج بھگوان کی سوگند آدھی رات کو اٹھ کر اس کے پاس جاوے ہے۔" بیلا نے ہنستے ہوئے کہا اور ایک طرف سرک گئی۔

"ہائے رام۔ لاج نہیں آوے ہے تجھے۔" کامنی نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

"اے لو مہاراج، اس میں لاج کی کیا بات ہے کوئی بات ہے؟"

"بالکل نہیں۔" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"سمجھاؤ اسے۔"

"تم بھی تو اس کے بارے میں بتاؤ کامنی، کیا یہ کسی سے پریم نہیں کرتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ارے ہم ایسے گڑھی نہیں جس میں چیونٹے لگیں۔" بیلا نے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بڑی کٹھور ہے مہاراج۔ بے چارے ستھو نے اس سے پریم بول کہے۔ اس نے رات کو اسے بلا لیا اور دوسری طرف اس کے چاچا کو بھی۔ اسے چھپا کر اس نے ستھو سے کہا کہ وہ پھر سے کہے کیا کہہ رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا، ستھو نے پریم بول کہے اور اس کے چاچا نے پھٹے ہوئے جوتے سے اس کی وہ پٹائی کی کہ بس دیکھتے رہو۔" کامنی نے جواب دیا۔

میں بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔ ان سہمے سہمے چہروں سے مجھے وحشت ہو رہی تھی لیکن ان بے تکلف لڑکیوں کی تھوڑی ہی دیر کی گفتگو نے میرے ذہن کو شگفتگی بخشی تھی۔

"اچھا کامنی، تم جاؤ۔ میں بیلا سے باتیں کروں گا۔"

"بھگوان کرے۔ یہ تمھارے پریم جال میں پھنس جائے۔" کامنی اسے کوستی ہوئی بولی اور منہ بسورتی ہوئی باہر نکل گئی۔ بیلا قہقہے لگا رہی تھی۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک بار میرے چہرے کی طرف دیکھ کر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ "ہائے رام۔ آپ مہاراج۔ آپ ناراض تو نہیں ہوئے؟"

"کیوں؟ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا اور وہ پھر ہنس پڑی۔

"بس مجھے تو نہیں معلوم مگر دوسرے لوگ تمھیں نہ جانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ ہری داس جی تو تمھارے نام سے کانپ رہے تھے۔ ہمیں بہت سمجھایا کہ ہم تمھاری سیوا بڑے من سے کریں۔ اگر ابرم پردھان ناراض ہو گئے تو پوری آبادی پر کشٹ آ جائے گا۔ تم بتاؤ مہاراج ایسا ہو گا تو نہیں ۔؟" اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"نہیں ہو گا لیکن ایک شرط پر۔"

"شرط؟ کیسی شرط مہاراج؟" اس نے پوچھا۔

"میں تجھ سے جو کچھ پوچھوں مجھے بتا۔" میں نے کہا۔

"بتا دوں گی، پر مجھے بیٹھنے کی آگیا تو دو، کھڑے کھڑے تھک گئی ہوں۔" اس نے کہا اور میں نے اسے بیٹھنے کی پیش کش کر دی۔ وہ اطمینان سے زمین پر بیٹھ گئی اور پھر بولی۔ "اب پوچھو۔"

"پہلے تو اپنے بارے میں بتا۔"

"کیا بتاؤں اپنے بارے میں؟"

"تو کون ہے؟"

"ارے بتا تو چکی ہوں اونچا سنتے ہو کیا۔ میرا نام بیلا ہے —— دھنی رام کی بیٹی ہوں۔ تمھارے پاس اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تمھاری سیوا کروں تاکہ تم مجھے آشیرواد دو اور میرے نصیب اچھے ہوں اور ہمارے کشٹ بھی دور ہوں۔"

"اوہ کشٹ کیا ہیں تمھارے؟"
"نو۔ مجھیں نہیں معلوم۔ ارے ہم سدا سے ان پہاڑوں میں تھوڑی رہتے ہیں۔"
"اوہ۔ پھر؟" میں نے پوچھا۔
"ہم مگدھ دیش کے باسی ہیں۔ مہاراجہ پدمانند جی نے ہمیں دربدر کیا ہے۔ مہاراج چندرگپت کوشش کر رہے ہیں کہ راجہ پدمانند سے رن کریں اور راجدھانی چھین لیں۔"
"اوہ۔ چندرگپت کہاں ہے؟"
"کہیں گئے ہوئے ہیں۔ اب ساری باتیں تو ہمیں معلوم نہیں ہیں۔" اس نے ان باتوں سے اکتائے ہوئے کہا۔
"خوب! میرے بارے میں تو کیا جانتی ہے؟"
"تو تمھارے بارے میں، میں کیا جانوں؟" اس نے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ درحقیقت اس احمق سی لڑکی سے مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہو سکتا تھا۔
"شادی ہو گئی تیری؟" میں نے پوچھا۔
"دیکھو۔ دیکھو۔ ایسی باتیں مت کرو، اس لیے نہیں کہ مجھے شرم آوے ہے، بلکہ میں تو شادی کروں گی ہی نہیں۔ میں کسی کے نخرے وخرے نہیں اٹھا سکتی۔ میں نے ماتا جی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ ارے واہ، ایک تو شادی کرواو پر سے پتی دیو کے نخرے اٹھاؤ۔ یوں اینٹھتے ہوئے آتے ہیں جیسے لنکا جیت کر آئے ہوں۔ پھر ان کے چرن دھلاؤ، ان کے لیے بھوجن پروسو اور جب وہ بھوجن ٹھونس رہے ہوں تو بیٹھ کر انھیں پنکھا جھلو، جیسے سورگ کا ٹھیکہ انھوں نے ہی لے رکھا ہو۔" اس نے اس انداز میں کہا کہ میں بہت محظوظ ہوا۔ جاگ جانے کی آدھی کوفت اس لڑکی نے دُور کر دی تھی۔
"تو تو شادی نہیں کرے گی؟" میں نے لطف لیتے ہوئے کہا۔
"نہ مہاراج نہ۔ بھگوان نہ کرے۔ ہائے میں تو کہتی ہوں وہ ہتھیارا کوڑھی ہی ہو جائے جو مجھ سے شادی کرنے آئے۔" بیلا دانت پیس کر بولی۔
"پریم بھی نہیں کیا بیلا؟"
"لو۔ پریم کر کے کیا کروں، کسی سے پریم کرو تو پھر وہ شادی کے لیے کہے گا۔ تم نہیں جانتے مہاراج یہ مرد بڑے ہی نیچ جات ہووے ہیں۔ جب پریم کرے ہیں تو ایسی باتیں کرے ہیں جیسے جیون بھر چرن دھو دھو کر پیئیں گے اور جب ان کی بات مان کر شادی کر لو تو بس سارا پریم بھول جاوے ہیں۔ نہ مہاراج میں پریم وریم کے چکر میں نہ پڑوں۔"
"بڑی اچھی لڑکی ہے تو۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ اس کی باتوں نے مجھے بہت محظوظ کیا تھا۔
"اب ہم جائیں مہاراج، کوئی کام ہو تو بتاؤ؟"
"کوئی کام نہیں ہے بیلا۔ بس تم آتی رہنا۔"
"ہاں، ہاں آئیں گے۔ جے رام جی کی۔" اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ میں اس کی باتوں پر دیر تک مسکراتا رہا تھا۔ پیاری لڑکی تھی بہرحال اب ان لوگوں نے میری نیند تو خراب کر ہی دی تھی۔ بیلا نے جو کچھ بتایا تھا وہ ناکافی تھا لیکن اس سے زیادہ میں اس لڑکی سے کچھ معلوم بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ یہ لوگ مجھ سے کسی قسم کی مدد چاہتے تھے اور چکر وہی تھا جو پہلے بھی پیش آ چکا تھا۔ بہرحال اس دنیا میں توہمات کو بڑی حیثیت حاصل تھی۔ ان لوگوں کا بھی کوئی ایسا ہی سلسلہ ہو گا۔ پھر ہری داس واپس آ گیا۔
"آگ جلوا دی گئی ہے مہاراج، پر آپ اشنان کیسے کریں گے؟"
"آؤ۔ مجھے وہاں لے چلو۔" میں نے کہا اور ہری داس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ پہاڑوں میں بے شمار جگہیں ایسی تھیں، جہاں آگ روشن کی جا سکتی تھی۔ کافی دُور پر ایک پہاڑی کٹاؤ میں، میں نے شعلے بلند ہوتے محسوس کیے۔ بہرحال ابھی یہاں کوئی تماشہ دکھانا مقصود نہیں تھا، میں تو صرف اپنے آپ کو درست کرنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے کسی طرف توجہ نہیں دی اور شعلوں کے نزدیک پہنچ گیا۔
ہری داس کے علاوہ چند افراد اور بھی تھے جو آگ بھڑکانے میں مصروف تھے۔ شعلے کافی جوان ہو چکے تھے۔
"سنو!" میں نے ہری داس سے کہا۔
"آ گیا مہاراج!"
"میرے لیے کپڑے تیار رکھو!"
"مگر بھگوان آپ۔" ہری داس بوکھلا کر بولا۔
"ہاں۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"
"میری سمجھ میں آپ کا اشنان نہیں آیا۔"
"پریشان مت ہو ہری داس، بس میرے لیے کپڑے منگوا لو۔ میں ابھی نہا کر آتا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر میں شعلوں کی جانب بڑھ گیا اور جب میں نے آگ میں قدم رکھا تو اپنے پیچھے بہت سی چیخیں سنیں اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ آگ سے سب واقف ہیں اور سب اس سے خوفزدہ رہتے ہیں اور کیسی انوکھی بات ہے کہ یہی آگ میرے مضمحل بدن کو چستی بخشتی ہے۔
شعلے میرے بدن کا اضمحلال دُور کرنے لگے۔ آگ کی لطیف حرارت میرے جسم سے نیند کا خمار دُور کرنے لگی اور آہستہ آہستہ میری جوانی پھر سے لوٹ آئی۔ میں آگ کے شعلوں کو اپنے بدن پر مل رہا تھا۔ خود میرے اپنے بدن کا لباس جل چکا تھا۔ بالوں نے آتشیں رنگ اختیار کر لیا تھا اور جب خوب طبیعت سیر ہو گئی تو میں نے باہر کا رُخ کیا اور یہ دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی کہ باہر حسبِ معمول ایک جمِ غفیر تھا۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب حیران و پریشان کھڑے تھے اور پھر جب میں باہر نکلا تو وہی ہنگامے شروع ہو گئے جو میرے لیے غیر مانوس نہیں تھے۔ ہری داس جی بھی موجود تھے لیکن انھوں نے لباس کا کوئی

ندوبست نہیں کیا تھا۔ یہ بات ان کی عقل ہی میں نہیں آئی تھی کہ ان شعلوں سے کوئی جیتا جاگتا انسان برآمد ہو گا۔ وہ تو بس منہ پھاڑے کھڑے تھے۔
"ہری داس!" میں نے انھیں پکارا۔
"مہاراج۔ اپرم پردھان کی جے۔ بولو رے بولو اپرم پردھان کی جے۔" بوڑھا ہری داس زمین پر اوندھا گر پڑا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی سجدے میں گر پڑے تھے۔
"ارے بھائی، مجھے کپڑے تو دے دو۔ کیا تم میرے لیے کپڑوں کا بندوبست بھی نہیں کر سکے۔" میں نے کہا اور ہری داس سجدے سے اٹھ کر بھاگ گیا۔ میں نے پھر اپنے بدن کو شعلوں میں چھپا لیا تھا اور پھر جب ہری داس کپڑے لے آیا، تب میں دوبارہ آگ سے باہر نکلا۔ آنکھیں خوف و عقیدت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ میرے بدن کی کھوئی ہوئی قوت دُور ہو گئی تھی اور اب میں پوری طرح چاق و چوبند تھا۔ پھر وہ لوگ ایک جلوس کی شکل میں مجھے لے چلے۔ نہ جانے وہ میرے پیچھے کیا اُلٹے سیدھے نعرے لگاتے چل رہے تھے۔ کان کھا گئے تھے سُسرے کہیں کے۔ بہرحال میں اپنے غار میں داخل ہو گیا اور وہ باہر شور مچاتے رہے۔ چند منٹ کے بعد ہری داس اندر آ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور اس کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔
"مہاراج۔ مہاراج دھن واد مہاراج بڑا چمتکار کیا آپ نے۔ یہاں رہنے والے سارے منوئی آپ کے داس بن گئے ہیں۔ وہ حیران ہیں کہ اگنی دیوی بھی کسی کی متر ہو سکتی ہے۔ ہے بھگوان ہمیں شما کرنا اگر ہم سے کوئی بھول ہو جائے۔"
"ہری داس جی، سب سے پہلے تو میں آپ سے کہوں گا کہ آپ تھوڑی دیر میرے پاس رُکیں، میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"اوش مہاراج اوش۔ ہری داس تو آپ کا داس ہے۔"
"بس تو بیٹھ جاؤ۔" میں نے کہا اور وہ زمین پر بیٹھ گیا۔
"بھگوان، باہر جو لوگ کھڑے ہیں وہ سب آپ کے پجاری ہیں۔ وہ آپ کے درشن کرنا چاہتے ہیں۔"
"ابھی میں اتنی دُور سے آیا ہوں اور وہ سب میرے پیچھے پیچھے۔ اب درشن کی کیا ضرورت ہے۔ تم کل صبح انھیں بلا لینا۔"
"جو آ گیا مہاراج!" ہری داس نے کہا اور پھر مجھ سے اجازت لے کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا تو شور ختم ہو چکا تھا اور شاید وہ لوگ واپس چلے گئے تھے۔ ہری داس پہلے کے سے انداز میں زمین پر بیٹھ گیا اور میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"میں تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں ہری داس کہ یہ سب چکر کیا ہے؟"
"کون سا چکر بھگوان؟"

"تم مجھے ابتدا سے بتاؤ کہ تم مجھے کہاں سے لائے اور اس چبوترے پر کیا ہو رہا تھا؟"

"اوہ پھر تو بہت دُور سے بتانا پڑے گا۔" ہری داس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں اتنی ہی دُور سے بتاؤ تاکہ میری سمجھ میں آجائے۔"

"کیا آپ مہاراج چندر گپت کے بارے میں بھی نہیں جانتے؟"

"نہیں بھائی میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"اوہو۔ تب تو پہلے انھیں کے بارے میں بتاؤں۔ مہاراج چندر گپت مگدھ دیش کے نندا خاندان کے ایک راجکمار ہیں۔ پرنت مہاراج، ان کی ماتا نیچ جات سے ہیں اس لیے انھیں راج گدی نہیں ملی۔ مہاراج کے پتا کے دھیانت کے بعد دوسرے آدمی کو گدی مل گئی۔ راجہ مہا پرمانند جی، چندر گپت جی کو خرچہ دیتے تھے لیکن ان کے ساتھ ان کا سلوک اچھا نہیں تھا اس لیے ایک بار مہاراج مہا پرمانند جی سے ان کی تو تو کار ہو گئی اور پرمانند جی نے ان کو دیش نکالا دے دیا۔ تب سے مہاراج نکل کھڑے ہوئے ہیں اور جب ہمارے لیے مگدھ دیش میں کوئی جگہ نہ رہی تو پھر ہم یہاں آگئے۔ جن لوگوں کو آپ یہاں دیکھ رہے ہیں وہ سب چندر گپت جی کے داس ہیں اور انھوں نے بھی ان کے ساتھ ہی دیش نکالا لے لیا۔"

"خوب! تو تم لوگ کب سے یہاں آباد ہو؟"

"تین برس ہو گئے ہیں مہاراج!"

"لیکن یہاں تو تمھاری کوئی فوج وغیرہ بھی نہیں ہے؟"

"سینائیں کہاں سے آئیں گی مہاراج۔ تھوڑی سی آبادی ہے۔"

"پھر راجہ چندر گپت کیا کر رہا ہے؟"

"چاروں طرف کوشش کرتے پھر رہے ہیں مہاراج، پرنت ابھی تک کوئی کام نہیں بنا۔"

"کیا کوشش کر رہا ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی کچھ دن پہلے وہ پنجاب گئے تھے۔ ان دنوں یونان کا لڑاکا سکندرِ اعظم پنجاب میں موجود تھا۔ راجہ چندر گپت نے ان سے کہا کہ وہ مگدھ پر حملہ کریں مہاراج ان کی مدد کریں گے لیکن سکندر واپس جا رہا تھا اس لیے وہ تیار نہیں ہو سکا۔ اب مہامنتری چانکیہ کے ساتھ مہاراج چندر گپت پہاڑی علاقوں سے فوجیں جمع کرنے گئے ہیں۔ بھگوان ان کی سہائتا کرے۔" ہری داس نے کہا۔

"ہوں! میرا کیا چکر ہے؟"

"کیا مطلب ہے مہاراج آپ کا چکر کیا ہو گا؟ بس مہان گرو نے اپنی جوتش ودیا سے پتہ چلایا کہ ست ساگر سے ایک منش آئے گا اور مہاراج چندر گپت کی ساری کٹھنائیں دُور ہو جائیں گی۔ سو ہم تمھاری باٹ دیکھ رہے تھے مہاراج۔ پھر تم ساگر میں نظر آئے اور ہم نے تمھیں نکال لیا۔ پھر تمھارے جاگنے کا انتظار کرنے لگے۔"

"اوہ، اس کا مطلب ہے چندر گپت یہاں موجود نہیں ہے۔"

"نہیں مہاراج، وہ تو چانکیہ جی کے ساتھ فوجیں جمع کرنے گئے ہیں۔"

"اور وہ تمھارا مہان گرو کہاں ہے؟"

"کون؟ ستیہ مہاراج؟"

"ہاں وہ جو کوئی بھی ہے۔"

"وہ بھی گپھا میں ہیں۔"

"اس کو میرے آنے کا پتہ نہیں چلا؟"

"ابھی نہیں مہاراج، وہ سات دن کے بعد گپھا سے نکلتے ہیں اور ابھی انھیں گپھا میں گئے ہوئے صرف پانچ دن ہوئے ہیں۔ پرنت وہ کہہ گئے تھے کہ آپ جب بھی نظر آئیں آپ کا پورا پورا سواگت کیا جائے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے بس اب میں مطمئن ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"بھوجن بھجواؤں مہاراج؟" ہری داس نے پوچھا۔

"ہاں بھجوا دو۔" میں نے کہا حالانکہ مجھے کھانے کی خواہش نہیں تھی لیکن میں جانتا تھا کہ کھانا لے کر بیلا ہی آئے گی اور یہ لڑکی مجھے بہت پسند تھی۔ ہری داس چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد بیلا کھانا لیکر اندر آگئی۔ اس کے ہونٹوں پر وہی شریر سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"بھوجن لائی ہوں مہاراج۔" اس نے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا۔ "آج تو تم نے ساری بستی کو پاگل بنا دیا۔"

"کیوں؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ارے اگن میں اشنان کرنا کسی منش کے بس کی بات ہے بھگوان کی سوگند تم تو سچ مچ کے دیوتا ہو۔ میں تمھارا شریر چھو کر دیکھ لوں مہاراج؟ ہائے رام بالکل آگ کی طرح ہو گا۔"

"دیکھ لو چھو کر۔" میں نے کہا اور وہ میرے نزدیک آگئی اور پھر اس نے میرے چٹان جیسے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہائے رام یہ تو بالکل گرم نہیں ہے۔" اور میں نے محسوس کیا کہ بیلا کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تیرنے لگے ہیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے کھو سی گئی تھی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور ایکدم پیچھے ہٹ گئی۔

"تم بھی سوچتے ہو گے مہاراج کہ ذرا سا منہ لگایا اور سر پر ہی چڑھ گئی بیلا کی بچی۔ ہمیں شما کر دینا مہاراج، ہم بڑے ہی پاگل ہیں۔"

"مگر میں نے بُرا تو نہیں مانا بیلا۔"

"سچ مہاراج؟" وہ خوش ہو کر بولی۔

"ہاں بیلا تو بہت اچھی لڑکی ہے، یہاں آکر تیری باتوں میں دل لگ گیا ہے۔"

"تم کہو مہاراج تو میں جب بھی سمے ملے آجایا کروں؟"

"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟"

"بس تو ٹھیک ہے۔ اب میں تمھارے پاس ہی رہوں گی۔ کہہ دوں گی اپنے پتا جی سے کہ مہاراج نے مجھے اپنے پاس رکھنے کے لیے کہا ہے!"

بیلا خوش ہو کر بولی اور میں کھانا کھانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ برتن اٹھا کر چلی گئی اور میں اپنی آرام کرنے کی جگہ پر لیٹ کر ان نئے حالات پر غور کرنے لگا۔ راجہ چندر گپت نہ جانے کس قسم کا آدمی ہے۔ جس شخص نے میرے بارے میں پیش گوئی کی ہے اس کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو اگر یہ بات ہوئی تب بھی میرا کوئی نقصان نہیں ہے۔ جس وقت بھی دل چاہے گا یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اب یہ لوگ مجھے نکال کر لائے ہیں تو پھر کچھ روز یہاں رہنا ہی ہو گا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ میں ان لوگوں کو متاثر ہی نہ کر سکوں۔

ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بیلا ایک بار پھر اندر آگئی۔ اس کے چہرے پر خوشی رقصاں تھی۔

"پتا جی نے آگیا دے دی مہاراج۔ پتا جی نے آگیا دے دی۔" وہ خوشی سے اچھلتی ہوئی بولی اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ بڑے فراخ دل لوگ ہیں۔ میں نے دل میں سوچا۔

"بیٹھ جا بیلا۔" میں نے اس سے کہا اور وہ میرے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

"پتا جی کہنے لگے کہ ایسے مہان پرش کے ساتھ سمبندھ تو بڑا ہی بھاگیہ وان ہے۔ انھوں نے مجھے آگیا دی ہے کہ میں بس تمھارے پاس ہی رہوں۔"

"ضرور بیلا میں تیرے قرب سے خوش ہوں گا۔" میں نے کہا اور بیلا مسکرانے لگی۔

"ہمیں تو بڑی حیرانی ہے مہاراج۔"

"کس بات کی بیلا؟"

"اتنے بڑے دیوتا ہونے کے باوجود تم کیسے من موہن ہو۔ لگتا ہی نہیں کہ تم دیوتا ہو۔ کیا تم سچ مچ دیوتا ہو؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں بیلا دیوتا تو نہیں ہوں۔ پر یہ لوگ مجھے دیوتا سمجھتے ہیں تو میں انھیں دیوتا بن کر ہی دکھاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔ ظاہر ہے میری باتیں بیلا کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھیں اس لیے میں نے تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھا اور وہ اپنی معصوم باتوں سے مجھے مسکرانے پر مجبور کرتی رہی۔ پھر اسے نیند آنے لگی اور وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولی۔

"ہم سو بھی نہیں جائیں مہاراج؟"

"اگر تیرا دل چاہے تو ضرور سو جا۔" میں نے کہا۔

"مگر کہاں؟"

"میرے پاس۔"

"تم بُرا تو نہیں مانو گے؟"

"کیوں؟ اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟"

"بس ہم سوچ رہے تھے کہ تم یہ نہ سوچو کہ بیلا بڑھتی ہی چلی رہی ہے۔"

"تو جتنا چاہے بڑھ جا بیلا ہم بالکل بُرا نہیں مانیں گے۔"

میں نے کہا اور بیلا میرے نزدیک لیٹ گئی۔ اس نے میرے بازو کا تکیہ بنا لیا تھا۔ بیلا چند ساعت تک مجھ سے اُلٹی سیدھی باتیں کرتی رہی اور میں ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔

پھر میں نے محسوس کیا جیسے اس کی آواز نیند میں ڈوبتی جا رہی ہو۔ میں نے اس کے خمار آلود لہجے پر چونک کر اسے دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی جذبات میں ڈوب گئی ہے لیکن مجھے بڑی حیرت ہوئی جب میں نے محسوس کیا کہ وہ گہری نیند سو گئی ہے۔ ایک لمحے کے لیے تو مجھے شدید جھنجھلاہٹ ہوئی۔ انتہائی احمق لڑکی ہے۔ اسے اپنی جوانی کا کوئی احساس نہیں ہے۔ کیا یہ نہیں جانتی کہ اس کا قرب ذہن میں آگ لگا دیتا ہے۔ میرے چہرے سے ٹکراتی ہوئی اس کی گرم گرم سانسیں میرے جذبات کو برانگیختہ کر رہی تھی لیکن اب کیا کروں؟ تب اچانک میں نے سوچا کہ ممکن ہے وہ مصنوعی طور پر سونے کا بہانہ کر رہی ہو اور اس کا اندازہ کرنے کے لیے میرا ہاتھ اس کے بدن پر گردش کرنے لگا لیکن اس کے چہرے کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یقیناً وہ جوانی کی امنگوں سے ناآشنا تھی اور کسی معصوم سی بچی کی مانند میرے سینے سے چمٹی سو رہی تھی۔

تب پروفیسر میرے ذہن میں ایک انوکھے جذبے نے جنم لیا۔ یہ جذبہ اس سے قبل بیدار نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس کا معصوم چہرہ دیکھا اور پھر اسے سینے میں چھپا کر سو گیا۔ بلاشبہ وہ جذبہ مقدس تھا اور اس سے پہلے اس انداز سے نہیں سوچا تھا۔ حالانکہ کسی حسین کا گداز بدن میرے نزدیک صرف ایک ہی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس بے احساس لڑکی کے لیے میرے دل میں کوئی بُرائی نہ پیدا ہو سکی اور جس معصومیت سے وہ سوئی تھی، صبح کو اسی طرح جاگ گئی۔

"مہاراج!" اس نے مجھے آواز دی۔

"جاگ رہا ہوں۔" میں بھاری آواز میں بولا۔

"کیا تم بہت صبح جاگ جاتے ہو؟"

"ہاں!"

"پر مجھے تو بڑے آنند سے نیند آئی۔" وہ انگڑائی لیکر بولی۔ "آج بھی میں تمھارے ساتھ سوؤں گی مہاراج۔"

"ہرگز نہیں۔ میں رات بھر نہیں سو سکا۔" میں نے کہا۔

"ارے کیوں مہاراج؟ ہائے رام کیا میں نے رات کو تمھیں بھی پریشان کیا؟ میری ماتا جی بھی میری اس عادت سے بہت پریشان رہتی ہیں۔ میں رات کو سوتے میں بڑبڑاتی ہوں۔"

"یہ بات نہیں۔ دراصل کسی کے ساتھ مجھے نیند نہیں آتی۔"

"اوہ۔ اچھا یہ بات ہے۔ تو ٹھیک ہے میں رات کو چلی جایا کروں گی۔" اس نے معصومیت سے کہا اور میں جلتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس بے وقوف لڑکی نے نہ جانے مجھے کون سا جذبہ دے دیا ہے۔ بہرحال

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر وہ میرے لیے صبح کا بھوجن یعنی ناشتہ لینے چلی گئی لیکن ناشتہ لیکر وہ نہیں آئی بلکہ ہری داس کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ آئے تھے جو بڑے بڑے تھال اٹھائے ہوئے تھے۔

"جے رام جی کی مہاراج۔ آج صبح کا بھوجن مہارانی موریہ نے بھیجا ہے آپ کے لیے۔ مہارانی جی نے کہا ہے کہ ان کے پاؤں میں تکلیف ہے ورنہ وہ خود آپ کے درشن کے لیے آتیں۔"

"مہارانی موریہ؟" میں نے زیرِلب کہا۔

"ہاں، مہاراج۔ چندر گپت مہاراج کی ماتا۔" ہری داس نے کہا اور میں نے گہری سانس لی۔ یہ بھی ماتا تھیں۔ بہرحال میں نے ناشتہ کیا اور پھر انھیں لوگوں کے ساتھ رانی موریہ کے پاس پہنچ گیا۔ رانی موریہ بھی ایک غار ہی میں مقیم تھی۔ خاصے دبدبے کی مالک عورت تھی۔ حالانکہ ہری داس نے بتایا تھا کہ وہ ایک نیچ ذات عورت ہے لیکن ان لوگوں میں ذاتوں کا تعین میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ رانی موریہ کے پاؤں میں زخم آ گیا تھا اور وہ درحقیقت چل بھی نہیں سکتی تھی۔

تاہم اس نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔

"آپ تکلیف نہ کریں ماتا۔" میں نے کہا اور اس کی آنکھوں سے محبت پھوٹ پڑی۔

"آپ نے مجھے ماتا کہا ہے مہاراج۔ بڑے بھاگ ہیں میرے۔ بھگوان کی سوگند، سنسار نے مجھے جتنے دکھ دیے سب دور ہو گئے۔ تم نے مجھے اتنا بڑا مان دیا ہے۔"

"تم میری ماتا سمان ہو دیوی۔"

"تم مہان ہو مہاراج۔ گرو مہاراج نے بتایا تھا کہ تمھارے آنے سے چندر گپت کے دن پھر جائیں گے۔ کیا تم بھی مجھے یہ خوشخبری دو گے؟"

"میں ابھی نہیں کہہ سکتا دیوی۔ چندر گپت واپس آ جائے۔"

"وہ اوش آ جائے گا۔ گرو مہاراج کل درشن دیں گے۔ وہ بتائیں گے کہ چندر گپت کو اپنے کام میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔" موریہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اس کے بعد ہی میں تمھیں بتاؤں گا۔"

"سنا ہے تم اگن میں اشنان کرتے ہو؟"

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔"

"اور اگن تمھارے شریر کو نہیں جلاتی۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"دیکھ لینا۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"ویسے میری خواہش ہے کہ تم میرے پاس ہی رہو۔ تم دیوتا ہو مہاراج۔ پرنت نہ جانے کیوں میرا من تم سے پریم کرنے لگا ہے۔ میں تمھیں چندر گپت سمان چاہنے لگی ہوں۔ کیا تم میرا مان رکھو گے؟"

بوڑھی مہربان عورت کی پیش کش کے بارے میں، میں نے غور کیا۔ مناسب نہیں تھا۔ اس طرح میری تفریحات متاثر ہوتی تھیں لیکن اس کی اس پُرخلوص پیش کش کو ٹھکرانا بھی ممکن نہیں تھا۔ یوں بھی بیلا اب میری نگاہوں میں دوسری حیثیت اختیار کر گئی تھی اس لیے میں نے اس کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

اسی غار کے ایک حصے میں میری رہائش کا بندوبست کر دیا گیا۔ موریہ نے میرے بارے میں مجھ سے بہت سے سوالات کیے تھے لیکن ظاہر ہے وہ بھی ایک چھوٹے سے ذہن کی عورت تھی۔ اگر میں اسے اپنے بارے میں تفصیل بتانے بیٹھ جاتا تو نہ تو اس کی سمجھ میں آتی، نہ اسے اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا اور نہ ہی اب مجھے اس تفصیل سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا۔ چنانچہ میں نے چند گول مول سے جواب دے کر اسے خاموش کر دیا۔ بہرحال پروفیسر، یہاں میں نے محبتوں کے دو رنگ اور دیکھے۔ وہ رنگ جو صدیوں کی زندگی میں میرے سامنے، میرے لیے نہیں آئے تھے۔ یعنی ماں کی محبت اور ایک ایسی لڑکی کا پیار جو مجھ سے جنسی محبت نہیں رکھتی تھی۔

بیلا میری دیوانی ہو گئی تھی۔ بس وہ ہر وقت میرے پاس ہی گھسی رہنا چاہتی تھی۔ اس نے رانی موریہ سے اجازت لے لی تھی کہ وہ میری خدمت کرے گی اور موریہ نے بھی اجازت دے دی تھی۔ صبح کو میں جاگا بھی نہ ہوتا کہ وہ آ جاتی اور پھر رات کو جب مجھے نیند آتی تو چلی جاتی۔ یوں بھی اس دوران میرے پاس اور کوئی شغل نہیں تھا۔

ہری داس کے ساتھ عقیدت مند آتے تھے، ان کے لیے بھی مجھے کچھ وقت دینا ہوتا تھا لیکن تیسرے دن ایک دلچسپ انسان سے ملاقات ہوئی جس سے مل کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ یہ مہان گرو ستیہ پال تھا۔ درمیانی عمر کا ایک جاندار چہرے والا، جو بہرحال اپنے علوم میں خاصا ماہر تھا۔ میری اس سے دلچسپی کی یہی وجہ تھی۔

اس وقت میں غار سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھا بیلا کی دلچسپ باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ بیلا کہہ رہی تھی۔ "ہمیں تو یوں لگے ہے مہاراج، جیسے ہمیں بھی تم سے پریم ہو گیا ہو۔"

"اچھا۔" میں نے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ بس تمھارے بنا من ہی نہ لگے۔ پر یہ ہوا بہت برا۔"

"کیوں؟" میں نے اسے دلچسپی سے دیکھا۔

"ارے پریم کرنا کوئی اچھی بات تھوڑی ہی ہے۔"

"آخر کیوں؟

"بس ہم تو یہ جانتے ہیں جو کام چھپ چھپ کر کیا جائے وہ اچھا نہیں ہوتا۔ اگر پریم کوئی اچھی چیز ہوتا تو پھر سب کے سامنے کیوں نہیں کیا جاتا تم خود بتاؤ۔"

"ہوں یہ تو ہے مگر تو مجھ سے چھپ کر پریم تو نہیں کر رہی۔"

"ارے ہم تو بڑے جی دار ہیں اس وجہ سے کسی سے نہیں چھپتے۔ دوسرے سب ڈرتے ہیں۔"

"دوسرے کون؟"

"یہ اپنی کامنی اور لچھا دھنی رام سے پریم کرے ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔ پھر سادھنا۔ وہ بے چاری تو لکھا رام کے پریم میں دیوانی ہو گئی ہے۔ یہ ساری لڑکیاں پریم کیوں کرنے لگی ہیں مہاراج؟"

"تو اپنے چھوٹے دماغ پر زور مت ڈال بیلا، دکھ جائے گا بے چارہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے، پر اب ہم کریں کیا؟"

"پریشان ہے اپنے پریم سے؟"

"ہاں۔ پہلے ہم سب کا مذاق اڑاتے تھے، اب وہ سب کی سب ہم سے ٹھٹھول کریں گی۔ ماریں گے ہم سسریوں کو ذرا ٹھٹھول کر کے دیکھیں۔" بیلا نے خود ہی کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ دیر تک میں اس کی باتوں سے محظوظ ہوتا رہا۔ پھر دو آدمی میرے پاس پہنچ گئے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر جھک گئے تھے۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رانی جی نے آدیش دیا ہے مہاراج۔ گرو ستیہ جی پدھارے ہیں وہ آپ کی اور آ رہے ہیں۔"

"اوہ۔ یہاں؟"

"ہاں مہاراج۔ ابھی رانی جی کے پاس ہیں۔ خود رانی جی بھی یہیں آ رہی ہیں۔ گرو جی نے کہا ہے کہ وہ آپ کے پاس آ کر ہی باتیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے آنے دو۔" میں نے کہا۔

"تو کیا ہم جائیں مہاراج؟" بیلا نے پوچھا۔

"کیوں بیلا۔ بیٹھو۔ کیا تم کسی سے ڈرتی ہو؟"

"ڈرتے تو ہم کسی سے نہیں ہیں مہاراج، مگر یہ گرو جی جو ہیں نا، زیادہ اچھے نہیں ہیں۔ نہ جانے کیوں ہمیں ان کی آنکھوں سے ڈر لگے ہے۔ جو کوئی انھیں دیکھے ہے ٹھیک نہیں رہے ہے۔"

"تو فکر مت کر۔ میں ان کی آنکھیں ٹھیک کر دوں گا۔" میں نے کہا اور بیلا خاموش ہو گئی۔ تب میں نے گرو ستیہ پال اور رانی موریہ کو آتے دیکھا۔ ان کے ساتھ دوسرے چند افراد بھی تھے۔ میرے خیالات کے برعکس یہ شخص خاصا جاندار تھا اور چہرے سے چالاک بھی نظر آتا تھا۔ اس نے مجھے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"جب سے آپ کے بارے میں پتہ چلا کہ آپ پرگھٹ ہو چکے ہیں، من آپ کے درشن کے لیے بڑا بے چین تھا مہاراج۔" اس نے کہا۔

"میں نے بھی آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"داس ہوں آپ کا۔ ویسے آپ سے بہت سی باتیں کرنے کو من چاہتا ہے۔"

"ضرور گرو ستیہ پال۔ میں نے سنا تھا میرے آنے کی پیش گوئی تم نے کی تھی؟"

"ستاروں نے کی تھی مہاراج۔ میں تو جیوتش ودیا کا ایک اپرنڈ ہوں اور بس۔"

"اوہ۔ ستارے!" میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"ہاں سنسار کی پوتھی، یہ ستارے ہی تو ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"تم دونوں مجھے تو بھول ہی گئے، حالانکہ میرے پاؤں میں تکلیف ہے لیکن اپنے من کی چتا میں سلگتی ہوئی میں یہاں تک آئی ہوں۔"

"پدھاریے رانی جی۔ اب میری منوکامنا پوری ہو چکی ہے۔ آپ سوال کریں، میں جواب دوں گا۔ تم سے ملنے کے لیے میں ایسا بے چین تھا مہاراج کہ میں نے رانی جی سے بھی بات نہیں کی۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلا دی۔ بیلا نے رانی کو سہارا دے کر بٹھا دیا تھا۔ موریہ ایک عمدہ عورت تھی۔ تکلفات سے بے نیاز۔ اس نے زمین پر بیٹھنے میں عار نہیں سمجھی تھی۔

"ہاں مہارانی جی، اب پوچھیں۔" گرو ستیہ نے کہا۔

"میرے پاس پوچھنے کے لیے اور کیا ہے مہاراج۔ مجھے بتاؤ کہ میرا بیٹا کس حال میں ہے؟"

"میں جو آپ کی نگاہوں سے دور رہتا ہوں رانی جی، اس لیے میرے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بس میں برت رکھ کر جاپ کرتا رہتا ہوں۔ بھگوان نہ کرے اگر مہاراج چندر گپت کسی کشٹ میں ہوتے تو میں فوراً آپ کو خبر دیتا اور رانی جی۔ داس اور کس کام آئے گا آپ کے۔ میں جب محسوس کرتا ہوں کہ مہاراج کو میری سہائتا کی ضرورت ہے اپنا کام شروع کر دیتا ہوں۔"

"تمھارا دم ہمارے لیے بڑا ہے ستیہ پال۔ بھگوان تمھیں لمبی عمر دے اور تمھیں سکھی رکھے۔" رانی موریہ نے جواب دیا۔

"مہاراج چندر گپت کامیابی پر کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ بیشمار پہاڑی قبیلے ان کی سہائتا کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اوش وہ بڑی سیناؤں کے ساتھ یہاں پدھاریں گے۔"

"ہے بھگوان۔ بلی ہو تیری۔" رانی خوش ہو کر بولی۔ پھر اس نے بیلا سے کہا۔ "بیلا بیٹی، مجھے مندر لے چل۔ میں گھی کے چراغ جلاؤں گی۔ میں نے منت مانی تھی اگر اچھی خبر ملی تو گھی کے چراغ جلاؤں گی شنکر کے چرنوں میں۔ چل بیٹی، میری سہائتا کر۔" اور بیلا چاروناچار اٹھ گئی اور پھر مجھے دوبارہ آنے کا اشارہ کر کے چلی گئی۔ تب گرو ستیہ پال نے میری طرف دیکھا۔

"تمھارے بارے میں ستاروں نے جو کچھ بتایا ہے مہاراج، اس پر بڑی حیرت ہوئی ہے۔" اس نے کہا۔

"اچھا۔ کیوں؟"

"بس تم سمجھ میں ہی نہیں آئے۔"

"اوہ۔ تمھارا گیان کیا کہتا ہے اس بارے میں؟"

"دیکھو مہاراج، گیان کی باتیں مت کرو۔ میں تو بڑا پاپی منش ہوں۔ گیان دھیان سے میرا کیا واسطہ۔ ہاں ان سب کے من بہلانے کے لیے اور اپنا جیون سپھل کرنے کے لیے یہ سارے ڈھونگ رچانے پڑتے ہیں۔"

"خوب!" میں نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ایسے لوگ قابلِ عزت ہوتے ہیں جو صاف گوئی سے کام لیں۔ پہلی ہی بات پر یہ شخص مجھے پسند آگیا تھا۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہاں تو تمھاری خوب پوجا ہوتی ہے ستیہ پال۔"

"کیوں نہ ہوگی مہاراج۔ بڑی محنت کی ہے میں نے۔" اس نے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ کس قسم کی محنت؟"

"ایک تو میں نے جیوتش سیکھی ہے۔ دوسرے چندر ماسے آنکھیں ملا کر ایک اور ودیا کا وردان کیا ہے۔"

"اوہ۔ وہ کیا؟"

"میں منش کا من پڑھ لیتا ہوں اور بس یہ دونوں چیزیں جیون بھر کے لیے کافی ہیں۔"

"ستارہ شناسی سے دلچسپی ہے تمھیں؟"

"تو اور کام ہی کیا ہے مہاراج۔"

"کون سے ستاروں سے مدد لیتے ہو؟"

"اوہ۔ تو تم بھی اس بارے میں کچھ جانتے ہو؟" اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"تھوڑا بہت۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ تو اور خوشی کی بات ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں میں بھی تم سے مل کر خوش ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے تمھاری وجہ سے یہاں میرا دل لگ جائے گا۔"

"مگر مہاراج، میری در گھٹنا بھی تو دُور کردو۔"

"کیا در گھٹنا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تمھارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"بتا دوں گا ستیہ پال، لمبی کہانی ہے۔ جلدی کا ہے کی ہے۔"

"ہاں اس بات پر تو مجھے وشواش ہے کہ تمھاری کہانی لمبی ہی ہوگی۔ ستاروں کی پوتھی سے میں چندرگپت کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا کہ تم نظر آگئے۔ یعنی ایک ایسا منش جس کے آنے کے بعد چندرگپت کے ستارے بدل جائیں گے۔ بے شک وہ فوجیں جمع کر کے لائے گا، کام فوجیں ہی کریں گی لیکن تمھاری غیر موجودگی میں نہیں۔ تب مہاراج میں نے تمھارے بارے میں اور کھوج کی تو پتہ لگا کہ تم تو عجیب و غریب منش ہو اور سمندر میں سوئے ہوئے ہو۔"

"خوب! پھر؟"

"تو میں نے اس سونے والے کے ستارے آکاش میں تلاش کیے۔ بڑی تلاش کے بعد ایک گچھا ملا لیکن اتنا الجھا ہوا کہ اس میں جھانکا ہی نہیں جا سکتا تھا اور آج بھی میں تمھارے ستاروں میں جھانکنے میں ناکام ہوں۔"

"ہاں ستیہ پال۔ تم مجھے ستاروں میں تلاش نہیں کر سکو گے۔"

"یہ ستارے یہ تو کہتے ہیں کہ تم دیوتا سمان ضرور ہو، دیوتا نہیں ہو اور چِتّے سے باہر نکلتے ہی میں نے ایک بات اور سُنی۔"

"وہ کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہ کہ تم نے اگنی میں اشنان کیا۔"

"ہاں۔" میں نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"یہ کیا تھا؟"

"نہان۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی منتر ہے؟" اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں ستیہ پال۔ بس میں نے کہا نا کہ تمھیں میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ کچھ وقت انتظار کرلو تو بہتر ہے۔"

"پر اس کے لیے تمھیں ایک کام اور کرنا ہوگا۔" ستیہ پال بولا۔

"کیا؟"

"میرے ساتھ گپھا میں رہو گے۔ کم از کم اس سمے تک جب تک مہاراج چندرگپت واپس نہ آجائیں۔"

"میرے لیے کیا فرق پڑے گا ستیہ پال۔ پہلے ایک گپھا میں رہتا تھا، پھر رانی موریہ نے اپنے پاس بلا لیا اور اس کے بعد اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارے پاس رہوں تو تمھارے پاس بھی رہ سکتا ہوں۔"

"کچھ اور من کی باتیں ہوجائیں مہاراج؟" ستیہ پال عجیب سے انداز میں مسکرا کر بولا۔

"ہاں ستیہ پال ضرور۔"

"کچھ ناچ رنگ بھی پسند ہے؟ اور میرا مطلب ہے...." وہ ہنسنے لگا اور میں نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔ خوب سادھو تھا لیکن بہرحال ایک بہتر انسان۔

"کیوں نہیں ستیہ پال۔" میں نے جواب دیا اور وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ بھگوان کی سوگند، یوں لگتا ہے جیسے ستاروں کی پوتھی میں ہماری تمھاری دوستی جنم جنم سے لکھ دی گئی تھی۔ سارے کام ایک جیسے، ساری باتیں ایک جیسی۔ واہ بھگوان واہ!" ستیہ پال ہنستا ہوا بولا۔ میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ "تو پھر چلی رہی مہاراج؟"

"کیا ستیہ پال؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"ہاں، ہاں۔ اس میں کیا حرج ہے مگر رانی موریہ سے کیا کہو گے؟"

"ارے یہ بھی کوئی چنتا کی بات ہے۔ جیون بھر جھوٹ بولا ہے، ایک اور بول دیں گے۔" اس نے جواب دیا اور میں نے شانے ہلائے۔ پھر ہم دونوں وہاں سے واپس چل پڑے۔ ستیہ پال تو بڑے مزے کی چیز ثابت ہوا تھا، حالانکہ اس کا نام سُن کر میں نے یہی سوچا تھا کہ ہوگا کوئی کھڑانٹ بوڑھا، جٹا دھاری، ننگ دھڑنگ لیکن یہ آدمی تو بڑا دلچسپ تھا۔

راستے میں بے شمار لوگ ملے بڑے ہی متاثر تھے، ڈنڈوت کرتے کرتے ان کے ہاتھ نہیں تھکتے تھے۔ عورتیں بھی تھیں اور وہ بھی اسی عقیدت سے پیش آرہی تھیں۔

"بڑا رعب جما رکھا ہے مہاراج!" ستیا پال نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے خود کوئی کوشش نہیں کی۔" میں نے جواب دیا۔

"بہرصورت تم سُندر تو ہو ہی، جان بھی بڑی نظر آتی ہے مگر وہ آگ میں نہان والی بات تو اپنی سمجھ میں بھی نہیں آئی۔ اس نے سب کو چکر میں ڈال دیا ہے اور پھر ستاروں نے بھی تمھارے بارے میں غلط تو نہیں کہا تھا۔"

"سب کچھ سمجھ میں آجائے گا ستیہ پال، چنتا مت کرو۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا۔ ایک بات تو بتاؤ۔ وہ سُندر ناری کون تھی جو تمھارے پاس موجود تھی؟"

"نہیں جانتے اسے؟"

"ارے ہم تو صرف اسے جانتے ہیں مہاراج، جس پر ہمارا ادھیکار ہو، اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھتے۔"

"تمھاری ہی بستی کی ایک لڑکی ہے۔ بیلا نام ہے لیکن اتنی معصوم ہے کہ اس پر بُری نگاہ نہیں ڈالی جا سکتی۔"

"رام، رام، رام۔ تم نہیں ڈالو گے مہاراج تو کوئی دوسرا ڈالے گا۔ تم کیوں چھوڑتے ہو۔ کنیا ہے، جوان ہے، سُندر ہے۔ بھگوان کی سوگند، لکھ لو بہت جلد کوئی نہ کوئی پریمی ڈھونڈ لے گی۔"

"سُنو ستیہ پال، وہ مجھ سے بہت متاثر ہے۔ کہہ رہی تھی کہ اسے مجھ سے پریم ہوگیا ہے مگر ایک رات وہ میرے سینے سے چمٹ کر سوئی اور اس معصومیت سے سوئی کہ میری پُرہوس نظریں خود شرمندگی سے جھک گئیں۔ بے خبر اور گہری نیند، پھر صبح ہی کو جاگی تھی۔ اب تم خود بتاؤ کہ میں اس کے بارے میں کوئی غلط انداز کیسے اختیار کرسکتا ہوں۔"

"چلو جانے دو۔ بھگوان کی زمین لمبی ہے۔ یہاں کس چیز کی کمی ہے۔" ہم دونوں رانی موریہ کی گپھا میں پہنچ گئے اور پھر ستیہ پال نے رانی سے کہا۔

"وجے کی خبر کی ودھائی دینے آیا ہوں مہارانی۔ اپرم پردھام کو ساتھ ہی لے جا رہا ہوں۔"

"کہاں مہاراج؟"

"اپنی گپھا میں۔ جو منش سنسار سے دُور چلے جاتے ہیں، ان کا پھر سے سنسار میں آجانا اچھا نہیں ہوتا۔ تم جانتی ہو کایا کا لوبھ کیسا خراب ہوتا ہے۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو مہاراج ستیہ پال۔" رانی موریہ عقیدت سے بولی۔

"بس تو رانی جی میں انھیں ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

"تم جیسا مناسب سمجھو۔" رانی نے جواب دیا۔

"اور اب ہم اس سمے آئیں گے جب مہاراج چندرگپت واپس لوٹیں گے۔"

"ہوں۔" رانی نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں ستیہ پال کے ساتھ اس کی گپھا پر پہنچ گیا۔ پہاڑوں میں جیسے دوسرے سوراخ تھے ایسا ہی ستیہ پال کے غار کا سوراخ تھا۔ اس میں صرف اتنا سا فرق تھا کہ یہ ایک نسبتاً نیچے پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔

"آؤ مہاراج!" ستیہ پال نے خلوص سے کہا اور اندر سے اس کی رہائش گاہ دیکھ کر میں نے گردن ہلائی تھی۔ ستیہ پال درحقیقت ایک باذوق انسان تھا۔ اس نے اس جلاوطنی کے عالم میں بھی اپنے غار کی تزئین کی تھی اور وہ خوبصورت چیزوں سے آراستہ نظر آرہا تھا۔ میں نے دلچسپ نگاہوں سے اس کی کوششوں کو دیکھا۔

"اس غار کی کئی شاخیں ہیں اور ان کے مختلف راستے بھی ہیں۔"

"خوب! تم نے بڑی چالاکی سے اس کا انتخاب کیا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے مہاراج، لیکن میں نے اس میں محنت بھی بہت کی ہے۔"

"لیکن تم نے یہ چیزیں یہاں کیسے جمع کیں؟"

"بس زیادہ تر سامان ساتھ ہی لایا تھا لیکن دوسروں کو اس کی خبر کم ہی ہے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"میرے پاس میرا ایک بیر ہے مہاراج۔ وہ میرے لیے یہ کام کرتا ہے۔" بالآخر ستیہ پال نے اعتراف کیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"گویا مجھ سے بھی آہستہ آہستہ کھلو گے؟"

"ارے دیر ہی کتنی لگی، اپنا پیٹ خود اس قدر ہلکا ہے کہ کوئی بات پچتی ہی نہیں۔" ستیہ پال نے کہا۔ پھر اس نے مجھے اس طویل و عریض غار کے مختلف حصے دکھائے اور پھر ایک درمیانی حصے میں آگیا۔

"سب دیکھ لیا نا مہاراج تم نے؟" اس نے کہا۔

"ہاں!"

"لیکن میرا خیال ہے کہ ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا۔" وہ ہنس کر بولا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"آجاؤ رنی آجاؤ دھرم دیو یو — درشن دو اپرم پردھان کو۔" اس نے دیواروں کی طرف منہ کر کے کہا اور چٹانی دروازے کھلے اور ان میں سے پانچ لڑکیاں اندر داخل ہوگئیں۔ ایک سے ایک خوبصورت تھی، ایک سے

ایک دلکش۔ ان کے پیروں میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے جن کی چھن چھن سے غار گونج اٹھا۔ وہ سب ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے جھک گئیں میں متعجبانہ نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔

"کیسی ہیں مہاراج؟"

"بہت خوبصورت لیکن مجھے حیرت ہے ستیہ پال۔"

"کس بات کی؟"

"یہ کہاں سے آئیں؟"

"ارے بھگوان دیتا ہے سب کچھ۔ سچے من سے مانگو۔"

"خوب!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تو تم نے انہیں سچے من سے مانگا تھا؟"

"ہاں مہاراج! میٹھا کھانے والے کو میٹھے بنا چین کہاں؟" وہ ہنستا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے ستیہ پال! ان سے کہو واپس جائیں۔" میں نے کہا اور ستیہ پال نے انہیں انگلی سے اشارہ کیا۔ لڑکیاں ایک ایک کر کے واپس چلی گئیں۔ تب اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"کیسی تھیں مہاراج! پسند آئی ان میں سے کوئی؟"

"ہاں لڑکیاں تو اچھی تھیں لیکن اس بارے میں بھی کچھ باتیں تم سے معلوم کرنا ہیں ستیہ پال!"

"پوچھیں مہاراج!"

"کیا یہ لڑکیاں انہی لوگوں میں سے تھیں جو یہاں رہتے ہیں؟"

"ہاں مہاراج!"

"ان کے دوسرے گھر والے بھی ہوں گے؟"

"سب ہیں مہاراج!"

"اس کا مطلب ہے تم نے خاصا گہرا رنگ چڑھا رکھا ہے ان لوگوں پر۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور ستیہ پال ہنسنے لگا۔

"رنگ تو تمہارا مجھ سے بھی زیادہ ہے مہاراج — بھگوان کی سوگند بہت سے من لوٹ لو گے۔ پر کیا بھی کیا جائے، تم خود بتاؤ، سُندر ناریوں کے بنا بھی کوئی جیون ہے۔"

"ہوں — کہتے تو ٹھیک ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے گردن ہلائی۔

بہرحال خوب انسان تھا یہ ستیہ پال بھی۔ بڑی عمدہ اور پُرمزاح گفتگو کرتا تھا اور یہ اس شخص کی خوبی تھی۔ اس کے اندر ایک اچھا دوست بننے کی پوری صلاحیت تھی اور پھر دن گزر گیا، شام ہو گئی۔ جو لڑکیاں اس کی عقیدت کرتی تھیں وہی اس کے لئے کھانا وغیرہ بھی تیار کرتی تھیں۔ رات کے کھانے پر بڑا اہتمام تھا۔ یقیناً ستیہ پال کے عقیدتمند اس کی تمام ضرورتیں پوری کر دیتے ہوں گے۔ کھانے کے بعد اس نے پوچھا۔

"پھر اب کیا ارادے ہیں مہاراج!"

"کیا تمہارا ہفت روزہ برت پھر سے شروع ہو گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"برت؟"

"ہاں۔ تم سات روز کے بعد گپھاؤں سے نکلتے ہو نا؟"

"اوہ، ہاں — روز روز ان لوگوں میں جانا ٹھیک بھی نہیں ہوتا مہاراج۔ ان کے دلوں میں عقیدت قائم رکھنے کا ایک گُر یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک کم سے کم جایا جائے۔"

"تو اب تم سات روز کے بعد ان کے درمیان جاؤ گے؟"

"تمہیں کوئی کام ہے مہاراج؟"

"نہیں۔ بس یونہی پوچھ رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے پوچھا تھا کہ اب کیا کرو گے؟ ان سُندر ناریوں کے ساتھ رات بتاؤ گے یا ستاروں کے نیچے؟"

"جیسے تم پسند کرو ستیہ پال۔" میں نے جواب دیا۔

"من کی بات کہوں مہاراج — یہ ناریاں تو تمہاری داسیاں ہیں، جب بھی آ گیا دو گے ایک اشارے پر تمہارے چرنوں میں آ پڑیں گی۔ پرنتا میرے مَن میں جو تمہارے بارے میں دکھوا ہے، وہ مجھے بے کل کئے ہوئے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جائے۔ اس کے بعد مَن تم سے اور مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تب پھر آؤ، کھلے آسمان کے نیچے چلتے ہیں میرا خیال ہے ستارے نکل آئے ہوں گے۔"

"چلو مہاراج!" وہ اٹھ گیا اور ہم دونوں غار کے دہانے کی طرف چل دیئے۔ رات تاریک تھی لیکن آسمان پر چھٹکے ہوئے ستارے اس تاریکی کو چیرنے کی بھرپور کوششوں میں مصروف تھے۔ اس رات . . . . . . ہم ستارہ شناسی خوب اچھی طرح کر سکتے تھے۔ میں نے ایک اونچی چٹان کا انتخاب کیا اور ہم دونوں اس کی طرف بڑھ گئے۔ چٹان پر بیٹھ کر ہم نے آسمان کی جانب دیکھا۔ اس وقت دو ستارہ شناس یکجا تھے اور ہم دونوں ایک دوسرے کی صلاحیتوں کو آزمانا چاہتے تھے۔

"مہاراج! سب سے پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جب میں نے چندر گپت کے ستارے تلاش کئے تو ان میں مجھے تم نظر آئے۔ ورنہ اس سے پہلے میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔ میں نے صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کون ہے؟ جو چندر گپت کی مکتی کا باعث بنے گا تمہارے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کی — اور پھر تمہارے بارے میں جو کچھ پتہ چلا مہاراج! اس نے مجھے بہت حیران کیا اور میں تمہارے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا خواہش مند ہو گیا۔ جو کچھ معلوم ہوا وہ ایک امانت تھی جس کی اطلاع میں نے لوگوں کو دے دی۔ اور اس کے بعد ستاروں کی بات سچ ثابت ہوئی۔ تم وہی نکلے جو میں نے کہا تھا۔ لیکن تمہارے بارے میں جب میں نے کچھ اور باتیں سنیں تو پھر مجھے ذاتی طور پر بھی تم سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اپرم پردھان کا نام میں نے ہی تمہیں دیا۔ مگر جب میں نے اپنے طور پر تمہارے بارے میں معلومات کیں تو مجھے کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ تم نے وچن دیا ہے کہ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے۔ اور اب سمے آ گیا ہے کہ تم مجھے سب کچھ بتا دو۔"

"تم اتنے پیارے انسان ہو ستیہ پال کہ ایک بار پھر میں اپنی کہانی دُہرانے پر مجبور ہوں۔ میں نے اپنی کہانی نہ سنانے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ بھی سوچا تھا کہ اب جگہ جگہ اپنے بارے میں بتاتے پھرنے سے کیا فائدہ لیکن میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔"

"میں تمہارا شکرگزار ہوں مہاراج!"

"لیکن اس سے پہلے آؤ ہم ستاروں کی چال دیکھیں۔"

"جو آ گیا مہاراج!" اس نے جواب دیا۔

"پھر کسی موضوع کا انتخاب کرو۔"

"راجہ چندر گپت۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں نے اپنے درمیان تھوڑا سا فاصلہ کر لیا اور پھر میں نے اپنے دوستوں کو آواز دی۔ ستارے مجھے دیکھ کر ہنس پڑے۔ بھلا وہ مجھے کیسے بھول سکتے تھے، اتنے پرانے ساتھی، اتنے پرانے دوست کو — میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں باتیں شروع کر دیں۔ میں نے ستیہ پال کے بارے میں پوچھا اور ستاروں نے جواب دیا کہ وہ وہی ہے جو اُس نے کہا۔ تب میں نے چندر گپت کے بارے میں پوچھا۔ اور ستارے مجھے اس کے بارے میں بتانے لگے۔

"اس وقت وہ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"واپس چل پڑا ہے۔ بہت جلد پہنچنے والا ہے۔"

"کتنے دن میں یہاں پہنچ جائے گا؟"

"پرسوں سورج نکلے۔" ستاروں نے جواب دیا۔

"اس کے بارے میں کوئی اور اطلاع؟"

"اس کا ستارہ چمک رہا ہے۔ اب وہ فتوحات حاصل کرے گا اور تم اس میں نمایاں کردار انجام دو گے۔ اُسے اس بات کے لئے مجبور کرنا کہ وہ پنجاب پر حملہ کر دے۔

پنجاب میں یونانیوں کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی ہے اور اس وقت چندر گپت کے لئے بہترین موقع ہے۔ جن فوجوں کے ساتھ وہ آ رہا ہے اگر انہیں لے کر وہ پنجاب پر حملہ کر دے تو یونانیوں کے خلاف کامیابی یقینی ہے۔"

"بہت خوب۔" میں نے کہا۔

"اور کچھ؟" میرے دوستوں نے پوچھا۔ اور میں نے نفی میں گردن ہلا دی اور پھر تھوڑی دیر بعد ستیہ پال نے مجھے مخاطب کیا۔

"کیا تم اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے مہاراج؟"

"ہاں ستیہ پال! کسی حد تک۔"

"کیا خبر ملی؟"

"چندر گپت کے بارے میں؟"

"ہاں مہاراج۔"

"چندر گپت اپنی فوجوں کے ساتھ واپس چل پڑا ہے۔"

"کتنی دُور ہے؟" ستیہ پال نے پوچھا۔

"یہ تم بتاؤ ستیہ پال؟"

"پرسوں صبح وہ یہاں پہنچ جائے گا۔" ستیہ پال نے جواب دیا۔

"میں تمہاری بات سے متفق ہوں۔"

"اس کے علاوہ آج پھر میں نے ستاروں سے تمہارے بارے میں سوال کیا تھا مہاراج!"

"اچھا پھر؟"

"چند باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں۔"

"اوہو، تب مجھے ضرور بتاؤ۔"

"عجیب و غریب باتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ تمہارا کوئی نام نہیں ہے۔ مختلف لوگوں نے تمہیں مختلف ناموں سے پکارا ہے — لیکن کیوں؟"

"تمہارا سوال محفوظ ہے — اور کیا بتایا تمہارے دوستوں نے؟"

میں نے دل ہی دل میں تسلیم کیا کہ ستیہ پال ایک اچھا ستارہ شناس ہے۔

"بس وہ اس بارے میں خاموش ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگتے ہیں۔ میں نے پوچھا، سمندر میں تم کیا کر رہے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ تم سو رہے تھے۔"

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سنو — میرے مترا پہلے تو تم اپنا نام بتاؤ۔ تاکہ میں تمہیں اس نام سے مخاطب کر سکوں۔"

"ستارے بتا چکے ہیں کہ مختلف لوگوں نے مجھے اپنی پسند کے نام دیئے ہیں۔ تم بھی مجھے اپنی پسند کا کوئی اچھا سا نام دے دو۔ میرے لئے یہی مناسب ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہارا اپنا کوئی نام نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میرا نام رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ میری کوئی ماں نہیں تھی جو مجھے جنم دیتی۔ میرا کوئی باپ نہیں ہے۔ وقت کی گردش نے مجھے تشکیل دیا اور صدیوں نے میری پرورش کی۔ میری عمر کروڑوں سال ہے اور میں نے دنیا کی ابتداء سے لے کر آج تک کے ادوار دیکھے ہیں۔ میں عام انسانوں سے بہت مختلف ہوں۔ میری حقیقت کوئی نہیں معلوم کر سکتا۔ میں ایک سربستہ راز ہوں۔"

"اور تم کوئی دیوتا بھی نہیں ہو؟" وہ تعجب سے بولا۔

"نہیں۔ میں کسی مذہب کا پرچار نہیں کرتا۔ میں کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتا۔"

"یہ تو عجیب بات ہے مہاراج — سمجھ میں نہ آنے والی۔"

"میرے بارے میں جتنی سمجھنے کی کوشش کرو گے، اُلجھتے جاؤ گے۔"

"ایسا ہی لگتا ہے مہاراج — بہرحال ستاروں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔ تم واقعی انوکھے ہو۔ اب تو تمہیں انسان کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ بلاشبہ تم چندر گپت کی مدد کر سکتے ہو۔ لیکن آگ کا کیا معاملہ ہے مہاراج؟"

"وقت جسے تشکیل دیتا ہے ستیہ پال! موسم، مادی اجزا اس کے لئے بے مقصد ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے آگ، آگ میرے بدن کو نئی زندگی تو بخش دیتی ہے، مجھے جلاتی نہیں — پانی میرے بدن کے اجزا میں نمی تو داخل کرتا رہتا ہے، مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تمہاری دنیا کی کوئی چیز میرے اوپر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔"

"رام رام رام — دماغ کی چولیں ہل گئیں مہاراج — اب سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا کہوں؟"

"کچھ بھی کہو تمہارا دوست ہوں۔"

"بھگوان کی سوگند — تم سے دوستی کر کے بڑا مان ہو گیا ہے مجھے۔ کیوں نہ میں تمہیں مان کہوں؟"

"جو دل چاہے کہو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"کچھ اور باتیں مہاراج۔" ستیہ پال بولا۔

"ہاں ہاں، بے تکلفی سے پوچھو۔"

"تاریوں کو — میرا مطلب ہے، تم —؟"

"ہاں ستیہ پال — میں اس سنسار میں ایک منش کی حیثیت نہیں رکھتا لیکن وہ ساری باتیں پسند کرتا ہوں جو انسانوں کی ضرورت ہوتی ہیں۔ ان میں بھوجن، پانی اور دوسری چیزیں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو پیاس سے تم مر بھی سکتے ہو۔ کھانا نہ ملے تو بھوک سے مر سکتے ہو۔ میں ان میں سے کسی چیز کے لئے مجبور نہیں ہوں۔ اگر یہ مجھے کبھی نہ ملیں تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے مان مہاراج! جو کچھ بھی ہو، بھگوان کی سوگند خوب ہو — آؤ اب چلیں۔" اس نے کہا۔ اور پھر راستے میں وہ بولا۔ "چندر گپت کے لئے آپ نے ستاروں سے اور کچھ پوچھا؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا پوچھا مہاراج؟" اس نے چونک کر پوچھا اور میں نے اسے بتایا کہ اس وقت چندر گپت کے لئے پنجاب پر حملہ کرنا بہت فائدہ مند ہوگا۔ اور وہ وہاں کامیاب و کامران ہوگا۔

"او ہو ہو، یہ تم نے بڑے کام کی بات معلوم کی۔ میرا دماغ اس طرف نہیں گیا تھا۔" ستیہ پال نے کہا۔

"آؤ۔ اب چلیں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں اُٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم غاروں میں تھے اور شاید یہ ستیہ پال کے روزانہ کے مشاغل تھے۔ غار کے درمیانی حصے میں مشعلوں کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں وہ پانچوں لڑکیاں خوبصورت لباس میں ملبوس بیٹھی انتظار کر رہی تھیں۔

ہمیں دیکھ کر جیسے ان میں جان پڑ گئی۔ وہ سب کھڑی ہو گئیں اور ستیہ پال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نیند تو نہیں آ رہی مہاراج؟"

"نہیں — کیوں؟"

"تب پھر آؤ — تھوڑا سا ناچ رنگ دیکھیں۔" وہ مجھے لے کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور لڑکیاں تیار ہو گئیں۔ شراب کے برتن سامنے آ گئے۔ ایک لڑکی ہمیں شراب پلانے لگی اور باقی دو ہلکے قسم کے ساز اٹھا لائیں اور دو لڑکیاں رقص کرنے لگیں۔ ساز بجانے والیوں نے خوبصورت اور سُریلی آواز میں ایک گیت شروع کر دیا۔

؎ رین بھئی کالے نینوں میں جاگ اُٹھے اُجیارے

بڑا خوبصورت گیت تھا اور بڑا ہی حسین رقص اور اوپر سے یہ لذیز ترین شراب — کمبخت ستیہ پال نے ان غاروں کو کیا بنا رکھا تھا۔ جام پر جام چلتے رہے لیکن ہوش و حواس سے عاری کرنے والی کوئی چیز تو میرے لئے اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئی — میں نے ستیہ پال سے پوچھا۔

"مجھے حیرت ہے ستیہ پال!"

"کس بات پر مہاراج؟" وہ نشیلی آواز میں بولا۔

"لڑکیوں کے یہ لباس، یہ ساز اور یہ شراب جبکہ چندر گپت یہاں جلا وطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔"

"پر میں نے تمہیں بتایا تھا مہاراج کہ میرے پاس میرا ایک بیر ہے اور وہ جلا وطن نہیں ہے — ٹھہرو میں تمہیں اس کا چمتکار دکھاتا ہوں — رگھنا!" اس نے آواز دی۔ "ہمیں پھل چاہئیں۔" اور پروفیسر! پھلوں کا ایک تھال ہمارے سامنے پہنچ گیا۔ اس میں تازہ انگور، سیب، کیلے، مالٹے سب کچھ موجود تھا۔ اور ستیہ پال کا یہ بیر مجھے بہت پسند آیا جسے میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس پر کسی شدید حیرت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا کیونکہ پُراسرار علوم کے کئی ماہروں کو میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے دیکھ چکا تھا۔

"کھاؤ مہاراج!"

"ایک بات پوچھوں ستیہ پال!"

"ارے سو باتیں پوچھو مہاراج — چنتا کس بات کی؟" ستیہ پال کو چڑھ رہی تھی۔

"اس طرح تو تم اس آبادی کے لوگوں کی ضروریات بھی پوری کر سکتے ہو۔"

"کیوں نہیں مہاراج! لیکن ذرا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"کیسا خیال؟"

"دیکھو نا مہاراج! اگر میں ان لوگوں کی ساری ضرورتیں پوری کرنے لگوں تو پھر یہ اپنے کام کرنا چھوڑ دیں اور بس میرے ہی پیچھے لگ جائیں لیکن میں ان لوگوں کی وہ ضرورتیں پوری کرتا ہوں جن کے لئے وہ مجبور ہو جاتے ہیں اور جب آبادی کے لوگ کسی پریشانی کا شکار ہو جاتے ہیں، تب ہی وہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کی پریشانی دُور کر دیتا ہوں۔ اس طرح ان کے من میں میرا ڈر بھی رہتا ہے اور میرا پریم بھی۔"

"اچھی بات ہے۔" میں نے کہا۔

رات بھیگ چکی تھی۔ ستیہ پال کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ نیند کا خمار شراب کے خمار میں شامل ہو کر دو آتشہ ہو گیا تھا۔ ستیہ پال نے رقص بند کرنے کا اشارہ کیا اور میری طرف رُخ کر کے بولا۔

"نیند آ رہی ہے مہاراج! آرام کریں۔" اور پھر وہ لڑکیوں سے بولا۔

"دیکھو ری دیکھو، بھاگ ہیں تمہارے کہ ایسا مہان پُرش تمہاری سیوا چاہتا ہے، کوئی شکایت نہ ہونے پائے اسے — لے جاؤ مہاراج! جسے من چاہے لے جاؤ۔" اُس نے کہا اور میں نے ایک خوبصورت لڑکی کی آنکھوں میں دیکھا۔ نازک نازک سے خدوخال والی لڑکی مُسکرا دی۔ تب میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور ستیہ پال ہنسنے لگا۔ پھر اس نے دو لڑکیوں کو دونوں بازوؤں میں دبایا اور ایک طرف چلا گیا۔ میری ساتھی مجھے لئے ہوئے غار کے ایک حصے میں پہنچ گئی، جو آرام گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ سر جھکائے میرے پیروں کے نزدیک بیٹھ گئی اور پھر اس نے اپنے ملائم ہاتھوں سے میرے پاؤں دبانے شروع کر دیئے۔

"ارے ارے — یہ کیا کر رہی ہو؟" میں نے جلدی سے پاؤں سمیٹ لیے۔

"کیا سیوا کروں مہاراج؟" اس نے دلکش آواز میں پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"بندیا۔" اس نے جواب دیا۔

"بڑا سُندر نام ہے — ایک بات بتاؤ بندیا۔"

"جی مہاراج!"

"بستی میں تمہارے ماتا پتا موجود ہیں؟"

"ہاں مہاراج!"

"تم یہاں اپنی مرضی سے آئی ہو؟"

"ہاں۔" وہ تعجب سے بولی۔

"ستیہ پال تمہیں کیسا لگتا ہے؟"

"وہ بڑے مہان پُرش ہیں مہاراج — بڑے ہی دھرماتما۔ ان کی سیوا کرنے کا جسے موقع ملے، وہ تو بڑا ہی بھاگیہ وان ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"خوب — کیا ساری لڑکیاں یہاں خوش ہیں؟"

"ہاں مہاراج!"

"لیکن پھر بندیا! تمہیں میرے پاس آ کر خوشی تو نہیں ہوئی ہو گی؟"

"کیوں نہیں مہاراج — ایک تو ہمیں ستیہ پال جی نے حکم دیا ہے۔ دوسرے پھر تم بھی بڑے ہی سُندر ہو، تم کون ہو مہاراج؟"

"مان ہے میرا نام۔"

"مان سنگھ!" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"جو دل چاہے کہہ لو۔" میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"بڑے ہی سندر ہیں آپ۔" اس نے کہا اور میں سمجھ گیا کہ لڑکی اتنی سیدھی نہیں ہے جتنی چہرے سے نظر آتی ہے۔ ستیہ پال نے اسے خوب چالاک بنا دیا ہے — اور بعد کے لمحات سے میری اس بات کی تصدیق بھی ہو گئی — لڑکی مکمل طور پر تجربہ کار اور ہر رمز سے آشنا تھی۔ دوسری صبح ستیہ پال خود ہی میرے پاس آیا اور احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

"غار میں کیسی رات گزری مہاراج؟"

"ایک اچھے دوست کے ساتھ گزرا ہوا وقت اچھا ہی ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہمیں خوشی ہے کہ ہم مہاراج کی کوئی سیوا کر سکے۔ آؤ صبح کا بھوجن کر لیں۔"

پورا دن ستیہ پال کے ساتھ خوشگوار گزرا اور پھر رات تو تھی ہی حسین۔ رقص و موسیقی اور شباب کی فتنہ انگیزیاں۔ دوسری رات کی ساتھی گوندی تھی۔ گوندی ہی کی طرح رسیلی اور لذیذ — تیسرے دن صبح ہی صبح بستی کے لوگوں میں شور مچ گیا۔ راجہ چندر گپت واپس آ رہا تھا اور ایک لشکرِ عظیم اس کے ساتھ موجود تھا۔

بستی کے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ ہر شخص خوشیاں منا رہا تھا پھر سارے کے سارے راجہ چندر گپت کے سواگت کو دوڑ پڑے۔ ہم نے بھی پہاڑ کی بلندیوں سے آنے والوں کو دیکھا لیکن ہم دوسروں کی مانند تو نہ تھے۔ ستیہ پال اپنا بھرم قائم رکھنا جانتا تھا۔ البتہ جب رانی موریہ ہمارے پاس آئی تو ہم نے اس کا استقبال کیا — اور پھر رانی موریہ کے ساتھ ہی ہم اس جگہ آ کھڑے ہوئے جہاں بستی کے بچے اور عورتیں کھڑی چندر گپت کے لشکر کو دیکھ رہی تھیں۔ رانی موریہ درمیان میں تھی۔ میں اور ستیہ پال اس کے دونوں جانب — اندازہ ہوا کہ چندر گپت اپنی ماں کی بہت عزت کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ اور اس کا مشیرِ خاص چانکیہ گھوڑوں سے اُترے اور انہوں نے موریہ کے پاؤں چھُوئے۔ چندر گپت نے ستیہ پال جیسے رنگے سیارے سر جھکا کر آشیرواد لی اور پھر میری جانب دیکھنے لگا — اس کی گہری آنکھیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

"یہ کون ہے ماتا؟" اس نے موریہ سے پوچھا۔

"وجے۔" موریہ نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا ماتا۔" اس نے کہا۔

"یہ وہ ہے چندر گپت! جس نے تیری وجے کا اُپدیش سنایا تھا۔ سمندر سے آنے والا۔ جس کے آنے کی خبر مہان گیانی ستیہ پال نے دی تھی اور جس نے بتایا تھا کہ اب تیری کٹھنائیاں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ وہ ہے جو اگن سے اشنان کرتا ہے اور اگن دیوی اس کے بدن کو چمکا دیتی ہے۔ جراں جگ…

کے چندر گپت کہ یہ تیری وجے کا نشان ہے۔"

خود چندر گپت کے ذہن میں چاہے کچھ بھی ہو لیکن یہ ماں کا حکم ہی تھا جس نے اسے جھک کر میرے پاؤں چھونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے اپنے چوڑے ہاتھوں سے اس کے دونوں شانے پکڑے اور اسے کھڑا کر دیا۔ چندر گپت کے پورے وزن کو میں نے ہاتھوں کی گرفت سے اٹھا لیا تھا۔ اس بات کو اس نے مخصوص نگاہوں سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آگیا دو ماتا! آگیا دو مہاراج! تو ان لوگوں کا انتظام کر دوں جو میرے ساتھ آئے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر میری طرف مڑ کر بولا۔ "جلد ہی تمہارے چرنوں میں آؤں گا مہاراج! تم سے بات چیت جب ہی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے چندر گپت! ہم تمہارے کاموں میں مداخلت نہیں کریں گے۔" میں نے جواب دیا اور وہ چلا گیا۔

رانی موریہ اپنی کمین گاہ میں واپس چلی گئی تو ستیہ پال نے مجھ سے کہا۔

"کیا خیال ہے مہاراج! ہم لوگ بھی اپنی گپھا میں چلیں۔"

"اوہ نہیں، ستیہ پال! اب ان لوگوں سے اتنا غیر متعلق رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھیں تو سہی چندر گپت کن لوگوں کو لے کر آیا ہے اور اس نے دوسرے انتظامات کیا کئے ہیں؟"

"جیسی مرضی مہاراج!" ستیہ پال یار باش اور ہر سلسلہ میں تیار ہو جانے والا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم لوگوں کے ان کے درمیان جانے سے انہیں اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں مہاراج ـــ اور پھر ہم معمولی لوگ تو نہیں ہیں۔" ستیہ پال نے اکڑتے ہوئے کہا۔ اور میں ہنسنے لگا۔ بہرحال ہم دونوں آگے بڑھ گئے تھے ـــ پھر میں ستیہ پال کو بھول گیا۔ چندر گپت نے جو فوج جمع کی تھی، وہ درحقیقت شاندار لوگوں پر مشتمل تھی۔ بڑے قد آور اور صحتمند جوان تھے۔ میں نے کافی باریک بینی سے ان فوجوں کا جائزہ لیا تھا۔ بات صرف ان کی نہیں تھی بلکہ اس سے خود چندر گپت کے بارے میں بھی اندازہ لگانا تھا۔

اور تھوڑی ہی دیر میں، میں نے محسوس کیا کہ چندر گپت بہرحال ایک ذہین، اولوالعزم اور ہر سلسلہ کو محسوس کرنے والا شخص ہے۔ اس نے صرف انسانوں کو جمع کر لینے کا کارنامہ نہیں انجام دیا تھا بلکہ دوسرے انتظامات بھی بھرپور طور پر کئے تھے۔ ان میں گھوڑے، گھوڑوں کے لئے چارہ، انسانوں کے لئے خوراک، پانی کے ذخائر جمع کرنے کے انتظامات اور بہترین اسلحے کی فراہمی کے علاوہ اسلحہ سازی کی چیزیں بھی ساتھ لی تھیں، اور یہ اس کی ذہانت کا ثبوت تھا۔

ستیہ پال بھی گہری نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "تم نے تو بہت کچھ دیکھا ہے مہاراج ـــ ان ساری چیزوں کے بارے میں کچھ نہ کہو گے؟"

"ضرور کہوں گا ستیہ پال ـــ اور میرا صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ چندر گپت درحقیقت فاتح ہو گا۔"

"بہت بڑی بات ہے مہاراج۔"

"وہ ذہین ہے اور انتظامی امور کی صلاحیت رکھتا ہے۔" میں نے کہا اور ستیہ پال سر ہلانے لگا۔

راجہ چندر گپت نے ہمیں فراموش نہیں کیا ـــ رات کے کھانے پر اس نے بڑی عقیدت سے ہم دونوں کو مدعو کیا تھا۔ اب اس نے علی الاعلان پہاڑوں میں خیمے لگوا دیئے تھے اور ایک عظیم الشان لشکر پوری تیاریوں کے ساتھ موجود تھا۔

اس نے اپنی کمین گاہ کے باہر ہمارا استقبال کیا تھا۔ وہ بڑے پرجوش انداز میں ہم سے ملا تھا اور پھر وہ ہمیں اپنے ساتھ اندر لے گیا جہاں کھانے کا عمدہ انتظام کیا گیا تھا۔

"بڑا آنند آیا مہاراج ـــ آپ کے ساتھ بھوجن میں۔ ماتا جی نے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔" کھانے کے بعد اس نے کہا۔ میں اس بات پر خاموش ہی رہا تھا۔ "بھگوان کی سوگند ـــ میں نے کبھی خود پر مان نہیں کیا ہے۔ بھگوان نے میری سہائتا کی ہے اور یہ لوگ میرے ساتھ ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی ـــ پھر بھی میں آپ کے آنے کو اپنے لئے ایک بڑا شگون سمجھتا ہوں۔ میرے من کو ادھک شانتی ملی ہے اور میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہو چندر گپت۔" میں نے کہا۔

"یہ سارے انتظامات میں نے کئے ہیں۔ لیکن مہاراج! آپ ان انتظامات کو دیکھیں۔ اس بارے میں آپ کی جو بھی رائے ہو گی میرے لئے بہت بڑی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں میری سہائتا کے لئے آپ جو کچھ بھی کہنا چاہیں کھل کر کہہ دیں۔"

"ٹھیک ہے چندر گپت ـــ لیکن اس سے پہلے میں یہ ثابت کروں گا کہ میں اس کا اہل بھی ہوں یا نہیں۔" میں نے کہا۔

"میں نہیں سمجھا مہاراج!" چندر گپت نے کہا۔

"سنو چندر گپت! میں جو کوئی بھی ہوں، جو کچھ بھی ہوں، مجھے تم سے کوئی لالچ نہیں ہے۔ نہ ہی میرے اوپر کہیں سے کوئی پابندی ہے کہ میں تمہاری مدد کروں۔ تمہارے نجومی نے میرے بارے میں پیشگوئی کی، یہ اس کا علم تھا۔ میں سمندر میں گہری نیند سو رہا تھا، انہوں نے مجھے اس میں سے نکال لیا۔ میں نے کوئی اعتراض صرف اس لئے نہیں کیا کہ جن لوگوں کے درمیان میں آیا تھا وہ بذاتِ خود بہت اچھے تھے اور میرے ساتھ اس دوستانہ انداز میں پیش آئے کہ میں نے ان کے درمیان خود کو اجنبی نہیں سمجھا۔"

"یہ بات میں جانتا ہوں مہاراج!" چندر گپت نے کہا۔

"میں تمہارے لئے جو کچھ کروں گا اس میں کوئی لالچ نہیں ہو گا۔"

"ہم آپ کو دے بھی کیا سکتے ہیں پرمیشور۔" چندر گپت نے کہا۔

"میں تمہاری روحانی مدد ہی نہیں کروں گا بلکہ اس کے علاوہ میں جسمانی طور پر بھی تمہارے لئے کام کروں گا۔"

"دیا مہاراج کی۔" چندر گپت ممنونیت سے بولا۔

"لیکن ایک خرابی ہے میرے اندر۔"

"وہ کیا بھگوت؟"

"اگر میں تمہاری مرضی کے مطابق خود کو اس کا اہل ثابت کر دوں کہ میں تمہارے کام کا آدمی ہوں تو پھر ـــ میری بات مانی جائے۔ میں اگر کچھ ایسی باتیں بھی کہوں جو تمہارے لئے ناپسندیدہ ہوں تو تم انہیں مانو گے۔"

"مان لیا مہاراج!" چندر گپت نے مستانہ انداز میں کہا۔

"بس اس کے علاوہ اور مجھے کچھ نہیں کہنا۔"

"ٹھیک ہے بھگوان۔ تم دیکھو گے کہ تم میرے ساتھ خوش رہو گے۔" چندر گپت نے کہا۔ اور پھر مزید کچھ گفتگو کے بعد میں اور ستیہ پال اپنی رہائش گاہ پر آ گئے۔ چندر گپت نے چلتے وقت مجھے دوسرے دن صبح کا بھوجن اپنے ساتھ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے ستیہ پال سے بھی کہا تھا لیکن ستیہ پال کسی قدر عجیب انسان تھا ـــ اس نے معذرت کر لی تھی اور چندر گپت نے اس کا احساس بھی نہیں کیا۔ لیکن راستے میں، میں نے اس سے کہا۔

"تم نے کل آنے سے انکار کیوں کر دیا ستیہ پال؟"

"تم نہیں سمجھتے مہاراج ـــ میں ان لوگوں میں زیادہ گھلنا ملنا نہیں چاہتا۔ تمہاری بات اور ہے، تم تو نہ جانے کہاں سے آئے ہو اور نہ جانے کہاں چلے جاؤ گے۔ میں اگر پھنس گیا تو......"

"پھنس جانے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے پتا ـــ" ستیہ پال نے گہری سانس لیکر کہا۔ "میرے پتا جی ایک سپاہی تھے۔ جیون بھر تلوار چلاتے رہے اور پھر ایک دفعہ مارے گئے۔ میں شروع ہی سے جیون کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہوں جس کی قدر کرنی چاہیئے۔ آدمی بلاوجہ کام دھندوں میں پڑ کر جیون کو روگ لگا لیتا ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسا دھندہ تلاش کیا جائے کہ محنت کریں دوسرے ـــ کھائیں ہم۔"

"کیا بکواس ہے۔" میں نے کہا۔

"سو میں نے تلاش کر لیا ـــ بس تھوڑی سی تپسیا ہی کرنی پڑی۔"

"بڑے کاہل انسان ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے جیون ہی یہ ہے مہاراج! کیا رکھا ہے کام دھندوں میں۔ اگر آج میں بڑھ چڑھ کر کاموں میں حصہ لینے لگوں تو کل سے چندر گپت مہاراج ہر کام میں ستیہ پال کو گھسیٹ لیا کریں گے اور ستیہ پال کے جیون کا ستیاناس ہو کر رہ جائے گا۔" ستیہ پال نے اس انداز میں کہا کہ مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"بڑے کام چور ہو ستیہ پال!" میں نے کہا۔

"بس بس مان مہاراج! ایسے اپدیش نہ دو۔ سارے کام تم خود ہی کر لو۔ بھگوان نے تمہیں بڑی لمبی عمر دی ہے۔ ہم تو تھوڑے دن ہی اس سنسار میں بتائیں گے ہمیں تو مزے کر لینے دو۔"

"ٹھیک ہے ستیہ پال! تم مزے کرو۔ لیکن اب چند روز کے بعد چندر گپت یہاں سے روانہ ہو جائے گا، جنگیں ہوں گی، ان دنوں میں تم کیا کرو گے؟"

"عیش۔" اس نے سکون سے جواب دیا۔

"وہ کس طرح؟"

"ان معاملوں میں ستیہ پال بے بس نہیں ہے مہاراج! اپنا تو پورا جیون ہی چکر بازی میں گزرا ہے اور بھگوان نے چاہا تو باقی جیون بھی ایسے ہی گزرے گا۔ ارے تم دیکھنا گھمسان کے رن میں بھی ستیہ پال کے یہی مزے ہوں گے۔"

"اور میں کیا کروں گا؟" میں نے پوچھا۔

"دن میں جو مرضی ہو کرتے رہنا۔ مگر رات کو ستیہ پال سے دور مت رہنا۔ تم تو جیون کے ساتھ ہو۔" اس نے مست انداز میں کہا اور میں ہنستا رہا۔ درحقیقت بڑا ہی من موجی انسان تھا۔ اس رات بھی پانچوں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی میرے ساتھ رہی۔ اور دوسری صبح میں اس سے اجازت لیکر راجہ چندر گپت کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اس کے آدمی ملے جو مجھے دیکھ کر رک گئے تھے اور میرے قریب پہنچنے پر وہ جھک گئے۔

"ہم آپ کے پاس ہی جا رہے تھے مہاراج!" انہوں نے کہا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مہاراج چندر گپت صبح کے بھوجن پر انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوہ، چلو۔" میں نے کہا۔ اور وہ میرے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اپنے اپنے کاموں میں الجھے ہوئے لوگ رک رک کر مجھے دیکھنے لگتے تھے۔ عورتیں اور بچے میری اطلاع سن کر ٹھکانوں سے نکل آتے تھے۔ لڑکیوں کی آنکھوں میں بعض اوقات مجھے عجیب سی کیفیت نظر آتی تھی۔ لیکن اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے اس کیفیت پر کوئی توجہ نہیں دی جا سکتی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں چندر گپت کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے حسب معمول پرتپاک انداز میں میرا خیر مقدم کیا تھا۔ "آپ کے بارے میں سن سن کر تو میں حیران رہ گیا ہوں مہاراج! لوگ نہ جانے کیا کہانیاں سناتے ہیں۔"

"کہانیوں پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہیئے چندر گپت۔"

"مگر مہاراج! اگن سے جیتا جاگتا نکل آنا تو بڑا ہی حیرتناک ہے۔"

"سنسار میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں حیران کر دیتی ہیں۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور کافی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "ماتا جی تم سے بہت پریم کرنے لگی ہیں۔ تمہارا روپ بھی انوکھا ہے۔"

"اور ماتا کے روپ میں وہ انوکھی ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تمہیں پسند آئی ہیں میری ماتا؟"

"بہت۔ بس مجھ سے اس بارے میں نہ پوچھو۔" میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔

"تمہیں یہ سن کر ضرور دکھ ہو گا مہاراج کہ کچھ پاپی میری ماتا کا اپمان کر کے بہت خوش ہوتے ہیں۔ وہ ان سے اس لئے ناراض تھے کہ وہ اچھوت ذات

سے تعلق رکھتی ہیں۔ سارا کام انہی لوگوں کا بگاڑا ہوا ہے۔" چندرگپت نے کہا۔

"تمہارے دیش میں یہ سب سے بڑی بدنصیبی ہے چندرگپت۔"

"کیا مہاراج؟"

"یہی اونچی اور نیچی ذاتوں کی تفریق۔ انسان تو سب یکساں ہوتے ہیں۔"

"بھگوان کی سوگند۔ یہی اُپدیش مہاتما بدھ کا ہے۔ میں ان کے دھرم سے اسی لئے پریم کرتا ہوں۔ میرا من اس دھرم کی طرف بار بار جاتا ہے اگر کبھی بھگوان نے مجھے موقع دیا تو میں اس دھرم کے بارے میں پوری پوری چھان بین کروں گا اور اگر اسے اپنے دھرم سے اچھا پایا تو اسے اپنا لوں گا۔" چندرگپت نے کہا اور میں بدھ مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔

کافی دیر تک ہم بدھ مت کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ اسی دوران ناشتہ بھی لگ گیا اور ہمارے ساتھ دوسرے بہت سے افراد نے ناشتہ کیا۔ اور پھر ہم ناشتے سے فارغ ہو گئے۔ چندرگپت کے خصوصی مشیر چانکیہ نے جو خاصا جہاندیدہ آدمی معلوم ہوتا تھا، فوجوں کے بارے میں یاد دلایا۔

"کیا آپ ہمارے ساتھ سیناؤں کو دیکھیں گے مہاراج؟" چندرگپت نے پوچھا۔

"ہاں ضرور ۔۔۔ اور ان کے بارے میں سوالات بھی کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ہماری خوش نصیبی ہو گی مہاراج!" چانکیہ بولا۔

"کیا یہ ساری فوجیں تربیت یافتہ ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مہاراج ۔۔۔ لیکن یہ جنگجو قبیلوں کے لوگ ہیں۔"

"پھر تم نے ان کی تربیت کا کیا انتظام کیا ہے؟"

"انہی میں سے کچھ لوگ عمدہ سپاہی ہیں۔ وہ انہیں تربیت دیں گے۔"

"کیا ان کی تعداد کافی ہے؟"

"بہت کافی نہیں ہے۔ لیکن بہرحال اتنے ہیں کہ ہم ان سے یہ کام لے سکتے ہیں۔ صرف اتنا کرنا ہو گا کہ سپاہیوں کی بڑی مقدار پر ایک ایک آدمی مقرر کرنا ہو گا۔" چندرگپت نے جواب دیا۔

"اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم لوگ فوجوں کے درمیان پہنچ گئے۔ چانکیہ نے خصوصی طور پر فوجی تربیت کا بندوبست کیا تھا۔ چنانچہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مختلف لوگوں کی سربراہی میں مشق کر رہے تھے۔ ہتھیاروں کی کافی تعداد تھی اور وہ انہیں بخوبی استعمال کر رہے تھے۔ بعض لوگ اچھے سپاہی تھے اور ان کے ہاتھ بتا رہے تھے کہ وہ اسلحے کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہیں۔

میں نے گھوڑے طلب کئے کیونکہ یہ لوگ طویل وعریض علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور میں ان سب کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ چندرگپت، میں اور چانکیہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر فوجی دستوں کے درمیان سے گزرتے رہے۔ ہم تربیت دینے والوں کا اور تربیت پانے والوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ میں نے آخری سرے تک چکر لگایا۔ بھانت بھانت کے لوگ نظر آئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پر رک گئے جہاں ایک عجیب الخلقت آدمی ایک وزنی گرز سے دس بارہ پہاڑی آدمیوں پر حملے کر رہا تھا۔ یہ انتہائی طویل القامت اور اسی کی مناسبت سے چوڑے چکلے بدن کا مالک تھا۔ چہرے پر ڈاڑھی اسی طرح اُگی ہوئی تھی جیسے کسی چٹان میں جھاڑیاں اُگ آئیں۔ بال بھی بے ترتیب تھے۔ اور جس انداز میں وہ حملے کر رہا تھا اس سے احساس ہوتا تھا کہ چند ہی لمحات کے اندر اس کے مقابل زخمی ہو جائیں گے۔ میں رک کر اسے دیکھنے لگا۔ چندرگپت اور چانکیہ بھی دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔

"یہ کون ہے؟"

"ایک پہاڑی آدمی چندنا۔ اپنے قبیلے کا سردار ہے اور یہ لوگ جو اس کے مقابل نظر آ رہے ہیں، اسی کے قبیلے کے لوگ ہیں۔"

"لیکن یہ جس طرح ان پر حملے کر رہا ہے اس سے تو یہ زخمی ہو جائیں گے۔"

"ہاں، اندازہ تو یہی ہوتا ہے لیکن وہ پہاڑی وحشی ہیں، ان کا طریقہ جنگ یہی ہو گا۔ وہ اپنا ایک الگ دستہ بنائیں گے اور اسی انداز میں وحشیانہ جنگ کریں گے۔ یہ بات مجھے چندنا نے بتائی تھی۔"

"کیا میں اس سے بات کروں؟"

"ضرور مہاراج! آپ اس سے جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں، پوچھ لیں۔" چانکیہ بولا۔ اور میں نے حلق سے آواز نکال کر اسے اپنے قریب بلا لیا۔ وحشی صفت آدمی نے اپنا وزنی گرز لاپرواہی سے نیچے پھینک دیا اور میرے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ہمارے قریب پہنچ کر وہ جھکا۔ لیکن میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی کوئی حرکت کرے گا۔ وہ میرے گھوڑے کے نیچے گھس گیا اور پھر اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ کمبخت کے ہاتھوں کا پھیلاؤ بھی کافی تھا جو گھوڑے کے چاروں پیروں کے گرد کس گئے۔ اور پھر وہ کندھوں پر گھوڑے کو اُٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں بدستور گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔

چانکیہ اور چندرگپت ہنس پڑے تھے اور اس کے ساتھ ہی طویل القامت چندنا کے ساتھی بھی۔ میں خاموشی سے گھوڑے پر بیٹھا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ دیو قامت آدمی گھوڑے کو نیچے اُتار دے۔ وہ کافی دیر تک کھڑا رہا اور پھر گھوڑے کو نیچے اُتار دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر وہ دونوں ہاتھ مَسلنے لگا۔

"سادھو مہاراج کو اسی طرح ودھائی دے سکتا تھا۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب۔" چندرگپت نے تعریفی انداز میں کہا۔

"مہاراج آشیرواد نہ دیں گے؟" اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں دھن واد بہادر دھن واد۔" میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "لیکن تم جس انداز میں اپنے آدمیوں کو تربیت دے رہے ہو، میرے خیال میں وہ غیر مناسب ہے۔"

"او ہو، یہ گیان دھیان کی باتیں نہیں ہیں مہاراج! جنگ کی باتیں ہتھیاروں کی باتیں ہیں۔ میں ان لوگوں کو جو تیاریاں کرا رہا ہوں وہ انہیں کندن بنا دیں گی کندن۔"

"میرا خیال ہے تم غلط سوچ رہے ہو چندنا!" میں نے صبر وسکون سے کہا۔

"ہم سپاہی ہیں مہاراج! صحیح یا غلط کا فیصلہ ہتھیاروں کو ہاتھ میں لے کر کرتے ہیں۔ اور نہ ایسی بات سُن سکتے ہیں۔ اگر ہم غلط کر رہے ہیں تو آؤ صحیح کر کے بتاؤ۔"

"او ہو چندنا! مہاراج اوتار ہیں ان سے ایسی بات مت کرو۔"

"مہاراج ہم تو اُسے ہی اوتار مانتے ہیں جس کے ہاتھ میں گُرز ہو۔" وہ اپنی طاقت پر بہت نازاں تھا۔

"میرا خیال ہے چندرگپت مہاراج! اسے سمجھا دینا اچھا ہو گا۔" میں گھوڑے سے نیچے اُتر گیا۔

"مہاراج ۔۔۔ مہاراج!" چندرگپت اور چانکیہ بے اختیار بولے لیکن میں گھوڑے سے اُتر چکا تھا اور پھر میں نے چندنا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "آؤ چندنا! میں تمہیں بتاؤں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔"

"ہاہا ۔۔۔ آؤ مہاراج!" چندنا نے کہا۔ اور ہم دونوں اس جگہ پہنچ گئے جہاں چندنا اپنے آدمیوں کو مشق کرا رہا تھا۔ اس نے زمین پر پڑا گرز اُٹھا لیا اور میں نے اس کے ایک ساتھی سے گُرز طلب کیا۔ ہلکا گُرز تھا جو میرے ہاتھ میں کسی کھلونے کے مانند ہی تو تھا۔ لیکن چندنا کو سبق دینے کے لئے اسی سے کام چلانا تھا۔ چانکیہ اور چندرگپت مضطربانہ انداز میں گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے۔ ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار تھے لیکن مجھے جنگ کے لئے آمادہ دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گئے۔

چندنا دانت نکالے گُرز تول رہا تھا۔

"گیان کی جنگ نہیں ہے مہاراج! ہتھیاروں کو ہتھیاروں کی طرح پکڑو۔ لو سنبھالو۔" اس نے جُھکائی دی اور پھر گُرز سے میرے اوپر حملہ کیا۔ میں نے اس کے اس وار کو اپنے گُرز پر روکا۔ لوہے سے لوہا ٹکرایا مگر اصل کام جسموں کی طاقت کا تھا۔ چندنا کا پورا وزن اپنے گُرز پر تھا۔ وہ میرے ہاتھ کو اپنی قوت سے جھکانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کا چوڑا چکلا بدن میرے اوپر چھایا ہوا تھا۔ لیکن پھر اس کا بدن سیدھا ہو گیا۔

اس نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی۔ لیکن چھوٹا سا گُرز اس کے وزنی گُرز کو برابر پیچھے دھکیل رہا تھا اور پھر اسے سیدھا کر کے میں نے اپنے پاؤں سے اس کا پاؤں آگے کھسکا لیا اور وہ کسی وزنی تنے کی مانند زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

تمام لوگ حیرت سے چیخ پڑے اور میں پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"میرا مقصد یہی تھا اپنے سے کمزور انسانوں کو اس طرح ہمیشہ اذیت دو کہ وہ بددل نہ ہو جائیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا اور جسیم چندنا نے اُلٹی چھلانگ لگائی اور حیرت انگیز طور پر کھڑا ہو گیا۔

"ایسے نہیں مہاراج! لغزش سے بھُول بھی ہو جاتی ہے، اب کے سہی۔"

"کیا تم مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو چندنا؟"

"ہاں مہاراج! بات دراصل یہ ہے کہ ہم جنگ کو اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ ہار جاتے ہیں تو مرنا پسند کرتے ہیں اور اگر بچ بھی گئے تو پھر سدا کے لئے اُسے بڑا مانتے ہیں جو ہمیں ہرا دے۔"

"مگر چندنا! مہاراج سے تمہاری جنگ تو نہیں؟" چانکیہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مہاراج! پرنت ہتھیار اُٹھ گئے ہیں، اب تم نہ بولو۔" چندنا پیچھے ہٹ کر بولا اور اس نے گُرز تول لیا۔ تب میں نے اپنا چھوٹا سا گُرز پھینک دیا اور اس کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔

"ارے کیوں مہاراج! تم نے ہتھیار کیوں پھینک دیئے۔ کیا لڑو گے نہیں؟" اس نے کہا۔

"بات صرف تمہیں سمجھانے کی تھی۔ اگر تم اسے ہار یا جیت کا رنگ دے رہے ہو تو پھر میرے مقابلے میں تم کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میں تمہیں بغیر ہتھیار کے شکست دے سکتا ہوں۔ اب تم جو حملہ کرو تو اس میں کوئی رعایت نہ ہو۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اور پھر اُس نے اسی طرح حملہ کیا جیسے ایک ہی وار میں مجھے زمین بوس کر دے گا۔ گُرز سیدھا میرے سر کی جانب آیا تھا۔ لیکن میں نے اسے کلائی پر روکا۔ لوہے کے اس قدر وزنی گُرز اور پھر اس خوفناک انسان کی طاقت کو روکنا انسانی بس کی بات تو نہ تھی۔ گُرز سیدھا میری کلائی پر پڑا تھا۔ میں نے اس پر سے ہاتھ پھسلایا اور اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرا ہاتھ میں نے اس کے زیریں لباس میں ڈالا تھا اور دوسرے لمحے وہ گُرز سمیت میرے سر سے بلند ہو گیا۔ اور پھر میں نے اسے آہستہ سے زمین پر رکھ دیا۔

چندنا کی سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا۔ وہ بُری طرح چکرا گیا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور دونوں طرف گردن جھٹکنے لگا۔ چانکیہ اور چندرگپت میرے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

"بس مہاراج! فیصلہ تو ہو گیا۔" انہوں نے کہا۔

"اگر چندنا مان لے۔" میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"مان لیا مہاراج! اچھی طرح مان لیا۔ اور ہم یہ نہیں کہیں گے کہ یہ گیان کی مار ہے۔ ہمیں تو سیدھے سیدھے داؤ سے مارا گیا ہے۔" چندنا نے خلوصِ دل سے اعتراف کیا اور کھڑا ہو گیا۔

"میری رائے ہے چندنا! تم اپنا وزنی گُرز پھینک کر ہلکے ہتھیار سے ان لوگوں کو مشق کراؤ۔"

"جو آگیا مہاراج!" چندنا نے جواب دیا۔ وہ اب بالکل سیدھا ہو گیا تھا۔

ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

چندرگپت اور چانکیہ متحیرانہ انداز میں بار بار مجھے دیکھ رہے تھے یقیناً

اب میں ان کے لئے ناقابلِ فہم بن گیا تھا۔ کبھی وہ میری شکل وصورت پر غور کرتے تھے۔ کبھی ان کے ذہن میں آتا تھا کہ آگ میرے بدن پر اثر انداز نہیں ہوتی اور کبھی وہ میری طاقت پر غور کرتے تھے۔ یقیناً میں ان کے لئے ایک اُلجھا ہوا انسان ہوں گا۔ بہرحال فوجی تربیت کے سلسلے میں میں نے اسے بہت سے مشورے دیئے۔ اور پھر ہم وہاں سے واپس چل پڑے۔

ستیہ پال کا اندازہ درست ہی تھا کہ جس قدر قدم آگے بڑھاؤ، ذمے داریاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ اسی دن چندر گپت نے مجھ سے درخواست کی کہ میں فوجوں کی نگرانی اپنے سپرد لے لوں۔ بہرحال میں نے انکار نہیں کیا تھا ہاں، رات کو جب میں نے ستیہ پال کو اس بارے میں بتایا تو اس نے ایک گہری سانس لی۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا مہاراج! کہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لوگے تو جیون نرکھ بن جائے گا۔"

"لیکن بے وقوف آدمی! کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ چندر گپت کی پریشانیاں دُور ہوں؟"

"یہ تو چاہتا ہوں مہاراج! لیکن اس بارے میں کیا ضروری ہے کہ ہم لوگ ہی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں۔ ارے جس کا جو کام ہے وہی کرے تو اچھا لگتا ہے۔ ہم لوگوں کو تو گیان کی باتوں سے ہی فرصت نہیں ہے۔ ہم ان چکروں میں پڑ کر کیا لیں گے۔ بہرصورت تم کرو جو بھی کرنا چاہتے ہو، میں تمہیں نہیں روکوں گا۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

پھر یہی ہونے لگا۔ میں نے فوجوں کی تربیت شروع کردی۔ ان لوگوں میں کوئی ایسا نہیں تھا جو میری بات سے اختلاف کرتا ہو۔ ہر شخص میری عزت کرتا تھا اور ان کے درمیان میں ایک حیرت انگیز آدمی کی حیثیت سے مشہور تھا۔ اکثر چندر گپت اور چانکیہ میری تربیت دیکھنے آجاتے تھے۔ چندر گپت بار بار کہا کرتا تھا۔

"بھگوان کی لیلا نرالی ہے۔ اکثر میں نے سوچا مہاراج مان! کہ آپ اکیلے ہو کر میری سہائیتا کیسے کریں گے۔ لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ آپ تو میرے بہت بڑے مددگار ثابت ہوں گے۔ آپ نے سیناؤں کو جیسے سنبھالا ہے میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے لئے جب بھی کوئی آ گیا ہو آپ مجھے ضرور بتا دیں۔ میں ہر وقت آپ کے مشوروں کا آرزومند رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے چندر گپت!" میں نے طویل سانس لیکر کہا۔

فوجوں کے بارے میں یہ اندازہ تو میں لگا چکا تھا کہ یہ سب بہادر اور جنگجو لوگ ہیں۔ صرف ہتھیاروں کے صحیح استعمال سے واقفیت کی بات تھی جسے انہوں نے نہایت خوبی سے اپنا لیا ہے اور اب وہ کسی بھی جنگ کے لئے مکمل طور پر تیار ہیں۔

چنانچہ اسی رات کھانے پر جب چانکیہ اور دوسرے بڑے بڑے اُمراء موجود تھے میں نے چندر گپت سے کہا۔

"میرا خیال ہے چندر گپت! سیناؤں کا یہاں زیادہ عرصے تک ٹھہرنا اچھا نہ ہوگا۔ ظاہر ہے تم نے خوراک کا جس قدر انتظام کیا ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو رہا۔ بہت تھوڑے عرصے میں یہ ذخیرہ ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد غذائی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

"بالکل ٹھیک مہاراج! ہم لوگ بھی یہ بات سوچ رہے تھے۔"

"کسی نتیجے پر پہنچے آپ لوگ؟"

"سمجھ میں نہیں آتا مہاراج! کیا کیا جائے؟ مگدھ دیش پر حملہ کرنا سخت مشکل کام ہے اور اس کے لئے بہت لمبا سفر کرنا پڑے گا اس لئے ہم لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ پہلے کچھ اور کریں — آپ ہی بتائیں مہاراج اگر کیا کیا جائے؟"

"میں تمہیں مشورہ دوں گا چندر گپت! کہ فوجوں کو منظم کرو اور یہاں سے چل پڑو۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے علاقے آئیں، وہاں [illegible] رلے غذا حاصل کرو اور انسانوں کو پکڑ پکڑ کر غلام بناؤ۔ اس طرح ہمارے پاس افرادی قوت بھی بڑھ جائے گی اور خوراک بھی جمع ہو جائے گی۔ اس کے بعد ہم پنجاب پر حملہ کریں گے۔"

"پنجاب پر؟" چندر گپت نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"لیکن وہاں یونانیوں کی حکومت ہے۔" چندر گپت نے کہا۔

"یونانیوں کے خلاف بغاوت ہو چکی ہے۔ اب یہ بغاوت جڑ پکڑ جا رہی ہے۔ چنانچہ اس سے بہتر وقت کوئی اور نہیں ہوگا۔" میری بات سُن کر چندر گپت کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار پھیل گئے۔

"آپ کو — آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی مہاراج؟" اس نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ سوال کیوں کر رہے ہو چندر گپت؟" میں نے کہا۔

"ہاں چندر گپت — مہاراج سے یہ سوال تو ٹھیک نہیں ہے۔" چانکیہ نے سرسراتی آواز میں کہا۔ اور چندر گپت سر ہلانے لگا۔ وہ کافی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا تھا۔ پھر اس نے ایک طویل سانس لی۔

"اگر یہ بات ہے چانکیہ تو پھر — تو پھر ہمیں اس سے اچھا موقع واقعی کوئی نہیں مل سکتا۔"

"مہاراج نے غلط تو نہیں کہا ہوگا۔"

"پھر اب کیا کیا جائے؟"

"تیاریاں۔" چانکیہ نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں مہاراج پر پورا بھروسہ کرتا ہوں۔" چندر گپت نے جواب دیا۔

اور وہی ہوا پروفیسر! انہوں نے فوری طور پر تیاریاں شروع کردیں۔ گویا انہیں مجھ پر مکمل اعتماد ہو چکا تھا اور دوسرے دن ہی روانگی ٹھہری تھی۔ لیکن رات کو جب میں نے ستیہ پال کو یہ بات بتائی تو اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر بولا۔

"میں اس بارے میں کوئی بات یوُں نہ کہوں گا کہ تم تو آئے ہی اس لئے تھے لیکن کچھ جلدی ہو گئی۔ خیر ہم اپنا کام کسی نہ کسی طرح چلا لیں گے۔ لیکن ایک بات کہے دیتا ہوں مہاراج!"

"کیا — کہو۔" میں نے کہا۔

"کہیں بھی جاؤ — کچھ بھی کرو۔ رات کو میرے پاس ضرور آجانا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہ وعدہ تم سے کر چکا ہوں۔"

"کب چل رہے ہیں؟"

"کل۔" میں نے جواب دیا۔

"جے بھگوان! ٹھیک ہے مہاراج! ہم بھی تیار ہیں۔" اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ اور پھر بولا۔ "تب پھر آج رات خوب جشن منایا جائے۔ تین سُندر ناریاں آج ہماری مہمان ہیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اب خود آگئی ہیں تو میں کیا کروں۔" ستیہ پال نے مُنہ بنا کر کہا۔

"ستیہ پال!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ان میں بیلا یا کامنی تو نہیں ہیں؟"

"ارے، دونوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ اب ستیہ پال اتنا گرا ہوا بھی نہیں ہے کہ اس کا متر اس سے کوئی بات کہے اور وہ اس کا پالن نہ کرے۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ جو تمہارے پاس تھیں ان کا کیا ہوا؟"

"خوشی خوشی واپس چلی گئیں۔ انہوں نے کافی آشیرواد لے لی ہے۔ جیون سپھل ہو گیا ہے ان کا۔ اب سارے جیون انہیں کسی آشیرواد کی ضرورت نہیں ہے۔" ستیہ پال نے کہا۔ اور میں اس مکار انسان کو گھورنے لگا۔ بہت چالاک شخص تھا۔ لیکن عمومی حالات میں بے ضرر۔ اس رات کی تینوں لڑکیاں بھی کافی خوبصورت تھیں۔ مجھے ان سے مل کر کافی حیرت ہوئی۔ بظاہر کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ان پر کوئی ایسا اثر ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پورے طور سے اپنی ہی مرضی سے آئی ہیں اور ستیہ پال نے انہیں اس کے لئے مجبور نہ کیا ہو۔ بہرحال دوسری حسین راتوں کی مانند یہ رات بھی کافی دلکش تھی۔ ہاں دوسرے دن صبح سے مصروفیات کچھ بدل گئیں۔ آج فوجیں زبردست تیاری میں مصروف تھیں۔ چاروں طرف گہما گہمی تھی۔ سامان گھوڑا گاڑیوں پر لادا جا رہا تھا۔ چاق و چوبند گھوڑوں کی مالش کی جا رہی تھی۔ وہ لوگ جو عرصے سے یہاں مقیم تھے، اب روانگی سے بہت خوش نظر آرہے تھے۔ چانکیہ اور چندر گپت بذاتِ خود سارے انتظامات کی نگرانی کر رہے تھے۔

مجھے دیکھ کر فوراً چندر گپت نے اپنے آدمی بھیجے اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

"اگر انتظامات میں کوئی خاص مشورہ دینا ہو مہاراج! تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔"

"مشورہ کیا ہو سکتا ہے۔ تم نے فوجوں کی ترتیب کس انداز میں کی ہے؟"

"بس مہاراج! سیدھی سیدھی سی بات ہے۔ سب سے آگے سواروں کے دستے ہوں گے، ان کے پیچھے پیادے اور پھر ان کے پیچھے ہتھیاروں کے محافظ، پھر سامان کی گاڑیاں اور اس کے ساتھ ہی عورتیں۔"

"مناسب ہے۔"

"بس اب آخری بات اور کہنی ہے مہاراج! وہ یہ کہ ان سیناؤں کے سیناپتی آپ ہوں گے۔"

"اوہ، اس کی ضرورت نہیں ہے چندر گپت! میں ایک سپاہی کی حیثیت سے تمہاری فوجوں کے ساتھ لڑوں گا۔"

"نہیں مہاراج! یہ ہم سب کی منو کامنا ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی چندر گپت! میں صرف اپنا کام انجام دوں گا۔" میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

بہرحال سورج جس وقت بلندیوں کی جانب سرک رہا تھا ہم لوگ روانہ ہو گئے۔ میرے ساتھ چندر گپت، چانکیہ اور چندنا تھے۔ ہم لوگوں کو شاندار گھوڑے دیئے گئے تھے۔ ابتدائی سفر نہایت تیز رفتاری سے کیا گیا۔ اور پھر جب شام ہو گئی تو سفر کی رفتار سُست ہو گئی اور ہم نے سورج چھپے پہلا پڑاؤ کیا۔ سب لوگ بیحد پُراُمید تھے اور خوش نظر آرہے تھے۔ جس قدر خیمے تھے لگا دیئے گئے تھے اور عورتوں کو ان میں منتقل کر دیا گیا۔ لیکن اپنا یار ستیہ پال یہاں بھی وہی حیثیت رکھتا تھا۔ خوب چکر چلا رکھا تھا اس نے۔ فوجیں اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئیں۔ چونکہ میرے سپُرد ان فوجوں کی ذمّے داری تھی اس لئے میں نے پورے کیمپ کا ایک چکر لگایا اور پھر چندنا کے پاس رُک گیا۔

"کیا کر رہے ہو چندنا؟"

"بس مہاراج! وہی جیون کے کام۔" چندنا نے جواب دیا۔

"کل صبح کو میں تمہارے سپُرد ایک اہم ذمّے داری کر رہا ہوں۔"

"میرے بھاگ مہاراج!" چندنا نے خوش ہو کر کہا۔ "آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔ کیا آپ مجھے وہ کام بتائیں گے جو آپ میرے سپُرد کرنا چاہتے ہیں مہاراج؟"

"ہاں چندنا! تم جانتے ہو کہ مجھے سیناپتی بنا دیا گیا ہے۔ میں سادھو منش ان ذمّے داریوں کو نہیں سنبھال سکتا۔ میری نگاہ میں تم اس کام کے لئے سب سے بہتر آدمی ہو۔ بہرحال میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھی کی حیثیت سے اس کام کو سنبھال لو۔"

"مہاراج جو آگیا دیں۔" چندنا نے کہا۔ اس کے چہرے پر خوشی نظر آرہی تھی۔

بہرحال چندنا کو کچھ ذمّے داریاں سونپ کر میں کسی حد تک آزاد ہو گیا تھا۔ رات کو میں اپنے دوست ستیہ پال کے پاس پہنچ گیا جو خیمے میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس نے اطمینان کی گہری سانس لی اور پھر پھیکے انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔

"آ گئے مان بھیا! میں تو سوچ رہا تھا کہ کہیں بھُول نہ جاؤ۔"

"اُداس نظر آرہے ہو ستیہ پال؟"

"ارے نہیں بھیا! اُداسی کا اپنے ہاں کیا کام۔" اس نے جواب دیا۔

"خیمہ بھی خالی نظر آرہا ہے۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ستیہ پال اپنی جگہ سے اُٹھا اور خیمے کے ایک سرے پر جاکر اس نے ایک پردہ کھینچ دیا۔ پردے کے پیچھے دو لڑکیاں سر جھکائے بیٹھی تھیں اور میں حیران رہ گیا۔ خیمے کے اس حصے کو میں اس کا اختتام سمجھا تھا۔ لیکن خیمہ دُہرا تھا۔ ستیہ پال نے یہاں بھی چالاکی سے کام لیا تھا۔ لڑکیاں اُٹھ گئیں اور وہیں سے انہوں نے آفتابے اُٹھائے اور ہمارے سامنے آگئیں۔ پھر انہوں نے آفتابے رکھے اور سیدھی کھڑی ہوگئیں۔

"کیا خیال ہے مہاراج! ناچ رنگ کی محفل جمے گی؟"

"ناچ رنگ تو مناسب نہیں ہوگا ستیہ پال! خیمے سے باہر بھی آواز جاسکتی ہے۔"

"ارے نہیں مہاراج! اس خیمے کی دنیا نیاری ہے۔ یہاں جو کچھ ہوگا اس کے بارے میں باہر والوں کو کوئی پتہ نہیں چل سکے گا۔"

"وہ کیوں؟"

"بس مہاراج! کچھ کام ایسے ہیں جو جیون کے لئے کرنا ہی پڑتے ہیں۔"

"بڑے انوکھے ہو، بہت ہی عجیب۔ ویسے میں تمہارے اس گیان کا قائل تو ہوگیا ہوں۔ اور یہ اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے کہ اگر تم نہ ہوتے تو میرا دل ذرا بھی نہیں لگتا۔"

"لڑکیو! جام اٹھاؤ، شراب لنڈھاؤ، ناچو اور دیوانہ بنادو۔" ستیہ پال نے مستانہ وار کہا اور لڑکیوں نے جام بھر دیئے۔ بلاشبہ اُس نے اس چھوٹے سے خیمے کے ماحول کو وہی رنگ دے دیا جو غاروں میں تھا۔ اور اس جیسے انسان کے لئے یہ سب کچھ مشکل نہ تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ باہر کے لوگ بہرے کیوں ہوگئے۔ خیمے کے اندر کی آواز کو محصور کس طرح کیا گیا۔ لیکن جو کچھ تھا وہ سامنے تھا۔ لڑکیاں رقص کرتی رہیں، شراب پلاتی رہیں اور جب مستی شباب پر پہنچ گئی تو نہ مجھے ستیہ پال یاد رہا نہ اسے میں اور اس کے بعد بے خودی۔ پھر روشنی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی۔ گویا صبح ہوگئی تھی۔

اور اس کے بعد وہی روزمرہ کی مصروفیات۔ فوجوں نے مشقیں شروع کر دی تھیں۔ اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ تھی کہ حالانکہ وہ مختلف علاقوں کے لوگ تھے لیکن سب کے سب میری قیادت سے متفق تھے اور مجھ سے بھرپور تعاون کر رہے تھے۔ بہرحال اس دن روانگی سے پہلے میں نے چندنا کے بارے میں اعلان کر دیا۔ اس بارے میں میں نے چانکیہ یا چندر گپت سے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا۔ ان دونوں نے بھی نہ تو اس پر کوئی اعتراض کیا، نہ تبصرہ۔

اور پھر سفر شروع ہوگیا ـــ وہی انداز، وہی معمولات، کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ میرے خیال میں اب یہ فوج مکمل تھی اور کسی بھی جنگ کے لئے پوری طرح تیار تھی۔ ویسے میں ان لوگوں کے تعاون اور اعتماد سے بھی متاثر تھا۔ میں نے پنجاب میں یونانیوں کے خلاف بغاوت کی پیش گوئی ستاروں کی چال سے کی تھی۔ ظاہر ہے ذاتی طور پر تو میں اس سے واقف نہیں تھا ـــ لیکن انہوں نے آنکھ بند کر کے اس پر یقین کر لیا تھا اور یہ بہرحال متاثر کن بات تھی۔

اس رات کھانے کے وقت چندر گپت سے اس موضوع پر گفتگو بھی ہوگئی۔ چانکیہ بھی موجود تھا۔

"تمہارے ذہن میں اس بارے میں کوئی بات تو نہیں ہے چندر گپت؟"

"کس بارے میں مہاراج؟"

"تم یہ بھی سوچ سکتے ہو ـــ کہ ممکن ہے میری پیشگوئی غلط ہو۔"

"کون سی پیش گوئی؟"

"پنجاب کی بغاوت کے متعلق۔"

"اوہ، ہم یہ کیوں سوچیں گے مہاراج؟"

"کیا مطلب؟"

"ہمیں آپ پر پورا وشواش ہے۔"

"ہوں ـــ لیکن اتفاق سے اگر یہ بات غلط ثابت ہوگئی؟"

"تب بھی مہاراج! ہم سوچیں گے کہ بھگوان کی یہی مرضی تھی۔ مَن نے آپ کو مہان مان لیا ہے۔ بس یہ کافی ہے۔ دوسری باتیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں ـــ اور سُن لیں، کچھ بھی ہوجائے، کوئی بھی ایسی بات ہوجائے، ہم آپ پر بھروسہ رکھیں گے۔ ہم یہ نہیں سوچیں گے کہ مہاراج کی وجہ سے دھوکا ہوا۔"

"تم نے میرے اوپر اس قدر اعتماد کیوں کیا ہے چندر گپت؟"

"اعتماد کی کوئی وجہ نہیں ہوتی مہاراج ـــ لے دے کے ہمارے پاس ایک من ہی تو رہ جاتا ہے۔ اگر ہم اس کی بات نہ مانیں تو پھر کس کی بات مانیں؟"

"ہوں۔" میں نے بہت زیادہ متاثر ہو کر کہا۔ "تو پھر سُن لو چندر گپت! میں سمندر میں سو رہا تھا۔ اور جب مجھے میری مرضی کے خلاف جگا دیا گیا تو مجھے یہ بات زیادہ پسند نہیں آئی تھی۔ لیکن اب مجھے کوئی افسوس نہیں ہے دوستوں کے لئے میں نے گزرے ہوئے وقت میں بہت کچھ کیا ہے بشرطیکہ انہوں نے خود کو دوستی کا اہل ثابت کیا ہو۔ تم ایک اچھے انسان، اچھے دوست ہو، اس لئے میں تمہیں قول دیتا ہوں کہ اس وقت تک تمہارے ساتھ رہوں گا جب تک تمہیں ایک عظیم اقتدار کا مالک نہ بنا دوں۔"

"جے بھگوان ـــ جے مہاراج!" چندر گپت نے ممنونیت سے کہا۔ اور میں اس کے پاس سے اُٹھ گیا۔ حقیقت تھی، یہ شخص اس قدر بھروسہ کرنے لگا ہے تو پھر میرے اوپر بھی کچھ ذمے داریاں عائد ہوجاتی تھیں ـــ اور پروفیسر! قدرت نے مجھے ذمے داریاں پوری کرنے کی صلاحیت تو دی تھی۔

اور خوب تھے یہ دن رات بھی۔

زمانے سے بے پرواہ ستیہ پال ـــ بزم کی دنیا کا انسان۔ لیکن رزم

کی باتوں کے ساتھ بزم بہت دلکش ہوتی ہے۔ یعنی دن کی روشنی فوجوں کے اُمور میں صرف کرنے کے بعد رات کی تھکن دُور کرنے کے لئے ستیہ پال کا پُراسرار خیمہ موجود تھا۔ جہاں شراب اور جوانی ملتی تھی۔ ہمیشہ نئی لڑکیاں جو یہاں آکر اتنی ہی خوش نظر آتی تھیں جیسے پوری زندگی یہاں آنے کی آرزو کرتی رہی ہوں۔

لیکن بات درحقیقت یہ نہیں تھی۔ لوگ ستیہ پال سے عقیدت تو رکھتے تھے لیکن اتنی بھی نہیں کہ اس کی ساری خواہشات پوری کردیں۔ بات اس چالاک آدمی کی ذہانت کی تھی۔ جس نے انسانوں کو بے وقوف بنانے کے گُر سیکھ لئے تھے اور ایک خوبصورت زندگی کے حصول کے لئے انہیں پوری طرح آزما رہا تھا۔ ہاں خوبی تھی تو ایک کہ وہ میرے سامنے خود کو چھُپاتا نہیں تھا۔

چنانچہ میں رزم سے نکل کر بزم میں پہنچ گیا جہاں وہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن آج وہ کسی قدر اُداس تھا ـــ میں نے اسے دیکھ کر تعجب سے اس بارے میں پوچھا۔

"کیا بات ہے ستیہ پال! کچھ سُست ہو؟"

"ہاں مہاراج!"

"کیوں ـــ کیا وجہ ہے؟"

"تم کیا سمجھتے ہو مہاراج ـــ کیا ہمیں سنسار کا کوئی غم نہیں ہے؟"

"ہاں ـــ میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"بھُول ہے تمہاری۔"

"کیوں ـــ کیا دُکھ ہے تمہیں ـــ کیا غم ہے؟"

"ارے مہاراج! اس سنسار میں سب دُکھی ہیں۔ ایک بھی ایسا نہ ملے گا جسے کوئی دُکھ نہ ہو۔"

"مگر تمہیں کیا دُکھ ہے سادھو مہاراج؟"

"دُکھ نہیں، بس پریشانی ہے۔"

"کس بات کی؟"

"بستی کی کوئی لڑکی ـــ میرا مطلب ہے جو ہمارے ساتھ ہیں، اب میرے لئے نئی نہیں ہے سوائے اُن دو کے۔"

"کیا مطلب؟"

"میری مُراد کامنی اور بیلا سے ہے۔"

"اوہ، باقی لڑکیاں؟"

"سب میری واقف ہوچکی ہیں۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

"اوہ، تو تمہیں یہ دُکھ ہے؟"

"کم ہے کیا؟ اب بتاؤ میں کیا کروں؟" اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

"کسی پرانی سے ہی کام چلاؤ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"رام رام رام ـــ کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج! اگر ایسی کوئی حرکت کرلی تو اسی روز مارا جاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"یہی تو راز کی بات ہے مہاراج! جو لڑکی یہاں سے چلی جاتی ہے پھر جیون بھر مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ یہاں اپنی خوشی سے تو آتی نہیں ہیں۔ آجاتی ہیں تو میری آنکھوں کا شکار ہوجاتی ہیں۔ پھر وہ وہی سب کچھ کرتی ہیں جو میں چاہتا ہوں۔ لیکن ـــ جب انہیں آزادی مل جاتی ہے تو پھر ـــ ہرے رام ـــ ہرے رام!" اس نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"تو کیا انہیں یہ سب کچھ یاد رہتا ہے؟"

"کیسے بھُول سکتی ہیں مہاراج ـــ یہ تو ان کے جیون کی سب سے بڑی بھُول ہوتی ہے۔"

"لیکن وہ کسی سے یہ سب کچھ کہہ بھی تو سکتی ہیں۔"

"نہیں کہہ سکتیں ـــ بس یہی ایک آسانی ہے۔ اگر یہ آسانی نہ ہوتی تو اب تک تو شری مان ستیہ پال کا بوریا بستر کبھی کا بندھ چکا ہوتا۔" ستیہ پال نے جواب دیا۔

"تو آج تمہارے پاس کوئی نہیں ہے؟"

"تمہارے پاس بھی نہیں ہے مہاراج!" اس نے مُنہ بسُورتے ہوئے کہا۔

"میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"ارے نا نا ـــ ایسی باتیں مت کرو۔ یہ بات تو مرد کی مردانگی پر چوٹ ہوتی ہے۔"

"ہوتی ہوگی۔ فضول باتیں مت کرو ـــ آؤ ـــ آج رات ستاروں کے ساتھ گزاری جائے۔"

"ہاں، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ ستارے چمکے ہوئے تھے۔ میرے ذہن میں اس سُونی رات کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لیکن ستیہ پال حسبِ معمول اُلوؤں کی سی شکل بنائے ہوئے تھا۔ ہم دونوں نے دو مختلف جگہیں سنبھال لیں اور ستاروں کی گردش دیکھنے لگے۔

میں نے اپنے ستاروں سے آئندہ حالات کے بارے میں معلوم کیا۔ اور ستارے اپنی کتاب کھول کر بیٹھ گئے۔ پہلی بات جو انہوں نے بتائی وہ یہ تھی کہ کل کا دن ہمارے معرکے کا دن ہوگا ـــ "کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"ایک چھوٹے سے قبیلے سے جنگ اور اس کے بعد مسلسل جھڑپیں۔"

"بہت خوب ـــ لیکن چندر گپت کا کیا ہوگا؟"

"کامرانی۔" ستاروں نے جواب دیا۔

رات گئے تک ہم ستاروں سے باتیں کرتے رہے اور پھر جب ہم دونوں اُٹھے تو نہ جانے کیوں ستیہ پال بھی خوش تھا۔

"اوہ، ستیہ پال! کیا بات ہے۔ ستاروں نے شاید تمہیں کوئی بہت اچھی خبر سُنائی ہے۔"

"ہاں مہاراج۔"

"شاید یہ کہ کل کی صبح رزم کی صبح ہوگی۔"

"بالکل ٹھیک اور یہی خوشی کی بات ہے۔" ستیہ پال نے جواب دیا۔

"تعجب ہے جنگ کی باتوں سے بھی تمہیں خوشی ہوتی ہے۔ کیا تم براہ راست جنگ میں حصہ لو گے؟"

"ہرے رام! کیسی ڈرانے والی باتیں کر رہے ہو مہاراج۔ بھگوان کے لئے ایسی باتیں پھر کبھی نہ کرنا۔ اس معاملے میں میرا ہردے بڑا ہی کمزور ہے۔" ستیہ پال خوفزدہ آواز میں بولا۔

"پھر تمہیں خوشی کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ ہم یہ جنگ جیت لیں گے۔" اس نے دانت نکال کر کہا۔ اور مجھے بھی ہنسی آگئی۔ عجیب بدکردار انسان تھا۔ اسے نہ تو چندرگپت سے کوئی رغبت تھی، نہ جنگ و جدل سے۔ بس ان لوگوں سے اس لئے منسلک تھا کہ اس کے لئے ایک ٹھکانا تھا۔ اور یہ سب کے سب آسانی سے اس کے سامنے بے وقوف بن جاتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی چند پیش گوئیاں کر کے گویا ان کی پشتوں پر احسان کر دیا اور پھر برسوں وہ اس احسان کو وصول کرتا رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکیاں اس سے نفرت کرتی ہیں۔ لیکن بہرحال وہ صرف ان اوقات کا قائل تھا جب وہ اس کے جال میں پھنس کر اس سے محبت کا اظہار کرتی تھیں۔ وہ ایک خود فراموش انسان تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس سے نفرت نہیں کی جا سکتی تھی۔ کچھ ایسی چیزیں بھی تھیں جو اچھی تھیں۔

چنانچہ مختصر یہ کہ یہ رات صرف ستاروں کے ساتھ بسر ہوئی اور پھر ہم سو گئے۔ دوسری صبح کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ ہاں، میں نے فوجوں کے ساتھ کچھ کارروائیاں کی تھیں۔ مثلاً ہتھیار وغیرہ دیکھ لئے تھے۔ اس کے علاوہ چندنا کو بھی کچھ ہدایات دے دی تھیں اور اس بات کو چندرگپت اور چانکیہ نے محسوس کر لیا۔

چندرگپت اپنا گھوڑا میرے گھوڑے کے نزدیک لے آیا۔ وہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"کیا بات ہے چندرگپت؟"

"یہی تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں مہاراج!" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آج میں کچھ خاص باتیں محسوس کر رہا ہوں۔"

"کس قسم کی؟"

"کچھ نہ کچھ ہے ضرور مہاراج —— مجھے نہیں بتائیں گے۔"

"آج ہمیں پہلی جنگ لڑنی ہے چندرگپت۔"

"اوہ، کس سے؟" چندرگپت دلچسپی سے بولا۔

"پنجاب کے قبائل سے۔ آج ہماری ان سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔ اور نہ جانے کیوں مجھے ستاروں کی بات پر پورا بھروسہ ہو گیا یعنی میرے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ بات غلط بھی ثابت ہو سکتی ہے لیکن جس طرح یہ واقعہ رونما ہوا وہ بہت خطرناک بات تھی۔

اس وقت ہم گھنے درختوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ بڑا ہی سرسبز علاقہ تھا کہ اچانک درختوں سے تیروں کی بارش ہو گئی۔ سامنے کوئی دشمن نہیں تھا اس لئے فوجیں چوکس نہیں ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے ہم کافی مار کھا گئے۔ تیروں نے بے شمار لوگوں کو زخمی کر دیا اور ہماری پیش قدمی رک گئی۔

تیر بدستور برس رہے تھے اور تیر برسانے والے اونچے درختوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ نہایت کامیابی سے حملہ کر رہے تھے۔ جبکہ ہم بے بس تھے۔ بہرحال فوری طور پر یہ کیا گیا کہ فوجیوں نے ڈھالوں کی چھت بنالی۔ کوئی جگہ خالی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اس طرح ہم ان خوفناک تیروں سے بچے اور میرے اشارے پر فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں۔ حملہ آوروں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ اگر وہ درختوں کے درمیان ہمیں کچھ اور آگے آجانے دیتے تو شاید انہیں شاندار کامیابی حاصل ہوتی۔ اس طرح وہ پوری فوج کو زبردست نقصان پہنچا سکتے تھے۔ لیکن موجودہ پوزیشن یہ تھی کہ ابھی پوری فوجیں درختوں کے علاقے میں داخل بھی نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے فوج کا پچھلا حصہ بالکل محفوظ تھا۔ بہرحال فوجیں تیزی سے پیچھے ہٹیں۔ جتنے زخمی ہو گئے، وہ تو نقصان میں رہے۔ باقی ڈھالوں کی آڑ میں بچتے ہوئے اس خوفناک علاقے سے نکل آئے۔ اور میں نے فوجوں کو منظم کیا۔

"وہ درختوں میں چھپے ہوئے ہیں۔" چندرگپت بولا۔

"ہاں۔" چانکیہ نے بھی پریشانی سے کہا۔

"لیکن اس طرح —— اگر ہم زمین سے ان پر تیر برسائیں تو زیادہ کامیاب نہیں ہوں گے۔"

"انہیں درختوں پر سے اتارنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"وہ کس طرح مہاراج؟" چندرگپت نے پرخیال انداز میں کہا۔

"میں کوشش کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور پھر میں نے چندنا کو کچھ ہدایات دیں اور آگے بڑھ گیا —— تیر برسانے والے خاموش ہو گئے تھے۔ ان کے لئے تو یہ شاندار طریقہ تھا کہ وہ خاموشی سے درختوں میں چھپے رہیں اور جب بھی ہم آگے بڑھیں، تیر برسائیں۔ لیکن بہرحال میں نے بھی کچھ سوچا ہی تھا۔ البتہ میں نے چندنا کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس وقت تک کوئی اقدام نہ کرے، جب تک میں اسے ہدایت نہ کر دوں۔

چنانچہ جونہی میں درختوں کے نزدیک پہنچا بہت سے تیر میری طرف آئے۔ اور میرے بدن سے ٹکرا کر گر پڑے۔ میں نے ایک درخت کے تنے پر ہاتھ جما دیئے۔ اور اس وقت تکلف کی ضرورت نہیں تھی جو کچھ کرنا تھا پھرتی سے کرنا تھا۔ چنانچہ درخت کی جڑ نے زمین چھوڑ دی۔ چونکہ یہ سرو تھا اس لئے درخت پر دس بارہ آدمی موجود تھے جو نیچے آرہے۔ دوسرے لمحے انہیں نشانہ بنا لیا گیا تھا اور میں دوسرے درخت پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔ بڑا ہی دلچسپ مشغلہ تھا۔ آن کی آن میں، میں نے دس بارہ درخت گرا دیئے اور اب وہ لوگ گھبرانے لگے۔

ان کی ہر کوشش میرے اوپر ناکام ہو رہی تھی۔ ان کے تیر میرے بدن پر ضائع جا رہے تھے۔ اور پھر وہ اس صورتحال سے گھبرا کر نیچے کودنے لگے اور تلواریں لے کر میرے اوپر پل پڑے۔ بس چندنا کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔

میرے اشارے پر وہ دوڑ پڑے۔ اور پھر دست بدست جنگ ہونے لگی۔ اس میں ظاہر ہے ہمارا پلڑا بھاری رہا اور فیصلہ ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بے شمار لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ان کا سربراہ گرچن تھا۔ جو ایک بہادر آدمی تھا۔ وہ بھی گرفتار ہو گیا تھا اور جب اسے چندرگپت کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی گردن غرور سے تنی ہوئی تھی۔

"تم نے ہم سے جنگ کیوں کی؟" چندرگپت نے اس سے نرم لہجے میں پوچھا۔

"اس لئے کہ تم ہماری بستیوں کو تاراج کرنا چاہتے تھے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"یہ معلوم کرنے کی بات ہے؟"

"ہو سکتا ہے ہم تمہاری بستیوں سے صرف گزر جانا چاہتے ہوں۔"

"کہاں؟" گرچن نے پوچھا۔

"دراصل ہم یونانیوں سے جنگ کرنے جا رہے ہیں جو پنجاب پر قابض ہیں۔" چندرگپت نے جواب دیا۔

"اوہ، کیا تم درست کہہ رہے ہو —— اگر یہ حقیقت ہے تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟" گرچن نے پوچھا۔

"چندرگپت۔"

"اگر یہ بات ہے تو ہم سے بھول ہوئی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ تمہارا مقصد کیا ہے۔ لیکن بہرحال بھول ہو چکی ہے، اب ہم ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہیں۔"

"جن سے بھول ہو جاتی ہے انہیں سزا دینا ضروری تو نہیں ہوتا۔ تم سب آزاد ہو۔ تمہاری بستیوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔" چندرگپت نے کہا اور قیدیوں کی رہائی کا حکم دے دیا —— گرچن اس آزادی سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اس نے ہمیں اپنی بستیوں میں چلنے کی دعوت دی اور پوچھا کہ وہ ہماری کیا مدد کر سکتا ہے؟

چانکیہ نے اسے بتا دیا کہ فوجوں کے لئے خوراک، گھوڑوں کے لئے چارے اور پانی کی ضرورت ہے۔ اور ہم نے وہیں قیام کر دیا۔ ساری رات گرچن اپنے آدمیوں کے ساتھ ہماری ضروریات کی اشیاء کی فراہمی میں مصروف رہا۔ چندرگپت نے مجھے اپنے خیمے سے اٹھنے نہیں دیا تھا۔ چانکیہ، چندنا اور دوسرے فوجی سربراہ بھی موجود تھے۔ ان کی زبانیں گنگ تھیں۔ یہ بھی نہ پوچھ سکے تھے بے چارے کہ وہ کون سی قوت تھی جس نے درختوں کو زمین سے اکھاڑا اور ان لوگوں کو بدترین شکست سے دوچار کیا —— جب کافی دیر تک حیرت کا اظہار کرنے کے بعد ان کے ذہن صاف ہوئے تو چندرگپت نے کہا۔ "مہان ہے گرو مہاراج ستیہ پال جس نے تمہارے آنے کی پیشگوئی کی اور تمہارے بارے میں تو میں اس کے علاوہ اور کیا کہوں مہاراج! کہ تم چندرگپت کی وجہ سے ہو —— پرنت ہمیں اپنے بارے میں بتا تو دو تم کون ہو۔ اگر تم نے یہ نہ بتایا مہاراج! تو ہم ڈرتے رہیں گے کہ ہم نے تمہارا کوئی اپمان تو نہیں کیا۔"

"تم اس وجہ سے خوش ہو چندرگپت؟"

"بے حد مہاراج!" چندرگپت نے جواب دیا۔

"بس تو اطمینان رکھو۔ میں تمہارے لئے ایسی ہی کوشش کرتا رہوں گا۔ فوجیں تمہاری لڑیں گی۔ ہاں میں ان کے لئے جو آسانیاں فراہم کر سکتا ہوں کروں گا۔"

"دھن واد مہاراج —— مگر....."

"اس سے زیادہ جاننا تمہارے لئے بے مقصد ہے چندرگپت! اگر وہ تمہارے لئے ضروری ہوتا تو میں خود بتا دیتا۔" میں نے جواب دیا اور وہ اس بات پر خوش ہو گئے۔

دوسرے دن ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ اور دن کا یہ پورا حصہ سکون سے گزر گیا۔ قریب میں کوئی بستی نہیں تھی —— پھر اس رات ہم نے ایک دریا کے کنارے آرام کیا۔ یہ دریائے ستلج تھا، تیز و تند اور بھرپور روانی لئے ہوئے، دور دور تک سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے۔ چنانچہ گھوڑوں کے چارے محفوظ کر لئے گئے اور گھوڑوں کو سبزہ زار پر چرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا —— ویسے ویران علاقہ تھا، کوئی کاشت وغیرہ نہیں نظر آتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آبادی دور دور تک نہیں ہے۔

یہ رات چونکہ کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں تھی۔ سارے معاملات پرسکون تھے اس لئے میں اپنے دوست ستیہ پال کے خیمے میں پہنچ گیا۔ جو شاید میرا ہی انتظار کر رہا تھا —— مجھے دیکھ کر اس نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"یاد آگیا ستیہ پال، میں نے تو سوچا بھول گئے مہاراج۔"

"تم بھی کوئی بھولنے کی چیز ہو ستیہ پال۔"

"ارے ہاں ہاں۔ بس رہنے دو —— ایسی باتیں نہ کرو۔ اگر بھولے نہیں ہو گے تو سوچا ہو گا کہ اب ستیہ پال کے پاس کیا رکھا ہے۔ لڑکیاں تو اس کا ساتھ چھوڑ گئیں پرنت مہاراج! ہم بڑے آدمی ضرور ہیں پر زبان کی رکھشا کرتے ہیں۔ ہاتھ بھی نہیں لگایا سسریوں کو، ساری رات انتظار کرتے رہے۔"

"یہ سسریاں کہاں سے آگئیں ستیہ پال؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس آگئیں کہیں سے —— تمہیں اس سے کیا؟"

"بلاؤ تو دیکھیں تو سہی کون ہیں۔"

"آجاؤ ری آجاؤ۔" وہ بولا۔ اور دوہرے خیمے کے پردے کے پیچھے سے چار لڑکیاں باہر نکل آئیں۔ یہ سب دیہات کی الہڑ دوشیزائیں معلوم ہوتی تھیں —— نہایت خوبصورت اور تندرست و توانا —— نئے چہرے تھے جنہیں دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ ان کے چہروں کے تاثرات بھی خوب تھے۔

"ارے ستیہ پال! یہ کہاں سے آگئیں؟"

"بس تم سیناؤں کے ساتھ کارنامے انجام دیتے رہو، ستیہ پال بھی اپنا کام کرتا ہی رہتا ہے۔ ارے بستی سے گزرے تھے، چار اٹھا لیں۔"

"اوہ، لیکن یہ تو تم نے اچھا نہیں کیا ستیہ پال —— بستی والے یہی سوچیں گے کہ انہیں ہم لے آئے۔"

"پہنچا دیں گے صبح کو سُسرلوں کو، ہمیں کون سا اچار ڈالنا ہے۔"
"کیسے پہنچا دو گے ؟"
"ارے بس ایسے کام تم ستیہ پال کے لئے رہنے دیا کرو مہاراج ! ان باتوں کی چنتا مت کیا کرو" ستیہ پال نے جواب دیا۔ اور میں نے خاموش ہو کر گہری گہری سانسیں لیں۔
"ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی۔"
"بس تو دو تمہاری دو ہماری ــــ چھانٹ لو۔" اس نے انتہائی گدھے پن کے انداز میں کہا۔ لیکن کیا کیا جا سکتا تھا، اس کمبخت کی فطرت ہی ایسی تھی۔ بہر حال اس کے کہنے کے مطابق میں نے دو چھانٹ لیں اور دوسری صبح انہیں بھول گیا۔ ابھی تو بہت کچھ کرنا تھا اور اس کے لئے تیاریاں بھی۔ چنانچہ حسبِ معمول ہم آگے بڑھ گئے۔ آج کے بارے میں ستاروں کی کوئی پیشگوئی نہیں تھی اور بہر حال آنے والا وقت تو آنا ہی تھا۔ اس کے لئے تو تیار رہنا ہی ضروری تھا۔

ہم چھوٹے چھوٹے علاقوں کو زیر کرتے آگے بڑھتے رہے اور پھر براہِ راست یونانی فوجوں سے رَن پڑ گیا۔ مقامی لوگ پہلے ہی انہیں کافی تنگ کئے ہوئے تھے اور یونانی فوجیں بے حد پریشان تھیں، چنانچہ وہ چندر گپت کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکیں۔ اس دوران کچھ دلچسپ واقعات بھی پیش آئے تھے۔ مثلاً یہ کہ یونانی فوجوں میں بے شمار لوگ ایسے تھے جو مجھے جانتے تھے چندر گپت کی فوجوں کے ساتھ مجھے لڑتے دیکھ کر ان کے چھکّے چھوٹ گئے تھے اور بہت سے معرکے ایسے ہوتے جو صرف میری وجہ سے بغیر لڑے بھڑے ہی سَر ہو جاتے۔ چندر گپت میری بے حد عزت کرنے لگا تھا۔ وہ ہر کام میں میرا مشورہ ضرور لیتا۔ میری حیثیت حسبِ معمول کسی اوتار جیسی تھی۔

پنجاب کا بیشتر علاقہ یونانی فوجوں سے آزاد کرا لیا گیا تھا۔ مقامی باشندوں نے بھرپور ساتھ دیا تھا اور چندر گپت کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔

چنانچہ چندر گپت یہاں ایک مضبوط حکومت قائم کرنے میں مصروف ہو گیا اور میں صرف ستیہ پال کا مہمان بن کر رہ گیا۔ لیکن اس وقت میرے ذہن میں اور کوئی خاص خیال بھی نہ تھا۔ ستیہ پال کے ساتھ وہ سب کچھ مل جاتا تھا جس کی طلب کی جا سکتی تھی۔

کافی عرصے تک چندر گپت فوجوں کو مضبوط بنانے اور پنجاب پر اپنے قدم گاڑنے میں مصروف رہا۔ اس نے اپنی ماں موریہ کے نام پر موریہ خاندان کی بنیاد ڈالی ــــ باپ سے اسے بدستور نفرت تھی اور وہ نند خاندان سے بدلہ لینے کے خیال کو ذہن سے نہیں نکال سکا تھا، جس کا اظہار اس نے کئی بار مجھ سے کیا تھا۔ بالآخر یہاں کے کاموں سے فارغ ہو کر وہ مگدھ دیش کی ریاست کی طرف چل دیا۔ اُس وقت مگدھ دیش پر راجہ دھن نند تخت نشین تھا۔ کسی قدر عیش پرست راجہ تھا لیکن اس نے چندر گپت کی فوجوں کے مقابلے پر آنے میں کوتاہی نہ کی۔ کئی روز تک بھیانک جنگ رہی۔ راجہ دھن نند نے چندر گپت کو شکست دینے کی ہر ممکن کوشش کر لی تھی لیکن ہم نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ اس طرح سے دھن نند کو شکست ہو گئی۔ اور چندر گپت مگدھ دیش کا راجہ بن گیا۔

راجہ چندر گپت موریہ نے موریہ خاندان کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور پھر آہستہ آہستہ شمالی ہند کی بہت سی ریاستیں فتح کر کے ایک وسیع و مضبوط سلطنت کی بنیاد ڈالی ــــ میں نے ایک طویل عرصہ ان لوگوں کے ساتھ گزار لیا تھا۔ ستیہ پال میرا دوست ہر وقت میرا ساتھی اور معاون تھا لیکن ایک روز وہ ایک حادثے کا شکار ہو گیا جس کا اندازہ خود اسے بھی نہ ہو گا۔ اسے سانپ نے کاٹ لیا تھا اور مرتے مرتے اس نے کہا۔

"ستارے دھوکا کر گئے مہاراج ! انہوں نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ میری موت اتنی قریب ہے ــــ" میری کوئی کوشش ستیہ پال کو نہ بچا سکی اور میں خود بھی اس کے بعد ان علاقوں میں دل نہ لگا سکا۔ چنانچہ میں نے ایک روز چندر گپت سے ملاقات کی۔ حسبِ معمول چندر گپت مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"وجے مہاراج !" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میں تم سے آگیا لینے آیا ہوں چندر گپت۔" میں نے کہا اور چندر گپت کا مُنہ حیرت سے کُھل گیا۔

"میں نہیں سمجھا مہاراج !"

"تمہیں معلوم ہے چندر گپت ! کہ میں کہاں سے آیا تھا ؟"

"ہاں مہاراج ــــ مگر آپ کو بھگوان کی سوگند ! آپ یہاں سے جانے کا نام نہ لیں۔"

"نہیں چندر گپت ! میرا ایک مشن تھا جو پورا ہو گیا ــــ تم اب ناقابلِ تسخیر بن چکے ہو۔ مجھے میری دنیا میں واپس جانے دو۔" چندر گپت بہت رنجیدہ ہو گیا تھا ــــ لیکن سچ مچ میں اب اس ماحول سے بے زار ہو چکا تھا چنانچہ میں نے اس کے رنج و غم پر زیادہ توجہ نہیں دی اور میری جو حیثیت ان لوگوں کی نگاہوں میں تھی اسے برقرار رکھتے ہوئے میں نے انہیں ہدایت کی ــــ کہ جس طرح وہ مجھے سمندر سے نکال کر لائے تھے اسی طرح سمندر بُرد کر دیں۔

اور پروفیسر ! کیا ہی خوب انتظامات ہوئے تھے۔ بس مجھے اتنا کرنا پڑا تھا کہ ایک صبح جب میری داسیاں مجھے جگانے آئیں تو میرے سینے میں سانس نہیں تھا۔ حبسِ دم کی مشق سے میں نے خود کو مُردہ بنا لیا تھا اور پروفیسر ! کیا ہی دھوم دھام سے مجھے سمندر کے سپُرد کیا گیا ــــ چاندی کی رتھی بنائی گئی تھی میری ــــ پھولوں سے ڈھک دیا گیا تھا ــــ اور طویل تر زندگی میں میں نے پہلی بار موت کا مزہ چکھا تھا۔ ارتھی کو سمندر کی لہروں کے سپُرد کر دیا گیا ــــ خوشبوؤں سے دماغ پھٹا جا رہا تھا اور جب لہریں مجھے سمندر کے درمیان لے گئیں تو میں نے آسمان کی جانب دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

لولس و محافظ سمندر

صدیوں پرانا دوست، یہی چند دوست تو تھے میرے جو صدیوں سے ساتھی تھے اور جنھوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ سمندر، آگ، ستارے، ہمیشہ سے جوان، ہمیشہ ساتھ دینے والے، ان کے علاوہ کون مجھے جانتا تھا۔ مٹّی کے خمیر سے پیدا ہونے والے پیدا ہوتے۔ اپنی اپنی کہانی کی تکمیل کرتے اور پھر مٹّی میں جا ملتے۔ بڑے بڑے دعوے کرتے تھے وہ، بڑے بڑے فیصلے کرتے لیکن ان کا اختتام ان پر مسکراتا تھا۔ بہر حال انھیں موت کی آغوش میں جا سونا ہوتا اور اس کے بعد مٹّی۔ ان کی اصلیت، انھیں اصلیت کی جانب لے آتی اور ہوائیں ان کے ذرّات کو فضا میں بکھیر کر ان کے جاہ و جبروت کا مذاق اڑاتیں۔ یہ ہے انسان۔ پروفیسر۔ یہ ہے انسان کی حقیقت۔ ہاں میں نے صدیوں انسان بنتے اور مٹتے دیکھے ہیں۔ کیا کیا نہیں کرتے وہ زندگی کے لیے۔ پروفیسر، سمندر میں ہواؤں کی گردش سے پیدا ہونے والے بلبلوں کی مانند، جو آنکھ کھول کر آسمان کو دیکھتے ہیں اور پھر سمندر کی آغوش میں دم توڑ دیتے ہیں۔ کیوں نہیں سوچتے کہ ان کی حیات لمحاتی ہے۔ وہ حیات پر قادر نہیں ہیں اور جب وہ اپنی زندگی پر قادر نہیں ہیں تو ایسے لمبے لمبے منصوبے کیوں بناتے ہیں وہ۔ کیا زندگی کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کوئی ہو سکتا ہے ؟ کیا انسان اس سے بڑا کوئی اور مذاق کرتا ہے اپنے ساتھ ؟ میں نے انسان کو ان مختصر لمحات میں کیا کیا کرتے نہیں دیکھا۔ وہ ان ناپائیدار سانسوں کے لیے اپنے جیسے لاکھوں انسانوں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے بارے میں کیوں نہیں سوچتا۔ یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ وہ مٹّی کا قرض ہے۔ زمین نے اسے فضا میں سانس لینے کی لمحاتی مہلت دی ہے اور اس کے بعد وہ پھر اسے پیسے گی، راکھ بنا دے گی اور یہ راکھ بھی کسی بدنما ڈھیر کی شکل میں کہیں پڑی ہو گی۔ کسی ایسی جگہ، جہاں غلاظت کے انبار ہوں گے، گندگی ہی گندگی ہو گی۔ یہ ہے انسان اور یہ ہے اس کی حقیقت۔ کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا پروفیسر ؟"

"اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔" پروفیسر خاور نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو پروفیسر انسان کے سوچنے کا انداز کیوں نہیں بدلتا ؟"

"کیا تم یہ سوال کر رہے ہو ؟"

"ہاں پروفیسر۔ کیا یہ اہمیت نہیں رکھتا ؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔" پروفیسر خاور نے جواب دیا۔

"کیوں ؟"

"میں تمھیں اس کا جواب دے دوں گا اگر تم میرے چند سوالوں کے جواب دے دو۔"

"ضرور۔ میں کوشش کروں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سمندر کا رنگ نیلا کیوں ہے ؟"

"ایں !" اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر بولا۔ "اس لیے کہ پانی بے رنگ ہوتا ہے اور وہ آسمان کی نیلاہٹ منعکس کرتا ہے۔"

"گویا یہ ایک فطری امر ہے ؟"

"ہاں پروفیسر۔"

"دریا ہمیشہ ایک رُخ پر کیوں بہتے ہیں ؟"

"یہ بھی ایک فطری امر ہے۔"

"ستارے ہمیشہ سفید کیوں ہوتے ہیں، وہ اپنے رنگ کیوں نہیں تبدیل کرتے ؟"

"کیونکہ وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے۔"

"آگ کی فطرت جلانا ہے۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آگ سرد ہو گئی ہو، اس نے نمی پھیلائی ہو ؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔"

"کیوں ؟ آخر کیوں ؟"

"میں سمجھ نہیں سکا پروفیسر۔ واقعی نہیں سمجھ سکا۔" اس نے متحیّرانہ انداز میں کہا۔

"یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو بے پناہ قوت رکھتی ہیں۔ جو ازل سے ایک ہی رنگ میں ہیں اور ابد تک ایک ہی رنگ میں رہیں گی۔ یہ وہ ہیں جو فنا نہیں ہوتیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنی فطرت نہیں بدل سکتیں تو وہ جو ایک لمحے کے لیے سانس لیتا ہے وہ جس کی زندگی لمحاتی ہوتی ہے، اپنی اس مختصر سی زندگی میں خود کو کیسے بدل سکتا ہے۔ وہ زندگی کا غرور لیے پیدا ہوتا ہے لیکن زندگی اس سے وفا نہیں کرتی، موت اس پر حاوی رہتی ہے اور وہ موت کے شکنجے میں کسا رہتا ہے، پھر اس مختصر زندگی میں جو سوچ اس پر حاوی ہو جائے اسے بدلنے کے لیے بھی زمانے چاہئیں۔ یہ مختصر سی مدّت اسے جو کچھ دیتی ہے وہ اسی پر قانع ہو جاتا ہے۔ سانسیں اسے زندگی کا غرور بخشتی ہیں اور وہ ان سانسوں کا جو بھی مصرف دریافت کر لے۔ یہی بہتر ہے کہ اس کی خصلت یکساں نہیں ہوتی۔ اگر ایک ہی اندازِ فکر سب کے ذہنوں میں جاگزیں ہو جائے تو غور کرو کیا ہو۔ کون کسے برتر مانے، کون ظالم ہو اور کون مظلوم۔ یہ بے حقیقت جاندار تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان چند سانسوں کو بھی دوسرے کے لیے وقف کر دیتا ہے اس کے لیے جیتا ہے، اس کے لیے مر جاتا ہے اس لیے اس کی فطرت کی بات مت کرو۔ بات تو ان طاقتور چیزوں کی ہونی چاہیے جو ابدی زندگی رکھتی ہیں۔"

پروفیسر کے جواب پر وہ کافی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا اور پھر اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔

"کافی حد تک درست کہہ رہے ہو پروفیسر۔ مبارکباد دیتا ہوں تمھیں اور مبارکباد دیتا ہوں اس دور کو جس نے انسان کی ذہانت کو اس حد تک جِلا بخشی ہے اور پروفیسر تمھارے یہ الفاظ میرے لیے اس دور کا حاصل ہیں۔ تمھارے یہ الفاظ میری کتاب میں تحریر ہوں گے، وہ کتاب جو

ازل سے ابد تک کی تفسیر ہوگی شاید۔"

پروفیسر خاور نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ فرزانہ اور فروزاں بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں اور جب یہ خاموشی طویل ہو گئی تو فروزاں بولی۔

"کس سوچ میں ڈوب گئے آپ دونوں؟"

"اوہ!" وہ چونک پڑا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "تمھاری لڑکیاں اب میری چند لمحات کی خاموشی بھی نہیں برداشت کر سکتیں پروفیسر۔"

"ہاں۔ ہم سب تمھارے طلسم میں پھنس گئے ہیں۔" پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ طلسم میرا نہیں ہے پروفیسر، میرے خیال میں تم اسے طلسم زندگی کہو۔ ہر انسان منفرد سوچ رکھتا ہے۔ اس کے ذہن میں مختلف خیالات ہوتے ہیں۔ اس کے اعضا کی تحریک اس کے لیے عمل کی راہ متعین کرتی ہے لیکن ہر تحریک کا مرکز اس کی اپنی ذات ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ اپنی ہر تحریک کو مختلف نام دیتا ہے۔ کبھی رفاہِ عامہ کے لیے خود کو وقف کرتا ہے اور کبھی کسی ایک فرد کے لیے جو اس کی ذات کا مقصود ہوتا ہے۔ گویا اس کی جنبش خود اسے مطمئن کرنے کے لیے ہوتی ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جسے وہ سکون کا نام دیتا ہے تو پروفیسر تم سکون کی منزل میں ہو۔ اس جگہ جہاں انسان کی تحریک رُک جاتی ہے اور یہ سکون اس کی ساری ذہنی جسمانی ضرورتیں پوری کرتا رہتا ہے۔ تمھارے سامنے ادوار کی کتاب کھلی رکھی ہے اور اس کتاب سے تمھاری ساری دلچسپیاں منسلک ہیں۔ تمھاری ذہنی آسودگی کے لیے یہ ایک ٹھوس غذا ہے اور تمھارے اجسام کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں، چنانچہ اب تمھارے ذہنوں کو جسموں کو اور کسی چیز کی طلب باقی نہیں رہی۔ اگر تم اسے طلسم کہنا چاہتے ہو تو کہہ لو۔ الفاظ کی ساخت بدل جائے گی مفہوم نہیں بدلے گا۔"

"خدا کی پناہ تمھاری تشریحات بڑی جان لیوا ہیں۔" پروفیسر نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ ان تشریحات سے انکار تو نہیں کر سکتے ڈیڈی۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں بھئی انکار کس احمق کو ہے۔" پروفیسر نے جواب دیا۔

"اللہ کے واسطے اب اُس سمندر سے نکل بھی آؤ۔" فروزاں بولی۔

"تمھارے جذبات کے احترام میں۔" وہ مسکرایا۔

"ہاں تو پروفیسر بات سمندر کی ہو رہی تھی۔ راجہ چندر گپت نے نہایت شرافت کے ساتھ مجھے جہاں سے وصول کیا تھا، وہیں واپس پہنچا دیا۔ گویا میں سمندر کی امانت تھا اور انھوں نے ایمانداری کا ثبوت دے کر سمندر کی امانت واپس کر دی تھی۔ میں نے بھی سوچا کہ اب اس علاقے میں میرے لیے کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ یہ پہلی جگہ تھی جہاں مجھے ایک ایسا علم نہیں مل سکا جس کی مجھے طلب تھی اور جو مجھے پسند آیا تھا! اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یہاں کے لوگ غبی تھے۔ وہ علم کو سینہ بہ سینہ چلانے کے عادی تھے یا پھر جو کچھ اور لوگ ملے تھے وہ اس قابل نہ تھے کہ ان سے کچھ حاصل کیا جا سکتا۔ چنانچہ اب یہاں رہنے سے فائدہ بھی کیا تھا۔ میں نے اسی لیے واپسی پسند کی تھی۔ اس کے بجائے کہ میں کہیں اور جاتا، میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنی نیند پوری کر لوں اور سونے کے لیے پانی کا نرم گداز بستر کتنا دلکش ہوتا ہے، اس کا تصور تم نہیں کر سکتے۔

لیکن پروفیسر اس بار خوب ہو رہی تھی میرے ساتھ۔ تہیہ کر رکھا تھا تمھاری زمین کے لوگوں نے کہ سونے ہی نہ دیں گے۔ ٹھیک سے آنکھ بھی نہ لگ پائی تھی، سمندر کے بلبلے آہستہ آہستہ ہلکورے دے رہے تھے، غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہو چکی تھی اور شاید اس وقت سطح سمندر پر ہی تھا کہ کوئی چیز میرے بدن سے ٹکرائی۔ ٹکر خاصی زوردار تھی۔ ایک دم سے ہوش آگیا اور میں نے گہری سانس لے کر ٹکرانے والی چیز کو دیکھا۔ خیال تھا کہ کوئی کشتی ہوگی یا کسی بڑے بحری جہاز کا نچلا حصّہ لیکن پھر یہ خیال غلط ثابت ہو گیا کیونکہ جو چیز میرے بدن سے ٹکرائی وہ پہلی نظر میں سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔

ایک مخصوص حجم کے درختوں کے تنے آپس میں جوڑے گئے تھے جن کی لمبائی انسانی قد سے دوگنا ہوگی اور چوڑائی تقریباً ڈیڑھ گنا۔ درختوں کے تنوں کے اس بجرے پر ایک انسانی جسم لیٹا ہوا تھا۔ رنگین کپڑوں کے ڈھیر میں چھپا ہوا۔ اگر اس کے پھیلے ہوئے پاؤں اور پوری لمبائی میں پھیلے ہوئے ہاتھ نظر نہ آ رہے ہوتے تو یہ اندازہ بھی نہ ہوتا کہ وہ کوئی انسان ہے۔ چہرہ بھی کپڑوں کے ڈھیر میں چھپا ہوا تھا۔

ایک لمحے کے لیے دل چاہا کہ آنکھیں بند کر کے تہہ میں غوطہ لگا دوں لیکن انسانوں کی غذا کھا کر اور ان کے درمیان زندگی گذار کر ان کی کچھ بُری عادتیں بھی خود سے چپٹالی تھیں، جن میں سے ایک تجسّس بھی تھا اور اسی تجسّس نے مجھے اس سے لاپرواہ نہ رہنے دیا۔ دیکھوں تو سہی ہے کیا بلا۔ میں نے سوچا اور سوئے ہوئے اعضا کو حرکت میں لانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ پھر میں بجرے پر چڑھ گیا۔ میرے وزن سے بجرہ ایک سمت جھکا لیکن اس پر لیٹے ہوئے انسان کا جسم اپنی جگہ پر رہا اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ کھلے ہوئے چہرے کو دیکھ کر مجھ پر حیرت طاری ہو گئی۔

ایک وجیہہ انسان تھا جس کا چہرہ گہرے نیلے اور چمکدار روغن سے رنگا ہوا تھا۔ ہونٹ گہرے سُرخ تھے اور آنکھوں کے پپوٹے سفید تھے۔ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سکون کی گہری نیند سو رہا ہو، ہونٹوں پر حسین مسکراہٹ سجائے لیکن یہ نیند کیسی تھی اور سونے والا کون تھا۔ ذہن چونکہ جاگ گیا تھا اس لیے اب کوئی کسلمندی طاری نہ تھی۔ کپڑوں کے ڈھیر کو ہٹا کر میں نے اس کا بدن عریاں کر دیا۔

عجیب رنگین انسان تھا۔ کپڑوں کے نیچے سے جو بدن نمایاں ہوا اس پر گلابی رنگ کا روغن تھا، سینے پر دو خنجر رکھے ہوئے تھے، برابر ہی ایک لمبی اور تیز دھار تلوار۔ بڑی انوکھی شے تھی۔ پھیلے ہوئے ہاتھ خشک چمڑے کے تسموں سے بندھے ہوئے تھے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کا بدن اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اسے زور سے جھنجھوڑا تب مجھے احساس ہوا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ گویا یہ ایک لاش تھی۔ خوب! اب میں اس کا کیا کروں؟ ظاہر ہے وہ لاش مجھے اپنے بارے میں تفصیلات نہیں بتا سکتی تھی لیکن اس کا چہرہ ایسا جیتا جاگتا کیوں ہے۔ میں نے جھک کر اس کے سینے پر سر رکھ دیا اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ اس کے سینے میں دل کی دھڑکن موجود ہے۔ گویا وہ جو کوئی بھی تھا، زندہ تھا۔

لیکن اب کیا کروں؟ تاحدِ نگاہ مہیب سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اسے نکال کر خشکی پر بھی نہیں لیجا سکتا تھا۔ چنانچہ جو کچھ کرنا تھا اسی بجرے پر کرنا تھا۔ سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ کہ ایک خنجر اٹھا کر اس کے پیروں اور ہاتھوں کے تسمے کاٹ دیے اور ہاتھ پاؤں مل مل کر اس کے خون کی روانی درست کرنے لگا۔

کافی دیر تک میں نے اس کے خون کی روانی درُست کی اور پھر دوبارہ دل کی دھڑکن دیکھنے لگا۔ اس بار دھڑکن پہلے سے زیادہ تیز تھی۔ اب میں نے اس کے دل کو مسلنا شروع کیا اور مخصوص طریقے سے اس کی دھڑکن بحال کرنے کی کوشش کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے معمول پر لے آیا! اس کے ہونٹوں کا جوڑ کھلنے لگا تھا، پھر اس کی گردن میں جنبش ہونے لگی اور پھر پپوٹے پھڑکنے لگے۔ وہ ہوش میں آتا جا رہا تھا۔ میں نے زور زور سے اس کے گال تھپتھپائے اور بالآخر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند ساعت بے خیالی کے انداز میں مجھے دیکھتا رہا اور پھر ذہن کے تار آنکھوں سے جُڑ گئے۔ اب اس کی نگاہوں میں تفہیمی انداز اُبھر آیا تھا اور ہونٹ کچھ کہنے کے لیے لرز رہے تھے۔

کچھ بھی تھا پروفیسر میں نے کسی دور میں انسانوں سے نفرت نہیں کی تھی اور وہ بھی کسی ایسے انسان سے جو کسی طور مظلوم ہو یا ایسی بے بسی کا شکار ہو کہ خود سے اپنے لیے کچھ نہ کر سکے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا لیکن تم جانتے ہو پروفیسر کہ دنیا کی کوئی زبان میرے لیے اجنبی نہیں۔ صرف اتنا کرنا ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے تاثرات کی کتاب پڑھنا ہوتی ہے۔ دوسرے لمحے میں نے اس کا مفہوم سمجھ لیا اور پھر الفاظ کی ساخت پر تھوڑا سا غور کر کے میں اس لہجے پر بھی قادر ہو گیا! اس نے پھر اپنا سوال دُہرایا تھا۔

"کون ہو تم؟"

"دوست!" میں نے جواب دیا۔

"مجھے احساس ہو رہا ہے لیکن میں — یہ چاروں طرف پھیلا ہوا آسمان اور یہ ہلتی ہوئی زمین میں ابھی کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"ذہنی قوتیں بحال ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے، تم تھوڑا سا انتظار کر لو اس کے بعد سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم مجھے سہارا دوگے؟ میں اٹھ کر بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"تھوڑی دیر لیٹے رہو تو بہتر ہے۔" میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اوہ ہمدرد اجنبی تمھارا شکریہ لیکن تم غور کرو کہ تجسّس انسان کے ذہن کو سب سے زیادہ تھکن مہیا کرتا ہے۔"

"میں تمھارا تجسّس دور کر دوں گا۔" میں نے کہا۔

"تو بتاؤ میں کہاں ہوں؟"

"سمندر میں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ!" اس نے ایک لمبی کراہ کے ساتھ کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کافی دیر تک وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے لیٹا رہا اور میں نے اس کے سکون میں دخل اندازی مناسب نہیں سمجھی۔

میں جانتا تھا کہ میرا جواب سُننے کے بعد وہ خود پر گزرے ہوئے واقعات کو ذہن میں لا رہا ہے۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں گہری سُرخ ہو رہی تھیں اور ان میں عجیب سے تاثرات تھے۔

"کیا نام ہے تمھارا؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ بھی سمجھ لو۔"

"کیا مطلب؟"

"میرے بارے میں جاننے سے پہلے اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ہوں۔ میرا نام سبوتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"سمندر میں کیا کر رہے تھے؟"

"مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہو۔ تو کیا تمھاری بستی قریب ہی ہے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں میرے دوست دُور دُور تک کوئی بستی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو کیا تم اتنی دُور مچھلیاں پکڑنے نکل آئے؟"

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔ میں ایک لمبے سفر پر نکلا ہوں۔ ظاہر ہے مچھلیوں کے سوا میری اور کیا خوراک ہوگی۔"

"اوہو۔ تو کشتی ہے تمھارے پاس؟"

"نہیں، کشتی بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر؟" وہ حیرت سے بولا۔

"بس بازو ہیں میرے پاس اور میں اپنے بازوؤں پر بھروسہ کرتا ہوں۔ ان کی موجودگی میں مجھے کشتی کی ضرورت نہیں ہے۔ سمندر میرا غلام ہے۔"

"لگتے بھی انوکھے انسان ہو۔" وہ مسکرایا۔

"اور تم اب بھی اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک بار اور پوچھوں گا میرے دوست اور اس کے بعد

تھیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔“ اس نے کہا۔

”پوچھو وہ بھی پوچھو۔“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

”تمھارا تعلق ان لوگوں سے تو نہیں ہے جو میرے وطن پر قبضہ کرنے آئے ہیں اور جن کی سازشوں اور چیرہ دستیوں نے ہمارے سکون کو درہم برہم کر دیا ہے؟“

”نہیں میرے دوست۔ اگر میری بات پر یقین کر سکتے ہو تو کر لو۔ میں کسی طور تمھارے دشمنوں میں شامل نہیں ہوں۔ کسی بھی طرح تمھارا برا نہیں چاہتا، بلکہ اگر تمھیں میری کسی قسم کی امداد درکار ہو تو میں اس کے لیے تیار ہوں اور اس کا اندازہ تم اس بات سے لگا لو کہ تم مُردوں کی مانند سمندر میں بہہ رہے تھے، میں نے تمھاری جسمانی قوتیں بحال کیں اور تمھاری زندگی واپس لے آیا۔“

”ہاں تم درست کہتے ہو۔ ان بدبختوں نے مجھے زندگی میں ہی موت دے دی تھی۔“

”تو اس کا مقصد ہے تم اب میری طرف سے مطمئن ہو؟“

”ہاں۔“ اس نے کہا۔

”تو پھر اپنے بارے میں تفصیل بتا دو۔“

”میں فوما ہوں، اپنے قبیلے کا فوما۔“

”اب مجھے اس قبیلے کے بارے میں تفصیل بتا دو۔“ میں نے کہا۔

”تفصیل؟“

”ہاں!“

”ہم لوگ پہاڑوں کے رہنے والے ہیں۔ یہی ہمارا قدیم وطن ہے۔ قبیلے کا نام جوہانہ ہے اور قبیلے کا سربراہ فوما کہلاتا ہے۔ ہمارے قبائل کھیتی باڑی کرتے ہیں اور اسی سے اپنی ساری ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ہم لوگ پُرامن زندگی کے قائل ہیں لیکن فنونِ سپہ گری سے بھی کافی دلچسپی رکھتے ہیں اور اگر کبھی قبیلے پر کوئی بُرا وقت آ جائے تو سپاہی بن کر بھی سامنے آ سکتے ہیں لیکن ان لوگوں کے لیے کیا کریں جو سازشیں لیکر پہاڑوں میں آ گھسے ہیں اور انھوں نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈلوا دی ہے اور ہم میں داخل ہو کر ایسے ایسے چکر چلائے ہیں کہ جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ میں قبیلے کا فوما تھا اور ان لوگوں کی فطرت سے واقف ہو گیا تھا جو سازشیں کر کے اقتدار حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ تب انھوں نے مجھے زندگی میں ہی موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔“

”اوہ! تو یہ ہے تمھاری کہانی؟“

”ہاں!“ اس نے جواب دیا۔

”پھر اب تو تمھاری زندگی بچ گئی ہے اب تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں کیا بتاؤں میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ میں اپنی بستی سے کتنی دُور ہوں۔“

”فرض کرو تم اپنی بستی تک پہنچ جاؤ تو اس کے بعد کیا کرو گے؟“

”میری دلی خواہش ہے کہ میں اپنی آبادیوں کو ان زردی مائل سفید فاموں سے پاک کر دوں۔“ فوما نے جواب دیا۔

”تمھارے اپنے لوگ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟“

”میرے لوگ سادہ لوح ہیں۔ گو وہ بھی ان سے نفرت کرتے ہیں لیکن چند افراد ان کے چکر میں پھنس گئے ہیں اور وہی ان کے مددگار و معاون ہیں——“

”خود تمھاری ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟“

”غاصب اور لٹیروں کے بارے میں اچھی رائے کون رکھتا ہے!“ اس نے کہا۔

”ہوں۔“ میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ اندازہ تو میں نے پہلے ہی لگا لیا تھا کہ درختوں کے اس بجرے کا مجھ سے آٹکرانا خالی از علت نہیں ہے اور علت شروع ہو گئی تھی۔ اب ان طالبِ امداد کا کیا کروں۔ ایک ترکیب تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان حضرت کی گردن دبا کر انھیں حقیقی موت کی نیند سلا کر خود انھیں بھی دنیا کے جھگڑوں سے نجات دلا دوں اور اپنے آپ بھی آنکھیں بند کر کے سمندر کی تہہ میں چلا جاؤں۔ دوسری صورت یہی تھی کہ میں ان کے ساتھ لگ جاؤں اور پھر وہی سارے چکر شروع ہو جائیں۔ یہ اس بار آخر لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دے رہے؟

لیکن پروفیسر، کسی مذہبی یا اخلاقی دباؤ سے مبرّا ہوتے ہوئے بھی واقعات شاہد ہیں کہ میں نے کبھی انسانوں سے اجتناب نہیں کیا۔ میں نے ہمیشہ ان کے دُکھوں کو سینے میں محسوس کیا اور ان کی امداد کے لیے بےچین ہو گیا۔ یہی میری فطرت ہے پروفیسر اور میرا خیال ہے یہ فطرت بُری نہیں ہے۔ اگر میری یہ فطرت نہ ہوتی تو میں کسی کی امداد کے لیے مجبور تو تھا نہیں۔

”تمھارے چہرے پر یہ رنگ کیسے ہیں؟“

”رنگ۔ آہ۔ میں اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔“

”ہاں یہ بھی ٹھیک ہے لیکن تمھارا چہرہ نیلا ہے۔ ہونٹ سُرخ ہیں آنکھوں کے پپوٹے سفید ہیں اور باقی بدن بھی رنگا ہوا ہے۔“

”چمک کا دیوتا، رحم کر۔ ظاہر ہے انھوں نے مجھے مُردہ سمجھ لیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“

”انھوں نے مجھے مُردہ سمجھ کر مُردوں کی طرح رنگ دیا ہے۔“

”اوہ۔ تو گویا یہ تمھارے قبیلے کی رسم ہے؟“

”ہاں۔ ہمارے ہاں مُردوں کو مختلف رنگوں میں رنگ دیا جاتا ہے۔“

”لیکن تمھارے بارے میں یہ غلط فہمی کیسے ہوئی؟“

”کیا بتاؤں، میری عقل حیران ہے سبوتا۔ کیا نعامہ بھی ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو گئی؟“

”نعامہ کون ہے؟“

”میری محبوبہ!“ اس نے جواب دیا۔

”کیا کیا تھا اس نے؟“

”اسی نے مجھے شراب پلائی تھی اور اس کے بعد مجھے اب ہوش آگیا ہے۔ گو یا وہ شراب میری موت کا باعث تھی اور میری موت کے لیے

نعامہ کو چُنا گیا تھا، آخر کیوں؟“

”میرے دوست۔“ میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔ ”تمھاری باتیں ٹکڑوں کی شکل میں میرے علم میں آ رہی ہیں۔ ان بے شمار ٹکڑوں کو جوڑ کر میں واقعات کی ایک زنجیر تو تیار کر سکتا ہوں لیکن اس کے لیے مجھے تم سے بے شمار سوالات کرنا ہوں گے۔ ممکن ہے تم ان سوالات سے اکتا جاؤ اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں ہی الجھ جاؤں اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنے بارے میں پوری تفصیل مجھے بتا دو لیکن اس کے لیے ایک بات کی وضاحت ضرور کر دوں۔ میں نے تمھارے ساتھ صرف یہ کیا ہے کہ تمھارے سانس بحال کر دیے اور اب تم مکمل زندگی پا چکے ہو، اگر اس کے بعد تم بہ آسانی اپنے مسائل سے نمٹ سکتے ہو تو میں زبردستی تمھارے معاملات میں ٹانگ اڑانے سے دلچسپی نہیں رکھتا۔ اگر ایسی بات ہے تو تم ذہن پر کوئی زور مت ڈالو اور ہم دونوں اپنے اپنے راستے سے لگیں۔ ایسی صورت میں، میں تم سے تمھارا نام بھی پوچھنے کی زحمت نہیں کروں گا اور اگر تم میری مدد کی ضرورت محسوس کرتے ہو تو پھر پہلے تمھیں اپنے بارے میں پوری تفصیل بتانا ہو گی اس کے بعد ہی ہم کوئی دوسری بات کریں گے۔“

”اوہ۔ نہیں میرے دوست، ایسی بات مت سوچو! اس سمندر میں، میں تنہا ہوں، بلکہ اب تو یقین کر دیوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی بستی میں بھی میں تنہا ہی ہوں۔ شاید زرد لوگوں کا جادو چل گیا ہے۔ اب تو میں بستی والوں کو اپنی زندگی کا یقین بھی نہیں دلا سکتا۔ ایسی حالت میں تو مجھے کسی سہارے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر تم مجھے سہارا دے سکو تو میں زندگی بھر تمھارا ممنون رہوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں جس طرح بھی تمھارے کام آ سکوں گا، آؤں گا۔ اب تم مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتا دو۔“

”قبیلے کے ہونے والے سردار کا نام فوما ہی رکھا جاتا ہے۔ گو یا اسے ہونے والا سردار قرار دے دیا جاتا ہے۔ میں بھی اپنے قبیلے کا فوما تھا۔ تب زرد رو سفید فام آئے اور ہمارے لیے بے شمار تحائف لائے۔ ان تحائف نے میرے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا لیا۔ بہت سے لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے لیکن مجھے شروع سے وہ لوگ ناپسند تھے۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ انھیں اپنی آبادیوں سے دُور قیام کرنے کے لیے کہا اور اس طرح انھیں شمالی پہاڑیوں میں جگہ ملی لیکن وہ لوگ وہاں بھی خوش تھے اور انھوں نے اس بات کا کوئی گلہ نہیں کیا بلکہ خوشی خوشی وہاں آباد ہو گئے، اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے خلوص اور عنایات کی بارش جاری رکھی اور ہمارے درمیان زبردستی گھسنے کی کوشش کرتے رہے۔

لیکن میں بدستور ان کا مخالف تھا اور انھیں پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا تھا۔ میری یہ بات خود میرے قبیلے کے بہت سے لوگ ناپسند کرتے تھے۔ چند لوگوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی لیکن پھر میں نے ان سے ایک سوال کیا۔ آخر یہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ اس کا جواب میرے قبیلے کے لوگ نہ دے سکے...“

”اوہ۔ تمھاری بات درمیان سے کاٹ رہا ہوں۔ خود ان لوگوں نے نہیں بتایا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”عذرِ لنگ کیا تھا انھوں نے۔ انھوں نے کہا وہ دنیا گرد سیاح ہیں اور یہاں سے آگے کے سمندر سخت طوفانی ہیں۔ اگر وہ آگے جانے کی کوشش کریں گے تو ان کے جہاز تباہ ہو جائیں گے اور وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔“

”پھر انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کیا کریں گے؟“

”انھوں نے کہا کہ وہ بھی فوما قبائل کے ساتھ ان کے وفاداروں کی حیثیت سے رہیں گے اور انہی کی مانند یہاں کاشت کر کے اور مویشی پال کر زندگی بسر کریں گے۔“

”خوب! کیا ان کے ساتھ عورتیں بھی ہیں؟“

”ہاں، لیکن تھوڑی تعداد میں۔“

”ان کی کل تعداد کتنی ہے؟“

”بے شمار لوگ ہیں، جو چار جہازوں میں آئے تھے۔“

”اور ان کے جہاز کہاں ہیں؟“

”شمالی ساحل پر۔“ فوما نے جواب دیا۔

”خیر۔ آگے بتاؤ۔“ میں نے کہا۔

”وہ لوگ اپنے قدم جمانے لگے۔ میں نے کئی بار ان کی بستیوں کا معائنہ کیا لیکن وہ اپنی بستیوں میں میری آمد پسند نہیں کرتے تھے اور میرے ساتھ ہمیشہ سرد مہری کا برتاؤ کرتے تھے۔ پھر میں نے کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک مختصر عرصہ کے اندر یہ جگہ چھوڑ دیں اور انھوں نے وہی گھسا پٹا سوال دُہرایا کہ وہ کہاں جائیں۔ تب میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ کیا ضروری ہے کہ وہ آگے کا رُخ کریں وہ اسی طرف کیوں نہیں چلے جاتے جدھر سے آئے ہیں۔ وہ ٹال مٹول کرتے رہے۔ بالآخر میں نے کہہ دیا کہ اگر انھوں نے یہاں سے روانگی کا فیصلہ نہ کیا تو پھر میں ان کے ساتھ بُرا سلوک کروں گا اور انھیں زبردستی وہاں سے نکال دوں گا اور مجھے یقین ہے کہ اسی اعلان کے نتیجے میں مجھے موت سے دوچار ہونا پڑا۔“

”اوہ۔ خوب تو یہ کہانی ہے تمھاری؟“

”ہاں۔ مکمل کہانی۔“

”کیا تمھارا تعلق بھی کسی مذہب سے ہے؟“

”مذہب؟“

”ہاں۔ تم دیوتاؤں کو مانتے ہو، ان کی پوجا کرتے ہو؟“

”ہاں۔ آسمان پر چمکنے والا ہمارا معبود ہے۔“

”کون؟ جو دن کو چمکتا ہے یا رات کو؟“

”یہ اس کے دو روپ ہیں۔ دن کو وہ سختیاں لیکر آتا ہے تاکہ ہم محنت و مشقت اپنائیں اور جب ہم تھک جاتے ہیں تو رات کو وہ

ہمارے لیے محبت کی ٹھنڈی روشنی لے کر آتا ہے اور ہمیں سکون دیتا ہے۔"
"ٹھیک!" میں نے گردن ہلائی اور اندازہ لگالیا کہ وہ سورج کے پجاری ہیں۔
"کیوں۔ کیا تم اسے دیوتا نہیں مانتے؟"
"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا اور میرے اس گول مول جواب سے وہ مطمئن ہوگیا۔ اس نے مجھ سے کوئی دوسرا سوال نہیں کیا تھا اور جب اس نے کوئی دوسری بات نہیں کی تو میں نے اس سے سوال کیا۔ "تمھارے ہاں مرنے والوں کو سمندر میں بہا دیا جاتا ہے؟"
"نہیں۔ انھیں رنگ لگا کر دفن کر دیا جاتا ہے۔"
"پھر تمھارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟"
"ہمارے خیال میں فوما کے ساتھ مقدس روحیں ہوتی ہیں۔ ان روحوں کو مٹی میں نہیں دفن کیا جاتا۔ اگر ایسا کیا جائے تو زمین پودے اگانا بند کر دیتی ہے اور پھر اس سے صرف بیماریاں پھوٹتی ہیں۔"
"اوہ۔ تو فوما کو سمندر میں بہا دیا جاتا ہے؟"
"ہاں۔"
"ٹھیک ہے میرے دوست۔ یوں تمھاری کہانی مکمل ہوگئی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اگر تم اسے مکمل سمجھتے ہو؟"
"ہاں۔ میرا خیال ہے اب تم سے پوچھنے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ چنانچہ اب ہم آگے کی باتیں کریں گے۔"
"ٹھیک ہے۔"
"تم نے اپنی محبوبہ کا کیا نام بتایا تھا؟"
"نعامہ!"
"کیا تمھارے ہاں شادی کا رواج ہے؟"
"ہاں۔"
"تمھاری شادی نہیں ہوئی؟"
"شادی تو ہوئی ہے۔ صرف پانچ شادیاں ہوئی ہیں میری کیونکہ ابھی میری عمر زیادہ نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔
"بہت خوب! گویا عمر کم ہونے کی وجہ سے صرف پانچ شادیاں ہوئی ہیں؟" میں نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔
"ہاں۔"
"کم از کم حد کیا ہے؟"
"کیا مطلب؟"
"کیا تمھارے ہاں ایک آدمی کی بہت سی بیویاں ہوتی ہیں؟"
"ہاں۔ کیا تمھارے ہاں نہیں ہوتیں؟"
"ہمارے ہاں تو کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن یہ تو بتاؤ، کیا صرف فوما زیادہ شادیاں کرتا ہے یا عام لوگ بھی؟"

"نہیں۔ شادی کے لیے کسی پر قید نہیں ہے۔ جس کا دل چاہے جتنی کرے۔"
"تو کیا تمھارے ہاں عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے؟"
"ہاں کافی ہیں لیکن جو عورت جس مرد سے چاہے شادی کر سکتی ہے اور اگر وہ کسی سے علیحدہ ہونا چاہے تب بھی اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہی صورت مرد کی ہے لیکن تم اتنی حیرت سے یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"
"میری بات جانے دو دوست۔ میں نے ابھی ایک بھی شادی نہیں کی۔"
"ارے۔ حالانکہ تمھاری عمر اتنی کم بھی نہیں ہے۔" وہ تعجب سے بولا۔
"ہاں۔ بدقسمتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"تعجب ہے مجھے۔"
"ہونا بھی چاہیے۔ ویسے محبوبائیں اس کے علاوہ ہوتی ہیں؟"
"ہاں۔ محبت تو ایک فطری جذبہ ہے۔"
"بے شک بے شک۔ کیا محبوبہ کے ساتھ شادی کرنا ضروری ہوتا ہے؟"
"یہ تو مرضی پر منحصر ہے۔"
"بڑے اچھے قوانین ہیں تمھارے، مجھے پسند آئے۔ انسان پر بے جا بوجھ نہیں ڈالے گئے۔ بہرحال اب مجھے اپنا ارادہ بتاؤ۔"
"اس وقت میں بے بس ہوں۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ اپنے علاقے سے کتنی دُور نکل آیا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔
"یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ تمھارے انتقال کو کتنا عرصہ گذر چکا ہے؟"
"مجھے نہیں معلوم۔"
"اچھا یہ بتاؤ۔ کیا تمھارا علاقہ بے حد وسیع ہے؟"
"ہاں۔ تم اس کی لمبائی چوڑائی نہیں ناپ سکتے۔"
"بہت سی بستیاں ہیں اس میں؟"
"ہاں!"
"کیا ساری بستیوں کے لوگ تمھیں پہچانتے ہیں؟"
"ضروری نہیں۔ ویسے سال کے جشن میں عموماً ساری بستیوں کے لوگ آتے ہیں۔ اس طرح ہر بستی کے چند لوگ مجھے جانتے ہوں گے۔"
"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی۔ "تب پھر پیارے فوما، ہم چلتے ہیں کتنی دُور آئے ہیں اور کس سمت سے آئے ہیں، اس کے لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال ہم اپنی بستی تلاش کر لیں گے۔"
"میں تمھارا شکر گزار ہوں۔" فوما نے جواب دیا۔
تب میں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ بہرحال میں اس کی مدد کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اب جب حالات میرے بارے میں فیصلہ کر چکے ہیں کہ مجھے سونے نہ دیں گے تو ٹھیک ہے میں بھی سونے کے لیے بے چین

نہیں ہوں۔ تفریحات بھی سہی۔ میں نے ہواؤں کے رُخ کا اندازہ لگایا۔ ہوائیں جس رُخ سے آرہی تھیں، اگر انھوں نے رُخ نہیں بدلا ہے تو اسی سمت فوما کی سرزمین ہوگی لیکن اس بجرے کو ہواؤں کے رُخ پر چلانے کے لیے بہرحال کچھ انتظامات ضروری تھے۔ پہلے ان کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ تب میں نے اس کی جانب دیکھا۔
"کیا تم اپنے بدن میں کچھ قوت پاتے ہو؟"
"میں اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوں۔" اس نے کہا اور پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اچھے خاصے تن و توش کا انسان تھا لیکن اس کے بدن کی قوت سے میں نے اندازہ لگایا کہ اسے اپنی زمین سے چلے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو بھوک کی وجہ سے وہ بے جان ہو چکا ہوتا لیکن اس کے بدن میں اتنی نقاہت نہیں تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ طویل عرصے سے بھوکا ہے۔
اس بات سے کم از کم میں نے یہ اندازہ لگایا کہ اس کے بجرے نے سمندر میں زیادہ فاصلہ نہیں طے کیا ہے۔ گویا ہواؤں کے مخالف رُخ پر اگر کوشش کی جائے تو فوما کی بستیوں میں پہنچا جا سکتا ہے لیکن بہرحال سمندر کی مخالفت میں چلنا خاصا مشکل کام تھا۔ اس کے لیے لہروں کو کاٹنے کے لیے کسی چیز کا ہونا ضروری تھا اور میرے طوفانی ذہن نے اس کا فیصلہ بھی کر لیا۔ درختوں کے تنوں کو جوڑ کر بنائے ہوئے بجرے سے اگر ایک تنا الگ کر لیا جائے تو اس کی چوڑائی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ان تنوں کو کناروں پر سوراخ کر کے اور ان سوراخوں میں ایک مضبوط لکڑی پھنسا کر جوڑا گیا تھا۔ میں نے فوما کا خنجر لے کر لکڑیوں کے ایک سرے کو تھوڑا سا چھیلا اور پھر دونوں جانب سے ان سروں کو پتلا کرنے کے بعد ایک تنا نکال لیا۔ اسی موٹے تنے سے میں نے لکڑیوں کے سرے دوبارہ ٹھونک دیے تاکہ وہ جوڑے ہو جائیں اور دوسرے تنے ان سے باہر نہ نکل سکیں۔
فوما بغور میری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ پھر میں نے اسی خنجر سے درخت کے تنے کے ایک سرے کو تھوڑا سا چیرا اور اس میں انگلیاں پھنسا دیں۔ پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ تنا درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔
فوما کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا اور وہ آہستہ سے کچھ بڑبڑایا بھی تھا جو میری سمجھ میں نہیں آیا اور میں بدستور اپنے کام میں مصروف رہا۔ دونوں ٹکڑوں کو ایک مخصوص ناپ سے کاٹا اور پھر ان کے سرے اتنے پتلے کیے کہ وہ پنجوں کی گرفت میں آسکیں۔ اس طرح میں نے دو پتوار بنا لیے اور اس کام سے فارغ ہو کر فوما کی جانب دیکھا۔
"میں تمھاری قوت اور ذہانت کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکوں گا۔" اس نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔
"تم بھوکے ہو گے فوما؟"

"ایں ہاں اب احساس ہو رہا ہے۔"
"ظاہر ہے تم اس وقت سے بھوکے ہو گے جب انھوں نے تمھیں مُردہ سمجھ لیا تھا۔"
"ہاں یقیناً۔"
"سمندر میں تمھیں کیا غذا مہیا کی جائے؟"
"اس کے لیے فکر مند نہ ہو میرے دوست۔ میں بھی اتنا کمزور نہیں ہوں۔ تمھارا ساتھ کافی دیر تک دے سکتا ہوں۔" فوما کھڑا ہو کر بولا لیکن پھر توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھٹنوں کے بل بجرے پر آگرا۔ پھر وہ مسکرا کر بولا۔ "نہیں دوست میرا خیال غلط تھا۔" اور میرے ہونٹوں پر بھی اس کی اس صاف گوئی سے مسکراہٹ پھیل گئی۔
"کیا خیال ہے کچّی مچھلیاں بھی عمدہ خوراک ثابت ہوتی ہیں۔"
"ہاں، بے حد حیات بخش۔" وہ بولا۔
"کھانے میں دقت تو نہ ہوگی؟"
"نہیں۔ بھوک کے اس عالم میں تو درختوں کے پتے بھی چبائے جا سکتے ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔
"تب میرا خیال ہے میں تمھارے لیے مچھلیاں فراہم کروں۔"
"ممکن ہے؟"
"کیوں نہیں۔"
"لیکن کس طرح پکڑو گے؟" اس نے پوچھا۔
"انتظار کرو۔" میں نے اسے جواب دیا اور دوسرے لمحے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ سطح کے نیچے پانی میں دوڑتی ہوئی مچھلیوں کو دیکھنا اور انھیں پکڑنا یقیناً ایک عام انسان کے لیے مشکل کام ہے لیکن میرے لیے اتنا مشکل نہیں۔ چنانچہ درمیانے سائز کی مچھلیوں کے ایک غول پر میں نے جھپٹا مارا اور دو مچھلیاں میرے ہاتھ آگئیں۔ چنانچہ انھیں تھامے ہوئے میں نے سطح کا رُخ کیا اور پھر دونوں مچھلیاں بجرے پر اچھال دیں۔ فوما کی ہلکی سی متحیرانہ آواز میرے کانوں میں گونجی تھی لیکن میں نے اس پر توجہ نہ دی اور دوبارہ پانی کے نیچے پہنچ گیا۔ مچھلیاں اتنی محتاط نہیں تھیں کہ وہ مجھ سے بچاؤ کا بندوبست کرتیں۔ چنانچہ میں پھر ایک غول سے ٹکرا گیا اور مچھلیاں میرے ہاتھ کیوں نہ آتیں۔ ان کو بھی میں نے بجرے پر پھینک دیا اور تیسری بار جب میں اوپر آیا تو فوما کنارے پر ہی بیٹھا ہوا تھا۔
"اوہ، سبوتا میرے دوست بس یہ کافی ہیں، اور مچھلیوں کا کیا کرو گے؟"
"واقعی؟" میں نے پوچھا۔
"دیکھو نہ ان کا وزن کافی ہے۔" وہ بولا اور میں بجرے پر چڑھ آیا۔ طاقتور مچھلیاں بجرے پر اچھل رہی تھیں لیکن اب اس کی چوڑائی اتنی کم بھی نہیں تھی کہ وہ واپس سمندر میں جا گرتیں۔
"ارے تم نے کھانا شروع نہیں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"اب اتنا بھوکا بھی نہیں ہوں کہ تمھارا انتظار نہ کرسکتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور میں نے وہ مچھلی اٹھالی جو اچھل کر میرے نزدیک آگری تھی اور پھر وحشی فوما نے بھی اس قدر وحشت کہاں دیکھی ہوگی کہ وہ اپنی وحشت بھول جائے۔ میں نے ایک ہاتھ سے مچھلی کی دم پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے سر اور پھر میں نے اچھلتی ہوئی مچھلی کے بدن سے گوشت کا بڑا ٹکڑا اپنے دانتوں سے نوچ لیا اور اسے چبانے لگا۔

فوما نے شاید اس سے پہلے کبھی کچی مچھلی نہیں کھائی تھی۔ چنانچہ وہ جھجک رہا تھا لیکن پھر مجھے مچھلی کھاتے دیکھ کر وہ بھی رواں ہوگیا۔ اس طرح ہم نے پانچ مچھلیاں صاف کردیں اور مچھلیوں کا گوشت عام غذاؤں سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ فوما کے بدن میں بھی چستی نظر آنے لگی تھی۔ اس نے زور سے گردن جھٹکی اور پھر ایک پتوار اٹھالیا۔

"اب میں تمھارا بھرپور ساتھ دے سکتا ہوں۔"

"بس تو پھر شروع ہوجاؤ۔" میں نے دوسرا پتوار اٹھالیا اور ہم دونوں بجرے کو ہواؤں کے مخالف رُخ پر کھینے لگے۔

دو مضبوط انسان اس ہلکی کشتی کو چلا رہے تھے رفتار کیوں نہ تیز ہوتی۔ فوما کی آنکھوں میں تیز چمک نظر آرہی تھی۔ وہ بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ راستے میں وہ بولا۔

"میں نے محسوس کیا ہے دوست کہ تم عام انسانوں سے کافی مختلف ہو۔"

"کس لحاظ سے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے جس انداز سے درخت کے تنے کو چیر دیا تھا اور جس انداز میں تم نے مچھلیاں پکڑی ہیں، وہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"میں سمندر کی دنیا کا انسان ہوں اور مچھلیوں سے میری کافی دوستی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور فوما بھی ہنسنے لگا۔

بجرے کا تیز رفتار سفر جاری رہا۔ سورج ہمارے سروں سے گذر گیا اور پھر اس کا نارنجی گولا سمندر میں ڈوب کر سرد ہوگیا۔ تاریکی پھیل گئی۔ فوما بدستور میرے ساتھ بجرے کو کھے رہا تھا۔ میں نے اس کے انداز میں ابھی تک تھکن کے آثار نہیں پائے تھے۔ پھر مجھے خود ہی اس پر رحم آگیا اور میں نے پتوار اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ فوما نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"آرام کرو فوما۔"

"لیکن اگر ہم نے پتوار چلانا چھوڑ دیا تو یہ ہوا کے رُخ پر بہنے لگے گا۔"

"نہیں، تم اطمینان رکھو ایسا نہیں ہوگا۔"

"کیا مطلب؟ گویا تم تنہا اسے آگے بڑھاؤ گے؟" فوما نے کہا۔

"ہاں اس وقت تک جب تک تم آرام کروگے میں اسے آگے بڑھاتا رہوں گا پھر جب تم چاق و چوبند ہوجاؤ گے تو میں تمھیں اس کام میں شریک کرلوں گا۔"

"اوہ، نہیں میرے محسن، میں یہ گستاخی نہیں کرسکتا۔"

"میں خود تم سے کہہ رہا ہوں فوما اور میری درخواست ہے کہ تم ایسا ہی کرو۔" میں نے کہا اور وہ خاموش ہوگیا۔ بہرحال میں نے اسے آرام کرنے پر راضی کرلیا۔ رہی میری بات تو میں ایک رات کیا، ایک ماہ تک اس بجرے کو کھے سکتا تھا۔ فوما چت لیٹ گیا اور تھوڑی دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ میں اس سے اس کی بیویوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ وہ پانچوں مجھے چاہتی ہیں اور کسی قیمت پر مجھ سے علیحدہ ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ میں نے انھیں اجازت دے دی ہے کہ اگر وہ یا ان میں سے کوئی چاہے تو مجھ سے علیحدگی اختیار کرسکتی ہے۔"

"تم میں زیادہ سے زیادہ شادیاں کس نے اور کتنی کی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"یوں تو فوما کی بیویاں ہی زیادہ ہوتی ہیں۔ میرے باپ کے باپ نے ایک سو دو شادیاں کی تھیں اور ان میں سے ایک بھی بیوی کو نہیں چھوڑا تھا۔"

"اولاد کی کیا پوزیشن رہی؟"

"لاتعداد۔ جن کی صحیح گنتی وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔"

"خوب! تمھاری کوئی اولاد نہیں تھی؟"

"میری۔ ہاں میرے دو بیٹے ہیں۔ دو مختلف بیویوں سے۔" اس نے جواب دیا۔

"خوب! تمھاری نئی محبوبہ ان لوگوں کی آلۂ کار کیسے بن گئی؟"

"مجھے خود حیرت ہے۔ حالانکہ وہ مجھے بہت چاہتی ہے۔"

"ممکن ہے اس نے تمھارے ساتھ فریب نہ کیا ہو؟"

"دیوتا ہی جانیں۔"

"اچھا کیا یہ ساری بیویاں یکجا رہتی ہیں؟"

"فوما کے بہت سے جھونپڑے ہوتے ہیں اور چونکہ بیویوں کی تعداد عموماً زیادہ ہوتی ہے اس لیے وہ مختلف جھونپڑوں میں رہتی ہیں۔"

"آپس میں جنگ تو نہیں ہوتی؟"

"بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات تو یہ جنگ ہلاکت تک پہنچ جاتی ہے۔ ہمارے علاقے کے ایک بزرگ کو ان کی بیویوں نے ہلاک کردیا۔ جو بیس بیویاں تھیں ان کی۔ آپس میں لڑ پڑیں۔ وہ بے چارے ان کے درمیان صلح کرا رہے تھے کہ خونخوار بیویوں نے ان پر حملہ کردیا اور انھیں گھونسے اور لاتیں مار مار کر ہلاک کردیا۔"

میں ہنستا رہا اور پھر جب میں نے فوما کی آواز میں نیند کی آمیزش پائی تو خاموش ہوگیا۔ پتوار پر بدستور میرے ہاتھ چل رہے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ ہواؤں کا رُخ اچانک بدل گیا اور وہ اسی سمت چلنے لگیں جدھر ہم جارہے تھے۔ میں اس بات سے بہت خوش ہوا اور میں نے پتوار چھوڑ دیا۔ اب ہوائیں ہماری مدد کررہی تھیں اور بجرہ اسی سمت جارہا تھا جہاں ہم جانا چاہتے تھے۔ پتوار رکھ کر میں بیٹھ گیا۔ تب اچانک میری نگاہ آسمان پر جا پڑی۔ میرے دوست میری جانب نگراں تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے۔

"کیا حال ہے دوستو، کچھ باتیں کروگے؟" میں نے پوچھا اور انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ "تب پھر پہلے یہ بتاؤ کہ کیا ہم نے صحیح رُخ اختیار کیا ہے؟" اور ستارے اشارے کرنے لگے۔ میں نے ان کے اشارے سمجھے تو اندازہ ہوا کہ میں فوما کے علاقے سے زیادہ دُور نہیں ہوں۔ بس اس علاقے کے بارے میں، میں نے ان سے زیادہ سوالات نہیں کیے اور دوسری باتیں ہونے لگیں جو ادوار کی باتیں تھیں اور خاصی رات گئے تک میں ستاروں سے گفتگو کرتا رہا۔

رات کی تاریکی میں سفیدی شامل ہونے لگی۔ پھر روشنی پھیل گئی اور میں نے اپنے سونے والے دوست کی طرف دیکھا۔ گہری مست نیند سونے والا۔ سب کچھ بھول کر بے خبر ہوگیا تھا۔ میں نے صبح کے ناشتے کے لیے مچھلیوں کا بندوبست کرنے کی سوچی اور پانی میں اُتر گیا۔ ناشتے کی تلاش میں نکلنے والی کئی مچھلیاں خود ناشتے کا سامان بن گئیں اور میں بجرے پر ان کی اچھل کود دیکھتا رہا۔ پھر ایک زور آور مچھلی اچھل کر فوما کے پیٹ پر جا پڑی۔ کافی وزنی تھی۔ فوما اچھل کر بیٹھ گیا۔ اس نے متحیرانہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ شاید سونے کے بعد وہ ماحول کو بھول جاتا تھا پھر اس کی آنکھوں میں ماحول کی شناسائی واپس آگئی۔

"اوہ سبوتا! یہ شریر مچھلیاں؟"

"شریر ناشتہ کہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بھی مسکرانے لگا۔ پھر وہ اٹھ گیا۔ بجرے پر اوندھے منہ لیٹ کر اس نے سمندر کے نمکین پانی سے منہ ہاتھ دھوئے اور پھر ہم دونوں نے مچھلیاں کھانا شروع کردیں۔ فوما کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار تھے۔ مچھلیاں کھانے کے بعد ہم نے ڈکاریں لیں۔ کچی مچھلی اتنی شاندار خوراک ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے پروفیسر۔ یہ پانی کی ضرورت بھی پوری کردیتی ہے اور جسم کی ساری غذائی ضروریات بھی۔ ہم دونوں کو خاص پیاس نہیں لگی تھی۔

"تم جس طرح میری مدد کررہے ہو دوست، میں تمھارے اس احسان کو کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"بس بس۔ ابھی کچھ نہیں کیا میں نے۔ جب تمھاری سرزمین ان لوگوں سے پاک ہوجائے تو جی بھر کر ممنون ہولینا۔"

"کاش، ایسا ہوجائے۔" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا اور میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ ہمیشہ بلند و بانگ دعوے مناسب نہیں ہوتے جو ہوگا دیکھا جائے گا اور پھر کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

فوما کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور پھر وہ چونک پڑا۔ "ارے۔ یہ۔ یہ بجرہ کیسے چل رہا ہے؟ کیا ہم نے سمت برقرار رکھی ہے؟"

"ہاں۔ ہواؤں کے رُخ بدل گئے ہیں۔"

"اوہ۔ یہ تو عمدہ بات ہے۔ رفتار بھی خاصی تیز ہے۔"

"ہاں اور ہم تمھاری بستیوں کی طرف جارہے ہیں۔"

"تمھیں یقین ہے؟" وہ چونک کر بولا۔

"ہاں!"

"لیکن کس طرح؟"

"اس بارے میں نہ پوچھو تو بہتر ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں تمھیں اس کا صحیح جواب نہیں دے سکوں گا۔"

"آخر کیوں؟ مجھ سے چھپانا چاہتے ہو؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ تم یوں سمجھو، کچھ خصوصیتیں میرے اندر دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں۔ میری ایک حس خاص اوقات میں مستقبل کی پیشگوئی کردیتی ہے۔"

"میں خلوص دل سے تسلیم کرتا ہوں۔" فوما نے کہا۔

"اوہ۔ وہ کیوں؟"

"سمندر میں تمھارا کسی کشتی کے بغیر ہونا تعجب خیز نہیں ہے کیا؟ اور پھر تمھاری طاقت، میرا خیال ہے تم عام انسانوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہو۔ اوہ۔ وہ۔ وہ دیکھو۔ وہ کیا ہے؟" فوما نے مضطربانہ انداز میں ایک طرف اشارہ کیا اور میں اس کے اشارے کی سمت دیکھنے لگا۔ سمندر کی سطح پر ایک بھوری لکیر نظر آرہی تھی اور یہ خشکی کی علامت تھی۔

"زمین ہے سبوتا۔" وہ پھر بولا۔

"ہاں۔ زمین ہے۔"

"ممکن ہے۔ ممکن ہے یہ ہماری ہی زمین ہو۔"

"سو فیصدی ممکن ہے۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"تو آؤ۔ بجرے کو اور تیزی سے چلاتے ہیں، رفتار تیز ہوجائے گی۔" اس نے اپنے اضطراب کو چھپانے کی کوشش کی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اتنی جلد بازی کی ضرورت نہیں فوما۔ اب اس بارے میں بھی کچھ باتیں کرلیں۔ فاصلہ اتنا زیادہ بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ ضرور سبوتا۔ میں تمھاری ہر بات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔" فوما نے کہا۔

"تم نے کہا ہے کہ تمھاری بستیوں میں گھس آنے والے تمھیں ناپسند کرتے ہیں۔"

"ہاں سبوتا۔ میری موجودہ حالت یقیناً انھی کی وجہ سے ہے انھوں نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنی دانست میں ہلاک کردیا تھا۔"

"تمھاری موت کے بعد تمھاری بستی میں کیا ہوا ہوگا؟"

"کوئی دوسرا سردار چن لیا ہوگا۔"

"وہ کون ہوسکتا ہے؟"

"میری بستی کا کوئی ایسا انسان، جو ان کے لیے پسندیدہ ہوگا۔"

”اوہ!“ میں نے گردن ہلائی اور پھر بولا۔”ایک بات اور بتاؤ، اگر تم واپس بستی میں پہنچ جاؤ تو کیا ہوگا؟“

”اچھا نہیں ہوگا سبوتا۔ بلاشبہ بے شمار لوگ ان کے مطیع ہیں لیکن میرے حامیوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ وہ میری مدد کو اٹھ کھڑے ہوں گے اور خونریزی ہوگی۔“

”اوہ! کیا تمھارے ساتھی، میرا مطلب ہے فوما کے لوگ اس حد تک ان کے ساتھ ہوں گے کہ ان کے لیے جنگ بھی کرسکتے ہیں؟“

”کیا بعید ہے۔“ فوما نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”ہوں۔ پھر بستی میں پہنچ کر تم کیا کروگے؟“

”سب سے پہلے تو میں یہ معلوم کروں گا کہ یہ کون سی بستی ہے؟“

”لیکن اگر پہچان لیے گئے تو؟“

”ہاں۔ امکانات ہیں۔“

”میں اسی سلسلے میں تمھیں مشورہ دینا چاہتا ہوں۔“

”ہاں، ضرور۔“ فوما نے مستعدی سے کہا۔

”وہ تمھاری بستی ہو نہ ہو، وہاں تم خود کو چھپاؤ گے۔“

”اوہ۔ وہ کس طرح؟“

”بس ایک عام آدمی کی حیثیت سے بستی میں داخل ہو اور پوشیدہ رہ کر حالات معلوم کرو اور پھر اپنے آدمیوں سے مل کر ان کے خلاف تیاریاں کرو۔“

فوما کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگیں اور پھر اس نے گرمجوشی سے میرا بازو تھام لیا۔”میں اب بھی نہیں جانتا میرے دوست کہ تم کون ہو لیکن نہ جانے کیوں میرا دل کہنے لگا ہے کہ تم میرے خوابوں کی تعبیر ہو۔ زردرو لوگوں کے آجانے کی وجہ سے میں بے حد پریشان تھا۔ انھوں نے جس انداز میں اپنا جال پھیلایا تھا اس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ذہنی طور پر مجھ سے برتر ہیں اور مجھے ان کے مقابلے کے لیے سخت محنت کرنا پڑے گی۔ پھر جب میں ان کے مقابلے میں ناکام ہوگیا تھا تو میں نے توا ہم کے سہارے لیے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ مجھے بھی کوئی ایسا دماغ مل جائے جو ان کے مقابلے میں بھرپور طور سے کام کرسکے اور تم۔۔۔ تم وہی ہو۔“

”بہرحال تم میرے مشوروں پر کام کرنے کے لیے تیار ہو؟“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟“

”سمندر میں تیرنا جانتے ہو؟“

”اچھی طرح۔“

”تب پہلے اپنے بدن سے یہ روغن صاف کرو اور اصلی حالت میں آجاؤ۔“

”جاؤں؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا اور وہ بے تکان سمندر میں اتر گیا۔ میں نے بجرے کو وہاں روکنے کے لیے مختلف سمتوں سے چپو چلانے شروع کردیے اور وہ اپنے بدن کو مل مل کر اس پر سے گہرے مسالے چھڑانے لگا۔

کافی مشکل پیش آئی تھی لیکن بہرحال وہ کامیاب ہوگیا۔ خاصا سرخ و سفید انسان تھا۔ جاذبِ نگاہ نقوش کا تو پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ اب وہ خاصا چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔ میں نے اس کے جسم اور چہرے پر لگے رنگین دھبے صاف کیے اور پھر کپڑوں کے اس ڈھیر میں اس کے لیے لباس تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اس کی ہیئت بالکل بدل گئی تھی۔

”کیا خیال ہے تمھارا، کیا تمھارے ساتھی تمھیں پہچان لیں گے؟“ میں نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے میری شکل میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے لیکن چلو دیکھتے ہیں۔ کوشش کریں گے کہ دوسروں کی نگاہوں سے بچتے رہیں۔“ میں نے کہا اور فوما شانے ہلا کر خاموش ہوگیا۔

سمندر کی بھوری لکیر اب صرف لکیر نہ رہی تھی بلکہ پیلاہٹ مائل مٹی کی زمین صاف نظر آنے لگی تھی۔ اس دوران فوما کی نگاہیں انتہائی باریک بینی سے اس زمین کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ جب ہم کافی نزدیک پہنچ گئے تو فوما نے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ یہ میری بستی نہیں ہے لیکن یہ بات بھی میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ پیلی مٹی کی زمین کا یہ علاقہ ہمارا ہی ہے۔“

”ٹھیک ہے فوما یہی کافی ہے۔“

بھوری زمین اب قطعی نمایاں ہوگئی تھی۔ پیلاہٹ میں سبز درخت بڑے خوشنما نظر آرہے تھے۔ میری نگاہیں کسی سنسان ساحل کو تلاش کررہی تھیں۔ ہم نے ایک لمبا چکر دے کر بجرے کو ساحل سے لگا دیا اور پھر ہم دونوں نیچے اتر آئے۔

لیکن میں نے اس بجرے کو سمندر میں چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا، ممکن تھا لہریں اسے کنارے کنارے ایسی جگہ لے جائیں جہاں سے دیکھ لیا جائے اور میرا خیال تھا کہ وہاں کے لوگ کم از کم اسے پہچان سکتے ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے اس کے ساتھ ان کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ ان کا سردار اسی بجرے پر آخری سفر پر روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے بجرے کو کنارے سے گھسیٹ لیا۔ اب بہرحال درختوں کے تنوں سے بنا ہوا یہ بجرہ اتنا ہلکا بھی نہیں تھا کہ اسے کوئی ایک آدمی اٹھا سکے۔ فوما رک کر مجھے دیکھنے لگا تھا۔

”اس کا کیا کروگے؟“ اس نے پوچھا۔

لیکن میں نے اسے کوئی جواب دیے بغیر یہ بسا انتہا وزنی بجرہ اٹھایا اور اسے سیدھا کرکے زمین پر دے مارا۔ لکڑیاں ٹوٹ گئیں اور تنے بکھر گئے۔ پھر میں نے درختوں کے گول تنے پانی میں اچھال دیے۔

فوما کے ہونٹوں پر دلآویز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھا کر کہا۔

”میرا خیال ہے تم یہاں کوئی نشان چھوڑنا نہیں چاہتے؟“

”ہاں۔ جب تک ہم حالات کا جائزہ نہ لے لیں، اپنے آپ کو

پوشیدہ رکھنا ہوگا۔“

”بالکل ٹھیک۔ میں نے کہا تھا نا کہ ان کے مقابلے کے لیے مجھے ان ہی جیسے کسی دماغ کی ضرورت ہے، سو میرا خیال ہے تم اس کے لیے بہتر ہو۔ میں تمھاری دوستی پر ناز کرتا ہوں۔“

”آؤ۔“ میں نے فوما کا شانہ تھپتھپایا اور ہم دونوں سرسبز درختوں کے جھنڈ کی طرف چل پڑے۔ درختوں کے جھنڈ کی دوسری جانب ایک چھوٹی سی جھیل نظر آئی اور فوما پانی پینے کے لیے بے چین ہوگیا۔ سمندر میں کچھ مچھلیاں ضرور مل گئی تھیں لیکن پانی نہیں ملا تھا اور فوما بہرحال انسانی ضروریات سے بے نیاز نہیں تھا۔

میں نے اسے پانی پینے سے نہیں روکا بلکہ خود بھی جھیل کے کنارے اوندھے منہ لیٹ گیا اور ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہونے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد فوما ترو تازہ ہوگیا تھا۔

پھر وہ گہری سانس لے کر میری طرف دیکھنے لگا۔

”اب کیا کیا جائے؟“

”آؤ۔ آبادی میں چلتے ہیں۔“

”چلو۔“ اس نے کہا اور ہم دونوں چل پڑے۔ راستے میں، میں نے اس سے پوچھا۔

”کیا تم اس بستی کے بارے میں کوئی اندازہ لگا سکے ہو؟“

”ابھی تک نہیں لیکن یہ بات میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ یہ فوما قبائل کا علاقہ ہے۔“

”چلو خیر۔“

”آبادی میں چل کر پتہ چل جائے گا کہ کون سی جگہ ہے۔“

تب میں نے اس آبادی کا پہلا مکان دیکھا۔ جن مکانوں کو فوما نے جھونپڑا کہا تھا وہ تو بڑی عمدہ ساخت کے تھے۔ پیلی مٹی کے اندر کوئی گھاس ملائی گئی تھی اور اس سے یہ مضبوط مکانات تعمیر کیے گئے تھے۔ ان مکانات کی ایک مخصوص ترتیب تھی۔

فوما کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ایک انوکھا تاثر تھا اور بہرحال یہ ایک فطری چیز تھی۔ یہ اس کی بستی تھی۔ اس کا علاقہ اس کی ملکیت، جس سے اسے محروم کردیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اسے اس کا دکھ ہونا ہی چاہیے تھا۔ ان لوگوں سے نفرت ہونی ہی چاہیے تھی، جنھوں نے اسے ان بستیوں سے محروم کردیا تھا۔

ہم نے بستی سے دور کا رخ اختیار کیا اور اس کا چکر لگانے لگے۔ ہم اس کا جائزہ لے رہے تھے اور پھر طویل تر چکر لگانے کے بعد ہم ایک جگہ رک گئے۔ فوما نے کہا۔

”اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس بستی کا نام سکائی ہے۔“

”تمھاری ہی بستی ہے؟“

”ہاں۔“ اس نے جواب دیا۔”اور اگر یہ سیکائی بستی ہے تو یہاں کے لوگ سو فیصد میرے وفادار ہیں۔“

”تمھیں یقین ہے؟“

”بے شک لیکن اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ کسی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرلوں۔“

”اس سے پہلے اس بستی میں آئے ہو؟“

”ہاں ایک بار۔ بستی کا سوبر ہاکو میرا خصوصی وفادار ہے۔ وہ ایک طویل عرصے تک میرے پاس بھی رہ چکا تھا۔“

”خوب! تو کیا تمہیں اس کا مکان معلوم ہے؟“

”نہیں مکان نہیں جانتا۔ بہرحال پہلے یہ تو کرلیا جائے کہ یہ سیکائی بستی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد ہاکو کے بارے میں معلوم ہوسکتا ہے۔“

”تو پھر معلوم کرو۔“

”کوئی تنہا انسان مل جائے کیونکہ ہم دوسروں کے سامنے نہیں آنا چاہتے۔“

”ٹھیک ہے تلاش کرو۔“ میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر ہم آگے بڑھ گئے۔ پوری بستی کا چکر لگا چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس درختوں کے اسی جھنڈ کے قریب پہنچ گئے جہاں پہلے جھیل کے قریب رکے تھے۔ میں نے طویل سانس لی اور بولا۔

”ٹھیک ہے فوما۔ اب تم اپنا کام کرو لیکن ہوشیاری کے ساتھ۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمہیں پہچان لے۔“

”اور تم؟“

”میں اس جھیل میں نہاؤں گا۔“

”اوہ ضرور، یہ ٹھیک ہے۔ میں پوری کوشش کرکے ساری معلومات حاصل کروں گا۔ اگر مجھے دیر ہوجائے تو تم کسی طرح کا خیال نہ کرنا۔ یہاں مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ فوما نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ میں نے گردن ہلائی اور فوما چلا گیا۔ میں تھوڑی دور تک اسے جاتے دیکھتا رہا اور پھر گردن ہلا کر جھیل کی طرف چل پڑا لیکن مجھے جھیل کے کنارے پہنچ کر ایک لمحے کے لئے رک جانا پڑا۔ ایک درخت کی جڑ میں کچھ کپڑے رکھے ہوئے تھے اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یقیناً یہ زنانہ لباس تھا۔

چند لمحات کے لئے میں ٹھٹکا لیکن پھر میرے ذہن میں شرارت ناچ اٹھی۔ اور میں دوسرے کنارے پر پہونچ گیا۔ پھر میں نے اپنا مختصر سا لباس اتارا اور آہستہ سے جھیل میں اتر گیا۔ جھیل کے دوسرے کنارے پر میں نے ایک سفید بدن پانی کی گہرائی میں دیکھا۔ میں سطح کے نیچے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر اس وقت اسے میری موجودگی کا احساس ہوا جب میں اس کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔۔۔ انتہائی سڈول بدن کی ایک تندرست و توانا لڑکی۔ اور اچانک ہی اسے میری موجودگی کا احساس ہوا تو وہ پانی میں مچھلی کی طرح غوطہ لگا گئی۔ وہ خود کو چھپانے کے لئے جھیل کی گہرائیوں میں اتر گئی تھی۔ میں چاہتا تو اسے جھیل کی گہرائیوں میں بھی پکڑ سکتا تھا۔ لیکن بہرحال یہ بات زیادہ اچھی نہیں تھی۔ یوں بھی شفاف پانی میں وہ خود کو چھپا نہیں پارہی تھی اور میں اس سمت میں پہنچ

گیا تھا جہاں اس کا لباس رکھا ہُوا تھا۔ گویا لباس کے حصول کے لئے اُسے اسی طرف آنا پڑتا۔ میں سطح پر اسے دیکھتا رہا۔ بڑا ٹھوس اور حسین بدن تھا۔ عمدہ قامت بھی خوب تھا۔ لمبے لمبے چمکیلے بال بے حد خوبصورت لگ رہے تھے اور اسے دیکھنا بھی کافی دلکش محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بے چین مچھلی کی مانند پانی میں چکراتی رہی۔ میں نے خود اس کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

لیکن پھر مجھے اس پر رحم آگیا۔ ممکن ہے تھک گئی ہو۔ اس لئے میں نے وہ کنارہ چھوڑ دیا جس پر اس کے کپڑے رکھے ہُوئے تھے۔ میں تیرتا ہُوا دوسرے کنارے کی طرف چل پڑا اور پروفیسر، میں نے پانی میں اس سے قبل بجلی چمکتی نہیں دیکھی تھی۔ بلاشبہ بس یونہی لگا تھا جیسے ایک سفید لکیر ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھنچ گئی ہو۔ اتنی برق رفتاری سے پانی میں کسی کو تیرتے میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔

چشم زدن میں وہ کنارے پر پہونچ گئی۔ ایک لمحے کے لئے اُوپر چڑھی۔ لیکن ایک بار پھر میں حیران رہ گیا۔ میرا خیال تھا وہ صرف اپنے لباس کے حصُول کی جدوجہد کر رہی ہے اور کنارے پر پہنچتے ہی وہ لباس لے کر درختوں کی جانب دوڑ جائے گی۔ لیکن میرا خیال غلط تھا۔ کپڑوں کے ڈھیر سے اُس نے کوئی چیز نکالی اور واپس پانی میں چھلانگ لگا دی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے پانی سے گردن نکال کر مجھے دیکھا۔ اب میں اس کے چہرے کو بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ لیکن اس وقت اس کا چہرہ غصّے سے آتش فشاں بنا ہُوا تھا۔ پھر وہ تیر کی طرح میری طرف آئی۔ تب میں نے اس کا جائزہ لیا اور اس کے ہاتھ میں ایک نیم دائرے کی شکل کا خنجر دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خوب، تو موصوفہ مجھ سے ناواقف ہیں اور اپنی دانست میں میری زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں،" میں نے مسکراتے ہُوئے سوچا لیکن یہ چمکدار خنجر میرے لئے کیا حقیقت رکھتا تھا پروفیسر۔ تاہم میں نے اسے مایوس کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ذہن میں بے بسی اُبھر آئے۔ غصّے کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا تھا

لڑکی آن کی آن میں میرے قریب پہونچ گئی۔ اس کا خنجر والا ہاتھ بلند ہُوا اور میری گردن کے قریب سے گزر گیا۔ میں پیچھے ہٹ گیا تھا لیکن لڑکی تھی کہ قیامت — بلاشبہ اس کے بدن میں برقی رو دوڑ رہی تھی۔ وہ مچھلی کی مانند پلٹی اور دوسرا وار کر دیا۔ لیکن میں پوری طرح ہوشیار تھا۔ میں نے پھر اس کا وار خالی دیا اور پانی میں ایک طرف چلا گیا۔ لیکن لڑکی دیوانہ وار میری طرف لپک رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی قیمت پر مجھے زندہ چھوڑنا نہیں چاہتی۔ وہ بھی کسی شارک مچھلی کی مانند میرے پیچھے لگی آ رہی تھی۔ تقریباً اگر اس نے پھر میرے اُوپر خنجر کا بھرپور وار کیا۔

پروفیسر! بلاشبہ وہ عام لڑکی نہیں تھی۔ جس وحشیانہ انداز میں اور جس پھرتی سے وہ حملے کر رہی تھی، اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کے بدن میں خنجر کے بیسیوں زخم ہوتے۔ لیکن میں غیر معمولی پھرتی سے اس خوفناک بلا کے وار خالی دے رہا تھا لیکن اس کے انداز میں ذرا بھی تھکن نہیں آئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس وقت تک میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی جب تک میرے بدن میں لاتعداد زخم نہیں بن جائیں گے۔ وہ بدستور پلٹ پلٹ کر حملے کر رہی تھی۔

پھر جب یہ کھیل طویل ہو گیا تو میں نے اسے ختم کرنا مناسب سمجھا اور اس بار جب وہ سامنے سے حملہ آور ہوئی تو میں نے پینترا بدل کر اسے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ جھیل میں جیسے طوفان آ گیا تھا۔ ایسی شدید جدّوجہد کی تھی اس نے کہ توبہ۔ بالآخر میں اُسے سطح پر لے آیا اور پھر میں نے اس کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس میں خنجر تھا۔ اس کی انگلیاں مضبوطی سے خنجر کے دستے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کلائی کی ایسی نس دبائی کہ اس کی انگلیاں بےجان ہو گئیں اور خنجر اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ اس نے ایک بار بھی چیخنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہاں میری گرفت سے نکلنے کی کوشش میں اس نے اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی۔ لیکن یہ کب ممکن تھا۔ میں اسے دبوچے ہوئے سطح پر آ گیا اور پھر میں اُسے کنارے پر لے آیا۔ باہر لا کر میں نے اسے کنارے پر اُچھال دیا اور اس نے لپک کر کپڑوں کے ڈھیر کو اپنے بدن سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں فرطِ اشتعال سے انگاروں کی طرح سُرخ ہو رہی تھیں اور وہ بھوکی شیرنی کے سے انداز میں مجھے گھُور رہی تھی۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جنگلی بلّی —— !!" میں نے کہا۔

"گندے سوّر!" وہ بولی۔

"چلو ٹھیک ہے تعارف ہو گیا۔" میں نے مسکراتے ہُوئے کہا۔

"کون ہے تو؟"

"سُوّر!"

"اس جنگل میں کہاں سے گھس آیا؟"

"بس آ گیا۔"

"سکائی بستی کا تو ہے نہیں۔"

"ہوتا تو تم سے واقف ہوتا۔"

"میں تجھے خود سے ایسا واقف کراؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" میں نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا۔

"سُورج کی قسم میں تیرے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ بہا دوں گی۔ میں ان کی آنکھیں پھوڑ ڈالوں گی جنہوں نے مجھے اس حال میں دیکھا ہے۔"

"چلو کوئی بات نہیں ہے تم اب کپڑے پہن لو، دوسرے حال میں بھی دیکھ لوں گا۔"

وہ دانت پیس کر مجھے گھورنے لگی۔

"اوہو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میری بینائی کمزور ہے۔ میں تو تمہیں ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ پھر بھی اگر تم میرے سامنے کپڑے نہیں بدلنا چاہتیں تو میں دوسری طرف رُخ کئے لیتا ہوں۔" میں نے ہنستے ہُوئے رُخ بدل لیا۔ وحشی لڑکی اگر مجھ پر حملہ آور بھی ہوتی تو میرا کیا بگاڑ لیتی اور پھر ضروری نہیں ہے کہ اس خنجر کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا ہتھیار بھی ہو جسے میں نے جھیل میں پھینک دیا تھا۔

"ویسے تمہارا کیا نام ہے؟" میں نے پُوچھا۔ لیکن ظاہر ہے غصیلی لڑکی میرے سوال کا کیا جواب دیتی۔ جب میں نے محسوس کیا کہ اب وہ کپڑے بدل چکی ہوگی تو رُخ بدل لیا اور پھر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا —— لڑکی غائب تھی۔ غالباً اس نے بھاگ جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

میں نے شانے ہلائے، اگر اس بستی کی ہے تو جائے گی کہاں۔ عمدہ لڑکی تھی۔ میری پسند کے عین مطابق۔ وحشی، خونخوار اور طاقتور — لگتا تھا جیسے وہ مجھ سے ذرّہ برابر متاثر نہ ہوئی ہو۔ اور ایسے لوگ مجھے پسند آتے تھے۔ ویسے لڑکی نے بستی کا نام سکائی ہی لیا تھا جس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ بستی فوما ہی کی ہے۔ کیونکہ فوما نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر یہ سکائی بستی ہے تو یہاں اسے بہت سی آسانیاں مل جائیں گی۔ بہرحال میں لڑکی کو تلاش کرنے کے لئے کہیں دور نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ فوما کو اسی جگہ واپس آنا تھا۔

کافی دیر کے بعد فوما واپس آ گیا۔ میں ایک درخت کی آڑ میں تھا اور وہ منہ اُٹھا اُٹھا کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے اسے آواز دی اور وہ میری طرف چلا آیا۔

"کیا خبر لائے ہو فوما؟" میں نے مسکراتے ہُوئے پُوچھا۔

"اچھّی خبر۔"

"یہ بستی سکائی ہی ہے؟"

"ہاں۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم؟"

"بس پتہ چل گیا۔"

"قیافے سے؟"

"نہیں۔ بستی کے ایک فرد سے ملاقات ہو گئی تھی۔"

"ارے، کہاں؟"

"اسی جھیل پر۔"

"کون تھا؟ نام بتایا تھا؟"

"نہیں۔ بس ایک دلچسپ ملاقات ہوئی تھی۔"

"اس نے تمہارے بارے میں پوچھا؟"

"ہاں۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"کچھ نہیں۔ بس اس نے مجھے ایک نام دے دیا۔"

"کیا مطلب؟"

"جنگلی سوّر۔" میں ہنس پڑا اور فوما کے چہرے پر غصّے کے تاثرات نظر آنے لگے۔ وہ میری طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جس نے بھی تمہیں یہ الفاظ دیے ہیں، اسے سزا دی جائے گی۔ یہ میری بستی ہے ——"

"ارے نہیں فوما۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے سزا ملے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ خوبصورت لڑکیوں کو سزا دینا سب سے مشکل کام ہے۔"

"ل ... لڑکی تھی؟"

"ہاں۔"

"یہاں کیا کر رہی تھی؟"

"جھیل میں نہا رہی تھی۔"

"اوہ۔" فوما مُسکرا پڑا "تب تو تمہاری یہاں آمد ایک نیک شگون ہے۔ شاید اس نے غصّے میں تمہیں جنگلی سوّر کہا ہوگا۔"

"ہاں —— اور میں نے اسے پیار سے جنگلی بلّی کہا تھا۔"

"واہ —— گویا تمہارے پاس بھی ایک اچھّی خبر موجود ہے۔" فوما ہنستا ہُوا بولا

"یہی سمجھ لو۔ ... اور اب تم سناؤ تم کیا خبر لائے؟"

"میرے لئے یہاں کافی مشکلات ہیں۔" فوما بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے شُبہ ہے کہ یہاں کے بہت سے لوگ مجھے جانتے ہوں گے۔ جانتے ہو بستی کے درمیانی چوک میں میرا کتنا بڑا مجسّمہ نصب ہے؟ اور پتھروں سے تصویریں بنانے والے نے میرے نقوش اس طرح اُجاگر کئے ہیں کہ ذرا بھی فرق نہیں ہے۔"

"خوب، اس کا مطلب ہے ان کے دلوں میں تمہاری محبّت ہے۔"

"ہاں میری بستی کے لوگ مجھے بُرا نہیں سمجھتے۔" فوما نے کہا۔

"بہرحال تم نے کیا معلوم کیا؟"

"بس زیادہ گھومنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ پہچان لئے جانے کا خطرہ تھا اور تمہارے کہنے کے مطابق میں نہیں چاہتا کہ مجھے پہچان لیا جائے۔"

"تمہیں اپنے دوست کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا؟"

"نہیں سبوتا۔ میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"اچھا، کیا تم نے بستی میں کسی زرد رُو انسان کو دیکھا؟"

"نہیں۔ ابھی تک کوئی نظر نہیں آیا۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"تمہیں میری مدد کرنا ہوگی سبوتا۔"

"ہاں ہاں بتاؤ۔"

"اب میں یہاں رکوں گا اور تم بستی میں جاؤ گے۔ بستی میں ہاکو کوئی غیر معروف انسان نہ ہوگا۔ وہ بڑا مدبّر ہے۔ لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرتا ہے اور ان کی بیماریوں کا علاج بھی کرتا ہے۔ اس لئے تم کسی سے اس کے بارے میں پوچھو گے تو وہ ضرور تمہیں اس کا پتہ بتا دے گا۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ میں یہ کام کئے دیتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"شکریہ میرے دوست۔ بس اب تم جاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ رات ہاکو کے گھر پر ہی گزاری جائے۔" اور میں بستی کی طرف چل پڑا۔

میرے بدن پر مختصر لباس تھا جو بستی کے لوگوں کے لباس سے مختلف تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کہیں لوگ میری طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔ لیکن بستی کے قریب پہنچ کر میری یہ مشکل حل ہو گئی۔ کچی مٹی اور گھاس پھوس کے بنے ہُوئے ایک مکان کے پیچھے بہت سے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ غالباً انہیں دھو کر سکھانے کے لئے ڈال دیا گیا تھا۔ بات اچھی تو نہ تھی لیکن ضرورت پوری ہونی ہی چاہیئے۔ اچھی ہو یا بُری۔ چنانچہ میں نے ایک موٹا اور گندے سے رنگ کا بڑا کپڑا اُٹھا کر سر پر ڈال لیا۔ میرا بدن کافی حد تک چھپ گیا تھا۔ یہاں تک کہ چہرہ بھی۔ اس طرح میں بستی میں داخل ہو گیا۔

کچے پکے مکانات کی یہ بستی کافی ترتیب سے آباد تھی۔ چھوٹی چھوٹی گلیوں میں

"ہاکو کے بارے میں؟"

"ہاں۔"

"میں اس کا مکان دیکھ آیا ہوں۔"

"بہت خوب۔ کیا وہ گنجان آبادی میں ہے؟"

"ہاں!"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم رات کے وقت وہاں چلیں گے۔ لیکن تمہارے بدن پر یہ چادر کیسی لپٹی ہوئی ہے اور تم نے کہاں سے حاصل کی؟"

"افسوس۔ تمہاری بستی کے ایک باشندے کی ہے۔ لیکن جائز طریقے سے نہیں حاصل کی گئی جس کا مجھے افسوس ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہم اسے ایسی بہت سی چادریں دے دیں گے۔"

"میں اس کے پاس ایک مریض کی حیثیت سے گیا تھا۔"

"اوہ۔ تو گویا اس سے تم نے ملاقات بھی کی؟"

"ہاں!" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یقیناً تم اس کی باتوں سے محظوظ ہوئے ہو گے۔ وہ بے حد ذہین انسان ہے۔"

"ہاں۔ وہ ذہین ہے۔" میں نے اعتراف کیا اور فوما خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر چند ساعت کے بعد بولا۔

"بس تقدیر میرے اوپر مہربان ہے۔"

"کیوں؟"

"تم جیسا ساتھی مجھے مل گیا۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ کیا ہاکو سے تم نے میرے بارے میں بھی گفتگو کی؟"

"نہیں۔ یہ مناسب نہیں تھا۔"

"ہاں ٹھیک ہی ہوا۔ اب مجھے بے چینی سے رات کا انتظار ہے۔ اوہ درخت کی طرف چلو دیکھو کچھ لوگ آ رہے ہیں!" اس نے دور دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔ ہم دونوں درخت پر چڑھ گئے تھے چند افراد جھیل پر آئے یہ صرف مرد تھے۔ بہر حال وہ نہاتے رہے اور ہم خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔ وہ واپس چلے گئے تو ہم درختوں سے نیچے اتر آئے۔ اور پھر فوما نے کچھ درختوں سے پھل توڑے اور مجھے پیش کئے۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی کے آثار تھے۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"انہیں قبول کرو سبوتا بیشک میں اپنی بستی میں ہوں۔ لیکن تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہوگی تم جانتے ہو کہ میں جلاوطن ہوں۔"

"اوہ۔ ان باتوں پر غور مت کرو فوما۔ جب تم اقتدار حاصل کر لو تو میری خاطر مدارات کر لینا۔" میں نے جواب دیا۔

پھر رات ہو گئی جس کا ہمیں بے چینی سے انتظار تھا اور جب رات خوب گہری ہو گئی تو ہم دونوں چل پڑے۔ بستی اب سنسان ہو گئی تھی۔ بہت سے مکانوں میں تاریکی پھیل گئی تھی، چند مکانوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ بہر حال ہم روشنی سے بچتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور پھر میں نے فوما کو ہاکو کے مکان پر لا کھڑا کیا۔

"سبوتا!" فوما نے مجھے پکارا۔

"ہوں!"

"اگر مناسب سمجھو تو یہ اپنی چادر مجھے دیدو۔"

"اوہ۔ لے لو۔ کیا کرو گے؟"

"میں ہاکو کے سامنے بھی فوراً نہیں آنا چاہتا۔"

"ٹھیک ہے۔ لے لو۔" میں نے کہا اور فوما نے میری چادر اوڑھ لی۔ پھر ہم ہاکو کے مکان کے دروازے پر پہونچ گئے۔

"دستک دو!"

"تم بھی کسی مریض کی حیثیت سے ملو گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن وہ تمہیں پہچان تو نہیں لے گا؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔ اس نے میری صورت نہیں دیکھی تھی۔ اور پھر اگر پہچان بھی لے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔"

"ہاں۔ کوئی فرق تو نہیں پڑے گا۔" فوما نے کہا اور میں نے ہاکو کے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ دوسری بار اور پھر تیسری بار دستک دینے پر اندر سے جواب ملا۔

"آ رہا ہوں۔ کون ہے؟"

"جلدی دروازہ کھولو۔" فوما نے کہا۔ اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دروازہ کھولنے والا خود ہاکو نہیں تھا بلکہ ایک نوجوان تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"ہاکو کہاں ہے؟"

"اندر موجود ہے۔ کیا کام ہے؟" نوجوان نے پوچھا۔

"مریض آیا ہے۔" فوما نے جواب دیا۔

"دن کی روشنی میں آنا۔۔۔ اس وقت......"

"اوہ، کیا ہاکو کی خدمتِ خلق کا جذبہ سرد پڑ گیا؟" فوما نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن وہ خود بیمار ہے۔"

"کیا بیمار ہے؟"

"یہ نہیں معلوم۔"

"دن کی روشنی میں تو وہ ٹھیک تھا۔"

"اب ٹھیک نہیں ہے۔"

"تم کون ہو؟"

"میں اس کا بیٹا قاشا ہوں۔ کیا تم اس بستی کے رہنے والے نہیں ہو؟" نوجوان نے ہمیں گھورتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم دوسری بستی سے آئے ہیں، اس لئے ہاکو سے ملنا ضروری ہے۔"

"کون سی بستی سے آئے ہو؟"

"سگاشا سے۔۔۔ تم خود غور کرو کتنا طویل سفر کیا ہے ہم نے۔" فوما نے فوراً جواب دیا۔

"اگر تم اتنی دُور سے آئے ہو تو ہمارے مہمان کی حیثیت سے قیام کرو۔ لیکن ہاکو سے تم صبح کو ہی ملاقات کر سکو گے۔" نوجوان نے کہا۔

"لیکن ہاکو کیا بیمار ہے؟"

"اندر آ جاؤ۔۔۔ تم مہمان ہو۔" نوجوان نے ملائمت سے کہا۔ اور دروازے سے ہٹ گیا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ مہمانوں کے قیام کے لئے الگ جگہ تھی۔ ہمیں ایک بڑے سے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔۔۔ اور نوجوان بولا۔

"میں تمہارے لئے کھانے کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔۔۔ آرام سے بیٹھو۔"

"سنو۔۔۔ کیا ہاکو سو چکا ہے؟"

"نہیں۔ وہ اپنی خواب گاہ میں ہیں۔"

"تم اسے ہمارا پیغام تو دے دو۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ہم سے نہ ملے تو ہم اسی وقت واپس چلے جائیں گے۔"

"اچھا۔" نوجوان نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔ اور پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں ہاکو کی بیماری کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا درحقیقت وہ میری وجہ سے پریشان ہو گیا ہے؟ ممکن ہے۔ بہر حال وہ ایک عمدہ انسان تھا۔

کافی دیر کے بعد ہاکو کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ درحقیقت وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"مجھے معاف کرنا دوستو! تمہیں میرے انتظار کی پریشانی اُٹھانا پڑی۔ لیکن میں خود اُلجھا ہوا تھا۔ اگر آپ لوگ اتنی دُور سے نہ آئے ہوتے تو بہر حال مجھے بتایئے، کیا بات ہے؟"

"ہم صرف تم سے ملنے آئے تھے۔"

"کیا مطلب۔ تم میں سے کوئی مریض نہیں ہے؟" ہاکو تعجب سے بولا۔

"امراض کی بھی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ یوں سمجھو ہم مریض ہی ہیں اور اپنی ایک تکلیف لے کر تمہارے پاس آئے ہیں۔" فوما نے کہا۔

"براہِ کرم اُلجھی ہوئی گفتگو نہ کرو میں پہلے ہی کافی پریشان ہوں۔" ہاکو نے کہا اور پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔ میرا خیال ہے میرے آتشی رنگ نے اُسے میری جانب متوجہ کیا تھا۔ پھر اُس نے بے اختیار میرے ہاتھوں کی جانب دیکھا اور مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"تم۔۔۔ تم براہِ کرم کیا تم اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ گے؟" اس نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ ہاکو نے فوراً میری نبض ٹٹولی اور پھر پُرجوش انداز میں میری کلائی پر گرفت کر لی۔

"تم۔۔۔ تم! دیوتا کی قسم! میں تمہاری ہی وجہ سے پریشان تھا۔" اس کی آنکھوں میں تیز چمک نظر آنے لگی تھی۔

"اُفوہ! تم تو مجسم عجیب ہو۔ تمہارا چہرہ، تمہارا بدن اور تمہارے بالوں کا رنگ، تم کہاں چلے گئے تھے نوجوان۔۔۔ بلاشبہ تم کائنات کی عجیب ترین ہستی ہو۔ اُفوہ! تم کتنے عجیب ہو۔ تمہارے جانے کے بعد سے میں مستقل تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"

"تو تم مجھے پہچان گئے؟"

"لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں مگر دیوتا کے لئے تم بتاؤ تو سہی تم ہو کون؟ میں سگاشا بھی جا چکا ہوں لیکن میں نے وہاں پر بھی تمہارے جیسے کسی انسان کے بارے میں نہیں سنا۔ کیا تم ہمیشہ سے سگاشا میں تھے؟"

"نہیں۔ ہاکو! میں ہمیشہ سے کہیں نہیں تھا۔ لیکن اگر تم میرے بجائے اپنے مریض کی طرف متوجہ ہو جاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔"

"لیکن تم نے کہا تھا کہ تم میں سے مریض کوئی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ امراض کی قسمیں ہوتی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن تم سے مل کر میں خود بھی حیرت کا مریض بن گیا ہوں۔" ہاکو بولا۔

"لیکن افسوس میں تمہارے لئے مزید کچھ حیرتیں لے آیا ہوں۔"

"تم میرے لئے کچھ بھی لائے ہو، لیکن تمہارے بارے میں جان کر مجھے جس قدر خوشی ہوگی، میں نہیں بتا سکتا۔"

"اور اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے فوما کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا یہ بھی تمہاری مانند ہیں؟ اگر یہ بات ہے تو یقیناً یہ بھی میرے لئے دلکش ہوں گے۔" ہاکو فوما کو گھورتے ہوئے بولا۔

"ممکن ہے یہ مجھ سے عجیب نکلیں۔"

"اوہو تب تو میں انہیں بھی دیکھنا پسند کروں گا۔"

"ایسے نہیں، پہلے تم سے کچھ سوالات کرنا ہیں، ان کے جواب دو۔" میں نے کہا۔

"چلو سوالات کرو، میں ہر طرح تیار ہوں۔ تم نے مجھے اس قدر حیران کر دیا ہے کہ اب میں تمہاری ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔" ہاکو نے نڈھال سے انداز میں کہا۔

"تب میں پہلا سوال تمہارے قبیلے کے بارے میں کروں گا۔"

"میرے قبیلے کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"تمہارے قبیلے کا کیا نام ہے؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟"

"براہِ کرم صرف میرے سوالات کے جواب دو۔"

"ٹھیک ہے، پوچھو۔" وہ گہری سانس لیکر بولا۔

"تمہارے قبیلے کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"ہم فوما قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"تمہارا سردار کون ہے؟"

"سردار۔۔۔" ہاکو کے چہرے پر کرب کے آثار نظر آئے۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "اس کا نام شبالا ہے۔"

"کیوں، کیا تم اُسے پسند نہیں کرتے؟" میں نے پوچھا۔ فوما شاید میرے سوالات سے مطمئن تھا اس لئے خاموش بیٹھا تھا۔

ضرورت کا سامان بھی فروخت ہو رہا تھا۔ گویا یہ لوگ آتنے پسماندہ بھی نہ تھے اور دُنیا کی بڑھتی ہوئی تہذیب کو اپنائے ہوئے تھے۔ زندگی گزارنے کے ڈھنگ اچھی طرح جانتے تھے۔ میں بستی کے درمیان گھومتا رہا اور پھر ایک سنسان سی جگہ جب میں نے زیادہ لوگ نہ پائے تو رک کر درمیانی عمر کے ایک شخص کو جالیا۔ وہ مجھے نزدیک دیکھ کر رک گیا تھا۔

"کیا تم مجھے ہاکو کے مکان تک پہنچا سکتے ہو؟" میں نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اوہو۔ شاید تم بیمار ہو۔"

"ہاں۔ مم۔ مجھے سخت بخار ہے۔"

"آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں۔" اس شخص نے ہمدردی سے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ میرا ہمدرد ضرورت سے زیادہ ہی انسان دوست تھا۔ راستے میں مَیں نے اس سے پوچھا کہ ہاکو کا مکان کتنی دور ہے اور اس نے مجھے دلاسہ دیا کہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے دور سے ہی بتا دے لیکن معصوم انسان مجھے بوڑھے حکیم کے پاس ہی چھوڑ کر آیا اور ہاکو مجھے دیکھنے لگا۔

کچھ اور لوگ بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ان کے لئے دوائیں تجویز کر رہا تھا۔ اب میں یہاں آگیا تھا تو اس طرح واپس نہیں جایا جاسکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری باری آئی اور ہاکو نے میری طرف دیکھا۔

"میرے نزدیک آجاؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے قریب پہونچ گیا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شاید بخار ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاتھ آگے لاؤ۔ کیا سردی بھی محسوس ہو رہی ہے؟"

"سخت۔" میں نے جواب دیا اور اس نے میری کلائی پکڑ لی اور پھر میری نبض پر ہاتھ رکھتے ہی اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔

"اپنا چہرہ کھولو۔" اس نے کہا۔

"مم۔ مجھے سردی....."

"ناممکن۔" اس نے درمیان سے بات کاٹی۔

"مگر مجھے۔"

"تم بیمار نہیں ہو۔ بالکل نہیں ہو۔ میں دعوے سے کہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تب میں جاؤں؟"

"براہ کرم رک جاؤ۔ یہ کیا ہے۔ نہیں میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں گا۔ تم میرے علم میں ایک انوکھا اضافہ ہو۔"

"عجیب بات ہے۔ میں بیمار ہوں اور تم میری بیماری پر توجہ دینے کے بجائے اپنے علم میں اضافہ کر رہے ہو۔!"

"کلائی سے نوجوان معلوم ہونے والے دوست۔ اگر تم بیمار نکلے تو میں اپنا چہرہ ہمیشہ کے لئے سیاہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"اس بات کا میں کیا جواب دوں؟"

"براہ کرم میرے ساتھ اندر آؤ۔" اس نے کہا اور پھر دوسرے لوگوں سے بولا۔ "تم لوگوں کو کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔ بہتر ہے کہ تم پھر کسی وقت آجاؤ اور لوگ شاید اس کا احترام کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے تعرض نہیں کیا اور اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

"آؤ میرے دوست۔" ہاکو نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور پھر وہ مجھے اپنے اندرونی کمرے میں لے گیا جہاں عجیب دغریب برتن رکھے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کے لئے نشستیں بھی تھیں۔ "اب اپنا لبادہ اتار دو۔"

"لیکن مجھے سردی لگے گی۔"

"اچھا!" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر اس نے ایک برتن کے قریب جاکر شمع اٹھائی اور برتن کے نیچے رکھ دی چند ساعت اسی جگہ کھڑا رہا پھر برتن کا ڈھکنا کھول دیا۔ برتن سے بھاپ اٹھنے لگی اور ایسا ہی لگا جیسے کمرے میں آگ لگ گئی ہو۔ بے پناہ گرمی ہو گئی تھی۔ تب اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور بولا۔

"اب چادر اتار دو۔ سردی نہیں لگے گی۔"

اور میں نے اس کا نام بھی باکمال انسانوں میں لکھ لیا۔ یہ جو کچھ نظر آرہا تھا معمولی بات نہیں تھی۔ وہ تو سائنسدان تھا اور اس کی سائنس کا کمال تھا کہ کمرہ آگ ہو گیا تھا۔ اس آگ کی تپش میں تو برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن وہ خود بھی اسی کمرے میں تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ خود بھی اس تپش سے متاثر نہ ہو۔ وہ خود بھی غور سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں چادر پھینک کر آگ آگ چیختا ہوا باہر بھاگ نکلوں گا اور گرمی کے مارے میری زبان باہر نکل آئے گی۔ لیکن مجھے بھی شرارت سوجھی اور میں نے چادر اور لپیٹ لی۔

"کیا اب بھی سردی محسوس ہو رہی ہے؟" اس نے بغور مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ سردی کم نہیں ہوئی۔" میں نے کپکپاتے لہجے میں جواب دیا اور ہاکو میرے قریب پہونچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔

"کیا تم درست کہہ رہے ہو نوجوان؟"

"ہاں!"

"تب پھر میرا خیال ہے تمہیں ایک بہت بھیانک مرض لگ ہے۔ لیکن لیکن یہ بھی ممکن نہیں ہے۔"

"وہ کونسا مرض ہے؟" میں نے پوچھا۔

"زہریلی ہوائیں بعض اوقات انسان کے جسم کو حسیات سے عاری کر دیتی ہیں۔ تم جس قدر گرمی برداشت کر رہے ہو، عام آدمی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر تمہیں وہ مرض لگ جاتا تو تم سردی بھی نہیں محسوس نہیں کرتے۔

"اب بتاؤ میں کیا کروں؟" میں نے کہا۔

"تم۔ تم۔ ذرا پھر سے ہاتھ دکھاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ اس بار بغور میری نبض کا جائزہ لیتا رہا۔ "دیوتاؤں کے لئے میرا امتحان نہ لو۔ تمہیں سورج کی قسم سچ سچ بتا دو تم کون ہو۔" وہ پریشانی سے بولا۔

"تم کیسے مدبر ہو۔ میں تمہارے پاس اپنے مرض کے علاج کے لئے آیا ہوں اور جس کے بارے میں تم جاننے کے لئے بے چین ہو۔"

"آہ۔ کیا کہوں۔ تمہاری نبض تو چل ہی رہی ہے۔ تم انسانی خصوصیات سے عاری ہو۔ قطعی عاری۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں میں زندہ انسان نہیں ہوں؟"

"یہ بھی تو نہیں کہہ سکتا۔"

"اوہ۔ میرا خیال ہے میرے مرض کی دوا تمہارے پاس موجود نہیں ہے۔ مجھے اجازت دو اور جانے دو۔!" میں کھڑا ہو گیا۔

"اگر تم چلے گئے تو میں ساری زندگی کی خلش میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ نہیں نہیں نہیں میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گا۔ تم ایسے نہیں جا سکتے۔"

"مگر میرا علاج۔"

"تم بیمار ہی نہیں ہو۔"

"جا رہا ہوں میں۔" میں نے خفیلے انداز میں کہا۔ اور وہ میری خوشامدیں کرنے لگا۔ اس نے جلدی سے لپک کر دروازہ بند کر دیا تھا۔

"سنو تو سہی میں تمہیں روکنے والا کون ہوتا ہوں لیکن دیکھو۔ اگر تم چلے گئے تو میں کسی کام کا نہیں رہوں گا۔ میں اس وقت تک سکون نہیں پا سکتا جب تک تمہارے بارے میں معلومات نہ حاصل کر لوں۔ اس طرح تم دوسروں پر بھی احسان کرو گے۔"

"بس بس۔ جانے دو مجھے۔" میں نے کہا۔

"اچھا صرف چند ساعت اور صرف چند ساعت کے لئے۔" وہ بولا۔ اور میں رک گیا اس نے جب یہ بات محسوس کر لی کہ میں نے چند ساعت کے لئے اس کی بات مان لی ہے تو وہ دروازے کے پاس سے ہٹ گیا اور پھر اس نے بڑی ہمت سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ صرف چند منٹ کے لئے بیٹھ جاؤ" اور میں نے اس کی بات مان لی۔

تب اس نے آگے بڑھ کر وہ برتن بند کر دیا اور اس کے نیچے سے شمع بھی ہٹا دی پھر وہ ویسی ہی ساخت کے دوسرے برتن کے نزدیک پہونچ گیا اور اس نے شمع اس کے نیچے رکھ دی۔ چند ساعت انتظار کرتا رہا پھر برتن کھول دیا۔

اب کیا ہو گا میں سوچ رہا تھا۔ پھر میں نے حیرت انگیز طور پر کمرے کی فضا سرد ہوتے محسوس کی۔ برتن سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی اور کمرے میں کہر سی پھیلتی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ خود ایک کونے میں جا کھڑا ہوا اور پھر اس نے ایک خالی بوتل سے کوئی محلول نکال کر پیا اور موٹے کپڑے اپنے بدن کے گرد لپیٹنے لگا۔ اس نے صرف آنکھیں کھلی رہنے دی تھیں اور بغور میرا جائزہ لے رہا تھا۔ کمرے کا درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے نہ جانے کتنے درجہ نیچا ہو گیا تھا۔ اتنا سرد کہ انسانی زندگی ممکن ہی نہ رہے! لیکن میرے لئے اس کی یہ کوشش بھی بے مصرف رہی تھی۔ میں اطمینان سے بیٹھا رہا اور پھر اس کی دبی آواز میرے کانوں تک پہونچی۔

"اب تمہاری کیا کیفیت ہے؟"

"نہ جانے تم کیا کر رہے ہو۔ میں اب بھی اسی حالت میں ہوں۔" میں نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا۔ اور اس کی آواز بند ہو گئی۔ چند ساعت میں برا سا منہ بنائے بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب تو جاؤں تمہارے پاس میرا کوئی علاج نہیں ہے۔" میں نے کہا اور دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اس بار اس نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور پھر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا وہاں سے دور نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اسی راستے پر چل پڑا جدھر سے آیا تھا اور پھر میں جھیل کے پاس پہونچ گیا جہاں فوما میرا منتظر تھا وہ ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر درخت سے اتر آیا۔

"خیریت۔ یہاں کیا کر رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔ اکثر لوگ یہاں نہانے نکل آتے ہیں۔"

"اوہ۔ کوئی آگیا تھا؟"

"ہاں۔ ایک محبت کا مارا جوڑا جسے تنہائیوں کی تلاش تھی۔"

"بہت خوب۔ پھر کیا ہوا؟"

"بس وہ یہاں رنگ رلیاں مناتے رہے اور جھیل میں نہا کر واپس چلے گئے۔"

"خوب، تو تمہارا وقت بھی برا نہیں گزرا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فوما ہنسنے لگا۔ اس کی نگاہیں مجھے ٹٹول رہی تھیں اور اس سے باز نہ رہا گیا تو بول پڑا۔

"تم سناؤ کچھ پتہ چلا؟"

"یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا؟"

"تمہارے لہجے سے پتہ چلتا ہے کہ تم اُسے پسند نہیں کرتے۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ بے شمار لوگ اُسے پسند نہیں کرتے۔"

"کیوں؟"

"لمبی کہانی ہے، تمہیں اس سے کیا دلچسپی؟"

"تم میرے سوالات کے جواب دینے کا وعدہ کر چکے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ دراصل ہمارا فوما شبالا نہیں ہے۔ فوما وہ تھا جو سازش کا شکار ہو گیا۔" ہاکو کے لہجے میں اُداسی تھی۔

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارے زخموں کو تازہ نہ کرو دوست! ہم نے بڑی مشکل سے صبر کیا ہے۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری معلومات میں بیش بہا اضافہ کروں گا، اس لئے یہ کڑوے گھونٹ ایک بار پھر پی لو۔"

"لیکن تمہیں اس سے کیا فائدہ ہو گا؟"

"ممکن ہے ہو ہی جائے۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں ہی فائدہ ہو جائے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"میری باتیں سمجھنے کی کوشش کے بجائے پہلے اپنی کہانی پوری کر دو، اس کے بعد ایک بات تمہیں سمجھا دوں گا۔"

"کہانی زیادہ طویل نہیں ہے۔ نہ جانے کہاں سے آنے والے ہمارے درمیان منافرت پھیلا رہے ہیں۔ فوما کے سادہ لوح یہ بات نہیں سمجھ رہے۔ لیکن وہ ضرور سمجھیں گے، اس وقت جب کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہے گا۔"

"تمہارے سردار کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا؟" میں نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں۔ مجھے تو اس کی لاش بھی نہیں دیکھنے دی گئی ورنہ میں بتا سکتا تھا کہ اُسے زہر دیا گیا ہے، ورنہ فوما — اُسے کوئی بیماری نہیں تھی۔"

"اوہ، تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے زہر دے کر مار دیا گیا؟"

"ہاں — میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔"

"اس کی لاش کا کیا کیا؟"

"سمندر میں بہا دی گئی۔"

"کیا کسی کو اس کی موت پر شبہ نہیں ہوا؟"

"اندھے ہو گئے ہیں سب کے سب، کچھ نہیں سمجھ پا رہے۔ اس وقت سمجھیں گے جب ان کے ہاتھوں میں کچھ بھی نہیں رہے گا۔"

"آنے والے کون ہیں؟"

"ان کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

"کیا ان کی جڑیں بہت مضبوط ہیں؟"

"فوما جب تک زندہ تھا ان کی دال نہیں گل رہی تھی۔ لیکن اس کی موت کے بعد انہیں روکنے والا کون ہے — کیا شبالا۔ جو اُن کا پٹھو ہے، کیا وہ نااہل سردار — جو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا اور جس کے مشیر سفید رنگ کے زرد رو ہیں۔"

"اوہ، تو اس نے انہیں اپنا مشیر مقرر کیا ہے؟"

"اس نے کیا کیا ہے، اُسے سردار بنانے والے ہی وہ لوگ ہیں، ورنہ کیا وہ نااہل بھلا سرداری کے لئے رہ گیا تھا۔"

"لیکن کیا فوما کے حامیوں نے یہ سوال نہیں اُٹھایا کہ آخر فوما کس طرح مر گیا؟"

"ان میں زبردست بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن نوواردوں کی پوری کوشش اس بات میں صرف ہو رہی ہے کہ وہ بھی ان کے مطیع ہو جائیں پھر — اُن کی سربراہی کون کرے۔ ظاہر ہے یہ ایک طرح کی بغاوت ہو گی اور بغاوت کے لئے بہت کچھ درکار ہوتا ہے۔"

"تو پھر کیا یہ آواز دب گئی؟"

"دبی گی نہیں۔ لیکن —"

"لیکن کیا؟"

"بس میرے دوست! اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" ہاکو سنبھل گیا۔

"ارے کیوں؟"

"بس اس بارے میں مجھے کچھ اور معلوم نہیں ہے۔" ہاکو فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ اور میں نے طویل سانس لے کر فوما کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے بھئی! باقی باتیں تم خود پوچھو۔" اور فوما نے آہستہ سے اپنے سر سے چادر اتار دی۔

ہاکو نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا لیکن پھر دوسرے لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ مُنہ کھلا لیکن اس سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ پھر وہ اُٹھا اور پاگلوں کی طرح فوما کے پیروں میں گر پڑا۔

"میرے مالک! میرے آقا — کیا میری آنکھیں مجھے دھوکا دے رہی ہیں؟"

"نہیں ہاکو — میرے معزز بزرگ — اُٹھو، مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں تمہارا احترام کرتا ہوں — تم میرے بزرگ ہو۔" فوما بولا۔

"مجھے یقین دلا دو میرے مالک!" ہاکو روتے ہوئے بولا۔

"میں زندہ ہوں ہاکو۔"

"آہ — آہ — میرا دل محبت سے خوشی سے پھٹا جا رہا ہے۔"

"خود کو سنبھالو ہاکو۔"

"میرے مالک — میرے آقا! کیا تُو واقعی زندہ ہے؟"

"ہاں ہاں — میں زندہ ہوں۔"

"آہ اجنبی! تُو واقعی میرے لئے حیرتوں کے پہاڑ لے کر آیا ہے لیکن ان میں مسرتیں بھی شامل ہیں۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا ہاکو!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب تُو کوئی بھی ہے، مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ تُو میرے لئے نہیں بلکہ اس پورے علاقے کے لئے خوشیوں کا پیغامبر بن کر آیا ہے۔"

"ہمارے لئے خوراک کا بندوبست کرو ہاکو! ہم بھوکے ہیں۔"

"ابھی میرے مالک!" ہاکو جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"اور سنو!" فوما نے اسے پکارا۔

"مالک؟"

"میری آمد کو ابھی پوشیدہ رکھو۔ کسی کو میرے بارے میں اطلاع مت دینا۔ یہاں تک کہ اپنے گھر کے لوگوں کو بھی۔"

"ایسا ہی ہو گا مالک!" ہاکو نے کہا اور باہر نکل گیا۔ تب فوما نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا تھا!"

"کیا؟"

"ہاکو میرا وفادار ہے۔" فوما بولا۔

"ہاں۔ اس کے انداز سے پتہ چلتا ہے۔"

"اس نے ٹھیک کہا۔ یہاں میرے حامیوں کی تعداد اب بھی کم نہیں ہے لیکن وہ کسی قیادت سے محروم ہیں۔"

"ان کی قیادت ہم کریں گے۔" میں نے کہا۔

"تم — تمہارے بارے میں، میں اب اور کیا کہوں۔" فوما پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں — کیا کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے؟"

"ایسی باتیں مت کرو سیوتا — میں مرتے وقت تک تمہارے احسانات نہیں بھولوں گا۔ تم بے حد عظیم انسان ہو۔ تمہاری ذہانت اپنی مثال آپ ہے۔ تم نے جس چالاکی سے ہاکو سے سوالات کئے اور اس کے خیالات معلوم کئے، میں عش عش کر رہا تھا۔"

"ابھی تو بہت کچھ کرنا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔" فوما بولا۔

"کیا؟"

"ایک پیش گوئی۔"

"کرو۔"

"اگر تم ہمارے ساتھ رہے تو ایک دن میری حکومت مجھے واپس مل جائے گی۔"

"اوہ، میرے دوست! میں تمہارے ساتھ آیا ہی اسی لئے ہوں کہ تمہاری حکومت واپس دلانے میں تمہاری مدد کروں۔"

"تب کامیابی میرے ساتھ ہے۔" فوما نے کہا۔

"ہاکو نے ایک مخصوص جگہ آ کر بات ختم کر دی تھی۔" میں نے کہا۔

"ہاں — مجھے یاد ہے۔"

"اُس سے اس بارے میں پوچھنا۔"

"ہاں۔ ابھی تو بہت سی باتیں کرنا ہیں اس سے۔"

"یقیناً۔" میں نے کہا اور پھر ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ ہاکو واپس آ گیا تھا۔

"چند ساعت انتظار کریں مالک! سب کچھ آ رہا ہے۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے محترم بزرگ — بیٹھ جاؤ۔ میرا خیال ہے اب تمہیں اس بارے میں بتانے سے عار نہ ہو گا کہ فوما کے حامی کیا کر رہے ہیں۔"

"بتانے کو تو بہت کچھ ہے مالک — آپ کھانا کھا لیں۔ میں نے آپ کے آرام کا بندوبست کرنے کی ہدایت بھی کر دی ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ کسی کو آپ کے بارے میں اطلاع نہیں مل سکے گی۔"

"ٹھیک ہے ہاکو — میں تمہاری اس محبت کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"میں تو تیرے قدموں کی خاک ہوں آقا — میری کھال اور خون بھی تیرے کام آ جائے تو میری خوش نصیبی ہو گی۔" ہاکو عقیدت سے بولا۔

پھر کھانا آ گیا جسے ہاکو نے باہر سے ہی لے لیا۔ بہت عمدہ کھانا تھا۔ گوشت، پنیر اور ایسی ہی دوسری چیزیں۔ خوب کھائیں اور پھر ہاکو سے باتیں ہونے لگیں۔

"آپ کے حامیوں نے لاکھا کی پہاڑیوں کو اپنا مسکن بنا لیا ہے، وہاں سے وہ زرد رو انسانوں پر نگاہ بھی رکھتے ہیں اور ہتھیار بھی جمع کر رہے ہیں تاکہ آپ کا انتقام بھی لیں اور اس سرزمین کو آنے والوں سے پاک کرائیں۔"

"خوب۔ ان کا سربراہ کون ہے؟"

"کوئی ایک انسان نہیں ہے، ایک مشترکہ گروہ ہے جس میں لاتوش، فرغا اور بازیر شامل ہیں۔"

"اوہ، میرے تینوں وفادار۔" فوما بولا۔

"بے شمار وفادار ہیں تیرے فوما — اور تیری زندگی سے انہیں نئی زندگی مل جائے گی۔"

"کیا تمہاری ان سے ملاقات ہوتی ہے ہاکو؟" فوما نے پوچھا۔

"تیرا غلام بھی ان میں شریک ہے۔ اور جب چاند کی تاریک رات ہوتی ہے تو ہم سب یکجا ہو جاتے ہیں۔"

"ایک بات بتاؤ ہاکو؟" اس بار میں نے کہا۔

"پوچھو انوکھے انسان؟" ہاکو نے پوری توجہ سے کہا۔

"فوما کی موت کو کتنا عرصہ گزرا؟ میرا مطلب ہے جب اسے سمندر میں بہایا گیا؟"

"اوہ، یہ بات تو آقا کو معلوم ہو گی۔"

"نہیں معلوم — تم بتاؤ۔"

"تین چاند ڈوب گئے ہیں۔"

"ارے۔" میں چونک پڑا۔

"کیوں؟" فوما نے مجھے دیکھا

" کیا اس دوران تمہیں سمندر میں ہوش آیا تھا قوما ؟"

" نہیں۔ میں نے پہلی بار آنکھیں کھول کر تمہیں دیکھا تھا "

" پھر تم اتنے دن زندہ کیسے رہے ؟"

" ایں۔ ہاں۔ نہ میرے بدن میں غذا پہنچی تھی اور نہ — واقعی کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے ؟"

" کیا غلام کو صورت حال سے آگاہ کیا جاسکتا ہے، ممکن ہے کسی الجھن کے حل میں مدد دے سکے " ہاکو نے مؤدب انداز میں کہا۔

" اوہ ہاکو، میری زندگی میرے دوست سبوتا کی رہین منت ہے، انہوں نے ہی مجھے سمندر سے نکالا تھا " قوما نے مختصر تفصیل بتائی، اور ہاکو سوچ میں ڈوب گیا، پھر بولا۔

" کیا غلام کو اس سلسلہ میں ایک تجربہ کرنے کی اجازت مل جائے گی ؟"

" ہاں۔ ضرور " قوما کے بجائے میں نے کہا۔

" میرے دوست کی آواز کو میری آواز ہی سمجھا جائے " قوما نے ہاکو سے کہا۔

" سر آنکھوں پر " ہاکو بولا، اور پھر وہ تھوڑی دیر کے لئے اجازت لے کر چلا گیا۔

" خوب ہے یہ شخص، میں اس سے متاثر ہوا ہوں، یہ اپنے فن میں ماہر ہے، میں نے اس کا کارخانہ دیکھا ہے "

" ہاں۔ ہاکو درویش صفت ہے، عبادت کرتا ہے اور لوگوں کی خدمت کرتا ہے، یہ ایک پُراسرار شخص ہے "

ہاکو واپس آگیا۔ اس کے ہاتھوں میں کافی سامان تھا، چمڑے کی نلکیاں بوتلیں اور نہ جانے کیا کیا۔

" لیٹ جاؤ مالک " وہ بولا، اور قوما نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ تب ہاکو نے ایک محلول قوما کی ناک پر لگایا اور آہستہ آہستہ قوما کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ شاید وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ تب ہاکو نے چمڑے کی ایک نلکی اس کی ناک میں اتار دی۔ دوسری اس کے حلق میں، نلکیوں کے دوسرے سرے اس نے بوتلوں میں ڈال دیئے تھے، نلکیوں کا رنگ بدلنے لگا تھا، اور شفاف بوتلیں بھی رنگ بدل رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس عمل سے فارغ ہو گیا، اس نے نلکیاں نکال لیں اور پھر بوتلوں کے محلول کا مختلف طریقوں سے تجزیہ کرنے لگا۔ پھر اس نے کوئی اور چیز قوما کی ناک سے لگائی اور قوما ہوش میں آگیا۔ وہ حیران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا، اور پھر وہ مجھ سے بولا :

" کیا مجھے کچھ ہوگیا تھا سبوتا ؟"

" کیوں، کیا محسوس کر رہے ہو ؟"

" بس عجیب سا۔ اس کے علاوہ مجھے اپنا دل و دماغ کافی ہلکا محسوس ہو رہا ہے "

" میں نے زہر کے آخری اثرات بھی آپ کے معدے سے کھینچ لئے آقا " ہاکو نے پُرمسرت انداز میں کہا۔

" زہر " قوما نے سرسراتی آواز میں کہا۔

" ہاں۔ ترا ہاکا زہر، جو ایک بوٹی ہوتی ہے، لیکن بڑی حیرت انگیز تاثیر ہوتی ہے اس کی، یوں سمجھیں اس بوٹی نے آپ کی زندگی کی حفاظت کی ہے "

" کس طرح ؟"

" بوٹی کی یہ تاثیر ہے کہ وہ ایک خوفناک زہر کا اثر رکھتی ہے۔ لیکن ایک مخصوص مزاج کے لوگوں پر وہ زہر کی مانند اثر انداز ہوتی ہے، ہر ایک پر نہیں تاہم زہر کے اثرات گہری نیند سلا دیتے ہیں اور اس کے زیر اثر ہونے والے کی کیفیت وہ ہوتی ہے جس میں وہ سوتا ہے، یعنی اس کے اعضاء کی تحریک رک جاتی ہے ایک مخصوص وقت تک کے لئے اور اس کے بعد جب اس کا اثر ختم ہوتا ہے تو انسان اسی کیفیت میں جاگتا ہے یعنی جب وہ سوتا ہے، اس دوران اس کے جسم کو کسی شے کی حاجت نہیں ہوتی، سب کچھ اسی طرح رہتا ہے جس حالت میں بوٹی کھانے سے پہلے ہوتا ہے "

" اوہ " میرے منہ سے سرسراہٹ نکلی، کیسی کارآمد چیز تھی اور پروفیسر جس وقت تم یہاں آئے تھے، اور تم نے ایک گلابی سیال میرے اوپر چھڑکتے دیکھا تھا یہ اسی بوٹی کی جدید شکل تھی۔ میری اپنی ایجاد۔ لیکن اس کے بارے میں مجھے اگر سے ہی معلوم ہوا تھا، اس بات کا میں اعتراف کروں گا۔

" اوہ " پروفیسر خاور نے گردن ہلائی۔

بہرحال۔ اس تجزیئے نے ہمیں مطمئن کر دیا تھا اور اب میں ان حالات پر غور کر رہا تھا، پھر میں نے کہا۔

" ٹھیک ہے ہاکو، اب ہمارے آرام کا بندوبست کرو، ہم ابھی کچھ دن مکمل آرام کریں گے، اس کے بعد آگے کے پروگرام بنائیں گے "

" ہاکو غلام ہے آقا، اور اس کی خوش نصیبی ہے کہ آقا اس کے ہاں قیام کریں " ہاکو نے کہا اور پھر اس نے ہمیں ہمارے آرام کا کمرہ دکھا دیا۔ اور صبح کو حاضری دینے کے لئے کہہ کر چلا گیا۔ قوما مجھ سے اجازت لے کر بستر پر لیٹ گیا، میرا بستر بھی اس کے نزدیک ہی تھا۔

" نیند آرہی ہے سبوتا ؟" تھوڑی دیر کے بعد اس نے پوچھا۔

" نہیں "

" اس بارے میں کچھ اور باتیں کروگے ؟"

" ضرور۔ کرو "

" حالات تمہارے علم میں آگئے ؟"

" ہاں۔ کافی حد تک "

" پھر اب کیا حکم ہے ؟"

" میں نے ترکیب سوچ لی ہے "

" کیا سبوتا ؟" وہ کہنیوں کے بل اٹھ گیا۔

" تم میری تجاویز پر عمل کرنے کا وعدہ کر چکے ہو "

" اوہ۔ قوما تم سے اختلاف کس طرح کرسکتا ہے، تم اس کے بے غرض دوست ہو، تم نے دیکھا ہاکو جیسا مدبر میرا غلام ہے، لیکن میں — میں تمہارا غلام ہوں سبوتا، تمہارے ساتھ میری خوش بختی وابستہ ہے "

" ہوں " میں اس کے الفاظ سے متاثر ہوگیا، پھر میں نے کہا " ابھی چند روز ہم یہیں رہیں گے، حالات کا جائزہ لیں گے، پھر ڈوبتے چاند کی رات کو ہاکو کے ساتھ لاکھا کی پہاڑیوں میں جائیں گے اور باغی فوج میں شامل ہو جائیں گے، لیکن تم قوما کی حیثیت سے ان میں نہیں جاؤ گے بلکہ قوما کے ایک وفادار کی حیثیت سے ان فوجوں میں شامل رہو گے، اس طرح فوجوں کی نگرانی اور ان کی عمدہ تربیت بھی کی جاسکتی ہے، کیونکہ بہرحال ہمیں فوجی کارروائی تو کرنا ہی ہوگی "

" بالکل ٹھیک ہے " قوما خوش ہوکر بولا۔

" اور اب شبالا تو سردار بن ہی گیا ہے "

" ہاں یقیناً۔ لیکن ... "

" ہاں کہو "

" یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ میں دوسری حیثیت سے ان میں رہوں "

" فوجوں میں ؟"

" ہاں "

" کیوں، اس میں نہ سمجھنے کی کیا بات ہے ؟"

" کیا میرے لوگ مجھے پہچان بھی نہیں سکتے ؟"

" صورت بدل لی جائے گی "

" کس طرح ؟"

" تم خوب داڑھی بڑھالو، بال بھی لمبے کرلو، لباس پہننے کا طریقہ بھی بدل ڈالو، اس کے علاوہ میں تمہیں آواز بدلنے کے گر بھی بتا دوں گا، اور پھر کسی کو اندازہ نہیں ہے کہ تم زندہ ہو، اس لئے لوگ اس بات پر غور بھی نہیں کریں گے "

" تم بھی میرے ساتھ رہو گے ؟"

" ہاں۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا "

" تب ٹھیک ہے " قوما نے خوش ہوکر کہا، پھر بولا " لیکن ایک بات اور — "

" ہاں ہاں، وہ بھی کہو "

" ہم ان فوجوں میں شامل کس طرح ہوں گے ؟"

" کیوں، یہ کونسا مشکل کام ہے، کیا ہاکو ہماری مدد نہیں کرے گا ؟"

" اوہ! ہاں کتنی سیدھی سی بات ہے " قوما نے شرمندگی سے کہا۔ اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

نیند مجھے بھی نہیں آرہی تھی، میرا ذہن بھی انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ قوما بھی جاگ رہا ہے، ظاہر ہے اس کی آنکھوں سے نیندیں تو اڑنی ہی چاہیئے تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے مخاطب کیا۔

" قوما "

" ارے، تم جاگ رہے ہو سبوتا "

" ہاں "

" مجھے بھی نیند نہیں آرہی "

" میں محسوس کر رہا ہوں "

" لیکن تم کیوں نہیں سوئے ؟"

" بس ان حالات پر غور کر رہا ہوں "

" میں بھی "

" کیا سوچ رہے ہو تم ؟"

" تم سے جھوٹ نہیں بول رہا، رات ہوتی ہے تو عورت کا تصور ذہن میں ابھر آتا ہے، میری پانچ بیویاں ہیں، سب کی سب مجھے چاہتی تھیں، اور میں — میں نغامہ کو "

" اوہ "

" اور اب بھی میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا "

" کیا سوچ رہے تھے ؟"

" یہی کہ نغامہ کی محبت غداری میں کس طرح بدل گئی، یہ تو ظاہر ہوگیا کہ مجھے زہر اسی نے دیا تھا لیکن کیوں ؟ وہ تو مجھے بہت چاہتی تھی "

" ابھی اس بارے میں فیصلہ مت کرو قوما "

" کیوں۔ کیا مطلب ؟"

" تم جانتے ہو تمہارے مقابلے میں زرد رو لوگوں کی ذہانت کام کر رہی ہے "

" ہاں "

" ممکن ہے نغامہ کو بھی یہ بات معلوم نہ ہو کہ شراب میں زہر ہے " میں نے کہا اور قوما اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے تھے، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا، پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا :

" ہاں۔ یہ ممکن ہے "

" نغامہ سے ملنے کے بعد ہی یہ فیصلہ ہوسکتا ہے "

" ٹھیک کہتے ہو "

" چنانچہ اس وقت تک کے لئے یہ بات ذہن سے نکال دو "

" میں اسے بہت چاہتا ہوں سبوتا "

" یقیناً چاہتے ہوگے "

" ایک بات بتاؤ سبوتا، کیا تم نے کبھی محبت نہیں کی، کیا تمہاری ایک بھی بیوی نہیں ہے، کیا تمہیں عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ؟"

" کیوں۔ یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا ؟"

" تم نے آج تک کسی عورت کا ذکر نہیں کیا "

" کس کس کا ذکر کروں ؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب، کیا تمہاری بہت سی بیویاں ہیں؟"

"ہیں نہیں، تھیں" میں نے جواب دیا۔

"اوہو، کہاں چلی گئیں، کیوں چھوڑ دیا تم نے انہیں؟"

"بس وہ خود ہی مجھے چھوڑتی رہیں"

"آخر کیوں، تم تو حیرت انگیز انسان ہو، اس قدر خوبصورت ہو کر کوئی عورت تمہیں نظر انداز نہیں کر سکتی"

"بس عام طور سے میری بیویاں مر جاتی ہیں، مجھے بیویوں کی یاد مت دلاؤ ورنہ میری نیند خراب ہو جائے گی، اب سو جاؤ"

"ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی" اس نے جواب دیا اور پھر وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ فوما اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا اس بارے میں مجھے تو معلوم نہیں۔ ہاں میں آرام کی نیند سو گیا تھا اور اس وقت تک سوتا رہا جب تک سورج خوب نہیں نکل آیا۔ آنکھ کھلی تو فوما میرے نزدیک موجود نہیں تھا۔ کافی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"کہاں چلے گئے تھے فوما؟" میں نے پوچھا

"عبادت کرنے، آج طویل عرصہ کے بعد زندگی کا احساس ہوا ہے"

"کیا مطلب؟"

"عبادت نہ کرو تو روح پیاسی رہتی ہے"

"تم عبادت کرنے کہاں گئے تھے؟"

"افسوس۔ میں دوسروں کی مانند کھلے میدان میں تو نہ جا سکا، لیکن مکان کی چھت سے سورج دیوتا کے طلوع ہونے کا منظر صاف نظر آتا ہے"

"ہاکو تمہارے ساتھ تھا؟"

"ہاں۔ اس نے بھی میرے ساتھ ہی عبادت کی تھی"

"اب وہ کہاں گیا؟"

"اپنی نگرانی میں ہمارے لئے ناشتہ تیار کرا رہا ہے، اس بارے میں وہ دوسروں پر بھروسہ نہیں کرے گا" فوما نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہاکو بذات خود ہمارے لئے ناشتہ لے کر آ گیا۔ اس نے مسکرا کر مجھے صبح بخیر کہا تھا۔

"تمہارے لئے میرے ذہن میں بیشمار سوالات مچل رہے ہیں، لیکن میری توجہ اب ایک ایسے کام کی طرف مبذول ہو گئی ہے کہ دوسرے سارے کاموں کے بارے میں میں نے سوچنا چھوڑ دیا ہے" وہ کہنے لگا

"ٹھیک ہے ہاکو، میں تمہاری دانائی سے بہت متاثر ہوں، پہلے ہم ان کاموں سے نمٹ لیں، پھر میں تم سے تمہارے علم حکمت کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا"

"بسر و چشم" ہاکو نے خلوص سے جواب دیا۔

اس وقت ہاکو بھی ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک تھا۔ ناشتے کے دوران میں نے اس سے پوچھا "تم نے اپنے گھر والوں کو ہمارے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"یہی کہ میرے کچھ دوست مہمان خانے میں قیام پذیر ہیں، اور میں انہیں دوسروں سے روشناس نہیں کرانا چاہتا، میں نے ہدایت کر دی ہے کہ کوئی مہمان خانے کی طرف نہ آئے" ہاکو نے جواب دیا۔

"اوہ۔ ٹھیک ہے" فوما بولا۔

"لیکن اب کیا کرنا ہے آقا، میرے لائق جو خدمت ہو مجھے بتا دی جائے"

"ضرور ہاکو، لیکن میرا خیال ہے میرے اوپر تو یہاں کوئی پابندی نہیں ہے" میں نے کہا۔

"پابندی تو آقا فوما پر بھی نہیں ہے، بس صرف اتنا احساس ہے کہ ابھی انہیں لوگوں کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہیے"

"ہاں۔ یہ مناسب نہ ہوگا" فوما بولا۔

"سکائی کے لوگ تیرے بہت عقیدت مند ہیں فوما۔ انہوں نے تیرا مجسمہ تراش کر شاہراہ پر لگایا ہے تاکہ روزانہ اس کی زیارت کر لیں۔ سکائی کی عورتیں تیرے لئے عرصے تک بین کرتی رہی تھیں۔ بے شک [illegible] کا بچہ بچہ تیرے ایک اشارے پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ لیکن جیسا کہ تیرا خیال ہے کہ تو ابھی دوسروں کی نگاہوں میں نہ آئے، اس لحاظ سے تیرا کسی کے سامنے نہ آنا بہتر ہے۔ رہی اجنبی سبوتا کی بات تو شاید اسے اس بستی میں کوئی بھی نہیں جانتا اور اگر لوگ اسے میرے مہمان کی حیثیت سے جان بھی لیں تو میں لوگوں کو اس کے بارے میں کوئی کہانی سنا دوں گا"

"ٹھیک ہے، ہمارا ارادہ یہ ہے ہاکو کہ ابھی عرصہ دراز تک فوما اپنی زندگی کا اعلان نہ کرے اور یہاں رہ کر اپنے چہرے میں تبدیلیاں پیدا کرے۔ پھر جب اس کی صورت اس حد تک بدل جائے کہ دوسرے لوگ اسے پہچان نہ سکیں تو وہ تیرے ساتھ لاکھا کی پہاڑیوں میں جائے، وہاں جہاں اس کے حامیوں اور شابلہ کے باغیوں کا مسکن ہے تو تیرے ایما پر وہ لوگ ہم دونوں کو خود میں شامل کر لیں، یوں فوما اپنے لئے لڑنے والوں کو خود ہی تربیت دے گا اور ان میں پوشیدہ رہے گا۔ پھر جب وہ کاری ضرب لگانے کے قابل ہو جائے گا تو کھل کر سامنے آ جائے گا" میں نے کہا اور ہاکو تعریفی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"بیشک تو جتنا انوکھا ہے تیرا تدبر بھی اس سے مختلف نہیں ہے"

"لیکن اس دوران ہم تیرے مہمان رہیں گے"

"آقا کی خدمت سے بڑھ کر میری زندگی کا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے"

"بس یہی ہمارا ارادہ ہے"

"نہایت مناسب ہے"

سو یہ بات طے ہو گئی، اور کیسی عمدہ بات تھی کہ سکائی بستی میں میرے اوپر کوئی پابندی نہیں تھی، چنانچہ جب ایک پہر چڑھ گیا تو میں نے فوما سے معذرت کی اور آوارہ گردی کے لئے باہر نکل آیا۔

رخ میرا جھیل کی جانب تھا اور خیال تھا ذہن میں کہ ممکن ہے آج بھی جھیل کے شفاف پانی میں وہی سفید مچھلی تیر رہی ہو۔ راستہ مجھے معلوم تھا، سو میں چلتا رہا۔ ویسے بھی وہ جگہ سرسبز تھی اور وہاں کا ماحول بے حد پرکشش، بشرطیکہ پانی میں لباس سے بے نیاز چکنا اور سڈول بدن اٹھکیلیاں کر رہا ہو۔

گذر رہا تھا میں ایک درخت کے نیچے سے کہ ناگاہ ایک بارِ گراں میرے شانے سے ٹکرایا اور میں چونک پڑا۔

وزنی پتھر تھا جو پڑا ہوتا اگر شانے پر کسی دوسرے انسان کے تو گیا تھا زندگی سے، لیکن چٹانیں بھی کچھ نہ بگاڑ سکتی تھیں میرا۔ ہاں ناکام رہا تھا وہ جس نے سوچا کچھ اور ہوگا۔

سو اٹھ گئی میری نگاہ درخت کی جانب اور دیکھا میں نے اسی دلربا کو کہ جس سے ملاقات ہوئی تھی جھیل پر اور حیران تھی وہ اپنی ناکامی پر کہ خیال تھا اس کا کہ اس وزنی بوجھ سے جانبر نہ ہو سکوں گا میں۔ سو پھیل گئی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر اور سمجھ گیا کہ بغض ہے کل کا اس کے سینے میں، تب میں پہنچ گیا درخت کے نیچے اور دیکھا اس کی جانب۔

"بس اب نیچے اتر آؤ" میں نے کہا لیکن وہ حیران نگاہوں سے مجھے گھورتی رہی، شاید یہ غلبہ تھا حیرت کا۔ لیکن پھر نفرت عود کر آئی اور اس نے پہلی بار نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"بڑا ہی سخت جان ہے تو"

"اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ درخت سے نیچے اتر آ، یا پھر میں ہی درخت پر آ جاتا ہوں"

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی"

"تو اس کا اعلان کرنے کی کیا ضرورت ہے" میں نے ڈھٹائی سے کہا اور وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے گھورتی رہی۔

"میں تمہارے نیچے اترنے کا منتظر ہوں" میں نے پھر کہا "اور دیکھ او جا رہا تھا تمہاری تلاش میں جھیل کی طرف"

"تو ہے کون اور کہاں سے نازل ہوا ہے اس بستی میں، کیا تجھے احساس نہیں ہے کہ بستی کے لوگ تیری اس غلط روش کو پسند نہ کریں گے سزا تو تجھے میں ہی دے دیتی کہ میرا نام شمانہ ہے، اور جانتے ہیں بستی والے کہ جس نے آنکھ اٹھائی میری طرف سو دھو بیٹھا زندگی سے ہاتھ۔ لیکن تو فنون حرب سے بھی واقف معلوم ہوتا ہے اور میں حیران ہوں کہ وزنی پتھر کی چوٹ بھی تو نے آسانی سے برداشت کر لی، لیکن یہ نہ سمجھ کہ شمانہ تجھے زندہ چھوڑ دے گی، تو نے وہ کیا ہے جس کی جرأت کبھی کسی کو نہ ہوئی"

"میں اپنا قصور جاننا چاہتا ہوں"

"جب تو نے دیکھ لیا تھا کہ میں جھیل میں ہوں تو تو نے پانی میں اترنے کی جرأت کیسے کی؟" وہ بولی۔

"میں نے نہیں جانا تھا کہ پانی میں تو ہے، میں تو سمجھا تھا کہ کوئی جل پری تنہائی دیکھ کر پانی میں آگ لگانے آ گئی ہے، سو میں اسے قریب سے دیکھنے کے لئے پانی میں اتر گیا تھا"

"ہرگز نہیں۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو اپنے حسن کی تعریف سن کر مردوں کے فریب میں آ جاتی ہیں، بیویاں بن جاتی ہیں ان کی اور پیٹ پھلا لیتی ہیں اپنا۔ پھر بچے پیدا کرنے کے علاوہ ان کا کوئی اور مصرف نہیں ہوتا۔ میں اپنے پیٹ کو کسی طور خراب کرنا پسند نہیں کروں گی"

"خوب۔ لیکن درخت سے نیچے تو اتر آؤ"

"تیرے کہنے سے نہیں اتروں گی، بس تو چلا جا یہاں سے، اور یاد رکھ زندگی چاہتا ہے اپنی تو سکائی سے چلا جا، ورنہ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ آج تو پتھر کے وار سے بچ گیا ہے، لیکن کل میں تیرے ساتھ کوئی اور برا سلوک کروں گی"

"میں تیرے ہر سلوک کا منتظر رہوں گا"

"کیوں آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ تو مجھے اچھی لگتی ہے"

"مرتا رہ، میں کبھی تیرے فریب میں نہ آؤں گی، میں کہتی ہوں بس اب چلا جا یہاں سے"

"شمانہ بتایا تھا نا تو نے اپنا نام؟"

"ہاں" وہ غرائی۔

"تو نیچے اتر آ۔ تو آزاد ہے جس طرح چاہے مجھے ہلاک کر دے، لیکن یہ تو سوچ کہ میں بھی تو آزاد ہوں کہ جو چاہوں حاصل کروں اور تو یقین کر کہ جھیل پر میں تیری ہی تلاش میں جا رہا تھا"

میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں شدتِ غیظ سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر درخت کی ایک دوسری شاخ پر چڑھ گئی۔ اس لئے کہ میں نہ پہنچ سکوں اس تک۔

پر چڑھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں درخت کے نزدیک پہنچ گیا اور اس کے تنے کی چوڑائی اتنی نہ تھی کہ میرے ہاتھوں کی گرفت میں نہ آسکتی۔

دیوانہ سمجھی ہوگی وہ مجھے اس وقت اور پھر نہ جانے کیا سوچا ہوگا اس نے دوسرے لمحے جب درخت کی جڑ اپنی جگہ چھوڑ رہی تھی اور پروفیسر یہ کام میرے لیے مشکل نہیں تھا اور کم ہی ہوں گے ایسے عاشق جن کی محبوبہ درخت پر بیٹھی ہو اور وہ درخت سمیت لے جائے اسے جھیل پر، جو وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھی۔

لیکن خود اس کی کیا حالت تھی یہ میں اس وقت تو نہ دیکھ سکا البتہ ایک کھلی جگہ میں جب میں نے درخت کو زمین پر رکھا تو دیکھا کہ وہ بری طرح چمٹی ہوئی تھی ایک شاخ سے اور اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئی تھیں۔ سو اب دُور نہ تھی وہ میری گرفت سے۔

بلاشبہ بے حد توانا تھی لیکن میں نے کسی پھول ہی کی مانند اسے شاخ سے توڑ لیا اور وہ بھی بے جان تھی، سہمے ہوئے پھول ہی کی طرح کہ اس کی عقل نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہوگا۔ یوں میں نے پورا کیا اپنا عہد اور میں نے شانوں سے پکڑ کر اسے اٹھالیا۔

وہ خوف زدہ نگاہوں سے دیکھتی تھی کبھی درخت کی طرف اور کبھی میری جانب۔ یوں لگتا تھا جیسے اب وہ یہاں سے بھاگنا نہ چاہتی ہو، نہ ہی اس کے انداز میں میرے لیے تنفر باقی رہ گیا تھا۔

"تیرا شکریہ شمانہ، میرا عہد اس سے زیادہ نہ تھا اور یہاں میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تو اپنے جذبۂ انتقام کو پس پشت ڈال دے۔ ہاں اگر تجھے میری تلاش ہو، دقت ہو تو سیکائی کے مدبر اور حکیم ہاکو کے مہمان خانے میں چلی آنا، میں اسی کا مہمان ہوں۔ سو حیرت زدہ لڑکی کو وہیں چھوڑ کر میں واپس چل پڑا اور پروفیسر اب اتنا ناتجربہ کار تو نہیں تھا کہ لڑکی کی کیفیت کا اندازہ نہ لگا پاتا۔ وحشی ہرنی قابو میں آگئی تھی اور اب اسے میرے پیچھے ہی بھاگنا چاہیے تھا اور وہی ہوا۔ دوسری شام تھی کہ ہاکو ہمارے کمرے میں آیا اور میری طرف رُخ کر کے بولا۔

"جو حلیہ اس نے بتایا ہے تمھارے علاوہ کسی کا نہیں ہو سکتا، سو کیا تم اس سے ملاقات کرو گے سبوتا؟"

"ارے ارے کون ہے؟ کیا بات ہے؟"

"سیکائی کی بھوکی شیرنی۔ دراکا کی بیٹی شمانہ!" ہاکو نے جواب دیا۔

"اوہ!" میں کھڑا ہو گیا۔ "کیا وہ آئی ہے؟"

"ہوں۔" ہاکو نے جواب دیا۔

"کہاں ہے؟"

"باہر ہے۔ ٹالنے کی انتہائی کوششوں کے باوجود اسے نہیں ٹال سکا اور پھر ویسے بھی خطرناک لڑکی ہے۔ اب تک پانچ افراد کو قتل کر چکی ہے۔ کون ہے جو اس سے نہیں ڈرتا، میں بھی ان میں شامل ہوں۔"

"آؤ۔ میں اس سے ملوں گا۔"

"مگر وہ تمھارے پیچھے لگ کیسے گئی؟"

"بس کوئی خاص بات نہیں ہے، یونہی جان پہچان ہو گئی ہے۔"

"جان پہچان؟ تم نے غلط کیا ہے سبوتا۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کسی قسم کی جان پہچان پیدا کی جائے۔ بہر حال اب تو اس سے ملنا ہی پڑے گا لیکن پوری ہوشیاری کے ساتھ۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آؤ۔" میں نے کہا اور ہاکو میرے ساتھ ہی ساتھ چل پڑا۔ راستے میں میں نے اس سے پوچھا۔ "تم مجھے اس کے بارے میں کچھ تو بتاؤ۔"

"بس وہ سیکائی کی بیٹی ہے۔ دراکا نے آتش فشاں میں کود کر بستی کو دیوتاؤں کے عتاب سے بچایا تھا اور اس وقت اس لڑکی کے سوا اس کا دنیا میں کوئی نہ تھا اور پھر جب اس نے بستی والوں پر یہ احسان کیا تو بستی والوں کے پاس اس احسان کی ادائیگی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اس کی بیٹی کو شاخ میں لگے ہوئے نازک پھول کی مانند پرورش کریں اور پھر جسے پوری بستی کی محبت مل جائے وہ جس راستے پر بھی چل پڑے۔ چنانچہ یہ لڑکی پوری بستی میں گھوڑے پر سواری میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اسے نیزہ بازی میں بھی کمال حاصل ہے اور نصف دائرے کی شکل کا ایک خنجر ہمیشہ اس کے پاس رہتا ہے جسے وہ آزادی سے استعمال کر لیتی ہے۔ بھلا کون روکے اسے؟"

"اوہ۔ ٹھیک۔"

"لیکن اس سے ملنا خطرناک ہے۔ اس کے دماغ کا کوئی پُرزہ ٹھیک نہیں ہے۔" ہاکو نے کہا۔

"میں ٹھیک کر لوں گا ہاکو تم فکر مت کرو۔" میں اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں شمانہ بیٹھی ہوئی تھی۔ چہرے پر وہی سختی طاری تھی۔ میں اسے دیکھ کر مسکرایا اور جواب میں وہ مجھے خونی نگاہوں سے گھورنے لگی لیکن پھر اس کے چہرے میں تبدیلی پیدا ہوئی اور وہ مسکرا دی لیکن اسی وقت ہاکو بھی اندر داخل ہو گیا اور جو مسکراہٹ وہ نہ جانے کس طرح کھینچ کھانچ کر لائی تھی، کافور ہو گئی۔

"ہاں ہاں آجاؤ۔ آجاؤ۔ ہمارے سروں پر بیٹھ جاؤ۔ ظاہر ہے، تمھارا گھر ہے۔ یہاں سب کچھ تمھاری مرضی سے ہوتا ہے۔" اور میں نے ہاکو کے چہرے پر بدحواسی دیکھی۔

"یہ بات نہیں ہے، تم کہو تو میں چلا جاؤں؟"

"تمھاری عمر کتنی ہے ہاکو۔ کیا تمھیں اتنا اندازہ بھی نہیں ہے کہ جب کوئی اپنے شناسا سے ملنے آتا ہے تو اس کے سر پر سواری نہیں کی جاتی۔" شمانہ نے اسی انداز میں کہا۔

"اوہ۔ میں معافی چاہتا ہوں۔" ہاکو باہر نکل گیا اور وہ پھر مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ میں بھی اسے دیکھ کر مسکرانے لگا اور پھر میں نے اس سے کہا۔

"میں اپنی شناسا کو اپنے قریب دیکھ کر بے حد خوش ہوں بشرطیکہ وہ مجھ سے خفا نہ ہو۔"

"میں تجھ سے بے حد ناراض تھی۔ تو نے وہ جرأت کی ہے جو آج تک کوئی انسان نہیں کر سکا لیکن تو عام انسانوں سے جدا ہے۔ تو بے حد انوکھا ہے۔ آخر تیرے بدن میں کون سی قوت بھری ہوئی ہے۔ یقین کر تیرے ہونٹوں کی آتش مجھے تیرے پاس نہیں لائی ہے بلکہ تجسس نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں تیرے بارے میں معلوم کروں۔"

"اگر تیرے دل سے نفرت کا جذبہ دُور ہو گیا ہے تو پھر آ شمانہ، دوستی کے لہجے میں گفتگو کریں۔"

"دوستی؟" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ اور پروفیسر، اس وقت میں اس کے چہرے سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ پھر وہ مسکرانے لگی اور پہلی بار میں نے محسوس کیا کہ اس کی مسکراہٹ میں شگفتگی ہے۔ رام ہو رہی تھی آہستہ آہستہ۔

"ہاں۔ کیا تو مجھے اس قابل نہیں سمجھتی؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ کیا تجھ سے دوستی کرنا مناسب ہوگا جبکہ میں نے آج تک کسی سے دوستی نہیں کی۔"

"کیوں نہیں کی؟"

"اس لیے کہ ان میں کوئی میرا ہم پلہ نہیں تھا۔ عورتیں چھوئی موئی۔ فضول باتیں سینے میں بھرے ہوئے، خود کو کمزور سمجھنے کی عادی اور مجھے کمزوروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ رہے مرد، تو پوری بستی میں کوئی مرد ایسا نہیں ہے جو میرا پنجہ مروڑ سکے۔ ایسے مردوں سے کیا دوستی کی جائے جو عورتوں سے مختلف بھی نہ ہوں، اس لیے میں نے ان میں سے کسی کو دوستی کے قابل ہی نہیں سمجھا۔" شمانہ نے جواب دیا۔

"اوہ۔ میرے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بلاشبہ تو مجھے سیکائی کے عام نوجوانوں سے مختلف نظر آیا ہے۔ اگر تو ان سے مختلف نہ ہوتا تو۔ تو شاید میں یہاں نہیں آتی۔"

"ایک دوست کی حیثیت سے میں تمھیں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"میں اس کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر بولی "حکیم ہاکو معلوم ہوتا ہے یہاں سے بہت دُور چلا گیا۔"

"ہاں۔ وہ بھی تم سے خوف زدہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کون نہیں ڈرتا مجھ سے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔ "لیکن میں بھی بلاوجہ کسی سے دشمنی نہیں رکھتی۔ ہاں اگر کوئی اپنی حد سے بڑھنے کی کوشش کرے تو پھر ضروری ہے کہ اسے اس کی حدود میں دھکیل دیا جائے اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو۔ پھر ضروری ہے کہ....."

"ہاں۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے کئی آدمیوں کی زندگی لے لی ہے۔"

"بہت کچھ کیا ہے میں نے۔ ان باتوں کو چھوڑو، اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"اپنے بارے میں کیا بتاؤں، بس یوں سمجھو ایک آوارہ گرد ہوں۔ گھومتا پھرتا تمھاری بستی میں آنکلا ہوں۔ یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

"اوہ۔ ٹھیک ہے۔ میں تم سے تمھارے بارے میں مزید تفصیلات نہیں پوچھوں گی۔ صرف ایک بات بتا دو۔ تمھاری اس بے پناہ طاقت کا کیا راز ہے؟"

"طاقت کا کوئی راز نہیں ہوتا شمانہ۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن یہ انسانی طاقت تو نہیں تھی؟"

"پھر تمھارے خیال میں کیا تھا؟"

"اگر کوئی اندازہ لگا لیتی تو تم سے اس بارے میں پوچھنے نہ آتی۔" شمانہ نے جواب دیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بھلا اس آتش فشاں کو اپنے بارے میں کیا بتاتا۔ بتانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا، اس کے علاوہ میری بتائی ہوئی باتیں اس کی سمجھ میں بھی کیا آتیں۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ بس میں ایک تندرست انسان ہوں اور اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ کیا تم نے میرے اندر کوئی خاص بات محسوس کی ہے؟"

"ہاں۔ تمھارا رنگ، تمھارا انداز۔ نہ جانے کیوں کچھ اجنبی اجنبی سا لگ رہا ہے۔"

"اوہ۔ یہ صرف تمھارا خیال ہے، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور وہ ایک طویل سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ چند ساعت کے بعد اس نے سر ہلایا اور بولی۔

"حکیم ہاکو سے تمھاری صرف دوستی ہے؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"کچھ نہیں۔ ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ کیا وہ تمھیں میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دے گا؟"

"کیوں نہیں۔ میں کسی کا پابند تو نہیں ہوں۔"

"تب آؤ۔ سیکائی کے نواح میں گھومنے چلیں۔" اس نے کہا اور میں تیار ہو گیا لیکن میں نے اس سے کہا تھا کہ میں حکیم ہاکو کو اپنے جانے کی اطلاع دے آؤں۔ بہر حال یہ ایک اخلاقی فرض بھی ہے اور وہ اس بات پر رضامند ہو گئی، اور میں اسے وہیں بیٹھا چھوڑ کر حکیم ہاکو کے پاس چلا گیا۔

حکیم ہاکو اندر فوما کے نزدیک بیٹھا اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر پُرجوش لہجے میں بولا۔

"آؤ آؤ۔ کیا وہ چلی گئی؟" اس کا لہجہ عجیب تھا مجھے ہنسی آنے لگی لیکن میں نے ہنسی روک لی اور اس سے پوچھا۔

"تم جیسا مدبر بھی اس سے خوف زدہ ہے ہاکو؟"

"بد روحوں سے کون نہیں ڈرتا بھائی اور پھر بد روح بھی ایسی جو سمندر کی گہرائیوں میں بھی پیچھا نہ چھوڑے مگر تم نے اسے کہاں سے پیچھے لگا لیا؟" ہاکو نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

"وہ ابھی یہیں موجود ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مم۔ موجود ہے۔ کیا دروازے کے باہر؟" ہاکو نے بدحواس

ہوتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ اسی کمرے میں، جہاں تم ہم دونوں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔“

”اوہ۔ خیریت ہوئی۔“ ہاکو نے سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”میں اس بلا سے بہت خوف زدہ رہتا ہوں۔“

”اس کی وجہ کیا ہے ہاکو؟“

”مختصراً میں تمھیں بتا چکا ہوں، بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

”میں اس کے ساتھ جا رہا ہوں۔“

”کہاں؟“ ہاکو نے فکرمندی سے پوچھا۔

”بس یونہی سیر کرنے۔“

”کیا اس نے تمھیں دعوت دی ہے؟“

”ہاں!“

”حیرت ہے۔ سخت حیرت ہے۔ ناممکن سا لگتا ہے مگر تم کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہو گے۔ جاؤ لیکن ـــ لیکن سخت ہوشیار رہنا۔ دیوتاؤں کی قسم وہ تو اپیا پہاڑی کے آتش فشاں سے بھی زیادہ گرم اور خطرناک ہے۔ کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہ کرنا۔ اگر بگڑ گئی تو ـــ تو تم خود بھی عجیب ہو لیکن میں نہیں کہہ سکتا کیا ہو۔“

”سبوتا سب ٹھیک کرے گا ہاکو، تم فکرمند نہ ہو۔“ فوما نے اس گفتگو میں مداخلت کی اور ہاکو خاموش ہو گیا۔ میں ہاکو کے پاس سے چلا آیا۔ شمانہ کسی وحشی چیتے کی مانند کمرے میں ٹہل رہی تھی! اس نے رُک کر مجھے دیکھا۔ آنکھوں میں کسی چیتے ہی کی سی چمک تھی اور پھر وہ دھیمی آواز میں غرائی۔

”مل گئی اجازت؟“

”میں نے تمھیں بتایا تھا کہ میں اس سے اجازت لینے نہیں گیا تھا، بلکہ اسے اطلاع دینے گیا تھا۔“

”چلو۔“ اس نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ وہ میرے ساتھ باہر نکل آئی اور پھر ہم بستی میں آ گئے۔ شمانہ کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے بہت سی دلچسپ باتیں محسوس کی تھیں۔ بستی والے مجھے شدید حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے میں ان کے لیے انوکھا اور اجنبی تھا لیکن یہ بات بھی ان کے لیے حیران کن تھی کہ بستی کی بھوکی شیرنی میرے ساتھ اس دوستانہ انداز میں چل رہی تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں کی تھی، بلکہ وہ شمانہ کو دیکھ کر راستہ کاٹ جاتے تھے۔

تو خوب رعب تھا اس بستی پر اس لڑکی کا۔ دفعتاً مجھے راستے میں پتھر سے تراشا ہوا ایک عظیم الشان مجسمہ نظر آیا اور مجھے فوما کی بات یاد آ گئی۔ فوما نے اپنے مجسّمے کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ کس کا مجسمہ ہے؟“

”تم نہیں جانتے؟“ [illegible]

”نہیں!“

”کیوں؟“ اس نے عجیب سا سوال کیا۔

”اس کیوں کا میں کیا جواب دوں؟“ میں نے کہا۔ ”کیا اس بستی میں آنے والوں کے لیے اس مجسّمے کے بارے میں جاننا ضروری ہے؟“

”گویا تمھارا تعلق ان علاقوں سے ہے ہی نہیں؟“

”میں کہہ چکا ہوں آوارہ گرد ہوں۔“

”تو کیا آسمان سے آئے ہو آوارہ گردی کرنے۔ خیر مجھے کیا کہیں بھی آئے ہو۔“ اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور یک بیک چونک پڑی جیسے کچھ یاد آ گیا ہو اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور وہ مسکرانے لگی۔ ”بُرا مان گئے؟“ اس نے پیار بھرے لہجے میں پوچھا اور میں اس کے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے پر حیران رہ گیا۔ بہرحال میں نے جواب دینا ضروری سمجھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”عادت پڑ گئی ہے مجھے اس لہجے میں بات کرنے کی، تم خیال نہ کرو۔ دراصل یہ مجسّمہ فوما کا ہے۔ ہمارے محبوب فوما کا، جسے سفید فاموں نے دھوکے سے مروا دیا اور اب وہ چوہا سردار بن گیا ہے جو عورتوں سے بات کرتے ہوئے بھی ہکلاتا ہے۔“

”شبالا؟“

”ہاں۔“ اس نے جواب دیا اور پھر چونک کر مجھے گھورنے لگی۔ پھر ایک دم رُک گئی۔

”کیوں، کیا ہوا؟“

”کہیں تم ان لوگوں میں سے تو نہیں ہو جنھوں نے ہماری بستیوں میں گندگی پھیلا دی ہے؟“

”میں ان لوگوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔“

”اوہ۔ تو تم واقعی ان میں سے نہیں ہو؟“

”ہرگز نہیں۔“

”اس کے باوجود میں تمھیں اس بارے میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گی۔ فوما کا ذکر کرتے ہوئے مجھے دُکھ ہوتا ہے اور بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری آنکھوں میں آنسو نکلنے والے ہوں لیکن میں کمزور نہیں ہوں، جس دن میری آنکھوں سے نکل آئے میں دونوں آنکھیں پھوڑ لوں گی۔“

میں نے ایک گہری سانس لی۔ خوب ہے یہ لڑکی۔ ہر بات میں، ہر انداز میں درندگی۔ بے حد دلکش تھی وہ میرے لیے اور انھی وجوہ سے وہ مجھے اور پسند آتی جا رہی تھی۔ پھر اس کے بعد کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی اور پھر میں نے ہی اس سکوت کو توڑا۔

”کہاں چل رہی ہو؟“ اور وہ چونک پڑی! اس نے ایک لمحے کے لیے اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

”سمندر پسند ہے تمھیں؟“

”بہت!“

”ہم سمندر میں کشتی چلائیں گے۔ تیز ہواؤں میں مجھے سمندر کے سینے پر رقص کرنے میں بہت لطف آتا ہے۔ کیا تمھیں کھلے سمندر میں خوف محسوس ہوتا ہے؟“

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا اور وہ ہنس پڑی۔

”کہیں تم میرے لیے تو ساری باتیں نہیں کہہ رہے۔ میں سمندر میں بہت دُور تک نکل جاتی ہوں۔ بعض اوقات اتنی دُور کہ ایک رات میں واپس نہ آ سکوں اور بستی والے سمجھتے ہیں کہ بالآخر سمندر نے مجھے نگل لیا۔ یہاں انسانوں کا شکار کرنے والی مچھلیوں کی بہتات ہے۔ وہ بارہا سوچ چکے ہیں کہ کسی دن میری کشتی الٹ جائے گی اور آدم خور مچھلیاں مجھے ہڑپ کر جائیں گی لیکن دوسرے دن میں پھر ان کے سینوں پر پہنچ جاتی ہوں۔“

”نہیں۔ میں خوشی سے تمھارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔“

”تب ٹھیک ہے۔ سمندر میں کشتی رانی مجھے بہت پسند ہے لیکن گہرے سمندر میں مچھلیاں بہت پریشان کرتی ہیں۔ انسان وہاں تیر نہیں سکتا۔“

”ویسے تم بہت اچھی تیراک ہو۔“ میں نے اسے جھیل کی یاد دلائی چاہی۔

”ہاں لیکن مچھلیاں؟“

”اوہ۔ ہاں یہ بات تو ہے۔“ میں نے بھی بات گول کر دی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم سمندر کے ایک خاص کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں چھوٹی چھوٹی کئی بادبانی کشتیاں خشکی پر نظر آ رہی تھیں۔

”یہ کشتیاں مچھلیاں پکڑنے والوں کی ہیں۔ انھی میں سے ایک کشتی پسند کر لو۔“

”وہ کشتی اچھی ہے لیکن کسی کو اعتراض تو نہ ہو گا؟“

”مجال ہے کسی کی۔“ وہ غرائی اور میں خاموش ہو گیا۔ یہ اندازہ تو میں بھی لگا چکا تھا کہ واقعی اس کے سامنے بولنے کی مجال تو کسی کی نہیں تھی۔

چھوٹی سی کشتی پانی میں اتر گئی اور شمانہ نے بادبان کھول دیا۔ بادبان میں ہوا ابھری اور کشتی تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ شمانہ کشتی کے ایک کنارے پر مضبوطی سے جمی بیٹھی تھی۔ اس طرح بیٹھنے سے اس کے حسین ترین بدن کے نقوش اور نمایاں ہو گئے تھے۔ بلاشبہ جسمانی طور پر اسے دنیا کی خوبصورت ترین عورت کہا جا سکتا تھا اور پھر اس کا چمپئی رنگ، جاندار چہرہ، لمبے لمبے بال جو ہوا میں اُڑ کر بے حد حسین لگ رہے تھے ذوقِ نگاہ کے لیے بہت کچھ تھا۔ میں اس چھوٹی سی کشتی کے دوسرے کنارے پر بیٹھا اس کے حسن کے نظارے کر رہا تھا۔ سمندر کی خنک ہوائیں بدن کو فرحت بخش رہی تھیں۔ میں اس کی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش بھی کر رہا تھا لیکن عجیب لڑکی تھی۔ اس کے چہرے سے اس کے دل کے جذبات کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ بس اس کی آنکھیں خلا میں گھور رہی تھیں۔ اگر وہ مجھ سے متاثر ہے تو اس کا اظہار کیوں نہیں کرتی۔ اگر اس کی درندہ صفت فطرت شکست کھا چکی ہے تو اسے بدل جانا چاہیے۔

”شمانہ! تم کیا سوچ رہی ہو؟“ میں نے خود ہی اسے مخاطب کیا اور وہ چونک پڑی جیسے کسی گہرے خیال میں ڈوبی ہوئی ہو۔

”کچھ نہیں۔“ اس کا لہجہ بھی بے حد سپاٹ تھا اور یہ جواب دیتے ہوئے بھی اس کا چہرہ جذبات سے عاری رہا۔

”لیکن اس طرح خاموشی سے تو سمندر کی سیر میں کوئی لطف نہیں آئے گا۔“

”لطف؟“ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر جیسے اس کی آنکھوں کی زندگی لوٹ آئی۔ وہ ایک دم مسکرا پڑی۔ ”کشتی کو بھاری سمندر میں پہنچ جانے دو، وہاں لطف آئے گا۔ زندگی جب تک خطرات سے دوچار نہ ہو جائے لطف نہیں آتا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ یہ تو حقیقت ہے۔“ میں نے تائید کی۔

”بس تھوڑی دیر رُک جاؤ۔ تیز ہواؤں نے کشتی کی رفتار خوب بڑھا دی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد ہم کھلے سمندر میں ہوں گے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمھاری خاموشی اچھی نہیں لگ رہی۔“

”میں کیا باتیں کروں؟“

”کچھ بھی۔ اپنے بارے میں ہی بتاؤ۔ اپنے خیالات ہی سناؤ۔ سُنا ہے تمھارے باپ نے اس بستی کے لیے اپنی جان کی قربانی دی تھی۔“

”میں نے نہیں دیکھا تھا! اس وقت میں بہت چھوٹی تھی۔“ اس نے بیزاری سے جواب دیا اور مجھے اس کے اس انداز پر کافی حیرت ہوئی۔ اس نے اس تذکرے سے غیر دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

”تمھیں اپنے باپ کی قربانی پر فخر نہیں محسوس ہوتا؟“

”اوہ۔ فضول باتیں مت کرو۔ بے شمار قصے ہوتے ہیں، بے شمار کہانیاں ہوتی ہیں۔ جو کچھ ہماری نگاہوں سے دُور صرف کہانیوں کی حیثیت رکھتا ہو ہمیں ان میں سے کسی ایک ہی قصے سے کیوں دلچسپی ہو۔“

”تمھیں اپنی ماں بھی یاد نہیں ہے؟“

”کوئی یاد نہیں ہے مجھے۔“ اس نے بیزاری سے کہا۔

”تمھارا گھر کہاں ہے؟“

”تراگھاٹ کے کنارے۔ سُرخ رنگ کی سب سے خوبصورت جھونپڑی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تنہا رہتی ہو وہاں؟“

”ہاں اور کوئی رہنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا میرے ساتھ، کیونکہ اکثر سوتے سوتے مجھے غصّہ آ جاتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کسی کو قتل کر دوں۔“

”انوکھی لڑکی ہو۔“ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ اس کی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ کشتی سمندر کا طویل سفر طے کر چکی تھی اور اب طوفانی موجیں اس سے کھیل رہی تھیں۔ ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہاں۔ انوکھی ہوں۔ کیا تمھیں اس کا تجربہ نہیں ہے؟“

”تھوڑا بہت۔“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن حیرت انگیز تو تم بھی ہو۔ تم نے جھیل میں جس طرح خود کو بچایا، عام آدمی کے لیے یہ مشکل تھا۔ بے حد پھرتیلے اور طاقتور ہو تم۔ تم نے درخت کو

سے اکھیڑ دیا تھا اور ۔۔ اور ۔ تم نے میرے ساتھ زیادتی بھی کی تھی۔"

"زیادتی؟" میں نے اسے بغور دیکھا۔

"ہاں ۔ تم نے میرے ہونٹوں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا ۔ تم نے اس طرح میرے غرور کو توڑا تھا جو میں اپنی نسائیت کے لیے رکھتی تھی۔"

"لیکن غرور اچھی چیز تو نہیں ہوتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں مردوں کو اپنی زندگی میں کوئی حیثیت دینا نہیں چاہتی مجھے عورتوں کے زندگی گذارنے کا انداز بالکل پسند نہیں۔"

"اوہ لیکن تمھیں ایسا مرد بھی مل سکتا تھا جو تمھیں تمھاری مرضی کے مطابق زندگی گذارنے دیتا۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ سارے مرد یکساں ہوتے ہیں، عورتوں پر حاکمیت کے خواہاں۔"

"اوہ ۔ تم یہ ساری باتیں بھی سوچ سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔"

"تم واقعی عجیب ہو شمانہ لیکن کیا تم پوری زندگی یوں ہی تنہا رہ کر گذارو گی؟"

"کیا میں تمھیں تندرست نہیں نظر آرہی؟"

"آرہی ہو لیکن بوڑھی بھی تو ہو گی؟"

"اس سے پہلے مر جاؤں گی ۔ جب محسوس کروں گی کہ اب سہاروں کے بغیر زندگی مشکل ہے تو سمندر کی آغوش میں پناہ لے لوں گی۔"

"میں تمھیں ایک پیشکش کرتا ہوں شمانہ!" میں نے اس سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"تم میرے ساتھ زندگی گذارنے کا فیصلہ کر لو، میں تمھاری وحشتوں کی حفاظت کروں گا۔"

"واقعی؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی ۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے ۔ آہستہ قدموں سے وہ میرے قریب پہنچ گئی ۔ سچی بات یہ ہے پروفیسر کہ میں بے وقوف بن گیا تھا ۔ میں اس کے جذبات کی پذیرائی کے لیے تیار ہو گیا ۔ میرا خیال تھا کہ وہ ماحول سے متاثر ہو گئی ہے ۔ میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی وہ جھکی اور اس کے دونوں ہاتھ میرے سینے پر آٹکے ۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی کمر میں ڈالنے کی کوشش کی لیکن ۔۔ جو کچھ ہوا اتنا غیر متوقع تھا کہ میں دنگ رہ گیا۔

اس نے پوری قوت سے مجھے سمندر میں دھکیل دیا ۔ کشتی کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا اور پھر ایسا کوئی خیال بھی ذہن میں نہیں تھا اس لیے نہایت اطمینان سے سمندر میں جا پڑا اور پھر مجھے شمانہ کی نفرت بھری آواز سنائی دی۔

"گندے کیڑے، شمانہ کا محافظ بننے چلا تھا، اب اپنی حفاظت کر۔ آدم خور مچھلیاں تجھے تیری اوقات یاد دلا دیں گی۔"

اور بادبانی کشتی آگے بڑھ گئی۔

چند ساعت تو میں حیرت سے ساکت رہا ۔ پھر میرے ذہن نے حماقت تسلیم کر لی اور پھر شرارت اُبھر آئی ۔ میں زور زور سے چیخنے لگا، اس سے رحم کی بھیک مانگنے لگا ۔ میں نے دہائی دی کہ مچھلیاں مجھے کھا جائیں گی، مجھے بچا لیا جائے لیکن جواب میں شمانہ کی نفرت بھری آوازوں کے سوا کچھ نہ سنائی دیا۔ البتہ اس کے الفاظ کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

شمانہ نے بادبانی کشتی کا رُخ موڑ لیا اور اب وہ سیکائی کے ساحل کی طرف جا رہی تھی ۔ جب وہ دُور نکل گئی تو میں نے اپنے سر پر دو چار گھونسے رسید کیے اور اپنے صدیوں کے تجربے کو حماقت قرار دیا ۔ ایک لڑکی صاف جل دے گئی تھی ۔ اب سمندر میں تیر کر کنارے تک جانا ہو گا۔

خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے ۔ تھوڑی سی سمندر کی سیر ہی سہی ۔ میں نے سوچا اور پانی میں غوطہ لگا دیا لیکن اسی وقت اونچی دُم والی خونخوار مچھلی نے پوری قوت سے میرے پاؤں پر کانٹا مارا ۔ بڑی خوفناک طاقت تھی اس وحشی مچھلی کی ۔ میں نے اسے دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ۔ ہاں ہاں ۔ اس نے مجھے تیرے بارے میں بتایا تھا مگر دیکھ لوں گا تجھے بھی اور اسے بھی ۔ میں آگے بڑھ گیا لیکن مچھلی بھی اس کی مانند ہی ضدی تھی ۔ اس نے پانی میں ایک لمبا چکر لیا اور پھر پوری قوت سے میری طرف آئی ۔ اس بار اس نے سامنے سے مجھ پر حملہ کیا تھا ۔ بلاوجہ غصہ دلا رہی ہے ۔ میں نے سوچا اور اس کے وار کو ہاتھ پر روک کر اسے پیچھے دھکیل دیا اور پھر آگے بڑھا لیکن مچھلی کی موت میرے ہی ہاتھوں آرہی تھی تو میں کیا کرتا ۔ وہ اپنے آپ کو طاقتور سمجھ رہی تھی اور میں اسے طرح دے رہا تھا لیکن اس بار وہ میری بغل کی طرف سے آئی اور جسم کے کسی نرم حصے کو نشانہ بنانا چاہا تو میں نے اسے اپنی بغل میں دبوچ لیا ۔ مچھلی چکنی تھی، وہ میری بغل سے پھسل گئی لیکن میرے مضبوط پنجے نے اس کی دُم پکڑ لی اور اب مچھلی کے لیے مشکلات کا دَور شروع ہو گیا ۔ وہ دُم چھڑانے کے لیے خوفناک جدوجہد کر رہی تھی مگر دُم اکھڑ تو سکتی تھی، چھوٹنا مشکل تھا۔

میں رُک گیا ۔ میں نے سوچا مچھلی کو اپنی ساری حسرتیں نکال لینے دوں اس کے بعد ہی آگے بڑھوں گا اور مچھلی اپنی کوشش کرتی رہی ۔ اس کی دُم شدید زخمی ہو گئی تھی ۔ پھر جب وہ سُست پڑنے لگی تو میں نے آخری بار رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا لیکن وارننگ بھی دے دی تھی، اگر اس نے چوتھی کوشش کی تو وہ اس کی آخری کوشش ہو گی ۔ مچھلی تیزی سے پانی میں غوطہ لگا گئی۔

لیکن پروفیسر، میں نے جانوروں کی یکجہتی اور انتقام کا ایک دلچسپ تجربہ کیا ۔ مچھلی غائب ہو گئی تھی اور میں آگے بڑھ رہا تھا ۔ دفعتاً مجھے سامنے کی سمت میں خوفناک ہلچل محسوس ہوئی اور میں نے تعجب سے سطح پر سر اُبھار کر دیکھا ۔ لاتعداد آدم خور مچھلیاں دُم اٹھائے چلی آرہی تھیں، جس طرح کوئی فوج کسی پر حملہ کرنے جا رہی ہو۔

اور میں رُک گیا ۔ یہ اندازہ لگانے میں مجھے دقت نہ ہوئی کہ وہ سب میرے اوپر حملہ آور ہیں ۔ گویا ان سے مقابلہ کرنا پڑے گا ۔ میں نے سوچا اور تیار ہو گیا ۔ میرے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو میں ان کا فیصلہ جلدی کر دیتا لیکن افسوس ایسی کوئی چیز میرے پاس نہیں تھی ۔ تاہم میں اس وحشی فوج سے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا ۔ مچھلیاں جوش و غصے میں ڈوبی آرہی تھیں ۔ پھر ان کی پہلی صف میرے اوپر حملہ آور ہو گئی ۔ قریب آتے ہی وہ منتشر ہو گئی تھیں اور پھر وہ اپنی خونی آنکھوں سے مجھے گھورتی ہوئی اپنے چوڑے منہ کھول کر میرے بدن پر لپکیں، جن سے ان کے لمبے نوکیلے دانت جھانک رہے تھے۔

سب سے پہلے قریب آنے والی مچھلی کے کھلے ہوئے منہ میں، میں نے اپنا ہاتھ داخل کر دیا اور پھر اپنا انگوٹھا کھڑا کر کے اس کے تالو میں گھسیڑ دیا ۔ مچھلی شدید تکلیف سے تڑپی لیکن میں نے دوسری حملہ آور مچھلیوں کو چھوڑ کر اسی مچھلی کے دونوں جبڑوں پر بھی طاقت آزمائی کی اور اس کے حلق میں داخل کیا ہوا ہاتھ باہر کھینچ کر دونوں جبڑے گرفت میں لے لیے اور قوت صرف کر کے مچھلی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

آدم خور مچھلیاں خون کی دیوانی ہوتی ہیں ۔ ان کے سامنے خون آجائے تو وہ یہ بھول جاتی ہیں کہ خون کس کا ہے ۔ چنانچہ یہ بہترین ترکیب رہی ۔ میں نے مردہ مچھلی کو ایک طرف اُچھال دیا اور تقریباً ساری مچھلیاں اس پر لپکیں لیکن ان کی تعداد کافی تھی اس لیے میں نے ان کے لیے اور سہولت مہیا کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک اور مچھلی کے ساتھ وہی سلوک کر کے اسے دوسری طرف اُچھال دیا ۔ اب میرے سامنے کا راستہ صاف ہو گیا تھا ۔ ہاں میرے دونوں طرف سمندر میں بھونچال آیا ہوا تھا ۔ بہرحال میں تیز رفتاری سے کنارے کی طرف تیرنے لگا ۔ خاصا طویل سفر تھا ۔ مچھلیاں بھلا میرے بدن پر کیا نشان لگا سکتی تھیں۔

ساحل سے تھوڑی دُور رُک کر میں نے گردن اٹھائی ۔ دُور دُور تک دیکھا لیکن کوئی نہیں تھا ۔ ہاں مچھیروں کی کشتیاں ضرور کھڑی ہوئی تھیں ۔ ان میں وہ کشتی بھی تھی جو شمانہ لیکر آئی تھی ۔ گویا وہ واپس جا چکی تھی اور اب اس کے یہاں رُکنے کا جواز بھی کیا تھا ۔ اپنی دانست میں وہ اپنا کام ختم کر چکی تھی۔

بالآخر میں ساحل پر پہنچ گیا اور پھر میں سمت کا تعین کر کے ہاکو کے مکان کی طرف چل پڑا ۔ خوب تفریح رہی آج کی بھی ۔ بہرحال اس کے باوجود میں اس لڑکی کی طرف سے بددل نہیں ہوا تھا اور یہ حقیقت تھی پروفیسر ۔ انسان یکسانیت سے بہت زیادہ اکتا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ اکتاہٹ مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے ۔ عورتیں میری زندگی کی اہم ضرورت رہی تھیں لیکن ان میں بڑی تعداد ان عورتوں کی رہی تھی جو مجھ پر فریفتہ ہو کر میرے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں اور پھر مجھے ان کا ہر طرح کا تعاون حاصل ہوتا لیکن یہ تعاون بعض اوقات کشش کھو بیٹھتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے اختلاف کرنے والے کی۔

میری زندگی میں اختلاف کرنے والیاں بہت کم آئی تھیں اس لیے میں ان کی قدر کرتا تھا ۔ یہ لڑکی میری پسند کے عین مطابق تھی ۔ میں اس کی فطرت کا خوب اندازہ کر چکا تھا ۔ ہاکو نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے اس کی فطرت کا ایک پہلو تو سامنے آچکا تھا یعنی وہ خیرات کر کے چھوڑ دیے جانے والے بیل کی مانند ہے جسے کوئی کچھ نہیں کہتا اور وہ اپنی من مانی کے لیے آزاد ہوتا ہے ۔ یہاں بیل اور آدمی کا فرق تھا، گو صورت دونوں کی یکساں تھی ۔ لڑکی نے اپنی شخصیت کی ایک حیثیت بنالی تھی اور اسے مجروح کرنے والے کو وہ کسی طور زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی ۔ وہ قادر تھی اپنے لیے دوسروں کے رویّے پر لیکن یہ بات اس کے دل میں کانٹے کی طرح چُبھ رہی تھی کہ کوئی ایسا بھی ہے جو اس کی قدرت کا تابع نہیں ہے اور جس نے اس کی نسائیت کو نسائیت ثابت کر دیا ہے۔

چنانچہ وہ اس کے وجود کو ہر قیمت پر مٹا دینا چاہتی تھی تاکہ اس کے دل میں کوئی کانٹا نہ چُبھتا رہے۔

لیکن اس کی بدبختی ۔ یہ کانٹا فولاد کا تھا جسے توڑنا اس کے بس سے باہر تھا ۔ اس کا اپنا ایک احساس تھا تو میری اپنی ایک پسند تھی ۔ گویا اختلاف، اور یہ اختلاف کرنے والی مجھے کچھ زیادہ ہی پسند آگئی تھی اور میں اس کے ساتھ یادگار وقت گذارنا چاہتا تھا ۔ میں اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

میں نے ایسے راستے اختیار کیے تھے کہ لوگوں کی نگاہیں کم سے کم مجھ پر پڑیں اور پھر میں حکیم ہاکو کے مکان پر پہنچ گیا ۔ مکان میں داخلے کے لیے بھی میں نے عقبی رُخ اختیار کیا تھا اور میرے لیے اندر پہنچنا مشکل نہیں ہوا تھا۔

اپنی رہائش گاہ میں پہنچ کر میں نے حلیہ درست کیا اور پھر اندرونی حصے میں فوما کی طرف چل پڑا ۔ فوما اپنی رہائش گاہ میں تنہا ہی تھا اور کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا ۔ مجھے دیکھ کر وہ چونک پڑا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آؤ سبوتا، ہاکو تمھارے لیے بے حد فکرمند تھا۔" اس نے کہا۔

"کیوں؟ وہ فکرمند کیوں تھا؟"

"اس کے خیال میں تمھاری دوستی موت سے ہو گئی ہے ۔ شمانہ اس بستی کی خطرناک ترین مخلوق ہے ۔ لوگ اس کی دوستی اور دشمنی، دونوں سے خوفزدہ رہتے ہیں۔"

"اس کے باوجود کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ اسے ایک خوبصورت اژدھا کہتے ہیں۔"

"اوہ" میں ہنس پڑا۔ "حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔"

"بات تو ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اژدھا پہاڑ کے دامن میں ہے۔" فوما نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے وہ رام ہو گئی؟"

"ہاں ۔ یہی سمجھو۔"

"یقیناً وہ تم میں دلچسپی لینے لگی ہے ورنہ وہ یہاں کیوں آتی۔"

"ہاں۔ وہ ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے مجھ میں۔" میں نے مختصراً کہا! اس سے زیادہ میں نے اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں کبھی تھی۔ فوما چند ساعت خاموش رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر کہنے لگا۔

"میں بڑی عجیب بے بسی محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"تم میری کیفیات کا احساس کرو۔ میں اپنے وطن میں ہوں۔ میرے وطن کے لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ میری بازیابی کی خبر سُن کر شاد ہو جائیں گے۔ میرے دشمن میری مملکت پر قابض ہیں لیکن۔ میں عورتوں کی طرح اس مکان میں پوشیدہ ہوں۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ایک جنگجو انسان کے لیے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا کتنا مشکل کام ہے۔"

"میں جانتا ہوں فوما لیکن تمھارے معاملات میں اس وقت تک دخل دینا بھی نہیں چاہتا جب تک تم خود نہ چاہو۔"

"کیا مطلب؟" فوما تعجب سے بولا۔

"ہاکو تمھارا وفادار اور معتمد ہے۔ یقیناً تم دونوں نے مل کر آیندہ کا پروگرام ضرور بنایا ہوگا۔ اب اگر اس بارے میں تم نے مجھے بتانا پسند نہیں کیا تو اس میں تمھاری کوئی مصلحت ہوگی۔ میں تمھارا بے غرض دوست ہوں اس لیے مجھے صرف اس کام سے دلچسپی ہے جو تم میرے سپرد کرو۔ بلاوجہ تمھارے معاملات میں ٹانگ اڑانا مجھے پسند نہیں ہے۔"

"اوہ۔ نہیں۔ ہرگز نہیں میرے دوست۔ سورج دیوتا کی قسم۔ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ میں تمھیں کسی بارے میں کچھ نہ بتاؤں۔ بس ابھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے جو قابلِ تذکرہ ہو۔"

"فوما! میرے دوست، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ویسے اتنا ضرور بتاؤ کہ تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے خلوص سے کہا۔

"تم تو میری زندگی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہو سبوتا۔ میں اور ہاکو تم سے بہت سی اُمیدیں وابستہ کر چکے ہیں۔"

"میں ان پر پورا اتروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"فی الحال یہ طے کیا گیا ہے کہ ہاکو اپنے چند مخصوص لوگوں کو ایک خفیہ پیغام دے کر چند لوگوں کے پاس بھیجے۔ ہم ان لوگوں کو یہاں بلا رہے ہیں۔ یہ اپنے اپنے علاقوں کے سربرآوردہ اور بے حد کام کے لوگ ہیں اور میرے وفادار بھی۔ انھیں یہاں بلانے کے بعد پوری صورتِ حال بھی معلوم ہو جائے گی اور کوئی صحیح حل بھی سوچا جاسکے گا۔"

"بالکل ٹھیک۔ ان میں سے کچھ لوگ تمھاری راجدھانی سے بھی آئیں گے۔"

"ہاں!"

"مناسب ہے لیکن کیا ہاکو نے ان لوگوں کو تمھارے بارے میں بتا دیا ہے جو پیغام لے کر جا رہے ہیں؟"

"نہیں قطعی نہیں۔ ہاکو میری زندگی اور میری آمد کو مکمل طور پر صیغۂ راز میں رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے جن لوگوں کو پیغام بھیجا ہے، انھیں بھی میرے بارے میں کوئی نشان نہیں دیا ہے۔"

"اوہ۔ میرے خیال میں یہ بُری بات نہیں ہے۔"

"ہاں۔ یہی بہتر بھی ہے۔"

"کیا وہ لوگ روانہ ہو چکے ہیں؟"

"ہونے والے ہیں۔"

"لیکن کیا جن لوگوں کو پیغام بھیجا گیا ہے وہ سب ہاکو کو جانتے ہیں اور اس کے پیغام کو اہمیت دیتے ہیں؟"

"نہیں لیکن پیغام اہم نوعیت کا ہے۔ اس میں درج ہے۔" وطن کی قسمت کے لیے، وطن کی بقا کے لیے ہاکو سے ملو۔"

"اوہ!" مجھے یہ الفاظ بہت پسند آرہے تھے۔

"اور۔۔۔ وہ سب وطن پرست ہیں۔"

"بس ٹھیک ہے۔ میں مطمئن ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فوما خاموش ہو گیا۔ چند ساعت وہ سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر اُداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم سیکائی کی وحشی ہرنی کے بارے میں بتاؤ۔ کیا کیا گفتگو ہوئی اس سے۔ کیا اس نے تمھاری محبت کا اعتراف کر لیا؟"

"بڑے خلوص سے۔" میں اس سوال پر بے ساختہ ہنس پڑا اور فوما کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ظاہر ہے وہ میری ہنسی کو خوشی کا اظہار سمجھ رہا ہوگا۔

"بڑی خوشی ہوئی۔ کم از کم یہاں تمھیں تنہائی کا احساس نہیں ہوگا۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ اسی وقت ہاکو اندر آگیا۔ مجھے دیکھ کر وہ تعجب سے اچھل پڑا۔

"ارے سبوتا! تم واپس آگئے؟"

"کیوں تمھیں میری واپسی کا یقین نہیں تھا؟" میں نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سچ مانو تو میں تمھاری طرف سے پریشان ضرور تھا بس یہ خیال دل کو تسلی دے رہا تھا کہ اس بار وحشت زدہ ہرنی کا مقابل بھی کوئی عام انسان نہیں ہے۔"

"بہرحال سب ٹھیک ٹھاک رہا۔ ہاں ایک بات میں تجھ سے کرنا چاہتا ہوں ہاکو۔"

"ضرور میرے دوست!"

"فوما کی مانند تو مجھے تو پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا اور پھر یوں بھی چند لوگ مجھے دیکھ چکے ہیں۔"

"ہاں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تب میں تیری حکمت کا عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔ میں نہیں سمجھا؟" ہاکو نے کہا۔

"میں تیرے فن سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے اس کا بے حد شوق ہے۔ یوں بھی یہ دورِ تعطل کا دور ہے اس وقت جب ہم فوما کے لیے جدوجہد کے دور میں آ گئے میں اپنا کام کروں گا اور تو اپنا لیکن اس وقت تک۔۔۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ یقین کر سکتا ہے تو کہ میں تیری وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ اگر میرا واسطہ دوسری بڑی حیرت سے نہ پڑ جاتا، میری مراد فوما سے ہے، تو شاید میں دیوانگی کی حدود میں داخل ہو جاتا لیکن ایک حیرت نے دوسری حیرت کو دبا دیا ہے۔" ہاکو نے کہا۔

"اوہ! پہلی حیرت میرے بارے میں تھی؟"

"ہاں۔ تو میری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر تو ایک عام انسان ہے تو میری ساری زندگی کے تجربات ناکارہ ہو جاتے ہیں اور تو غور کر اگر کسی انسان کی پوری زندگی کی محنت ضائع ہو جائے تو اسے کتنے بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔"

"سبوتا میرے لیے بھی ناقابلِ فہم ہے ہاکو۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنا خوبصورت اور اتنا طاقتور جوان نہیں دیکھا۔"

"خوبصورتی اور طاقت انسانی خصوصیات ہیں اور کسی بھی انسان میں بے حد سے بڑھ سکتی ہے لیکن وہ مافوق البشر تو نہیں ہو سکتا۔ وہ سردی جو انسانی رگوں میں خون کو پتھر بنا دے اور وہ گرمی جو اس کی ہڈیوں کے گودے کو پگھلا دے، برداشت کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔" ہاکو متحیرانہ انداز میں خاموش ہو گیا۔

"تو کیا تم نے سبوتا پر تجربے کیے تھے ہاکو؟" فوما نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں فوما! میں اعتراف کرتا ہوں کہ ایک لمحے کے لیے میں تمھارے دوست کا بدترین دشمن بن گیا تھا۔ میں نے اس کی زندگی لینے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے یہ شخص میرا امتحان لینے آیا ہو اور میں اسے مزہ چکھانا چاہتا تھا لیکن۔۔۔"

"سبوتا ناقابلِ فہم ہے۔" فوما نے کہا۔

"بلاشبہ۔"

"تم مجھے سمجھ لینا ہاکو لیکن کیا تم مجھے اپنے فن کے بارے میں بتاؤ گے؟" میں نے ان کی گفتگو میں مداخلت کی۔

"ہاں۔ یقیناً لیکن ایک شرط ہوگی۔" ہاکو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے تفصیل سے اور میری الجھنیں دُور کرو گے۔"

"اوہ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

رات کو سارے کاموں سے فارغ ہو کر میں آرام کرنے لیٹ گیا لیکن میرا ذہن شمانہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اس کے مکان کے بارے میں بھی مجھے معلوم ہو گیا تھا لیکن اس وقت اس کے پاس جانا مناسب نہیں رہے گا۔ بلاشبہ میں اس سے تفریح کرنا چاہتا تھا لیکن آتش مزاج لڑکی کو اس وقت چھیڑنا کچھ مناسب نہیں تھا۔ ہاں صبح کو۔۔۔ اور اسی جھیل پر۔

واہ۔ یہ عمدہ ترکیب ہے۔ صبح کو جھیل پر اسے پکڑا جائے۔ ممکن ہے سورج کی پرستش کے بعد وہ جھیل پر جاتی ہو۔ میں نے سوچا اور میرا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ دوسرے دن میں بھی مقامی لوگوں کی مانند جلدی جاگ گیا۔ وہ سب صبح خیزی کے پابند تھے۔ سورج نکلنے سے قبل وہ ایک کھلے میدان میں سورج نکلنے کا انتظار کرتے تھے۔

بہرحال میں شمانہ کی تلاش میں نکل گیا اور انتہائی مکمل تھا میرا خیال بھی۔ سورج کی زیارت کے بعد وہ جھیل کی طرف چل پڑی اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ اس کا رُخ اسی طرف ہے تو میں تیزی سے جھیل کی جانب دوڑنے لگا۔

شمانہ سے کافی پہلے میں جھیل پر پہنچ گیا۔ جھیل کے کنارے رُکنا حماقت تھی۔ چنانچہ میں پھرتی سے کنارے کے ایک درخت پر پہنچ گیا اور پھر گھنے پتوں کے درمیان چھپ کر بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں باقاعدہ اس راستے پر جمی ہوئی تھیں جو جھیل کی جانب آتا تھا اور پھر میں نے دُور سے اسے آتے دیکھا۔

شمانہ جھیل کے کنارے پہنچ گئی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر اپنا لباس اتارنے لگی۔ لباس اتار کر اس نے اسے سمیٹا اور پھر ایک درخت کی جڑ میں رکھ دیا اور پھر میں اس انسان نما مچھلی یا مچھلی نما عورت کو پانی سے کلیلیں کرتے دیکھتا رہا۔ سیماب بھرا ہوا تھا اس کے بدن میں۔ پانی میں وہ اس طرح تڑپ رہی تھی کہ آنکھ جمانا مشکل تھا۔

میرے بدن میں آگ سلگتی رہی اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر جھیل میں رقص کرتی رہی۔ پھر میں جذبات سے چونکا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ وہ جھیل میں نہاتی رہے گی اور میں اسے دیکھتا رہوں گا۔ پھر وہ باہر آئے گی لباس پہنے گی اور چلی جائے گی۔ واہ، گویا ساری کی ساری حماقت، کچھ ہونا چاہیے۔

اور دوسرے لمحے میری نگاہ اس کے لباس پر جا پڑی۔ اوہ۔ اسے احساس دلانا چاہیے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ میں آہستہ آہستہ درخت سے نیچے اترا اور اس کے لباس کے نزدیک پہنچ گیا۔ پھر میں نے خاموشی سے لباس اٹھایا اور واپس درخت پر پہنچ گیا۔ اب میں اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

جی بھر کے نہائی اور پھر بڑے ناز سے باہر نکل آئی۔ چاروں طرف سے بے فکر تھی۔ آہستہ آہستہ اس درخت کے نزدیک پہنچ گئی اور دوسرے لمحے میں نے اسے چونکتے دیکھا۔ اس نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر درختوں کی جڑوں میں کپڑے تلاش کرتی پھری لیکن کپڑے تو میرے پاس تھے۔

وہ بُری طرح بدحواس ہو گئی۔ ظاہر ہے سخت مشکل میں پھنس گئی تھی۔ تب میں نے ایک مختصر سے کپڑے کو رول کر کے زور سے اس کی طرف پھینکا اور کپڑا اس کے بدن سے جا ٹکرایا۔ وہ اچھل پڑی تھی۔

اور شاید صورتِ حال اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے کپڑا اٹھا لیا لیکن اس مختصر سے کپڑے کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ وہ اس سے اپنا بدن نہیں

ڈھک سکتی تھی۔ تاہم اس نے خود کو اس میں چھپانے کی ناکام کوشش کی اور درختوں کی جانب دیکھنے لگی۔ میں نے ایک کپڑا درخت سے نیچے لٹکا دیا اور اس کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ دوسرے لمحے وہ اچھل کر درخت کی آڑ میں ہو گئی تھی۔

"کون ہو تم؟ یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس کی آواز میں خونخوار شیرنی کی سی غراہٹ تھی لیکن میں خاموش رہا۔ "لباس پھینک دو۔" اس نے پھر کہا لیکن میں نے بھی خود کو پتوں کی آڑ میں چھپا لیا تھا۔ "تم سن نہیں رہے ہو؟ کیا اس حرکت کے بعد تم زندہ رہ سکو گے؟ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟"

"ہاں۔ میں تمھیں جانتا ہوں لیکن میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔" میں نے زور سے جواب دیا۔

اور شاید وہ میری آواز پہچان گئی۔ چند لمحات کے لیے وہ ساکت رہ گئی تھی۔ ظاہر ہے اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بھلا خوفناک سمندر میں کسی کے زندہ رہنے کا کیا سوال تھا۔ انسانی عقل خونخوار مچھلیوں کے درمیان سے کسی کے زندہ نکل آنے کو تسلیم نہیں کرسکتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بولے اور میں اس کی الجھن سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس کی لرزتی آواز سنائی دی۔

"میرا لباس واپس کردو۔"

"اس درخت کے نزدیک آکر مجھ سے درخواست کرو۔" میں نے کہا۔

"دیکھو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔" نہ جانے کہاں سے اس نے اپنے لہجے میں یہ صبر پیدا کیا تھا

"بہت سی باتیں اچھی نہیں ہوتیں اس لیے میں کوئی اچھائی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تمھیں اپنے لباس کی ضرورت ہے تو یہاں آجاؤ ورنہ میں اطمینان سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ جب تک دل چاہے چھپی رہو، چیختی رہو۔" میں نے جواب دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ میں جانتا تھا کہ اس کی حالت خراب ہوگی لیکن خوب بے بس ہوئی تھی وہ اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ بوٹیاں چبا لیتی۔

"دیکھو، میں اس طرح تمھارے سامنے نہیں آسکتی۔"

"نہ آؤ۔ تمھاری مرضی۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

اس نے پھر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں بھی ہٹ کا پکا تھا لیکن اس خونخوار عورت کی طرف سے میں ہوشیار بھی تھا۔ نہ جانے کس کارروائی میں مصروف ہو لیکن ایسی صورت میں وہ کوئی کارروائی بھی تو نہیں کرسکتی تھی۔

پھر شاید اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور میں نے دیکھا وہ بپھری ہوئی شیرنی کی مانند اپنی جگہ سے نکلی اور درخت کے نیچے پہنچ گئی۔ اسے گویا غصے کی وجہ سے اپنی عریانیت کا کوئی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

"لاؤ۔ میرا لباس ۔۔۔"

"اوہ۔ کیا تم اس درخت پر نہیں آسکتیں؟" میں نے کہا۔

"لباس دے دو۔" اس نے بمشکل کہا۔

"درخت پر آجاؤ۔" میں نے جواب دیا اور وہ درخت پر چڑھنے کے لیے تیار ہو گئی۔ پھر جونہی وہ درخت کے تنے پر چڑھی میں نے لباس نیچے پھینک دیا! اس نے لباس کے ساتھ ہی نیچے چھلانگ لگا دی تھی اور پھر وہ لباس لے کر ایک طرف دوڑ گئی۔ پھر اس نے لباس پہن لیا۔ اس دوران میں درخت پر ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ اس کے بعد اس کا ردِ عمل کیا ہوگا؟

لیکن پھر میں نے اسے درخت کی طرف آتے دیکھا اور وہ نیچے کھڑی ہو گئی۔ چہرے کی سرخی کم ہو گئی تھی لیکن اب بھی ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری تھی۔

"کیا تم اس درخت پر ہی زندگی گذار دوگے؟" اس نے کہا۔

"اوہ۔ نیچے آجاؤں؟" میں نے پوچھا۔

"آؤ بھی۔" وہ بڑے ناز سے بولی لیکن اب میں اس سے پوری طرح ہوشیار تھا۔

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھ سے جھگڑا نہیں کروگی؟"

"نہیں کروں گی۔" اس نے جواب دیا۔

"وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں۔ آؤ۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ اب ظاہر ہے میں اس سے خوفزدہ تو تھا نہیں جو نیچے نہ اترتا۔ میں درخت سے نیچے اتر آیا! اس کی طرف سے کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سچ مچ غصہ بھول گئی ہو۔

"تم زندہ کس طرح بچ گئے؟" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"کیا سمندر میں تمھاری ملاقات مچھلیوں سے نہیں ہوئی؟"

"میں تمھارے اس مذاق سے کافی لطف اندوز ہوا۔"

"اوہ! میں جانتی تھی کہ تم ایک عمدہ تیراک ہو، واپس کنارے پر پہنچ جاؤ گے۔ یوں بھی تم ایک انوکھے انسان ہو، میں تمھاری حیرت انگیز صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہتی تھی۔"

"اوہ۔ تم بہت شریر ہو۔" میں نے کہا۔

"آؤ۔ تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔" وہ مڑ گئی اور ایک لمحے کے لیے میں الجھن میں پڑ گیا۔ کیا وہ کوئی چال چل رہی ہے۔ یا پھر۔ یا پھر۔ مسحور ہو گئی ہے۔ بہرحال میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے تھی، اب نہیں ہوں۔"

"اوہ، کیوں؟"

"بس تم انوکھے انسان ہو۔"

"میری بھی یہی رائے ہے کہ مجھ سے جھگڑا چھوڑ دو اور دوستی کرلو۔

ورنہ قدم قدم پر تمھیں پریشان کرتا رہوں گا۔"

"دیکھو مجھے دھمکیاں نہ دو۔ مجھے پریشان کرنے کی ابتدا تم نے کی تھی۔ بھلا کسی تنہا لڑکی کو یوں بے لباس دیکھا جاتا ہے۔" اس نے کہا اور پروفیسر اس کی شکل بالکل بدل گئی تھی، خدوخال بے حد نرم پڑ گئے تھے اور اس طرح اس کے حسن میں ایک عجیب سی محبوبیت پیدا ہو گئی تھی جو مجھے بہت بھلی محسوس ہوئی۔

"پہلے کی بات کر رہی ہو؟"

"ہاں!"

"وہ صرف اتفاق تھا لیکن آج میں نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔"

"آج بھی تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔"

اب کہاں لے جاکر ڈبوؤ گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

بھروسہ نہیں کروگے مجھ پر؟" اس نے شکایتی انداز میں پوچھا۔

"کرلوں؟"

"ہاں۔" اس نے چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ "اب میری نسائیت تو ختم ہو چکی ہے۔ وہ غرور ٹوٹ گیا ہے جو خود پر تھا۔ تم نے مجھے جس حال میں دیکھا ہے، میں نہیں چاہتی کہ دنیا کا کوئی دوسرا مرد مجھے اس حال میں دیکھے۔"

"اوہ!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ رُک گئی، بالکل نرم ہو گئی تھی پروفیسر۔ عجیب لڑکی تھی۔ میں نے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ "اب تمھاری نسائیت کا احترام میرے اوپر بھی فرض ہے۔ کہاں چل رہی ہو؟"

"میرا گھر نہیں دیکھو گے؟"

"ضرور!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شکر تھا کہ وحشی ہرنی راہ پر آگئی تھی۔ پھر وہ مجھے اپنے خوبصورت مکان میں لے گئی جو چھوٹا سا تھا لیکن اندر سے بہت خوبصورت سجا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کا رویہ اور نرم ہو گیا۔ اس نے مجھ سے بیٹھنے کی درخواست کی اور پھر خود بھی میرے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"مجھے اپنے بارے میں تفصیل سے نہیں بتاؤ گے؟"

"کیا بتاؤں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ایک آوارہ گرد ہوں۔ زمین کے بہت سے خطوں میں گھوم چکا ہوں اور یونہی گھومتا ہوا تمھاری بستی تک آنکلا ہوں۔ اتفاق تھا کہ تم نظر آگئیں۔ تم میری نگاہوں میں عام عورتوں سے مختلف نہ ہوتیں لیکن تم نے میرے اوپر جس طرح وحشیانہ حملے کیے ان کی وجہ سے تم مجھے پسند آگئیں اور اب میں تمھیں پیار کرنے لگا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ! لیکن تم۔ تم خود کیا ہو؟ تم نے درخت کو زمین سے اکھاڑ لیا تھا اور۔ اور تم نے سمندر میں اتنا فاصلہ تیر کر طے کیا تھا۔"

"آدمخور مچھلیوں کو کیوں بھول رہی ہو تم؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ نگاہیں چرانے لگی۔

"ہاں جبکہ وہاں آدمخور مچھلیاں بھی موجود ہیں۔"

"میں نے ان میں سے چند مچھلیوں کو ہلاک کر دیا اور خون کی پیاسی مچھلیاں اپنی ساتھیوں کی لاشوں پر ٹوٹ پڑیں۔"

"ہلاک کر دیا؟" اس کی آواز میں شدید حیرت تھی۔

"ہاں!"

"سمندر میں؟" وہ شدید حیرت سے بولی۔ "لیکن تمھارے پاس تو کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا؟"

"بعض اوقات میں ہتھیاروں کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔"

"تم رہنے والے کہاں کے ہو؟"

"بس کسی جگہ کا تعین نہیں ہے۔ کہا ناں آوارہ گرد ہوں۔"

"مجھے تمھارا نام بھی نہیں معلوم؟"

"تمھاری بستی کے لوگ مجھے سبوتا کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"اوہ۔ بہرحال تم بستی کے سارے لوگوں سے عجیب ہو لیکن۔ لیکن ۔۔۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے جملہ پورا نہیں کیا تھا۔

"ہاں۔ لیکن کیا؟"

"تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ کسی کو کبھی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ ۔۔۔ کہ شانہ کے سامنے آنکھ اٹھا سکے لیکن تم نے ۔۔۔ تم نے ۔۔۔"

"اوہ۔ شانہ اسے بھول جاؤ۔ بس تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا تھا اس لیے میں نے اس وقت تمھیں پریشان کیا۔"

وہ مسکرانے لگی۔ بے حد دلکش مسکراہٹ تھی کم بخت کی اور بہت ہی پسند آئی تھی وہ مجھے۔ ایک بار پھر میں اٹھ کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"مرد کی حیثیت سے کوئی تمھاری زندگی میں نہیں آیا؟"

"مرد۔ مجھے مردوں سے نفرت ہے۔" وہ بے اختیار بول پڑی۔

"آخر کیوں؟"

"بس میں تمھیں بتا چکی ہوں، مجھے مرد کی برتری پسند نہیں ہے۔ بس میں ان کی وہ حیثیت قبول نہیں کرسکتی۔"

"اوہ۔ آج تک تم بستی کے کسی نوجوان سے متاثر نہیں ہوئیں؟"

"یہ الفاظ میرے لیے گالی کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"عجیب ہو تم شانہ۔ واقعی عجیب ہو۔ بہرحال میرے بارے میں اب تمھاری کیا رائے ہے؟"

"تم۔ بس تم ان سب سے مختلف ہو۔ تم بہت انوکھے ہو۔ کاش تم مرد نہ ہوتے۔"

"میرا خیال ہے، اگر میں چند روز اور یہاں رہ گیا تو تم مردوں کے بارے میں اپنی رائے ضرور بدل دوگی۔"

"شاید۔" اس نے رُخ بدل لیا۔ کچھ عجیب سی کیفیات اس کے چہرے پر رقصاں تھیں۔ چند ساعت وہ خاموش رہی، پھر بولی۔ "بس تمھاری کیا خاطر کروں؟"

"اوہ۔ میں ساری چیزوں سے مبرا ہوں۔ ہاں اگر خاطر کرنا چاہتی ہو تو ——" میں پھر اس کی طرف بڑھا۔

"نہیں۔ اب نہیں۔ میں رات کو یہاں تمھارا انتظار کروں گی۔" اس نے کہا اور اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور میرا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ گویا یہ انوکھی لڑکی واقعی چکر میں پھنس گئی تھی۔ بہرحال پروفیسر مجھے تو حیرت انگیز چیزوں سے دلی دلچسپی تھی۔ میں ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ یہ لڑکی میری عمدہ ساتھی ثابت ہو گی۔ ایسی ساتھی جن کو میں اکثر یاد کرتا رہتا ہوں اور جو یادگار ثابت ہوتی ہیں جیسے لیپاسس یا ایسی دوسری کچھ لڑکیاں۔

تھوڑی دیر تک میں اس کے ساتھ رہا اور پھر رات کو آنے کا وعدہ کر کے اٹھ گیا۔

ہاکو کے پاس سامنے کے رُخ سے پہنچا۔ وہ حسبِ معمول اپنے مریضوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں بھی خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا اور ہاکو کی حکمت کا مطالعہ کرنے لگا۔ بلاشبہ یہ شخص اپنے فن میں ماہر تھا۔ وہ اپنے مریضوں کو دوائیں دے رہا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ مریض فارغ ہو گئے اور ہاکو نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا سبوتا۔ کہاں چلے گئے تھے؟"

"جھیل پر۔" میں نے جواب دیا۔

"وہاں شمانہ بھی ہو گی؟" ہاکو بدستور مسکراتا ہوا بولا۔

"ہاں۔"

"جہاں تمھارے اندر دوسری حیرت انگیز خصوصیتیں ہیں وہیں تم نے یہ حیرتناک کارنامہ بھی انجام دیا ہے ورنہ شمانہ جیسی خطرناک لڑکی کو قابو میں لانا بھی انسانی کارناموں سے الگ ہے۔"

"ہاں ہاکو۔ وہ لڑکی بھی انسانی مخلوق نہیں معلوم ہوتی۔"

"اس کی فطرت میں وحشت ہے۔ افسوس میں اس کا بھی تجزیہ نہیں کر سکا۔ اس سے کوئی بات منوانا ناممکنات میں سے ہے۔ بلکہ میں تو تم سے ایک اور درخواست بھی کروں گا۔"

"کیا؟"

"تم محسوس کرو کہ وہ مکمل طور سے تمھارے قبضے میں ہے تو ایک بار اسے اپنا تجزیہ کرانے پر آمادہ کر لو۔ تم دونوں میرے لیے عجوبہ ہو۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ تم دونوں کوئی ایسی گمشدہ نسل سے ہو جس کا اب وجود نہیں رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے یہ مشکل کام نہیں۔"

"تب یہ کوشش ضرور کرنا۔"

"ٹھیک ہے ہاکو۔"

"آؤ ناشتہ کریں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"فوما نے بھی تمھارے انتظار میں ناشتہ نہیں کیا ہے۔"

"ارے کیوں؟"

"بھئی تم ہمارے مہمان ہو، بلکہ ہم دونوں کے مہمان ہو۔ ہم تمھارے بغیر ناشتہ کیسے کر سکتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہوا۔" میں نے کہا۔

"کیوں، اس میں افسوس کی کیا بات ہے؟"

"بس میری وجہ سے تم دونوں کو پریشانی اٹھانی پڑی لیکن آیندہ کے لیے میری ایک درخواست ہے۔"

"اوہ۔ وہ کیا؟"

"میں ایک لااُبالی انسان ہوں۔ ان چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا اس لیے تم میرے لیے اپنے معمولات میں فرق نہ لایا کرو۔"

"وہ۔ اس سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ تم اس بارے میں کیوں سوچ رہے ہو۔ آؤ فوما کے پاس چلیں وہ منتظر ہو گا۔" ہاکو نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم فوما کے پاس پہنچ گئے۔

فوما مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا تھا۔ "کہاں چلے گئے تھے سبوتا؟" اس نے کہا۔

"عبادت کرنے۔" میرے بجائے ہاکو نے جواب دیا اور پھر جلدی سے بولا۔ "عشق بھی تو ایک عبادت ہی ہے۔"

"اوہ، اور پھر سبوتا کا معبود، میں نے تو صرف اس کے بارے میں سُنا ہے، دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔" فوما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھ بھی لینا۔ سبوتا نے یہاں بھی اپنی انفرادیت باقی رکھی ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ بستی کے جن لوگوں نے ان دونوں کو یکجا دیکھا ہو گا، انگشت بدنداں رہ گئے ہوں گے۔ انھیں اس ناقابلِ یقین منظر پر سخت حیرت ہو گی۔"

"اچھا اب ناشتے کا بندوبست کرو ہاکو، بھوک لگ رہی ہے۔" فوما نے کہا اور ہاکو باہر چلا گیا۔ تب فوما میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "قاصدوں کو آج صبح روانہ کر دیا گیا ہے سبوتا۔ گویا کام شروع ہو گیا ہے۔"

"خوب!" میں بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"قاصدوں میں ہاکو کا بیٹا فاشا بھی شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہاکو نے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا ہے جو بہرحال اس کے مکمل بھروسے کے ہیں۔"

"یہ ضروری تھا لیکن تمھارے خیال میں ان پیغامات کا نتیجہ کب تک ظاہر ہو جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"کم از کم ایک چاند ضرور لگ جائے گا۔ اگر آنے والوں نے تیز رفتاری سے کام لیا تو ممکن ہے اس چاند کے خاتمے تک وہ یہاں پہنچ جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ کام جلد از جلد شروع ہو جائے۔" میں نے کہا اور فوما دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر ہاکو واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں خوان تھا جسے اس نے سامنے رکھ دیا۔ ہاکو یہاں کھانا خود ہی لاتا تھا۔ وہ کم سے کم لوگوں پر بھروسہ کرنے کا عادی تھا۔

"جو لوگ آئیں گے ہاکو، تم نے ان کے قیام کا بندوبست کیا ہے؟"

ناشتے کے دوران میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ میرا مکان کافی بڑا ہے۔ میں نے اس کے عقبی حصے کو مہمان خانہ بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"اوہ! میری رائے تھی کہ تم اس کے لیے کوئی دوسرا بندوبست کرتے۔"

"کیا مطلب؟"

"فوما کے وفاداروں میں تمھارا نام سبھی جانتے ہوں گے۔ اگر چند اجنبی تمھارے ہاں دیکھے جائیں تو لوگوں کو شبہ بھی ہو سکتا ہے۔" میری بات پر ہاکو سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن اٹھائی اور فوما کو دیکھنے لگا۔

"سبوتا کی بات کسی حد تک درست ہے۔"

"پھر کیا خیال ہے؟"

"ایک بات اور بتاؤ ہاکو۔" میں نے پوچھا۔

"پوچھو۔"

"آنے والے کسی ایک جگہ مقیم ہیں یا جگہ جگہ تمھاری بستیوں میں پھیلے ہوئے ہیں؟"

"اوہ۔ نہایت اہم سوال کیا ہے تم نے۔ چالاک لوگ تمام جگہوں پر ہونے والی کارروائیوں سے واقف رہنا چاہتے ہیں اس لیے وہ تمام بستیوں میں پھیل گئے ہیں۔"

"سیکائی میں ہیں وہ لوگ؟"

"ہاں۔ یہاں ان کا بڑا جتھا موجود ہے۔"

"کہاں ہے؟ میں نے تو ان کے کسی فرد کو نہیں دیکھا۔"

"کسی بھی بستی میں وہ لوگوں میں گھل مل کر نہیں رہ سکتے اس لیے انھوں نے بستی سے الگ تھلگ اپنے ٹھکانے بنائے ہیں۔ وہ وہاں گروہ بنا کر رہتے ہیں۔ پہلے انھوں نے کوشش کی تھی کہ بستی والوں سے گھل مل کر رہیں لیکن ساری بستیوں والے ان سے نفرت کرتے ہیں۔ انھوں نے انھیں کسی بھی حیثیت سے قبول نہیں کیا، بلکہ بعض جگہوں پر ان کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا تھا اس لیے انھوں نے تمام بستیوں میں علیحدہ ٹھکانے بنائے ہیں۔ کبھی کبھی وہ بستیوں میں نظر آ جاتے ہیں لیکن ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔"

"خوب! گویا وہ ضروری خبریں بھی اپنے اصل لوگوں کو پہنچاتے ہوں گے؟"

"بستیوں میں ان کے پھیلنے کا مقصد ہی یہ ہے۔" ہاکو نے جواب دیا۔

"اس کے باوجود تم نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا؟"

"ہاں۔ میں یہ غلطی کر رہا تھا۔" ہاکو نے اعتراف کے انداز میں کہا۔

"ویسے ان لوگوں کی بستی کہاں ہے؟"

"سیکائی کے بالکل آخری حصے میں۔ اس ساحل پر عموماً سیکائی کے لوگ نہیں جاتے۔ ان کی کشتیاں آتی رہتی ہیں جو ان کے لیے کھانے کا سامان لاتی ہیں۔"

"اوہ۔ سیکائی کے لوگوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک ہے؟"

"نہایت محبت اور خلوص سے پیش آتے ہیں۔ ظاہر ہے ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی طرح مقامی لوگوں میں مقبول ہو جائیں۔"

"خوب! کوئی جارحانہ کارروائی تو نہیں کی انھوں نے؟"

"آج تک نہیں۔ خود تو بھیگی بلی بنے رہتے ہیں۔" ہاکو نے جواب دیا اور میرے ذہن میں کچھ نئے ارادے انگڑائیاں لینے لگے۔ میں نے ان کے بارے میں ہاکو وغیرہ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر ہاکو اٹھ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر چلو گے تم میرے ساتھ؟"

"ہاں۔ چلو۔" میں بھی کھڑا ہو گیا۔

"اجازت فوما؟" ہاکو نے پوچھا۔

"ضرور۔ میں خود تو ایک بے عمل انسان ہو کر رہ گیا ہوں۔ تم لوگوں کو کیوں پریشان کروں۔" فوما نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"وقتی طور پر فوما، سورج دیوتا نے چاہا تو عمل کا وقت بھی بہت جلد آ جائے گا۔" ہاکو نے کہا اور ہم دونوں باہر نکل آئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد میں ہاکو کے ساتھ اس کی تجربہ گاہ میں تھا۔

یہ ایک ایسے دور کا سائنسداں تھا جب سائنس نے کوئی حیثیت نہیں حاصل کی تھی بلکہ اسے اس کی صحیح شکل میں جاننے کا تصور بھی نہیں کیا گیا تھا لیکن یقین کرو پروفیسر، اس کی تجربہ گاہ کو تم ایک شاندار تجربہ گاہ کہہ سکتے تھے۔ یہاں بے شمار آلات رکھے ہوئے تھے اور ایسا ایسا سامان تھا جو کسی طور سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ لاتعداد انسانی ڈھانچے رکھے ہوئے تھے اور بہت سے جانوروں کی لاشیں گوشت پوست کے ساتھ موجود تھیں۔ بے حد وسیع تجربہ گاہ تھی جس کے درمیان ہاکو کی نشست گاہ تھی۔

"بیٹھو سبوتا!" ہاکو نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنی تجربہ گاہ کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ "یہاں جو کچھ ہے، صرف انسانی زندگی سے متعلق ہے۔ میرے ذہن میں تحقیق اجسام کے بہت سے ارادے ہیں لیکن اس مختصر عمر میں سب کچھ سیکھ لینا انسان کے بس میں کہاں۔ ذہن و دل نے تو بہت سی چیزوں کی

طلب کی لیکن اپنی مختصر زندگی کا بھی احساس تھا چنانچہ میں نے سوچا کہ کسی ایک راستے کا انتخاب کر لوں اور اسی پر چل پڑوں۔ سو سب سے اچھی بات یہی نظر آئی کہ انسانی جسم کی تکالیف کی نگرانی کروں تاکہ اپنے سکون کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی کچھ ہو سکے۔"

"عمدہ بات ہے ہاکو۔" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

"میری سوچ کی نیک نیتی کو تسلیم کرتے ہو؟"

"بلاشبہ۔" میں نے جواب دیا۔

"تب میری الجھنوں کو دور کر دو۔" ہاکو نے ملتجی لہجے میں کہا۔

"میں تیار ہوں ہاکو!" میں نے خلوص سے جواب دیا۔ اس شخص کے علم اور اس کی باتوں سے میں کافی متاثر ہو گیا تھا۔

"اس کے علاوہ تم نے بھی کچھ کہا تھا۔"

"میں نے؟"

"ہاں!"

"تمھارا اشارہ کس طرف ہے؟"

"تم نے میرے علم، میرے فن سے دلچسپی ظاہر کی تھی۔"

"اوہ۔ ہاں۔ بلاشک۔ تمھارے علم سے ہی میں بے حد متاثر ہوا ہوں ورنہ میرے لیے تم ایک عام انسان سے زیادہ نہ ہوتے۔"

"یہ میری صحیح تعریف ہے۔" ہاکو نے مسرت سے کہا۔ "میری ازلی خواہش ہے کہ صاحب چشم مجھے میرے علم سے پہچانیں اور یہ میری محنت کا ثمر ہے۔"

"یقیناً!" میں نے جواب دیا۔

"سو میرے عزیز، یہاں جو کچھ ہے، میرے ذہن میں جو کچھ ہے، ان میں سے جس جس کا چاہو انتخاب کر لو اور اس کے بارے میں مجھ سے جو چاہو پوچھ لو لیکن سورج دیوتا کے لیے مجھے بتا دو کہ میری اب تک کی کاوشوں میں کہاں خامی رہ گئی؟"

"میں نہیں سمجھا؟"

"میں بھی تمھیں نہیں سمجھا۔" ہاکو نے جواب دیا۔ "وہ کونسی قوت تھی جس نے منجمد کر دینے والی سردی اور پگھلا دینے والی گرمی اتنی آسانی سے برداشت کر لی؟"

"تم بھی تو وہیں تھے ہاکو!"

"ہاں۔ لیکن بے اثری کے خول میں۔ اگر اس خول سے میری انگلی کا ناخن بھی باہر نکل آتا تو میری زندگی محال تھی۔"

"اوہ! یہ بات تھی۔" میں نے گردن ہلائی۔

"ہاں۔ میں تمھاری مانند نہیں ہوں۔" ہاکو نے جواب دیا اور میں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ اسی اثنا میں ہاکو اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے مٹی کے ایک پیالے میں پانی بھر کر اس میں ایک مرتبان سے کسی محلول کے چند قطرے ٹپکائے اور پھر پیالہ اپنے قریب رکھ لیا۔ پانی کا رنگ سبز تھا۔ میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ کوئی خاص چیز نہیں۔ مجھے اپنی انگلیوں میں سوزش محسوس ہوتی ہے۔ اس دوا سے انھیں تر کرتے رہنے سے وہ ٹھیک رہتی ہیں۔" ہاکو نے جواب دیا اور میں نے پانی کا رنگ بدلتے دیکھا۔ وہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا لیکن پھر وہ دوبارہ اصل رنگ پر آ گیا۔ ہاکو میری طرف دیکھنے لگا تھا۔

"ہاں تو حکیم ہاکو، تم میرے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہو لیکن میرے دوست، جو کچھ میں تمھیں اپنے بارے میں بتاؤں گا وہ تمھارے لیے ناقابل یقین ہوگا۔"

"نہیں۔ ایسا نہ ہوگا۔" ہاکو نے وثوق سے کہا۔

"اس اعتماد سے کیوں کہہ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ ناقابل یقین وہ لمحات تھے جن سے میں گذر چکا ہوں۔ اب کچھ ناقابل یقین نہیں ہے۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔ تو پھر ایک بات بتاؤ حکیم ہاکو۔ تمھاری نگاہ میں میری عمر کیا ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"تمھارے جسم و انداز کے مطابق تقریباً چالیس سال۔" ہاکو نے جواب دیا۔

"اگر میں تمھیں بتاؤں کہ میری عمر چالیس ہزار سال ہے تو تمھیں یقین آئے گا؟" میں نے کہا اور ہاکو تعجب سے میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"لیکن یہ ایک دلچسپ مذاق ہوگا۔"

"اور اگر میں تمھیں بتاؤں کہ میری عمر چالیس لاکھ سال سے بھی زیادہ ہے تو بھی تم یقین نہیں کرو گے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" ہاکو نے بے چینی سے کہا۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں اور کبھی کبھی وہ پریشان کن انداز میں پانی کے پیالے کو کھٹکھٹانے لگتا۔

"یہی کہ میری عمر کا کوئی تعین نہیں ہے۔ یہ چالیس ہزار سال بھی ہو سکتی ہے، چالیس لاکھ سال یا اس سے بھی زیادہ...."

"کیا مطلب؟" ہاکو کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے جلدی سے پیالے میں انگلیاں ڈبو دی تھیں۔

"ہاں، میری عمر لامحدود ہے۔"

"مگر کس طرح؟"

"بس۔ میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ میں نے انسانی شکل کب اختیار کی۔ بس یوں سمجھو کہ ارتقائے انسانیت کو اپنی نگاہوں سے دیکھتا رہا ہوں۔ میں نے صدیوں کے ساتھ سفر کیا ہے۔ لاتعداد صدیاں میری ہم سفر رہی ہیں۔ آگ میرے بدن کو جلا بخشتی ہے۔ پانی اور ہوا میری معاون

ہیں۔ مادی دنیا کی ہر شے میرے اوپر بے اثر ہے۔ ہاں انسانی ضروریات سے بھی میں عاری نہیں ہوں اور انسانی خصوصیات رکھتا ہوں۔ میں نے ہر دور کے انسانوں کے ساتھ زندگی گذاری ہے۔"

ہاکو پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی نگاہیں پانی کے برتن پر بھی جا پڑتی تھیں۔ نہ جانے کیوں وہ بار بار پانی کے پیالے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ بالآخر وہ بولا۔

"لیکن تم خود کو کیا کہو گے؟ دیوتا، کوئی آسمانی قوت یا کچھ اور؟"

"کچھ نہیں۔ میں نے جب آنکھ کھولی تو زمین دیکھی۔ آسمانی اجسام میرے شعور میں ہیں لیکن مبہم سے۔ میں ان کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ ہاں جب میں نے زمین پر آنکھ کھولی تو خود کو اسی شکل میں پایا جس میں، میں موجود ہوں۔ اس صورت میں، میں خود کو کوئی آسمانی وجود تو نہیں کہہ سکتا۔"

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو حیرت انگیز ہے لیکن لفظ بہ لفظ درست۔ آہ کیا یہ بات زمین کے کسی انسان کے لیے قابل قبول ہے؟"

"کچھ نے تسلیم کیا اور کچھ یقین نہ کر سکے لیکن وہ فانی تھے، بالآخر چلے گئے اور میں آج بھی ان پر ہنستا ہوں۔"

"تم صدیوں سے زندہ ہو؟"

"ہاں!"

"کیا تمھارے اندر تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں؟"

"نہیں!"

"گویا جس شکل میں موجود ہو، ہمیشہ سے ایسے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"آہ۔ روح منور ہو گئی ہے۔ کیسے کور چشم ہیں ہم۔ تمھاری ہستی کو اس طرح نظر انداز کرتے رہے لیکن کون پہچانے گا، کون سمجھے گا؟ میرے دوست صدیاں تمھاری نگاہ میں کھلی کتاب کی مانند ہوں گی۔ کیا کیا نہ دیکھا ہوگا تم نے اور اس وقت جب تم علم دوست بھی ہو۔ کیسے کیسے مدبروں سے علوم نہ سیکھے ہوں گے تم نے۔" ہاکو ہاتھ ملتے ہوئے کہنے لگا۔ وہ مجھ سے بہت متاثر تھا اور بڑی عقیدت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن ہاکو، مجھے تعجب ہے کہ تم نے میری بات پر یقین کس طرح کر لیا؟"

"مجھے پورے وثوق سے کہنے دو کہ تم نے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا ہے۔"

"تم بار بار اس پیالے کی جانب کیوں متوجہ ہو رہے تھے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مجھے معاف کر دو گے صدیوں کے بیٹے، ناراض تو نہ ہو گے؟"

"نہیں حکیم ہاکو۔ میں تمھاری عزت کرتا ہوں۔"

"تب اسے میری کاوش سمجھو، جھوٹ اور سچ کی پرکھ کرنے کے لیے یہ میری کاوش ہے۔ تم کوئی جھوٹ بولو گے، اس پانی کا رنگ سرخ ہو جائے گا۔ تمھیں یاد ہوگا تم نے اس کے بارے میں پوچھا تھا اور میں نے بتایا تھا کہ یہ میری انگلیوں کی سوزش کے لیے ہے، تب پانی کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"میں نے تمھارے الفاظ کو اپنی پرکھ سے پرکھا ہے اور دیوتا کی قسم، تم نے جو کچھ بتایا ہے، وہ عقل سے باہر ہے لیکن جھوٹ نہیں ہے۔"

"ہاں ہاکو۔ یہ جھوٹ نہیں ہے۔"

"تب تو میں اسے فوما کی تقدیر ہی کہوں گا کہ نادانستگی میں وہ تم سے جا ٹکرایا۔ تم جو صدیوں کا تجربہ رکھتے ہو۔ تم جو ناقابلِ تسخیر ہو لیکن فوما کے معاملے کو اتنی دور سے نہ دیکھو سوتا۔ اگر تقدیر اس پر مہربان ہو گئی ہے تو اس کی پوری پوری مدد کرو، اسے مشورے دو۔"

"اوہ۔ میں عملی طور پر اس کے ساتھ ہوں ہاکو۔ تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو، وہ اپنے طور پر درست۔ ہر علاقے کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ وہاں کے لوگ ان مسائل کے بارے میں بہتر طور پر سوچ سکتے ہیں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو، زیرک ذہن یہی کر سکتے ہیں۔ ہاں جب ان کی عملی شکل سامنے آئے گی تو ہر اس مشکل کا حل میں پیش کروں گا، جو تمھارے لیے مشکل ہو گی۔"

"یہ بھی بہت بڑی بلکہ کہنا چاہیے، نہایت امید افزا بات ہے۔" ہاکو نے عقیدت سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو ہاکو، اب تمھارے ذہن کو سکون نصیب ہوا؟"

"بہت بڑا سکون۔ ظاہر ہے تم عام انسانوں سے ہی مختلف ہو تو پھر انسانی مضرات سے آشنا کیوں ہو۔ گویا میرے علوم غلط نہیں ہیں، محدود ضرور ہیں۔" ہاکو نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔

"ہاں، تیرے علوم غلط نہیں ہیں ہاکو!"

"چند باتیں اور بتا سکو گے؟" ہاکو نے عاجزی سے کہا۔

"ہاں، ہاں۔ میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں تیری جسمانی حیثیت کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھو!"

"کیا تجھے بھوک لگتی ہے؟"

"نہیں۔ اسے بھوک نہ کہو۔ ہاں انسانوں کے ساتھ ہوتا ہوں تو ان کی رسومات میں شریک ہو جاتا ہوں اور کچھ اختلاف نہیں کرتا۔ ہاں اگر مہینوں خوراک نہ ملے تو اس کی طلب نہیں محسوس کرتا۔" میں نے جواب دیا۔

"پیاس؟" ہاکو نے پوچھا۔

"اس کی بھی یہی کیفیت ہے۔"

"خوب! نیند کے بارے میں کیا کیفیت ہے؟"

"عام انسانوں کی ساری خصوصیات میرے اندر موجود ہیں۔ رات کو میں بھی دوسروں کی مانند آنکھیں بند کر کے بے خبر ہو جاتا ہوں لیکن نیند کے سلسلے میں ایک اور خاص بات ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا ہے؟" ہاکو نے بے حد دلچسپی سے پوچھا۔

"صدیوں تک جاگتے رہنے کے بعد میری فطرت میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس جہاں سے بیزاری کا احساس بیدار ہونے لگتا ہے اور اس وقت دل چاہتا ہے کہ میں سو جاؤں۔ ایک طویل اور گہری نیند۔ اور پھر میں کوئی مناسب جگہ تلاش کر کے سو جاتا ہوں۔ صدیوں کی نیند۔ ایک تعین کر کے کہ کس دور میں میری آنکھ کھلے گی اور پھر میں صدیوں سوتا رہتا ہوں اور جب جاگتا ہوں تو ہشاش بشاش ہوتا ہوں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ سونے سے تمھاری جسمانی ساخت پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟"

"نہیں۔ ہوائیں اور موسم میرے بدن پر بے اثر ہیں۔ اکثر میں سمندر کی آغوش میں سوتا رہا ہوں۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔"

"حیرت انگیز۔ دیوتاؤں کی قسم حیرت انگیز۔" ہاکو نے کہا اور پھر بولا۔ "اس بار سے تمھاری کیا مراد ہے؟"

"میں نے سونے کے لیے خود کو لہروں کی آغوش میں دے دیا تھا اور ابھی میری نیند گہری بھی نہیں ہوئی تھی کہ فوما مجھ سے آٹکرایا۔"

"گویا تم نیند کے عالم میں تھے؟"

"ہاں اور وہ موت کے عالم میں۔"

"اوہ۔ کیسی تعجب خیز بات ہے لیکن سبوتا کیا تم دوسری انسانی ضرورتوں سے بھی مبرا ہو؟"

"اگر تمھاری مراد عورت سے ہے تو نہیں۔ حسن ہر دور میں میری کمزوری نہیں، طلب رہا ہے اور عورت سے دور رہ کر میں نے اس کی طلب محسوس کی ہے۔"

"تو یقیناً ادوار میں تمھاری محبوبائیں رہی ہوں گی؟"

"پتھروں کے اس دور میں بھی جب انسان جنس سے ناواقف تھا اور پھر تہذیب کی طرف بڑھتے ہوئے ادوار میں بھی عورت ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہے۔"

"اوہ۔ کیا تم نے کسی عورت سے شادی نہیں کی؟"

"شادی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شادی تو ایک رسم ہوتی ہے ہاکو۔ میں نے ہر تہذیب کی رسموں کو دیکھا ضرور ہے لیکن خود پر طاری کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوا۔ عورت، نوجوانی کی عمر کے بعد پوری زندگی میرے ساتھ رہی ہے لیکن میری مرضی کے مطابق۔ میں نے خود کو کبھی کسی تہذیب میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی۔"

"اوہ۔ تو تمھاری محبوبائیں تمھاری زندگی کا ساتھ تو نہ دے پاتی ہوں گی؟"

"نہیں۔ جوان ہوتی تھیں، بوڑھی ہو جاتی تھیں اور مر جاتی تھیں۔"

"اولاد کبھی نہیں ہوئی تمھارے ہاں؟"

"ہاں، مجھے یہ آسانی بھی فراہم رہی ہے کیونکہ میرے بدن نے آگ سے جلا پائی ہے اس لیے شاید میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیتوں سے محروم ہوں۔"

"کبھی کسی مذہب سے نہیں متاثر ہوئے؟" ہاکو نے پوچھا۔

"مذہب؟" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "میں نے جتنے مذاہب کا تجزیہ کیا ہے ان میں کچھ چیزیں مشترک پائی ہیں۔ سارے اچھے مذاہب انسانیت کی فلاح کے لیے ہوتے ہیں۔ خود انسان کو اس کے فوائد ملتے ہیں۔ میں مذاہب سے متاثر یقیناً ہوا ہوں۔ ہر اچھا کام، اچھی چیز اپنی طرف متوجہ کرتی ہے لیکن چونکہ میں خود ان میں شامل نہیں تھا اس لیے میں نے ان میں سے کسی کو اپنانے کی کوشش نہیں کی۔"

ہاکو بے پناہ عقیدت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "آہ، کیسے کیسے علوم نہ آتے ہوں گے تمھیں۔ کیا کچھ نہ دیکھا ہو گا تم نے۔ کیا کچھ نہ سیکھا ہو گا۔"

"ہاں ہاکو۔ علم داں میرے لیے ہمیشہ باحیثیت رہے ہیں اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

"میری یہ چھوٹی سی تجربہ گاہ حاضر ہے۔ میں تیرے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہوں۔ اس میں جو کچھ ہے تیرے لیے کھلی کتاب ہو گا۔ تو مجھ سے ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھ لے اور بلاشبہ یہ بات میرے لیے قابلِ فخر ہو گی کہ میرا علم لافانی ہو گیا ہے۔ وہ ایک ایسے سینے میں ہے جس میں صدیوں کے سربستہ راز چھپے ہوئے ہیں۔"

"میں تجھ سے ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھوں گا۔ سو ابتدا میں اس سچ جھوٹ کے پانی سے کروں گا۔ اسے کن بنیادوں پر تیار کیا گیا ہے؟"

اور پروفیسر، اس کی تفصیل تمھارے لیے بیکار ہو گی، کیونکہ تم اس کا صحیح تجزیہ نہ کر سکو گے۔ مختصر یہ کہ اس روز میں ہاکو سے اس بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور پھر میں نے چند تجربات بھی کیے اور ان سے خوب محظوظ ہوا۔

لیکن رات کا مجھے بے چینی سے انتظار تھا۔ رات میرے لیے کچھ نئے تجربات لانے والی تھی۔ یعنی ایک انتہائی حد تک پہنچی ہوئی وحشی عورت جب کسی سے پیار کرنے لگتی ہے تو اس کے پیار کا انداز کیا ہوتا ہے۔

سو رات آ گئی اور جونہی اندھیرا پھیلا میں شمانہ کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ہاکو اور فوما سے رات کی آخری ملاقات ہو چکی تھی اور اب سونے کا وقت تھا۔ میں اطمینان سے باہر نکل آیا اور پھر تاریکیوں میں شمانہ کے مکان کی جانب چل پڑا۔ کافی طویل فاصلہ پر مکان تھا۔ میں اطمینان سے چہل قدمی کرتا ہوا اس کے دروازے پر پہنچ گیا اور پہلی ہی دستک پر شمانہ باہر نکل آئی۔ میں اس کی بہار دیکھ کر مسرور ہو گیا تھا۔ گھنے سیاہ بادلوں کے درمیان چاند نکلا ہوا تھا۔ اس نے بالوں میں جگہ جگہ ننھے ننھے مولسری کے پھول اٹکائے ہوئے تھے جو سیاہ بادلوں میں ننھے ننھے ستاروں کی مانند جھانک رہے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا لباس بھی بے حد خوبصورت تھا۔

"اندر آ جاؤ سبوتا!" اس نے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ وہ مجھے مکان کے سب سے اندرونی حصے میں لے گئی جو دروازے سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ "بیٹھو۔" اس نے پیار

سے کہا اور میں اس کے اشارے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ ایک حسین عورت تھی اور میں ایک عورت کے حسن کا شکار احمق مرد۔ چنانچہ میری صلاحیتیں حماقت کے غلاف میں پوشیدہ ہو گئی تھیں۔

"دن کیسا گذرا سبوتا؟" اس نے پوچھا۔

"جس دن کا آغاز حسین ہو، وہ اچھا ہی گذرتا ہے۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔"

"کیوں؟"

"ضروری نہیں کہ جو آغاز تمھاری نگاہ میں اچھا ہو، وہ کبھی کے لیے اچھا ہو۔ بعض اوقات اس دن کی شام اچھی نہیں ہوتی۔"

"لیکن اس دن کے آغاز و انجام کے شاہد صرف ہم دونوں ہیں، کسی تیسرے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود تمھارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بڑے چالاک ہو۔ بات کو خوب بدل دیتے ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"لیکن میں تمھارے الفاظ کو سمجھ نہیں سکا؟"

"بس یونہی پوچھ رہی تھی۔ میں بھی آج دن بھر تمھارے بارے میں ہی سوچتی رہی۔"

"میں جانتا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا جانتے تھے؟"

"یہی کہ تم پورا دن میرے بارے میں سوچتی رہو گی۔"

"ہاں۔ تم مجھے ضرورت سے زیادہ ذہین لگتے ہو۔ کیا خاطر کروں تمھاری؟"

اس حسین رات کی ابتدا کے طور پر۔" میں نے کہا اور وہ میرے اٹھنے کا ارادہ بھانپ گئی اور جلدی سے بولی۔

"ابھی توقف کرو، جلد بازی اچھی چیز نہیں ہوتی۔ میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور آرام سے بیٹھ گیا۔ یہ بات بڑی دلکش تھی کہ وہ تابع ہو چکی تھی۔

میں انتظار کرتا رہا۔ اس دوران میرا ذہن ماضی میں چلا گیا تھا۔ لاکا لیپاس اور دوسری لڑکیاں مجھے یاد آ رہی تھیں۔ بے شمار لڑکیاں، جنھیں یاد کرنے کے لیے ذہن پر زور دینا پڑتا تھا لیکن سب کی سب، پہلے کچھ نظر آتی تھیں اور بعد میں کچھ ہو جاتی تھیں۔ ہاں انھیں قابو میں کرنے کے لیے بہت سے ڈرامے کرنے ہوتے تھے۔ شمانہ بھی دوسری عورتوں سے مختلف نہیں تھی۔

لیکن پروفیسر میرا خیال ہے انسان دنیا کی ہر چیز سے اکتا جاتا ہے لیکن کبھی بھی وہ نئی لڑکی سے نہیں اکتاتا۔ اس کے لیے وہ طرح طرح کے جتن کرنے سے نہیں کتراتا اور جب اس کا حصول ممکن ہو جائے تو ایک انوکھا سکون محسوس ہوتا ہے۔ یہی کیفیت اس وقت میری تھی۔

میں شمانہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا لیکن کافی دیر گذر گئی اور وہ واپس نہ آئی۔ کس چکر میں پڑ گئی احمق کہیں کی۔ بھلا میں یہاں کھانے پینے آیا ہوں۔ مجھے تو کسی چیز کی حاجت نہیں تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور پھر میں نے اسے آواز دی لیکن میری آواز کا کوئی جواب نہیں ملا حالانکہ چھوٹا سا مکان تھا۔

"شمانہ!" میں نے دروازے کے قریب آ کر اسے پکارا لیکن اسی وقت مجھے ہلکی سی آنچ محسوس ہوئی، ایسی آنچ جو عام نہیں ہوتی۔ حیرانی سے میرا منہ کھل گیا۔ میں نے دروازے کو زور سے دھکا دیا لیکن وہ باہر سے بند تھا اور دوسرے لمحے میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال سرایت کر گیا۔

"شمانہ!" میرے منہ سے سرسراہٹ سی نکلی۔ کیا اس لڑکی نے اب بھی ذہنی طور پر مجھے قبول نہیں کیا۔ دوسرے لمحے میں نے دروازے پر لات ماری اور دروازہ اکھڑ کر دور جا پڑا۔ میرا خیال درست تھا۔

پورا مکان آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ "شمانہ!" میں نے چیخ کر اسے آواز دی اور مکان کے باہر سے شمانہ کا وحشیانہ قہقہہ ابھرا۔

"جنگلی جانور، بڑا ناز ہے تجھے خود پر۔ تو سوچ رہا تھا کہ میں تیری دیوانی ہو گئی ہوں۔ تیرے غلیظ اور مکروہ ہونٹوں کی حلاوت نے میرے بدن کو نڈھال کر دیا ہے۔ اس نے میری نسائیت کا غرور توڑ دیا ہے ـــــ مرد۔ میں عورت نہیں ہوں۔ میں نے متاثر ہونا نہیں سیکھا ہے۔ دن میں، میں نے تجھے صرف اس لیے برداشت کر لیا تھا کہ تو جسمانی طور پر ہاتھی کی طرح طاقتور ہے، میں تجھے زیر نہ کر سکوں گی لیکن تو کیا سمجھتا تھا، اپنی اس شدید توہین کے بعد میں تجھے زندہ چھوڑ دیتی۔ میں نے تجھے رات کو اسی لیے بلایا تھا کہ میں دن میں اپنا کام مکمل کر لوں اور بالآخر تو سارے احمق مردوں کی مانند میرے فریب میں آ گیا اور اب کل دن کی روشنی میں، میں تیری جھلسی ہوئی لاش شہر کی سب سے بارونق جگہ پھینک دوں گی اور کتوں کو پھر احساس ہو جائے گا کہ شمانہ کسی مرد سے متاثر ہونے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئی۔"

پروفیسر۔ میں نے اس شیطان عورت کے الفاظ سنے اور اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ خوب کامیاب دھوکا دیا تھا اس نے مجھے اور درحقیقت بڑی انوکھی فطرت کی مالک تھی وہ۔

سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ انتقام کے شعلے اس کی روح میں اس طرح حلول کر گئے تھے کہ وہ میری موت کے لیے اپنا گھر بھی جلا سکتی تھی۔ آگ اس شاندار طریقے سے لگائی گئی تھی کہ اب وہ چاروں طرف سے مکان کے اندر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ گویا باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بے شک یہ بے وقوف لڑکی دن بھر مکان کے اردگرد ایسے انتظامات کرتی رہی ہو گی کہ آگ اس طرح بھڑکے کہ بجھ نہ سکے۔ اس نے پورا دن اسی کام میں صرف کیا ہو گا ـــــ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ شمانہ نے کہا تھا کہ وہ میری خاطر کرنا چاہتی ہے، سو اس نے اپنی بات ہی پوری کی تھی۔

لوگ کسی بھی مہمان کو مختلف مشروبات یا گرم چیزیں مثلاً قہوہ پیش کرتے ہیں۔ ہر مہمان کی اپنی پسند ہوتی ہے۔ اگر میں کسی کے گھر مہمان جاتا اور مجھ سے میری پسندیدہ چیز پوچھی جاتی تو یا تو میزبان کو میری صحیح الدماغی پر شبہ ہوتا یا پھر وہ سوچتا کہ شاید میں اس سے کوئی احمقانہ مذاق کر رہا ہوں۔ یعنی اگر میں اس سے کہتا کہ اگر وہ میری خاطر کرنا چاہتا ہے تو میرے لیے غسلِ آتش کا بندوبست کر دے تو سوچو پروفیسر کہ وہ اس وقت میرے بارے میں کیا سوچتا؟ بلاشبہ شمانہ ایک اچھی میزبان تھی کہ اس نے میری سب سے پسندیدہ شے مجھے پیش کر دی تھی۔

تو پھر میں جلتے ہوئے مکان میں کیوں نہ لذت محسوس کرتا۔ شعلوں کی زبانیں میرے بدن پر مساج کر رہی تھیں۔ جوں جوں وہ بلند ہو رہے تھے میری آنکھوں میں نشہ بڑھتا جا رہا تھا اور پھر میں شعلوں کے درمیان لیٹ گیا۔ اٹکھیلیاں کرتا رہا ان سے ـــــ اور شعلے میرے بدن کو چاٹتے رہے اور مکان کے مختلف حصے جل جل کر گرتے رہے۔ یہاں تک کہ پورا مکان راکھ کے ڈھیر میں بدل گیا۔ تب میں اٹھا اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔ مجھے یقین تھا کہ شمانہ کہیں قریب ہی موجود ہو گی۔ حیران کُن بات یہ تھی کہ جلتے ہوئے مکان کے بارے میں بستی والوں کو کوئی اطلاع نہیں ملی تھی یا مل بھی گئی تھی تو کسی نے اس طرف آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آگ بجھانے کی غرض سے نہیں تو اسے دیکھنے کی غرض سے ہی سہی۔

وہ اس طرف آتے تو لیکن ممکن ہے شمانہ کی آتش مزاجی نے انھیں اس سے روکا ہو۔ بہر حال اس وقت میرے بدن کا لباس بھی جل چکا تھا۔ اور یوں بھی میں شمانہ کے سامنے اس انداز میں نہیں آنا چاہتا تھا اس لیے میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ ہاکو کے مکان کی طرف چل پڑا۔

اور پھر اس کے عقبی حصے سے اندر داخل ہو گیا۔ نئے لباس کی تلاش میں مجھے خود ہی ہاکو کے مکان کی تلاشی لینا پڑی تھی۔

اور بات ہی کیا ہوتی پروفیسر اگر اس صبح بھی میں جھیل پر شمانہ سے ملاقات نہ کرتا، البتہ اتنا اندازہ لگا لیا تھا میں نے کہ یہ لڑکی بے حد کینہ پرور ہے اور معاف نہیں کرے گی اپنی نسائیت شکنی پر مجھے۔

گویا اس کے ذہن میں یہ تصور سارے تصورات پر حاوی ہے کہ میں نے اس کے برہنہ جسم کو دیکھا اور توہین کی اس کی نسائیت کی۔ یعنی مرد اس کی نگاہ میں کبھی کوئی حیثیت نہیں پا سکتے۔

تو پھر کیوں میں اس سے ایسا سلوک کروں جس میں دوستی کا عنصر ہو۔ ہاں خود میری اپنی بھی تو کوئی حیثیت تھی۔

تو بات ٹھہری اس مرحلے پر کہ اب صرف اسے زِچ کرنا ہے اس کی باتوں میں نہیں آنا ـــــ اور اب تو کم بخت گھر بھی جلا بیٹھی تھی اپنا۔ سو کیوں نہ آتی وہ جھیل پر۔ گویا اسے گھر کے زیان کا کوئی احساس نہ تھا اور بڑی ہی بشاش نظر آ رہی تھی اور اگر میں چاہتا تو آج بھی اسے لباس سے محروم کر دیتا۔ لیکن میں اس سے اجنبیت کا اظہار چاہتا تھا۔ چنانچہ جب وہ کپڑے اتار کر جھیل میں کود پڑی تو میں جھیل کے کنارے جا کھڑا ہوا۔

اور یہ تو ناممکن تھا کہ وہ مجھے نہ دیکھتی اور یہ بھی ناممکن تھا کہ مجھے دیکھنے کے بعد وہ حواس پر قابو رکھ پاتی۔ چنانچہ میں نے اسے کسی مردہ مچھلی کی مانند سطحِ آب پر ساکت دیکھا۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں اور بھول گئی تھی اس وقت وہ اپنے بدن کی برہنگی کو۔ نہ یہ احساس تھا اس کے ذہن میں کہ وہ لباس سے عاری ہے۔ گویا خود کو چھپانے کا خیال اس کے تصور سے نکل چکا تھا اور یقیناً وہ غور کر رہی تھی کہ بعض اوقات موت انسان سے اس قدر دُور کیوں بھاگتی ہے۔ حیرت کے یہ لمحات زیادہ طویل نہ تھے۔

دوسرے لمحے وہ مچھلی کی مانند تڑپی اور اس کنارے کی سمت لپکی، جہاں اس کا لباس موجود تھا۔ گویا اس کا خیال ہو گا کہ کہیں انتقاماً میں نے اس کے لباس کو قطعی طور پر ضائع تو نہیں کر دیا۔

لیکن میں ساکت کھڑا رہا اپنی جگہ اور اس نے لباس پہن لیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے گفتگو کرے گی لیکن جو کچھ اس نے کیا وہ بھی فطرت کے عین مطابق تھا اور اس حالت میں ایسی کسی لڑکی کو یہی کرنا بھی چاہیے تھا۔ وہ اس برق رفتاری سے دوڑی کہ پلٹ کر پیچھے بھی نہ دیکھا اور میں بھونچکا رہ گیا۔ پھر میں نے ایک طویل سانس لی اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

سو آج ہاکو اور فوما کو ناشتے پر میرا انتظار نہ کرنا پڑا لیکن ناشتے کے دوران فوما نے مجھ سے کہا۔

"میں منتظر ہوں کسی بھی خبر کا۔ یعنی میرے [illegible] نے سکائی کی سب سے خطرناک لڑکی کو اپنی بیوی بنا لیا۔ نجانے یہ خبر مجھے ملے گی [illegible] مجھے اس کا یقین ہے کیونکہ مجھے رات کو نیند نہیں [illegible] تھی سو میں نے [illegible] سبوتا کے کمرے کی جانب اور نہ پایا اسے وہاں ـــ تو جن راتوں میں [illegible] سے مکانوں سے باہر نکل جایا جاتا ہے وہ محبوب [illegible] وصال کی [illegible] ہوتی ہیں۔"

اور فوما کی اس بات پر مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی کہ کیسا [illegible] مجھے ہوا تھا گزری رات ـــــ فوما دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں ـــــ میں نے غلط کہا سبوتا؟" اس نے چند ساعت کے بعد پوچھا۔

"نہیں فوما ـــــ تمہارا اندازہ درست ہے۔"

"لیکن مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔"

"ابھی اس میں دیر ہے۔"

"یہی میں بھی چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں چاہتا ہوں سبوتا کہ اُس وقت تک میں اپنے مسائل سے فارغ ہو چکا ہوں تاکہ پوری دلچسپی سے تمہارے معاملات میں شریک ہو سکوں۔"

"اوہ، میرا خیال ہے تمہیں اس کا پورا پورا موقع ملے گا۔" میں نے جواب دیا اور فوما خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر اُداسی کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔ اور میں بغور اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"میں بتا سکتا ہوں فوما ـــ تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"میں ـــ؟" فوما نے چونک کر میری شکل دیکھی۔

"ہاں۔"

"بتاؤ؟" وہ تفریحی انداز میں بولا۔

"نعامہ ـــــ یقیناً اس وقت وہ تمہارے ذہن میں اُبھر آئی ہے۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری حیرت انگیز صلاحیتوں کا تو میں پہلے ہی قائل ہوں۔ لیکن تمہاری اس وقت کی قیافہ شناسی کی داد نہ دینا میرے بس سے باہر ہے۔ ہاں تمہارا خیال درست تھا۔ میں اس وقت اُسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ نعامہ کس حال میں ہو گی۔ اور اگر اُس نے کسی کے ایما پر مجھ سے بیوفائی کی تو ـــ مجھے اُس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ بے قصور ہے تو ـــ اُس کی کیا حالت ہو گی۔ اُس نے میرے بارے میں کس انداز سے سوچا ہو گا۔"

"اوہ، تمہاری سوچ مناسب ہے۔"

"بعض اوقات میں پریشان ہو جاتا ہوں سبوتا ـــ تم ہی بتاؤ، اگر نعامہ بے وفا نکلے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے؟"

"خود تمہارے ذہن میں کیا خیال ہے فوما؟"

"میرے ذہن میں ـــ کبھی دل چاہتا ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ کبھی دل چاہتا ہے کہ اُسے بالکل نظر انداز کر دوں ـــ اور اس پر کوئی توجہ ہی نہ دوں۔"

"ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "بہر حال فوما! یہ اُس وقت کے معاملات ہیں جب تم دوسرے معاملات سے نمٹ لو گے۔ اس لئے اُس وقت تک سب کچھ ذہن سے نکال دو۔"

"ہاں۔ یہی کرتا ہوں۔" فوما نے جواب دیا۔

کافی دیر تک میں فوما سے باتیں کرتا رہا۔ میرے دل میں گدگدیاں ہو رہی تھیں۔ میں شمانہ کے بارے میں کچھ سُننا چاہتا تھا۔ میں اس کی حالت دیکھنا چاہتا تھا۔ اس پر کیا گزری۔ میری زندگی نے اس کی کیا کیفیت کی۔

دوپہر کے کھانے پر ہاکو نے مجھے متحیرانہ لہجے میں بتایا۔ "اے سَاسام نبے شمانہ کا مکان رات کو جل کر راکھ ہو گیا۔"

"کیا؟" فوما چونک پڑا۔ میں نے سرسری انداز میں ہاکو کی طرف دیکھا۔ ہاکو کا خیال تھا کہ یہ خبر میرے لئے بہت سنسنی خیز ہو گی۔ لیکن میں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

"کیا تمہیں اس کی اطلاع تھی سبوتا؟" فوما نے پوچھا۔

"ہاں، مجھے معلوم تھا۔"

"لیکن کس طرح؟ اور کیا خود شمانہ اُس وقت مکان میں موجود تھی؟"

"نہیں۔ شمانہ صحیح سالم ہے۔ اسے بستی میں دیکھا گیا ہے۔ چند لوگوں نے اس سے پوچھنے کی کوشش بھی کی لیکن اُس نے انہیں قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور پھر لوگوں کی ہمت نہیں پڑ سکی۔" ہاکو نے جواب دیا۔

"اوہ سبوتا ـــ اس کا مطلب ہے تم نے بہت کچھ چھپایا ہے۔" فوما نے کہا۔

"وہ فوما ـــ جو تمہارے لئے بیکار تھا۔" میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"چند ایسے واقعات، جو میرے لئے بھی قابلِ فخر نہیں ہیں۔"

"سبوتا ـــــ براہِ کرم اگر نامناسب نہ سمجھو تو ـــ"

"تمہارے خیال میں شمانہ سے میری دوستی ہو گئی ہے اور ہم لوگ بہت جلد ایک دوسرے کو اپنا لیں گے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ـــ کیا یہ غلط ہے؟"

"ہاں فوما ـــ درحقیقت میری اس سے زبردست دشمنی چل رہی ہے۔ وہ میری جان کی گاہک ہے۔ پچھلے دن اُس نے مجھے سمندر کے اس حصے میں ڈبونے کی کوشش کی جہاں آدم خور مچھلیوں کے غول پائے جاتے ہیں۔ اور پھر میں نے مچھلیوں سے خوفناک جنگ کر کے خود کو بچایا اور کنارے تک پہنچا۔ پچھلی رات میں اس کے مکان میں تھا جب آگ لگائی گئی اور مکان کا دروازہ بند کر دیا گیا۔"

"آگ لگائی گئی؟" فوما نے تعجب سے کہا

"ہاں۔"

"آگ کس نے لگائی تھی؟"

"خود شمانہ نے۔"

"ارے تو اس کے مکان میں آگ خود اسی کی لگائی ہوئی تھی؟"

"ہاں۔"

"لیکن کیوں؟ آخر کیوں؟ اُس نے ایسا کیوں کیا؟"

"دشمنی کے تحت۔ اس نے مجھے زندہ جلانے کی کوشش کی تھی۔ تمہاری بات پر مجھے ہنسی اسی لئے آئی تھی فوما۔ جب تم میرے اور اس کے یکجا ہونے کی بات کر رہے تھے۔"

فوما خاموش ہو گیا۔ لیکن میں نے اس کی آنکھوں میں خون کی سُرخی دیکھی تھی۔ ہاکو بھی پریشانی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر فوما کی آواز اُبھری۔

"ہاکو۔ تم اس لڑکی کے لئے کیا کر سکتے ہو؟" فوما کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"جو حکم فوما۔ بس میں۔"

"تم اُس سے خوفزدہ ہو۔ لیکن۔ میں آج رات اُس کی زندگی کا خاتمہ چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے میں صاحبِ اختیار نہیں ہوں۔ لیکن میرے اپنے خنجر کا ایک وار اس کا کام کر سکتا ہے۔ میں کسی ایسی لڑکی کی زندگی نہیں برداشت کر سکتا جس نے میرے دوست سے بُرا سلوک کیا ہو۔ آج رات میں باہر جاؤں گا اور اسے تلاش کر کے مار ڈالوں گا۔"

"ارے نہیں۔ فوما میرے دوست! اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے فوما کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں سبوتا۔ فوما اس کے بغیر زندہ نہیں رہے گا۔"

"نہیں فوما۔ میں اس کی زندگی چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"تم نے یہ نہیں سوچا کہ جب اس نے مجھے آدم خور مچھلیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تو پھر میں اس کے مکان میں کیا لینے گیا تھا؟" میں نے کہا۔

"سبوتا۔ سورج دیوتا کے لئے میری اُلجھن دُور کر دو۔"

"وحشی شیرنی کس قدر خونخوار ہوتی ہے۔ اسے قابو میں کرنے کے لئے زندگی خطرے میں ڈالنی پڑتی ہے لیکن بالآخر وہ قابو میں آ ہی جاتی ہے۔ وحشت اس کی فطرت ہوتی ہے اور میں بالآخر اس پر قابو پا لوں گا۔"

میری بات پر فوما خاموش ہو گیا۔ پھر چند ساعت سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "تم اسے بہت پسند کرتے ہو سبوتا؟"

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔"

"تب پھر اُسے حکم دیا جائے گا کہ وہ تمہاری اطاعت کرے۔"

"اس کے بعد وہ میرے لئے بیکار ہو گی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے اُس کی اس وحشت سے ہی دلچسپی ہے۔ ورنہ اس کے سوا اُس کے پاس اور کیا ہے۔ شیرنی کو اس کی اصل حالت میں ہی گرفتار کروں گا۔ تم فکر مت کرو۔ اور اس خیال کو اپنے ذہن سے بالکل نکال دو۔ یہ میری دلچسپی ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" فوما نے گردن ہلا دی۔

"وہ زندگی سے بھرپور ہے اور زندگی خطرناک کھیل ہے۔"

ہاکو نے کہا اور پھر دونوں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے۔

"مجھے اجازت دو فوما۔ میرا خیال ہے اس وضاحت سے مجھے ایک آسانی ہو گئی۔" میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" فوما اصل حیثیت میں واپس آ چکا تھا۔

"مجھے اب خاموشی سے چھُپ کر نہیں جانا پڑے گا۔"

"کہاں جاؤ گے سبوتا؟" ہاکو نے پوچھا۔

"شیرنی کے شکار پر۔" میں نے جواب دیا اور دونوں مسکرانے لگے۔ میں باہر نکل آیا اور پھر درحقیقت میں خونخوار شیرنی کی تلاش میں گھومنے لگا۔ میں نے جھیل پر دیکھا، سمندر کے کناروں پر تلاش کیا لیکن نہ جانے وہ کہاں تھی۔ آخر میں میں نے اسے اس کے جلے ہوئے گھر میں تلاش کیا لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔

میں کسی حد تک مایوس ہو گیا تھا۔ اور پھر میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ شمانہ نہیں ملی۔ نہ جانے کہاں ہو گی۔ اس کی تلاش ترک کر کے کیوں نہ ان لوگوں کی بستی کا جائزہ لیا جائے جو سیکائی والوں کے لئے دشمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ خیال پہلے بھی میرے ذہن میں تھا۔ یہاں اس بستی میں رہ کر اور مجھے کرنا بھی کیا تھا۔ ہاکو سے میں نے ان لوگوں کی بستی کی سمت بھی معلوم کر لی تھی۔ چنانچہ میں اس سمت چل پڑا۔ عموماً میں کوشش یہی کرتا تھا کہ لوگوں کی نگاہوں میں نہ آؤں اور ان سے بچ کر چلوں۔ لیکن اس کے باوجود جو لوگ مجھے دیکھتے کھڑے ہو جاتے اور متعجبانہ انداز میں مجھے دیکھنے لگتے۔ ایسے چند لوگ میرے شناسا بھی بن گئے تھے جو مریض کی حیثیت سے ہاکو کے پاس گئے تھے اور انہوں نے مجھے وہاں دیکھا تھا۔

پھر میں بستی کی سرحد پر پہنچ گیا۔ ایک طرح سے سرحد ہی متعین کر دی گئی تھی۔ یوں بھی یہاں بستی والوں کے مکانات نہیں تھے۔ بس ایک طویل علاقہ بنجر پڑا ہوا تھا۔ گویا ان لوگوں نے اس علاقے میں کاشت بھی نہیں کی تھی۔ یقیناً یہ ان کا ذہنی بخار تھا، ان سے دُور رہنے کی خواہش تھی۔

سرحد سے کافی دُور تک کی زمین خالی پڑی تھی۔ یہاں درّے اور گھاٹیاں تھیں اور اس کے بعد ایک خوبصورت آبادی نظر آ رہی تھی، بڑے بڑے اور کشادہ مکانات پر مشتمل آبادی۔ اور ان مکانوں کو دُور سے دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہاں کے رہنے والے سیکائی کے باشندوں سے زیادہ ذہین ہیں اور عمدہ طرزِ رہائش رکھتے ہیں۔

بہرحال میں ان لوگوں کی طرف چل پڑا۔ میرے انداز میں کوئی جھجک نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بستی کے نزدیک پہنچ گیا۔

سیکائی میں اور اس چھوٹی سی بستی میں نمایاں فرق نظر آ رہا تھا۔ یہ بستی سیکائی کی نسبت کافی صاف ستھری تھی اور یہاں زندگی کی ضرورتوں کو نسبتاً آسان

پھر مجھے چند لوگ نظر آئے جو کھیتی باڑی کر رہے تھے۔ یہ سبزوں ... تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے کام چھوڑ دیئے اور تعجب انگیز ... مجھے دیکھنے لگے۔

پھر دو ضعیف العمر مرد آگے بڑھے اور پُر اخلاق لہجے میں بولے۔ "آؤ ... کائی کی جانب سے آنے والوں کو ہم ہمیشہ محبت کی نگاہوں سے ... ہیں۔"

"میں بھی تمہیں محبت کا پیغام دیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"لیکن کیا تم سیکائی کے باشندے ہو؟" ایک بوڑھے نے مجھے قریب ... دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن سیکائی میں مہمان ضرور ہوں۔"

"اوہ، کہیں باہر سے آئے ہو؟"

"ہاں۔"

"خیر کچھ بھی ہو، ہمارے مہمان ہو۔ آؤ، تمہیں لیکاشا کے پاس لے ... بقیہ گفتگو تم سے وہ کرے گا۔ وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گا۔"

"لیکاشا کون ہے؟" میں نے بوڑھوں کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارا سردار۔"

"مطلب یہ تمہارے پورے قبیلے کا سردار؟"

"نہیں۔ صرف اس بستی کا۔"

"اوہ، تو تمہاری بستیوں کے سردار ہوتے ہیں؟"

"ہاں۔ اور ہم انہی کے احکامات پر چلتے ہیں۔"

"خوب۔" میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مکانات بڑے سلیقے اور ترتیب سے بنے ہوئے تھے۔ گلیاں صاف ستھری تھیں اور لوگ ... لباسوں میں ملبوس تھے۔ بلاشبہ یہ لوگ سکائی والوں سے زیادہ ذہین تھے۔

پھر ایک بڑے سے مکان کے سامنے وہ رُک گئے۔

"باغا۔ تم اندر جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" دوسرے بوڑھے نے کہا اور مکان میں داخل ہو گیا۔ اور پھر زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند ہی ساعت کے بعد وہ ایک اور بوڑھے شخص کے ساتھ باہر آیا جس کے بدن پر ٹخنوں تک کا لباس تھا۔ وہ گول ٹوپی پہنے ہوئے تھا، لمبی داڑھی تھی۔ لیکن آنکھوں سے وہ کافی زیرک اور چالاک نظر آتا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پُر شفقت مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن اس کی گہری آنکھیں جیسے مجھے اندر تک سے ٹٹول رہی تھیں۔

"خوش آمدید۔ سیکائی سے آنے والے! خوش آمدید۔ مُراد اس سے نہیں کہ تو وہاں کا باشندہ ہے یا نہیں۔ مہمان کہیں سے بھی آئیں اور کوئی مقصد لے کر آئیں، مہمان ہوتے ہیں۔ آ۔ اندر آ جا۔!"

بوڑھے کی باتوں سے مکاری کی بُو صاف آ رہی تھی۔ لیکن احمق نہیں جانتا تھا کہ واسطہ کس سے ہے۔ میں خاموشی سے اندر داخل ہو گیا۔ اس بوڑھے نے ان دونوں کو واپسی کا اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ چلے گئے اور

بوڑھا مجھے لیکر ایک کشادہ کمرے میں پہنچ گیا۔

"میں اس بستی کا نگران ہوں۔ انہوں نے اپنے حفاظتی امور مجھے سونپ رکھے ہیں اور میں ان کی خدمت کرتا ہوں۔ میرا نام استوذ ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔ میرا نام سبوتا ہے۔"

"ہاں۔ مجھے علم ہے۔"

"کیا علم ہے؟" میں نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا۔

"یہی کہ تیرا نام سبوتا ہے۔ تو کہیں باہر سے آیا ہے اور حکیم ہاکو کا مہمان ہے۔" بوڑھے استوذ نے جواب دیا اور درحقیقت پروفیسر! میں حیران رہ گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان لوگوں نے سیکائی میں جاسوسوں کا اتنا مضبوط جال پھیلا رکھا ہے۔

"خوب۔ میں بہت متاثر ہوا۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا استوذ؟"

"اوہ۔ میری رُوحانی قوتیں مجھے بہت سے رموز سے آگاہ رکھتی ہیں۔" بوڑھے نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ اور میں اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

کیا مکار بوڑھا جھوٹ بول رہا ہے؟ کچھ ایسا ہی احساس ہوا لیکن اگر معاملہ، درحقیقت رُوحانی قوتوں کا ہے تو۔ تو پھر اسے فوما کے بارے میں بھی معلوم ہو گا۔ اور اگر ایسی بات ہے تو بہرحال ٹھیک نہیں ہے۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا میرے بچے؟" بوڑھے نے کہا۔

"نہیں، تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ اور میں تمہاری رُوحانی قوتوں کا دل سے قائل ہو گیا ہوں۔ میں تہِ دل سے ایسے بزرگوں کی عزت اور احترام کرتا ہوں۔"

"اوہ، تمہارا شکریہ میرے بچے۔ ہاں مجھے چند لمحات کی اجازت دو۔ ابھی واپس آتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا اور اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں نے دلچسپی کی گہری گہری سانسیں لی تھیں اور پھر میں بوڑھے کے بارے میں سوچنے لگا۔ چالاک آدمی تھا، گہری نگاہوں کا مالک۔ اگر اُس کی رُوحانی قوتوں نے اُسے میرے بارے میں بتا دیا ہے تو پھر فوما کے بارے میں وہ لاعلم کیوں ہے۔ یا اگر اسے فوما کے بارے میں بھی معلوم ہے تو اُس نے چھُپانے کی کوشش کی ہے۔

بہرحال جو کچھ ہے، سامنے آ جائے گا۔ میں اُس کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحات کے بعد دروازے کے قریب آہٹ سنائی دی اور میری نگاہیں دروازے کی جانب اُٹھ گئیں۔ لیکن جو چہرہ مجھے نظر آیا اسے دیکھ کر میں اچھل کر بیٹھ گیا۔

نہایت خوبصورت لڑکی تھی۔ شانوں سے ٹخنوں تک کا، سِلا ڈھالا سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ نہایت سڈول بدن کی مالک۔ اس نے بڑی بڑی حیران آنکھوں سے مجھے دیکھا اور پھر جیسے اپنے یہاں آنے کی وجہ بھول گئی۔ وہ ٹکر ٹکر مجھے دیکھتی رہی تھی۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اندر آؤ۔" بالآخر میں نے ہی اُسے مخاطب کیا اور وہ چونک پڑی

لیکن پھر شاید اسے عقب میں کوئی آہٹ سُنائی دی تھی۔ دوسرے لمحے وہ دروازے سے غائب ہو گئی۔ اور پھر چند ساعت کے بعد بوڑھا استوذ ایک آدمی کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ ملازم قسم کا آدمی ہاتھوں میں ایک بڑا خوان اُٹھائے ہوئے تھا۔

خوان میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ اس میں انواع واقسام کے پھل رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی مشروب بھی تھا۔

"شروع کرو میرے معزز مہمان!" بوڑھے نے اسی شفقت بھرے لہجے میں کہا۔ اور خود بھی میرے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ میں نے بھی تکلف نہیں کیا تھا۔ اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ میں نے اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ خاصی خوبصورت تھی اور اس کی آنکھوں میں مجھے جو کچھ نظر آیا تھا، وہ اجنبی نہیں تھا۔ یقیناً اس کی آنکھوں نے مجھے کچھ پیغام دیئے تھے۔ بوڑھا بھی خاموشی سے کھا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں پھر اچانک اس نے گردن اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"سیکائی کے لوگوں کو معلوم ہے کہ تم اس طرف آئے ہو؟"

"نہیں۔ میں نے کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔"

"بتا دیتے تو شاید وہ تمہیں یہاں آنے بھی نہیں دیتے۔"

"اوہ، کیوں؟"

"وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں۔"

"اوہ۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"میں نہیں جانتا نوجوان! کہ تم اندر سے کیا ہو۔ سیکائی والوں کے لئے کس قسم کے جذبات رکھتے ہو۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تم کسی خاص مقصد کے تحت یہاں آئے ہو۔ یا صرف یونہی نکل آئے ہو۔ لیکن تم کچھ بھی ہو میرے لئے مہمان ہو۔ اور میں ایک میزبان کے طور پر تمہارا احترام کرتا ہوں۔ ہاں اگر پسند کرو تو اپنے بارے میں بتا دو۔"

"اپنے بارے میں؟"

"ظاہر ہے تم سیکائی کے باشندے تو نہیں ہو بلکہ اپنے انداز سے اس پورے خطے کے باشندے نہیں معلوم ہوتے۔ پھر تم کون ہو اور حکیم ہاکو سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس سمندر کے راستے سفر کرتا اس طرف آ نکلا تھا۔ کچھ بیمار ہو گیا تھا اس لئے لوگوں سے پوچھ گچھ کر کے ہاکو تک پہنچ گیا۔ اور اس نے مجھے اپنا مہمان بنا لیا۔"

"اوہ، یہ بات ہے۔"

"ہاں۔"

"تب ٹھیک ہے تم سیکائی کے مہمان ہو۔ جب ہاکو کے یہاں سے دل بھر جائے تو یہاں بھی کچھ روز گزارنے کی دعوت قبول کرو۔"

"ضرور، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن سیکائی کے لوگ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟"

"صرف اس لئے کہ ہم اس علاقے میں پیدا نہیں ہوئے۔ بس اتنا سا اختلاف ہے انہیں ہم سے۔ زمین وسیع ہے اور ہم اس کے ہر حصے میں رہ سکتے ہیں۔ نہ جانے لوگوں نے اسے صرف اپنی ذات پر ختم کیوں سمجھ لیا ہے۔ ہم بھی انسان ہیں اور زمین پر زندگی گزارنے کا حق رکھتے ہیں بس انہوں نے ہمارے اس حق کو تسلیم نہیں کیا۔"

"اوہ" میں نے تاسف سے کہا۔

"لیکن انسان ـــ بہر حال زمین کی ضرورت پوری کرنے کے لئے مجبور ہے۔ ان لوگوں کی نفرت کے باوجود ہمیں زمین کے کچھ ٹکڑے تو اپنانے ہی ہوں گے۔ ہم نے نفرت کا مقابلہ ہمیشہ محبت سے کیا ہے اور آج بھی اسی اصول پر کاربند ہیں۔"

"اچھا اصول ہے۔" میں بوڑھے کی بکواس پر کان ہی نہیں رکھ رہا تھا۔

"تم نے سیکائی کے لوگوں سے ہمارے بارے میں سُنا ہو گا؟"

"ہاں۔"

"کیا کہتے ہیں وہ لوگ؟"

"نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے تم نے ان کے فوما کو قتل کرایا ہے۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"ہاں، ان کا یہی خیال ہے۔ لیکن ہم صرف سر چھپانے کے قائل ہیں۔ نئی حکومت بن گئی ہے اور ظاہر ہے وہ مقامی لوگوں کی حکومت ہے۔"

"ہاں۔ لیکن ان کے خیال کے مطابق نیا حکمران تمہارا پٹھو ہے۔"

"یہ بھی ان کا خیالِ خام ہے۔"

"اور فوما کے قتل کے بارے میں؟"

"تم خود سوچو۔ ہمیں کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنی موت مرا اس میں ہمارا کیا ہاتھ ہے" اور بوڑھے کی رُوحانیت کا راز کُھل گیا۔ اسے فوما کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ لیکن پھر اُسے میرے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟ بہرحال اس بارے میں بھی پتہ چل جائے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانے پینے سے فراغت ہو گئی۔

"بہر حال تمہاری آمد کا شکریہ ـــ خود حکیم ہاکو کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" بوڑھے نے اپنا کام شروع کر دیا۔

"میں نے اُس سے اس بارے میں نہیں پوچھا۔ ظاہر ہے یہ میری دلچسپی کا موضوع نہیں ہے۔ میں تو آوارہ گرد ہوں۔ کچھ عرصہ یہاں ہوں پھر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"اوہ، یہ بھی درست ہے۔ لیکن کیا تمہیں یہ علاقہ پسند نہیں آیا؟"

"نہیں۔ اچھا علاقہ ہے۔"

"پھر یہاں رہائش کیوں نہیں اختیار کر لیتے؟"

"یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔"

"اوہ، پھر بھی۔ میں تمہیں یہاں کچھ عرصہ قیام کی دعوت دیتا ہوں!"

"شکریہ استوذ ـــ ابھی تو میں یہاں ہوں۔"

"تم اگر چاہو تو میں تمہیں اپنے اعلیٰ لوگوں سے بھی ملاؤں۔ ہم ان لوگوں کی دل سے قدر کرتے ہیں۔"

"میں اس دعوت کو ضرور قبول کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ اور پھر میں نے کہا۔ "میں تمہاری بستی دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔"

"اوہ" ایسی جلدی کیا ہے۔ ابھی تم یہاں چند روز قیام کرو۔"

"آج نہیں۔ میں نے ہاکو کو بتایا نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ میں اس سے اجازت لیکر چند روز کے لئے یہاں آجاؤں گا۔"

"اوہ، میرے دوست! پھر مشکل ہو گا۔ وہ تمہیں اجازت نہیں دے گا۔"

"نہیں استوذ! میں صرف اس کا مہمان ہوں، پابند نہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن پھر وہ تمہارے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

"تب پھر میں انہیں بتاؤں گا ہی نہیں کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔"

"ہاں۔ یہی مناسب ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بہت جلد یہاں آجاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔ اور بوڑھا استوذ گردن ہلانے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔

"تم نے بستی دیکھنے کے لئے کہا تھا۔"

"ہاں۔"

"تم چاہو تو میں اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ سیکائی کی نسبت تمہاری بستی خوبصورت اور صاف ستھری ہے۔ میں اسے دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا اور ایک بار پھر وہ مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ اس کے ساتھ دو جوان آدمی تھے۔ جو عمدہ لباسوں میں ملبوس تھے۔

"یہ دونوں تمہیں بستی دکھا دیں گے۔"

"شکریہ استوذ ـــ میں تمہاری اس مہمان نوازی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا اور بہت جلد دوبارہ یہاں آنے کی کوشش کروں گا۔" استوذ نے مجھ سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا تھا اور پھر میں اُن دونوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ دونوں آدمی خاموش طبع تھے اور سعادت مندی سے میرے ساتھ چل رہے تھے۔

میں بستی دیکھ رہا تھا۔ بلاشُبہ سیکائی کی نسبت یہ مثالی بستی تھی۔ وہ دونوں مجھے اپنی زراعت اور اپنے رہن سہن کے انداز کے بارے میں بتانے لگے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہمیں معلوم ہے کہ سیکائی کے رہنے والے زندگی کی بہت سی ضرورتوں میں ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ ہم خلوصِ دل سے ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں اور انہیں زندگی کی سہولتوں کے حصول میں مدد دینا چاہتے ہیں لیکن وہ ہم سے بغض رکھتے ہیں اور صرف ہماری مخالفت کرنے میں خوش رہتے ہیں۔"

"کیا تم لوگوں نے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی؟"

"بارہا ـــ لیکن وہ ہمارے وجود سے نفرت کرتے ہیں۔"

"اس طرح تو وہ تمہیں زندگی کی ضرورتوں کے حصول میں پریشان بھی کرتے ہوں گے؟"

"ہر ممکن طریقے سے۔"

"دوسرے لوگوں سے رابطہ قائم کرنے میں تمہیں اپنے ساحل سے کام لینا ہوتا ہو گا؟"

"ہاں۔"

"میں ساحل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آؤ۔" انہوں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ میں نے یہاں عمدہ قسم کی کشتیاں دیکھیں۔ ان میں بعض کشتیاں کافی بڑی تھیں۔ یہاں سے میں نے سیکائی کا ایک ساحل بھی دیکھا جو بہت زیادہ دُور نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر کبھی سیکائی والوں اور ان لوگوں میں براہِ راست تصادم ہوا تو ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے یہ ساحل عمدہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

میں ساحل کے ساتھ دُور تک چلا گیا۔ دونوں میرے ساتھ تھے اور پھر جب میں وہاں سے ہٹ رہا تھا تو یکایک میں نے اسی لڑکی کو دیکھا اُس نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور تیز رفتاری سے اس طرف آ رہی تھی۔ پھر وہ ہمارے پاس پہنچ گئی

"بابا استوذ تمہیں طلب کرتا ہے۔" اُس نے کہا

"مہمان کو بھی؟"

"نہیں صرف تمہیں۔ مہمان کو میرے سپرد کر دو۔" اس نے کہا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر گہری سانس لیکر گردن ہلا دی۔ پھر وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ لڑکی انہیں جاتے دیکھتی رہی پھر اُس نے مسکراتی نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور بولی "میرا نام پوستیا ہے۔"

"اوہ، خوبصورت نام ہے۔"

"شکریہ۔ لیکن مجھے اپنا نام نہ بتانا۔ میں جانتی ہوں۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ کیا نام ہے میرا؟"

"سبوتا۔" اُس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بیحد دلکش تھی۔

"خوب۔ میرا خیال ہے یہاں سب رُوحانی قوتوں کے مالک ہیں۔ تم نے بھی میرا نام رُوحانی قوتوں کے ذریعے ہی معلوم کیا ہے نا؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیوں ـــ تمہیں رُوحانی قوتوں کا خیال کیوں آیا؟"

"بستی کے سردار استوذ نے بھی مجھ سے واقفیت کا اظہار کیا تھا۔ اُس نے مجھے بتا دیا تھا کہ میں ہاکو کا مہمان ہوں۔"

"اوہ، اُس نے تمہیں پہچان لیا ہو گا۔"

"مگر کس طرح ؟"
"میں نے اسے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔"
"تم نے ؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"ہاں۔ استوذ میرا باپ ہے۔"
"اوہ' تو اصل رُوحانی قوت تمہاری ہے ؟"
"کہہ چکی ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"
"پھر — تمہیں کسی نہ کسی طرح سے تو میرے بارے میں معلوم ہوا ہوگا ؟"
"ہاں۔ لیکن ابھی نہیں بتاؤں گی۔" وہ کسی قدر شوخی سے بولی۔
"اوہ' پھر کب ؟"
"بس پہلے تم سے کچھ باتیں کروں گی۔ تمہیں یاد ہے تھوڑی دیر پہلے میں نے تمہیں استوذ بابا کے کمرے میں دیکھا تھا۔"
"ہاں' مجھے یاد ہے۔"
"میں تم سے اسی وقت گفتگو کرتی لیکن پیچھے سے استوذ بابا آ گئے تھے۔"
"ہاں۔ میں نے محسوس کیا تھا۔"
"تم نے میرے اس طرح بھاگ جانے کا بُرا تو نہیں منایا تھا ؟"
"نہیں۔ اُس وقت میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔"
"اوہ' ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن میں تمہیں اُسی وقت پہچان گئی تھی۔"
"تم نے کہا ہے کہ تم خود مجھے بتاؤ گی کہ تم مجھے کس طرح جانتی ہو۔ اس لئے اب میں اُس وقت تک نہیں پوچھوں گا جب تک تم خود نہیں بتاؤ گی۔"
"اوہ۔" وہ ہنس پڑی۔ "آؤ' بستی میں اب تم کیا دیکھو گے۔ سمندر کے کنارے کنارے چہل قدمی کرتے ہیں۔ ویسے بستی کی اور کسی چیز سے تمہیں دلچسپی تو نہیں ہے ؟"
"قطعی نہیں۔"
"ویسے میں بھی بہت چالاک ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم سے ملنے کے لئے کیا چال چلی ؟"
"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
"اچھا اب میں تمہیں بتلائے دیتی ہوں کہ مجھے تمہارے بارے میں کیسے معلوم — یہ بتاؤ — شمانہ کو جانتے ہو ؟" اس نے پوچھا۔ صرف ایک لمحے کے لئے میرے قدم رُکے اور پھر میں نے خود پر قابو پالیا۔
"ہاں۔ اچھی طرح۔"
"پوری سیکائی میں اس کی دوستی صرف دو افراد سے ہے۔ ایک ہر اور دوسری سلاکا — کیا سمجھے ؟"
"اوہ' وہ تمہاری دوست ہے ؟" میں نے تعجب سے پوچھا
"اور سلاکا کی بھی۔"
"سلاکا کون ہے ؟"
"وہ سیکائی میں ہی رہتی ہے۔"
"خوب۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو شمانہ نے بتایا تھا کہ وہ آجکل سخت پریشان ہے۔ اور اس کی وجہ سیکائی میں گھس آنے والا ایک اجنبی ہے جس کا نام سبوتا ہے۔ شمانہ نے بتایا تھا کہ سبوتا نے اس کی بے عزتی کی ہے اور وہ اس سے انتقام لے کر رہے گی۔ یہ بات اُس نے چند روز قبل بتائی تھی۔ اس کے بعد میری اُس سے آج ملاقات ہوئی......"
"آج ؟" میں چونک پڑا۔
"ہاں۔ اُسے یہاں سے گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔"
"اوہ' کہاں گئی ہے وہ ؟"
"واپس سیکائی۔"
"خوب — ہاں تو اُس نے کیا بتایا تھا ؟"
"وہ دیوانی اپنا مکان جلا بیٹھی ہے۔ اس نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا تھا کہ ہاکو کا اجنبی مہمان انسان نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اتنا طاقتور ہے کہ درخت جڑ سے اُکھاڑ لیتا ہے۔ آدم خور مچھلیوں کے پورے غول کے درمیان سے صاف نکل آتا ہے اور جلتے ہوئے مکان سے بھی صاف نکل آتا ہے۔ بڑی حیران تھی وہ۔"
"بہت خوب۔ لیکن اُس نے تمہیں میری پہچان کیا بتائی تھی ؟"
"اُس نے کہا تھا کہ وہ سیکائی میں رہنے والوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس کا رنگ آگ کی مانند ہے اور اس کا بدن بیحد خوبصورت ہے۔ چنانچہ میں نے تمہیں دیکھتے ہی صاف پہچان لیا۔ سکائی میں اور خود ہماری بستی میں تمہارے جیسا کوئی نوجوان نہیں ہے۔"
"اُس نے اپنا مکان کیوں جلا دیا تھا ؟"
"بس وہ انتقام میں پاگل ہو رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر تمہیں ہلاک کر دینا چاہتی ہے۔"
"ہوں —" میں نے ایک گہری سانس لی "لیکن اس کا مکان جل چکا ہے۔ اب وہ کہاں گئی ہے ؟"
"سلاکا کے پاس۔ جب تک اس کا مکان دوبارہ نہیں بن جائے گا' وہ سلاکا کے پاس رہے گی۔"
"سلاکا کون ہے ؟"
"جبوتی کی بیٹی — اُسی کی طرح وحشیانہ شوق رکھتی ہے۔"
"تمہارے پاس وہ اکثر آتی رہتی ہے ؟"
"ہاں۔"
"استوذ بھی اُسے بہت چاہتا ہوگا ؟"
"ہاں۔ لیکن تم کیسے انسان ہو' مستقل اُسی کے بارے میں گفتگو کر رہے ہو۔ تم نے مجھ سے میرے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔" اس کے لہجے میں شکایتی انداز تھا۔
"اس کے بعد میں تم سے تمہارے بارے میں ہی گفتگو کرنے والا تھا۔" میں نے کہا اور اس کا چہرہ بحال ہو گیا۔

"میں تمہیں بتاؤں میں نے کتنی چالاکی سے کام لیا ہے ؟"
"بتاؤ۔"
"بس میرے دل میں تم سے ملاقات کی خواہش تھی اور میں تاک میں لگی ہوئی تھی۔ میں نے چھپ کر بابا کی باتیں سُنیں۔ پتہ ہے اُس نے ان دونوں کو کیا ہدایات دی تھیں ؟"
"نہیں — بتاؤ ؟" میں نے دلچسپی سے کہا۔
"اُس نے انہیں ہدایات دی تھیں کہ تمہیں مغربی حصے کی طرف نہ لے جایا جائے اور کسی چیز کے بارے میں تفصیل نہ بتائی جائے۔"
"اوہ' مغربی حصے میں کیا بات ہے ؟"
"بس وہاں ہماری بستی کے مفادات کے کام ہوتے ہیں۔ وہاں اسلحہ بھی بنتا ہے اور دوسرے علاقوں سے بھی اسلحہ آتا ہے — دیکھو نا! سیکائی والے کبھی ہمارے اوپر حملہ بھی کر سکتے ہیں۔"
"ہاں' یہ تو ہے۔" میں نے جلدی سے کہا
"بس میں سمجھ گئی کہ بابا تمہارے اوپر شک بھی کرتا ہے لیکن اس کی باتوں سے ایک اور بات کا بھی اظہار ہوتا تھا۔"
"کس بات کا ؟"
"اسے اندازہ ہے کہ تم بہرحال باہر کے انسان ہو۔ ممکن ہے تم سیکائی والوں کے لئے دل میں کوئی ہمدردی نہ رکھتے ہو۔ بابا کا خیال تھا کہ اگر تم ہمارے دوست بن جاؤ' تو سیکائی میں رہ کر سیکائی والوں کے بارے میں معلومات بھی فراہم کر سکتے ہو۔"
"اوہ — کیا شمانہ سے اس بارے میں مکمل معلومات حاصل نہیں ہوتیں ؟" میں نے بے اختیار پوچھا۔
"کہاں — وہ تو پاگل ہے۔ کسی معاملے سے دلچسپی ہی نہیں رکھتی۔ بس کوئی اوپر کی بات معلوم ہو تو بتا دیتی ہے۔ ورنہ — اور پھر وہ بھی اُس کی مرضی پر ہے' ورنہ کوئی اس سے کیا پوچھ سکتا ہے۔"
"ہاں — بڑی پریشانی ہوتی ہوگی۔ لیکن تم نے آخر استوذ سے کیا کہا ؟"
"بس میں نے بابا کو تمہاری خوبیاں بتائیں۔ اور وہ حیران رہ گیا۔ میں اُس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ بس اُس نے کہا کہ میں ذرا جاؤں۔ ان دونوں کو بھیج دوں اور خود تم سے دوستی کر لوں۔ پھر ہم تمہیں اپنے لئے استعمال کریں گے۔ اور میں تو یہی چاہتی تھی۔"
"واہ۔ تم بیحد چالاک ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"اور خوبصورت ؟" اُس نے مجھے دیکھا۔
"خوبصورت تو بے پناہ ہو۔"
"اوہ۔" اس کا لہجہ خوشی سے کانپنے لگا۔ چند ساعت وہ بیخود سی رہی' شرمائی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "بہت سے لوگوں نے مجھ سے یہ بات کہی ہے لیکن مجھے ذرا بھی اچھی نہیں لگی۔ لیکن تمہارے

منہ سے یہ کتنا اچھا لگتا ہے۔"
"واقعی؟"
"ہاں۔ تم خود بھی تو بڑے الو کھے ہو۔ لیکن کیا تم درحقیقت درختوں کو جڑ سے اکھاڑ لیتے ہو؟"
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔
"لیکن کس طرح؟"
"کسی دن تمہیں دکھادوں گا۔"
"میں ضرور دیکھوں گی اور ہاں، تم سیکائی سے یہاں قیام کے لئے آؤ گے نا؟"
"قیام کے لئے آنا مناسب نہیں ہے۔ اگر تمہارا بابا مجھ سے یہ کام لینا چاہتا ہے تو پھر میرا وہیں رہنا مناسب ہے۔ ہاں میں یہاں آتا جاتا رہوں گا اور تمہیں وہاں کے حالات بتاتا رہوں گا۔"
"یہ ٹھیک ہے۔ روزانہ آؤ گے نا؟"
"ہاں۔ کوشش یہی کروں گا۔"
"تو میں بابا سے کہہ دوں کہ میں نے تمہیں دوست بنالیا؟"
"ضرور کہہ دینا۔"
"بس اب سب ٹھیک ہوگیا۔ لیکن ایک بات اور بتاؤ۔" اس نے کہا اور میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ "تم شمانہ کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو؟"
"اوہ بس ایسے ہی۔ میری اس سے دشمنی جو ہے۔"
"محبت تو نہیں اس سے کرتے؟" اُس نے بے باکی سے پوچھا
"ہرگز نہیں۔"
"واہ۔ اُس بے وقوف کا یہی خیال تھا۔ اب ٹھیک ہے۔ پھر کسی اور سے محبت کرتے ہو؟"
"نہیں۔"
"تو پھر مجھ سے کرلو۔" اُس نے کہا اور میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ محبت کرنے کے لئے تو وہ بھی بُری نہیں تھی پوفیسر! گو شمانہ کے مقابلے کی نہیں تھی لیکن بہرحال خوب تھی، اور پھر معصوم بھی تھی چنانچہ میں نے کہا۔
"مگر مجھے تو محبت کرنا بھی نہیں آتی۔"
"میں سکھادوں گی۔" اس نے بڑے خلوص سے کہا۔ اور میں نے ایک گہری سانس لے کر آسمان کی طرف دیکھا۔
"ہاں۔ میں پوری طرح محبت کرنا سیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے اس کے چہرے پر شرم کے آثار دیکھے۔
شام جھک آئی تھی۔ میں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور پوستیا مجھے دُور تک چھوڑنے آئی۔ اس کے چہرے سے کرب نمایاں تھا۔
"کل کس وقت آؤ گے؟"
"صبح۔"
"میں اسی جگہ ملوں گی۔"
"اوہ، ٹھیک ہے۔" میں نے کہا
اور پھر وہاں سے تیز رفتاری سے چل پڑا۔ اور دوسرے لوگوں کی بہ نسبت کافی پہلے بستی سیکائی پہنچ گیا۔ بستی میں میرا کوئی کام نہیں تھا۔ چنانچہ میں ہاکو کے مکان کی طرف چل پڑا۔ اور تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گیا۔
ہاکو اور فوما بیٹھے گفتگو کررہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ہاکو نے گہری سانس لی۔ "آگئے سبوتا۔ کہاں چلے گئے تھے۔ آج تو تم نے پورا دن باہر گزار دیا۔"
"ہاں۔" میں نے گہری سانس لی۔ "کیا تم میرے لئے پریشان تھے؟"
"پہلے نہیں تھا، اب ہوگیا ہوں۔ دراصل تم نے جس سے دشمنی مول لی ہے، وہ...... وہ مجھے فکر میں مبتلا کردیتی ہے۔ حالانکہ......"
"تم اب بھی میرے لئے فکرمند ہو ہاکو؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بس انسانی ذہن بےحد کمزور ہوتا ہے۔ لیکن تم نے پورا دن کہاں صَرف کیا۔ کہاں چلے گئے تھے؟" ہاکو نے پوچھا۔
"زرد رو دشمنوں کی بستی میں۔" میں نے جواب دیا اور ہاکو اور فوما دونوں اُچھل پڑے۔ وہ تعجب سے میری شکل دیکھنے لگے تھے۔ کئی لمحات تک وہ کچھ نہ بول سکے۔ پھر فوما میرے قریب آگیا اور میرے بازو کو پکڑ کر آہستہ سے بولا۔
"ان سے تمہاری ملاقات بھی ہوئی تھی؟"
"ہاں۔ اس چھوٹی سی بستی کے سردار استوذ سے۔" میں نے جواب دیا اور ہاکو نے تھوک نگلا۔
"کیا گفتگو ہوئی تمہاری اس سے؟" فوما نے پوچھا۔
"بہت سی باتیں ہوئیں۔ لیکن تمہارے انداز میں اضطراب کیوں ہے فوما؟"
"ابھی تھوڑی دیر قبل ہاکو سے یہی گفتگو ہو رہی تھی۔ ہاکو بتا رہا تھا کہ یہ لوگ لفظوں کے جادوگر ہوتے ہیں۔ سیکائی کے لوگوں پر انہوں نے کیا کیا نوازشیں نہ کیں لیکن ان کا مقصد — ان کا مقصد نیک نہیں ہوتا۔"
"تو پھر — اس سے کیا مقصد ہے؟"
"ہاکو نے اس تشویش کا اظہار کیا تھا کہ کہیں وہ تم پر اخلاق کے داؤ آزمانے کی کوشش نہ کریں۔" فوما نے جواب دیا۔
"مجھے تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی فوما — اول تو میں کسی قسم کی پابندی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ دوسری بات یہ کہ تم نے میرے بارے میں اس انداز سے کیوں سوچا۔ حکیم ہاکو کی ساری حکمت ان الفاظ کی وجہ سے میری نگاہوں میں پھیکی پڑ گئی ہے۔ وہ مجھے اچھی طرح جاننے کے بعد بھی ان خیالات سے متاثر ہوتا ہے۔"
دونوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ فوما نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ہاکو کی طرف دیکھا اور ہاکو نے شرمساری سے گردن جھکالی۔
"مجھ سے غلطی ہوگئی ہے سبوتا۔ میں شرمسار ہوں۔" اس نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ ادا کئے۔ فوما کی نگاہیں بھی جھکی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے چہرے دیکھ کر میرے ذہن سے ناگواری کا احساس کافور ہوگیا۔ دونوں بے چارے پریشانیوں کے مارے ہوئے تھے، تب میں نے کہا۔
"بھول کر بھی ان احساسات کو ذہن میں جگہ نہ دو ہاکو۔ میں ناپختہ ذہن کا مالک نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ اگر زرد رو حق پر ہوئے اور بے قصور ثابت ہوئے تو بھی ظاہر ہے تم مجھے ان کی طرف داری سے نہیں روک سکو گے اس لئے فضول قسم کی تشویش کا شکار نہ ہو۔"
"میری صرف ایک درخواست ہے سبوتا۔" فوما نے لرزتی آواز میں کہا۔
"کیا؟"
"بے شک تمہیں کسی کی طرفداری سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن حقائق پر گہری نگاہ رکھنا۔ کہیں ہماری بدبختی کا کوئی نیا دور نہ شروع ہوجائے۔"
"میری بھی تم سے ایک درخواست ہے فوما۔"
"ہاں ہاں۔ ضرور کہو۔"
"کسی بھی بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دو۔ میں یہاں تمہاری وجہ سے آیا ہوں۔ اگر میں ان کا طرفدار بنا تو تم سے چھپاؤں گا نہیں۔ کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں، بے مقصد بدگمانی مجھے اس علاقے سے بیزار کردے گی اور میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"
"ایسا ہی ہوگا سبوتا۔ ہمیں ہماری حماقت پر صرف ایک بار معاف کردے، صرف ایک بار۔" فوما مجھ سے لپٹ گیا اور میں نے اس کی کمر تھپتھپائی۔
"اور میں تو خود کو خود بھی معاف نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس بیکار خدشے کا اظہار کرنے والا میں ہی ہوں۔" ہاکو نے کہا۔
"ہاں حکیم ہاکو — تیرا جرم زیادہ ہے کیونکہ میں تجھے اپنی زندگی کی کہانی سُنا چکا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"میں ان لمحات سے آشنا نہیں تھا اور نہ ہی انہیں تسلیم کرتا تھا۔ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ذہین سے ذہین انسان کو احمق بنا دیتے ہیں۔ بہرحال ان سے بھی واقفیت ہوگئی۔"
"اچھا فضول باتیں چھوڑو۔ آؤ اس بستی کی بات کریں۔" میں نے کہا اور دونوں خوش ہوگئے۔ انہیں احساس ہوگیا تھا کہ میری طبیعت کا تکدر دھل گیا ہے۔ بہرحال دونوں پُر اشتیاق چہرے لئے میرے سامنے بیٹھے تھے۔
"ان لوگوں کی بستی تقریباً ڈیڑھ سو مکانات پر مشتمل ہے اور اگر ان کے مکانوں میں فی مکان پانچ مکین کا اوسط بھی لگایا جائے تو گویا کل سات سو پچاس افراد ہوئے۔ لیکن ان کے ساحل آزاد ہیں اور ضرورت کے وقت وہاں اچانک افراد کی قوت بڑھ سکتی ہے۔"
"بے شک۔ یقیناً۔" فوما نے کہا۔
"اس کے علاوہ، وہ لوگ اس بات سے بھی لاپرواہ نہیں کہ کسی وقت سکائی کے لوگ مشتعل ہوکر ان پر حملہ نہ کردیں۔ اگر ایسا ہوا اور سیکائی کے حملہ آور وہاں گئے تو انہیں خوفناک مزاحمت کا سامنا ہوگا۔"
"وہ کس طرح؟" فوما نے بے ساختہ پوچھا
"کیونکہ وہ زبردست ہتھیاروں سے مسلح ہوں گے۔"
"اوہ، کیا ان کے پاس ہتھیاروں کے ذخیرے ہیں؟"
"دیکھ نہیں سکا، سُن چکا ہوں۔ وہ لوگ اپنی بستی کے ایک مخصوص علاقے میں ہتھیار تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس باہر سے بھی ہتھیار آتے ہیں۔"
"اوہ، اوہ۔" ہاکو نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔
"لیکن بظاہر ان کے ارادے خطرناک نظر نہیں آتے۔ کیونکہ انہیں نوما کی موت کا پورا پورا یقین ہے اور شاید وہ شبالا کی حکمرانی سے مطمئن بھی ہیں۔"
"یقیناً ہوں گے۔" فوما نے کہا۔
"بس یہی چند باتیں ہیں۔ سیکائی کے لوگوں کی کارروائیوں سے وہ باخبر رہنے کے خواہشمند ہیں اور اس کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں تمہیں ایک خاص بات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں لیکن ابھی نہیں۔ ہاں کل کی رات میں اور فوما تمہارے ساتھ چلیں گے اور میں تمہیں کچھ بقیہ باتیں بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔ میرے ذہن میں وہ ساحل تھا جہاں سے ان لوگوں کی بستی کو دیکھا جاسکتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ سیکائی والے سمندر پر نگاہ رکھیں اور اس کے لئے وہ اس ساحل سے کام لے سکتے تھے۔ اس طرح وہ دشمن کی بستی پر نگاہ رکھ سکتے تھے اور سمندری نقل و حرکت پر بھی۔
ہاکو اور فوما دیر تک مجھ سے گفتگو کرتے رہے اور میں انہیں مختلف باتیں بتاتا رہا۔ پھر رات کا کھانا کھایا گیا اور پھر آرام کی ٹھہری۔
بستر پر لیٹنے کے بعد میرے ذہن میں دو شکلیں اُبھر آئیں۔ شمانہ — اور پوستیا — ایک چاند کی ٹھنڈی روشنی کی مانند فرحت بخش اور قابلِ حصول۔ اور دوسری سورج کی کڑوی دھوپ کی مانند جھلسا دینے والی، ناقابلِ حصول لیکن میں اپنی فطرت کو کیا کرتا۔ میں تو آگ کا شیدائی تھا اور آگ ہی میری زندگی کو جلا دیتی تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ایک ہی چہرہ میری نگاہوں میں رہ گیا — اور وہ تھی شمانہ —

سکائی

کی وحشی ہرنی! شمانہ میری فطرت کے عین مطابق تھی۔ عورتیں تو میری زندگی میں لاتعداد آئی تھیں۔ لیکن میں نے ابتدائی دور کے بعد ہمیشہ ان عورتوں کو ترجیح دی جو کسی نمایاں خصوصیت کی حامل ہوتی تھیں۔ یوں تو پوسیتا بھی خوبصورت لڑکی تھی۔ خوبصورت تندرست اور محبت کرنے والی لیکن شمانہ کی بات اور تھی۔ یہ وہ لڑکی تھی جس نے ابھی تک مجھے قبول نہیں کیا تھا اور میری زندگی کی گاہک بنی ہوئی تھی۔ بھلا مجھے اس سے دلچسپی کیوں نہ ہوتی۔

چنانچہ دوسری صبح ناشتے کے بعد میں نے ہاکو سے جبوتی کے بارے میں پوچھا۔ پوسیتا نے مجھے بتایا تھا کہ شمانہ، جبوتی کی بیٹی سلاکا کے پاس ہوگی۔

"اوہ۔ کیوں۔ جبوتی کو تم کیا جانو؟" ہاکو نے چونک کر پوچھا۔

"کیوں، کوئی خاص حیثیت رکھتا ہے وہ؟ تم چونک کیوں پڑے؟"

میں نے اُلٹا اس سے سوال کر دیا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ بس یونہی پوچھ لیا تھا۔ سکائی کے لوگوں سے تمہاری واقفیت حیرت انگیز بات نہیں ہے؟" ہاکو نے جواب دیا۔

"حالانکہ تم خود کہہ چکے ہو کہ اب تم نے میرے بارے میں حیرت کرنا چھوڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ بات تم صرف مجھے خوش کرنے کے لیے کہہ دیتے ہو۔"

"اوہ۔ میں معافی چاہتا ہوں لیکن قصور میرا بھی تو نہیں ہے۔ تم بعض اوقات وہ باتیں کرتے ہو جن کا کوئی جواز بھی ذہن میں نہیں آتا، لیکن ازراہِ کرم میری حجت پر کسی غلط فہمی کا شکار مت ہونا، یہ سوالات صرف میں نے اپنی حیرت دُور کرنے کے لیے کیے تھے۔"

"اس کے باوجود تم نے ابھی تک جبوتی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ جبوتی قصبے کا ایک باشندہ ہے۔ کاروبار پیشہ ہے۔ بس کوئی اہم آدمی نہیں ہے۔ صرف اپنی کنجوسی کی وجہ سے مشہور ہے۔"

"خوب! کہاں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم نے فوما کا سنگی مجسمہ دیکھا ہے؟"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

"جب تم مجسمے کے نزدیک پہنچو گے تو تمہیں اس کے بائیں ہاتھ کی سمت ایک مکان نظر آئے گا جس کی چھت پر بانس کی ایک جھونپڑی بنی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے پورے سکائی میں صرف ایک ہی مکان پر ایسی جھونپڑی ہے۔ یہ جبوتی کے مکان کی خاص نشانی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا کر اطمینان کا اظہار کیا۔ اس جھونپڑی کے بارے میں، میں نے تفصیل نہیں پوچھی تھی اور پھر میں نے حسبِ معمول آوارہ گردی کی ٹھانی۔ اس آتش فشاں کو میں تلاش کرنا چاہتا تھا اور بہرحال مجھے اس کا پتہ معلوم ہوگیا تھا۔ میں اطمینان سے فوما کے سنگی مجسمے کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے وہ مکان بھی دیکھ لیا جس کی چھت پر ایک بدنما جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ یہی جبوتی کا مکان تھا۔

میں نے اطمینان سے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ میں انتظار کرتا رہا اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ لیکن مجھے جو شکل نظر آئی اسے دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں گہری گہری سانسیں لی تھیں۔

لڑکی یہ بھی کافی حسین تھی لیکن اس کے انداز سے بھی کسی قدر وحشت ٹپکتی تھی۔ لباس بھی وہ عجیب ہی پہنے ہوئے تھی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ دلچسپی کی نگاہ سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"کہو۔ کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جبوتی کا مکان یہی ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ کیا تمہیں جبوتی سے ملنا ہے؟"

"تمہارا کیا نام ہے؟" میں نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر دوسرا سوال کر ڈالا۔

"سلاکا!"

"تب میں تم سے ہی ملنے آیا تھا۔"

"اوہ۔ اندر آجاؤ۔ جبوتی کی غیر موجودگی میں کسی اجنبی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی لیکن میں تمہیں یہ فخر بخش رہی ہوں۔"

"میں اس کے لیے شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا اور لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ مکان اندر سے خوب کشادہ تھا۔ بہت سے کمرے تھے اس میں۔ لڑکی مجھے ساتھ لیکر ایک کمرے میں داخل ہوگئی اور اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

میں بیٹھ گیا اور پھر میں نے سلاکا پر نگاہ ڈالی۔ عام طور سے سکائی کی لڑکیاں حسین نہیں تھیں بس مناسب تھیں لیکن جن لڑکیوں سے میں مل رہا تھا وہ کچھ خاص ہی تھیں، یا پھر میری تقدیر میں ہمیشہ خاص لڑکیاں ہی ہوتی تھیں۔

"ہاں اب بتاؤ، تم یہاں کیسے آئے ہو؟ کون ہو؟ میں نے اس سے قبل تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے کہا۔

"بس ایک آوارہ گرد ہوں۔ کافی دنوں سے تمہاری بستی میں آیا ہوا ہوں اور حکیم ہاکو کا مہمان ہوں۔ تمہارے پاس ایک خاص مقصد سے آیا ہوں۔"

"کیا حکیم ہاکو نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تمہیں میرا نام اور پتہ کیسے معلوم ہوا؟"

"تم مجھ سے پے در پے سوالات کر رہی ہو۔ پہلے میرے یہاں آنے کا مقصد سنو اور اگر مناسب سمجھو تو مجھے مطمئن کر دو۔"

"چلو یہی سہی۔ تو تم اپنے آنے کا مطلب بیان کرو۔"

"میں شمانہ کی تلاش میں آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور صاف محسوس کی یہ بات کہ لڑکی کسی قدر بدحواس ہوگئی ہے۔

"شمانہ؟ کون شمانہ؟" اس نے بے اختیار کہا اور کسی قدر چور سی نظر آنے لگی۔

"وہ تمہاری دوست ہے۔" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ وہ میری دوست شمانہ، مگر وہ۔ وہ یہاں کہاں ہے اور تم کیوں اسے تلاش کر رہے ہو؟ میرا مطلب ہے تم اسے کس طرح جانتے ہو؟"

"تم اپنے حواس درست کر لو سلاکا۔ میری ذات سے کسی قسم کا خوف نہ محسوس کرو۔ اگر تم مجھے یہاں ناپسند کرتی ہو تو میں چلا جاؤں؟"

"خوف!" اچانک اس کے لہجے میں غراہٹ آگئی۔ "پوری دنیا میں، میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ یہاں تک کہ آدم خور مچھلیوں سے بھی نہیں لیکن نہ جانے کیوں میرا ذہن چکرا گیا ہے۔ اچھا تم مجھے چند لمحات کی اجازت دو میں پانی پی آؤں......"

"ہاں ضرور۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرے احساس نے مجھے بتا دیا تھا کہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔ بہرحال میں اطمینان سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آگئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں کچھ اور تبدیلیاں آگئی تھیں۔ اب وہ مطمئن بھی تھی اور اس کے چہرے کی لکیروں میں سے تردد بھی جھانک رہا تھا۔

"ہاں۔ تو تم نے کیا پوچھا تھا؟"

"میں نے شمانہ کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"تمہیں کس نے بتایا کہ وہ میرے پاس ہے؟" سلاکا نے سوال کیا۔

"پوری سکائی بستی جانتی ہے کہ تم اس کی واحد دوست ہو۔"

"اوہ۔ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے لیکن...... بہرحال وہ میرے پاس آئی تھی لیکن کہیں چلی گئی اور کچھ بتا کر نہیں گئی لیکن تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

"بس مجھے اس کی تلاش تھی۔" میں نے کہا۔

"کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟" اچانک سلاکا نے پوچھا۔

"یہ سوال تم نے کیوں کیا؟" میں نے اسے گھورا اور اس نے پھر بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر آواز دبا کر بولی۔

"جواب دو۔ کیا تم اسے چاہتے ہو؟"

"نہیں۔" میں نے کسی فوری خیال کے تحت کہا۔

"پھر اسے کیوں تلاش کرتے پھر رہے ہو؟"

"میری اس سے دشمنی چل رہی ہے۔ اس نے کئی بار میری زندگی لینے کی کوشش کی ہے اور ناکام رہی ہے۔ میں اب بھی اسے زِچ کرنا چاہتا ہوں۔"

"سبوتا ہے تمہارا نام؟" وہ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولی۔

"ہاں!"

"تو سنو سبوتا! ابھی چند ساعت قبل وہ یہاں موجود تھی۔ ہم دونوں اوپر چھت پر تھے اور اس نے تمہیں دُور سے دیکھ لیا تھا۔ ابھی جب میں پانی پینے کے لیے اندر گئی تھی تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں شربت پلاؤں اور اس شربت میں تمہیں زہر دے دوں۔ وہ ہر قیمت پر تمہاری جان لینا چاہتی ہے۔ زہر میرے پاس موجود نہیں تھا۔ اس نے کہا میں تھوڑی دیر تمہیں باتوں میں لگائے رکھوں۔ وہ ابھی زہر لے آئے گی سو وہ زہر لینے گئی ہے۔ لیکن سبوتا میں تمہاری جان لینا نہیں چاہتی۔"

"اوہ!" میں نے سلاکا کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھا۔ "کیوں سلاکا! تم مجھ پر مہربان کیوں ہوگئی ہو؟"

"میرا مذاق مت اڑاؤ۔ بس تمہیں دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی ہے کہ تمہاری جان نہ لی جائے۔" سلاکا نے جھلا کر کہا۔

"بہرحال تمہارا شکریہ۔ تمہاری دوست واپس آتی ہوگی۔ اس لیے اب میں کیا کروں؟"

"تم۔ تم ایک کام کرنا۔ میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد تمہارے لیے شربت لاؤں گی۔ اس وقت جب وہ واپس آجائے گی، تم نہایت چالاکی سے اسے زمین پر گرا دینا۔ تمہیں نہایت ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ بہت ہوشیاری سے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا لیکن اس کے بعد؟"

"اس کے بعد تم ایسا اظہار کرنا جیسے مر رہے ہو اور پھر مر جانا۔ میں تمہاری لاش کو ٹھکانے لگانے کی ذمہ داری لے لوں گی اور پھر جب وہ چلی جائے گی۔ تو......" سلاکا ایک دم خاموش ہوگئی۔

"تو پھر کیا ہوگا سلاکا؟" میں نے شرارت سے پوچھا۔

"دیکھو اگر تم نے میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی تو۔ تو شمانہ کی واپسی سے پہلے ہی میں تمہاری گردن اڑا دوں گی سمجھے؟" سلاکا نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ مجھے معاف کرنا سلاکا۔ نہ جانے تم میری باتوں کو کیوں غلط سمجھ رہی ہو۔ میں نے صرف یہی پوچھا ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"جب وہ چلی جائے تو تم بھی چلے جانا۔" سلاکا نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے سلاکا۔ میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"اس کے علاوہ۔" سلاکا نے کہا۔ "تم شربت آنے کے بعد بھی مجھ سے اسی انداز میں گفتگو کرتے رہنا جیسے شمانہ کے بارے میں میری تمہاری کوئی خاص گفتگو نہ ہوئی ہو اور تم اس کے بارے میں مجھ سے معلومات حاصل کر رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سعادتمندی سے گردن ہلا دی۔

"ویسے تم مجھے دیوانے ہی معلوم ہوتے ہو۔ نہ جانے کس طرح تم اس کے حملوں سے بچتے رہے ہو۔ انسان ہی ہو کبھی نہ کبھی شکار ہو جاؤ گے لیکن اس نے تمہارے بارے میں حیرت انگیز داستانیں سنائی ہیں۔" سلاکا کسی قدر نرم ہوگئی۔

"مثلاً؟"

"تم نے درخت سمیت اسے اٹھا لیا تھا؟"

"اوہ۔ درخت تھا ہی کتنا بڑا اور پھر میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ جڑ سے اکھڑا ہوا ہے۔ ویسے میں عام لوگوں کی بہ نسبت زیادہ طاقتور ہوں۔"

"خوبصورت بھی ہو۔" سلاکا مسکرائی۔

"شکریہ!"

"اور انوکھے بھی۔ اچھا آدمخور مچھلیوں سے کیسے بچ گئے تھے؟" سلاکا نے بچوں کے سے انداز میں پوچھا۔
"بس تھوڑی سی چالاکی سے۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے سمندر میں ڈبو دیا تھا لیکن میں اسی کی کشتی میں لٹک کر واپس ساحل تک پہنچ بھی گیا بس اتنی احتیاط کی تھی کہ وہ مجھے دیکھنے نہ پائے۔"
"اوہ۔ پھر بھی بڑی مشکل پیش آئی ہو گی؟"
"ہاں۔ زندگی بچانے کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑی تھی۔"
"اور آگ سے کیسے نکل آئے؟" سلاکا نے پوچھا۔
"جلتے ہوئے مکان کا پچھلا دروازہ اسی طرح اکھاڑنا پڑا تھا جس طرح وہ درخت اکھاڑ لیا تھا بس سامنے کے رُخ سے باہر نہیں نکلا کیونکہ مجھے خطرہ تھا کہ شمانہ وہاں موجود ہو گی۔" میں نے جواب دیا۔
"کمال ہے ویسے شمانہ بے قوف تو ہے۔ بس غصے میں دیوانی ہو جاتی ہے اور سوچ سمجھ کھو بیٹھتی ہے لیکن —— لیکن اس کے باوجود میں تمھیں آگاہ کرتی ہوں کہ اس سے زندگی بچانے کی کوشش کرو۔ وہ بے حد خطرناک ہے۔ یا تو تم سکائی سے نکل جانے کی کوشش کرو یا پھر —— یا پھر اسے قتل کر دو۔"
آخری الفاظ سلاکا نے عجیب سے لہجے میں کہے تھے۔
"اوہ۔ وہ تمھاری دوست ہے!" میں نے حیرت سے کہا اور سلاکا نے گردن جھکالی۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی اور پھر سنبھل گئی۔
"بس اب خاموش ہو جاؤ۔ وہ زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔ میں اسے دیکھ کر آئی ہوں۔ اس مکان کا بھی عقبی دروازہ ہے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ اندر چلی گئی اور پھر خاصی دیر میں واپس آئی۔ اس کے ہاتھوں میں صراحی اور گلاس تھا جسے اس نے رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی غیر محسوس انداز میں اشارہ کیا تھا جیسے بتا رہی ہو کہ شمانہ دروازے کے قریب موجود ہے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلاکا نے گلاس میں شربت انڈیلا اور میرے قریب پہنچ کر بولی۔
"شربت پیو سبوتا!"
"شکریہ سلاکا لیکن تم نے ابھی تک مجھے شمانہ کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔"
"میں کیا جواب دے سکتی ہوں، سوائے اس کے کہ تم نے شمانہ کو غلط سمجھا تھا۔ وہ دنیا کے کسی مرد سے متاثر نہیں ہو سکتی اور یہ صرف کسی کی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ اس غلط فہمی میں کسی کا کیا قصور ہے۔"
"کیا وہ پوری زندگی میں کسی مرد سے متاثر نہیں ہوئی؟"
"ہرگز نہیں۔" سلاکا نے جواب دیا۔
"اور تم؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"کیا؟" وہ چونک پڑی۔
"تم کسی سے متاثر ہوئی ہو؟" میں نے اسی انداز میں پوچھا۔
"میرے بارے میں تم کوئی سوال پوچھنے کا حق نہیں رکھتے!" سلاکا کے انداز میں پھر جھلاہٹ پیدا ہو گئی۔
"رکھتا ہوں، اسی لیے یہ سوال کیا ہے۔ بولو۔ کیا تم زندگی میں کسی مرد سے متاثر ہوئی ہو؟"
"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔
"لیکن میں چاہتا ہوں تم مجھ سے پیار کرو۔"
میں نے شربت کا برتن ہلاتے ہوئے پوچھا۔
"تم —— تم۔ پاگل معلوم ہوتے ہو شاید۔"
"اس وقت نہیں —— تو وعدہ ہی کر لو ورنہ ——"
"ورنہ کیا؟" سلاکا خاصی اکھڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جنون کے آثار اُبھر آئے تھے۔
"ورنہ میں یہ شربت پی لوں گا۔"
"پی لو۔ مر جاؤ۔ تم ہو ہی اسی قابل۔" سلاکا نے زہریلے لہجے میں کہا۔
"ایک بار پھر سوچ لو۔" میں نے کہا اور سلاکا دانت پیسنے لگی۔ پھر انتہائی نفرت انگیز لہجے میں بولی۔
"میں تم پر لعنت بھیجتی ہوں۔ واقعی تم بے حد گھٹیا شخصیت کے مالک ہو۔ تمھارا مر جانا ہی بہتر ہے۔"
"تمھاری مرضی۔" میں نے کہا اور خاموشی سے شربت کا گلاس منہ سے لگا لیا اور پھر سارا شربت معدے میں انڈیل لیا۔
سلاکا کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اس نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر خود ہی بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں بدحواسی کے آثار نظر آ رہے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے اس کا بدن بے جان ہو گیا ہو۔
"کیا خیال ہے سلاکا، کیا میں کوئی غلط انسان ہوں، جھوٹ بولتا ہوں؟"
میں نے صراحی کا باقی شربت بھی گلاس میں انڈیل لیا۔
سلاکا کے انداز میں پھر بے چینی پیدا ہو گئی۔ اس نے شاید دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن جسم نے ساتھ نہیں دیا تھا۔ میں نے وہ شربت بھی پی لیا اور سلاکا نے آنکھیں بند کر لیں۔ ظاہر ہے شربت تو میرا کیا بگاڑ تا پروفیسر لیکن میں نے تفریح کا پروگرام بنا لیا تھا چنانچہ چند ساعت کے بعد میری زبان لڑکھڑانے لگی۔
"اچھا سلاکا، تمھارا شکریہ!" میں نے بمشکل کہا اور پھر اس قسم کا مظاہرہ کرنے لگا جیسے شدید اذیت کا شکار ہوں۔ زمین پر گر پڑا۔ چند ساعت تڑپتا بھی رہا اور پھر سرد ہو گیا۔ میری آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں لیکن یہ میرا کمال تھا کہ میں نے انھیں بے نوری کی کیفیت دے دی تھی۔ گویا ان لوگوں کو بے وقوف بنانے کی خوب چال کھیلی تھی میں نے، کھلی آنکھوں سے ان کی ساری کیفیات کا جائزہ بھی لے سکتا تھا اور ان لوگوں کو شبہ بھی نہیں تھا۔
میں نے سلاکا کے چہرے پر غم کے نقوش دیکھے۔ اس نے ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھری تھی اور نڈھال سی نظر آنے لگی تھی۔
تب اندرونی دروازہ کھلا اور شمانہ اندر آ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلآویز مسکراہٹ تھی۔ اس نے آتے ہی سلاکا کے دونوں شانوں پر

ہاتھ رکھ دیے اور پیار سے بولی۔
"اوہ سلاکا! میری پیاری، تم نے میرے دل کی آگ سرد کر دی ہے۔ تم نے میرا وہ کام کیا ہے جس کا احسان میں کبھی نہیں بھول سکتی مگر یہ تم سے کیا بکواس کر رہا تھا۔" شمانہ نے نفرت سے میری طرف دیکھا اور پھر سلاکا کے جواب کا انتظار کیے بغیر میری طرف آ گئی۔ جھکی اور خاموشی سے میری شکل دیکھتی رہی۔
"نہ جانے کیسا انسان تھا۔ بدبخت۔ خود کو ناقابل تسخیر سمجھتا تھا۔"
اس نے کسی قدر بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔
لیکن سلاکا بالکل خاموش تھی۔ تب شمانہ نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا اور وہ سلاکا کی طرف دیکھنے لگی۔
"کیا بات ہے سلاکا؟" اس نے پوچھا۔
"کچھ نہیں شمانہ۔" سلاکا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔
"تم کچھ مضمحل ہو گئی ہو؟"
"ہاں۔ اسے قتل کر کے مجھے خوشی نہیں ہوئی ہے۔"
"کیوں؟"
"ظاہر ہے وہ میرا دشمن نہیں تھا۔"
"میرا دشمن تمھارا دشمن نہیں ہے؟" شمانہ نے پوچھا۔
"لیکن وہ تمھارا دشمن بھی تو نہیں تھا۔ ایک ہنستا کھیلتا انسان، شرارتوں کا رسیا۔"
"تم اسے میرا دشمن نہیں تسلیم کرتیں؟" شمانہ نے روٹھے ہوئے لہجے میں پوچھا "کیا دشمنی کی تھی اس نے تم سے۔ بولو، جواب دو۔ کیا اسے دشمنی کہو گی کہ اس نے تمھیں جھیل میں نہاتے دیکھ لیا تھا۔ کبھی اس نے تمھاری زندگی لینے کی کوشش بھی کی۔ بولو جواب دو۔"
"تم کیسی گفتگو کر رہی ہو سلاکا۔ بس میں اس سے نفرت کرتی تھی۔ اس کی جان لینا چاہتی تھی سو میں نے لے لی۔" شمانہ نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"افسوس۔ میں اس میں شریک ہوں۔"
"ہوں۔ تو تمھیں اس سے ہمدردی تھی؟"
"تھی نہیں، ہو گئی تھی۔ وہ صرف ایک کھلنڈرا انسان تھا۔"
"تم نے دوستی کا رشتہ توڑ دیا ہے سلاکا۔ میں تمھارے لیے دنیا کا ہر کام کر سکتی ہوں لیکن تم میرے لیے ایک چھوٹا سا کام کر کے اس قسم کی گفتگو کر رہی ہو۔"
"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔" سلاکا نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں اور اب تمھارے پاس کبھی نہیں آؤں گی۔"
"اس کی لاش کا کیا کیا جائے؟" سلاکا نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
"میں نہیں جانتی۔" شمانہ بولی اور باہر نکل گئی۔ سلاکا نے اٹھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے بیٹھی مجھے دیکھتی رہی اور کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر اس نے ایک طویل سانس لی اور میرے نزدیک آ گئی۔
"بڑے انوکھے، بڑے عجیب تھے تم۔ یوں لگ رہا ہے جیسے مجھ سے غلطی ہو گئی ہو۔ تمھاری بات مان لیتی تو کیا حرج تھا لیکن —— تم تو شمانہ کو پسند کرتے تھے۔ اسے جس کے پاس محبت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں اس کی طرح ظالم نہیں ہوں۔ تم نے خود اپنی جان دی ہے لیکن —— میں —— میں تمھاری آخری خواہش ضرور پوری کروں گی۔"
وہ جھکی اور اس نے میرے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیے۔ شمانہ جا چکی تھی اور اب اس طرح پڑے رہنے کا کوئی جواز بھی نہیں تھا اس لیے میں نے اطمینان سے ہاتھ اٹھا کر اس کی گردن میں حمائل کر دیے
لیکن میرے بدن کی تحریک محسوس کر کے سلاکا بُری طرح اچھل پڑی تھی۔ وہ میری گرفت سے تو نہ نکل سکی لیکن اس کی آنکھیں شدت حیرت سے پھٹی رہ گئی تھیں اور جب اسے یقین ہو گیا کہ میں زندہ ہوں تو اس نے میری گرفت سے نکلنے کی کوشش شروع کر دی۔
لیکن میں نے کافی دیر کے بعد اسے چھوڑا تھا۔
سلاکا مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی کے آثار تھے۔
"تم —— تم زندہ ہو؟" اس نے بمشکل کہا۔
"ہاں۔ کیوں؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔
"لیکن تم نے تو —— تم نے تو شربت پی لیا تھا؟"
"تم نے منع کیا تھا مجھے؟"
"ہاں۔ اس میں زہر تھا۔ شمانہ نے اپنے ہاتھ سے ملایا تھا اور زہر بھی زہر ہلاہل۔ تم زندہ کیسے بچ گئے؟"
"بس تمھارے لیے۔"
"دیکھو مجھے سچ سچ بتا دو، یہ سب کیا ہے۔ تم نے شربت میرے سامنے پیا تھا بلکہ سارا شربت پی لیا تھا۔"
"ٹھیک ہے۔ میں مر گیا تھا لیکن تمھارے لبوں کی حلاوت نے مجھے زندگی بخش دی۔" اور میں نے دیکھا سلاکا کے خدوخال کا تناؤ کم ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں اضمحلال اتر آیا اور پھر اس نے دوبارہ میری گردن میں ہاتھ ڈال دیے

"میں۔ میں تمھاری موت سے سکتے میں رہ گئی تھی سبوتا۔ مجھے بہت غم ہوا تھا۔ میں اعتراف کرتی ہوں مجھے بہت غم ہوا تھا۔"
"اوہ! میں تمھارا شکرگزار ہوں۔" میں نے کہا۔ سلاکا نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔
"لیکن تم —— تو شمانہ کو چاہتے ہو؟"
"ہرگز نہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"اوہ۔ پھر اس کے گرد کیوں منڈلاتے رہے ہو؟ اس کی تلاش میں یہاں تک کیوں آئے تھے؟"
"جس طرح دوست کی ایک حیثیت ہوتی ہے سلاکا، اسی طرح دشمن بھی کشش رکھتا ہے۔ مجھے شمانہ کی دشمنی پسند ہے۔"
"تم دیوانے ہی ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"لیکن - لیکن شربت پینے کے باوجود تم زندہ کیسے بچ گئے؟" سلاکا کے ذہن میں پھر وہی سوال اُبھر آیا۔

"اوہ - ان فضول باتوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے سلاکا۔ تم بتاؤ۔ اب تمھاری دلی کیفیات کیا ہیں؟"

"میں — میں کیا بتاؤں - تم پسند آگئے ہو اور میں تمھیں چاہنے لگی ہوں۔"

"ہوں۔" میں تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر بولا۔ "شمانہ سے تمھاری دوستی ختم ہو گئی؟"

"وہ تھوڑے دن ناراض رہے گی، پھر ٹھیک ہو جائے گی لیکن تمھارے سلسلے میں ممکن ہے کچھ زیادہ ہی بگڑ جائے۔"

"اب وہ کہاں گئی ہو گی؟"

"معلوم نہیں۔ بستی والے اس کا مکان تعمیر کر رہے ہیں۔ ممکن ہے وہیں گئی ہو۔"

"آخر بستی والے اس سے اتنے متاثر کیوں ہیں؟ وہ اپنے ہر فعل میں آزاد ہے۔ اس پر کوئی روک ٹوک کیوں نہیں ہے؟"

"اس کے باپ نے پوری بستی کو بچایا تھا۔ اس کی حیثیت ایک روحانی بچھڑے کی سی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اسے کسی نے نقصان پہنچایا تو پوری بستی تباہ ہو جائے گی۔"

"تو وہ ہر کام کے لیے آزاد ہے؟"

"ہاں۔ بستی والے اس کی ہر خدمت اپنی زندگی سمجھتے ہیں۔"

"کمال ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر سلاکا کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خیر۔ چھوڑو شمانہ کی باتیں، اپنی باتیں کریں۔"

"اپنی تو اب کوئی بات نہیں ہے۔"

"تم نے بھی پوری زندگی کسی مرد کو نہیں چاہا؟"

"یقین کرو گے؟"

"کیوں نہیں۔"

"تو یقین کر لو۔ کبھی نہیں۔ میں بھی شمانہ کی طرح مردوں سے نفرت کرتی تھی۔"

"تھی، سے کیا مُراد ہے؟"

"تم بھی تو مرد ہو اور —— میں تم سے نفرت نہیں کرتی۔"

"محبت کرتی ہو؟"

میرے اس سوال پر وہ کافی دیر تک خاموش رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "ایسا ہی لگتا ہے جیسے میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔" اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے سلاکا کا جائزہ لیا۔ خوبصورت تو کافی تھی لیکن —— وہ وحشت کچھ اور ہی مقام رکھتی تھی۔

"ممکن ہے سلاکا، شمانہ تم سے دوبارہ ملاقات کی کوشش کرے۔ تم اسے یہی بتانا کہ میں مر چکا ہوں اور تم نے میری لاش سمندر میں پھنکوا دی ہے۔"

"میرا خیال ہے وہ جلد مجھ سے نہیں ملے گی۔ وہ اسی قسم کی لڑکی ہے۔"

"تمھارا باپ جبوتی کب واپس آتا ہے؟"

"شام کو۔"

"اس وقت تک تم تنہا رہتی ہو؟"

"ہاں۔"

"اچھا۔ اب مجھے اجازت دو۔"

"اوہ۔ بیٹھو۔ کہاں جاؤ گے؟" سلاکا نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔

"پھر آؤں گا سلاکا، اس وقت ہاکو کے پاس واپس جا رہا ہوں، وہ میرا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"میں تمھارے بارے میں اب بھی لاعلم ہوں۔"

"جتنا بتا چکا ہوں اس سے زیادہ بات نہیں ہے۔ تم اس سلسلے میں زیادہ نہ سوچو۔"

"اس بستی میں تو رہو گے یا یہاں سے کہیں چلے جاؤ گے؟" سلاکا نے بے چینی سے پوچھا۔

"ابھی تو یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"کبھی مت جانا۔" اس نے میرے شانے پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تمھاری یہی خواہش ہے تو ——" میں نے مسکرا کر کہا۔ میں باہر نکلا تو سلاکا دروازے تک میرے ساتھ آئی۔

"کب آؤ گے؟" اس نے پوچھا۔

"جب تم کہو۔"

"کل دن میں۔ شام کو بابا آجاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ دل ہی دل میں بے شمار قہقہے اُبل رہے تھے۔ یعنی یک نہ شد تین شد۔ پوسیتا، سلاکا اور شمانہ۔ مثلث میں پھنس گیا تھا۔

لیکن پروفیسر انسان کی فطرت عجیب ہے۔ وہ اسی چیز کو فوقیت دیتا ہے جو اس سے دُور بھاگتی ہے۔ دونوں لڑکیاں بھی بے حد حسین تھیں۔ مجھے پسند تھیں لیکن اس شرارے کی بات ہی اور تھی۔ میرا دل اب بھی اس کی طرف مائل تھا اور سلاکا کے پاس سے آنے کے بعد میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

کم بخت نے کوئی موقع نہیں چھوڑا۔ اب بھی وہ میری موت سے کس قدر خوش تھی۔ اس کے چہرے پر کس قدر نفرت تھی لیکن یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ اگر اس شیطان کی خالہ کو مطیع نہ کیا تو پھر زندگی میں خود کو تجربہ کار کہنا حماقت ہو گی لیکن اب خود کو کس طرح اس پر ظاہر کیا جائے؟ اور میرا خیال ہے اس کے لیے آج کا دن تو موزوں نہیں ہے۔ بہرحال کوئی عمدہ موقع نکال لیا جائیگا۔

میں ہاکو کے مکان پر پہنچ گیا۔ ہاکو اپنے مریضوں میں مصروف تھا اس لیے میں فوما کے پاس چلا گیا۔ فوما نے حسبِ معمول مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔ وہ کسی قدر مضمحل نظر آرہا تھا۔

"کبھی کبھی میں تمھارے بارے میں بڑی عجیب باتیں سوچتا ہوں سبوتا!"

"مثلاً؟" میں نے کہا۔

"یہی کہ تمھاری زندگی کس قدر شاندار ہے، بلکہ زندگی تو تمھاری ہی ہے۔ حکیم ہاکو بھی جب تمھارے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو اس کی آنکھوں میں عجیب چمک آتا ہے۔"

"میرے بارے میں سوچ کر وقت ضائع مت کیا کرو فوما!"

"پھر کیا کروں، وقت کا اور مصرف بھی کیا ہے میرے پاس۔"

"کیا ہاکو کسی طور تمھاری شکل نہیں بدل سکتا؟"

"شکلیں بھی کہیں بدل جاتی ہیں اور پھر اس سے فائدہ بھی کیا؟"

"اگر وہ عارضی طور پر تمھاری شکل بدل سکتا تو تم بستی میں آزادی سے گھوم پھر سکتے تھے، یہاں قید نہ ہونا پڑتا تمھیں۔"

"ہاکو کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہے ویسے اس کے ذہن میں ایک بات ضرور ہے۔ وہ یہ کہ کوئی ایسی جگہ بنائی جائے جہاں ہم باقاعدہ کام شروع کر سکیں۔"

"ہاں۔ اس کا تذکرہ تم نے پہلے بھی کیا تھا۔"

"ہاکو تندہی سے کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے معمولات کو بھی صرف اسی وجہ سے نہیں چھوڑنا چاہتا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں، ورنہ اس کی تو دلی خواہش ہے کہ وہ پورا وقت اسی کام میں صرف کرے۔ بہرحال اب تو ہمیں شدت سے ان آنے والوں کا انتظار ہے۔"

"دلجمعی سے انتظار کرو فوما۔ سازشیں کچلنے کے لیے محنت کرنا ہوتی ہے۔ صبر کرنا پڑتا ہے۔"

"مجھے احساس ہے لیکن سبوتا تم بھی تو ہمیں کچھ بتانے والے تھے؟"

"آج رات؟"

"ہاں!"

"ٹھیک ہے۔ میری بات کی اہمیت یوں بھی ہے کہ ممکن ہے ہمیں اپنی تحریک کا گڑھ یہی بنانا پڑے اس لیے وہاں زرد رُو انسانوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔"

"تم نے اسلحے کے بارے میں عجیب انکشاف کیا تھا۔"

"ہاں اور یہ بہرحال تشویشناک بات ہے۔"

"یقیناً۔ ہمیں اس پر توجہ دینا ہو گی۔ میں نے اور ہاکو نے بعد میں گفتگو کی تھی۔ تمھارے اوپر شبہ سے ہم یقیناً شرمندہ ہیں۔ بس نہ جانے کیوں ذہن کی کوئی رگ خراب ہو گئی تھی۔" فوما نے کہا۔ میں نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

بہرحال پھر رات گئے تک میں فوما کے ساتھ ہی رہا۔ بے شمار باتیں ہوئی تھیں۔ فوما نے اپنے عشق کی کہانی بھی دُہرائی تھی اور اپنی سابقہ محبوباؤں کے قصے بھی سنائے تھے۔ پھر حکیم ہاکو بھی فارغ ہو کر آگیا اور رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم فارغ ہو گئے۔

پھر جب بستی میں خاموشی چھا گئی تو ہم باہر نکلے۔ فوما نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ میں اور ہاکو بھی خود کو چھپائے ہوئے تھے۔ طویل مسافت طے کر کے میں ان دونوں کو اس ساحل پر لے گیا جہاں سے ان سفید فاموں کی بستی دیکھی جا سکتی تھی۔ بستی کی روشنیاں نظر آرہی تھیں لیکن ان دونوں کی توجہ ابھی تک اس طرف نہیں گئی تھی۔

"اس ساحل کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے ہاکو؟" میں نے پوچھا۔

"ساحل کے بارے میں؟" بات ہاکو کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"ہاں۔ کیا یہ کسی لحاظ سے کوئی اہمیت رکھتا ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتا۔" ہاکو نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فوما بھی میری بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو زیادہ اُلجھانا پسند نہیں کیا اور پھر میں نے کہا۔ "وہ روشنیاں دیکھو فوما۔ یہ اس بستی کی روشنیاں ہیں جو تمھارے دشمنوں کی بستی ہے۔ دن کی روشنی میں یہ بستی صاف نظر آتی ہے اور اسی طرف وہ کُھلا سمندر ہے جہاں سے زرد رُو تمھارے علاقے کی دوسری بستیوں سے رابطہ قائم رکھتے ہیں۔"

"اوہ - اوہ - ہاں، یقیناً - یہ وہی سمت ہے۔"

"اس جگہ تم کوئی ایسی عمارت تعمیر کر لو جہاں سے تم مسلسل سمندر پر نگاہ رکھ سکو۔ اس طرح تمھیں ان کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا رہے گا۔ اس کے علاوہ اگر ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا فیصلہ ہو تو وہ کارروائی اِدھر سے ہی کی جا سکتی ہے، جبکہ ان لوگوں کی نگاہوں میں اس سمت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"درحقیقت سبوتا، یہ تو انوکھی بات ہے۔ آج تک پوری سکائی بستی کے کسی شخص نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔" ہاکو بولا۔

"بلاشبہ، یہ ایک قیمتی نشان دہی ہے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ - میرا کام ہے سبوتا - تو فکر مت کر۔ میں کل سے ہی یہاں ایک عمارت کی تعمیر شروع کرا دیتا ہوں۔ میں لوگوں سے یہی کہوں گا کہ میں اس عمارت میں حکمت کے تجربات کروں گا۔ لکڑی کی عمارت صرف چند روز میں تعمیر ہو جائے گی۔"

"بس میں یہی بتانا چاہتا تھا۔" میں نے کہا اور پھر وہاں سے واپسی کی ٹھہری۔

فوما کے لیے جو کام ہونے والا تھا اس میں میرا کردار اس سے پہلے کے ایسے کاموں سے مختلف نہیں تھا۔ یعنی میں ان لوگوں کی مدد پر آمادہ تھا لیکن میرا کام صرف اتنا ہوتا تھا کہ یا تو لوگوں کو اپنے تجربے سے فائدہ پہنچاؤں یا پھر ان کے لیے ایسا کام کروں جو ان کے بس سے باہر ہو۔ باقی میری اپنی تفریحات ہوتی تھیں اور اگر ان تفریحات میں میرا دل لگ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر بیزاری حاوی ہو جاتی تھی اور سکائی بستی میں تو میرا دل بیک وقت تین جگہوں پر لگ گیا تھا اور تینوں ہی خوب تھیں اور ان کے ساتھ تفریح کی جا سکتی تھی۔

دوسری صبح حسبِ معمول تھی۔ ضروریاتِ زندگی سے فارغ ہوا، ناشتہ

دغیرہ کیا اور پھر آوارہ گردی کے لیے نکل آیا۔ بستی سے گذرتے ہوئے یونہی میں نے شمانہ کے مکان کی طرف سے گذرنے کا فیصلہ کیا اور یہ دیکھ کر مجھے خاصی حیرت ہوئی کہ شمانہ کا مکان تیار ہو چکا تھا۔ یقیناً وہ اپنے مکان میں موجود ہوگی۔

لیکن اس وقت شمانہ کے مکان میں جانے کے بجائے میں نے سلاکا کے پاس جانا ہی بہتر سمجھا۔ ناگن کو کچھ دیر سونے ہی دیا جائے تو بہتر ہے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد میں سلاکا کے مکان پر تھا۔

سلاکا مجھے دروازے پر ہی نظر آئی۔ "وہ میری منتظر تھی۔" میں اوپر سے تمھیں دیکھ رہی تھی۔ جونہی تم نظر آئے میں نیچے بھاگی۔"

"انتظار کر رہی تھیں سلاکا؟"

"ہاں۔ شدت سے۔"

"اور کوئی خاص بات تو نہیں؟" میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے شمانہ کے بارے میں کوئی اطلاع؟"

"رات کو آئی تھی میرے پاس۔"

"اوہ! آئی تھی؟"

"ہاں۔ کہنے لگی وہ اپنی فطرت کے خلاف مجھ سے سمجھوتہ کرنے آئی ہے۔ میں نے اس کے لیے بڑا کام کیا ہے جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتی۔"

"خوب! تم نے کیا کہا؟"

"بس میں نے اسے معاف کر دیا۔"

"اور دوستی پھر ہو گئی؟"

"ہاں،" سلاکا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس نے میری لاش کے بارے میں پوچھا ہوگا؟"

"میں نے یہی جواب دیا کہ بڑی مشکل سے میں اسے سمندر میں بہا کر آئی ہوں اور اس بات پر بھی وہ بہت خوش ہوئی تھی۔"

"انوکھی لڑکی ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر سلاکا خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ اٹھ گئی۔

"میں نے تمھارے لیے کچھ چیزیں تیار کی ہیں، لے آؤں۔" اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ میں مسکرا تا رہا تھا۔ ہر لڑکی ایک ہی انداز میں محبت کرتی ہے۔ کوئی بھی تبدیلی نہیں ہوتی اس میں اور سلاکا بھی ایک عام سی لڑکی تھی۔ ہاں مختلف تھی تو شمانہ، جس کم بخت کو محبت کرنا ہی نہیں آتی، ہاں نفرت میں وہ لاجواب تھی۔

سلاکا نے کافی کاوش کی تھی۔ میں نے بھی اس کا دل رکھنے کے لیے بہت کچھ کھایا اور اس کی تعریف بھی کی۔ سلاکا بہت خوش ہوئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"تم روز آیا کرو۔ میں تمھارے لیے اچھی اچھی چیزیں پکایا کروں گی۔"

"ٹھیک ہے سلاکا۔ حالانکہ میں تمھیں کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

"تمھارے لیے کچھ کرتے مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔" سلاکا نے کہا اور میں نے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے لیا۔ سلاکا کے طور آج کافی بدلے ہوئے تھے۔ اس نے سکون سے خود کو میری آغوش میں سونپ دیا اور پھر اس کے بعد میں قدم بہ قدم منازل کیوں نہ طے کرتا۔ میں اسے بازوؤں میں لے کر دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ میرے گرمجوشی رویئے نے سلاکا کو نڈھال کر دیا تھا اور وہ بالکل بے خود ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خمار اُبھر آیا تھا اور پھر اس نے میری کسی تحریک میں مداخلت نہیں کی۔ اس پر حیرت کی کیفیت طاری تھی اور اس کے بعد وہ میری مددگار بن گئی۔ یوں ایک طویل عرصے کے بعد سکائی بستی نے مجھے خراج پیش کیا۔ سلاکا بے حد خوش تھی اور میں بھی خوش تھا۔ اتنی سی تبدیلی ضرور ہوئی کہ میں نے دو تین دن تک شمانہ کی جستجو نہیں کی۔ شمانہ بھی اس دوران دو مرتبہ سلاکا سے ملی تھی اور اس نے ایک دلچسپ بات بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ شمانہ سمندر میں میری لاش تلاش کرتی رہی ہے۔

"کیوں کیا وہ میری لاش سے بھی کوئی انتقام لینا چاہتی ہے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تمھاری لاش کا مچھلیوں نے کیا حشر کیا۔" سلاکا مسکرا کر بولی اور میں ہنسنے لگا۔

سلاکا کے ساتھ خوب دن گذر رہے تھے۔ وہ ہر صبح میرا انتظار کرتی تھی اور میرے پہنچنے پر خوش ہو جاتی تھی اور پھر تقریباً سارا دن اس کے ساتھ ہی گذرتا۔ دوپہر کو کھانا بھی اس کے ساتھ ہی کھاتا تھا اور پھر ایسے ہی ایک دن کی بات ہے اس وقت کی بات جب میں سلاکا کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا، ہمارے کمرے کا دروازہ یونہی بند تھا کیونکہ آج تک کوئی نہیں آیا تھا۔

لیکن —— اس دن اچانک دروازہ کھل گیا اور ہم دونوں چونک پڑے۔ سلاکا مچھلی کی طرح تڑپ کر اٹھ گئی تھی۔

"کوئی ہے۔" اس نے سراسیمہ سے انداز میں کہا۔

"تو خوفزدہ کیوں ہو۔ جو کوئی ہوگا اندر آ جائے گا۔" میں نے جواب دیا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

"لیکن اس طرح —— اس طرح کوئی نہیں آ سکتا۔ اور آنے والا دروازہ کھول کر ایک دم دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا ہے۔"

"اوہ۔ سلاکا! جو کوئی ہوگا اندر آ جائے گا۔" میں نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں سبوتا۔ براہ کرم —— براہ کرم مجھے دیکھ لینے دو۔" سلاکا نے کہا اور پھر وہ ایک چادر اپنے بدن سے لپیٹ کر باہر نکل گئی۔ میں نے البتہ اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اسی جگہ سلاکا کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آ گئی اور میں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ سلاکا کا چہرہ کسی حد تک پریشانی کا مظہر تھا۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"نہ جانے کون تھا۔ کوئی تھا ضرور —— لیکن نہایت پھرتی سے باہر نکل گیا۔" اس نے جواب دیا۔

"تم کسی سے خوفزدہ ہو؟"

"اوہ۔ خوفزدہ تو میں کسی سے بھی نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ اپنے باپ ہوتی سے بھی نہیں۔ میں اپنے طور پر زندگی گذارنے کے لیے خود مختار ہوں لیکن آخر کون تھا اور اگر آیا تھا تو اس طرح چلا کیوں گیا؟"

"اگر تم اسی طرح الجھتی رہیں تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں سبوتا۔ ناراض نہ ہو۔ تم غور کرو تو میری الجھن قدرتی ہے لیکن اس الجھن میں خوف نہیں ہے۔"

سلاکا منہ سے کچھ بھی کہتی رہی۔ اس کے بعد اس نے اس واقعے کا تذکرہ بھی نہیں کیا لیکن میں نے پورے دن اس کے انداز میں الجھن محسوس کی۔

اس شام واپس پہنچا تو فوما اور ہاکو کافی پُرجوش تھے۔ دونوں حسب معمول سر جوڑے بیٹھے تھے۔

"دلچسپ بات یہ ہے کہ بیک وقت دو خوشخبریاں ہیں۔ اوّل یہ کہ ساحل کا مکان تیار ہو گیا ہے اور طے یہ کیا گیا ہے کہ آج رات فوما اس مکان میں منتقل ہو جائے اور فوما سے بہتر نگاہ رکھنے والا کون ہوگا۔ دوسری خوشخبری یہ ہے کہ الجوش اور مہاس یہاں پہنچ چکے ہیں۔" ہاکو نے مجھے بتایا۔

"یہ دونوں کون ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"دو دلیر۔ دو سردار، جو فوما کے وفادار ہیں۔" ہاکو نے جواب دیا۔

"خوب! انھیں کہاں ٹھہرایا ہے تم نے؟"

"دلشام کے مکان پر اور دلشام قابلِ اعتبار انسان ہے لیکن آج رات فوما کو یہاں سے منتقل کرتے ہی میں ان دونوں کو یہاں بلا لوں گا۔"

"لیکن تمھارا مشورہ درکار ہے سبوتا۔ میرا اس مکان میں منتقل ہونا مناسب بھی ہوگا یا نہیں؟" فوما نے پوچھا۔

"اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے فوما، بلکہ میرے خیال میں بہتر ہے۔ تمھارے لیے ایک دلچسپ مشغلہ بھی ہو جائے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" ہاکو جلدی سے بولا۔

"ان لوگوں سے کیا گفتگو کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں۔ میں ان کو یہ البتہ بتا دوں گا کہ انھیں یہاں ایک اہم منصوبے کے لیے بلایا گیا ہے لیکن اس منصوبے کی تکمیل اسی وقت ہوگی اور اس پر گفتگو بھی اسی وقت شروع ہوگی جب تمام لوگ پہنچ جائیں گے۔ میرا خیال ہے انھیں انتظار میں دقت نہ ہوگی اور نہ ہی پس و پیش۔"

"ٹھیک ہے ہاکو۔ ان معاملات کو تم بہتر طور پر انجام دو گے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاکو پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

ہاکو نے سمندر کے کنارے بنے ہوئے لکڑی کے مکان میں آسائشِ زندگی کے سارے لوازمات اکٹھے کر دیے تھے۔ تب رات کو فوما کو اس مکان میں پہنچا دیا گیا۔ میں نے بھی طے کیا تھا کہ رات فوما کے ساتھ اسی مکان میں گذاروں گا جس پر ظاہر ہے نہ تو فوما کو اعتراض تھا اور نہ ہاکو کو —— تو سمندر کے کنارے بنے خوبصورت مکان میں یہ ہماری پہلی رات تھی اور فوما اس رات بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ ہم مکان کی ایک کھڑکی میں بیٹھے چاندنی میں ڈوبے سمندر کا نظارہ کر رہے تھے۔ رات خاصی گذر چکی تھی۔ تب فوما نے کہا۔

"تمھیں نیند تو نہیں آ رہی سبوتا؟"

"نہیں فوما! لیکن اگر تم سونا چاہو۔"

"میں تو آج شاید ساری رات نہ سو سکوں گا۔"

"کیوں؟"

"سبوتا! نہ تو مجھے طویل زندگی کی خواہش ہے اور نہ حکمرانی کی۔ یقین کرو حکمرانی ایک دلکش تصور رکھتی ہے لیکن اس کے ساتھ جو ذمہ داریاں ہوتی ہیں، وہ نیندیں تک چھین لیتی ہیں۔ ایک عام انسان حکمراں کی بہ نسبت زیادہ خوش و خرم رہتا ہے لیکن اس کے باوجود میرے دل میں اس وقت تک زندہ رہنے کی آرزو ضرور ہے۔ جب تک میں اپنی سرزمین کو ان غاصبوں سے پاک نہ دیکھ لوں اور جوں جوں اس سلسلے میں کامیاب اقدامات ہو رہے ہیں، میری خوشیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"

"مجھے تمھاری خوشی سے مسرت ہے فوما۔"

"میں جانتا ہوں میرے عظیم دوست۔ تمھارے احسانات کی تو فہرست بھی نہیں تیار کی جا سکتی۔ بس جو کچھ ہے میرے دل میں ہے۔" فوما نے کہا۔

"دل میں ہی رکھو فوما۔ مجھے ان باتوں سے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔"

"میں تیری عظمت کا اعتراف کرتا ہوں سبوتا! لیکن ایک بات تو بتا۔"

"پوچھو فوما!"

"تجھے اس طوالت سے اکتاہٹ تو نہیں ہو رہی؟"

"اس لیے نہیں کہ میں ذہنی اور جسمانی طور پر آزاد ہوں۔ اگر معاملہ یوں ہوتا کہ تو میرے سپرد بہت سی ذمہ داریاں کر دیتا تو میں انتظار نہ کر سکتا تھا۔ میں اب تک کوئی نہ کوئی قدم اٹھا لیتا اور پھر نتیجے کا انتظار کرتا۔"

"اوہ۔ ہاں میں جانتا ہوں لیکن ——"

"مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے فوما۔"

"کیا سکائی کی کوئی لڑکی —— یا شمانہ تجھ سے رام ہو گئی ہے؟"

"شمانہ کی بات نہ کر۔ وہ تو خود آتش فشاں کی بیٹی معلوم ہوتی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں نے اس لڑکی کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے لیکن افسوس۔ اب تک اس سے مل نہیں سکا۔"

"ملنے کی کوشش بھی نہ کرنا فوما۔ واقعی خطرناک ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تمھارے ساتھ کیسی چل رہی ہے؟"

"نہایت دلکش!" میں نے جواب دیا اور پھر میں نے فوما کو ابتدا سے اب تک کی تفصیل بتا دی۔ اس میں سلاکا کا بھی ذکر تھا اور اس سے دوستی کا بھی۔ فوما حیرت سے منہ کھولے میری کہانی سن رہا تھا اور پھر اسے شدید حیرت ہوئی اور پھر اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"لیکن شمانہ کی یہ جرأت ناپسندیدہ ہے۔ اسے اس بدتمیزی کی سزا بھگتنا

ہوگی۔" اس نے کہا اور میں نے ہاتھ اٹھا دیا۔

"نہیں فوما۔ تم نہیں جانتے۔ ایسی لڑکیاں ہمیشہ میری پسندیدہ رہی ہیں۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے، تم فکر مت کرو۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔" میں نے کہا۔

"جیسی تمھاری مرضی سبوتا، لیکن میں ایک کام کے لیے تم سے کہنا چاہتا تھا۔"

"ہاں۔ کہو۔" میں نے جواب دیا۔

"میری ذہنی حالت کے بارے میں تمھیں اندازہ ہوگا۔ خاص طور سے تنہائی اور پھر ایک طویل صبر آزما وقت۔ یہ ساری باتیں مل کر مجھے بہت پریشان کرتی ہیں اور بعض اوقات میرے ذہن میں ایک طلب بیدار ہو جاتی ہے۔ یوں تو اگر میں ہاکو سے کہوں تو وہ سکائی کی کسی بھی خوبصورت لڑکی کو میری خدمتگار کی حیثیت سے متعین کر سکتا ہے لیکن اس میں دو باتیں ہیں۔ اوّل تو میں ہاکو کا احترام کرتا ہوں اور اس سے ایسی کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ دوسری بات یہ کہ سکائی کی کوئی لڑکی اس سلسلے میں رازدار نہیں ہونی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے فوما۔ اصل بات کرو۔" میں نے کہا۔

"رہ رہ کر میرے دل میں نعامہ کی یاد کھٹکتی ہے۔"

"اوہ!" میں نے گہری سانس لی۔

"ایک تو یہ تجسس کہ نعامہ اس سلسلے میں، میرا مطلب ہے میری موت کی سازش میں شریک تھی یا نہیں، دوسری اس کی محبت۔ یہ دونوں چیزیں بعض اوقات مجھے اتنا پریشان کرتی ہیں کہ میں عقل و ہوش سے بیگانہ ہو جاتا ہوں۔"

"اوہ۔ یقیناً تم جتنی تنہا زندگی گذار رہے ہو، مجھے اس کا احساس ہے اور میں تم سے ہمدردی رکھتا ہوں لیکن مجھے بتاؤ میں تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"تم ۔۔ میری جرأت نہیں ہو رہی تم سے کہنے کی۔"

"میرا خیال ہے تمھیں تکلف نہیں کرنا چاہیے۔ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"حالانکہ اس میں الجھن ہے لیکن مجھے صرف ایک بات بتاؤ۔ کیا تم میرے لیے یہ کام کر سکتے ہو کہ کسی بھی طرح نعامہ کو لے آؤ؟"

"اوہ۔ کیوں نہیں کر سکتا فوما۔ لیکن اس کا ذریعہ کیا ہوگا؟"

"ظاہر ہے اس سلسلے میں بھی ایک طویل پروگرام پر عمل کرنا ہوگا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں کتنے عرصہ جدّوجہد کرنی ہو، اس لیے میں اپنے ذہن کے اس کانٹے کو دور کرنا چاہتا تھا۔"

"ہوں، لیکن کیا میرے لیے اس سلسلے میں کچھ مشکلات پیش نہیں آئیں گی فوما؟"

"یقیناً! لیکن تم سے یہ درخواست میں نے اسی لیے کی ہے کہ تم مشکلات پر قابو پانے کی اہلیت رکھتے ہو۔"

"تب بتاؤ، مجھے کیا کرنا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہمیں زیودا کا انتظار کرنا ہوگا۔ زیودا اس خاص طور سے میری بستی یعنی شکاگیا کا رہنے والا ہے۔ وہاں کا ایک بڑا سردار۔ وہ جس جہاز سے آئے گا وہ جہاز وہیں واپس جائے گا۔ تم اس جہاز سے چلے جانا۔ زیودا اس کے آدمی نعامہ کی شناخت میں تمھاری مدد کریں گے باقی کام تمھارا ہوگا۔"

"اوہ۔ ٹھیک ہے فوما۔ میں تیرے لیے یہ کام کروں گا۔" میں نے جواب دیا اور فوما نے جذباتی انداز میں میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہ جانے کیا سوچا تھا میں نے اور جو سوچا تھا تجھ سے کہہ دیا سبوتا۔ یہ ایک انسان کی بے بسی کی درخواست ہے۔ اس کے بارے میں کسی غلط انداز میں مت سوچنا۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"کوئی احساس نہ کر فوما، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بہرحال مجھے اپنی بستی تک بھجوانے کی ذمّہ داری تیری ہوگی اور اس کے بعد میری ذمّہ داری۔"

"ہاں۔" فوما نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ فوما خاموش ہو کر کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ رات کے آخری پہر میں ہم سونے کے لیے لیٹ گئے اور اس دن صبح جاگنے میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ فوما نے اپنے ہاتھوں سے میرے لیے صبح کا ناشتہ تیار کیا تھا لیکن میں نے اس سے معذرت کر لی۔

"کیوں؟" فوما نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ ذمّہ داری آج کل سلاکا نے سنبھال لی ہے۔ وہ اس وقت ناشتہ نہیں کرتی جب تک میں نہیں پہنچ جاتا۔"

"واہ!" فوما مسکرا دیا۔ پھر بولا۔ "ٹھیک ہے سبوتا، تم اپنی محبوبہ کے پاس جاؤ، میں تو ناشتہ شروع کرتا ہوں۔" میں نے چہرہ وغیرہ صاف کیا اور پھر سلاکا کی طرف چل پڑا۔ فوما کے مجسّمے کے نزدیک سے گذر کر میں جبوتی کے مکان پر پہنچ گیا۔ اس مکان کے دروازے عام طور پر کھلے رہتے تھے۔ میں کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ سلاکا شاید اندرونی کمرے میں تھی اور اس نے چھت سے مجھے دیکھا تھا ویسے آج دیر بھی ہو گئی تھی۔ ممکن ہے وہ دیر سے آنے کی وجہ سے ناراض ہو گئی ہو۔

میں اندرونی کمرے کی طرف چل پڑا۔ تیسرے کمرے میں عموماً ہماری نشست ہوتی تھی۔ اس کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر قدم رکھا اور ایک ہی نگاہ میں مجھے احساس ہو گیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

تب پروفیسر میں نے کمرے کے عین درمیان فرش پر سلاکا کو دیکھا۔ چاروں شانے چت پڑی تھی۔ سینے کے عین درمیان خون کا نشان ابھرا ہوا تھا اور بہت کافی خون فرش پر پھیلا ہوا تھا۔

میں ساکت کھڑا رہ گیا۔ سلاکا مر چکی تھی اور کمرے کی حالت بے ترتیب تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے سخت جدّوجہد ہوئی ہو اور میرے ذہن میں صرف ایک ہی نام ابھرا ۔۔ شمانہ ۔۔ وحشی شمانہ جس نے اپنی دوست سلاکا کو قتل کر دیا تھا۔ واقعات کی کڑیاں مل رہی تھیں۔ کل جس وقت میں سلاکا کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا، آنے والی یقیناً شمانہ تھی۔ وہ ہم دونوں کو دیکھ کر فرار ہو گئی اور آج یقیناً وہ اس وقت آئی ہوگی جب جبوتی چلا گیا ہوگا اور پھر اس نے سلاکا سے میری زندگی کے بارے میں بازپرس کی ہوگی۔ سلاکا میری محبت میں دیوانی ہو رہی تھی۔ ضرور اس نے شمانہ سے تلخ گفتگو کی ہوگی اور شمانہ کی وحشت اس کی خوفناک فطرت سلاکا کی زندگی برداشت نہ کر سکی ہوگی۔

کمرے میں جگہ جگہ سلاکا کے بال بکھرے پڑے تھے۔ اس کے چہرے پر کئی گہری خراشیں بھی تھیں، جس کا مطلب ہے کہ سلاکا نے شمانہ سے جنگ بھی کی تھی لیکن اس بات کا اندازہ مجھ سے زیادہ کسے ہو سکتا ہے کہ سلاکا کسی طور شمانہ کی جسمانی قوتوں کی ہم پلّہ نہیں تھی۔

تو پروفیسر، پھر ایک عورت کی زندگی میری وجہ سے چلی گئی تھی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ زمانۂ ماضی سے لے کر اس وقت تک ایسے بے شمار واقعات میری نگاہوں میں آ چکے تھے۔ افسوس تو ضرور ہوتا تھا لیکن عام لوگوں سے کم۔

چنانچہ تھوڑی دیر تک تو میں ساکت و جامد کھڑا رہا اور پھر ایک طویل سانس لے کر واپس پلٹ پڑا۔ شمانہ پر پہلی بار غصہ آیا تھا۔ احمق لڑکی نے میری جان لینے کی کوشش تو کی تھی لیکن اس نے سلاکا کو بھی اس بے دردی سے قتل کر دیا۔ وہ میرے غصّے کو آواز دے رہی تھی۔ تھوڑی سی سزا اس کے لیے ضروری تھی۔ کم از کم میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ میرے معاملے میں کسی دوسرے کے ساتھ بُرا سلوک نہ کیا جائے۔

سو میں واپس نکل آیا وہاں سے اور اب مجھے شمانہ کی تلاش تھی۔ اس کے لیے میں نے پہلے اس کے گھر کا رُخ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس کے نئے تعمیر شدہ مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے مکان کے دروازے کو دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔

"شمانہ!" میں نے آواز دی لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ تب میں نے دروازہ بند کر دیا اور پھر اسے مکان میں تلاش کرنے لگا لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مکان میں موجود نہیں ہے۔ شمانہ کی دوسری پسندیدہ جگہ جھیل تھی چنانچہ میں جھیل کی طرف ہی نکل گیا لیکن آج وہ جھیل پر بھی نہ تھی۔

پوری بستی میں ایک انسان کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میں دوپہر تک اسے بستی میں تلاش کرتا رہا اور اب ایک ہی جگہ باقی تھی۔ یعنی پوسیتا!

ممکن ہے وہ اس کے پاس گئی ہو اور کئی دنوں کے بعد مجھے پوسیتا یاد آئی تھی۔ ممکن ہے میں اسے فراموش نہ کرتا لیکن ان دنوں سلاکا میں ایسا الجھا تھا کہ پوسیتا ذہن سے نکل گئی تھی۔ بہرحال میں نے اس کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس سے پہلے میں نے فوما کے پاس جانا مناسب خیال کیا تھا۔

ساحل کے نزدیکی مکان میں، میں نے فوما کو پکارا اور فوما نے خفیہ دراز سے مجھے دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔

"آؤ سبوتا۔ خلافِ توقع۔" اس نے کہا۔

"ہاں فوما! تمھیں ایک اطلاع دینے آیا تھا۔"

"کیا؟ آؤ اندر آ جاؤ۔"

"ممکن ہے آج رات میں واپس نہ آؤں۔"

"اوہ، کہاں جا رہے ہو؟ کیا سلاکا کے ساتھ ....؟"

"نہیں۔ آج کی رات میں نئے لوگوں کی بستی میں گذاروں گا۔"

"ارے۔ کیوں؟"

"یوں تو میں شمانہ کی تلاش میں وہاں جا رہا ہوں لیکن اگر پوسیتا نے روکنے کی کوشش کی تو رک بھی جاؤں گا۔"

"اوہ۔ شمانہ وہاں گئی ہے؟" فوما نے پوچھا۔

"امکان ہے اس بات کا۔ وحشی لڑکی نے ایک بار پھر وحشت کا مظاہرہ کیا ہے۔"

"اوہو کیا ہوا؟"

"اس نے سلاکا کو قتل کر دیا۔"

"ارے!" فوما چونک پڑا۔ پھر میں نے اسے پوری تفصیل بتائی اور فوما تاسف سے گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا اب بھی تم اسے سزا نہیں دو گے؟"

"تمھارے ہاں اس جرم کی سزا ہے فوما؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں یقینی سزا ہے لیکن بستی والوں نے تو اسے کوئی اور ہی حیثیت دے رکھی ہے۔ اسے کون سزا دے گا۔ میرا خیال ہے بستی کے قانون کے محافظ بھی اس کے سامنے بے بس ہیں۔ بس ان کے ذہنوں میں یہ خوف بیٹھا ہوا ہے کہ اگر انھوں نے شمانہ کو نقصان پہنچایا تو ان کے اوپر عذاب نازل ہوگا اور ان دیکھی قوتوں سے سب خوفزدہ رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میں ہی اسے کیا سزا دوں گا۔"

"لیکن اس کے باوجود ۔۔۔ اس نے اچھا نہیں کیا۔"

"ہاں دوسرے انداز میں، میں اسے ٹھیک کر لوں گا اور اسی لیے میں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سبوتا۔ جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"میں نے تمھیں اس لیے اطلاع دے دی ہے کہ تم پریشان نہ ہو۔"

"تمھارا شکریہ! در حقیقت اگر تم نہ آتے تو میں پریشان ہوتا۔"

"اب میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر میں فوما کے پاس سے باہر نکل آیا۔ سمندر کے راستے تیر کر میں بہ آسانی بستی پہنچ سکتا تھا لیکن میں اس بستی کے لوگوں کو اس طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے وہی پہاڑوں کا راستہ اختیار کیا تھا اور پھر میں برق رفتاری سے سفر کرنے لگا۔

بعض اوقات مجھے اپنی ذات پر بھی ہنسی آتی تھی پروفیسر۔ میری زندگی بھی خوب تھی۔ کوئی مسئلہ نہ تھا میری ذات کے ساتھ۔ چاہتا تو کسی پہاڑ کی چوٹی پر بھی صدیاں گذار دیتا لیکن زندگی تحریک چاہتی ہے۔ یکسانیت زندگی کے لیے سب سے خطرناک زہر ہے اور انسان اس زہر کا شکار ہو کر بالکل بے کار ہو جاتا ہے اس لیے میں مسلسل پالتار رہتا تھا اور متحرک رہتا تھا۔

خاصا طویل سفر طے کیا تھا میں نے اور پھر دور سے بستی نظر آنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اس کے نزدیک پہنچ گیا اور میرا واسطہ انہی دونوں محافظوں سے پڑا جن سے میں پہلے بھی مل چکا تھا۔ شاید وہ مجھے پہچان گئے تھے۔

"کیا تم استوذ سے ملنے آئے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں تمھاری رہنمائی کروں؟"

"میری نگرانی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں استوذ کے مکان کا راستہ

جانتا ہوں اور اگر آئندہ ایسی کوئی کوشش کی گئی تو میں استوذ سے کہہ دوں گا کہ میں آئندہ اس کی بستی میں نہیں آؤں گا۔"

"اوہ۔ یہ بات نہیں ہے مہمان۔ تم بستی جاسکتے ہو۔ جب استوذ تمھاری عزت کرتا ہے تو تم ہمارے لیے بھی باعزت ہو۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا اور پھر میں اطمینان سے استوذ کے مکان کی طرف بڑھ گیا۔ بوڑھا پکاشا اپنے مکان میں ہی موجود تھا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے وہی مکاری ٹپک رہی تھی۔

"آہ۔ سبرتا! میں تو تیری دوبارہ آمد سے مایوس ہی ہو گیا تھا۔" اس نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس میرا خیال تھا سکائی کے کدورت پسندوں کو تیری یہاں آمد کے بارے میں معلوم ہو گیا اور یہ امر لازم ہے کہ وہ اس بات کو قطعی طور پر ناپسند کرتے ہیں۔ میرا خیال تھا یا تو تجھے بستی سے نکال دیا گیا یا پھر کسی سزا میں مبتلا کر دیا گیا۔"

"تو نے غلط سوچا استوذ۔ نہ تو وہ مجھے نکالنے کی جرأت کر سکتے ہیں اور سزا دینا تو ان کے بس کی بات ہی نہیں۔ اس کے علاوہ میں تو ایک مہمان ہوں اور میرے خیال میں مہمان پر پابندیاں عائد کرنا کسی میزبان کا اصول نہیں ہے۔"

"درست کہا تو نے ــــ لیکن سکائی کے انتہا پسند بعض اوقات ہر انسانی اصولوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

"میرے سلسلے میں انھیں یہ اختیار نہیں ہے۔"

"پھر بھی۔ کیا انھیں اس بات کا علم ہے کہ تو یہاں آیا تھا؟"

"میں نے خود ہی بتایا۔"

"کسے؟ حکیم ہاکو کو؟" سردار نے پوچھا۔

"ہاں!"

"تب تو اس نے تجھ سے بے شمار سوالات کیے ہوں گے؟" بوڑھے نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں! لیکن ان سوالات کے جواب اسے ضمنی سے دیے گئے!"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہی کہ بستی والوں نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ کیا انھوں نے سکائی والوں کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ وغیرہ وغیرہ اور چونکہ میرے ساتھ یہاں ایسا کوئی سلوک نہیں کیا گیا تھا اس لیے میں نے انھیں جواب بھی وہی دیے!"

"بہت خوب! کیا تو نے ان کے انداز میں کھنچاوٹ محسوس کی؟"

"میرا تعلق صرف حکیم ہاکو سے ہے اور اس کے اندر میں نے ایسی کوئی بات نہیں پائی۔" میں بوڑھے کی بکواس سے بیزار ہونے لگا تھا۔

"اوہ۔ بہرحال تیری دوبارہ آمد کا شکریہ۔ پوسیتا اکثر تیرے بارے میں تذکرے کرتی رہتی ہے اور تجھے یاد کرتی رہتی ہے۔" زیرک بوڑھے نے میری بیزاری محسوس کر لی تھی۔

"ہاں! میں نے پوسیتا سے وعدہ کیا تھا کہ میں آؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اور بستی کے کیا حالات ہیں؟ ہم سے نفرت کرنے والے کس حال میں ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ پوسیتا کہاں ہے؟"

"اوہ۔ اس کی دوست شمانہ آئی تھی، اس کے ساتھ ساحل کی جانب گئی ہے۔ اگر تم چاہو تو وہاں جا سکتے ہو۔ وہ یقیناً تمھیں دیکھ کر خوش ہو گی۔"

"مجھے اجازت ہے؟" میں نے پوچھا اور بوڑھے نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ اس نے سوچا ہو گا کہ وہ کام جو وہ خود انجام دینے کی کوشش کر رہا ہے، اس کی بیٹی بہتر طور پر انجام دے سکے گی۔

سو میں ساحل کی جانب چل پڑا اور ابھی میری نگاہیں شمانہ اور پوسیتا کو تلاش ہی کر رہی تھیں کہ پوسیتا نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ تنہا ہی تھی۔ سیدھی میری طرف آئی تھی اور میری نگاہ بھی اس پر پڑ گئی۔

میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ شمانہ نے اسے حالات سے لاعلم نہ رکھا ہو گا اور بہرحال پوسیتا بھی خوش نہ ہو گی۔ خاص طور سے اس لیے کہ میں اس کے پاس نہیں آیا تھا۔ چنانچہ دوسرے لمحے میں نے عورت کو ٹھکانے لگانے کے الفاظ ڈھونڈ لیے لیکن شمانہ کہاں گئی؟

پوسیتا میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی اور پھر وہ میرے نزدیک پہنچ گئی۔

"پانی سے بھرے بادل ہر دل کی امنگ ہوتے ہیں۔ کس کی خواہش نہیں ہوتی کہ ان کے سائے اور نمی سے لطف اندوز ہوں لیکن وہ اپنی مرضی سے برستے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہواؤں کے ساتھ دور چلے جاتے ہیں۔" اس نے کہا اور میں اس کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ بڑا خوبصورت انداز تھا شکایت کا۔

"کیسی ہو پوسیتا؟" میں نے اس کی شکایت کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"اچھی ہوتی تو یوں آسانی سے نہ بھلائی جا سکتی۔" اس نے جواب دیا۔

"شکایت کر رہی ہو؟"

"ہاں! اپنے دل میں اتنا خلوص پاتی ہوں کہ دوسرے پر بھی حق محسوس ہونے لگتا ہے۔"

"تم ناراض ہو پوسیتا؟"

"ابھی اس منزل پر نہیں پہنچی۔" اس نے غمگین لہجے میں کہا۔

"اب یہ بھی بتا دو، تمھیں کیسے مناؤں؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے اس قابل سمجھتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔"

"تو بس حکم دے دو کہ میں ٹھیک ہو جاؤں۔ تعمیل کروں گی۔" پوسیتا کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے اور میں اس سے بہت متاثر ہوا۔

"شمانہ تمھارے ساتھ تھی؟" میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے گئی ہے۔"

"اوہ۔ بستی واپس چلی گئی؟"

"ہاں!"

"خیر چھوڑو اسے۔ آؤ۔" میں اسے واپس ساحل کی طرف لے چلا اور پھر کافی دُور پہنچ کر میں نے اسے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔

"پوسیتا! اگر تم روٹھی رہیں تو۔۔۔ تو مجھے یہاں اچھا نہیں لگے گا۔ مجھ سے باتیں کرو۔"

"شکایت کی اجازت ہے؟"

"ہاں!"

"تو بتاؤ، کیوں نہیں آئے اتنے دن سے؟"

"حکیم ہاکو نے کچھ ذمہ داریاں سپرد کر دی تھیں۔ اخلاقاً اس کی مدد کرنی پڑی۔" میں نے جواب دیا۔

"سلاکاکا نام نہ لوگے؟"

"تو وہ تمہیں بھی اسی غلط فہمی کا شکار بنا گئی؟" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔

"کون؟"

"شمانہ!" میں نے جواب دیا۔

"ہاں۔ اسی نے مجھے بتایا ہے۔" پوسیتا نے جواب دیا۔

"اور خود اسے قتل کرا آئی ہے؟"

"ہاں!" پوسیتا نے بے خوفی سے کہا۔

"ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے وہ۔ اس نے تمہیں یہ بھی بتایا ہو گا کہ میں اسی کی تلاش میں سلاکاکے پاس گیا تھا؟"

"ہاں!"

"پوری کہانی سُنائی تھی اس نے؟"

"تقریباً!"

"دُہراؤ۔" میں نے کہا اور پوسیتا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی اور پھر اس نے شمانہ کی کہانی دُہرا دی۔ اس نے کہا کہ جب میں پہلی بار سلاکاکے پاس پہنچا تو شمانہ وہیں تھی اور شمانہ نے سلاکاکو اس بات کے لیے تیار کیا کہ وہ مجھے زہر دے دے اور سلاکا نے نہ جانے کیا چالاکی کی اور میں زہر سے بھی نہ مر سکا لیکن سلاکا نے اسے دھوکے میں رکھا اور بتایا کہ اس نے میری لاش ٹھکانے لگا دی ہے لیکن وہ خود مجھے چاہنے لگی تھی اور میرے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھی اور ایک دن شمانہ نے مجھے اور اسے ساتھ دیکھ لیا۔ تب۔۔۔ آج صبح اس نے سلاکاکو اسی دھوکہ دہی پر موت کی نیند سُلا دیا۔

"ہوں۔" میں نے پوری کہانی خاموشی سے سُنی۔ پھر بولا۔ "اس کے علاوہ بھی اس نے کچھ کہا تھا؟"

"وہ بڑی بے ڈھب لڑکی ہے سبوتا۔ میری رائے ہے تم اس سے دشمنی ترک کر دو اور اس کے متعلق ذہن سے بُرے خیالات نکال دو۔"

"اس کے علاوہ کیا کہہ رہی تھی وہ؟" میں نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا۔

"یہی کہہ رہی تھی کہ اب اس کی زندگی کا صرف ایک مشن ہے اور یہ مشن تمہاری موت ہے۔ وہ تمہیں ہر قیمت پر ہلاک کرنا چاہتی ہے۔"

"خوب! جو وہ نہ کر سکے گی۔" میں نے غرّا کر کہا۔

"میری بات مان لو سبوتا!"

"اس سے معافی مانگ لوں؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم اگر کہو تو میں اس کے لیے کوشش کروں؟"

"میری اور اس کی صلح کے لیے؟"

"ہاں!"

"جس دن تم نے ایسی کوئی کوشش کی پوسیتا، اس کے بعد میں کبھی تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔"

"آہ۔ تم بھی بڑے ضدی ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"تمہیں سلاکاکی موت کا افسوس ہو گا؟"

"ہاں۔ اس لیے کہ وہ بے چاری غلط فہمی میں ماری گئی۔ لیکن ٹھہرو۔ کیا تم نے شمانہ کو بتا دیا تھا کہ میں تم سے مل چکا ہوں؟"

"نہیں۔ میں اس سے خوفزدہ رہتی ہوں۔"

"یہ بہت اچھا کیا تم نے۔"

"تم نے غلط فہمی کی کیا بات کہی تھی سبوتا؟" پوسیتا نے غور سے میری شکل دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا سلاکاکا نام مجھے تم سے ہی معلوم نہیں ہوا تھا؟"

"ہاں!"

"میں شمانہ کی تلاش میں ہی اس کے پاس پہنچا تھا۔ اس غریب نے میری زندگی بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ میں نے ہی چالاکی سے اس شربت کو نہیں پیا۔ مجھے شبہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد شمانہ کے ایما پر اس نے میری لاش سمندر میں پھنکوا دی لیکن ظاہر ہے میں زندہ تھا۔ اسی دوران حکیم ہاکو نے اپنا وہ کام میرے سپرد کر دیا اور میں اس میں مصروف ہو گیا۔ کل یونہی میرے دل میں سمائی تو میں سلاکاکی طرف جا نکلا۔ اصل میں، میں اسے خوفزدہ کرنا چاہتا تھا اور وہی ہوا۔ وہ مجھے دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی اور میں نے اس سے پوچھا کہ اب وہ اپنے لیے سزا منتخب کرے۔ وہ میری منت سماجت کر رہی تھی کہ اسی دوران شمانہ پہنچ گئی اور بدبخت غلط فہمی کا شکار ہو گئی۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ یہ سلوک کرے گی۔"

اور میں نے محسوس کیا کہ پوسیتا کی حالت میں اچانک نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی اُداس کیفیت ایک دم دُور ہو گئی تھی اور میں اس کی وجہ جانتا تھا۔

"تو۔ تو سبوتا! تم۔ تم سلاکا سے محبت نہیں کرنے لگے تھے؟" اس نے خوشی کو دباتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں، میں روزانہ کسی نہ کسی لڑکی سے محبت کرنے لگتا ہوں؟"

"نہیں۔ لیکن۔۔۔ اوہ۔ میں بھی تو غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔" وہ بے اختیار میرے نزدیک آ گئی اور پھر اس نے مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ میں نے خود بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

پوستیا کی محبت پھٹ پڑی تھی۔ وہ بار بار مجھے چوم رہی تھی۔ سارے شکوے دُور ہو گئے تھے اس کے۔ بہرحال کافی دیر کے بعد وہ پُرسکون ہو سکی۔

"لیکن سبوتا! تم میری بات مان لو۔" تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"کون سی بات؟"

"شمانہ سے تمھاری دشمنی ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں نے ابھی تک صرف اسے زِچ کیا ہے۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی لیکن میرا خیال ہے اب اس بارے میں بھی سوچنا ہی پڑے گا۔"

"ایک بات بتاؤ سبوتا۔ تم شمانہ میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟" پوسیتا نے پوچھا۔

"تمھیں اس کے بارے میں تفصیل معلوم ہے۔ میں نے اتفاق سے اسے جھیل میں نہاتے دیکھ لیا تھا بس اسی وقت سے وہ میری دشمن ہو گئی۔ مجھے اس کی برتری سے اختلاف ہے۔ وہ کیوں یہ سمجھتی ہے کہ وہ کوئی آفاقی مخلوق ہے اور کیوں میرے قتل کے درپے ہو گئی ہے۔ جس وقت وہ اپنی شکست تسلیم کرے گی، میں اس کی طرف سے توجہ چھوڑ دوں گا۔"

"تو۔ تمھارے دل میں اس کے لیے اور کوئی بات نہیں ہے؟"

"اور کیا بات ہو گی؟"

"تم اسے چاہتے تو نہیں؟"

"تمھارا کیا خیال ہے؟" میں نے پوسیتا کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ میری بات پر ناراض نہ ہو۔ یہ بات خود اس نے کہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تم اسے اپنی عورت بنانا چاہتے ہو۔"

"اوہ۔ پاگل ہے وہ۔"

"اور تم نے اس کا بوسہ لیا تھا؟"

"وہ بھی اسے احساس کمتری میں مبتلا کرنے کے لیے۔"

"تب تو وہ سچ مچ پاگل ہے۔" پوسیتا ہنس پڑی اور دیر تک ہنستی رہی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ "لیکن وہ بے حد خطرناک ہے۔ اگر اسے علم ہو جائے کہ میں۔ میں بھی تمھیں چاہتی ہوں تو وہ مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔"

"اوہ۔ اس سے پہلے میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔" میں نے جواب دیا اور پوسیتا مگن ہو گئی۔ آج تو وہ بالکل بے اختیار ہو رہی تھی اور میں بھی اس کا بھرپور ساتھ دے رہا اور پھر اسے کوئی خیال آیا۔

"بابا سے ملے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ انھوں نے ہی شمانہ کے بارے میں بتایا تھا۔"

"ایک بات کہوں سبوتا۔ تمھیں جھوٹ بولنا آتا ہے؟" پوسیتا نے ہنس کر پوچھا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر کہا۔

"تم سمجھتے ہو بابا تمھیں ایک دوسرے مقصد کے لیے پسند کرنے لگے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم سکائی کی باتیں یہاں آکر بتاؤ اور اس نے اسی مقصد کے لیے مجھے تمھارے پیچھے لگایا ہے۔ میں چاہتی ہوں بابا بھی تمھیں چاہنے لگے اس لیے بابا کی دلچسپی کے لیے بھی کچھ ہونا چاہیے۔"

"اوہ۔ مثلاً؟"

"سکائی کے بارے میں کچھ جھوٹی سچی باتیں، جو بابا کی دلچسپی کا باعث ہوں۔ اس طرح مجھے تمھارے ساتھ زیادہ سے زیادہ رہنے کی آزادی مل جائے گی۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "پھر کیا کیا جائے؟"

"تمھاری طرف سے جھوٹ میں بول دوں گی لیکن ہمیں اس سلسلے میں طے کر لینا چاہیے۔ ایک بات بتاؤ۔ کیا تم آج بھی واپس چلے جاؤ گے؟"

"سکائی؟"

"ہاں!"

"تمھاری کیا خواہش ہے؟"

"میری تو دلی خواہش ہے کہ تم ہمیشہ کے لیے یہاں رہ جاؤ۔ کبھی کہیں نہ جاؤ۔"

"لیکن — بابا — وہ کیا سوچے گا؟"

"اسی کے لیے تو بندوبست کرنا ہے مگر تم رہ جاؤ گے؟"

"اگر تم کہو گی تو انکار کیسے کروں گا۔" میں نے کہا لیکن دل ہی دل میں میں سوچ رہا تھا کہ محترمہ تمھارے بھی بُرے دن آ رہے ہیں۔ شمانہ کو معلوم ہو گیا تو درحقیقت وہ تمھاری بھی دشمن بن جائے گی۔ میں کہاں تک تمھاری حفاظت کروں گا لیکن یہ خیال بھی دل میں تھا کہ سلا کا مر چکی ہے۔ یعنی میری ایک محبوبہ اور فی الحال محبوبہ کے لیے جگہ خالی تھی اور اس کے لیے پوسیتا بہرحال ایک عمدہ حیثیت رکھتی تھی۔

"ٹھیک ہے پوسیتا۔ بابا کو مطمئن کرنے کے لیے جو تم مناسب سمجھو کہہ دینا۔"

"میں یہی سوچ رہی ہوں۔ ویسے میں کوشش کروں گی کہ بابا براہ راست تم سے کوئی گفتگو نہ کرے لیکن احتیاطاً میں تمھیں بتائے دے رہی ہوں میں کہوں گی کہ سکائی میں کچھ اجنبی لوگ آئے ہیں۔ ان کا مقصد تم معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ تمھیں علم ہو گا کہ دو چھوٹے جہاز ابھی حال ہی میں سکائی کے ساحل سے لگے ہیں۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"بس تو تمھارا خیال ہے کہ ان جہازوں میں اسلحہ آیا ہے لیکن تم اس کے بارے میں معلوم کر رہے ہو۔"

"ہوں۔" میں نے بظاہر سکون سے کہا لیکن دل ہی دل میں جزبز ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ ویسے اس کا اندازہ بھی ہو گیا کہ یہ لوگ سکائی کے سمندر میں ہونے والی ہر نقل و حرکت پر نگاہ رکھتے ہیں۔

"ٹھیک ہے نا؟" پوسیتا نے پوچھا۔

"ہاں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"اس طرح بابا تمھیں بہت زیادہ اہمیت دے گا اور تمھارے یہاں آنے سے بہت خوش ہو گا۔ ہم اسے جھوٹی سچی اطلاعات دیتے رہیں گے۔"

"مناسب!" میں نے جواب دیا۔

"تو آج رات تم یہیں رہو گے؟"

"رہ جاؤں گا۔"

"میں بابا سے کہہ دوں گی کہ رات کو وہ مجھے تمھارے پاس رہنے کی اجازت دے دے تاکہ میں تم سے مزید معلومات حاصل کروں۔"

"وہ اجازت دے دے گا؟" میں نے پوچھا۔

"تم نہیں سمجھتے سبوتا، ہم لوگوں کو یہاں کافی مشکلات پیش آ رہی ہیں اور یہاں مضبوطی سے قدم جمانے کے لیے ہمیں بڑی قربانیاں دینا پڑ رہی ہیں۔ بابا بھی اس سلسلے میں مخلص ترین لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔"

"لیکن اب تو تمھاری پسند کی حکومت آ گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں، شبالہ ہمارا مہرہ ہے لیکن ہم جلد از جلد یہ چاہتے ہیں کہ خود ہمارا کوئی آدمی حکمراں ہو جائے اور ہم اس کے لیے بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔" پوستیا نے جواب دیا اور میں نے دل ہی دل میں سنسنی محسوس کی۔ ہاکو کے لیے یہ ایک سنسنی خیز خبر تھی۔

بہرحال پوستیا کے ساتھ ساحل سمندر پر کافی وقت گذارنے کے بعد ہم واپس استوذ کے مکان کی طرف چل پڑے۔ پوستیا مجھے اسی عمارت کے ایک کمرے میں لے آئی اور پھر اس نے میری خاطر مدارات شروع کر دیں۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے معذرت کر کے چلی گئی۔ غالباً استوذ کو اپنی کارروائی سے باخبر کرنے کے لیے۔ پھر وہ واپس آئی تو اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور پہلے سے بھی نکھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس نے سجاوٹ کی چند چیزیں بھی استعمال کی تھیں اور اس کی آنکھوں میں مسرت کی قندیلیں روشن تھیں۔ وہ میرے نزدیک بیٹھ گئی۔

"بابا کو میں نے بہت سی باتیں بتا دی ہیں اور وہ بھی بہت خوش ہے۔ خاص طور سے اس وجہ سے کہ اس کے خیال میں چونکہ تمھارا تعلق براہِ راست سکائی اور اس علاقے کے باشندوں سے نہیں ہے اس لیے تم قابلِ اعتماد ثابت ہو گے لیکن میں نے ایک بات بابا سے کہہ دی ہے وہ یہ کہ وہ براہِ راست تم سے تعلق نہ رکھے بلکہ میں تم سے معلومات حاصل کر کے اس تک پہنچاؤں۔ اس طرح میں نے تمھیں الجھن سے بچا لیا ہے۔"

"تمھارا شکریہ پوسیتا! لیکن ایک بات پر مجھے حیرت ہے؟"

"کس بات پر؟" پوسیتا نے پوچھا۔

"کیا تمھیں اپنے بابا کے مشن سے اختلاف ہے؟"

"ہرگز نہیں! لیکن میں ان باتوں کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔ میری اپنی رائے صرف اتنی ہے کہ ہم بھی انسان ہیں اور زمین تنگ نہیں ہے۔ ہمیں بھی سکون و اطمینان سے یہاں رہنے دیا جائے۔ ہم بھی محنت کریں گے اور کھائیں گے۔"

"ہاں، یہ مطالبہ بُرا نہیں ہے۔ بہرحال ٹھیک ہے یہ ان لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے مگر تمھیں تمھارے بابا نے مجھ سے گھلنے ملنے کی اجازت دے دی ہے؟"

"پہلے ہی دے دی تھی۔ بابا اس علاقے کے سربراہ ہیں اور اس تحریک کے سرگرم کارکن۔ اپنی دانست میں وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں اور مجھے بھی انھوں نے یہی سبق دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے قربانی کا جذبہ بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ خواہ کسی بھی قسم کی قربانی ہو۔ ان کے خیال میں تم بے حد کام کے آدمی ثابت ہو سکتے ہو، اس لیے انھوں نے مجھے اجازت دی ہے کہ تمھیں شیشے میں اتارنے کے لیے جو کچھ بھی جتن کرنا پڑے، کیا جائے اور اب میں تمھیں شیشے میں اتاروں گی۔" پوسیتا مسکرا دی۔

"میں تیار ہوں۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

چنانچہ پوسیتا مجھے شیشے میں اتارنے لگی۔ اس لڑکی کے سامنے کاؤدی بننے میں لطف آ رہا تھا۔ اس صورت میں ایک خوبصورت تبدیلی کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ چنانچہ ساری ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سونے کی اجازت مانگی۔ اس دوران استوذ مجھے ایک بار بھی نہیں ملا تھا۔ پوسیتا نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"نیند آ رہی ہے؟" اس نے خمار آگیں لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر؟ سونا کیوں چاہتے ہو؟"

"صرف تمھارے خیال سے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ کہیں تم تھکی ہوئی نہ ہو اور اخلاقاً سونے کے لیے نہ کہہ رہی ہو۔"

"تمھارے ساتھ تو میں زندگی بھر نہیں تھک سکتی۔"

"اوہ۔ واقعی؟" میں نے پوچھا۔

"تمھیں شک ہے سبوتا؟"

"نہیں۔ بس عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"کیا تم ایک اجنبی سے اس قدر متاثر ہو سکتی ہو؟"

"پوری زندگی میں ایک بار ضرور، ہر لڑکی کسی اجنبی سے متاثر ہوتی ہے اور پھر وہ اجنبی اس کے سارے تصورات کا مالک بن جاتا ہے۔" پوسیتا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"تو تمھاری زندگی میں —"

"وہ اجنبی آ گیا ہے۔" پوسیتا مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔

"اوہ۔ وہ میں ہوں۔"

"ہاں سبوتا! وہ تم ہی ہو۔ انوکھے۔ خوابوں کے حسین جزیروں کی مانند جن میں جانے کے بعد یقین نہیں آتا۔ باہر ابھی چاندنی کھلے گی، ساحل سنسان ہو گا اور چاندنی ارمان بھرے دلوں کو تلاش کرے گی۔ سمندر کی موجیں ہمیں نزدیک سے دیکھنے کے لیے ہماری طرف لپکیں گی۔ تم نے لہروں کا شوق دیکھا ہے سبوتا؟"

"ہاں! مگر کبھی اس انداز سے غور نہیں کیا۔"

"آج کرو گے؟" اس نے بڑے خوبصورت انداز میں دعوت دی۔

"ہاں۔ تمھارے ساتھ رہ کر میں ان کی زبان سمجھ سکوں گا۔"

"تو آؤ چلیں۔"

"چلیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں!"

"مگر ابھی تو چاند نہیں نکلا؟"

"میں چاہتی ہوں چاند نکلنے سے پہلے ہم ساحل پر پہنچ جائیں تاکہ چاند نکلے تو ہمیں دیکھ کر حیران رہ جائے۔"

"چلو۔" میں نے اس ارمان بھری لڑکی کا دل نہ توڑا۔ جس کے دل میں پہلی بار ارمان جاگے تھے۔ رہی میری بات پروفیسر! تو اس بات سے تم نیا ہو۔ کون واقف ہوگا کہ میری زندگی میں ایسی ... کتنی بار کھلی تھی۔

پوسیتا کا لباس ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اس کے بدن سے مس ہو کر چلنے والی ہوا ایک کنواری خوشبو فضا میں بکھیر رہی تھی۔ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی وہ اور میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ جگہ جگہ چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ پوسیتا مجھے ایک مخصوص جگہ لے گئی۔

"یہ میری پسندیدہ جگہ ہے۔ بیٹھو۔" اس نے کہا اور میں چٹان پر بیٹھ گیا۔ چٹان کے نیچے ٹھنڈی نرم ریت بکھری ہوئی تھی۔ پوسیتا میرے قدموں کے نزدیک بیٹھنے لگی۔

"ارے ارے۔ وہاں نہیں پوسیتا۔"

"بیٹھنے دو سبوتا۔ یہ میری دلی خواہش تھی۔ تمہیں نہیں معلوم سبوتا، میرے دل میں کیا کیا خواہشیں تھیں۔ اپنی بعض خواہشوں کی حیثیت سے تو میں خود بھی واقف نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا سبوتا تو میری ذہنی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم —— کہ تم شمانہ کو پیار کرتے ہو۔"

"اوہ!" میں نے گردن ہلائی۔

"مجھے بہت دکھ ہوا تھا سبوتا۔ میں نے سوچا میرے خوابوں کی تعبیر کسی دوسرے کی محبت میں گرفتار ہے لیکن پھر میں مطمئن ہو گئی۔ تم تو بڑے انوکھے ہو۔ کچھ بھی نہیں جانتے۔ تم کسی سے محبت کرنا بھی نہیں جانتے۔"

اور پروفیسر میرے پیٹ میں قہقہے چٹکنے لگے لیکن اب اس معصوم لڑکی کو حقیقت بتا کر میں اس کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

پھر چاند نے بادلوں سے جھانکا اور پوسیتا بچوں کی طرح خوش ہونے لگی۔ اس نے میرے زانو پر گردن ٹکا دی اور پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی تھیں۔

"سبوتا!" اس نے مجھے پکارا۔ "کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"بے حد عجیب۔ تم مجھے بہت پیاری لگ رہی ہو پوسیتا۔"

"تم بھی اس دنیا کی مخلوق نہیں معلوم ہوتے سبوتا۔ زمین پر تمہارا جیسا حسین شاید ہی ہو۔" پوسیتا نے کہا۔ اس کے لہجے میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا ایک ہاتھ میرے ہاتھ کی کلائی پر آ ٹکا تھا اور اس کے بعد پروفیسر میرے تجربے نے اعلان کیا کہ عورت پر نازک وقت آ پڑا ہے۔ اس کی سانسیں گرم ہو رہی ہیں اور جب سانسیں گرم ہو جاتی ہیں تو نرم بستر کس کے ذہن میں آئے۔ کھردری زمین کی چبھن کون محسوس کرے۔ سارے محسوسات فنا ہو جاتے ہیں پروفیسر۔ صرف ایک احساس باقی رہتا ہے، کسی کے دل و جان سے قریب ہونے کا احساس۔

چاند اپنی منزلیں طے کر رہا تھا اور ہم اس کی راہ میں رکاوٹ تھے اور نہ وہ ہمارے راستے میں۔ سو جب اس نے اپنا سفر طے کیا اور جان توڑ دی۔ اجالے کے بھنورے نے جب اس کے حسن کا سارا رس چوس لیا تو ہمیں دنیا کا احساس ہوا۔ اجالے کا پتہ چلا۔ زندگی کی خبر ہوئی اور یوں لگا جیسے روشنی نے ہم پر بھی ظلم کیا ہو۔

"سبوتا!" پوسیتا کی آواز ابھری۔

"ہاں پوسیتا!"

"آہ صبح ہو گئی۔"

"ہم اسے نہیں روک سکتے تھے۔"

"روشنی اتنی بے رحم کیوں ہوتی ہے؟"

"وقتی طور پر اسے بھی فنا ہونا پڑتا ہے۔ چاند پھر نکلے گا اور ہم اس کے حسن سے پوری طرح لطف اندوز ہوں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم چلے تو نہیں جاؤ گے سبوتا؟ زندگی کا ہر لمحہ اب تمہارے بغیر کٹھن ہوگا۔ آہ! چاند کا انتظار کتنا اذیت ناک ہوگا۔ سبوتا تم چلے تو نہیں جاؤ گے؟"

"ہمیں ہوش کی دنیا میں رہنا ہوگا پوسیتا۔ کائنات میں صرف ہم دو جاندار نہیں ہیں۔ ہمیں دوسرے جانداروں کا بھی احساس کرنا ہوگا۔"

"آہ! کائنات میں ہمارے سوا کوئی کیوں ہے۔ اسے کیا حق ہے کہ ہماری خلوتوں میں مداخلت کرے۔"

سو پروفیسر! بہکی ہوئی لڑکی تھی۔ بڑی مشکل سے راہِ راست پر لایا لیکن وہ کہاں پیچھا چھوڑنے والی تھی اور خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ اس کے باپ نے اسے کھلی اجازت دے دی تھی۔ بوڑھا مطلب پرست بالآخر چکر میں آ گیا تھا۔

لیکن دن کی روشنی پوسیتا کو کافی حد تک ہوش میں لے آئی تھی۔ اس نے خود ہی کہا۔ "آج کی رات اور یہاں گذار لو سبوتا۔ کل البتہ تم دن کی روشنی میں سکائی چلے جانا لیکن سبوتا، چاند نکلتے ہی واپس آ جانا ورنہ میں سمندر میں کود کر خودکشی کر لوں گی۔"

"اوہ۔ دن کی روشنی میں میرے چلے جانے کا خیال کیوں آیا پوسیتا؟"

"بابا پکا شانے مجھ سے بات کی تھی۔"

"کیا کہا تھا؟"

"وہ ان دو آدمیوں کی آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتا ہے جن کے چھوٹے جہاز ساحل سے لگے ہیں۔"

"میرے ذریعے؟"

"ہاں!"

"مگر میں ان کے بارے میں کیا معلوم کر سکتا ہوں؟"

"تم بے فکر رہو۔ یہ کام میں کرتی رہوں گی، بس بابا کو متوجہ رکھنا ہے۔ وہ بے حد مطلبی انسان ہے۔ اگر میں اس سے کچھ نہ کچھ کہتی نہ رہوں تو شاید وہ

مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی کھلی آزادی نہ دے۔"

"اوہ۔ تو کیا تم خود ہی اس سے کچھ کہو گی؟"

"ہاں۔ میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔" پوسیتا نے جواب دیا۔

سو پروفیسر! اس میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن ہلکی سی الجھن میرے ذہن میں ضرور پیدا ہو گئی تھی۔ یہ انوکھی بات تھی۔ میں مخلص سکائی والوں کا تھا۔ ساتھی فوما کا تھا اور پیار دشمن کی لڑکی سے کر رہا تھا۔ ہر چند وہ میرے دشمن نہیں تھے لیکن بہرحال فطرت میں اتنی کمزوری بھی نہیں تھی کہ پوسیتا کے لیے فوما کا ساتھ چھوڑ دیتا۔

دوپہر کو پوسیتا نے میرے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ شام تک میرے سینے پر سر رکھ کر آرام کیا اور پھر ساحل پر چلنے کی فرمائش کی جو اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ حسین اور سنسان! اور ہم اپنی مخصوص چٹان پر جا بیٹھے۔

پوسیتا بہت خوش تھی۔ اس کے چہرے پر لاتعداد کنول کھلے ہوئے تھے۔

"میں سوچتی ہوں سبوتا، انسان اپنے ذہن تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسے اپنی ذات کے پردوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ میں اس بستی میں خوش تھی۔ کوئی ایسا بار نہیں تھا جو میرے ذہن پر ہو لیکن کبھی کبھی دل میں ایک عجیب سی خلش جاگ اٹھتی تھی۔ ایک انوکھا احساس ذہن کے پردوں سے ٹکراتا۔ میں اس احساس کی جڑ نہیں تلاش کر سکی تھی لیکن اب اندازہ ہوا وہ تم تھے۔ تم میری زندگی کا خلا تھے اور اب وہ خلا پُر ہو گیا ہے۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں سبوتا، مجھے اپنے لوگوں کے عمل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو صرف ایک ہنستی بولتی زندگی کی شائق ہوں لیکن میں تم سے ایک درخواست کروں گی۔"

"کیا پوسیتا؟"

"تم سکائی والوں کا ساتھ چھوڑ دو۔"

"اوہ۔ کیوں؟"

"تاکہ تم ساری زندگی میرے ساتھ رہ سکو۔"

"اوہ!" میں اس کی بات پر غور کرنے لگا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تمہارے بغیر کائنات ادھوری تھی۔ تمہارے بغیر کچھ نہیں تھا سبوتا اور اب کائنات مکمل ہو گئی ہو۔"

"میں کوشش کروں گا پوسیتا، حالانکہ حکیم ہاکو اس میں شدید مداخلت کرے گا۔"

"تم سکائی میں تو نہیں پیدا ہوئے، تم ان سے دشمنی ختم کر نا۔ بس کسی طرح تم بابا کا دل جیت لو تاکہ وہ مجھے ساری زندگی تمہارے ساتھ رہنے کی اجازت دے دے۔ میرے دل میں تو صرف یہ خواہش ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

"اوہ۔ میں سمجھتا ہوں پوسیتا۔" میں نے جواب دیا لیکن بہرحال یہ بات میرے لیے الجھن کی ضرور تھی۔ صرف پوسیتا کے لیے سارے اصول توڑ دینا میرے بس کی بات نہیں تھی حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ پوسیتا بذاتِ خود نہ اتنی چالاک ہے کہ اتنی گہرائیوں کا کھیل کھیلے اور نہ ہی وہ ان باتوں میں دلچسپی لیتی ہے البتہ اس کا باپ واقعی عیار تھا اور اپنے خیالات میں اس قدر پختہ تھا کہ اس نے صرف تھوڑی سی معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنی نوجوان لڑکی داؤ پر لگا دی تھی۔ اس بات سے ان کے بارے میں اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کس قدر خطرناک عزائم رکھتے ہیں۔

سو بوڑھا استوز بھلا کیوں چاہے گا کہ کسی بے مصرف انسان کو اس قدر مراعات دے کر اپنے ساتھ رکھے۔ ہاں اگر میں ان کے دشمنوں کے خلاف کام کروں تو پھر تو نہ صرف پوسیتا بلکہ نہ جانے کتنی لڑکیاں میری غلامی میں دے دی جائیں گی۔

"تو پھر بتاؤ سبوتا؟" پوسیتا نے کہا۔

"تم ابھی اس مسئلے میں فکرمند نہ ہو پوسیتا۔ حالات کو دیکھو۔ بہرحال میں تمہیں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں اور تمہارے قرب کے لیے ہر کوشش کروں گا۔" میں نے پوسیتا کے ذہن سے یہ خیالات نکالنے کے لیے اسے اپنے قریب کھینچ لیا اور پوسیتا نے خود کو میری آغوش میں گرا دیا۔

پوسیتا بے خود ہونے لگی کہ —— اچانک اس نے نہ جانے کیا دیکھ لیا۔ وہ تڑپی، پھر سراسیمہ ہو کر ساکت ہو گئی۔ اس کی آنکھیں خوف کے انداز میں ایک طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ میں خود بھی حیران ہو گیا تھا۔ تب میں نے بھی اسی سمت دیکھا جدھر ...... پوسیتا نے دیکھا تھا لیکن دیکھ کر وہ دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہاں وہ شمانہ ہی تھی۔

سکائی کی وحشی ہرنی، جو بلاشبہ ایسی نمایاں شخصیت کی حامل تھی کہ جہاں وہ ہوتی چاند ستارے ماند پڑ جاتے تھے۔ اس وقت بھی وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر عجیب سے رنگ تھے۔ وہ خود بھی کچھ متحیر سی تھی اور میں جانتا تھا کہ یہ تحیر مجھے یہاں دیکھ کر ہی جاگا ہے لیکن پھر وہ سنبھل گئی۔

"پوسیتا! کیا تم اپنی جگہ چھوڑ سکتی ہو؟" اس نے کہا اور پوسیتا میرے پہلو میں اور سمٹ گئی۔ میں نے بھی شمانہ کے سرد لہجے کو محسوس کیا تھا۔

"اپنی جگہ سے اٹھ جاؤ پوسیتا۔ میں تم سے ملنے آئی ہوں۔" شمانہ نے پھر کہا اور اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بیدار ہو گیا۔ میرے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے پوسیتا کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے چمٹا لیا۔

"وہ اس وقت میرے پاس ہے۔ تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟" میں نے شمانہ کو گھورتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں میں آگ جل اٹھی۔

"میں تم سے مخاطب تو نہیں ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن میں تم سے ہی کہہ رہا ہوں۔ میں تمہارے یہاں آنے کی وجہ معلوم کر رہا ہوں۔ ایک نوجوان جوڑے کی خلوت میں آنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔"

"پوسیتا کب سے تمہاری دوست ہے؟" شمانہ نے پوچھا۔

"تمہارے سوال کا جواب دینا ضروری تو نہیں ہے۔ بس اب بھاگ جاؤ۔ میں اپنی محبوبہ کے پاس ہوں۔"

"پوسیتا! کیا تمہارے کانوں میں میری آواز نہیں پہنچ رہی۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"پوسیتا! اپنی دوست سے کہہ دو کہ تم اس وقت مصروف ہو، نہیں آ سکتیں۔ جب تمہیں مجھ سے فرصت ملے گی تب تم اس سے ملو گی۔" میں نے کہا اور اب شمانہ کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ وہ وحشی شیرنی کی طرح غراتی ہوئی آگے بڑھی لیکن میں بھی چیتے کی سی پھرتی سے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور میں نے پوسیتا کو

اپنی پشت پر لے لیا۔

"تو۔ توتم اس کے محافظ ہو؟" شمانہ نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"نہ صرف محافظ، بلکہ محبوب بھی۔"

"لیکن وہ میری دوست ہے۔"

"سلاکا بھی تمھاری دوست تھی، جسے تم نے مار ڈالا۔"

"اس نے غداری کی تھی۔" شمانہ غرائی۔ "تمھارے دشمن کو زندہ رہنے دیا؟"

"ہاں!"

"پوسیتا بھی تمھارے دشمن کی محبوبہ ہے؟"

"ہاں۔ یہ بھی غدار ہے۔" شمانہ نے جواب دیا۔

"اور تم اسے بھی قتل کر دوگی؟"

"ایسی عبرتناک سزا دوں گی اسے کہ مرنے کے بعد بھی یاد رکھے گی۔" شمانہ نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ پوسیتا کے بدن میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوگئی تھی۔

"سزا؟" میں نے آہستہ سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں سزا۔"

"اور یہ بات تم میرے سامنے کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔ میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں۔"

"پوسیتا! آگے آؤ۔ اس سے بات کرو۔" میں نے پوسیتا کا بازو پکڑ کر سامنے کر دیا۔

"اگر تو نے شمانہ سے خوف کھایا تو میں تمھیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گا۔" میں نے دوبارہ کہا اور پوسیتا کے اندر نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر شمانہ کی طرف۔ شمانہ کی آتش بار نگاہوں کی تاب لانا کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ پوسیتا کی نگاہیں بھی جھک گئیں۔

"جانتی ہو یہ کون ہے؟" شمانہ نے کہا۔

"ہاں!" پوسیتا لرزتی آواز پر قابو پاکر بولی۔

"کون ہے؟"

"سبوتا!"

"کیا میں نے تمھیں اس کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟"

"بتایا تھا۔" پوسیتا نے کہا۔

"تو تمھیں معلوم تھا کہ یہ میرا دشمن ہے؟"

"ہاں!"

"خوب! کب سے اسے جانتی ہو؟"

"کئی دن پہلے اس وقت سے جب تم اپنا مکان جلا کر میرے پاس آئی تھیں۔ سلاکا کا پتہ میں نے ہی سبوتا کو بتایا تھا۔"

"اوہ! لیکن تم نے پہلے تو اس بارے میں نہیں بتایا؟"

"میں نے چھپایا تھا۔"

"گویا مجھ سے غداری کی تھی، دھوکا دیا تھا مجھے؟"

"میں سبوتا سے محبت کرنے لگی تھی۔"

"اور سبوتا سلاکا سے، مجھ سے، کیوں؟"

"وہ کچھ بھی کرتا رہا ہو، مجھے اس سے سروکار نہیں۔ بس میں اسے چاہتی ہوں اور اب اس کے سوا کوئی میری نگاہ میں نہیں ہے۔"

"اوقات سے زیادہ بول رہی ہو پوسیتا۔ مجھے نہیں جانتیں؟" شمانہ نے کہا۔ پوسیتا کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ "میں غداری کی سزا ضرور دیتی ہوں۔" میں نے محسوس کیا کہ شمانہ کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں اپنی پیٹی میں اڑسے خنجر کی طرف بڑھ رہا ہے چنانچہ میں بھی ہوشیار ہوگیا۔

"میں نے اب ساری باتیں فراموش کر دی ہیں۔" پوسیتا نے کہا۔

"لیکن تم اپنی موت فراموش نہ کر سکوگی۔" شمانہ نے کہا اور اس برق رفتاری سے خنجر نکال کر پوسیتا پر حملہ آور ہوئی کہ میں دنگ رہ گیا۔ اگر میں اپنی زندگی کی سب سے زیادہ پھرتی سے کام نہ لیتا تو وحشت زدہ لڑکی نے پوسیتا کا کام تمام کر دیا تھا لیکن میں نے بروقت اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا اور شمانہ کی کلائی میری گرفت میں آگئی۔

پوسیتا سہم کر پیچھے ہٹ گئی تھی اور شمانہ مجھ سے کلائی چھڑانے کی جد و جہد کر رہی تھی لیکن میں نے اپنی انگلیوں کی گرفت سخت کر دی اور یہ وہ فیسر یہ صدیوں کی آگ میں پک پک کر پختہ ہو جانے والے ہاتھ تھے۔ شمانہ بے پناہ طاقتور سہی لیکن انسان تھی۔ عورت تھی۔ میری گرفت میں اس کی ہڈی چٹخنے لگی اور خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر پڑا۔ تب میں نے اسے زور سے دھکا دیا اور وہ دُور جا گری۔

میں نے خنجر اٹھا لیا تھا اور پھر میں نے اس کی نوک اپنی ران پر رکھی اور اسے موڑنے لگا۔ ران کھلی ہوئی تھی اور خنجر کی نوک کا دباؤ ران کے گوشت پر نمایاں تھا۔ لیکن پھر دونوں لڑکیوں نے تعجب سے دیکھا کہ یہ مڑنے والا خنجر درمیان سے دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ میں نے دونوں ٹکڑے سمندر میں اچھال دیے اور پھر میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"شمانہ! میں تمھیں حکم دیتا ہوں فوراً واپس چلی جا۔ ورنہ میں پوسیتا کے ہاتھوں تمھیں ذلیل کراؤں گا۔"

شمانہ پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی لیکن اس کی وحشت خیزی کا وہی عالم تھا۔ اس نے پھر پوسیتا کی طرف چھلانگ لگائی لیکن میں غافل تو نہیں تھا۔ میں نے اسے درمیان ہی میں دبوچ لیا اور ایک بار پھر دُور اچھال دیا۔ اس بار بھی شمانہ بُری طرح گری تھی لیکن اس بار وہ زمین پر پڑی نہ رہی۔ اب اس کا نشانہ میں ہی تھا۔ وہ وحشیانہ انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوئی تھی۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں پر روکا اور دوسرے لمحے میں نے اسے سر سے اونچا اٹھا لیا۔ شمانہ سخت جد و جہد کر رہی تھی لیکن اب مجھے غصہ آگیا تھا۔ میری گرفت سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ میں اسے لیے ہوئے سمندر کی طرف چل پڑا اور پھر میں نے اسے گہرے پانی میں اچھال دیا۔

شمانہ چھپاک سے پانی میں گری اور نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے بعد ہم اسے دیکھتے ہی رہے لیکن وہ پانی پر نہیں اُبھری تھی۔

پوسیتا منہ پھاڑے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کافی دیر گذر گئی لیکن شمانہ کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

"ڈوب گئی۔" پوسیتا آہستہ سے بولی۔

"اس دھوکے میں مت رہنا پوسیتا!"

"ایں؟" پوسیتا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"وہ مچھلی کی طرح بھی تیر سکتی ہے اور بہر حال وہ ایک غیر معمولی لڑکی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ سمندر میں نیچے ہی نیچے کافی دُور نکل گئی ہوگی۔"

"لیکن کیوں؟"

"بس اس بے عزتی کے بعد اس نے یہی مناسب سمجھا ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور پوسیتا مجھ سے لپٹ گئی۔

"یہ سب کچھ تم نے میرے لیے کیا ہے۔ میرے لیے۔ آہ! اب اگر مجھے موت بھی آجائے تو کوئی غم نہ ہوگا۔ کوئی میرے لیے یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ صرف میرے لیے۔ صرف میرے لیے۔" وہ بے اختیار ہو کر مجھے چومنے لگی اور میں نے بھی اس کا بھرپور جواب دیا تھا۔

شمانہ درحقیقت کہیں دُور نکل گئی تھی۔ اس کے بعد وہ نظر ہی نہیں آئی۔ اتنا میں ضرور جانتا تھا کہ وہ سمندر میں ڈوبی نہیں ہوگی۔ پوسیتا کسی حد تک نڈھال ہوگئی تھی۔ پھر ہم وہاں سے اٹھ گئے اور واپس استوذ کے مکان میں آگئے۔ پوسیتا تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے اجازت لے کر چلی گئی اور میں بستر پر لیٹ گیا اور میرے ذہن میں خیالات کا چرخہ چل پڑا۔ میں ان سارے واقعات پر غور کر رہا تھا۔

شمانہ پر یہ میرا آخری وار تھا۔ بڑی زبردست چوٹ تھی ایک عورت کی نسوانیت پر اس سے کاری ضرب نہیں لگ سکتی تھی۔ ایک عورت کے لیے اس کی تذلیل کی گئی تھی اور ایک ایسے شخص نے کی تھی جو بظاہر اس کا چاہنے والا تھا۔ شمانہ مجھے قتل کرنے کی ہر کوشش میں ناکام رہی تھی۔ اس کے بعد اس کا کیا ردِ عمل ہوگا؟ یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ اب پوسیتا کی خطرناک دشمن تھی اور اس وقت تک سکون سے نہیں بیٹھ سکتی تھی جب تک اسے قتل نہ کر دے۔ ظاہر ہے میں ہر وقت تو پوسیتا کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ پوسیتا کو خود بھی اپنے لیے کچھ کرنا ہوگا۔ پھر میرا ذہن پوسیتا کی طرف مڑ گیا۔ بُری طرح مرمٹی ہے لیکن —— کیا اسے شمانہ پر ترجیح دی جا سکتی ہے؟ میں نے خود کو ٹٹولا۔

لیکن اپنی فطرت کا کیا کرتا جو آگ کی پجاری تھی۔ جسے آگ پسند تھی۔ نہ تو سلاکا اور نہ ہی پوسیتا اس کا جواب تھیں، اس کا اپنا مقام الگ ہی تھا لیکن یہ وحشی ہرنی مشکل ہی سے قابو میں آنے والی تھی۔ اب تو صرف ایک ہی ترکیب تھی۔ زبردستی اسے پکڑ کر مطیع کر لیا جائے۔ زندگی کی لذتوں سے روشناس کرا دیا جائے اور اس کے بعد ——

پوسیتا مجھے تنہا چھوڑنے والی کہاں تھی۔ خیالات کے بھنور میں پھنسا ہوا تھا کہ آ ٹپکی۔ اس کے چہرے کا چھچھلا پن صاف محسوس ہو رہا تھا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے بازو پھیلا دیے اور وہ میرے نزدیک آکر لپٹ گئی۔

"خوفزدہ ہو پوسیتا؟" میں نے پوچھا۔

"کیا جواب دوں؟"

"جو دل میں ہو۔" میں نے کہا۔

"میں اس سے انکار نہیں کروں گی کہ میں اس سے ڈرتی ہوں کیونکہ میں اس کی شیطانی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

"اور وہ بڑی زود رنج ہے۔"

"لیکن ایک بات کا اور یقین کر دگے سبوتا؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر میں زندگی نہ بچا سکی تب بھی مجھے کوئی رنج نہ ہوگا۔ پوری زندگی میں انسان کے دل میں کوئی ایسی آرزو ہوتی ہے جو اسے زندہ رکھتی ہے اور جب مطلوب مل جائے تو زندگی میں مطلوب کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ پھر شاید وہ اپنی پسند کے لیے زندہ رہتا ہے ورنہ اسے اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہ جاتی۔ کسی پسندیدہ شے کا قرب زندگی کا سب سے بڑا حسن ہوتا ہے۔ میرے دل میں یہ آرزو ضرور ہے کہ میں ساری زندگی تمھارے قرب کے سہارے گذار دوں لیکن اگر تمھاری وجہ سے جان چلی بھی جائے تو نقصان کا احساس نہ ہوگا۔"

"اوہ۔ پوسیتا۔ بے فکر رہو۔ اگر اس نے تمھیں قتل کرنے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ اوّل تو تم میرے ساتھ رہتی ہو لیکن جس وقت میں موجود نہ ہوں تم خود اپنی حفاظت کرنا۔"

"میں؟" پوسیتا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہاں!"

"میں کس طرح حفاظت کروں گی؟"

"استوذ سے کہہ کر شمانہ کا داخلہ بند کرا دو۔ اس سے کہو کہ شمانہ فطرتاً ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو ممکن ہے ہاکو سے کہہ دے۔ اس طرح میں ٹھیک سے کام نہیں کروں گا۔ استوذ سے یہ بھی کہہ دینا کہ وہ تمھاری زندگی کے لیے خطرہ بن سکتی ہے اور ظاہر ہے تمھاری بستی کے لوگ اس کا اتنا احترام نہیں کرتے جتنا سکائی والے۔ چنانچہ یہاں اس کے ساتھ بُرا سلوک بھی ہو سکتا ہے۔ اس بات سے شمانہ بھی واقف ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بابا سے بات کروں گی۔" پوسیتا نے کہا۔

پھر رات ہوگئی۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر پوسیتا میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خمار آگیں کیفیت اُبھر آئی تھی۔

"کیا خیال ہے پوسیتا، کیا تم سمندر کے کنارے چاندنی کے کھیت میں چلوگی؟"

"تمھیں میری بات پر یقین نہیں ہے سبوتا؟"

"کون سی بات پر؟"

"اب میں موت سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"

"اوہ۔ مجھے یقین ہے۔ تب آؤ چلیں اپنی مخصوص جگہ۔ مجھے بھی تمھاری پسند بے حد پسند آئی ہے۔"

”چلو“ پوسیتا نے کہا اور ہم دونوں مکان سے نکل آئے۔ سمندر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے ہم اپنی مخصوص جگہ پہنچ گئے۔ چاند حسب معمول ابھی تک نہیں نکلا تھا۔ ہم اس کا انتظار کرنے لگے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور ماحول بےحد پُرکیف تھا۔ ایسی حالت میں پوسیتا کا قرب مجھے بہت بھا رہا تھا۔

ہم دونوں ٹھنڈی ریت پر لیٹ گئے۔ پوسیتا نے میرے سینے پر سر رکھ دیا تھا اور میرے سینے کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ خاموش تھی۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خیالات تھے۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کی۔ میں اس کے خیالات میں حارج نہیں ہونا چاہتا تھا۔ پھر اسی وقت چاند نکل آیا۔ چاندنی کی چادر زمین پر پھیل گئی اور ماحول اور حسین ہو گیا اور اس حسین ماحول میں اعضا زبان بن جاتے ہیں۔ زبان کی خاموشی ہی اچھی لگتی ہے چنانچہ زبان خاموش تھی اور منازل قدم بہ قدم طے ہو رہی تھیں۔ پوسیتا تو خود کو میرا استاد سمجھتی تھی چنانچہ استاد کی موجودگی میں شاگرد کی خاموشی ہی مناسب ہوتی ہے لیکن اسے استاد کے اشاروں پر عمل ضرور کرنا چاہیے لیکن اچانک استاد کو نہ جانے کیا ہو گیا۔ ان کا جوش ایک دم سرد پڑ گیا تھا اور ان کی نگاہیں ایک طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے جونہی احساس ہوا میں نے بھی چونک کر دیکھا اور شمانہ تھوڑے ہی فاصلے پر نظر آئی۔ وہ خاموش کھڑی ہوئی تھی۔

اسے شاید اندازہ نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں نے اسے دیکھ لیا ہے لیکن اسے اچانک سکوت پر اسے احساس ہو گیا اور دوسرے لمحے اس نے سمندر کی طرف چھلانگ لگا دی اور غڑاپ سے پانی میں کود گئی۔

”پوسیتا!“ میں نے پوسیتا کو مخاطب کیا۔

”ہوں!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”ڈر گئیں؟“

”نہیں۔“

”پھر پریشان کیوں ہو گئیں؟“

”بالکل پریشان نہیں ہوئی ہوں۔ بس یہ سوچ رہی تھی کہ یہ ابھی یہیں منڈلا رہی ہے۔“

”منڈلانے دو۔ اس کا غرور شکست کھا رہا ہے۔“

”وہ ہمیں متوجہ پاتے ہی بھاگ گئی۔“

”ہاں۔ شاید وہ چھپے رہنا چاہتی تھی۔“

”وہ تم سے خوفزدہ ہے سبوتا۔“

”ظاہر ہے میں نے اسے سبق دے دیا ہے اور اب اگر اس نے میرے کسی معاملے میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو اسے اس سے بڑا سبق ملے گا۔“

”سبوتا! ایک بات میرے ذہن میں بار بار آ رہی ہے۔“

”بتاؤ؟“

”شمانہ تمھاری دشمن ہے۔ اس نے کئی بار تمھیں قتل کرنے کی کوشش بھی کی ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ۔۔ کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔“

”انوکھا خیال ہے۔“ میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”عورت کے انوکھے روپ ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ خود اپنے ذہن کو نہیں سمجھ پاتی۔ بس یونہی میرے دل میں یہ خیال آیا ہے۔“

”لیکن کیا عورت کو مقتول محبوب بھی پسند ہوتے ہیں؟ کیا وہ اسے ٹکڑوں میں دیکھنا پسند کرتی ہے؟ کیا اسے محبوب کی جھلسی ہوئی لاش بھی عزیز ہوتی ہے؟ یا زہرِ قاتل سے تڑپ تڑپ کر دم دیتا ہوا محبوب بھی اس کے لیے دلکش ہوتا ہے؟“

”میں نہیں کہہ سکتی سبوتا۔“

”یہ تمھارا وہم ہے پوسیتا۔ میرے خیال میں اس کے سوا کچھ نہیں۔۔ وہ صرف انتقام کی دیوانی ہے اور مجھ سے بدلہ لینا چاہتی ہے۔“

”شاید۔“

”چھوڑو ان باتوں کو۔ کس الجھن میں پھنس گئیں۔“ میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا اور پوسیتا مسکرانے لگی۔

بہرحال وہ رات بھی ہم نے سمندر کے کنارے چاندنی کے کھیت میں گذاری اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ واپس آ گئے۔ اس کے بعد شمانہ نظر نہیں آئی تھی اور پھر میں نے پوسیتا سے جانے کی اجازت طلب کی اور پوسیتا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

”جا رہے ہو سبوتا؟“

”ہاں پوسیتا! واپس آ جاؤں گا۔“

”کب؟“

”اگر تمھاری دوری برداشت نہ کر سکا تو کسی بھی وقت۔“

”سبوتا! تم یہاں کے باشندے نہیں ہو۔ سکائی بستی تمھیں اتنی کیوں بھا گئی ہے؟ اگر ہم دونوں یہاں سے کہیں چلیں؟“ اس نے کہا۔

”کہاں پوسیتا؟“ میں نے پوچھا۔

”کہیں بھی۔ یہ تمھاری مرضی پر منحصر ہے۔ ساری دنیا میں مجھے اپنے بابا سے سب سے زیادہ محبت تھی لیکن اب میں خود کو ٹٹولتی ہوں تو مجھے تمھاری محبت اس سے برتر محسوس ہوتی ہے۔ تمھارے لیے میں بابا کو دھوکا بھی دے سکتی ہوں۔“

”مجھے احساس ہے پوسیتا۔“

”پھر؟ کیا تم میرے لیے یہ نہ کرو گے؟“

”کر بھی سکتا ہوں پوسیتا لیکن ہمیں حالات کا انتظار کرنا پڑے گا اور پھر بھی صورتِ حال ہمارے قابو میں ہے۔ اگر کبھی حالات ایسے ہوئے تو میں تمھیں یہاں سے لے چلوں گا۔“ میں نے جواب دیا اور پوسیتا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ بے چاری لڑکی الجھن میں پھنس گئی تھی۔

پھر میں وہاں سے چل پڑا۔ فوما سے ایک رات کے لیے کہا تھا لیکن دو راتیں گذر چکی تھیں۔ وہ فکر مند ہو گا۔ راستے میں میں نے اس بارے میں سوچا۔ بہرحال مجھے فوما سے واقعی دلچسپی تھی اور میں اس کے بارے میں اسی انداز میں سوچ رہا تھا۔

حکیم ہاکو کے پاس جانے سے قبل میں فوما کے اسی مکان کی طرف چل پڑا تھا جو سمندر کے کنارے تھا۔ فوما درحقیقت میرے لیے فکر مند تھا۔ اس نے اس کا اظہار نہیں کیا لیکن مجھے دیکھ کر اطمینان کے گہرے گہرے سانس لیے۔

”سناؤ فوما، کیا خبر ہے؟“

”دو جہاز اور آئے ہیں۔“

”اوہ۔ کیا اس میں سے کوئی جہاز شرکایا سے بھی آیا ہے؟“

”نہیں۔ زیوداس ابھی نہیں آیا۔“

”یہ دو افراد کون ہیں؟“

”دو سردار۔ یہ بھی میرے وفادار ہیں اور اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ وہ ہاکو کی ایک آواز پر دوڑے آئے۔“

”ہاں۔ اس سے ان کی وطن دوستی کا ثبوت ملتا ہے۔“

”نئی بستی کے حالات سناؤ۔“ فوما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اس کے سوا کچھ نہیں کہ دو خوبصورت راتیں پوسیتا کے ساتھ گذاریں۔“

”مجھے یقین تھا کہ سکائی کی لڑکیاں تمھاری دیوانی ہو جائیں گی۔ تم نے بازاروں کی سیر نہیں کی اور لڑکیوں کو تمھارے قریب آنے کا موقع نہیں ملا ورنہ مجھے یقین تھا کہ ان کی پوری فوج تمھارے پیچھے ہوتی۔“ فوما ہنستے ہوئے بولا۔

”بہرحال بے فکر رہو فوما۔ زیوداس کے آتے ہی میں تمھارے کام کے لیے چل پڑوں گا۔“ میں نے جواب دیا اور فوما کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر وہ بولا۔

”ان کی بستی کا سردار پکاشا کہلاتا ہے؟“

”ہاں!“

”پوسیتا اسی کی بیٹی ہے؟“

”ہاں!“ میں نے جواب دیا۔

”کیا نام ہے پکاشا کا؟“

”استوذ!“

”تم سے ملاقات ہوئی ہے؟“

”بتا چکا ہوں تمھیں۔“

”اوہ۔ ہاں۔ لیکن اس نے تمھیں وہاں رہنے کی اجازت کیسے دیدی؟“

”اسی لالچ میں کہ میرے ذریعے اسے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہیں گی۔“

”اوہ۔ کچھ پوچھا نہیں اس نے؟“

”براہِ راست نہیں لیکن اس کے سوال و جواب کا شعبہ اس کی بیٹی نے ہی سنبھال لیا ہے اور میں اس کے کام میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“ فوما حیرت سے بولا اور میں نے اسے پوسیتا کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی۔

”اوہ!“ فوما ہنسنے لگا۔ ”تمھارا جادو اس سے کم گہرا نہیں ہو سکتا۔“

”ویسے وہ ان جہازوں کی آمد کے بارے میں الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔“

”ظاہر ہے انھیں علم ہو گا۔“ فوما نے گردن ہلائی۔ ”کیا انھوں نے پوچھنے کی کوشش کی تھی؟“

”استوذ کی پالیسی ہے کہ وہ براہِ راست مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کرے گا۔ یہ شعبہ اس نے اپنی بیٹی کے سپرد کر دیا ہے۔“

”خوب!“ فوما نے دلچسپی سے کہا۔ ”بہرحال مجھے خوشی ہے سبوتا کہ تمھارا وقت اچھا گذر رہا ہے ورنہ میں تمھارے لیے پریشان رہتا۔“

کافی دیر میں نے فوما کے ساتھ گذاری۔ پھر اس کی اجازت سے ہاکو کی طرف چل پڑا۔ حکیم ہاکو اپنے مریضوں میں مصروف تھا۔ اس نے میرا خیر مقدم کیا اور بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ میں دلچسپی سے ہاکو کی حکمت کا جائزہ لینے لگا۔ ویسے بڑا دلچسپ مشغلہ تھا۔ ہاکو مجھے اپنی تشخیص کی تفصیل بھی بتاتا جا رہا تھا اور اصولِ حکمت کا دلچسپی سے جائزہ لے رہا تھا۔ بہت دیر کے بعد ہاکو کو مریضوں سے فرصت ملی اور اس نے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھا۔

”مجھے یقین ہے تمھیں اس مشغلے سے اکتاہٹ نہیں ہوئی؟“

”قطعی نہیں ہاکو! بلکہ میں خاصا لطف اندوز ہوا ہوں۔“

”خیر اب اپنے بارے میں بتاؤ۔ فوما تمھارے لیے بے چین تھا۔“

”میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ میری ماں بننے کی کوشش نہ کرے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاکو بھی خلوص سے مسکرانے لگا۔ پھر کافی دیر تک ہاکو سے گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد ذہن میں نہ جانے کیوں شمانہ کا خیال آ گیا۔

کیا وہ بستی میں ہو گی یا بدستور پوسیتا کی تاک میں ہو گی۔ بہرحال خطرناک لڑکی ہے۔ کہیں پوسیتا کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ میں ہاکو کے پاس سے اٹھ گیا۔ ہاکو نے میرے معاملے میں مداخلت کرنا چھوڑ دی تھی۔ اب تو وہ یہ بھی نہیں پوچھتا تھا کہ میرا آئندہ پروگرام کیا ہے۔

بہرحال میں حکیم ہاکو کے پاس سے اٹھ کر سیدھا شمانہ کے گھر کی طرف چل پڑا۔ بس یونہی ذہن میں شرارت آ گئی تھی ورنہ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد شمانہ کے نوتعمیر شدہ مکان پر پہنچ گیا، شمانہ کے مکان کا دروازہ بند ملا۔ وہ گھر پر موجود نہیں تھی۔ اس کا مقصد ہے کہ بدستور پوسیتا کی تاک میں لگی ہوئی تھی۔ دیکھنا یہ ہے کہ پوسیتا اس سے اپنی جان بچا بھی سکتی ہے یا نہیں۔ اب ظاہر ہے میں پوری زندگی تو اس کی نگرانی کر بھی نہیں سکتا تھا پوسیتا کو خود ہی ہوشیار رہنا تھا۔

پھر جھیل کی طرف بھی یونہی رُخ ہو گیا تھا۔ یہ گمان بھی نہیں تھا کہ شمانہ یوں اچانک یہاں نظر آ جائے گی لیکن آج وہ جھیل میں نہیں تھی، بلکہ جھیل کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ خیالات میں اس قدر محو تھی کہ اسے میرے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنائی دی اور میں اس سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر رُک گیا۔ پھر میں نے اطمینان سے لباس اتارا اور جھیل میں ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔

پانی کے چھپاکے سے وہ چونکی تھی اور پھر اس نے متعجبانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ پھر مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ چند ساعت میری طرف دیکھتی رہی اور پھر رُخ بدل گیا۔ کافی دیر تک خاموش کھڑی رہی۔ رُخ دوسری طرف ہی رہا تھا۔ میں اطمینان سے جھیل میں بھاگتا دوڑتا رہا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ آگے بڑھ گئی۔ لیکن آج اس کا انداز ڈھیلا ڈھالا تھا۔ اس کی چال میں بھی تیزی نہیں تھی۔ بہرحال

میں نے اس سے زیادہ مناسب نہیں سمجھا اور اطمینان سے نہاتا رہا۔ پھر جھیل سے نکل آیا اور اس کے بعد میں بستی میں آوارہ گردی کرتا رہا۔

پوسینا کے تصور نے ذہن میں کوئی خاص بات پیدا نہیں کی تھی اس لیے اس کے پاس جانے کو دل بھی نہیں چاہا۔ رات کو واپس فوما کے پاس آ گیا اور پھر فوما سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد آرام کرنے لیٹ گیا اور سو گیا۔ دوسری صبح سے شام تک کا وقت میں نے فوما کے ساتھ ہی گذارا تھا۔ فوما خود بھی میری سستی پر حیران تھا۔ شام کو البتہ میں پھر جھیل کی طرف نکل گیا۔ انوکھی بات تھی شمانہ آج بھی پتھر پر اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ آج اس نے مجھے دور سے دیکھ بھی لیا تھا لیکن مجھے دیکھ کر اٹھنے یا دحشت زدہ ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں خود ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔ ”کیا بات ہے شمانہ، آج کل تم جھیل میں نہیں اترتیں؟ کیا میرے خیال سے؟“ میں نے اسے چھیڑا اور اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا لیکن ان نگاہوں میں شکست خوردگی تھی۔ ان میں وہ تیکھا پن نہیں تھا۔ اس کے خد و خال میں بھی تبدیلی تھی۔ میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

”جواب نہیں دیا شمانہ؟“ میں نے کہا۔

”سبوتا!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں شمانہ جواب دو۔ میں تمہارے اندر تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔“

”ہاں سبوتا! میں بدل گئی ہوں۔“ شمانہ نے مضمحل لہجے میں کہا۔

”ارے۔ واقعی؟“

”میرا مذاق مت اڑاؤ سبوتا۔ میں کبھی نہ بدلتی لیکن —— لیکن۔۔۔۔“

”لیکن کیا شمانہ؟“

”ایک خواب نے میری زندگی بدل دی ہے۔“

”خواب؟“

”ہاں۔ اپنے باپ کی موت کے بعد میں نے پوری زندگی میں پہلی بار پچھلی رات اپنے باپ کو خواب میں دیکھا۔ میں کسی کی بات نہیں مانتی لیکن —— میں اس کی بات رد نہیں کر سکتی۔ اس نے ساری زندگی مجھ سے کوئی بھی تو فرمائش نہیں کی اور اب مرنے کے بعد میں اس کی ایک چھوٹی سی بات کو نہیں ٹھکرا سکتی۔“

”اوہ۔ کیا کہا تھا اس نے؟“ میں نے بمشکل خود کو سنجیدہ کیا۔ شمانہ کے دھیلے لہجے نے مجھے متاثر کیا تھا۔ وہ واقعی بدلی ہوئی تھی۔

”بیٹھ جاؤ سبوتا۔ براہ کرم بیٹھ جاؤ۔ پوری بستی میں اب کوئی نہیں ہے جس سے میں دل کی بات کہہ سکوں۔“

”شکریہ شمانہ!“ میں بیٹھ گیا۔ مجھے بھلا اس سے کیا خوف ہو سکتا تھا۔

”شاید تمہیں یہ بات معلوم نہ ہو کہ میرے باپ نے بستی کی بقا کے لیے آتش فشاں میں کود کر قربانی دی تھی۔“

”ہاں مجھے معلوم ہے۔“

”تمہیں معلوم ہے؟ لیکن کس طرح؟“

”اب میں تم سے اتنا بے خبر بھی نہیں ہوں۔“

”اوہ۔ بہرحال، میری پرورش نہ جانے کس کس نے کی۔ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ یوں سمجھو پوری بستی نے ہی اس میں حصہ لیا لیکن میری فطرت کی یہ وحشت کسی نے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں جس طرح سوچتی رہی کرتی رہی اور یہ فطرت نشو و نما پاتی رہی۔ تب شاید میرے باپ کو ہی خیال آیا اور وہ میرے خواب میں آ گیا۔ اس نے کہا کہ جس بستی کے لیے اس نے اتنی عظیم قربانی دی میں اس کے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہوں۔ اس نے کہا ہے کہ میں انسان بنوں، محبت کرنا سیکھوں۔“

”اوہ۔ ایک اچھا مشورہ دیا ہے اس نے۔“

”میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا سبوتا۔ مجھے اعتراف ہے، میں نے کئی بار تمہیں دھوکے سے مارنے کی کوشش کی ہے۔ شاید اب تم آئندہ کبھی میرے اوپر اعتبار نہ کرو لیکن میں اس کی خواہش مند بھی نہیں ہوں۔ تم یوں سمجھو شمانہ پچھلی رات مر چکی ہے۔“ اس نے اداس لہجے میں کہا۔

”نہیں شمانہ! کسی غلط عادت کو ترک کرنے کا مطلب موت نہیں ہے۔“ میں نے ہمدردی سے کہا۔

”فطرت کی موت کے بعد بھی زندگی کا کوئی تصور رہ جاتا ہے؟“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”بعض اوقات انسان غلط عادتوں کو زندگی سمجھ لیتا ہے۔ تمہارا دل اگر اچھائیوں کو قبول کرتا ہے تو تم اتنی بددل کیوں ہو؟“

”لیکن اب بستی میں شمانہ کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔“

”یہ بات نہیں ہے شمانہ۔ بستی والے تمہیں پیار کرتے ہیں اس لیے تمہاری بری عادتوں کو بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ اس پیار کے ساتھ اگر تمہاری اچھی عادت بھی شامل ہو جائے تو تمہاری حیثیت بدل جائے گی اور ان کا پیار بڑھ جائے گا۔“ میں نے کہا لیکن شمانہ کی اداسی میں کمی نہ ہوئی۔

”کیا تم مجھے معاف کر دو گے سبوتا؟“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”بہ آسانی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں مجھے اعتراف ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ بات یہ تھی کہ تم نے میری اس فطرت کو کچلنے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے میں خود کو عورتوں اور مردوں سے برتر سمجھتی تھی لیکن اب جب وہ فطرت ہی نہ رہی ——“

”چلو اسے بھول جاؤ شمانہ۔“ میں نے فراخدلی سے کہا۔

”تم چاہو تو مجھ سے انتقام لے سکتے ہو سبوتا؟“

”انتقام؟“

”ہاں!“

”میں تم سے کوئی انتقام نہیں لینا چاہتا شمانہ اور پھر میں تم سے انتقام بھی کیا لوں؟“ میں نے کہا۔

”میرے بدن کا لباس اتار دو۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے برہنہ کر دو۔ میں اپنی خودی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتی ہوں۔“ اس نے کہا اور اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور میں درحقیقت اس کے اس انداز اور اس بات سے بہت متاثر ہو گیا۔ چند ساعت میں اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر میں نے نرم لہجے میں اس سے کہا۔ ”تمہارا اندازہ اس وقت بھی غلط

تھا شمانہ اور اب بھی تم غلط انداز میں سوچ رہی ہو۔ پہلی بار جب میں جھیل میں اترا تھا تب بھی میرے ذہن میں تمہاری نسوانیت کی توہین کا کوئی احساس نہیں تھا اور نہ ہی اب مجھے تمہارا لباس اتار کر کوئی خوشی ہوگی۔ بہرحال تم نے جو کچھ کیا ہے، میں نے اپنے ذہن سے نکال دیا، بشرطیکہ تم مخلص ہو۔“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ساعت خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھی رہی۔ پھر میری طرف دیکھ کر مضمحل لہجے میں بولی۔

”مجھے میرے گھر پہنچا دو۔“

”اوہ۔“ میں نے معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس نے بھی نگاہیں اٹھائی تھیں اور پھر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر وہ آہستہ سے اٹھ گئی۔

”رہنے دو میں چلی جاؤں گی۔ ظاہر ہے تم میرے اوپر اعتماد نہیں کر سکتے۔ کرنا بھی نہیں چاہیے لیکن —— لیکن ——“ وہ آگے بڑھ گئی۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

”تم غلط سمجھیں۔ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ ظاہر ہے تم روز روز تو اپنا گھر جلانے سے رہیں۔“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے چلتی رہی۔ تب میں اس کے ساتھ اس کے گھر پہنچ گیا۔ وہ کسی قدر خوش ہو گئی تھی۔

اور پروفیسر اس نے میری خوب خاطر مدارات کی۔ اپنے ہاتھ سے بہت سی الٹی سیدھی چیزیں بنا کر کھلائیں اور درحقیقت ان سارے کاموں میں وہ بے حد مخلص نظر آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی بدل گئی ہو۔

رات ہوئی تو میں اٹھنے لگا۔ اس نے میری طرف دیکھا ”جا رہے ہو؟“

”جانا ہی ہے۔“

”نئی بستی جاؤ گے؟“ اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

”کیوں؟“

”ظاہر ہے پوسینا تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔“

”اوہ۔ نہیں۔ میں تو کل بھی اس کے پاس نہیں گیا، آج بھی نہیں جاؤں گا۔ ویسے تم نے اس کی جاں بخشی کر دی ہے۔“

”ہاں۔ یقین کرو مجھے اب اس سے کوئی پرخاش نہیں ہے لیکن اب میں ساری زندگی اس کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ وہ ایک لحاظ سے مجھ سے برتر ہے۔“

”اوہ۔ کس لحاظ سے؟“

”اس کے محبوب نے اس کی حفاظت کے لیے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ میرے ذہن میں ہے اور بہرحال وہ اس سلسلے میں مجھ سے برتر ہے کہ ایسا محافظ محبوب رکھتی ہے، جبکہ میں اس لحاظ سے ساری دنیا میں تنہا ہوں۔“

”اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے شمانہ! لیکن بہرحال تم اس بات کا اعتراف کرو کہ تم غلطی پر تھیں اور اس کی زندگی لینے کی کوشش بے مقصد تھی۔“

”ہاں مجھے اعتراف ہے اور اطمینان رکھو آئندہ میں اس طرف نہیں جاؤں گی۔“

”شکریہ شمانہ! اچھا مجھے اجازت؟“

”کل آؤ گے؟“

”اگر تم پسند کرو؟“

”میں انتظار کروں گی۔ کس وقت آؤ گے؟“

”اس کا فیصلہ بھی تم کر لو۔“

”صبح کو۔“

”میں پہنچ جاؤں گا۔“ میں نے کہا اور پھر میں واپس آ گیا۔ رات کو اپنے آرام کی جگہ لیٹ کر میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ سچی بات تو یہ تھی پروفیسر کہ ابھی تک میں اس لڑکی کی طرف سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ مجھے اس کے اندر تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں لیکن یہ تبدیلیاں تو پہلے بھی نظر آئی تھیں لیکن ان کی اصلیت کیا نکلی تھی۔

دوسرے دن صبح میں ضروریات سے فارغ ہو کر شمانہ کی طرف چل پڑا اور شمانہ مجھے منتظر ملی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی الجھن تھی لیکن مجھے دیکھ کر وہ پرسکون ہو گئی اور اس کے ہونٹوں پر تھکی تھکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تمہاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں شمانہ، کیا بات ہے؟ کیا رات کو سوئی نہیں؟“

”ہاں! میں پوری رات نہیں سوئی سبوتا۔“

”آخر کیوں؟“

”بس، ساری رات اپنے بارے میں سوچتی رہی، آئندہ میری زندگی کس انداز میں گذرے گی؟“ اس نے کہا۔

”تم اس کے لیے پریشان ہو؟“

”نہیں۔ مجھے زندگی سے اتنی دلچسپی نہیں ہے لیکن میں یہی سوچ رہی تھی کہ آئندہ دنیا سے سمجھوتہ کر کے میں کس طرح زندہ رہوں گی۔“

”تم اپنی فطرت کیوں بدلتی ہو شمانہ۔ ہاں بس اپنی وحشیانہ عادتیں ترک کر دو۔“

”نہیں سبوتا! زندگی میں ایک بار شکست کھا لو تو پھر خود کو فاتح مت کہو۔ مجھے شکست ہو چکی ہے۔“ اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اس احساس کو ذہن سے نکال دو۔“

”نہیں نکلتا سبوتا! بہت کوشش کی ہے۔“

”میں پہلے بھی تمہارا دشمن نہیں تھا شمانہ، آج بھی نہیں ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم یہ ساری باتیں بھول جاؤ۔“

”سبوتا!“ شمانہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”ہوں۔“

”میرے ساتھ چلو گے؟“

”کہاں شمانہ؟“ میں نے پوچھا۔

”کہیں بھی۔ جہاں میں لے چلوں۔“ اس نے کہا۔

”چلوں گا شمانہ!“ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”تمہیں تردد تو نہیں ہے؟“

”کس بات پر؟“

”میں تمہیں پھر کہیں دھوکا نہ دوں۔“

”دے دینا شمانہ۔ میں بھی زندگی سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔“ میں

نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس نے گردن جھکالی اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو"۔ اور میں تیار ہوگیا۔ شمانہ میرے ساتھ نکل آئی۔ اس کی چال میں بھی وہ پھرتی نہیں تھی جو اس کی خاصیت تھی۔ آج اس نے ایک نیا راستہ اختیار کیا تھا۔ سکائی میں خاصا وقت گذارنے کے باوجود میں کبھی اس طرف نہیں آیا تھا۔ یہ کالے پہاڑوں کا راستہ تھا۔ بستی سے کافی دُور تھا لیکن تھکنے والا ہم دونوں میں سے کوئی نہیں تھا اور پھر دُور سے ہی میں نے اندازہ لگالیا کہ شمانہ کہاں جارہی ہے۔

پھر ہم آتش فشاں پہاڑ کی چڑھائی طے کرنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد شمانہ اوپر پہنچ گئی۔ آتش فشاں کا دہانہ زیادہ دُور نہیں تھا۔ ذہن میں سے ایک سنسناہٹ کی آواز اُبھر رہی تھی۔ لاوا پک رہا تھا۔ یہاں کافی گرمی تھی لیکن شمانہ پُرسکون تھی۔ اس نے رُک کر سکون کی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کافی دیر تک خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اس کے خدوخال میں پھر تیکھا پن پیدا ہوگیا تھا اور آنکھوں کی خونخوار کیفیت اُبھرتی آرہی تھی۔

"سبوتا!" اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔ میں دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا

"کہو شمانہ!"

"ایک بات بتاؤ گے؟"

"ضرور"۔ میں اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو نوٹ کر رہا تھا۔

"تم مجھے تلاش کرنے سلاکا کے پاس پہنچے تھے؟"

"ہاں۔ ظاہر ہے ورنہ اس سے قبل میں سلاکا کو نہیں جانتا تھا۔"

"مجھے کیوں تلاش کر رہے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو شمانہ؟ براہ کرم صاف صاف کہو اور یہاں آتش فشاں پر کیوں آئی ہو؟" میں نے کہا۔

"اسی پہاڑ کے دہانے میں کود کر میرے باپ نے جان دی ہے۔ میں اس کی روح کو مطمئن کرنے آئی ہوں۔ میں اسے بتانے آئی ہوں کہ سارا قصور میرا نہیں ہے۔"

"تب پھر خود کو مطمئن کرو۔"

"ہاں۔ شاید میں نے درمیان سے گفتگو شروع کردی ہے۔ مجھے اس وقت سے چلنا چاہیے جب تم پہلی بار جھیل پر آئے تھے۔"

"چلو وہیں سے سہی۔"

"تم جان بوجھ کر وہاں نہیں آئے تھے؟"

"نہیں!"

"اور پھر پانی میں مجھے دیکھ کر تم کسی اچھے ارادے سے جھیل میں نہیں اترے تھے؟"

"خوب! ہاں یہ درست ہے لیکن میں صرف تمھیں قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ تمھیں متاثر کرنا چاہتا تھا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ تم ایک خوبصورت لڑکی تھیں اور مجھے پسند تھیں۔"

"پھر اس کے بعد؟"

"تم نے جو کچھ کیا تمھیں معلوم ہے۔ اگر تم وہاں سے میرا پیچھا نہ کرتیں تو شاید میں بھی تمھاری طرف نہ آتا۔"

"اوہ۔ تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں شمانہ! میں جھوٹ اس لیے نہیں بولتا کہ سچ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔" میں نے کہا۔ "تم نے جس طرح ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا اس کے بعد میں تمھارے نزدیک آ کر کیا کرتا لیکن تم خود آتش فشاں بن گئیں اور اس کے بعد جو کچھ تم نے کیا' اس نے مجھے بھی تمھارے پیچھے لگا دیا۔ میں نے تو عموماً جواب دیا ہے' وار تو تم ہی کرتی رہی ہو۔"

"تم نے مجھے بے بس کر کے میرے ہونٹوں کو چوما تھا۔"

"ہاں۔ وہ صرف جوابی کارروائی تھی۔"

"ہونٹوں کو چومنے میں تمھاری طلب کا کوئی دخل نہیں تھا؟"

"یہی سمجھو۔ وہ صرف ایک مرد کی انا تھی۔"

"اور اس کے لیے تم نے میری انا توڑ دی ہے؟"

"میں نے بتایا نا شمانہ کہ یہ احساس تمھاری شدت پسندی نے میرے ذہن میں جگایا تھا۔ جھیل پر میری تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ اگر تم مجھے ناپسند کرتی تھیں تو پیچھے ہٹ جاتیں۔ میں تمھارا تعاقب نہ کرتا۔ اگر تمھارے دل میں میرے لیے گنجائش نکل آتی تو ___ تو شاید میں تمھیں بڑے خلوص سے چاہتا۔"

"لیکن سلاکا؟"

"تمھیں علم ہے کہ سلاکا سے تمھاری وجہ سے ملاقات ہوئی۔ میں تمھاری طرف سے مایوس تھا۔ وہ میری طرف بڑھی تو میں اسے رد نہ کرسکا۔ پوسیتا کے پاس بھی میں تمھاری تلاش میں ہی گیا تھا! اس بات کا تمھیں بھی علم ہے۔"

"لیکن تمھیں کیا حق ہے کہ مجھے زبردستی خود سے محبت کرنے پر آمادہ کرو؟"

"میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"سنو سبوتا! میں عورت ضرور ہوں لیکن خود کو کمتر سمجھنے کی عادی نہیں ہوں۔ میں ہر حالت میں برتری چاہتی ہوں۔ تم نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔"

"لیکن اب تو تم اپنی فطرت بدل رہی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ وہ بھی تمھیں بے وقوف بنانے کی ایک کوشش کی تھی۔ لیکن اس وقت ___ اس وقت مجھے اپنے اندر ایک تبدیلی کرنا پڑی ہے۔ یہ تبدیلی فطری نہیں ہے بلکہ ___ بلکہ درحقیقت میں محسوس کرتی ہوں کہ میری فطرت میں کچھ کمزوریاں پیدا ہوتی جارہی ہیں۔ تم جانتے ہو سبوتا میں تمھارے ساتھ یہاں کیوں آئی ہوں؟"

"یہ تو تم بتا چکی ہو کہ تم مجھے اپنی فطرت کی تبدیلی کے بارے میں بے وقوف بنا رہی ہو۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں اب تک تمھیں بے وقوف ہی بنا رہی تھی۔ میرے ذہن میں یہی خیال تھا کہ میں پیار بھری باتیں کر کے تمھیں متاثر کروں اور پھر تمھیں آتش فشاں کے دہانے میں دھکیل دوں۔ اگر تمھاری گرفت سخت ہو تو خود بھی اس میں چھلانگ لگا دوں۔ یہ میرا ارادہ تھا سبوتا لیکن یہاں آ کر اور تم سے گفتگو کرنے کے بعد میرے اندر ایک عظیم کمزوری پیدا ہوئی ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ واقعی غلطی میری ہے، اور سبوتا! میں نے کبھی اپنی کوئی

غلطی تسلیم نہیں کی ہے۔ سُنو۔ یہ حقیقت ہے کہ میرے دل سے پوسیتا سے انتقام کا جذبہ بھی سرد پڑ گیا ہے۔ رات جاگ کر میں نے یہ بھی سوچا ہے کہ اس کا کوئی قصور نہیں۔ اسے قتل کرنے سے کیا فائدہ۔ چنانچہ میں رات کو ہی اسے معاف کرچکی ہوں۔ ان حالات میں کیا میں یہ سوچنے میں حق بجانب نہیں ہوں کہ شمانہ کی اصل حیثیت ختم ہوچکی ہے۔ اس کی فطرت دم توڑ چکی ہے۔ جواب دو سبوتا۔"

"پہلے تم گفتگو ختم کرلو۔" میں نے کہا۔

"اب مجھے شمانہ سے نفرت ہے۔ بزدل شمانہ سے مجھے کراہیت محسوس ہورہی ہے۔"

"اب تمھارا کیا ارادہ ہے شمانہ؟"

"جب غلطی میری ہے تو تمھیں مرنا نہیں چاہیے۔ صرف اور صرف شمانہ کو مرنا چاہیے۔ بے حقیقت شمانہ کی زندگی مجھے ذرا بھی پسند نہیں ہے۔" اس کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔ "میں اس شمانہ کو سزا دینا چاہتی ہوں جس نے غلطی کی ہے۔"

اور پروفیسر میری سمجھ میں سب کچھ آگیا۔ شمانہ نے پوری زندگی سچ نہ بولا ہو۔ لیکن اس وقت مجھے یقین ہوگیا کہ وہ سچ بول رہی ہے اور اس کا ارادہ بھی میرے علم میں آگیا۔ وہ آتش فشاں کے دہانے کے قریب موجود تھی۔ اس کی ایک چھلانگ اُسے آتش فشاں کے دہانے تک لے جاسکتی تھی۔ میں کسی طور اُسے کودنے سے نہیں روک سکتا تھا اور وہ یقیناً خودکشی کا ارادہ رکھتی تھی۔ میرے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس کی موت کسی طور مجھے گوارہ نہیں تھی پروفیسر۔ چنانچہ میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ میں نے گردن جھکالی۔

"کیا تم میرے اُوپر ایک احسان کرسکتے ہو سبوتا؟" شمانہ نے پوچھا۔

"کہو شمانہ۔" میں نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ بات بتاؤ۔ کیا شمانہ بزدل ہے؟ کیا وہ بے حقیقت ہے؟"

"میں تمھیں اور بھی چند باتیں بتانا چاہتا ہوں شمانہ!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا؟"

"اگر تم اس شمانہ کو ہلاک کرنا ہی چاہتی ہو، جو تمھارے خیال میں ایک کمزور۔ ۔ ۔" میں ایک دم خاموش ہوگیا اور چونک کر ایک طرف دیکھنے لگا۔ "ارے، یہ اس طرف کیوں آرہے ہیں۔ ۔ ۔" اور میری یہ کوشش سو فیصد کامیاب رہی جس طرف میں نے دیکھا، وہ کسی قدر نشیب میں تھی اور شمانہ اپنی جگہ سے اس طرف نہیں دیکھ سکتی تھی۔ چنانچہ وہ بے اختیار چند قدم آگے بڑھ کر ایک بلند جگہ پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کون ہے؟" اس کے منہ سے نکلا۔ لیکن میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے عقاب کی سرعت سے چھلانگ لگا کر شمانہ کو دبوچ لیا، اور وہ پوری طرح میری گرفت میں آگئی۔ ایک لمحہ کے لئے وہ بھونچکا سی رہ گئی تھی۔

لیکن پھر وہ بھی صورت حال سمجھ گئی اور بُری طرح چیخی،

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تم مجھے مرنے سے نہیں روک سکتے۔ میں زندہ نہیں رہوں گی۔ میں ذلت کی زندگی گوارہ نہیں کرسکتی۔ چھوڑ دو۔ میں کہتی ہوں چھوڑ دو۔" لیکن اب اس کے کہنے سے میں اسے چھوڑ تو نہیں سکتا تھا۔ میں اُسے بازوؤں میں اٹھائے پہاڑ سے نیچے اُترنے لگا۔ شمانہ جس قدر کوشش کرسکتی تھی، کررہی تھی۔ لیکن اب میری گرفت سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ میں اسے پہاڑ سے نیچے لے آیا، اور پھر میں اس کو اتنی دور لے آیا کہ اگر وہ دوبارہ اس طرف جانے کی کوشش کرے تو میں اس پر قابو پاسکوں۔

تب میں نے اُسے زمین پر اُتار دیا۔ شمانہ کی بُری حالت تھی۔ غصّہ کی وجہ سے اس کا چہرہ آتش فشاں بنا ہُوا تھا۔

"چونکہ میں تمھارا دشمن نہیں ہوں شمانہ اور تمھیں دل سے پسند کرتا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے تم سے بے حد محبت ہے اور مجھے تمھاری موت سے گہرا صدمہ ہوگا تو یہ غلط نہ ہوگا۔ اگر میں یہ کہوں شمانہ کہ میں تمھارے لئے دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی کو بھی چھوڑ سکتا ہوں تو یہ بھی غلط نہیں ہوگا۔ درحقیقت میں تمھیں اتنا ہی چاہتا ہوں۔ اس کے باوجود میں فطرت کا قاتل نہیں بننا چاہتا۔ اگر تم مرنا ہی چاہتی ہو تو میں تمھیں اس کا ایک اور اچھا طریقہ بتا سکتا ہوں۔"

"بتاؤ۔" وہ وحشیانہ انداز میں دانت پیس کر بولی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں، بال بکھرے ہوئے تھے اور اس عالم میں وہ کیا لگ رہی تھی۔ میں تمھیں اس بارے میں نہیں بتا سکتا پروفیسر۔

"تمھارے باپ نے جان کیوں دی تھی؟"

"اس بستی کی بقا کے لیے۔"

"اور تم صرف اپنی انا کے لیے جان دے رہی ہو؟"

"پھر ___ پھر میں کیا کروں؟" وہ غرائی۔

"تم بھی ایسی ہی کوئی مثال قائم کرو۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"کسی ایسے مقصد کے لیے جان دو کہ پوری بستی تمھیں ہمیشہ یاد رکھے۔"

"میں نہیں سمجھی۔" شمانہ کے لہجے میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

"تمھیں علم ہے کہ تمھارے وطن میں اجنبی گھس آئے ہیں اور وہ تمھاری ان بستیوں پر پوری طرح قبضہ کر کے تمھیں اور تمھاری نسل کو اپنا محکوم بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے تمھارے نوما کو قتل کر کے ایک ایسے شخص کو نوما بنا دیا ہے جو ان لوگوں کا پٹھو ہے اور آہستہ آہستہ وہ اپنی جڑیں مضبوط کر رہے ہیں۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔" شمانہ نے کہا۔ اب اس کے انداز میں کسی قدر حیرانی شامل ہوگئی تھی۔

"تو پھر کیوں نہ تم اپنی بستیوں کو ان کے تسلط سے آزاد کرانے کی کوشش

میں جان دو۔"

"ہوں؟"

"ہاں۔ تم اتنی کمزور تو نہیں ہو۔"

"لیکن میں — میں کیا کر سکتی ہوں؟" اس کا ذہن بٹ گیا تھا۔

"بہت کچھ۔" میں نے جواب دیا۔

"بتاؤ۔ مجھے بتاؤ؟" اس نے کہا۔

"تمھیں اپنے فوما سے پیار تھا؟"

"ہاں۔ وہ اچھا انسان تھا۔ اس کی محبت پوری بستی کے خون میں رچی ہوئی ہے۔"

"اپنی بات کہو۔"

"میں بھی انہی میں شامل ہوں۔"

"اگر میں تمھیں بتاؤں کہ تمھارا فوما زندہ ہے اور پوشیدہ رہ کر ان لوگوں کے خلاف کارروائی کر رہا ہے تو کیا تم یقین کروگی؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا اور میری طبیعت خوش ہوگئی۔ تاہم میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور اگر میں تمھیں اس سے ملا دوں تو؟"

"فوما سے؟" اس نے شدید حیرت سے کہا۔

"ہاں!"

"تو میں یقین کر لوں گی لیکن وہ مر چکا ہے۔"

"تب اس وقت تک اور کچھ نہ سوچو جب تک اس سے مل نہ لو۔ آؤ میرے ساتھ۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور وہ مجھے دیکھتی رہی، پھر بولی۔

"تم مجھے دھوکا تو نہیں دے رہے؟"

"اگر یہ دھوکا ثابت ہو جائے تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں تمھارے کسی اقدام سے نہیں روکوں گا لیکن اس کے بعد تمھیں اس کے لیے کام کرنا ہوگا۔"

"چلو۔" اس نے کہا اور میں اسے لے کر فوما کی طرف چل پڑا۔ شمانہ کے چہرے پر بدستور بے یقینی کے تاثرات تھے۔

شمانہ کے بارے میں اب میرا نظریہ بالکل بدل چکا تھا۔ اس سے قبل وہ ایک خطرناک حیثیت سے میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ اس کے پے در پے حملوں نے مجھے یہ بات باور کرا دی تھی کہ وہ آسانی سے شکست ماننے والوں میں سے نہیں ہے اور جعلسازی کے ذریعے وہ مجھے ہلاک کرنے کی مختلف تدابیر کرتی رہے گی۔

لیکن جب اُس نے آتش فشاں میں کُود کر خودکشی کرنا چاہی تو اس کے بعد پروفیسر یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اب وہ تھک چکی ہے۔ گویا دوسرے معنوں میں اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی اور ظاہر ہے شکست خوردہ لڑکی اب میرے لیے کسی طور نقصان دہ نہیں تھی۔ میں نے اس کی جذباتیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بات سوچی تھی کہ اسے فوما کے بارے میں بتا دوں۔ یقیناً ایسی لڑکی کسی حد تک وحشیانہ فطرت اور حب الوطنی کا جذبہ رکھتی ہو، میری اس ۔ ۔ تاثر ہو سکتی تھی اور یہی ہوا بھی تھا۔

شمانہ اب خاصے مختلف انداز میں میرے ساتھ چل رہی تھی۔ اس کا ذہن کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور چہرے پر حیرت کے ہلکے سے نقوش تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ فوما کے بارے میں سوچ رہی ہوگی کہ فوما جو سب کے لئے مر چکا تھا، زندہ کیسے ہوگیا۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ بھی سوچا ہو کہ میری کوئی چال ہو۔

لیکن شکست خوردہ لڑکی اب ہر چال میں آنے کے لئے دل سے تیار تھی۔ آتنا میں بھی جانتا تھا کہ فوما کو میری اس حرکت پر اعتراض نہیں ہوگا۔ شمانہ تنہا تھی اور بہرصورت فوما کے لئے نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتی تھی، اور پھر جو کام میں نے کیا اس میں اتنی بہت ساری دقتیں بھی نہیں تھیں کہ فوما کے لئے بہت زیادہ پریشان ہو جاتا۔ اپنے بگڑے ہوئے کاموں کو میں خود سنبھالنے کی قوت رکھتا تھا۔

شمانہ اور میں تیزی سے چلتے ہوئے اسی مکان کی طرف جا رہے تھے جو ساحلِ سمندر پر تھا اور جہاں سے فوما بستی والوں پر نگاہ رکھتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں وہاں پہنچ گئے۔ شمانہ نے یہ مکان دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا فوما اس مکان میں ہے؟"

"ہاں شمانہ۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ میں نے ایک دفعہ یہ مکان دیکھا تھا۔"

"کب؟" میں نے پُوچھا۔

"اس وقت جب میں ایک رات تمہارے ہاں نئی بستی پہنچی تھی اور تم نے مجھے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔" شمانہ پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"اوہو۔ تو کیا تم سمندر کے راستے ہی اس جگہ واپس آئی تھیں؟"

"ہاں، میں نے سوچا کہ اب خشکی پر جانا بےکار ہے۔"

"اوہ، کیوں؟"

"بس میں اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔" شمانہ نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔ میں نے فوما کے دروازے پر دستک دی اور چند ساعت بعد اس کی آواز سنائی دی،

"کون ہے؟"

"سبوتا۔" میں نے جواب دیا اور دوسرے لمحے فوما نے دروازہ کھول دیا لیکن میرے ساتھ شمانہ کو دیکھ کر وہ بُری طرح چونک پڑا تھا۔ اس نے تحیر آمیز نگاہوں سے شمانہ کی صورت دیکھی اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔ میں اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہُوا تھا۔

دوسری طرف شمانہ محوِ حیرت اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ چند قدم آگے بڑھ آئی تھی۔ فوما اب تک دروازے کے پیچھے کھڑا تھا۔ میں نے شمانہ کے لئے راستہ چھوڑ دیا تھا اور شمانہ —؟ وہ تو صرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے فوما کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے آگے بڑھی، اور فوما کے قدموں

پر جھک گئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ فوما کے قدموں پر رکھ دیئے تھے۔

"آہ فوما! تو زندہ ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں، مگر تم کون ہو؟" فوما نے پوچھا۔

"یہ شمانہ ہے فوما — قبیلے کی وحشی ہرنی۔"

"اوہ۔" فوما کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "آؤ شمانہ، اندر آجاؤ۔" اس نے پُراخلاق لہجے میں کہا اور جب ہم دونوں اندر داخل ہُوئے تو اس نے دروازہ بند کر دیا۔

فوما نے بڑے پُراخلاق انداز میں ہم دونوں کو بیٹھنے کی پیش کش کی۔ شمانہ تو جیسے گم ہو گئی تھی۔ میں البتہ فوما کے اشارے پر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ فوما نے شمانہ کو بھی ایک جگہ بیٹھنے کی ہدایت کی۔ وُہ بیٹھ گئی مگر اس کی حیرت میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔

لیکن اس کے انداز میں بڑی عقیدت تھی۔ فوما اسے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"سبوتا کی زبانی میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ حکیم ہاکو بھی مجھے کافی کچھ بتا چکا ہے۔ تم سے ملنا چاہتا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ سبوتا تمہیں لے آیا۔"

"مقدس فوما — تُو زندہ ہے — کیا تمہیں پتہ ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں یہ سُن کر کتنی خُوشی ہوئی ہے؟ کیا بستی کے دوسرے لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ فوما زندہ ہے اور ان کے درمیان موجود ہے؟" شمانہ نے کہا۔

"ہاں، مصلحتاً بستی کے لوگوں سے یہ بات چھپائی گئی ہے اور میرا خیال ہے یہ مناسب ہی ہے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری آمد لوگوں پر عیاں ہو۔"

"لیکن فوما، میں سخت حیران ہوں۔ میں نے اپنے کانوں سے تیری موت کی خبر سنی تھی اور پھر میں نے یہ بھی سنا کہ کشبالہ حکمران بن گیا ہے۔"

"ہاں شمانہ بہت ساری باتیں سننے میں آئی ہیں۔ بہت سارے راز کھُلیں گے۔ لیکن میں تجھے صرف اتنا بتاؤں گا کہ میری زندگی بچانے والا اور تمہاری بستی کو فوما واپس دلانے والا سبوتا ہے۔ صرف سبوتا۔" فوما نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"اوہ۔" شمانہ کے لہجے میں تاسف تھا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور گردن ہلاتی ہوئی بولی۔

"لیکن فوما — مقدس فوما، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے اس کے بارے میں بتا۔ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"کس کے بارے میں؟" فوما مسکراتا ہُوا بولا۔

"سبوتا کے بارے میں۔"

"کیوں جاننا چاہتی ہے تُو؟"

"میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آخر یہ ہے کون۔" شمانہ عجیب سے لہجے میں بولی اور فوما مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"لیکن شمانہ سبوتا نے مجھے بتایا ہے کہ تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔ مجھے ان تمام باتوں کا علم ہے کہ تم نے سبوتا کے لئے بہت سے نقصانات اٹھائے ہیں جس میں مکان کا جلنا بھی شامل ہے۔"

"اوہ، تو سبوتا بہت عرصے سے تجھ سے ملتا رہا ہے؟" شمانہ نے کہا۔

"ملتا کیا رہا ہے شمانہ۔ تم یوں سمجھو کہ مجھے یہاں لانے والا، میری زندگی بچانے والا سبوتا ہی ہے۔ ہم دونوں یہاں ساتھ ہی آئے تھے۔"

"تب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ فوما سبوتا سے کہو کہ مجھے معاف کر دے۔ میں نے تو بارہا اس کی جان لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تو نہ جانے اس کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا۔ میں اس بات سے بہت شرمندہ ہوں۔ میں صدقِ دل سے شرمندہ ہوں فوما۔ اس سے کہو مجھے معاف کر دے۔"

"کیوں سبوتا، کیا خیال ہے تمہارا؟"

"ٹھیک ہے فوما۔ مجھے شمانہ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اس نے جو کچھ بھی کیا میں اس سے پُوری طرح لطف اندوز ہُوا اور بہرصورت تھوڑی سی غلطی میری بھی تھی اور ہم فی الوقت یعنی میں اور شمانہ صلح کر چکے ہیں اور اس وقت یہ صلح، میرا مطلب ہے، تمہاری موجودگی میں اور مستحکم ہوگئی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یقیناً۔ یقیناً۔ تو اب شمانہ کو تفصیلات بتانا ہی پڑیں گی۔ شمانہ، میں نہیں چاہتا کہ ابھی بستی کے کسی اور فرد کو میری آمد کے بارے میں معلوم ہو۔ ہم ان زرد رُو لوگوں سے اپنا وطن واپس لینا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں نہایت خاموشی سے کام کرنا ہوگا اور اس میں تم بھی میری شریک ہوگی۔"

"خلوصِ دل سے فوما۔ میری زندگی کا اس سے اچھا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"تب پھر میری آمد کے بارے میں مختصر طور پر سن لو کہ ان لوگوں نے مجھے نیم مردہ حالت میں سپردِ سمندر کر دیا تھا۔ ظاہر ہے سمندر کی زندگی کب تک میرے سانس بحال رکھتی۔ پھر سبوتا مجھے ملا اور سمندر میں سبوتا نے میری مدد کا بیڑہ اُٹھایا۔ تب وہ مجھے یہاں تک لے آیا اور اس وقت سے میں حکیم ہاکو کا مہمان ہوں۔"

شمانہ متعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ تب میں نے مسکراتے ہُوئے بتایا کہ جب میں جھیل میں پہلی بار اس سے ملا تھا تو فوما کو حکیم ہاکو کے گھر چھوڑ کر آیا تھا گویا اسی وقت میں اور فوما یہاں آئے تھے۔

شمانہ دلچسپی سے ساری باتیں سنتی رہی۔ پھر اس نے سنجیدگی سے مجھ سے کہا۔

"سبوتا۔ مجھے یہ اُمید ہے کہ تم خلوصِ دل سے مجھے معاف کر دو گے۔ میں نے تمہارے ساتھ واقعی زیادتی کی ہے۔ لیکن تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ کہ مجھے فوما کی خدمت میں لے آئے۔ اب میں اپنی زندگی فوما کے مقاصد کی تکمیل میں صرف کر دوں گی۔ میں اس کے دستِ راست کی حیثیت سے کام کروں گی۔ تم نے نہ صرف مجھ پر بلکہ اس ساری بستی پر احسانِ عظیم کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے شمانہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ شمانہ اچانک بے حد خوش نظر آنے لگی۔ پھر اس نے فوما سے کہا۔

"فوما۔ تو مجھے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دے۔ اگر تو نہ چاہے گا تو میں اس مکان سے باہر بھی نہ نکلوں گی۔ بس میں تیری دن رات خدمت کیا کروں۔

گی۔ تیرے سارے کام نمٹاؤں گی۔ مقدس فوما میں تیری آمد سے بہت خوش ہوں۔"

"میں بھی تیری آمد سے بہت خوش ہوں شمانہ۔ تو یہاں رہ سکتی ہے۔" اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہرصورت مجھے اور کیا چاہیئے تھا۔ تھوڑی سی دلچسپی یہیں مہیا ہو گئی تھی اور فوما کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ شریف انسان یقیناً اس بات سے واقف ہے کہ میں شمانہ کو پسند کرتا ہوں اور اب بات رہ گئی پوسیتا کی تو اس کے بارے میں جاننا تو بہرصورت ایک مرحلہ تھا جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

شام ہوئی اور پھر رات ہو گئی۔ شمانہ نے فوما کے تمام کام نہایت خوش اسلوبی سے کئے تھے۔ چند لمحات کے لئے مجھے فوما کی تنہائی نصیب ہوئی۔ شمانہ کوئی کام کر رہی تھی۔ تب میں نے فوما سے کہا۔

"اس لڑکی کی آمد تمہارے لئے کسی حیثیت سے پریشان کن تو نہیں ہے فوما؟"

"اوہ نہیں سبوتا۔ تم نے یہ کیوں سوچا؟"

"بس ایسے ہی۔ میرا خیال تھا کہ کہیں تم اسے پسند نہ کرو۔ لیکن لڑکی مخلص ہے اور اس قسم کی لڑکیوں کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ یہ بات کسی طور زبان سے نہیں نکالے گی کہ تم یہاں موجود ہو یا اس کا تم سے کوئی تعلق ہے۔ وہ بے حد جذباتی لڑکی ہے۔"

"ہاں۔ مجھے یقین ہے اور میں خوش ہوں کہ تم اسے یہاں لے آئے۔ بہرصورت میں بھی تنہائی محسوس کر کے بڑی کوفت میں مبتلا تھا۔ وہ میرے کچھ کام بھی کر دیا کرے گی۔ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ اس کی آمد سے تمہیں خوشی ہی ہو گی۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ دراصل وہ خودکشی کرنے جا رہی تھی۔"

"اوہو۔ کیوں آخر؟ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"بس مجھے شکست دینے میں ناکام رہی تھی۔ اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ وہ مر جانا چاہتی تھی۔ تب میں نے اسے مجبوراً تمہارے بارے میں بتایا اور اس طرح اس کا ذہن بٹانے میں کامیاب ہو گیا ورنہ احمق لڑکی نہ جانے کیا کرتی۔"

"تم نے بہت اچھا کیا سبوتا۔ اس کے آنے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ یوں بھی وہ تنہا ہے اور یہیں پر رہے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

رات کو میں فوما کی اجازت سے شمانہ کے ساتھ ساحلِ سمندر پر نکل آیا۔ اس علاقے میں مکمل ویرانی تھی اور دور بہت دور نئی بستیوں کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہم اس نئی بستی کی روشنیوں کو بآسانی دیکھ سکتے تھے۔ ہم پتھریلی چٹانوں پر بیٹھ گئے۔ شمانہ ابھی تک خاموش تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سارا دن سوچ میں ڈوبی رہی ہوں سبوتا اور یہ سوچ سوچ کر سخت شرمندہ ہوتی رہی ہوں کہ اپنے اس محسن کے ساتھ اتنا بُرا سلوک کیا جس نے نہ صرف میرے بلکہ میری پوری قوم کے ساتھ احسانِ عظیم کیا ہے۔ تم نے فوما کو بچا کر ہماری بستی کو ایک نئی زندگی دی ہے۔"

"ارے شمانہ یہ کوئی بات نہیں ہے۔ بس مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تمہارے دل سے وہ غلط فہمی نکل گئی جو تھی۔" میں نے کہا۔

"ہاں سبوتا۔ میں واقعی شرمندہ ہوں لیکن اگر تم پسند کرو تو چند باتیں [illegible] سے ضرور کرنا چاہتی ہوں۔"

"کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ سبوتا آج تم خلوصِ دل سے اپنے [illegible] میں بتاؤ۔ اب تک جو ساری باتیں ہوئیں میں نے انہیں دشمن کی نگاہ [illegible] اور ان پر کبھی یقین نہیں کیا لیکن سبوتا میں چاہتی ہوں کہ اب تم مجھے یہ ساری باتیں بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہ پُراسرار قوتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟"

"شمانہ یہ ساری باتیں تمہارے لئے بیکار ہیں۔ میں کوئی ایسی ہستی نہیں [illegible] جسے تم دیوتا سمجھو۔ بس تم لوگوں سے قدرے مختلف ہوں۔"

"مختلف؟" شمانہ تعجب سے بولی ——— "مجھے [illegible] زمین سے درخت کون اکھاڑ سکتا ہے۔ آگ کے شعلوں میں کون زندہ رہ سکتا ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ زہرِ ہلاہل جو میں نے شربت میں ملایا تھا تم نے پیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود تم زندہ ہو۔ آخر کیوں۔ آخر کیوں؟"

"میں نے کہا نا ـــ میں تم لوگوں سے تھوڑا سا مختلف ہوں۔"

"کیوں مختلف ہو؟"

"بس۔ اس بارے میں، میں خود بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"بڑی انوکھی بات ہے۔ تم جیسا انسان تو روئے زمین پر شاید ہی کوئی [illegible] ہو ـــــ"

"ہاں شاید۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھا ایک بات اور بتاؤ۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔ وہ بھی پوچھو۔"

"کیا تم سلاکا سے محبت کرتے تھے؟"

"نہیں۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سلاکا کے ہاں میں تمہاری تلاش میں پہنچا تھا۔"

"اور پوسیتا کے پاس؟" شمانہ نے سوال کیا۔

"وہاں بھی تمہاری تلاش میں گیا تھا۔"

"لیکن پوسیتا۔ ۔ تم اس سے تو محبت کرنے لگے تھے۔" شمانہ کے لہجے میں شکایت تھی۔

"ایک بات کا پہلے تم جواب دو شمانہ۔" میں نے کہا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "تم نے کبھی اپنے دل میں میرے لئے محبت محسوس کی ہے؟"

میرے اس سوال پر شمانہ چند ساعت خاموش رہی۔ پھر بھاری لہجے میں بولی۔

"سبوتا۔ میں ہر لحاظ سے شکست خوردہ ہوں۔ جب تم نے مجھے قدم قدم پر شکست دے دی ہے تو پھر میں کوئی ایک احساس ہی پوشیدہ رکھ کر کیا کروں [illegible]"

"لیکن میرا سوال ایک دوست کا سوال ہے شمانہ۔ فتح یا شکست سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم نے خود کو شکست خوردہ تصور کر لیا ہے۔ یہ تمہارا فعل ہے جس کے لئے ایک دوست کی حیثیت سے میں تم سے یہ کہوں گا کہ ایسا کوئی خیال

[illegible] میں نہ رکھو۔ میں خود کو کسی طور بھی فاتح نہیں سمجھتا۔ بس دوسروں سے ذرا [illegible] ہوں اس لئے مر نہیں سکا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو تمہارے عتاب کا شکار [illegible] کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ میری اور تمہاری جو گفتگو ہو رہی ہے وہ صرف دو دوستوں کی گفتگو ہے۔ اس میں کوئی خیال غیر مناسب ہو گا۔ اگر تم کسی سوال کا جواب نہ دینا چاہو تو تمہیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔"

"نہیں سبوتا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری کیفیت عجیب رہی ہے۔ تم مجھے اس وقت بھی اچھے لگے تھے جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا لیکن [illegible] کے بارے میں میری رائے کبھی اچھی نہیں رہی۔ میں انہیں ہمیشہ سے حقیر سمجھتی رہی ہوں اس لئے کسی مرد کی یہ جسارت میں معاف نہیں کر سکتی تھی کہ وہ مجھے لباس سے بے نیاز دیکھے۔ پھر جب میں تم سے انتقام نہ لے سکی اور تم مجھ پر حاوی رہے تو میرا غصہ بڑھتا رہا اور میں جھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔ بے پناہ جھلاہٹ، شدید جھلاہٹ۔ میں تمہاری بوٹیاں اڑا دینا چاہتی تھی ـــ لیکن۔ لیکن۔ ۔ اور پھر سلاکا کے پاس میں نے تمہیں دیکھا اور ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ میرے ذہن میں ایک عجیب سا احساس ابھر آیا۔ یوں لگا جیسے سلاکا نے میرا کچھ چھین لیا ہو ۔ ۔ ۔ اور اسے مارنے میں میری یہ ذہنی جھلاہٹ بھی شامل تھی۔ پھر میں نے تمہیں پوسیتا کے ساتھ دیکھا اور اس وقت بھی میرے دل میں یہی احساس تھا کہ ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔ صرف میرے لئے ہو۔ کوئی دوسرا تمہیں ہلاک بھی نہیں کر سکتا۔ اگر تم اسے محبت کا نام دے سکتے ہو سبوتا تو دے لو۔ اس کے علاوہ اور کوئی خیال میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا۔"

"ہوں۔ بہرحال اپنی اس کیفیت کو کوئی نام تم خود دے سکتی ہو۔ باقی رہا تمہارا سوال، تو شمانہ، یہاں آنے کے بعد میں نے صرف تمہیں دیکھا تھا۔ تم مجھے بہت اچھی لگی تھیں لیکن دو تین بار تمہارے اجتناب اور نفرت کو محسوس کرنے کے بعد میں نے اپنے ذہن سے تمہارے حصول کا خیال نکال دیا۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ مجھے اپنی ذہنی جلن دُور کرنے کے لئے کسی سہارے کی ضرورت تھی اور دونوں لڑکیاں صرف سہارا تھیں۔"

"گویا تمہیں ان سے محبت نہیں تھی۔"

"نہیں۔"

"پوسیتا سے بھی۔"

"ہاں اس سے بھی نہیں ہے۔"

"لیکن اس کے لئے تم نے میرے ساتھ اتنا بُرا سلوک کیوں کیا تھا؟"

"اس کی وجہ تمہیں معلوم ہے شمانہ۔ تم میری وجہ سے پوسیتا کو عذاب کا شکار بنانا چاہتی تھیں۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"تب تم اس کے پاس بھی نہیں جاؤ گے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں شمانہ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟"

"کیا تم اس کا نعم البدل بن سکتی ہو؟" میں نے سوال کر دیا اور شمانہ کی گردن جھک گئی۔

"تم مجھے میری حیثیت نہ دو گے بلکہ پوسیتا کا نعم البدل سمجھ کر قبول کرو گے؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ فیصلہ تو اس وقت ہو گا جب تمہارے مل جانے کی اُمید پیدا ہو جائے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا، اور شمانہ اپنے پتھر سے اُٹھ گئی۔ آہستہ آہستہ میرے قریب آئی اور نیچے زمین پر بیٹھ کر اپنا سر میرے گھٹنوں پر رکھ دیا۔

"سبوتا۔ میری تیری غلام ہوں۔ میں تیری عورت ہوں سبوتا۔ میرا دل صرف وحشت کا شکار تھا ورنہ تیری حیثیت کو میں پہلے سے تسلیم کر چکی تھی۔ ہاں میں اعتراف کرتی ہوں کہ تُو دنیا کا انوکھا مرد ہے اور میں نے اپنی وحشت کے اثر سے نکل کر جب بھی تیرے بارے میں سوچا، میرے دل کی دھڑکنوں نے تیرا نام لیا اور تو مجھے ایک ایسا شخص نظر آیا جسے دل سے چاہا جا سکتا ہے۔ جسے پیار کیا جا سکتا ہے۔ ہاں میں تجھے چاہتی ہوں سبوتا۔ ہاں میں تجھے دل و جان سے چاہتی ہوں۔" وہ میرے گھٹنوں سے اپنی آنکھیں رگڑ رہی تھی اور میں اس طوفان کی شدت کا اندازہ کر رہا تھا جو اُس کے دل میں اٹھ رہا تھا۔ بخوبی اندازہ کر رہا تھا۔

میں نے اس کے بازو پکڑے اور اُسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا شمانہ کے انداز میں خود سپردگی تھی اور پھر میں نے اُسے اپنے ساتھ ہی پتھر پر بٹھا لیا۔ شمانہ بالکل موم ہو گئی تھی۔ ساری رات ہم نے ساحل پر گزار دی اور پھر روشنی کی آمد کا احساس کر کے ہم اُٹھ گئے۔ میں اپنی قیام گاہ پر آرام کرنے چلا گیا اور شمانہ اس جگہ کی طرف جہاں فوما نے اس کے آرام کا بندوبست کیا تھا۔

دن میں خوب دیر سے میں جاگا اور جاگنے کے بعد خوراک کی تلاش میں اپنی جگہ سے نکل آیا لیکن شمانہ سے ملاقات ہو گئی۔

"حکیم اکو آیا ہے۔" شمانہ نے بتایا۔

"اوہو۔ کہاں ہے؟"

"فوما کے پاس۔ دونوں گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اور تم کیا کر رہی ہو؟" میں نے پیار سے اُسے دیکھا۔

"میں فوما کی ضروریات پوری کر رہی ہوں۔ مجھے اس کی خدمت کر کے بے انتہا مسرت ہو رہی ہے۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں مقدس فوما کے کسی کام آ سکتی ہوں۔ آہ تمہیں نہیں معلوم سبوتا۔ ہماری بستیوں کے لوگ فوما کے لئے ہزار بار مرنے کو تیار ہیں۔ فوما کی موت سے بے شمار لوگ ذہنی طور پر مر چکے تھے۔ انہیں جب پتہ چلے گا کہ فوما زندہ ہے تو ۔ ۔ ۔ تو تم نہیں جانتے سبوتا کہ ان کی کیا حالت ہو گی۔"

میں چند ساعت خاموش رہا، پھر پوچھا۔ "فوما نے ناشتہ کر لیا؟"

"ہاں۔ وہ تمہارے جاگنے کا منتظر تھا لیکن میں نے اسے مجبور کر کے ناشتہ کرا دیا۔"

"تم نے کر لیا؟"

"ابھی نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ناشتہ کروں گی۔" شمانہ نے جواب دیا۔ عورت کی پُرانی عادت۔ لیکن نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ شمانہ اس انداز میں زیادہ بھلی نہیں لگتی تھی۔ یہ جنگلی بلی تو وحشت خیزی میں ہی حسین لگتی تھی میری

خواہش بھی کہ وہ میری وفادار ہونے کے بعد بھی اتنی نرم نہ ہوکر۔۔۔ لیکن ابھی کیا، ابھی تو آگے دیکھنا تھا کہ اس کی کیا کیفیت رہتی ہے۔

بہرحال میں نے اس کے ساتھ ناشتہ کیا، ناشتے کے دوران شمانہ نے خود کو ایک مکمل عورت بنا کر پیش کیا۔ وہ درحقیقت بدل گئی تھی۔ بہرحال میری وہ خواہش پوری ہو گئی تھی جس کے لئے میں ایک طویل عرصے سے سرگرداں تھا۔ بالآخر میں نے اس وحشی ہرنی کو رام کر لیا تھا۔ اب وہ پورے طور سے میرے بس میں تھی اور اس کی یہ صورت تھوڑی سی مختلف ضرور تھی لیکن مجھے ناپسند نہیں تھی۔

ناشتہ کے بعد میں نے شمانہ سے پوچھا۔

"اب تم کیا کرو گی شمانہ؟"

"سبوتا۔" شمانہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں بس تھوڑی سی مختلف فطرت کی ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی خود پر کسی کا تسلط محسوس نہیں کیا، لیکن اب جب میں نے یہ بات محسوس کر لی ہے کہ شمانہ، شمانہ نہیں رہی، بلکہ وہ کسی کی محکوم ہے، کسی کی غلام ہے، کسی کی طالب ہے تو اس کے بعد شمانہ کی اپنی مرضی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

میں مسکراتے ہوئے شمانہ کو بغور دیکھ رہا تھا، جو بالکل بدل گئی تھی۔ اس کی آزاد فطرت نے میرے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"سبوتا! تم میری زندگی کے ہر لمحے کا تعین کیا کرو، میرے ہر لمحے کا حساب رکھا کرو، مجھے اس میں خوشی ہوگی!"

"اوہ شمانہ، جس وقت تک میں تمہارے بارے میں یہ محسوس کرتا رہا تھا کہ تم میری دسترس سے باہر ہو اور دل سے میری مخالف ہو تو میں تمہارے لئے بہت سی باتیں سوچتا تھا۔ میری ہر کوشش یہی تھی کہ کس طرح تمہیں اس راستے پر لا سکوں جو میری طرف آتا ہے۔ اب جب کہ تم میرے نزدیک آگئی ہو تو تمہاری حیثیت نہ تو کسی غلام کی سی ہے نہ کسی محکوم کی۔ تم میری دوست ہو، میری ساتھی ہو چنانچہ یہ تصور ذہن سے نکال دو کہ تم میری غلام ہو یا میں تمہارا حکمران ہوں، نہیں شمانہ۔ [illegible] دوست ہیں، اچھے ساتھی ہیں۔ میں تمہارے اوپر مسلط نہیں ہوں۔ ہم دوست کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے۔ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ ہر طرح سے ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے جس کی ابتداء تم نے کر بھی دی ہے۔ تم جانتی ہو شمانہ! میں اس بات سے بہت خوش ہوں، تمہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی مکمل آزادی ہے۔ تم جس طرح چاہو زندگی گزار سکتی ہو۔ میں ہر قدم پر تمہارا ساتھ دوں گا۔

باقی رہا یہ مسئلہ جس کی جانب میں نے تمہیں متوجہ کیا تھا اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تم بھی اس سے خوش ہو۔ یعنی فوما کی اعانت۔ تو میری رائے ہے شمانہ کہ اپنی ساری کوششیں فوما کی بہتری پر صرف کر دو اور اپنی بستی کو دوسروں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرو جو غاصبانہ طور پر تمہاری بستی پر قابض ہیں۔

میں کسی انسان کا کسی زمین پر بیٹھ جانا برا محسوس نہیں کرتا کیونکہ زمین لامحدود ہے، زمین کسی کی جاگیر نہیں ہے۔ میں نے زمین کے بہت سے روپ دیکھے ہیں۔ لوگ یہاں آتے ہیں، اس پر اپنا قبضہ جماتے ہیں اور بعد میں اسی زمین میں، جسے وہ اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، شامل ہو کر ہمیشہ کے [illegible] زندگی کے چند لمحات کے دوران وہ اس پر بڑے بڑے دعوے [illegible] عجیب خیالات کا اظہار کرتے ہیں لیکن میں نے ان کا اختتام دیکھا [illegible] رہتی ہے، زمین پر دعوے کرنے والے باقی نہیں رہتے۔ [illegible] ہیں، جو اس زمین کو "اپنی زمین" سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ [illegible] زرد رُو لوگوں کو کم از کم اس حد تک برا نہیں سمجھتا کہ وہ یہاں [illegible] ہیں، البتہ جس انداز میں انہوں نے یہاں پر سازشیں کیں، وہ [illegible] اور میرا خیال ہے کہ ان کا یہ احساس ختم ہو جانا چاہیئے کہ وہ یہاں کے [illegible] اپنا محکوم بنا کر ان پر حکومت کریں۔ بہرصورت میں اسے مناسب نہیں [illegible] خیال ہے کہ یہ مناسب بات ہے بھی نہیں۔ میں خود بھی دل [illegible] کہ یہاں فوما کی حکومت قائم رہے اور جس طرح وہ یہاں پر نسل [illegible] ہے، اس کی نسلی حکمرانی چلتی رہے چنانچہ میں خود بھی فوما کے [illegible] کام کر [illegible] ہوں اور شمانہ ہماری زندگی کا بھرپور مقصد بھی یہی ہے کہ ہم فوما کو اس کی [illegible] واپس دلانے میں بھرپور تعاون کریں۔"

شمانہ میری باتیں سنتی رہی، خاموشی سے سوچتی رہی اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"تم دنیا کے سب سے انوکھے انسان ہو سبوتا۔ تمہارا تعلق اس دنیا سے نہیں ہے جسے ہم اپنی بستی کہتے ہیں، لیکن تم اس کے لئے کتنے خلوص سے سوچ رہے ہو۔ سبوتا تم بہت عظیم ہو۔ فوما کس قدر خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسا اعلیٰ کا تعاون حاصل ہوا۔ میں محسوس کرتی ہوں سبوتا کہ تم عام انسانوں سے بہت مختلف ہو، بہت زیادہ منفرد، اتنے عجیب، اتنے انوکھے کہ میں تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہوں بھی تو نہیں کر سکتی۔ بہرصورت میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گی کہ تم کون ہو اور فوما کی مدد کیوں کرنا چاہتے ہو۔ کسی کی نیت پر شک کرنا بہت بُری بات ہے اور پھر تم تو ایسے انسان بھی نہیں [illegible] شک کیا جائے۔ بس اسے میں فوما کی خوش بختی کے سوا کچھ نہ کہوں گی۔ باقی رہی فوما کی خوش بختی کی بات کہ اپنی بستیوں کو غاصب لوگوں کے تسلط سے آزاد کرایا جائے تو میرا خیال ہے کہ بے شک اپنے باپ کی موت کے بعد میں بستی کے مسائل سے کافی حد تک لاتعلق رہی ہوں لیکن بہرصورت میرا خمیر بھی اسی مٹی سے اٹھا ہے۔ مجھے بھی اس بستی کی زمین سے اسی قدر محبت ہے جس قدر بستی کے دوسرے لوگوں کو، میں بھی یہی سب کچھ چاہتی ہوں جو تم نے کہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں سبوتا کہ میری سوچ اس مسئلہ میں تھوڑی سی مختلف تھی، لیکن تمہارا کہنا زیادہ بہتر ہے۔ بلاشبہ زمین پر رہنے کا ہر انسان کو برابر کا حق ہے، لیکن جو حدیں مقرر کی گئی ہیں۔ ان کی پابندی بھی ضروری ہے۔

سبوتا میں فوما کے لئے زندگی کے آخری سانس تک جدوجہد کرنے کو تیار ہوں۔ ہاں! البتہ مجھے تمہاری رہنمائی کی شدید ضرورت ہے۔"

"یقیناً شمانہ۔ کیا اب تم مجھ سے دور رہنے کا خیال ذہن میں رکھو گی ہو؟" میں نے کہا اور شمانہ نے گردن جھکا لی۔ میں اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا رہا اور وہ جب کچھ نہ بولی تو میں نے دوبارہ وہی سوال کیا۔

"بولو شمانہ، کیا تم اب بھی مجھ سے دور رہو گی؟"

اور شمانہ نے گردن جھکائے جھکائے نفی میں جواب دیا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور آہستہ آہستہ اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں شمانہ کہ اب تم وحشت کے یہ لمحات بھلا دو جو تم گزار چکی ہو۔ اب ہم دونوں محبت کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی میں سکون کی سانسیں لیں گے، فوما کے لئے کام جاری رہے گا لیکن تم میری ساتھی ہو گی اور جس وقت ہم فوما کو اس کی حکومت واپس دلا دیں گے۔ تو پھر فیصلہ کریں گے کہ ہمیں اس بستی میں قیام کرنا ہے یا پھر یہاں سے کہیں اور جانا ہے۔"

شمانہ کی آنکھوں میں خوشی کے آثار نظر آنے لگے تھے، اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سبوتا تم زندگی کے ہر لمحے مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔ میں ہر اس جگہ کو پسند کروں گی جہاں تمہارا لمس مجھے حاصل ہوگا۔"

میں نے شمانہ کے دونوں شانے تھپتھپائے اور بولا۔ "ٹھیک ہے شمانہ۔ تم ہر قدم پر مجھے اپنا ساتھی پاؤ گی۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ؟" میں نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں پوچھو؟"

"تم فوما کی خدمت کرنا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔" اس نے گردن ہلا دی۔

"لیکن اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ فوما کی یہاں آمد کا راز اتنا اہم ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو گیا۔ تو سارا کھیل بگڑ سکتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔ اور اگر تمہارا اشارہ میری جانب ہے تو تم بھروسہ رکھو، میں کسی کو اس بات کا شبہ بھی نہ ہونے دوں گی۔ دنیا کے کسی فرد کو بھی نہیں۔"

"ہاں شمانہ یہ ضروری ہے۔"

"میں تمہارا یقین نہیں توڑوں گی سبوتا۔"

"تمہارا کیا ارادہ ہے شمانہ کیا تم فوما کے ساتھ وہیں رہو گی؟"

"جیسا تم [illegible] سبوتا۔ ویسے میں محسوس کرتی ہوں کہ فوما کو میری ضرورت ہے میں اس کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ ظاہر ہے وہ یہاں رہ کر بہت سی چیزوں کو محتاج ہے، میں مکمل طور سے اس کی خدمت کروں گی، اس کی ہر ضرورت پوری کروں گی۔ یہ میری خواہش ہے اور یہی میری خوشی۔"

"ٹھیک ہے شمانہ لیکن تمہارے دوست بھی ہیں، کیا انہیں تمہاری تلاش نہ ہوگی، اگر تم یہاں رہو گی تو کیا انہیں تعجب نہ ہوگا۔ یا کوئی یہاں تم سے ملنے نہ آئے گا؟"

"میں اس مسئلہ میں مکمل رازداری برتوں گی۔" شمانہ نے جواب دیا۔

"کیا تم تنہا ناپسند کرو گی؟"

"میں بظاہر اپنے گھر میں رہوں گی، دوسری دلچسپیوں میں بھی حصہ لوں گی، لیکن زیادہ وقت فوما کے ساتھ ہی گزرے گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے شمانہ، اور یہی مناسب بھی ہے۔ اچھا اب اگر تم اجازت دو تو میں فوما سے مل آؤں؟"

"ہاں۔ تم فوما کے پاس ہو آؤ میں فوما کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔" شمانہ نے جواب دیا۔ اور میں فوما کی طرف چل پڑا۔

فوما نے حسب معمول میرا مسکراتے ہوئے استقبال کیا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"آؤ سبوتا۔ میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا۔"

"اوہو۔ فوما کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں سبوتا! زندگی کے یہ لمحات بڑے خاص گزر رہے ہیں، بہرصورت اس وقت خصوصی طور پر تمہاری ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک بالکل ہی ذاتی مسئلہ ہے۔"

"ہاں فوما، کہو کیا بات ہے۔؟"

"کوئی بہت عجیب یا انوکھی بات نہیں ہے، بس میں تمہیں اطلاع دینا چاہتا تھا کہ زیبوراس آ گیا ہے۔"

"اوہ۔ وہ جس کا تمہیں انتظار تھا؟"

"ہاں میری بستی شکایا کا ایک سردار۔"

"حکیم ہاکو نے اطلاع دی تھی۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہاکو نے اس کا استقبال کیا تھا۔"

"خوب۔ پھر اب، فوما میں تمہاری ہدایات کا منتظر ہوں۔"

"میری ہدایات۔" فوما کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا مطلب ہے فوما جس وقت تم کہو میں یہاں سے تمہارے کام کے لئے چلا جاؤں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سبوتا۔ اس سلسلے میں جن راہوں کا تعین کیا گیا ہے ان پر نہایت کامیابی سے عمل ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود مجھے تمہاری ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بے شک وہ کام جس کے لئے میں نے تم سے کہا ہے، خالصتاً ذاتی نوعیت کا ہے، اور اس وقت گویا اس کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن تم شاید اس بات کو بہتر سمجھتے ہو کہ جدوجہد کے لئے انسان کو کچھ ذہنی فرصت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ میں جس تردد کا شکار ہوں اسے دُور کر لینا [illegible] سمجھتا ہوں۔ اور اس میں اگر [illegible] مدد کرو گے تو میں [illegible] دل سے تمہارا شکرگزار ہوں گا۔" فوما نے کہا۔

"میں تم سے پہلے ہی وعدہ کر چکا ہوں فوما" میرا خیال ہے اس سلسلے میں تمہیں کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ حکیم ہاکو سے کہو کہ وہ زیبوراس سے بات کرے اور زیبوراس جس طرح چاہے اپنے لوگوں کو میرے بارے میں ہدایت کر دے، سارا کام حکیم ہاکو کو ہی کرنا ہے، کیونکہ میری تو اتنی حیثیت نہیں ہے کہ میں زیبوراس سے کوئی بات کر سکوں، حکیم ہاکو کو مکمل تفصیلات سے آگاہ کر دینا۔ میرا مقصد ہے اس حد تک جس حد تک تم مناسب سمجھو۔ اس کے بعد میں چلا جاؤں گا اور وہی کروں گا جو تم کہو گے۔" میں نے فوما سے کہا۔

"میں حکیم ہاکو سے سب کچھ کہہ چکا ہوں اور وہ آج ہی زیبوراس سے بات کرے گا، لیکن مجھے بس صرف یہی تردد تھا [illegible]؟"

"ہاں ہاں میں تو اس وقت سے تیار تھا جس وقت تم نے مجھ سے کہا تھا باقی معاملات تو صرف تمہارے اوپر تھے۔ جو انتظامات تمہیں کرنے تھے میں صرف ان کا منتظر [illegible] اگر تم برا نہ محسوس کرو تو ایک اجازت [illegible]

لوں گا۔"

"ہاں۔ ہاں سبوتا۔ براہِ کرم تم ایسی باتیں نہ کرو۔ میں شرمندہ ہوتا ہوں تم مجھے حکم دیا کرو۔ میں تمہیں اجازت دینے کا کیا حق رکھتا ہوں۔"

"۔۔۔ شمانہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"بے شک یہ بات میرے ذہن میں تھی بلکہ میں تمہیں مشورہ دینے والا تھا کہ شمانہ کو اپنے ساتھ ہی لے جاؤ۔"

"بس تو ٹھیک ہے فوما۔ میں تیار ہوں۔ جس وقت تم مجھ سے کہو گے میں اور شمانہ جہاز سے تمہاری بستی کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔"

"میں حکیم ہاکو کا منتظر ہوں۔ آج رات جب ان سے ملاقات ہو گی۔ تو وہ مجھے کوئی فیصلہ کن بات بتائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے فوما سے کہا اور پھر ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد میں فوما کے پاس سے اٹھ آیا۔ اپنی قیام گاہ پر آ کر میں نے ایک گہری سانس لی اور ان معاملات کے بارے میں سوچنے لگا۔ شمانہ کے ساتھ سمندر کا سفر خاصا حسین رہے گا۔ رہی فوما کے کام کی بات تو میرے لئے یہ کونسا مشکل تھا۔ میں وہ سب کچھ کر سکتا تھا جو وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے چنانچہ اب مجھے باقی اقدامات کا انتظار تھا۔

اور پھر رات کو جب فوما سے ملاقات ہوئی تو حکیم ہاکو بھی اس کے پاس موجود تھا۔ دونوں کوئی گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر خاموش ہو گئے اور میں ان کے قریب جا بیٹھا۔

"کسی اہم مسئلے پر گفتگو ہو رہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں تمہارے جانے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔" حکیم ہاکو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی مسئلہ درپیش ہے؟"

"معمولی سا۔" فوما نے جواب دیا۔

"مثلاً؟"

"یہی کہ شکایا تمہارے لئے بھی اجنبی ہے اور شمانہ کے لئے بھی۔ کیا تم وہاں خود کو الجھا ہوا محسوس نہ کرو گے؟"

"الجھن کی کیا بات ہے۔ ہاں بس قیام کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنا پڑے گی۔ لیکن یہ بھی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں تم میرے اوپر چھوڑ دو۔"

"ہم نے اس کا ایک اور حل سوچا ہے۔" حکیم ہاکو بولا۔

"وہ کیا؟"

"زیوراس بہرحال شکایا کا باشندہ ہے وہاں اس کا سب کچھ ہے۔ زیوراس کا ایک خط تمہارے ساتھ ہوگا اور تم اس کے مہمان کی حیثیت سے قیام کرو گے۔"

"یہ اور اچھی بات ہے۔ لیکن حکیم ہاکو۔ تم نے زیوراس سے میری روانگی کے بارے میں گفتگو کی ہے؟"

"ہاں۔ میں نے اسے تیار کر لیا ہے کہ وہ تمہیں احترام کے ساتھ شکایا بھیج دے۔"

"اور کیا کہا ہے تم نے اسے؟"

"تھوڑی سی لیپ لپاڈگی ہے۔ وہ بھی صرف زیوراس سے۔ تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ زیوراس بھی فوما خاندان سے ہے اور فوما کا دور کا عزیز لگتا ہے۔ میں نے اسے ایک دوسرے شخص کے بارے میں بتایا ہے جس کا نام ہوا ہے۔ اور جو ایک عجیب انسان ہے اور جو ایک انتہائی عجیب خبر لایا ہے وہ خبر یہ ہے کہ سمندر میں اس نے فوما کو پایا اور یوں کہ وہ زندہ تھا تب اس نے فوما کو سمندر سے نکالا اور اس نے تعاون کرتے ہوئے اسے ایک ایسی جگہ پوشیدہ کر دیا ہے جو کسی کے علم میں نہیں ہے۔ فوما کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کا دوست سبوتا کسی کو یہ بتانے کے لئے تیار نہیں ہے کہ فوما کہاں ہے۔ ہاں فوما کی ہدایات کے مطابق وہ شکایا آ کر ہاکو سے ملا ہے اور اس نے فوما کا یہ پیغام دے دیا ہے کہ بہت جلد وہ ان لوگوں سے ملے گا جو اس کے وفادار ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے سو حکیم ہاکو نے فوما کے نام پر یہ کام شروع کر دیا ہے اور زیوراس چونکہ فوما کا معتمد خاص ہے اس لئے اس کے علاوہ ابھی تک کسی کو صحیح بات نہیں بتائی کہ یہ بھی فوما کا حکم ہے۔ سو میرے دوست۔ سبوتا فوما کی ہدایت کے مطابق ہی تمہارے جہاز سے شکایا جانا چاہتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ وہاں جا کر کیا کرے گا۔ لیکن فوما کے احکامات کی تعمیل ہمارا فرض ہے۔" حکیم ہاکو نے مسکراتے ہوئے تفصیل بتائی۔

میں نے پسندیدگی سے گردن ہلائی تھی۔ پھر میں نے پوچھا۔ "فوما کی زندگی کی خبر سن کر اس پر کیا ردِعمل ہوا؟"

"وہی جس کی توقع کی جا سکتی تھی اور جس سے اظہار ہوتا ہے اس بات کا کہ فوما کے وفادار فوما سے دیوانگی کی حد تک عقیدت رکھتے ہیں اور وہ اس کے ایک اشارے پر اپنی زندگی مٹا دیں گے۔ زیوراس کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ کئی لمحے وہ کچھ نہیں بول سکا تھا۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا اس نے کہا کہ وہ سبوتا سے ملنا چاہتا ہے۔ لیکن میں نے اسے ٹھنڈا کیا۔ میں نے کہا کہ وہ فوما کے احکامات کی تعمیل کرے اور وہی کرے جو فوما چاہتا ہے۔ تب کہیں جا کر وہ پرسکون ہو سکا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بے چینی سے سوالات پوچھتا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ کیا سبوتا قابلِ اعتماد ہے۔ کیا وہ سچ بول رہا ہے ایسا تو نہیں ہے کہ سبوتا زرد رنگ لوگوں کی چال ہو۔ تب میں نے اسے جواب دیا کہ اس فوما کی ایسی نشانیاں پیش کی ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا اور خود اس کی ذات بھی قابلِ اعتماد ہے۔"

"ٹھیک ہے حکیم ہاکو۔ تو ہم کب روانہ ہوں گے؟"

"دو تین دن کے اندر اندر۔ جہاز واپسی کی تیاریاں کر لے۔ اور تم بھی۔"

"ٹھیک ہے حکیم ہاکو۔ میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ شمانہ کے سلسلے میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال یہ دونوں اب میرے اوپر مکمل اعتماد کرتے تھے۔

رات ہوئی تو شمانہ میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کی آنکھوں میں شرم تھی، اور ہونٹوں پر لرزش۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سو میں نے سوچا کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتی اور جو کہتے ہوئے جھجک رہی ہے۔ اس کے لئے اُسے شرمندہ نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔

"سمندر کے کنارے نہیں چلو گی شمانہ؟"

"آقا صرف حکم دیا کرتے ہیں۔ اجازت نہیں لیتے۔" وہ شرمائے ہوئے انداز میں بولی۔

"لیکن جو آقا نہ ہو؟" میں نے کہا۔

"یہ آقا کی سوچ ہے۔ غلام کی نہیں۔" شمانہ نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گئی۔ ہم دونوں ساحل کی ٹھنڈی ریت پر آ گئے۔ چاندنی کھل گئی تھی اور فضا پر ایک عجیب ساسحر طاری تھا۔ شمانہ کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اس انداز سے بے حد متاثر ہے۔ وہ میرے شانے سے چمٹی ہوئی تھی۔ سو پروفیسر یہ اوقات ایسے نہیں ہوتے کہ انسان ذہن پر کوئی سوچ طاری رکھے اور پھر میرے جیسا مرد اور شمانہ جیسی عورت۔ جن پر دنیا کا کوئی بوجھ نہیں تھا۔

سو ہمارے جسموں پر بھی کوئی بوجھ نہیں رہا اور چاندنی براہِ راست ہمارے مسامات میں پیوست ہونے لگی۔ چاند کو اپنے حسن پر ناز ہوگا۔ اب نہیں تھا کیونکہ شمانہ کا بدن اس کے سامنے تھا اور اس کی آنکھوں میں اب فخر و غرور کے آثار کے بجائے رشک کے آثار تھے کہ شمانہ کا بدن بلاشبہ اس سے زیادہ حسین تھا۔ تو شمانہ کی گہری سانسیں میری گردن سے ٹکراتی رہیں اور پھر یہ گرم سانسیں ہلکی ہلکی آنچ دینے لگیں۔ پھر ان میں شعلے بھڑک اٹھے اور شمانہ کا غرور خاکستر ہو گیا۔ ٹھنڈی ریت پر وہ دنیا سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ جاگ رہی تھی لیکن آنکھیں بند تھیں اور چہرہ ایسے جذبات کی آماجگاہ تھا جنہیں کسی چہرے سے عیاں دیکھ کر حواس کھو جاتے ہیں۔ میں نے اسے بازو پر لٹا لیا اور کافی دیر کی خاموشی کے بعد اس کی آواز ابھری۔

"سبوتا۔ جاگ رہے ہو یا سو گئے؟"

"نیند تمہارے قرب کی توہین کی جسارت نہیں کر سکتی۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھے اتنا بلند نہ کرو سبوتا۔ میں اب کچھ نہیں رہی۔"

"کیوں شمانہ؟"

"دیکھو۔ میں تمہاری دشمن اس لئے بنی تھی کہ تم نے میرے بدن کا راز پا لیا تھا۔ لیکن آج بدن کا غرور پاش پاش ہو گیا ہے۔ کیا یہ ٹوٹے ہوئے کانچ کے ٹکڑے کی مانند نہیں ہے۔ جو زمین پر بکھرے ہوتے ہیں۔ وہ چمکتے ضرور ہیں۔ لیکن ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔"

"نہیں شمانہ۔ یہ صرف تمہاری سوچ کی شدت ہے ورنہ۔ جب دو انسان ایک دوسرے کے قرب میں اس طرح گم ہو جائیں کہ انہیں اپنے درمیان چاندنی کی چادر بھی گوارہ نہ ہو اور ان کے بدن کے سائے ایک دوسرے کو ڈھک لیں تو سمجھو کہ یہ محبت کی فتح ہوتی ہے۔ اس محبت کی جو انسان کا انعام ہے۔ جو زندگی کا سب سے بڑا انعام ہے۔ اور اس وقت انسان صرف اپنے محبوب کی ذات ہوتا ہے۔ اس وقت وہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی محبت کے درمیان تصنع کا کوئی پردہ نہیں ہے۔ اس نے دل سے کسی کی آنکھ کو اپنی ذات کا اثاثہ سمجھ لیا ہے اور بلاشبہ محبت دنیا کے ہر جذبے پر حاوی ہے چنانچہ فاضل جذبات کی میلی تہہ دل پر نہ آنے دو کہ ہم اپنے درمیان کوئی شے برداشت نہیں کر سکتے۔"

"سبوتا۔ تمہارے دل میں میری اتنی عزت ہے؟" شمانہ نے پوچھا۔

"اس سے کہیں زیادہ۔" میں نے جواب دیا۔

"سبوتا۔ سبوتا۔ تم نے مجھے ایک نئے احساس سے روشناس کرایا ہے۔ میں تو خود کو تمہارے لئے کچل رہی تھی۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ میں ان زیادتیوں کا قرض ادا کر رہی ہوں جو میں نے تم سے کی تھیں۔" وہ مجھ سے چمٹ گئی۔

"یہ احساس دل سے نکال دو شمانہ میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم نے میرے ان الفاظ میں کوئی خاص بات محسوس کی پروفیسر؟" اس نے اچانک سوال کیا۔ اور پروفیسر خاور خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"حسبِ معمول کھوئے ہوئے ہو۔" وہ مسکرا کر بولا۔ اور دونوں لڑکیاں بھی مسکرا پڑیں۔ تب پروفیسر خاور کو اس خاموشی کا احساس ہوا۔ اور وہ چونک پڑا۔

"کیا ہوا؟" اس نے چاروں طرف دیکھا۔

"چاندنی رات میں سمندر کے کنارے سے واپسی بہت مشکل ہوتی ہے۔" وہ آنکھیں بند کر کے بولا۔

"ہاں شاید۔" پروفیسر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"میں نے ایک سوال کیا تھا۔"

"سوری کیا سوال تھا؟"

"کہانی یاد ہے؟"

"کیوں نہیں؟"

"میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم نے میرے الفاظ میں کوئی خاص بات محسوس کی؟"

"اوہ۔ نہیں۔ میرے محسوسات تم نے سلب کر لئے ہیں۔ لیکن مجھے بتاؤ وہ کیا بات تھی۔" پروفیسر نے کہا۔

"انسان کی خود غرضی کی کہانی ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میں اس سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔ انسان کتنا خود پسند ہوتا ہے وہ ہمیشہ اپنی پسند کو دنیا کی ہر بات پر ترجیح دیتا ہے۔ ایک دن میں نے پوسیتا کے لئے شمانہ کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا اس لئے کہ وہ اس وقت میری نہیں تھی لیکن آج میں اسے بتا رہا تھا کہ میں اس سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔ پوسیتا میرے ذہن سے نکل گئی تھی حالانکہ وہ بھی مجھے بے پناہ چاہتی تھی۔"

"سلاکا نے بھی تو تمہارے لئے جان دی تھی۔" فروزاں بولی۔

"ہاں۔ بات صرف سلاکا کی نہیں ہے۔ اس سے قبل بھی بے شمار لڑکیاں میرے لئے جان دے چکی تھیں۔ لیکن میں نے ان کو کبھی یاد نہیں کیا۔ میرے دل میں ان کی محبت کبھی نہیں جاگی۔ جو ان کی زندگی میں ان سے تھی۔"

"ان الفاظ سے تم کیا اظہار کرنا چاہتے ہو؟" خاور نے پوچھا۔

"صرف انسان کی خود پسندی۔"

"معاف کرنا۔ کیا تم خود کو انسان کا آئیڈیل سمجھتے ہو؟" فروزانہ نے سوال کیا

"میں نہیں سمجھا؟" وہ چونک کر بولا۔

"تمہارا کردار۔ تمہاری سوچ (انفرادی) ہے۔ تم اپنے احساسات کو انسانیت کے تناظر میں شامل نہیں کر سکتے۔ تمہاری کہانی میں بے شمار مراحل ایسے ہیں جو تمہارے کردار کو پست کرتے ہیں۔ انھیں تم معیارِ انسانیت تو نہیں کہہ سکتے۔ میں دنیا کے تمام انسانوں کو نہیں کہہ رہی لیکن ہم لوگ حباب کی مانند ابھرتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں۔ اس چھوٹی سی زندگی کے اندر بھی ہمارے اقدار ہوتے ہیں۔ اسی معیار کی گود میں ہم سانس لیتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں کہ ہمارے کردار ناگوار نہیں رہے۔" فرزانہ نے کہا۔ وہ متاثر نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ پروفیسر کی آنکھوں میں بھی اچنبھا تھا۔

"بات تمہاری درست ہے لیکن یقین کرو میں بھی ازل سے ابد تک کے تمام انسانوں کی بات نہیں کرتا۔ میں ایک انفرادی سوچ کا ذکر کر رہا ہوں۔ اسی لئے میں نے اپنی کہانی میں کوئی دھبہ نہیں رہنے دیا۔ میں نے اپنے کردار کی اچھائیاں اور برائیاں سب بیان کی ہیں۔ میں نے اپنے روپ کی بات کی ہے اور یہ دُنیا کے ایک انسان کا روپ ہے، سارے انسانوں کا نہیں۔ کیا تم میری اس بات سے مطمئن ہو سکتی ہو؟"

"ہاں، ازل سے ابد تک سوچ، کردار مختلف رہے ہیں۔ اس زمین پر موسیٰ بھی پیدا ہوئے ہیں اور فرعون بھی۔ نیکیاں پھیلانے والے بھی آئے ہیں اور بدی کے علمبردار بھی۔ انسان کی سوچ مختلف رہی ہے۔"

"مجھے اس ذہین نسل سے مل کر خوشی ہوئی ہے پروفیسر۔ تو میں تمہاری بات تسلیم کرنے کے بعد بات آگے بڑھاؤں؟" اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں بھئی فرزانہ مطمئن ہو؟"

"ہاں، اور اس گستاخی پر معذرت خواہ ہوں لیکن اپنی بات پر قائم بھی ہوں۔"

"شکریہ لڑکی۔ تو میں کہہ رہا تھا پروفیسر کہ شمانہ کے ساتھ وہ رات بھی پہلی رات کی طرح خوبصورت رہی اور بعد کی دو راتیں بھی جس دن ہاکو نے مجھے بتایا کہ تیاریاں مکمل ہیں اور دوسرے دن روانگی ہے تو اس رات میں نے شمانہ سے گفتگو کی۔

"شمانہ، کل میں یہاں سے جا رہا ہوں۔" اور شمانہ کو جیسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ کافی دیر تک تو اس کے منہ سے بات ہی نہیں نکل سکی اور پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کہاں؟"

"سکائی سے دُور۔ ایک اور بستی میں۔"

"کیوں؟"

"میرے ساتھ چلوگی شمانہ؟"

"ہاں چلوں گی، چلوں گی۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ اس کے انداز میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔

"فوما کو چھوڑ دو گی؟" میں نے پھر سوال کیا اور وہ پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہی، پھر بولی۔

"۔۔۔ چھوڑ دوں گی۔" اور یہ اس کی بے پناہ محبت کا اظہار تھا۔ ثبوت تھا اس کی چاہت کا کہ میں اس کی زندگی کا سب سے اہم ستون بن گیا تھا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اُسے آغوش میں لے لیا۔

"ہم شکایا چل رہے ہیں شمانہ، فوما کے ایک کام سے۔ اس کا کام کر کے سکائی واپس آجائیں گے۔" میں نے اسے بتایا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں اس کے رونے سے پریشان ہو گیا تھا۔ میں نے اُسے چمکارتے ہوئے کہا۔

"ارے، ارے۔ اس میں رونے کی کیا بات ہے؟"

"تم نے ۔۔۔ تم نے مجھے مار دیا تھا سبوتا۔ آہ، تم نے میرے سینے پر پتھر کی چٹان دے ماری تھی۔ میری آنکھوں میں تو تاریکی چھا سی گئی تھی سبوتا۔ خود کو کھو کر میں نے تمہیں پایا ہے اور اب میں، میں نہیں تم ہو ۔۔۔ اور اگر تم جانے کی بات کرو گے سبوتا! تو اب تو مجھے خودکشی کرنے سے بھی وحشت ہوگی۔"

اور میں نے ہنس کر اُسے گلے سے لگا لیا۔ "بھلا اب تمہیں چھوڑ کر میں کہاں جا سکتا ہوں شمانہ۔" میں نے اُسے بھینچتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک وہ میرے سینے سے لگی کھڑی رہی اور اس کے بعد اُس نے اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ حواس بحال ہو چکے تھے۔ میرے الفاظ کا یہ دھماکہ اس کے کانوں کے قریب ہوا تھا لیکن اس کی بازگشت شاید اب اس کے کانوں سے ختم ہو چکی تھی۔

"شکایا کیوں جا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"فوما کے ایک کام سے ۔۔۔ فوما مجھے اپنا نمائندہ بنا کر بھیج رہا ہے۔"

"اوہ، تم نے فوما سے بات کر لی ہے کہ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ گے؟"

"ہاں شمانہ ۔۔۔ تمہیں نہ لے جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا اور شمانہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی ۔۔۔

بالآخر دوسرے دن مجھے زیوراس سے ملایا گیا تھا۔ ظاہر ہے ملانے والا حکیم ہاکو کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔

زیوراس نے متحیرانہ نگاہوں سے میری شکل دیکھی اور پھر بولا۔ "حکیم ہاکو! تمہارا مہمان تو عجیب سی شخصیت کا مالک ہے۔"

"ہاں زیوراس ۔۔۔ تمہارا خیال درست ہے۔"

"لیکن کیوں ۔۔۔ ایسا کیوں ہے؟" اُس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"زیوراس! وہ جس قدر عجیب و ہوشیار ہے، تم خود بھی اس کا اندازہ لگا سکتے ہو۔" حکیم ہاکو نے جواب دیا۔

"کیا مجھے سبوتا سے تھوڑی دیر گفتگو کی اجازت مل جائے گی؟" زیوراس نے پوچھا ۔۔۔ اور حکیم ہاکو نے میری طرف دیکھا ۔۔۔ گویا وہ مجھے سمجھانا چاہتا ہو کہ زیوراس کا مقصد جو کچھ ہے، وہ پورا نہیں ہونا چاہیئے ۔۔۔ میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

حکیم ہاکو نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا ۔۔۔ زیوراس نے بڑے پُرتپاک انداز میں مجھے میری نشست پر بٹھایا اور میرے قریب پہنچ کر بولا۔

"سبوتا ۔۔۔ انوکھے سبوتا! سُن! ان بستیوں کے رہنے والے فوما کے پرستار اور اس کے جاں نثار ہیں۔ ہماری خوشیاں اچانک چھن گئی تھیں، ہم لوگ اُداس اور ملول تھے، ہماری بستیوں کا مستقبل خطرے میں تھا کہ فوما نے ہمیں یہ عجیب مژدہ سنایا۔

میرے دوست! میرے بھائی! اگر تُو نے ہمارے اوپر یہ احسان کیا ہے تو اتنا احسان اور کر کہ ہمیں فوما کا پتہ دے دے۔" اس کی آنکھوں میں التجا تھی ۔۔۔ اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا ۔۔۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

"فوما کے وفادار زیوراس ۔۔۔ مجھے فوما کی خوش بختی پر رشک آتا ہے کہ اسے تجھ جیسے دوست حاصل ہیں ۔۔۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اس نے اگر تم جیسے دوستوں سے تعاون رکھا تو اس کی ذات کو کہیں شکست نہیں ہوگی۔

سُن زیوراس! میرا فوما سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو بالکل ایک اجنبی دنیا کا انسان ہوں۔ ایک ایسا آوارہ گرد جس کی زندگی کو خود قرار نہیں رہا ہے ۔۔۔ میرے اندر تحریک رہی ہے۔ لیکن فوما کے لئے میں نے یہ تحریک روک دی ہے۔ میں نے اسے سمندر میں پایا اور انسانی ہمدردی کے تحت اس کی جان بچائی اور جب اُس نے اپنے بارے میں بتایا تو میں نے اسی انسانی ہمدردی کے تحت اس سے وعدہ کیا کہ اس کے ساتھ ہر وہ ممکن تعاون کروں گا جس کی اُسے ضرورت ہے۔

سو میں نے یہی کیا۔ لیکن تیرا فوما ابھی جس دَور سے گزر رہا ہے اس میں وہ مصلحتوں سے کام لینا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ ابھی زردرُو انسانوں سے پوشیدہ رہے۔ ان لوگوں کو ابھی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو ۔۔۔ چنانچہ اُس کی درخواست پر میں نے اسے ایک ایسی جگہ پوشیدہ کر دیا ہے جہاں وہ مکمل طور سے محفوظ ہے۔" میں نے کہا۔

"تو کیا تم مجھے اُس جگہ سے روشناس نہیں کراؤ گے عظیم سبوتا؟" زیوراس نے پوچھا۔

"نہیں زیوراس! یہ خود فوما کی خواہش ہے کہ کسی کو اس کی رہائش کا علم نہ ہو۔ سو میں اس کی خواہش کی تکمیل کر رہا ہوں کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے زیوراس! کہ تم مجھے اپنے فوما سے کئے ہوئے عہد پر قائم رہنے دو گے اور مجھ سے ایسا کوئی سوال نہ کرو گے جو فوما کی مرضی کے خلاف ہو۔" میں نے کہا اور زیوراس نے سر جھکا لیا۔

بات اتنی ٹھوس تھی کہ زیوراس کو خاموش ہونا ہی پڑا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا ۔۔۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے سبوتا ۔۔۔ اگر یہ فوما کا حکم ہے تو ظاہر ہے میں تجھے اس کی حکم عدولی پر مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن وہ بالکل ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں ۔۔۔ بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ بالآخر زیوراس سے جان چھڑا کر میں حکیم ہاکو کے پاس آگیا۔

جہاز کے سفر کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں ۔۔۔ خود زیوراس ۔۔۔ مجھے حکیم ہاکو کے ساتھ جہاز پر الوداع کہنے آیا اور اس نے اپنے نائب خاص اور جہاز کے کپتان کو میرے بارے میں خصوصی ہدایات دیں ۔۔۔ اس نے بتایا تھا کہ میں ایک اہم شخصیت ہوں اور مجھے نہایت احترام کے ساتھ شکایا پہنچایا جائے ۔۔۔ وہاں میرے قیام کا بندوبست کیا جائے اور جب تک میں وہاں رہنا چاہوں، رہوں ۔۔۔ اور اگر میں زیوراس کے نائب یا کپتان کو کوئی ہدایت کروں تو اس پر اسی طرح عمل کیا جائے جس طرح زیوراس کی ہدایت پر ۔۔۔ اور مجھے واپس لانے کا بندوبست بھی کر لیا جائے۔

بہرحال شمانہ بھی جہاز پر پہنچ گئی ۔۔۔ اور پھر جہاز کے بادبان کھول دیئے گئے ۔۔۔ شمانہ نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اپنی بستی سے کہیں باہر جانے کا تجربہ کیا تھا ۔۔۔ وہ بیحد خوش تھی۔ اس کے چہرے سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ وہ اس سفر سے بیحد محظوظ ہو رہی ہے۔

جہاز کے ایک مخصوص حصے میں ہمارے لئے بندوبست کیا گیا تھا اور شاید میری حیثیت زیوراس سے کسی طرح کم تسلیم نہیں کی گئی تھی۔ جہاز کے عملے کے لوگ میری خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ ہر قسم کی آسائشوں کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔

بلشک یعنی جہاز کے کپتان سے معلوم ہوا کہ جس جگہ میں قیام پذیر ہوں، وہ زیوراس کی ہے اور خود زیوراس نے اسے یہ ہدایت کی تھی کہ مجھے اسی جگہ قیام کرایا جائے۔

سمندر کی پہلی رات میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ لیکن شمانہ کو آسمان پر چمکتا ہوا چاند اور تاحدِ نظر پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ کر کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا اور یہ احساس اس کے چہرے سے صاف نمایاں تھا۔

اس وقت بھی وہ عرشے پر میرے نزدیک کھڑی ہوئی تاحدِ نگاہ پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ جس پر چاند کی کرنیں مچل رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ خاموش خاموش، ماحول میں کھوئی ہوئی تھی ۔۔۔ شاید وہ میری موجودگی کے احساس کو بھی ختم کر چکی تھی۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی ۔۔۔ میں نے بھی اسے اس طلسم سے نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تب وہ خود ہی چونکی۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر مسکرا پڑی۔ پھر میرے قریب آئی اور میرے سینے پر سر رکھ دیا۔

"سبوتا ۔۔۔ میں آج تک زندگی کے اُن راستوں پر دوڑتی رہی جہاں نوکیلے پتھر اور پیروں میں چُبھ جانے والے کانٹے تھے ۔۔۔ میں نے مشقت کی اس زندگی کو ہی زندگی سمجھ لیا تھا ۔۔۔ میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ زندگی کا کوئی پہلو اتنا خوبصورت بھی ہو سکتا ہے اور سبوتا! یہ کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے کہ دنیا تو بہرصورت طویل ہے۔ اس میں نہ جانے کیا کیا ہوگا۔ لیکن ساری کائنات میں اگر ایک ساتھی مل جائے ۔۔۔ وہ ساتھی جو دل کی گہرائیوں میں اُترا ہوا ہو ۔۔۔ تو پھر کائنات کے رنگ کھلنے لگتے ہیں۔ تب احساس ہوتا ہے کہ زندگی کا اصل رنگ

کیا ہے۔ حسن کن چیزوں میں ہوتا ہے۔ سبوتا! عزیز سبوتا! مجھے بے حد عجیب لگ رہا ہے ــــ دیکھو نا آسمان پر چاند چمک رہا ہے اور زمین پر بھی ویسا ہی چاند ہے۔ لیکن زمین کہاں ہے ــــ چاروں طرف مچلتی ہوئی لہریں، کیسی انوکھی، کیسی پُراسرار لگ رہی ہیں ــــ سبوتا! کیا تمہیں بھی میری موجودگی سے خوشی ہے؟"

"کیوں نہیں شمانہ ــــ بہر صورت تم میری طلب تھیں، تم میرا پیار ہو۔"

"آہ سبوتا ــــ اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے زندگی کا اتنا طویل وقفہ تمہارے بغیر کیوں گزارا ــــ زندگی کے اس دَور تک کیوں آئی۔ اُس وقت تمہیں تلاش کیوں نہ کیا جب میں نے ہوش کی منزل میں قدم رکھا تھا۔ میں وقت کے ضائع ہو جانے والے دنوں کا کیا کروں۔ مجھے بتاؤ سبوتا ــــ یہ دن کیسے واپس آ سکتے ہیں؟"

"شمانہ! اس انداز میں کیوں سوچتی ہو؟ محبت کے جو لمحات میسّر ہو جائیں وہی قیمتی سمجھنے چاہئیں ــــ منزل تلاش ہی سے ملتی ہے۔ اس کے لئے وقت تو ضائع کرنا ہی ہوتا ہے ــــ اب تم اپنی منزل تک پہنچ چکی ہو۔ تو یوں سمجھو کہ وہ وقت جو تم نے طے کیا، وہ سفر تھا اور ہر سفر کے بعد ایک منزل طے ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو سبوتا ــــ تم میری منزل ہی تو ہو۔" وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی ــــ "تمہارے سوا اب اس کائنات میں کیا رہ گیا ہے۔ لیکن سبوتا......" وہ رُک گئی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو شمانہ! کہو...."

"تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو گے نا ــــ تم ــــ تم کبھی....؟"

"یہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا شمانہ ــــ؟"

"بس یونہی۔ اب جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا ہے تو ــــ تو محسوس ہوتا ہے سبوتا ــــ جیسے ساری کائنات تم میں سمٹ گئی ہے۔ تم میری نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو ــــ تو ساری کائنات میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔ میں ــــ میں تمہارے ساتھ جینا چاہتی ہوں سبوتا! میں تمہارے ساتھ ہی جینا چاہتی ہوں۔" وہ بے اختیار ہو کر مجھ سے لپٹ گئی اور چاند آہستہ آہستہ آسمان کا سفر کرتا رہا۔ جہاز کے نگہبان اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ جہاں ہم ہوتے وہ وہاں آنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ میرا پورا پورا احترام کیا جا رہا تھا اور ساری سہولتیں مہیا کر دی گئی تھیں۔ کافی رات گئے تک ہم جہاز کے اس حصے میں رہے۔ شمانہ باتیں کرتی رہی، اپنی خوشی کا اظہار کرتی رہی اور پھر واپس میرے ساتھ اس جگہ آ گئی جو خوب آراستہ تھی اور جہاں ہمارے آرام کا بندوبست تھا۔

وہ میرے پہلو میں منہ چھپا کر لیٹ گئی اور اس کا تنفس تیز ہونے لگا تھا۔

دوسری صبح حسبِ معمول خوشگوار تھی۔ ہم ضروریاتِ زندگی سے فارغ ہو کر باہر آ گئے اور سمندر کی لہروں کا جائزہ لینے لگے۔ شمانہ حسبِ معمول خوش تھی۔

"تم نے بتایا تھا سبوتا! کہ تم دنیا گرد ہو اور پوری زندگی [illegible] گھومتے پھرتے رہے ہو۔" اُس نے کہا۔

"ہاں شمانہ ــــ یہی بات ہے۔"

"تم نے تو ایسے بہت سے سفر کئے ہوں گے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"اور ــــ اور کیا اُس وقت بھی تمہارے ساتھ میرے جیسی کوئی [illegible]" شمانہ نے پوچھا اور میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ بے وقوف لڑکی کیسا [illegible] سوال کر رہی ہے۔ وہ جاننا چاہتی ہے کہ میرے اس سفر میں اس کی [illegible] سے کوئی انفرادیت ہے، یا اس کی مانند دوسری لڑکیاں بھی میری زندگی میں رہی ہیں۔ لیکن پروفیسر! یہ بھی کوئی بتانے کی بات تھی۔ شمانہ صرف ایک جنگلی ہرنی تھی۔ میں اس کی سمجھ میں کیا آتا۔ اس کے لئے میں بس ایک انوکھا مرد تھا اور میرے لئے بھی وہ میری پسندیدہ عورت جس کے ساتھ میں زندگی کا ایک لمبا سفر کر سکتا تھا۔ میں اس کی فطرت سے بھی واقف [illegible] چنانچہ ماحول کو مکدّر اور اُسے افسردہ کرنے سے مجھے کیا ملتا۔ یوں [illegible] اس سے کون سا سچ بولا تھا۔ ایک جھوٹ اور سہی ــــ لڑکی تو خوش ہو جائے گی اور خوش و خرّم لڑکیاں ہی زیادہ بھلی لگتی ہیں، خواہ ان کے لئے جھوٹ بولنا پڑے۔

شمانہ میری صورت دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ بولی۔ "کس سوچ میں ڈوب گئے سبوتا؟"

"سوچ رہا ہوں، یہ سوال تم نے کیوں کیا؟"

"اوہ سبوتا ــــ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس میں سوچ رہی تھی، جس طرح تمہاری موجودگی کی وجہ سے یہ کائنات میری نگاہوں میں حسین ترین ہو گئی ہے، تمہاری زندگی میں بھی کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟" شمانہ نے کہا۔

عورت کی فطری خواہش، اپنے قُرب کی ستائش، اپنے وجود کا [illegible] میری نگاہوں سے کوئی پہلو پوشیدہ نہیں تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ــــ وہ جو اپنا وجود میری ذات میں ضم کر چکی ہے، ایک چھوٹی سی چیز طلب کر رہی ہے۔ کیا میں اتنا تنگدل ہوں......؟

"شمانہ!" میں نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ لی۔ "یہ سوال کیوں کر رہی ہو ــــ کیا تمہیں میرے وجود کے طوفان کا احساس نہیں ہے۔ اگر میں تمہیں دنیا کی حسین ترین لڑکی نہ سمجھتا۔ اگر تمہارے قُرب کا جنون میرے ذہن میں نہ ہوتا تو کیا انسان کسی ایسے وجود کے پیچھے دوڑتا ہے جو اس سے نفرت کی انتہا تک پہنچ گیا ہو ــــ جو اس کی زندگی لینے کے لئے ہر جتن کرے۔ اگر تمہیں یقین آ جائے شمانہ تو سنو ــــ سلاکا کا قُرب، پوستیا کی محبت کا اظہار صرف جھنجلاہٹ تھی، تمہاری محبت حاصل نہ کر پانے کی اور اب جب تم میرے اتنی قریب ہو تو ــــ میں ساری کائنات پر اپنا

تسلط محسوس کرتا ہوں۔ ہاں شمانہ ــــ اس سے پہلے یہ سمندر اتنا حسین نہیں تھا۔ میں نے آسمان کا چاند بھی دیکھا ہے، اتنا خوبصورت کبھی نہ تھا اور پروفیسر! میں نے دیکھا شمانہ کے چہرے پر میرے الفاظ کے گلاب کھلتے جا رہے تھے۔ اس نے بے خود ہو کر میرا بازو پکڑ لیا۔ اور خاموشی کی زبان سے بہت کچھ کہنے لگی۔

یوں سمندر کے دن رات گزرتے رہے اور پھر شاید سات چاند ڈوبے تھے اور سات سورج اُبھرے تھے کہ ہمیں دُور سے ایک زمین نظر آئی۔

کپتان لشک نے بتایا کہ وہ مانگا جزیرہ ہے اور جہاز کو ایک روز وہاں ٹھہرایا جائے گا تاکہ ضروریات کا سامان اور پینے کا پانی حاصل کر لیا جائے۔

جہاز نے رُخ بدل لیا۔ بادبان ہواؤں کی مدد سے جہاز کو مانگا کے ساحل کی طرف لے جانے لگے۔ اور دن ڈوبنے سے پہلے ہم مانگا کے ساحل سے جا لگے۔

ساحل پر استفسار کرنے والے موجود تھے جو فوراً کشتیوں کی مدد سے جہاز پر پہنچ گئے۔ وہ مسلح تھے اور خاص بات یہ تھی کہ ان لوگوں میں زیادہ تعداد زرد رُو لوگوں کی تھی۔ لشک کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ میرے پاس پہنچ گیا۔

"چونکہ ــــ میرے آقا زیوراس نے کہا تھا کہ میں تمہیں وہی جانوں، جو زیوراس کو ــــ اس لئے میں تم سے بات کرنے میں حق بجانب ہوں۔"

"کیا بات ہے لشک؟ جو کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو۔" میں نے کہا۔

"مانگا کا انتظام پہلے لیگاتا کے ہاتھ میں تھا اور لیگاتا، فوما کا گہرا وفادار تھا چنانچہ فوما کی موت کے بعد شبالا نے جو تبدیلیاں کیں، ان میں لیگاتا کو ہٹا کر اس کی جگہ تارس کو دے دی گئی۔ تارس شبالا کا آدمی ہے بلکہ دوسرے الفاظ میں زرد رُو لوگوں کا ــــ اور زیوراس کے جہاز کو وہ بخوبی پہچان سکتے ہیں۔"

"تو پھر ــــ تمہارا کیا خیال ہے لشک۔ کیا یہ لوگ ہم سے کوئی تعرض کریں گے؟"

"اس سے قبل کسی بستی میں زرد رُو لوگوں کو ایسے عہدے نہیں دیئے گئے۔ یہ پہلی مثال ہے اور ان لوگوں کا انداز جارحانہ ہے۔" لشک نے جواب دیا۔

"نرم روی اختیار کرو لشک۔ حالات سے ذرا بھی نہ گھبراؤ، ہم کوئی بے مقصد قدم نہیں اُٹھائیں گے۔ اپنا کام کر کے یہاں سے چل پڑو۔ ہاں اگر ایسی ہی کوئی صورتِ حال پیش آ گئی تو پھر دیکھا جائے گا۔"

"چونکہ میرے آقا نے تمہارے بارے میں ہدایت دی تھی کہ تمہارے احکامات کی تعمیل کی جائے اس لئے میں وہی کروں گا جو تم نے کہا ہے حالانکہ میرے ساتھی ملاح سب کے سب جنگجو ہیں اور جہاز کی پوشیدہ تہہ میں عمدہ ہتھیار بھی موجود ہیں اس لئے کہ زیوراس علی الاعلان شبالا کا مخالف اور فوما کا وفادار رہا ہے اور اس کی آواز میں دھمک بھی ہے۔ اس آواز کو قائم رکھنے کے لئے زیوراس ہر مسئلے سے نمٹنے کے لئے تیار رہتا ہے اور اس کی یہی ہدایت ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے۔"

"لشک! بات اس مشن کی ہے جس پر ہم آئے ہیں اور پھر میں زیوراس کو جواب دِہ ہوں۔ تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں اور اپنے لوگوں کو بھی سمجھا دو، کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جو ناگوار ہو۔"

"ٹھیک ہے سبوتا ــــ تیرے احکامات کی تعمیل ہو گی۔" لشک نے جواب دیا اور پھر وہ اپنے لوگوں کو سمجھانے چلا گیا۔

کشتیوں سے آنے والوں نے جہاز پر آنے کے لئے اجازت نہیں طلب کی تھی بلکہ نزدیک آتے ہی انہوں نے کمندیں ڈالیں اور جہاز پر چڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد تقریباً پچاس مسلح افراد جہاز پر پہنچ گئے۔ لشک میرے نزدیک آ کھڑا ہوا اور ان لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اوپر آنے والوں میں چند مقامی لوگ تھے باقی زرد رُو ــــ تب ایک قوی ہیکل زرد چہرے والا جس کے جسم کا لباس اسے دوسروں سے ممتاز بنا رہا تھا، آگے بڑھا اور ہمارے قریب پہنچ گیا ــــ اُس کی آنکھوں میں خشونت کے آثار تھے۔

"یہ جہاز کس کا ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"زیوراس کا۔" لشک نے جواب دیا۔

"زیوراس کون ہے؟"

"شکایا کا امیر۔"

"یہاں کیوں آئے ہو؟"

"پانی اور دوسری اشیاء خریدنے۔"

"تارس کا حکم ہے کہ ہر آنے والے اجنبی کو پوری طرح نگاہ میں رکھا جائے۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ فوما کے لوگ شبالا کے خلاف شورہ پشتی کر رہے ہیں۔"

"تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟" لشک نے پوچھا۔

"تارس کی اجازت کے بغیر تم ساحل پر نہ اُتر سکو گے۔"

"یہ قانون شبالا کا ہے؟"

"ہاں۔"

"لیکن بستیاں اس سے ناواقف ہیں۔"

"واقف ہو جائیں گی بہت جلد۔" اُس نے جواب دیا۔

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" لشک نے پوچھا۔

"اپنے بارے میں، اس جہاز کے بارے میں اور اس پر موجود لوگوں کے بارے میں مجھے معلومات فراہم کرو اور اس کے بعد جہاز ہی پر رہ کر انتظار کرو۔ تارس کا جواب مل جانے کے بعد تمہیں زمین پر اُترنے کی اجازت ہو گی۔"

لشک نے میری طرف دیکھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تب اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ٹھیک ہے ہم اس کے [illegible] ہیں۔"

"جہاز پر کُل کتنے افراد ہیں؟"

"کُل تیس۔" لشک نے جواب دیا۔

"ان میں عورتیں کتنی ہیں اور مرد کتنے ہیں؟"

"صرف ایک عورت ہے۔"
"کیا جہاز پر اسلحہ موجود ہے؟"
"نہیں۔ ہلکی پھلکی چند چیزوں کے علاوہ کوئی اسلحہ نہیں ہے۔"
"وہ ہمارے حوالے کر دو۔"
"یہ ممکن نہیں ہے۔" بشک کو طیش آگیا۔
"گویا تم شبالا کے قانون سے انحراف کرو گے؟" زرد رُو بشک کو گھورتے ہوئے بولا۔
"ایسی بات نہیں ہے دوست ـــ لیکن ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے ہتھیار کہا جائے۔ بس ضرورت کی چند چیزیں ہیں۔" میں نے مداخلت کی۔
"لیکن شبالا کا قانون افضل ہے۔" زرد رُو بولا۔
"ٹھیک ہے بشک ـــ ہتھیار ان کے حوالے کر دو۔" میں نے کہا۔ اور بشک کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے مُڑا اور دو زرد رُو اس کے ساتھ چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئے تو ان کے پاس چند تلواریں، کلہاڑے اور دو تین نیزے تھے ـــ انہوں نے یہ ہتھیار اپنے سوار کے حوالے کر دیئے۔
"اس کے علاوہ کوئی ہتھیار؟"
"اور کچھ نہیں ہے۔" بشک نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے۔ لیکن اگر شبہ ہوا تو جہاز کی تلاشی بھی لی جا سکتی ہے اور جھوٹ بولنے پر بڑی سے بڑی سزا دی جا سکتی ہے۔"
"خوب۔ یہ سب شبالا کے قانون ہیں؟" بشک بولا۔
"ہاں۔ لیکن تمہارے لہجے میں تضحیک ہے۔ کیا تم ان قوانین کا مذاق اُڑانا چاہتے ہو؟" زرد رُو نے تیز نگاہوں سے بشک کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے میرے دوست! تم جس طرح چاہو اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔" میں نے پھر بات کو سہارا دیا اور زرد رُو نیچے اُتر گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر دیا تھا۔
بشک کے چہرے پر ناگواری کے اثرات تھے۔ میں ـــ خاموشی اور پُرسکون انداز میں ان سب کو نیچے اُترتے دیکھتا رہا ـــ اور پھر جب آخری آدمی بھی اُتر گیا تو میں نے بشک کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے بولا۔
"یہی مناسب ہے بشک۔"
"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو سبوتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر زیلوراس جہاز پر ہوتا تو اس بات کو پسند نہ کرتا۔"
"کیا کرتا وہ؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اوہ ـــ ہم اتنے بے بس نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے۔ یہ اُن کا جزیرہ ہے۔ لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں اور میرے سارے جنگجو ساتھی یہاں تباہی مچا سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم جزیرے سے فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکیں کیونکہ بہر حال یہ تارس کا شہر ہے۔"
"بات یہ ہے بشک! میں جس مہم پر جا رہا ہوں، اسے انجام دینا ضروری ہے اور میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو میرے کام میں خلل پیدا کرے یا دوسری صورت میں کسی طور میرے کام پر اثر انداز ہو۔ میں زیلوراس سے پوچھے بغیر [illegible] اس وقت دوسری بات ہے جب حالات قابو سے باہر ہو جائیں، فی الحال ہمیں تارس کے حکم کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس کی اجازت مل جائے تو جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے ـــ وہ لے کر ہمیں خاموشی سے نکل جانا چاہیئے تارس نطفۂ حرام ہے۔ وہ شبالا کے خاص آدمیوں میں سے ہے بلکہ شبالا کے ہی نہیں بلکہ وہ زرد رُووں کا غلام ہے۔ تم نے دیکھا زرد رُو یہاں کس انداز میں حکومت کر رہے ہیں ـــ جبکہ دوسری بستیوں میں انہیں یہ مراعات حاصل نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے، بہر حال ہمیں یہاں سے اپنا کام کر کے چل دینا چاہیئے۔ بلکہ اگر ہم یہاں نہ ہی رُکتے تو بہتر تھا۔"
"نہیں سبوتا ـــ ہمارا یہاں رُکنا اچھا ہوا۔ کم از کم ہم زیلوراس کو یہ اطلاع دے سکتے ہیں کہ مانگا بستی پر زرد رُووں کا اس قدر تسلط ہو گیا ہے کہ اب وہ مقامی باشندوں سے کھُل کر اختلاف کر سکتے ہیں۔" بشک نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے۔ اس حد تک غلط نہیں ہے اور مجھے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔ لیکن براہ کرم جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس وقت تم اس کے خلاف نہ کرنا۔"
"تیرا جو حکم سبوتا ـــ مجھے تیرا حکم ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔" بشک نے بھاری لہجے میں کہا اور ایک طرف چلا گیا۔
میں جانتا تھا کہ جنگجو بشک کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ البتہ میں تارس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ نجانے کس قسم کا آدمی ہو۔ بہر صورت ہم جہاز کو بھگا تو لے جا سکتے تھے کہ اس انداز میں یہاں سے نکل جاتے۔ بہر صورت تارس کا انتظار کر لینا بہتر تھا۔ اس کے بعد اگر کوئی غلط صورتِ حال پیش آتی تو پھر تو کچھ کرنا ہی ہوتا ـــ
میں نے ایک مخصوص زاویے سے قرب و جوار کے سمندر کو دیکھا اور اندازہ کرنے لگا کہ اگر کوئی ہنگامی صورتِ حال پیش آگئی تو جہاز کو کتنی دُور لے جا کر ان لوگوں پر حملہ کیا جا سکتا ہے اور جہاز کو کتنی دُور لے جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ میری خواہش یہ بھی تھی کہ میں مانگا جزیرے کے جہازوں کو دیکھ سکوں اور اندازہ بھی لگا سکوں ـــ کہ مانگا کی اپنی قوت کیا ہے۔
میں نے ایک مخصوص زاویے کا تعین کر لیا اور مطمئن ہو گیا۔ اور پھر میں واپس پلٹ کر بشک کے پاس پہنچ گیا ـــ میں نے اسے بڑے نرم لہجے میں مخاطب کیا تھا۔
"بشک! میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ تم جانتے ہو میں زیلوراس کی بے بسی پسند نہیں کرتا، نہ ہی اس کی بے بسی مجھے پسند ہے۔ لیکن میرے دوست! مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ میری خواہش ہے کہ تم مجھ سے تعاون کرو۔"
"میں نے انکار نہیں کیا سبوتا ـــ کیونکہ بہر حال میں تمہارے احکامات کا پابند ہوں۔" بشک نے جواب دیا۔
"فرض کرو، اگر تم میرے احکامات کے پابند نہ ہوتے تو؟" میں نے پوچھا۔
"تو ـــ تو پھر یہ سفید فام جو جہاز پر آئے تھے، یہاں سے واپس نہ جا سکتے تھے۔" بشک نے جواب دیا۔
اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بشک کا جواب رگوں میں دوڑتے ہوئے گرم خون کا جواب تھا۔ ان الفاظ میں دُور اندیشی نہیں تھی ـــ لیکن میں دوسری طرح سوچنے کا عادی تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"بے شک ایسا ہی ہوتا اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن میرے دوست! کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اس طرح زیلوراس کا مشن ناکام ہو جائے؟"
"مشن کیوں ناکام ہوتا؟" بشک نے پوچھا۔
"اس لئے کہ ہم یہاں اُلجھ جاتے ـــ ظاہر ہے ہماری پھُرتی اور دلیری ان پچاس آدمیوں کو جہاز پر ڈھیر کر دیتی۔ لیکن اس کے بعد کیا تمہارا خیال ہے کہ تارس کے لوگ ہم سے جنگ نہ کرتے؟ خاص طور سے یہ زرد رُو جو اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے ہیں۔"
"ہم ان سے جنگ کرتے۔" بشک نے جواب دیا۔
"جہاز تباہ ہو سکتا تھا ـــ ہمارے آدمی مارے جا سکتے تھے۔" میں نے غصیلے انداز میں کہا۔ اور بشک نے چہرہ دوسری طرف کر لیا اور پھر سرد لہجے میں بولا۔
"زندگی یا موت ہمارے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔"
"لیکن میرے نزدیک زیلوراس کا مشن زیادہ اہمیت رکھتا ہے بشک!" میرے لہجے میں بھی درشتگی آگئی اور بشک ایکدم سنبھل گیا۔
"ٹھیک ہے سبوتا ـــ میں تم سے تعاون کر رہا ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔
"بشک ـــ میرے دوست! تم دیکھو گے کہ اگر تارس نے ہمارے ساتھ ایسا کوئی سلوک کیا جو ہمیں اس بات پر آمادہ کر دے کہ ہم اس سے جنگ کریں تو بلاشبہ میں تمہاری اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ ہم اس جزیرے کو جہنم بنا دیں گے ـــ اور تارس کو خود اس کی زمین پر کوئی پناہ گاہ نہ ملے گی۔" میری آواز میں غراہٹیں اُبھر آئی تھیں ـــ بشک نے بدلی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر گردن جھکا دی۔
"ٹھیک ہے سبوتا۔ میں اب تجھ سے کچھ نہیں کہوں گا۔" بشک نے جواب دیا۔
"مجھے اسلحہ خانہ دکھاؤ۔" میں نے کہا اور بشک چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلائی اور اُٹھ گیا۔ وہ جہاز کے ایک مخصوص حصے میں پہنچا اور پھر اس نے ایک تختہ اُٹھا لیا جس کے اوپر رسّوں کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ جہاز کو نہایت مہارت سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کی تہہ دوہری تھی اور نیچے کشادہ جگہ پر اسلحہ خانہ تھا۔ اسلحہ خانہ دیکھ کر میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی تھی۔ میری توقع سے کہیں زیادہ ذخیرہ تھا۔ یہاں سب تلواریں، بھالے، پتھر پھینکنے والی مشینیں، کلہاڑے اور کھانڈے موجود تھے۔ کھانڈا میرا پسندیدہ ہتھیار تھا اور یہاں خوب بھاری بھاری کھانڈے موجود تھے۔ میں نے خاص طور سے انہیں اٹھا کر دیکھا۔ بشک غور سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔
"بہت عمدہ بشک۔ میں مطمئن ہوں۔ آؤ ـــ واپس آؤ۔" میں نے کہا اور پھر ہم اسلحہ خانے سے باہر نکل آئے۔ میں نے بشک سے کہہ دیا تھا کہ وہ اطمینان سے آنے والے وقت کا انتظار کرے اور بشک خاموش ہو گیا تھا۔
زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ جہاز سے سمندر کے کنارے کو دیکھنے والوں نے اطلاع دی کہ کنارے پر بہت سے لوگوں کا ہجوم ہو رہا ہے۔ جزیرے کے لوگ کنارے پر آ کر جمع ہو رہے تھے اور ان میں زیادہ تعداد زرد رُو لوگوں کی تھی۔ گویا زرد رُووں کو مقامی عوام پر فوقیت حاصل تھی۔
بشک قہر آلود نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ شمانہ میرے نزدیک خاموش کھڑی تھی۔ ان سارے معاملات پر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔
پھر بہت سی کشتیاں سمندر میں اُتاری گئیں جن میں چپو چلانے والوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ صرف ایک کشتی میں چند افراد موجود تھے، یقیناً وہ کوئی پیغام لائے تھے۔ ہم ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد کشتی قریب پہنچ گئی۔
تب ایک آدمی نے نیچے سے چیخ کر کہا۔ "جہاز کا سردار کون ہے، میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"تم اس سے بات کرو سبوتا۔" بشک نے کہا۔
"اوہ، تم بات کرو بشک۔ جہاز کے سردار تم ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے بشک سے کہا۔
"نہیں سبوتا۔ میں صرف زیلوراس کا خادم ہوں اور اس کے احکام کی پابندی کروں گا۔ خود میری ذہنی کیفیت دوسری ہے اور تو اسے قبول نہیں کرے گا۔"
"میں جہاز کے سردار سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ جزیرے کے سربراہ تارس کا پیغام اس کے لئے ہے۔" نیچے سے پھر آواز آئی اور بالآخر میں آگے بڑھ آیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ بشک کو میرے احکامات سے اختلاف ہے۔ لیکن بہر حال میری رگوں میں خون کی روانی اتنی تیز نہیں تھی۔ میں اپنے مشن سے بھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔
"کیا بات ہے، کہو۔" میں نے کہا۔
"سردار تارس تم لوگوں سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ وہ کنارے پر آ چکا ہے اور اس نے یہ کشتیاں تمہارے لئے بھیجی ہیں۔ تم سب ان کشتیوں پر اتر آؤ۔ سردار تارس تمہیں دوستی کا پیغام دیتا ہے۔ وہ تمہیں جزیرے پر اپنا مہمان بنانا چاہتا ہے۔" نیچے کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔
بشک بھی میرے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا خیال ہے بشنک؟" میں نے پوچھا۔
"اگر اس نے دوستی کا پیغام دیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم اس سے مل کر اس کے خیالات کا اندازہ بھی لگا سکیں گے اور یہ بھی معلوم کر سکیں گے کہ جزیرے پر زرد روؤں کی تعداد کیا ہے اور وہاں کے معاملات میں وہ اس قدر دخیل کیوں ہیں۔ خود وہاں کے عوام انہیں کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟" بشنک نے جواب دیا اور میں نے ترحم آمیز نگاہوں سے بے چارے بشنک کو دیکھا جو صرف ایک ملاح کا ذہن رکھتا تھا۔ سادگی سے پُر۔ جلد متاثر ہو جانے والا۔
تاہم میں نے تعرض نہیں کیا۔ تارس کے انداز میں مجھے کھوٹ محسوس ہوئی تھی، لیکن بہرحال حالات سے نمٹا جا سکتا تھا اس لئے میں نے زیادہ پس و پیش نہیں کی اور تیار ہو گیا۔
"ٹھیک ہے۔ ہم نیچے آ رہے ہیں۔ بشنک تم صرف چند لوگوں کو جہاز کی نگرانی کے لئے یہاں چھوڑ دو اور باقی لوگوں کو کشتیوں پر اتر جانے کی ہدایت کر دو۔"
"ٹھیک ہے سبوتا۔" بشنک نے کہا اور چلا گیا۔
تھوڑی دیر کے بعد بشنک واپس آ گیا اور جہاز کے تمام لوگ اس سمت آ گئے جہاں سے وہ رسی کی سیڑھیوں کے ذریعہ اتر سکتے تھے۔ تب بشنک کے اشارے پر ایک کشتی جہاز سے آ لگی اور جہاز کے ملاح نیچے اترنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کشتی میں تھے۔ کچھ دیر کے بعد کشتی آگے بڑھ گئی اور دوسری کشتی جہاز کے ساتھ آ لگی۔
آہستہ آہستہ تمام لوگ کشتیوں میں منتقل ہو گئے۔ صرف چھ آدمی جہاز پر چھوڑ دیئے گئے، جو جہاز کے نگراں تھے اور اس کی اطلاع اس شخص کو بھی دے دی گئی جو ہم لوگوں کو لینے کے لئے آیا تھا۔ سب سے آخر میں۔ میں، شمانہ اور بشنک بھی ایک کشتی میں اتر گئے اور ہماری کشتی بھی ساحل کی طرف چل پڑی۔ ہمارے تمام ساتھی ساحل پر اتر چکے تھے۔
میں چاروں طرف سے چوکنا تھا اور اس مجمع کو دیکھ رہا تھا جس میں زرد رو لوگوں کی تعداد زیادہ نظر آ رہی تھی، تب لوگوں کا مجمع ہٹا اور درمیانی عمر کا ایک آدمی آگے بڑھ آیا۔ یہ عجیب سے لباس میں ملبوس تھا چہرے سے خاصا مکار نظر آتا تھا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں غالباً معنوی محبت۔ اس نے آ کر بڑے تپاک سے مجھ سے معانقہ کیا اور پھر مسکرا کر بولا۔
"خوش آمدید، خوش آمدید زلیراس کے نمائندے خوش آمدید تم ہی اس جہاز کے سربراہ معلوم ہوتے ہو۔"
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔
"کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے بڑے پیار سے پوچھا۔
"سبوتا۔"
"اوہ سبوتا۔ بڑا مقدس نام ہے، میں سبوتا کو سلام کرتا ہوں۔ غالباً یہ۔" اس کی نگاہیں شمانہ کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ شمانہ کو دیکھتا رہ گیا ہے۔
"یہ شمانہ ہے۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔
وہ بڑے احترام سے شمانہ کی طرف جھکا اور پھر سیدھا ہو گیا۔ لیکن اس کی نگاہیں ابھی تک شمانہ کے چہرے پر جمی تھیں۔ تب اس نے چونک کر کہا۔
"خوش آمدید، خوش آمدید شمانہ، آہ۔ خوش آمدید۔"
خاصا احمق معلوم ہوتا تھا عورت کے معاملے میں۔ بہرصورت میں نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس نے بشنک سے بھی معانقہ کیا اور محبت بھرے لہجے میں بولا۔
"آؤ میرے دوستو، میرے مہمانو! تم نے مانگا کے ساحل پر قدم رکھا ہے تو ظاہر ہے تم میرے مہمان ہو اور ہاں یہ تم نے کیا بات کہی کہ تم جہاز کیلئے ضروری سامان لے کر روانہ ہو جاؤ گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ زلیراس کا نمائندہ میرے پاس آئے اور میں ایک دن بھی اس کی خاطر مدارات نہ کروں۔ تم میرے مہمان ہو، اور کم از کم تم دو تین دن تک میرے مہمان رہو گے اس کے بعد روانہ ہو گے۔ ہاں ضرورت کی ہر چیز تمہیں مہیا کر دی جائے گی۔"
وہ اتنی تیزی سے بکواس کر رہا تھا کہ ہم لوگوں کو بولنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ بشنک البتہ متاثر نظر آ رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ جذباتی انسان تھا۔ ان لوگوں کے رویّہ سے اسے غصہ آیا تھا۔ اور وہ مارنے مرنے پر آمادہ تھا لیکن تارس کی باتوں سے وہ خاصا متاثر ہو گیا تھا اور اب وہ خوش و خرم اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔
"تو میرے مہمانو، میرے ساتھیو، میرے دوستو، آؤ میرے ساتھ آؤ۔" اس نے کہا اور ہمارے درمیان آ گیا۔ اس کا ایک ہاتھ میرے شانے پر تھا اور دوسرا بشنک کے شانے پر۔ شمانہ ہمارے ساتھ تھی۔ تارس کے دوسرے ساتھی جہاز کے لوگوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ بظاہر ان لوگوں کا رویّہ بُرا نہ تھا اور میں بھی دعوے سے یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ میں نے جو کچھ سوچا ہے وہ درست ہی ہے۔ ممکن ہے تارس ایک بے ضرر انسان ہو اور خوش اخلاق بھی۔
اور اگر وہ ہمیں خوش اخلاقی سے یہاں لایا ہے تو ظاہر ہے زرد رو لوگوں کی یہ کیفیت ہمارے لئے اتنی زیادہ پریشان کن نہیں تھی۔ ہم تارس کے مہمان تھے اور کچھ عرصے کے بعد یہاں سے روانہ ہو جاتے۔ ظاہر ہے ہم نے اپنا مشن ہی تو انجام دینا تھا۔
مانگا کی ظاہری شکل و صورت بھی سکائی سے مختلف نہیں تھی۔ یہاں کے مکانات بھی ویسے ہی تھے البتہ جس جگہ ہمیں لے جایا گیا وہاں کے قدرے بڑے بڑے اور کسی قدر بہتر بنے ہوتے تھے۔ پہاڑ کے سرخ پتھر والے تراشے ہوتے ایک بہت بڑے مکان میں ہمیں ٹھہرایا گیا جس کا دروازہ بھی چٹان کا ہی بنا ہوا تھا اور خاصا مضبوط نظر آ رہا تھا۔
دو پہرے دار نے سنگی دروازہ کھولا اور تارس نے ہم سب کو اندر آنے کے لئے کہا۔ مکان اتنا وسیع اور کشادہ تھا کہ جہاز کے تمام آدمی

با آسانی اس میں سما گئے۔ اندر سے اس مکان کے زیادہ حصّے نہیں تھے بلکہ وہ ایک وسیع اور کشادہ ہال کی شکل میں تھا جس کے چاروں طرف دیواریں اور چھت تھی البتہ دروازہ ایک ہی تھا۔ جس سے گزر کر ہم لوگ اندر آئے تھے۔
تارس نے سب کو بیٹھنے کے لئے نشستیں پیش کیں اور پھر خود بھی میرے، بشنک اور شمانہ کے ساتھ اسی مکان کے ایک حصّے میں آ گیا اور ہمیں بیٹھنے کے لئے کہا۔ پھر وہ خود بھی ہمارے سامنے ہی ایک نشست پر بیٹھ گیا۔
"ہاں تو میرے دوست کیا نام بتایا تھا تم نے غالباً سبوتا۔ بڑا ہی اچھا نام ہے، بڑا ہی دلکش۔ تو مجھے حیرت ہے اس بات پر سبوتا کہ زلیراس اس جہاز میں تمہارے ساتھ نہیں ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہاں زلیراس ہمارے ساتھ نہیں ہے۔"
"کیوں آخر کیوں، اور آخر تم کہاں جا رہے تھے کس مشن پر جا رہے تھے۔ یہاں تک کیسے آ گئے۔ مجھے تمہاری آمد پر خاصی حیرت ہوتی ہے۔" اس نے پوچھا۔
"زلیراس نے کچھ کام میرے سپرد کیا تھا۔ جسے انجام دینے کے بعد میں تو سکایا واپس جا رہا تھا۔ ظاہر ہے ایک طویل سفر کے بعد بہت سی چیزوں کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے اور صورت حال ایسی بھی نہیں کہ کسی بستی میں جاتے ہوئے کچھ سوچنا پڑے۔" میں نے جواب دیا۔
"یقیناً یقیناً، اور پھر شبالا کی ساری بستیاں اسی کے احکامات کی پابند ہیں۔ لیکن ہاں افسوس! زلیراس تو شبالا کا مخالف ہے شاید وہ ان بستیوں کو دشمن کی بستیاں سمجھتا ہو گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"
"زلیراس اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے۔ وہ جس انداز میں سوچتا ہے اس کے غلام اسے اس سوچ سے ہٹا نہیں سکتے۔ جہاں تک مسئلہ ہے اس بات کا کہ وہ کس بستی کو دشمن سمجھتا ہے اور کس بستی کو دوست۔ تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ ہمارا اس سے کیا تعلق۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔
"اوہو ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ بھی درست ہے۔ واقعی تمہارا اس سے کیا تعلق۔ بہرصورت۔ تم تارس کے مہمان ہو اور یہاں کسی قسم کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح چاہو رہو، جب تک چاہو رہو۔ تمہاری ضروریات کا سارا سامان تمہیں فراہم کر لیا جائے گا اور ہاں تمہیں جزیرے کے کسی بھی حصّے میں جانے کی اجازت ہو گی۔"
تارس نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ تب اس نے چند لوگوں کو بلایا اور ان کی طرف دیکھ کر بولا۔
"سنا تم نے۔ مہمانوں کو کسی بھی تکلیف کا احساس نہ ہو۔" اس کے ساتھیوں نے گردن ہلا دی۔ تب اس نے کہا۔
"مجھے جانے کی اجازت دو۔ میرے دوستو، بہت جلد میں تم سے دوبارہ ملاقات کروں گا اور کرتا رہوں گا۔ جب تک کہ تم یہاں ہو۔"
"ہم یہاں زیادہ عرصے نہ رک سکیں گے تارس۔ ہمیں واپس پہنچنا ہے۔ تم جلد ہی ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنی ضرورت کا سامان تمہارے جزیرے سے خرید لیں اور یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"
"یقیناً، یقیناً۔ تمہاری جو ذمہ داریاں ہیں ان میں میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔ بس ٹھیک ہے، جب تک تم تارس کے مہمان ہو مہمان رہو۔ آرام سے رہو۔ اس کے بعد سامان خرید لینا اور روانہ ہو جانا۔"
"شکریہ تارس۔" میں نے جواب دیا اور تارس اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ یہ مہمان خانہ کچھ عجیب سا تھا۔ خاص طور سے اس کی بناوٹ مجھے کچھ شک و شبہ میں مبتلا کر رہی تھی۔ لیکن بہرصورت تارس نے جس طرح ہم لوگوں کو آزادیاں دینے کا اعلان کیا تھا اس سے میرے خیال کی تردید ہوتی تھی۔
تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ ہاتھوں میں خوان لے کر اندر آ گئے۔ انہوں نے ہمیں قہوہ اور کھانے کے لئے کچھ چیزیں ابتدائی مدارات کے طور پر پیش کی تھیں جسے ہم نے قبول کر لیا اور ابھی ہم قہوہ سے فارغ ہوئے تھے کہ چند خوبصورت لڑکیاں ہاتھوں میں بے شمار تحائف اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔
ہم سب انہیں تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب شمانہ کے گرد بیٹھ گئیں اور پھر انہوں نے تحائف شمانہ کو پیش کر دیئے۔
"جزیرے کے سردار تارس کی بیوی ہلایہ نے تمہیں اپنا مہمان بنانے کی پیشکش کی ہے، اس کی خواہش ہے کہ جب تک یہ لوگ یہاں تارس کے مہمان رہیں، تم اس کی مہمان رہو۔" انہوں نے شمانہ سے کہا اور شمانہ میری طرف دیکھنے لگی۔
"کیا میں ان کے ساتھ چلی جاؤں سبوتا؟" اس نے پوچھا۔
"یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے شمانہ۔ اگر تم جانا چاہو تو۔" میں نے سادگی سے جواب دیا۔
"ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور پھر یہاں ان لوگوں کے درمیان تمہارے ساتھ رہ کر مجھے عجیب لگے گا۔"
"کوئی حرج نہیں ہے شمانہ، تم جا سکتی ہو۔" اور شمانہ ان لڑکیوں کے ساتھ باہر نکل گئی۔ میرے ذہن میں اب بھی کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ بشنک ایک گہری سانس لے کر میرے پاس آ بیٹھا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔
"کیا خیال ہے سبوتا۔ میرا اندازہ ہے کہ تارس ہمارے ساتھ تعاون پر آمادہ ہے۔"
"ہاں بشنک بظاہر تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔"
"بظاہر؟" بشنک نے چونک کر کہا۔
"ہاں، میرا مطلب ہے بظاہر تارس کی نیت میں کوئی فتور نہیں محسوس ہوتا۔" میں نے جواب دیا۔
"وہ کسی قسم کا دھوکہ بھی کر سکتا ہے؟" بشنک نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"یہاں زرد رو لوگوں کا عمل دخل دیکھ کر اس امکان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بشنک۔" میں نے کہا اور بشنک پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔
"کیا سوچ رہے ہو بشنک؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں سبوتا۔"

"تو پوچھ سکتے ہو۔" میں نے اسی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے اسے مشکوک سمجھا تھا تو اس کا مہمان بننا کیوں قبول کر لیا؟"

"اس کے علاوہ تم کیا کرتے بشنک۔ اگر اس کی حکم عدولی کرتے تو اس کی دشمنی لازمی تھی۔ اب اگر وہ غلط رنگ میں سامنے آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

"اوہ سبوتا۔ کیا اس طرح ہم غلطی نہیں کر بیٹھے؟"

"کیسی غلطی؟"

"کیا یہ مکان تمہیں مہمان خانے سے زیادہ قید خانہ نہیں محسوس ہوا؟"

"ہاں اس کی بناوٹ تو ایسی ہی ہے۔"

"کیا یہ سنگی دیواریں ہمیں آزادی سے محروم نہ کر دیں گی اور کیا ہتھیاروں کے بغیر ہم کسی قسم کی مدافعت کر سکتے ہیں؟" بشنک نے کہا۔

"یہ ساری باتیں ہم نے صرف تصور میں محسوس کی ہیں بشنک۔ اگر یہ عملی حیثیت سے سامنے آئیں تو دیکھا جائے گا۔"

"ایسی حالت میں کیا دیکھا جائے گا؟" بشنک کے لہجے میں جھلاہٹ نمودار ہو گئی۔ لیکن مجھے اس کا یہ لہجہ ناگوار نہ گزرا۔ ظاہر ہے وہ بے چارہ اپنی دانست میں ٹھیک کہہ رہا تھا۔

"یہ تم میرے اوپر چھوڑ دو بشنک۔ آخر تم نے مجھے زلیراس کی جگہ دی ہے۔" میں نے کہا اور بشنک خاموش ہو گیا۔ لیکن وہ بے چین نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی جانب سے لاپروائی اختیار کر لی۔ بہت زیادہ محتاط اور پریشان رہنے والے لوگ مجھے زیادہ پسند نہیں آتے تھے۔

رات ہو گئی۔ شمانہ انہی میں تھی۔ غالباً اس کا دل لگ گیا تھا۔ ہم لوگوں کی خوب خاطر مدارات کی گئی تھی۔ عمدہ کھانا ملا تھا اور ہماری ضروریات کے بارے میں استفسار کیا جا رہا تھا۔ لیکن رات کے آخری حصے میں ایک اور خیال میرے ذہن میں آیا۔ تارس کی نگاہیں۔ اس نے شمانہ کو جن نگاہوں سے دیکھا تھا وہ اچھی نہیں تھیں۔ شمانہ نرم چارہ نہیں تھی اسے آسانی سے نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا تھا اس لئے میں اس کے لئے زیادہ پریشان تو نہیں تھا البتہ اس حماقت کا مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے اسے تنہا بھیج کر غلطی کی ہے۔

دوسری صبح حسب معمول پرسکون تھی۔ بہیں وقت پر عمدہ ناشتہ دیا گیا تھا۔ ناشتے پر بشنک کہنے لگا۔ "ابھی تک تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی سبوتا۔"

"ہاں بشنک، میں کہہ چکا ہوں کہ ممکن ہے کوئی خاص بات ہی نہ ہو اور ہم یہاں دو ایک دن گزار کر اطمینان سے روانہ ہو جائیں۔"

"پھر کیا خیال ہے آج جزیرے کی سیر کی جائے؟"

"ٹھیک خیال ہے۔"

"ہم اندازہ لگائیں گے کہ یہاں زرد رُوؤں کی تعداد کتنی ہے، انہیں کتنی مراعات ملی ہوئی ہیں اور وہ یہاں کس طرح زندگی گزار رہے ہیں۔"

"مناسب۔ یہ زلیراس کے لئے عمدہ اطلاع ہو گی۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" بشنک بولا اور پھر ناشتے کے بعد ہم دونوں دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازہ پوری چٹان تھا۔ کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے باہر اطلاع پہنچائی جائے۔ بشنک نے اسے کھولنے کی کوشش کی، اور پھر چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ "بند ہے سبوتا۔"

"اوہ۔" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر میں نے بھی دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ شاید کسی ذریعے سے ہماری یہ کوشش محسوس کر لی گئی تھی، کیونکہ چند لمحات کے بعد دروازہ خود بخود کھل گیا اور سامنے ہی دو زرد رُو نظر آئے۔

"کیا بات ہے؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"ہم باہر جانا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"اجازت نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" بشنک نے تیوریوں پر بل ڈال کر پوچھا۔

"سردار تارس کی اجازت نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا اور دروازہ بند کر لیا۔ بشنک اور میں خاموش کھڑے رہ گئے تھے۔ بشنک میری شکل دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا:

"اب کیا حکم ہے سبوتا؟"

"آرام کرو۔" میں نے بھاری لہجے میں جواب دیا اور دروازے کے پاس سے پلٹ آیا۔ بشنک میری صورت دیکھتا رہ گیا تھا۔ میں اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔

بشنک بھی ایک جگہ خاموش بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔ تب میں نے چند فیصلے کئے اور پھر میں اٹھ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس بار میں نے ایک چھوٹے سے پتھر سے دروازے پر دستک دی تھی اور میری سماعت جلد ہی ہو گئی۔ دروازہ کھلا اور ایک زرد رُو نے اندر جھانکا۔

"اب کیا بات ہے؟"

"گویا ہماری حیثیت قیدیوں کی سی ہے؟" میں نے کہا۔

"یہی سمجھو۔" اس نے جواب دیا۔

"تارس وعدہ خلاف بھی ہے؟"

"ممکن ہے۔ اس کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"تو پھر سنو۔ اس سے کہو، فوراً مجھ سے ملاقات کرے ورنہ نتائج کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"تمہارے لئے کافی انتظام کر لیا گیا ہے، بے فکر رہو۔ ویسے تمہارا پیغام ہم تارس تک ضرور پہنچا دیں گے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔" اس نے کہا اور دروازہ بند کر لیا۔ میں واپس اپنی جگہ آ گیا۔ بشنک نے کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ رات ہونے تک تارس کا انتظار کروں گا اور اگر وہ نہ آیا تو پھر۔ پھر کچھ کرنا ہی ہو گا۔

بشنک نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی، اور پھر کافی وقت گزر گیا

دوسرے لوگوں کے چہروں پر بھی عجیب سے تاثرات تھے۔ دوپہر کو ہمارے لئے حسبِ معمول عمدہ کھانا آیا۔ کھانا لانے والوں سے بھی میں نے بات کی، اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا پیغام تارس تک پہنچا دیا گیا ہے۔

بشنک نے اس وقت کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ بہت ناراض نظر آ رہا تھا۔ بہر حال میں نے اسے مجبور بھی نہیں کیا تھا۔ دوسرے لوگوں نے کھانا کھا لیا تھا۔ کھانا نہ کھانا تو حماقت ہی تھی اور پھر اندازے کے مطابق اس وقت سورج جھک گیا تھا جب دروازے پر آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور تارس آٹھ دس آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

میں ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"زلیراس کے نائب، تم نے مجھے یاد کیا تھا؟" تارس کی آواز میں مکاری تھی۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی تکلیف ہے تمہیں یہاں؟" تارس نے پوچھا۔ "اگر ایسا ہو تو میں تمہارے نگہبانوں کی کھال کھنچوا دوں گا۔"

"ہماری حیثیت کیا ہے؟" میں نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"اوہ۔ تمہیں اس کا خیال کیوں آیا؟"

"کیا ہم قیدی ہیں؟"

"قیدی؟" تارس نے بدستور مضحکانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "قیدیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں ہوتا، تاہم اگر تم بضد ہو تو یہی سمجھو۔"

"ہم یہاں سے باہر نہیں جا سکتے؟"

"نہیں۔" تارس بھاری لہجے میں بولا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ یہاں سے تم نکالے جاؤ گے اور میں نہیں چاہتا کہ مانگا جزیرے کے حالات دوسروں کو معلوم ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ہے تم لوگ یہاں سے کہیں نہیں جا سکو گے۔ تمہارے جہاز میں تبدیلیاں کر دی جائیں گی اور کوئی اسے نہ پہچان سکے گا کہ وہ زلیراس کا جہاز تھا۔ زلیراس یہی سمجھے گا کہ اس کے ساتھی مع جہاز کے سمندر میں غرق ہو گئے۔ سمندر میں طوفان تو آتے ہی رہتے ہیں۔"

"اوہ، پھر تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"اس کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

"ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور تارس اس لڑکی کا کیا ہوا جسے تم لے گئے تھے؟"

"آہ۔ اس لڑکی کے لئے تو میں تمہیں پورا جزیرہ انعام دے سکتا ہوں۔ کیا چیز ہے۔ لیکن یہ بتاؤ وہ تم میں سے کسی کی بیوی یا محبوبہ تو نہیں ہے؟"

"خوب۔ یہ بات تم نے اس سے نہیں پوچھی تارس؟"

"پوچھ لوں گا، ابھی تو وہ میری بیوی ہلایہ کے پاس ہے ہلایہ شوہر پرست ہے وہ اسے راہ پر لا رہی ہو گی۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ آج رات تک وہ لڑکی کو میری خلوت میں آنے پر رضامند کر لے گی۔"

"تم نے اچھا نہیں کیا تارس۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔ میں زیادہ اچھا انسان نہیں ہوں۔" تارس نے جواب دیا اور پھر بولا۔ "اس کے علاوہ مجھے بلانے کی اور کوئی خاص وجہ؟"

"نہیں تارس، تمہاری مہمان نوازی کا شکریہ۔ لیکن ہمارے ان ساتھیوں کا کیا حال ہے جو جہاز پر چھوڑ دیئے گئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ انہیں بھی تمہارے پاس بھیج دیا جائے گا۔" تارس نے جواب دیا اور میں نے افسردہ انداز میں گردن ہلا دی پھر تارس نے مزید کچھ ایسے الفاظ ادا کئے جن سے ہم لوگوں کی تضحیک ہوتی تھی اور پھر وہ چلا گیا۔

لیکن اب شاید بشنک کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ وہ جھلائے ہوئے انداز میں میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"اب کیا حکم ہے سبوتا۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟" اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا تم اب میرے احکامات کی تعمیل کر سکتے ہو؟"

"حتی الامکان کوشش تو کروں گا۔"

"تو پھر یہ دروازہ کھول دو۔"

"افسوس۔ میری طاقت کے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے، ورنہ ضرور عمل کرتا۔" اس نے چڑچڑے انداز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"اس قدر پریشان کیوں ہو بشنک؟" میں نے کہا۔

"صرف اس لئے کہ تارس جیسے لوگ، دوسرے انسانوں کو قتل کرنے کے لئے بھی خاصے دلچسپ طریقے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ہمیں کسی میدان میں جمع کر کے جنگلی بھینسے چھوڑ دیں، کیسی رہے گی؟"

"جہاز کے ساتھیوں کو بھی یہاں آ جانے دو۔ ان بے چاروں کی زندگی بھی تو خطرے میں ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ارے ہاں۔ میں تو بھول گیا تھا۔ واقعی، یہ خاصی محفوظ جگہ ہے۔" بشنک جلے کٹے لہجے میں بولا۔

"بری بات ہے بشنک۔ حالات میں گھر کر اتنا پریشان بھی نہیں ہوتے کہ دوستوں پر طنز کرنا شروع کر دیں۔" میں نے حلیمی سے کہا اور بشنک خاموش ہو گیا۔ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"تو بتاؤ۔ اب کیا کریں گے۔ یہ تو حقیقت ہے کہ ہمارے راستے مسدود ہو چکے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی کہ زلیراس کا جہاز کہاں غرق ہوا۔"

"انتظار کرو بشنک۔ میں تم سب کو بحفاظت جہاز پر واپس لے جاؤں گا اور اگر تم چاہو گے تو اس کے بعد کی کارروائی تمہارے اوپر چھوڑ دوں گا۔"

"جہاز پر لے جاؤ گے؟"، بشک نے کہا۔

"ہاں !"

"لیکن زردرُو دروازہ کھول دیں گے؟"

"تمہیں خاموش رہنا چاہیے بشک!" میں نے سخت لہجے میں کہا اور بشک خاموش ہو گیا اور پھر وہ شام تک خاموش رہا۔ دوسرے لوگ بھی خاموش تھے، کسی اور نے ہمارے درمیان مداخلت نہیں کی تھی۔ میں ذہن میں اپنا پروگرام ترتیب دے چکا تھا۔

شام کے ایک حصّے میں ہمارے جہاز کے ساتھی ہمارے پاس پہنچا دیے گئے۔ ان کے آنے سے مجھے کافی خوشی ہوئی تھی۔ بشک اور دوسرے لوگوں نے انہیں گھیر لیا۔ میں بھی خاموش کھڑا ہو گیا تھا۔ بہر حال وہ سب ٹھیک ٹھاک تھے۔ بشک نے ان سے کوئی خاص سوال نہیں کیا تھا، جو میں نے کیا۔

"کتنے افراد جہاز پر پہنچے تھے؟"، میں نے پوچھا۔

"تقریباً تیس افراد تھے جناب!"

"کیا انہوں نے جہاز کی تلاشی لی؟"

"ہاں، انہوں نے اس کا کونہ کونہ چھان مارا۔"

"اسلحہ خانہ محفوظ ہے؟"

"جی ہاں۔ وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔" ان لوگوں نے بتایا اور میں نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کی۔ رات کا کھانا نہایت اطمینان سے کھایا گیا تھا۔ جب یہاں موجود لوگوں کو ہی تھوڑی دیر کے بعد کی صورتحال معلوم نہیں تھی تو دوسرے لوگ کیا اندازہ کر سکتے تھے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں اطمینان سے اپنی جگہ لیٹ گیا۔ بشک اور دوسرے لوگ بھی حسبِ معمول خاموشی سے اپنی جگہوں پر لیٹ گئے تھے۔

اور پھر جب میرے خیال میں رات خاصی گزر گئی تو میں اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ میں نے بشک کی طرف دیکھ کر اسے آواز دی ——"کیا تم جاگ رہے ہو بشک؟"

"ہاں۔ سونے کے لئے یہ عمدہ جگہ نہیں ہے۔" بشک نے حسبِ معمول تلخ لہجے میں کہا۔

"براہِ کرم یہاں آجاؤ۔" میں نے کہا —— اور بشک میرے نزدیک پہنچ گیا۔ "مجھ سے کیوں ناراض ہو بشک؟"

"ناراض نہیں ہوں سبوتا —— میرا خیال ہے تمہاری امن پسندی ہمارے کام نہیں آئی۔"

"تم ان سے جنگ کرنا چاہتے تھے؟"

"میں یہاں ان سے جنگ کرنے نہیں آیا تھا لیکن اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جانا چاہیے تھا۔"

"پھر —— یہاں تو تم اپنی خوشی سے ہی آئے تھے؟"

"ہاں۔ لیکن اُس نے مکاری سے کام لیا تھا۔"

"پھر اس میں میرا کیا قصور ہے؟" میں نے معصومیت سے کہا۔

"ٹھیک ہے سبوتا —— میں نے کب کہا ہے کہ تمہارا قصور ہے۔ بس اس بات پر جھلاہٹ ہے کہ ہم اس آسانی سے تارس کے جال میں آپھنسے۔ تارس، شالہ ہی کی طرح زردرُوؤں کا پیروکار ہے اور تم نے اندازہ لگا لیا، وہ ہمارے لئے کس قدر مذموم ارادے رکھتا ہے۔"

"تم بے بسی محسوس کر رہے ہو بشک!"

"ہاں سبوتا —— مجھے احساس ہے کہ ہم بُری طرح آپھنسے ہیں۔"

"میں نے تم سے کہا تھا بشک —— ہم لوگ اتنے بے بس نہیں ہیں۔ لیکن اگر اپنے سامنے کوئی مشن ہو تو دوسری اُلجھنوں سے حتی الامکان بچنا چاہیئے۔ اسی جذبے کے تحت میں نے تمہیں روکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ممکن ہے تارس ٹھیک انسان ہو۔ اگر وہ ہمارے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہ کرنے کا خواہشمند ہو تو —— تو پھر جھگڑا مول لینے سے کیا فائدہ؟"

"لیکن جہاں زردرُو اس طرح آزاد ہوں، وہاں دوستوں کی تلاش تو حماقت ہی تھی۔"

"ہاں۔ تم نے ٹھیک کہا —— لیکن ....."

"ایک بات بتاؤ سبوتا ——" بشک نے اچانک درمیان سے میری بات کاٹ دی۔

"ہوں!"

"تم نے ابھی کہا تھا کہ ہم بے بس نہیں ہیں؟"

"ہاں۔ کہا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اب بھی ہم بے بس نہیں ہیں؟"

"ہاں۔ یہی بات ہے بشک!"

"لیکن —— لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟" بشک پریشان لہجے میں بولا۔ صورتحال سے وہ قطعی مایوس ہو گیا تھا۔

"ہم جہاز پر پہنچ سکتے ہیں۔ وہ لوگ جہاز پر قبضہ ضرور کر چکے ہیں۔ لیکن ہمارے ساتھیوں کے قول کے مطابق ابھی تک اسلحہ نہیں دریافت کر سکے۔"

"لیکن بات تو جہاز پر پہنچنے کی ہے۔" بشک نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "ہم اس قید خانے سے کس طرح نکل سکتے ہیں۔ یہ چٹانی دروازہ تو اندر سے کھولا بھی نہیں جا سکتا۔"

"آؤ پہلے ایک فیصلہ کر لیں کہ ہمیں کس طرح کام کرنا ہے۔ اس کے بعد کام شروع کر دیں گے۔" میں نے کہا۔ بشک کی سمجھ میں میری کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ دوسرے معاملات سے زیادہ اُسے اس بات کی فکر تھی کہ یہاں سے نکلنے کی کیا صورت ہو گی۔ گھوم پھر کر وہ اسی مسئلے پر آجاتا تھا۔

"تب تم اپنے ساتھیوں کو جگا لو اور انہیں یہاں سے نکلنے کے لئے تیار کر لو۔" میں نے کہا —— اور بشک ہچکچاتے ہوئے انداز میں میری صورت دیکھنے لگا۔

"اب میں تم سے درخواست کروں گا بشک! کہ میری ہدایات پر عمل کرو۔ ہمارے پاس ضائع کرنے کے لئے زیادہ وقت نہیں ہے۔ تمام لوگوں کو جگا دو اور انہیں بتا دو کہ اس قید خانے سے نکل کر منتشر نہ ہوں۔ سب کے ساتھ رہیں اور راستوں کی تمام رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے جہاز تک پہنچنے کی کوشش کریں۔"

"بہتر۔" بشک نے کہا اور پھر اس نے تمام لوگوں کو جگا دیا۔ یوں بھی کم لوگ ہی سو رہے تھے۔ زیادہ تعداد اُن لوگوں کی تھی جو اس صورتحال سے خوفزدہ تھے۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے —— اب میں بھی عمل کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

"بشک!" میں نے بشک کو آواز دی اور وہ میرے نزدیک پہنچ گیا۔ "جیسا کہ تارس نے بتایا تھا کہ اس نے ہماری حفاظت یا نگرانی کے لئے معقول بندوبست کر لیا ہے۔ یہ معقول بندوبست یقیناً قید خانے کے اس چٹانی دروازے کی طرف ہو گا —— اگر میں دروازہ کھول دوں تو اس میں سے زیادہ سے زیادہ ہمارے دو تین آدمی بیک وقت نکل سکتے ہیں۔ اس طرح وہ ہوشیار ہو جائیں گے اور مقابلہ شروع کر دیں گے جبکہ میں ابھی ان لوگوں کو ہوشیار کرنا نہیں چاہتا۔ ہمیں پوری کوشش جہاز پر پہنچنے کی کرنی چاہیئے۔"

"اوہ، لیکن سبوتا —— وہی بات، یہاں سے نکلنے کی کیا تدبیر کرو گے؟"

"میں اس سنگی قید خانے کی دیواروں میں راستے کھولے دیتا ہوں۔"

"وہ —— وہ کیسے؟"

"آؤ۔" میں نے بشک سے کہا اور پھر اسے ساتھ لیکر ایک دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ قدیم رومن طرزِ تعمیر استعمال کرتے ہوئے یہاں بھی پتھروں کی موٹی موٹی سلوں کو تراش کر جوڑا گیا تھا اور یہ عمارت ایسی ہی سلوں کی بنی ہوئی تھی۔ میں نے ایک چوکور سل کی درازوں میں انگلیاں پھنسا دیں اور بشک اور دوسرے لوگ تعجب سے مجھے دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن جب اوپر کی درازوں سے مٹی جھڑنے لگی تو وہ چونک پڑے۔ سب کے سب عجیب انداز میں پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ خود بشک کی آنکھیں تعجب سے پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر جب سل نے اپنی جگہ چھوڑی تو ان کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل گئیں۔ ہوا کے تیز جھونکے اندر آنے لگے تھے اور ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوا تھا۔ سل پوری چٹان کی مانند تھی۔ اتنی وزنی کہ شاید دس پندرہ آدمی بھی اسے نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ لیکن میں نے اطمینان سے اُسے قید خانے کے درمیان رکھ دیا۔ اور پھر میں نے دوسری دیوار پر قوت آزمائی شروع کر دی۔ لوگوں کے چہروں پر شدید حیرت کے آثار تھے۔ ان کی عقل اس بات کو تسلیم ہی نہیں کر رہی تھی۔ ویسے کسی نے بدحواسی میں اس نئے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بشک نے دوسری دیوار کے اس دروازے کو بھی اسی انداز سے دیکھا۔ کسی کے مُنہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور یہ مشکل کام اتنی خاموشی سے ہوا تھا کہ ابھی تک باہر موجود لوگوں کو ہلکی سی آہٹ بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ جب قید خانے کی دیوار میں کئی دروازے بن گئے تو میں نے اپنا کام ختم کر دیا۔

"ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بشک؟" میں نے کہا۔

"ہاں ——" بشک کے حلق سے نکلنے والی آواز غیر اختیاری تھی۔

"کیا یہ دروازے کافی نہیں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کافی ہیں۔"

"تب پھر چلو۔ لیکن خاموشی سے باہر نکلو۔ اگر کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے تو اسے بلا تکلف ختم کر دو۔ ہمیں کوشش یہی کرنی چاہیئے کہ زیادہ نقصان اُٹھائے بغیر جہاز پر پہنچ جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔" بشک نے اب خود پر قابو پا لیا تھا۔ پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو یہی ہدایات دیں۔ اور سب ان عجیب دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ بلاشبہ یہ بہترین کامیابی تھی۔ قید خانے کے محافظ اس کے دروازے کی جانب تھے۔ اول تو انہیں کسی سازش کی اُمید نہیں تھی پھر رات ہو گئی تھی اور وہ سب آرام کرنے لیٹ گئے تھے اس لئے کافی بڑی تعداد ہونے کے باوجود ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چل سکا اور ہم کامیابی سے ایک قطار کی شکل میں چل پڑے۔

میں نے سمندر کے اس رُخ کا تعین کیا تھا جہاں سے ہمیں لایا گیا تھا۔ اور جہاں ہمارا جہاز موجود تھا۔ تب ہم ساحل پر پہنچ گئے۔

اور ساحل پر کچھ لوگ موجود تھے۔ یہ شاید رات کے محافظ تھے۔ لیکن ان کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس گروہ کو دیکھ کر وہ صورتحال معلوم کرنے کے لئے آگے آگئے۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ہم لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے بھی اظہار نہیں کیا کہ ہم ان سے چھُپنا چاہتے ہیں —— اور دونوں طرف کا یہ اطمینان انہیں لے ڈوبا۔ قریب پہنچتے ہی ہم نے ان کی گردنیں ناپ لیں اور پھر میں تو اپنے ساتھیوں سے کہہ ہی چکا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے —— ان لوگوں کو نہایت اطمینان سے ختم کر دیا گیا اور ہمارے ساتھی ان کی لاشیں اُٹھائے آگے بڑھ گئے۔ یہ لاشیں انہوں نے آگے بڑھ کر سمندر میں ڈال دی تھیں۔

ساحل سے کشتیاں کھول کر ہم جہاز کی طرف چل پڑے۔ کشتیوں پر جہاز پر پھینکنے والی کمندیں موجود تھیں جن کی مدد سے ہم جہاز پر چڑھ سکتے تھے۔

عجیب ماحول تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور یہ بات انوکھی سی لگ رہی تھی۔ ہمارا جہاز دُور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس پر معمولی سی روشنی ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے تارس کے آدمی وہاں موجود ہوں گے لیکن یقین تھا کہ ان کی کوئی بڑی تعداد وہاں موجود نہیں

ہو گی نہ ہی وہ لوگ اتنے چوکس ہوں گے کیونکہ بظاہر کسی خطرے کا امکان نہیں تھا۔

جہاز کے چاروں طرف پھیل کر ہم نے کمندیں اُچھالیں اور برق رفتاری سے اوپر چڑھنے لگے۔ جن لوگوں کو ہم نے ساحل پر ہلاک کیا تھا ان کا اسلحہ ہمارے پاس موجود تھا۔ ہم جہاز پر اُتر گئے۔ وہاں بھی ہماری خوش بختی ساتھ آئی تھی۔ جہاز کی نگرانی کرنے والوں کی تعداد صرف چھ تھی۔ یہ سب کے سب بھی زرد رُو تھے جن سے کسی کو کوئی ہمدردی نہیں تھی ــــ اور پھر وہ آرام سے سوئے ہوئے تھے۔

چنانچہ انہیں بڑے پیار سے جگایا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ جہاز پر دوبارہ قبضہ ہو گیا تھا اور بشک کا چہرہ خوشی سے گلنار بنا ہوا تھا۔

"سبوتا ــــ سبوتا! بڑی اُلجھی بات ہے۔ ابھی تک عقل نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ کتنی وزنی سلیں تھیں اور پھر قید خانے اتنے کمزور تو نہیں ہوتے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" اُس نے کہا۔

"ان باتوں پر بعد میں غور کر لیں گے بشک ــــ سب سے پہلے اسلحہ نکلوالو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ میری نگاہوں میں اب ایک چہرہ تھا۔ یہ سب آزاد ہو گئے تھے۔ لیکن میری محبوبہ ــــ میری محبوبہ ابھی تک تارس کی قید میں تھی۔ نہ جانے اس پر کیا بیتی ہو ــــ؟

"جو تیرا حکم سبوتا ــــ بے شک تُو حالات کو آسانی سے اپنے قبضے میں کرنے والوں میں سے ہے۔ میں ابھی اسلحہ نکلواتا ہوں۔ میری رہنمائی کر۔" بشک بالکل سیدھا ہو گیا تھا چنانچہ وہ میرے احکامات کی تعمیل میں مصروف ہو گیا۔ اس کے آدمی اسلحہ خانے میں دوڑ گئے تھے۔ اسلحہ باہر ڈھیر کیا جانے لگا۔ میں جہاز کے اس حصے سے ساحل کی نگرانی کر رہا تھا۔ جہاں سے ساحل نظر آتا تھا ابھی تک وہاں کوئی تحریک نہیں تھی۔

احمق کہیں کے ــــ بالآخر مار کھا گئے تھے۔ بشک نے مجھے اطلاع دی کہ اسلحہ نکال لیا گیا ہے۔ تب میں نے دوسرا حکم جاری کیا۔ "پتھر پھینکنے والی مشینیں جہاز پر چاروں طرف نصب کر دی جائیں اور پتھروں کے ڈھیر کر دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ تیروں کا انتظام بھی کر لیا جائے تاکہ آنے والوں پر کاری ضرب لگائی جا سکے۔"

بشک نے میرا یہ حکم بھی اپنے آدمیوں تک پہنچا دیا اور پھر تیلے لوگ کام میں مصروف ہو گئے۔ اس انداز میں کام کرنے والے میرے پسندیدہ لوگ ہوتے تھے۔ لیکن اب میرے دل میں رہ رہ کر شمانہ کا خیال آ رہا تھا۔ تارس شیطان صفت ہے اور شمانہ وحشت خیز ــــ اگر تارس اس پر حاوی ہوا تو وہ جان دے دے گی۔ کہیں وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو جائے۔ مجھے کسی قدر بے چینی کا احساس ہوا۔

لیکن میں نے اس ذمے داری کو بھی قبول کیا تھا چنانچہ میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں انہیں مشینیں نصب کرتے دیکھتا رہا ــــ اور پھر بشک اپنے کام سے فارغ ہو کر میرے پاس پہنچ گیا۔

"میں دوسرے حکم کا منتظر ہوں۔" اُس نے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے بشک؟" میں نے پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا سبوتا؟"

"اُس وقت تم زرد رُوؤں پر جھلا رہے تھے اور جنگ شروع کر دینا چاہتے تھے۔"

"ہاں سبوتا!"

"میں نے تمہیں صرف اس لئے روکا تھا کہ ممکن ہے تارس ہمارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کرنا چاہتا ہو۔ لیکن تارس نے ہمارے ساتھ مکاری کی ہے، وہ سزا کا مستحق ہے۔"

"مجھے حکم دے سبوتا!" بشک بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"اب تم اپنے ساتھ کی جانے والی بدسلوکی کا بدلہ لے سکتے ہو میرے خیال سے تم اپنے گروہ کو ٹکڑیوں میں تقسیم کر دو ــــ ایک ٹکڑی صرف ساحل پر قابض رہے اور زرد رُوؤں یا تارس کے آدمیوں کو یہاں تک نہ پہنچنے دے۔ دوسری ٹولیاں قرب و جوار کے علاقوں میں لُوٹ مار کریں۔ ظاہر ہے ہمیں اپنی ضرورت کی چیزیں بھی درکار ہیں۔ اس لُوٹ مار میں تم جتنی چاہو تباہی پھیلاؤ اور اپنی ضرورت کا سامان بھی حاصل کرو ــــ صرف چار آدمی جہاز پر رہیں گے دو اور چار آدمیوں کو ایک کشتی پر چھوڑ دو۔ ساحل پر موجود لوگ لُوٹ کا سامان کشتی پر بار کریں گے اور چند آدمی کشتی کو جہاز پر لائیں گے۔ اوپر والے آدمی یہ سامان جہاز پر بار کر لیں گے۔"

"نہایت مناسب۔" بشک نے کہا اور پھر وہ دوڑ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے آدمیوں کو مکمل ہدایات دے کر واپس آ گیا۔ جہاز پر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی تھی۔ سب لوگ بشک کی ہدایت کے مطابق کام کر رہے تھے۔ ہم دونوں اس کام کی نگرانی کرتے رہے اور پھر بشک کی ہدایت کے مطابق جب تمام لوگ نیچے اُتر آئے ــــ تو میں اور بشک بھی نیچے اُتر آئے۔ تب ایک کشتی ہمیں بھی لے کر چل پڑی۔

راستے میں بشک نے مجھ سے پوچھا۔ "اب کیا ارادہ ہے سبوتا! میرا مقصد ہے کہ تم میرے سپرد کیا کام کرو گے؟"

"تم بھی کسی ٹولی کی نگرانی کرو گے بشک۔" میں نے جواب دیا۔

"اور شاید تم کسی دوسری ٹولی کی؟" بشک بولا۔

"نہیں بشک! مجھے ایک اور کام بھی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں پوچھ سکتا ہوں سبوتا! کیا تم مجھے اس کے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟"

"ہاں دوست! کیوں نہیں۔ تمہیں میری ساتھی لڑکی یاد ہے؟"

"اوہ، ہاں۔ مجھے یاد ہے۔"

"اسے تارس کی بیوی نے اپنے پاس بلایا ہے ــــ اور تارس نے اس سلسلے میں کیا کہا تھا، یہ بھی تمہیں یاد ہے۔"

"ہاں۔ اس بدبخت نے کچھ بُری باتیں کہی تھیں۔"

"تو بشک ــــ تارس میرا شکار ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور

بشک میری شکل دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموشی سے میری شکل دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"کیا تم اُسے قتل کر دو گے؟"

"ہاں۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا اور بشک خاموش ہو گیا۔

ساحل پر اُترنے کے بعد اس نے تمام ٹولیوں کو منظم کیا اور انہیں ہدایات جاری کر دیں۔ اس کے بعد وہ میری طرف مڑا اور بولا۔

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا سبوتا کہ تم تنہا ان لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے ــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر قبل ہی میں ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھ چکا ہوں۔ لیکن میری خواہش ہے کہ تم تنہا نہ جاؤ۔"

"اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بشک!" میں نے جواب دیا اور پھر میں اندھیرے سے تارس کے محل کی جانب چل پڑا۔

بشک کی ٹولیوں نے ابھی اپنا کام شروع نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے وہ قتل عام پر آمادہ تھے اور تھوڑی دیر کے بعد ہی مجھے ان کے اقدام کے بارے میں اطلاع ہو جانی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ بشک اور اس کے ساتھی کس حد تک بہادر ہیں اور وہ کیا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔

میں برق رفتاری سے تارس کے محل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ صرف اندازہ ہی تھا، ورنہ میں محل کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا ــــ میری خواہش تھی کہ مجھے کوئی شخص مل جائے تاکہ میں اس سے تارس کے محل کے بارے میں پوچھ سکوں ــــ میری نگاہیں چاروں طرف کسی زرد رُو انسان کو تلاش کر رہی تھیں۔ میں جلد از جلد تارس کے محل تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

پھر میری یہ خواہش پوری ہو گئی۔ ایک شخص نظر آیا جو اپنے گھر کے دروازے پر سو رہا تھا۔ میں نے دُور سے اُسے دیکھا اور اُس کی طرف بڑھ گیا ــــ وہ ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے تھا۔ میں نے اس پر سے کپڑا ہٹا دیا ــــ اور اس کا گریبان پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ سویا ہوا آدمی بدحواس نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی گھگھی بندھ گئی تھی، حواس جواب دے چکے تھے۔ آنکھیں خوف سے سکڑ رہی تھیں۔ تب وہ نہایت خوفزدہ انداز میں بولا۔

گگ ــــ گگ ــــ کیا بات ہے، کون ہو، کیا چاہتے ہو؟"

"تارس کے محل کی جانب میری رہنمائی کرو، ورنہ میں تمہاری گردن دبا کر تمہیں مار ڈالوں گا۔" میں نے کہا ــــ اس شخص کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ اُس نے آہستہ سے گردن ہلا دی اور پھر وہ لرزتے قدموں سے میرے ساتھ آگے بڑھنے لگا ــــ اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ وہ مجھے اشاروں سے مختلف سمتوں میں بڑھنے کے لئے کہہ رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک ایسی عمارت دیکھی جس کے بارے میں میں خود بھی اندازہ کر سکتا تھا کہ یہی تارس کا محل ہو گا۔

"یہ تارس کا محل ہے؟" میں نے پوچھا اور اُس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ تب میں نے ایک گھونسا اس کے سر کی پُشت پر رسید کر دیا۔ کم از کم اس خوفزدہ شخص کو میں کسی ایسے طریقے سے مارنا نہیں چاہتا تھا جس کا مجھے خود بھی افسوس ہو ــــ ایک گھونسا ہی اس کے لئے کافی تھا ــــ وہ بے ہوش ہو کر پٹ سے زمین پر گر پڑا اور میں تارس کے محل کی جانب چل پڑا۔

محل میں داخل ہونے سے پہلے میں نے تھوڑی سی احتیاط کا سہارا لیا تھا۔ کم از کم فوری طور پر میں دروازے پر موجود چوکیداروں کو ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے محل کا ایک ایسا حصہ تلاش کیا جہاں سے اندر داخلے میں کوئی دقت نہ ہو ــــ اور پھر میں محل میں داخل ہو گیا۔

محل خاصا طویل و عریض تھا اور یہاں بھی مجھے کسی رہنمائی کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے یہاں پر پھر کسی اور شخص کی تلاش میں نگاہیں دوڑانا شروع کر دیں۔ یہی سب سے اچھا طریقہ تھا اور اسی طرح میں جلد از جلد اپنا کام کر سکتا تھا۔

پہرے داروں کی کمی نہیں تھی۔ جگہ جگہ نیزہ بردار پہرے دار نظر آ رہے تھے۔ میں فی الحال خود کو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ کئے ہوئے تھا۔ لیکن اس طرح محل میں بھٹکتے رہنا خاصا تکلیف دہ کام تھا۔ چنانچہ میں ایک سنسان گوشے کی طرف چل پڑا۔ یہاں ایک ستون کی آڑ میں رُک کر میں نے ایک پہرے دار کو تاکا۔ وہ آہستہ آہستہ مست انداز میں اسی طرف آ رہا تھا اور جب وہ اس ستون کے قریب پہنچا تو میں نے نہایت اطمینان سے اس کی ناک پکڑی اور اپنے قریب گھسیٹ لیا۔ پہرے دار کے دونوں ہاتھ ایکدم اُٹھے تھے ــــ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کا نیزہ چھین لیا اور پہلا ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیا۔

"اگر آواز نکالنے کی کوشش کی تو یہیں پر گردن دبا کر مار دوں گا۔" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اور پہرے دار کا نیزہ چھین کر ایک طرف پھینک دیا۔ پھر میرا ہاتھ اس کے پیش قبض پر پڑا اور میں نے اسے کھینچ لیا۔ آبدار خنجر کی نوک اس کی گردن تک پہنچی تو اس کے حلق سے ڈری ڈری آوازیں نکلنے لگیں......

"بولو ــــ جو کچھ میں کہوں گا، کرو گے؟" میں نے بدستور غراتے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا اور اس نے خوفزدہ لہجے میں اقرار کیا۔

"تب مجھے تارس کی آرام گاہ تک لے چلو۔" میں نے آہستہ سے خنجر کی نوک اس کی گردن سے ہٹائی۔ "بولو ــــ تیار ہو؟" اور اُس نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلا دی۔

میں اُسے بازو سے پکڑے آگے دھکیلتا رہا۔ خنجر کی نوک اب بھی اس کے پہلو میں چبھ رہی تھی۔ پھر اُس نے ایک ستون کی آڑ سے مجھے بتایا کہ وہ کمرہ جہاں سامنے دو پہرے دار کھڑے ہیں، تارس کی آرام گاہ ہے۔

اس شخص کے ساتھ بھی میں نے وہی سلوک کیا تھا جو پہلے کے ساتھ ــــ بلاوجہ لوگوں کو قتل کرنا مجھے پسند نہیں تھا۔ میں چاہتا تو اس خدشے کو ختم کر سکتا تھا کہ کہیں یہ شخص شور نہ مچا دے۔ لیکن میرا ہاتھ اس کے لئے کافی تھا۔ دوسرے لمحے وہ بھی زمین پر ڈھیر ہو گیا اور میں نے اُسے ایک

ستون کی آڑ میں ڈال دیا۔

اب مسئلہ ان دونوں کا تھا۔ ان دونوں سے نمٹنے کے لئے کوئی سخت قدم اُٹھانا ضروری تھا چنانچہ میں ستون کی آڑ میں کھڑا ہو کر اس فاصلے کا اندازہ کرنے لگا جو میرے اور ان کے درمیان تھا۔ اس فاصلے میں ایسی کوئی رکاوٹ نہیں تھی جس سے چھپ کر میں ان تک پہنچ سکتا۔ چنانچہ جو کچھ بھی کرنا تھا' براہِ راست کرنا تھا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ قرب و جوار میں کوئی دوسرا شخص نہیں ہے تو اچانک میں ان کے سامنے آیا اور ان پر برق کی طرح جھپٹا۔ دونوں پہرے دار چونک پڑے تھے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا۔

مستعد لوگ تھے چنانچہ دوسرے لمحے انہوں نے مجھ پر اپنے نیزوں سے حملہ کر دیا ۔۔۔ وار اتنا کاری تھا کہ دونوں نیزوں کی انی میرے شانے پر پڑی۔ لیکن اس کا نتیجہ اُن لوگوں کے لئے حیران کن ہو سکتا تھا پروفیسر! میرے لئے نہیں ۔۔۔ ظاہر ہے مجھ پر کئے ہوئے وار کس حد تک کارگر ہو سکتے تھے۔ اس بات کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو پروفیسر! میں نے ان کی حیرت سے فائدہ اُٹھایا اور ان دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر ایک دوسرے سے دے مارا۔ ان کے حلق سے گھُٹی گھُٹی چیخیں نکلیں۔ اب راستہ صاف تھا۔ تارس کی آرامگاہ کا پتہ مجھے معلوم ہو چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اندر ہی ہو گا اور شاید شمانہ بھی ۔۔۔ دیکھنا یہ تھا کہ شمانہ نے اسے خود پر کس حد تک قابو پانے دیا تھا۔ دوسرے لمحے میں نے دروازے کو دھکیلنے کی کوشش کی۔ لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر میرے زوردار دھکے نے دروازے کو اکھاڑ کر اندر پھینک دیا اور میں تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔

خواب گاہ میں شمعدان روشن تھے۔ اچھی خاصی روشنی ہو رہی تھی۔ اس روشنی میں' میں نے جو منظر دیکھا' اسے دیکھ کر میرا دل بے اختیار قہقہے لگانے کو چاہنے لگا۔

میں نے دیکھا کہ تارس کی گردن اس کے شانوں سے کافی دُور پڑی ہے' اس کا جسم خواب گاہ کے درمیان فرش پر تھا اور اس کے بے سر والے بدن کو تکیہ بنائے ہوئے شمانہ آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ شمانہ کا سر اُس کے بدن پر رکھا ہوا تھا۔ شاید وہ سو چکی تھی ۔۔۔ دروازہ ٹوٹنے کی آواز سُن کر شاید اُس نے گردن اُٹھا کر میری جانب دیکھا تھا اور پھر وہ ایک دَم چونک پڑی۔

"اوہ سبوتا۔" وہ پھُرتی سے کھڑی ہو کر میرے قریب پہنچ گئی "سبوتا ۔۔۔ تم آ گئے؟"

"ہاں شمانہ ۔۔۔ اور جس بات کی توقع لیکر آیا تھا وہی یہاں آ کر دیکھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھی سبوتا؟" شمانہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"یہ تارس ہے نا؟" میں نے خون آلود بدن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ کُتّا ۔۔۔ تارس ہی ہے۔"

"لیکن اس کی گردن کہاں گئی؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"وہ پڑی ہوئی ہے۔"

"یہ اس کے شانوں سے کیسے جُدا ہو گئی؟" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"بس ۔۔۔ یہ احمق نجانے خود کو کیا سمجھ بیٹھا تھا۔ پہلے اس نے مجھے اپنی بیوی کے پاس بھیجا۔ وہ عورت طرح طرح سے میری دلجوئی کرنے لگی۔ نجانے کیسی عورت ہے' اپنے مرد کو دوسری عورت کے سپُرد کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے مجھ سے ایسی بے شرمی کی گفتگو کی کہ مجھے غصّہ آنے لگا ۔۔۔ اور سبوتا! میں نے اسے روک دیا کہ وہ مجھ سے ایسی گفتگو نہ کرے۔ وہ مجھے اپنے شوہر کی خصوصیات بتا رہی تھی۔

لیکن سبوتا! میں نے کچھ بھی سُننا پسند نہ کیا۔ اس مکّار عورت نے مجھ سے صاف کہا کہ اگر میں اس کے شوہر کی خلوت میں چلی جاؤں تو وہ مجھے مُنہ مانگا انعام دے گی۔ دل چاہا کہ اسے خود ہی کوئی انعام دے دوں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ یہ مجھے اپنے شوہر کے ایما پر ہی تو خلوت میں جانے پر آمادہ کر رہی ہے۔

اور سبوتا! پھر میں یہاں آ گئی ۔۔۔ یہ شخص نشے میں مست خوابگاہ میں داخل ہوا تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اسے شدید قسم کی سزا دوں گی۔ لہٰذا میں نے خود کو اس کی حرکتوں کے لئے تیار کر رکھا تھا ۔۔۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں دنیا کی حسین ترین عورت ہوں۔ وہ اپنی ملکہ بلایا کو طلاق دے دے گا اور ہمیشہ کے لئے مجھے اپنا بنا لے گا ۔۔۔ میں نے بھی مُسکرا کر اس کی پذیرائی کی۔ پھر جب وہ میرے قریب آیا سبوتا! تو پھر میں نے اس کی مردانہ طاقت آزمائی ۔۔۔ میں نے اسے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ میں نے اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا اور اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا یہی اس کی مردانگی ہے۔ لیکن سبوتا ۔۔۔ ہر شخص سبوتا تو نہیں ہوتا۔ اس نے اپنی زندگی بچانے کے لئے جدّوجہد کی۔ میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا تھا کہ وہ کسی پہرے دار کو آواز دے۔ بس جب میں نے محسوس کیا کہ وہ تھک گیا ہے ۔۔۔ تب سبوتا! میں نے اسے زمین پر گرا کے ذبح کر دیا۔ اور اس کی گردن اُٹھا کر دُور پھینک دی۔ بھلا یہ کوئی معمولی بات ہے کہ کوئی شمانہ پر قابو پا سکے۔" شمانہ نے فخریہ انداز میں کہا اور میں نے ایک بار پھر شمانہ کو سینے سے بھینچ لیا۔

"بہت خوب ۔۔۔ حالانکہ میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ کہیں اس کمبخت نے تمہیں نقصان نہ پہنچایا ہو۔"

"نہیں سبوتا ۔۔۔ شمانہ تمہارے سامنے بھیگی بلّی ہے' دوسروں کے لئے وہ آج بھی سیکائی کی خونخوار شیرنی ہے۔" شمانہ نے کہا۔

"میں تسلیم کرتا ہوں شمانہ ۔۔۔ آؤ چلیں۔"

"لیکن ہوا کیا سبوتا؟"

"کس سلسلے میں؟"

"میں نے سُنا تھا کہ اس نے تم لوگوں کو قید کر دیا تھا؟"

"تم نے کس سے سُنا تھا شمانہ؟"

"وہی کمبخت لاف وگزاف کرتے ہوئے یہ بات بتا رہا تھا کہ میرے تمام ساتھی قید خانے میں ہیں اور انہیں بہت جلد قتل کر دیا جائے گا ۔۔۔ اس نے گویا مجھے اپنی جانب سے دلاسا دیا تھا کہ فکر نہ کروں۔ وہ بہرحال میرے ساتھ ہے اور مجھے بہت اچھی طرح رکھے گا ۔۔۔ لیکن مجھے یہ سُن کر پریشانی ضرور ہوئی تھی۔"

"شمانہ ۔۔۔ میری موجودگی میں بھی؟"

"نہیں سبوتا ۔۔۔ بس مجھے یہ خیال تھا کہ قید خانہ تمہیں نہیں روک سکے گا۔" شمانہ نے محبوبانہ انداز میں کہا اور میری پیشانی چوم لی۔

تب ہم دونوں باہر نکل آئے۔ دروازے پر شمانہ نے دونوں پہرے داروں کو اُلٹا سیدھا پڑے دیکھا تھا ۔۔۔ اور پھر جب ہم نے محل سے باہر قدم رکھا تو شور کی آوازیں بہت تیزی سے بلند ہو رہی تھیں۔

شمانہ چونک کر رُک گئی۔ "یہ کیا ہے ۔۔۔؟" اُس نے پوچھا۔

"بشک اور اُس کے ساتھی ان لوگوں سے اپنا انتقام لے رہے ہیں۔"

"اور یقیناً اس کا مشورہ تم نے ہی دیا ہو گا۔" شمانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں شمانہ ۔۔۔ بشک شاید مجھے بزدل سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ زیور اس نے جس شخص کو جہاز پر اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے' وہ ایک بزدل انسان ہے اور وہ کسی سے جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن شمانہ ۔۔۔ میں مصلحت کا قائل ہوں۔ میں ہر معاملے میں طاقت آزمائی پسند نہیں کرتا۔ طاقت انسان کو ضرور آزمانی چاہیئے لیکن اُس وقت' جب اس کی ضرورت پیش آئے۔ چنانچہ میں نے بشک کو باز رکھا تھا۔ پھر جب تارس کھُل کر ہمارے سامنے آگیا' اس نے ہمیں قید کرنے کے بعد یہ سوچا کہ شاید وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تب میں نے بشک سے کہا کہ ٹھیک ہے وہ خود بھی اپنے معاملات میں آزاد ہے چنانچہ میں نے قید خانے کی دیواریں توڑیں۔ تمام لوگوں کو آزاد کیا۔ اپنے جہاز پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اسلحہ لے کر میں نے بشک سے کہا کہ وہ اپنے آدمیوں کی ٹولی لیکر لوٹ مار کے لئے نکل پڑے ......"

میں نے دیکھا لوگ بُری طرح بدحواس ہیں۔ ایک دوسرے کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ صورتِ حال معلوم کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو تو پتہ بھی نہیں تھا کہ ہوا کیا ہے۔ شور کی آوازیں زیادہ تر ساحل کی طرف سے آ رہی تھیں۔ میں نے بشک کو ہدایت کر دی تھی کہ زیادہ دُور جانے کی کوشش نہ کرے۔ جہاں تک ہو سکے ساحل کے نزدیک نزدیک اپنا کام کرے اور تارس کا محل بہرحال ساحل سے کافی دُور تھا۔

میں اور شمانہ بے خوفی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کی ہم نے کوئی خاص کوشش نہیں کی تھی۔

لیکن پھر ایک ایسے گروہ نے ہمیں دیکھ لیا جو شاید ہمیں پہچان گیا تھا ۔۔۔ "قیدی ۔۔۔ قیدی بھاگ رہے ہیں۔ پکڑو ۔۔۔" اور دس بارہ افراد پر مشتمل یہ گروہ ہماری طرف دوڑ پڑا ۔۔۔ تب میں نے اپنی شاندار ساتھی کو دیکھا۔ وہ ایک چمکدار خنجر نکال کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ خنجر میرے پاس بھی موجود تھا جو میں نے پہرے دار سے چھینا تھا۔

ہم دونوں بپھرے ہوئے گروہ کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔

"پکڑ لو ۔۔۔ پکڑ لو ۔۔۔" وہ پھر چیخے اور جوش میں قریب آ گئے۔ ہم دونوں کے ہاتھ ایک ساتھ چلے تھے اور دو دِلدوز چیخیں گُونج اُٹھیں۔ دوسرے لوگ رُک گئے۔

"شمانہ ۔۔۔ میرے پیچھے آ جاؤ ۔۔۔ جو تم تک پہنچے اس کا صفایا تم کر دینا۔ باقی لوگوں کو میں دیکھتا ہوں۔" یہ دس بارہ آدمی تھے۔ میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ شمانہ کو خراش بھی پہنچے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ان لوگوں کو کوئی ایسی بات دکھائی جائے جس سے ان کا جوش وخروش ختم ہو جائے۔ خنجر اس وقت زیادہ کارآمد نہیں تھا چنانچہ میں نے ہاتھ خالی کر لئے۔ پھر ایک نیزہ میرے سینے سے ٹکرایا اور میں نے اسے پکڑ لیا۔ نیزہ بردار فضا میں کافی اونچا اُچھل کر اپنے ساتھیوں پر جا گرا اور پھر میں نے یہی عمل دُہرانا شروع کر دیا۔ مجھے ان کے ہتھیاروں کی تو پرواہ تھی نہیں' بس میں نے انہیں پکڑ پکڑ کر اچھالنا شروع کر دیا اور گویا ان کی حیثیت ختم کر دی۔

اب وہ اُچھل اُچھل کر ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔ ان کے ساتھیوں کے آڑے ترچھے ہو جانے والے ہتھیار خود انہیں زخمی کر رہے تھے۔

ان لوگوں کو ناکارہ کرنے میں ہمیں ذرا بھی دقّت نہ ہوئی۔ شمانہ خنجر ہاتھ میں لئے کھڑی رہ گئی تھی۔ اسے کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔

"آؤ ۔۔۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور شمانہ ہنس پڑی۔ وہ میرے ساتھ چل پڑی تھی ۔۔۔ "کیوں' ہنسی کیوں آئی؟"

"سوچ رہی ہوں کہ اس خنجر کا کیا کروں۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے استعمال کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔"

"ممکن ہے آگے آ جائے۔" میں نے بھی ہنس کر کہا۔

"ہاں۔ اس صورت میں کہ چالیس پچاس افراد کا گروہ سامنے آئے۔ دس بیس آئے تو اسی طرح مارے جائیں گے۔"

"قتل کرنا ضروری تو نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ لیکن اگر وہ خود ہی مرنے کے خواہشمند ہوں ۔۔۔ اوہ دیکھو' وہ آگ لگ رہی ہے۔"

"بشک خاصا خونخوار ہے۔"

"ہاں۔ دیکھو جگہ جگہ آگ بھڑک رہی ہے۔" شمانہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا اور میں بھی گہری سانس لے کر بشک کی کارروائی دیکھنے لگا۔ ہم دونوں ساحل کی طرف دوڑ رہے تھے۔ بلا شُبہ بشک نے خوفناک معرکہ سرگرم کر رکھا تھا۔ بے شمار لوگ جنگ کر رہے تھے۔ ہتھیاروں کے

ایک دوسرے سے ٹکرانے کی جھنکار گونج رہی تھی۔ گویا زرد رُو بھی تیزی سے مسلح ہو کر مقابلے پر آ گئے تھے۔

"شمانہ!" میں نے شمانہ کو آواز دی۔

"ہوں؟"

"میں نہیں چاہتا کہ لبشک کے آدمی زیادہ مشقت اُٹھائیں۔ ان کے ساتھیوں میں زیادہ کمی پسند نہیں کروں گا۔"

"تب آؤ ۔۔۔ اس کی مدد کریں۔" شمانہ نے بے خوفی سے کہا اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ساحل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ ہم طوفانی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ راستے میں بھی چند لوگوں کو قتل کرنا پڑا جنہوں نے ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔

اور پھر ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ یہاں کا کام بخوبی جاری تھا۔ جگہ جگہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں زیادہ تر زرد رُو لوگ تھے۔ چند مقامی بھی تھے۔ کنارے پر لوٹ کا سامان ڈھیر تھا۔ اس میں وہ بھی تھا جس کی ضرورت نہیں تھی ۔۔۔ لیکن جنگ جنگ ہوتی ہے۔

کنارے سے جہاز کے درمیان سفر کرنے والی کشتی تیزی سے اپنا سفر کر رہی تھی۔ اس بار وہ کنارے پر آئی تو میں بھی واپسی میں اس میں سوار ہو گیا۔ شمانہ بھی میرے ساتھ تھی۔ جہاز پر سے سامان کھینچا جانے لگا۔ میں اس طرف متوجہ نہ ہوا بلکہ شمانہ کو لے کر اوپر پہنچ گیا۔

اور پھر اسلحے کے ڈھیر سے میں نے ایک وزنی کھانڈا اُٹھا لیا۔ شمانہ نے ایک تلوار پسند کی تھی۔

"چلو۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

"تم نہیں شمانہ!" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تم میری عورت ہو۔"

"لیکن ۔۔۔"

"اور یہ بات بھی تمہیں معلوم ہونی چاہیئے کہ مرد کی موجودگی میں عورت کی جنگ مرد کے لئے بےحد تکلیف دِہ ہوتی ہے۔"

"اوہ سبوتا ۔۔۔ کیا میں صرف عورت ہوں۔ کیا میں دوسری عورتوں سے مختلف نہیں ہوں۔" شمانہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"یقیناً ہو ۔۔۔ لیکن تمہارا مرد تمہارے سامنے ہے۔"

"میں تسلیم کرتی ہوں۔"

"تو خاموشی سے کھڑی ہو کر اپنے مرد کی جنگ دیکھو۔"

"ٹھیک ہے۔" شمانہ نے محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر میں جہاز سے نیچے اُتر گیا۔ خالی کشتی روانہ ہونے کے لئے تیار تھی۔ میں اس پر سوار ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد کشتی کنارے پر پہنچ گئی۔

لیکن پھر میں نے کسی قدر بدلے ہوئے مناظر دیکھے۔ جنگ ۔۔۔ جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اب سمٹنے لگی تھی۔ یا تو لبشک کے آدمی اپنا کام مکمل کرنے کے بعد پسپائی اختیار کر رہے تھے ۔۔۔ یا پھر ۔۔۔ یا پھر صورتحال بدلنے لگی تھی۔

میں تیزی سے آگے بڑھا۔ تب مجھے دوسری صورتحال کا احساس ہوا۔ میں نے دیکھا زرد رُوؤں کا زبردست دباؤ بڑھ رہا تھا۔ وہ بہت بڑی تعداد میں تیار ہو کر آ گئے تھے اور لبشک کے آدمیوں سے نہایت دلیری سے جنگ کر رہے تھے۔

لبشک نے عقلمندی یہ کی تھی کہ اپنے بکھرے ہوئے آدمیوں کو سمیٹ لیا تھا اور باقاعدہ صف بنا کر جنگ کر رہا تھا۔ اس طریقے نے ابھی تک اسے بچائے رکھا تھا ورنہ اگر اس کے آدمی بکھرے ہوئے ہوتے تو اب تک ان کا صفایا ہو گیا ہوتا۔

لبشک کے آدمی بلاشبہ بےحد دلیری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن ایک کا مقابلہ دس سے تھا۔ کہاں تک قتل کرتے۔ تھکن ان کے انداز سے نمایاں تھی۔

اور میں صورت حال بدلنے پہنچ گیا۔ میں نے لبشک کی صف چیر دی۔ اور میرا کھانڈا تیزی سے گردش کرنے لگا ۔۔۔ خود ستائی ہے پروفیسر! لیکن میں خود کو بجا طور پر حالات بدلنے والا کہہ سکتا ہوں۔ کھانڈے کی لمبائی میں انسان صاف ہونے لگے۔ پہلی بار انہوں نے موت کی یہ شکل دیکھی تھی۔ میں نے چند لمحات میں ایک گھر اخلا پیدا کر دیا ۔۔۔ اس وقت تو اجتماعی طور پر قتل و غارت گری کرنا پڑی تھی تاکہ لبشک کے لوگوں کو سنبھلنے کا موقع مل جائے۔ جنگ میں ایک نمایاں تبدیلی یہ ہوئی تھی کہ لوگوں نے کھانڈے کی تباہ کاری دیکھنا شروع کر دی تھی۔ وہ اس کی کاٹ دیکھ رہے تھے اور ششدر تھے۔ انہیں یہ احساس بھی نہیں رہا تھا کہ کھانڈا اب ان تک پہنچنے والا ہے۔ دیکھنے والے تو صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ چوڑا کھانڈا اُٹھتا ہے اور خون ہی خون اُبل پڑتا ہے۔ جسم دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کوئی درمیان سے کٹتا ہے، کسی کو صرف جھپٹ لگتی ہے لیکن وہ بھی کھڑا نہیں رہ سکتا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگتا ہے۔ بات صرف انہی لوگوں کی نہیں تھی بلکہ لبشک کے ساتھی بھی جنگ بھول گئے تھے۔ وہ بھی متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ بلاشبہ میں دیر سے پہنچا تھا۔ لیکن میں نے اپنے حصے کا کام چند لمحات میں ہی انجام دے لیا تھا۔ مرنے والوں کو بہت دیر کے بعد احساس ہو سکا کہ صورتِ حال کیا ہے ۔۔۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ زرد رُو بہت بُری طرح پلٹ کر بھاگے ہیں۔ ان کے ذہنوں پر خوف مسلط ہو گیا تھا۔ ان کے بھاگنے سے لبشک کو بھی احساس ہوا اور ایک بار پھر ان کے ہاتھ چلنے لگے۔ لیکن میں نے انہیں آواز دے کر روک دیا۔

"لبشک! میرا خیال ہے ہمارا انتقام پورا ہو چکا ہے۔ اب فوری طور پر واپسی کی تیاریاں کرو ۔۔۔ اور ہاں، کیا تمہارے کچھ ساتھی جزیرے کے درمیان رہ گئے ہیں؟"

"نہیں سبوتا ۔۔۔ وہ جو رہ گئے ہیں اب اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے بارے میں سوچا جائے۔" لبشک نے جواب دیا۔

"گویا وہ قتل ہو چکے ہیں یا زخمی ہیں؟"

"سبوتا ۔۔۔ اگر وہ زخمی ہوتے تو میں انہیں وہاں نہ چھوڑتا ۔۔۔ وہ مر چکے ہیں۔"

"اوہ، ٹھیک ہے۔ اب واپسی کا سفر طے کرو۔" میں نے حکم دیا اور انہوں نے بلا چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی۔

وہ تیزی سے واپس پلٹے۔ بھاگنے والوں میں ہمت نہیں تھی کہ ان پلٹنے والوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے۔ وہ تو اپنی زندگیاں بچا کر اس طرح بھاگے تھے کہ انہوں نے واپس پلٹ کر نہ دیکھا۔ تب ہماری کشتیاں تیز رفتاری سے جہاز کی طرف چل پڑیں۔

ہم فاتح کی حیثیت سے واپس آئے تھے۔ لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ اب یہاں رُک کر ان لوگوں کے مزید سنبھلنے کا انتظار نہ کیا جائے ویسے بھی ہم پوری طرح تیار تھے کہ اگر وہ اپنے جہازوں کو لے کر ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کریں تو ہم ان سے باقاعدہ جنگ کریں۔ لیکن یہ بات ابھی

________ کسی کو بھی معلوم نہ تھی کہ تارس مر چکا ہے۔ اور کن حالات میں مرا ہے، اس کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

اگر تارس زندہ ہوتا تو اس بات کی توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ ہمارا تعاقب کرتا اور اپنی اس شکست پر جھلا کر ہر وہ ممکن کوشش کرتا جس سے ہمارا جہاز تباہ کیا جا سکے ۔۔۔ اور ہمیں شکست دی جا سکے۔ لیکن یہ بات تو ابھی تارس کے آدمیوں کو بھی معلوم نہ تھی۔ لیکن اُمید تھی کہ بہت جلد معلوم ہو جائے گی ۔۔۔ اُس وقت جب وہ تارس سے احکامات لینے کے لئے پہنچیں گے اور تارس کی گردن اور جسم میں انہیں کافی فاصلہ نظر آئے گا۔ اس کے بعد انہیں احکام دینے والا کوئی ہے یا نہیں، یہ بات مجھے بھی معلوم نہ تھی۔

بہرصورت کمندیں ڈال کر ہم جہاز پر چڑھ گئے اور پھر جہاز کے بادبان چڑھائے جانے لگے۔ ہماری انتہائی کوشش تھی کہ اپنا جائزہ لینے سے پہلے جہاز کو کنارے سے دُور لے جائیں اور لبشک اور اس کے ساتھی اس کام میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے اپنے زخموں پر بھی کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ شمانہ نے پُرجوش انداز میں میرا استقبال کیا تھا۔ پھر وہ متحیرانہ انداز میں بولی۔ "آہ سبوتا ۔۔۔ میں نے تمہیں جنگ کرتے دیکھا تھا ۔۔۔ میں نے تمہیں جنگ کرتے دیکھا تھا سبوتا ۔۔۔ تمہارے بازو ہیں یا ۔۔۔ یا ۔۔۔" وہ خاموش ہو گئی۔ میں نے دلچسپ نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیئے اور آہستہ سے بولا۔

"آؤ شمانہ! آرام کریں۔ رات کافی گزر چکی ہے۔"

"سبوتا ۔۔۔ تم کتنے انوکھے ہو، کتنے عجیب ہو۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تمہارے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے؟"

"نہیں ۔۔۔ ان لوگوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ یہ میرے بدن کو زخمی کر سکیں۔" میں نے جواب دیا اور شمانہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

شمانہ کو لے کر میں اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ راستے میں میں نے جہاز کے ایک ملاح کو روک کر کہا تھا۔ "اگر لبشک یا کوئی اور اس وقت میرے پاس آنے کی کوشش کرے تو اُسے منع کر دینا میں اب آرام کروں گا۔ لیکن اگر تارس کے جہاز حملہ آور ہوں تو پھر تکلف نہ کیا جائے اور جونہی وہ سمندر میں نظر آئیں مجھے اطلاع دی جائے۔" میری ہدایت کو اس شخص نے ذہن نشین کیا اور آگے بڑھ گیا۔

شمانہ نے خواب گاہ کے چراغ روشن کر دیئے۔ میرے بدن پر مرنے والوں کے خون کے چھینٹے جم گئے تھے۔ شمانہ اس بات سے مضطرب تھی کہ کیا واقعی میرے بدن پر کوئی زخم نہیں ہے۔ کیا اس خون میں میرا خون تو شامل نہیں ہے۔ چنانچہ تنہائی میں پہنچتے ہی وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

"سبوتا ۔۔۔ سبوتا! تم نے جو کچھ کیا ہے ۔۔۔ اس پر حیرانی کا اظہار تو بعد میں کیا جائے گا پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ تمہارے جسم پر کتنے زخم آئے ہیں۔ مجھے بتاؤ سبوتا! ان زخموں کے لئے میں کیا کروں۔ ان کو ٹھیک کرنے کے لئے میں کیا کر سکتی ہوں، سبوتا! مجھے بتاؤ۔"

"اوہ ۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم میرے زخموں کے لئے مضطرب ہو شمانہ؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بات پوچھتے کیوں ہو سبوتا ؟ میری زندگی میں اب تیرے سوا ہے کیا ۔۔۔ اگر میں تمہارے لئے پریشان نہ ہوں تو کیا کروں گی؟"

"تب پھر پریشانیاں اپنے ذہن سے جھٹک دو شمانہ ۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیا میں تمہیں ٹھیک نظر نہیں آ رہا؟"

"وہ سب تو ٹھیک ہے سبوتا۔ لیکن تم بہت مضبوط ہو۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم اپنی تکلیف پر قادر ہو سکتے ہو۔"

"اچھا اب تم پریشان نہ ہو ۔۔۔ لیکن ٹھہرو، میں اپنے بدن سے یہ خون صاف کر لوں۔ یوں بھی میں اس سے اُکتا رہا ہوں ۔۔۔ اور پھر تم میری عورت ہو، یہ بات میں کیسے پسند کروں گا کہ اجنبی لوگوں کا خون تیرے بدن سے مس کرے۔"

"تم واقعی بالکل ٹھیک ہو سبوتا؟" شمانہ نے کسی قدر شوخی کے انداز میں پوچھا۔

"ہاں شمانہ! اس میں جھوٹ نہیں ہے ۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا لیکن شمانہ بہت محتاط تھی۔ اس نے خود ہی مجھے ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے کی کوشش کی اور آہستہ آہستہ میرا سارا لباس میرے بدن سے جُدا کر دیا۔ پھر اس نے باریک کپڑے سے میرے بدن کا خون صاف کیا۔ خون آلود لباس اُتر گیا تھا، اندر کا لباس صاف تھا۔ جو حصّے کھلے ہوئے تھے اور جن پر خون جما ہوا تھا۔ شمانہ نے ایک کپڑا گیلا کرنے کے بعد اس سے میرے جسم کو صاف کر دیا اور پھر میری بات کی تصدیق کرنے کے بعد وہ خوشی سے سرشار ہو کر بے ساختہ مجھ سے لپٹ گئی۔

"اوہ سبوتا ۔۔۔ تم کتنے انوکھے ہو، کتنے عجیب ہو، سچ مچ تم کتنے

عجیب ہو، آہ! میں کتنی خوش قسمت ہوں۔" اس نے میرے بدن کے نجانے کتنے بوسے لے ڈالے۔ اور پھر میں نے اسے اپنے بازوؤں میں اُٹھایا اور آرام کی جگہ پر لٹا دیا۔ میں اس کے نزدیک ہی بیٹھ کر اس پر جھک گیا تھا۔۔۔ سخت محنت اور مشقت کے بعد شمانہ کا حسین ترین قرب ساری تکلیف کو ختم کر دیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے شمانہ کے حسین و گداز جسم سے اپنی تھکن دُور کی تھی۔ اس وقت میں سرُور کی ان بلندیوں پر تھا جہاں پہنچنے کے بعد عام انسان کی ساری صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ شمانہ بھی میری صحت کا میری زندگی کی خوشی کا جشن منا رہی تھی۔ شمانہ کا بھرپور تعاون میرے اندر آگ لگا رہا تھا۔ میں اس کے تعاون کا جواب دے رہا تھا۔ اتنے بھرپور طریقے سے حس کا اظہار شمانہ کے چہرے پر رینگتے ہوئے جذبات کے طوفان سے ہو رہا تھا۔ شمانہ میری بھرپور ساتھی جس کے ساتھ لمحات کے گزرنے کا کوئی احساس نہیں ہوتا تھا۔ سارا وقت گزر گیا اور صبح نزدیک آگئی۔ جلد ہی شمانہ گہری نیند سو گئی تھی۔ میں نے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

لبشک اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے آرام میں مداخلت کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ تو ابھی تک حیرت کا شکار ہوں گے اور مجھے یقین تھا کہ اب ان کی مجال نہیں ہے کہ وہ میرے نزدیک آئیں۔۔۔ یا میری کسی بات پر اعتراض کر سکیں۔

بشنک کو میں نے اپنی ذات سے پوری طرح مطمئن کر دیا تھا۔ شمانہ کو سوتا چھوڑ کر میں اُٹھ گیا۔ ظاہر ہے میری ذات پر رات کا خمار کسی بھی حیثیت سے اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ میں تو دوسری ہی نوعیت کا انسان تھا۔ البتہ شمانہ کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ دن چڑھے تک سوئے گی۔ اس لئے کہ وہ عام لڑکی تھی۔ لیکن میں عام انسانوں سے مختلف تھا پروفیسر! عورت کا قرُب میرے جسم میں آگ ضرور لگاتا ہے لیکن میری آگ کو ختم نہیں کر سکتا۔

نئے لباس کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ سو میں نے لباس پہنا اور کیبن سے باہر نکل آیا۔ جہاز کی زندگی معمول پر آچکی تھی۔ اسلحہ، اسلحہ خانے میں پہنچا دیا گیا تھا اور لبشک سرگرمی سے اپنے ملاحوں کو ہدایات جاری کر رہا تھا۔

سفر میں کسی حد تک تیزی آگئی تھی۔ میرے قریب موجود لوگوں نے مجھے دیکھا اور ان کے چہروں پر عقیدت کے اثرات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ اس انداز میں ساکت و صامت ہو گئے تھے جیسے اب میری حقیقت سمجھ چکے ہوں۔ تب میں نے ان میں سے ایک کو اشارہ کیا۔۔۔ اور وہ دوڑتا ہوا میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"لبشک کہاں ہے؟"

"مستول کے پاس جناب!"

"مستول کے پاس۔۔۔؟" میں نے کہا۔

"ہاں جناب۔۔۔ کیا میں انہیں اطلاع دوں؟"

"نہیں۔ میں وہیں جا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور لبشک کی طرف چل پڑا۔ بشنک اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ لوگوں کے چہروں پر تبدیلیاں پاکر اس نے پلٹ کر دیکھا اور مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پُرتپاک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آہ سبوتا۔۔۔ سبوتا۔۔۔ عظیم سبوتا۔۔۔ تجھے عظیم نہ کہنا تیری انوکھی قوتوں کا اعتراف نہ کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں نے حیرانی کی رات گزاری ہے اور میری دلی خواہش تھی کہ تیری خدمت میں پیش ہو کر اپنی یہ اُلجھن رفع کروں۔۔۔ ہاں، کیا تُو نے صبح کا ناشتہ کیا؟"

"نہیں بشنک۔۔۔ کیا تم نے ناشتہ کر لیا؟"

"نہیں۔ میں نے بھی نہیں کیا سبوتا۔۔۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں تیرے ساتھ ناشتہ کروں۔" بشنک نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے بشنک! تم ناشتہ منگواؤ، میں ناشتہ کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم لبشک کی نشستگاہ میں عمدہ کھانے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لبشک بھی میرا شریک تھا۔ ہم دونوں ناشتہ کر رہے تھے۔ شمانہ کے بارے میں اس نے پوچھا۔۔۔ تو میں نے بتا دیا کہ وہ چونکہ دیر سے سوئی ہے اس لئے دیر سے جاگے گی۔ ہاں، ایک خادم اس کی آرام گاہ کے قریب متعین کر دیا جائے تاکہ جب وہ اُٹھے تو ہمیں اطلاع دی جا سکے۔۔۔ بشنک نے میری ہدایت پر عمل کیا تھا۔

ناشتے کے دوران شاید وہ احتراماً خاموش رہا تھا۔۔۔ ہاں جب وہ ناشتہ ختم کر چکا تو اس نے اسی دست بستہ انداز میں کہا۔ "مجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے سبوتا؟"

"اپنے بارے میں کیا بتاؤں بشنک؟"

"عظیم سبوتا! میں یہ چاہتا ہوں کہ تُو جو کچھ ہے، اسے چھپانے کی کوشش نہ کر۔"

"تُو جانتا ہے بشنک کہ زیوراس نے مجھے ایک خاص کام سے شکایا بھیجا ہے۔"

"یقیناً یہ بات مجھے معلوم ہے سبوتا۔ لیکن میں اپنے طور پر تجھ سے پوچھ رہا ہوں سبوتا۔۔۔ تُو یہ سچ تیری یہ پُراسرار قوت کیا ہے جس نے سنگی دیواریں توڑ ڈالیں۔ کیا وہ ایک عام انسان کا کارنامہ تھا؟ نہیں سبوتا! تُو نے اس وقت دشمن کو شکست دی جب بے شمار آدمی ہزیمت اُٹھا کر بھاگ رہے تھے۔ ہاں سبوتا۔۔۔ تُو اس وقت تنہا تھا۔ تنہا تیری ذات تھی جس نے ہمیں سہارا دیا۔۔۔ ورنہ ہمارا خیال تھا کہ ہم جہاز پر پہنچتے پہنچتے آدھے بھی نہ رہیں گے۔۔۔ زرد رُو جس طرح مسلح ہو کر ہم پر حملہ آور ہوئے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہر وقت چاق و چوبند رہنے کے عادی ہیں اور بلاشبہ جنگجویانہ مہارت میں کامل۔ لیکن وہ کھانڈے کو نہیں جانتے تھے جس کی ساخت عجیب و غریب ہے۔

ہاں سبوتا۔۔۔ وہ کھانڈا جو تیرے ہاتھ میں ہوتا ہے، عجیب سا ہتھیار، جس کی ہوا بھی کسی بدن پر لگ جائے تو وہ بدن خود پر قادر نہ رہ

سکے۔۔۔ سانپ بدن چھوڑ کر بھاگ جائے۔ میں نے ایسی قوت پہلے کبھی نہیں دیکھی۔۔۔ ہاں قدیم قصوں میں ایسی کہانیاں سُننے کو مل جاتی ہیں مگر کسی کو یقین نہیں آتا۔ جس نے آنکھ سے دیکھا ہے وہ بھی حیران ہے کہ کیا سبوتا دیوتا ہے یا اگر ایسا نہیں ہے تو وہ کیسا خواب تھا۔ سبوتا۔۔۔ تیرے بارے میں جہاز کا ہر شخص سوچ رہا ہے۔"

"اوہ بشنک! تم اس بارے میں ضرورت سے زیادہ سوچ رہے ہو، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس یوں سمجھو کہ کھانڈا میرا محبوب ہتھیار ہے۔ جب وہ میرے ہاتھ میں ہوتا ہے تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ میرے سامنے کے موجود لوگ زندگی سے دُور ہو چکے ہیں۔۔۔ میرے اس یقین کو کبھی شکست نہیں ہوئی بشنک! بس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

"لیکن سنگی دیواروں کی وہ چٹانیں جو قلعے کی شکل میں تھیں جنہوں نے اپنی جگہ چھوڑ کر راستہ دے دیا تھا؟" بشنک نے پوچھا۔

"بس اس بارے میں تم یہی کہہ سکتے ہو کہ میری جسمانی قوتیں ان دیواروں سے زیادہ مضبوط تھیں۔" میں نے جواب دیا۔

"انسانی عقل سے باہر کی بات ہے سبوتا۔" بشنک نے کہا۔ "اگر تم اصرار کر رہے ہو تو میں یقین کئے لیتا ہوں ورنہ میں نہیں مانتا۔"

"اگر انسانی عقل جسمانی قوت کو نہیں مانتی بشنک! تو پھر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تُو مجھے یہ نہیں بتا سکتا سبوتا کہ تُو کون ہے؟" بشنک ضد پر آمادہ تھا۔

"سبوتا کے علاوہ کچھ نہیں ہوں بشنک! باقی تفصیل تمہیں زیوراس ہی بتا سکے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ سبوتا۔۔۔ میری مجال کہ تجھ سے وہ کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروں جو تُو نہیں بتانا چاہتا۔۔۔ بہرحال سبوتا! اس سے قطع نظر کہ میرے آقا زیوراس نے مجھے تیری اطاعت کی ہدایت کی ہے، میں ذاتی طور پر بھی تجھ سے اتنا متاثر ہوا ہوں کہ اب تیری اطاعت میری زندگی کا جزو بن گئی ہے۔ میں تیرے احکامات کو اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں۔"

"تیرا شکریہ لبشک! تم مجھے بُرا دوست نہ پاؤ گے۔"

"آہ۔۔۔ کیسی بات کی تُو نے۔ کیا میں تیری دوستی کے قابل ہوں سبوتا؟"

"کیوں، تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟"

"بس۔۔۔ عظیم سبوتا۔۔۔ میں خود کو تیرے سامنے کمتر سمجھتا ہوں۔ تیرے پاؤں کی خاک بھی نہیں ہوں۔۔۔ عظیم سبوتا، کیسے یقین کر لوں؟"

"یہ تیری غلطی ہے لبشک! میرا اس میں کیا قصور۔۔۔" میں نے جواب دیا اور لبشک خاموش ہو گیا۔

جہاز کے دن، جہاز کی راتیں خوب سے خوب تر ہو تی گئیں۔ مانگا جزیرے سے جو سامان حاصل کیا گیا تھا، وہ اتنا تھا کہ اب مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لبشک نے بتایا تھا کہ آٹھ چاند اور آٹھ سورج گزرنے کے بعد شکایا بستی کا ساحل نظر آنے لگے گا۔۔۔ اور اس تمام وقت کے لئے ہمارے پاس بہت کچھ موجود تھا کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔۔۔ البتہ مانگا بستی کی جنگ میں لبشک کے تیرہ ساتھی کام آئے تھے۔ جن کا سب کو افسوس تھا لیکن یہ سوچ کر سب خوش تھے کہ اس کے جواب میں جو تباہی پھیلائی گئی تھی اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

شمانہ زندگی کی ساری رعنائیوں کے ساتھ میری شریکِ سفر تھی۔ دن کی روشنی سمندر کی لہریں گنتی ہوئی گزر جاتی اور رات ایک دوسرے کی دھڑکنیں گنتے ہوئے۔۔۔ یوں سورج ڈھلتے رہے، چاند نکلتے رہے۔۔۔ اور پھر جب ایک رات کی صبح ہوئی تو لبشک نے دُور سے دیکھتے ہوئے بتایا کہ ہم شکایا کے ساحل پر پہنچ رہے ہیں۔

شمانہ اور میں اس کے نزدیک جا کھڑے ہوئے۔ بہت دُور، اُفق کے قریب، شکایا کی بھوری زمین ایک لکیر کی مانند نظر آ رہی تھی جو دُھواں دُھواں سا تھا۔ لیکن جُوں جُوں ہوائیں جہاز کو زمین کی طرف کھینچ رہی تھیں، بھوری زمین واضح ہوتی جا رہی تھی۔۔۔ اور پھر سُورج نے آدھا سفر طے کیا تو شکایا کا جزیرہ طے ہو گیا۔

"ساحل اب بہت زیادہ دُور نہیں ہے سُورج اپنے سفر کا ایک اور حصّہ طے کر لے تو ہم ساحل پر ہوں گے۔" لبشک نے بتایا۔

اور ہم سُورج کے سفر کا جائزہ لینے لگے۔ کبھی کبھی ہماری نگاہیں ساحل کے اُس جانب بھی اُٹھ جاتی تھیں جہاں اپنے اپنے کاموں میں مصروف لوگ صاف نظر آ رہے تھے۔ کچھ لوگوں کو جہاز کے ساحل تک پہنچنے کا انتظار تھا اور یہ وہ تھے جو زیوراس کے وفادار تھے۔ جنہوں نے ساحل پر ہمارا پُرجوش استقبال کیا۔۔۔ سو میں نے محسوس کیا پروفیسر! کہ یہاں زرد رُوؤں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ تو ناممکن تھا کہ وہ خاص تعداد میں یہاں موجود نہ ہوں۔۔۔ اس سلسلے میں سکائی کا حوالہ دیا جا سکتا تھا۔ تم جانتے ہو پروفیسر! سکائی بستی میں البتہ زرد رُوؤں کو وہ زور حاصل نہ تھا جو مانگا میں اور یہی کیفیت شکایا کی بھی ہو سکتی تھی۔۔۔ ظاہر ہے یہ فوما کا دارالحکومت تھا۔ بلاشبہ شبالا یہاں حکمران تھا۔ لیکن مقامی باشندوں کا زور یہاں ضرورت سے زیادہ تھا اور شبالا اپنی حکومت نہایت احتیاط سے چلا رہا تھا۔ اور اگر زرد رُو یہاں ہوتے تو یا تو شبالا کے نزدیک یا پھر دُور دراز کے اُن علاقوں میں جہاں سے وہ بستی والوں پر بھرپور نگاہ رکھ سکتے اور اپنی شیطانی کارروائیاں انجام دے سکتے۔

زیوراس کے وفاداروں نے کشتیاں پانی میں ڈال دیں اور برق رفتاری سے انہیں کھیتے ہوئے جہاز کے قریب آ گئے۔ پھر وہ جہاز پر چڑھ آئے اور لبشک سے معانقہ کر کر کے زیوراس کی خیریت پُوچھنے لگے۔ لبشک ان کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ زیوراس خیریت سے ہے لیکن وہ اس جہاز پر ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ اس پر زیوراس کے چاہنے والوں نے یہ بھی پوچھا کہ آخر وہ کیوں نہیں آیا۔۔۔ اس پر لبشک نے جواب دیا کہ اس کا خیال ہے کہ وہ کچھ عرصہ مختلف جگہوں کی سیر کرے گا

اور پھر اس کے بعد ہی جہاز اُسے لینے کے لئے واپس جائے گا۔

زیوراس کے آدمی مکمل طور پر مطمئن ہو گئے۔ دراصل بشنک، زیوراس کا ایسا معتمد تھا جس پر زیوراس خود بھی بے پناہ اعتماد کرتا تھا اور شاید زیوراس کے آدمی بھی اس پر اعتماد رکھتے تھے کہ کسی نے اس سے کوئی مشتبہ سوال نہ کیا۔

جہاز ساحل کے ایک مخصوص حصے تک پہنچایا گیا جہاں لنگر ڈال کر اسے کھڑا کر دیا گیا۔ پھر لکڑی کے بنے ہوئے بڑے بڑے پلیٹ فارمز سے منسلک کر دیا گیا۔ تب جہاز کے تمام لوگ نیچے اُتر آئے اور جہاز خالی کیا جانے لگا ــــ حکومت کے نمائندے بھی جہاز کے قریب آ گئے تھے۔ ان میں مقامی لوگ بھی تھے لیکن ان میں اکا دُکا زرد رُو بھی نظر آ رہے تھے جو یقیناً افسر تھے ــــ اور آنے والے جہازوں کے نگران بھی۔ انہوں نے سامان پر ایک نگاہ ڈالی لیکن کسی قسم کا تعرض نہ کیا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی بات کی جس کا کسی کو جواب دینا پڑتا۔

بشنک اپنے آدمیوں کو ہدایات دیتا رہا۔ پھر میرے قریب پہنچ کر بولا
"سبوتا ــــ میری ذمے داریاں جو جہاز پر تھیں اب ختم ہو چکی ہیں ــــ ہاں اپنے آقا کی ہدایت کے مطابق تیری میزبانی کی عزّت مجھے حاصل ہے۔ اور سبوتا! تُو اس عزّت کو بڑھا اور میرے ساتھ چل۔"

"ٹھیک ہے بشنک ــــ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور بشنک مجھے اور شمانہ کو لیکر چل پڑا ــــ غالباً زیوراس نے اسے میری قیام گاہ کے بارے میں ہدایات دے دی تھیں۔ شکایا بستی دراصل دارالحکومت کہلانے کی مستحق تھی۔ یہاں کی آبادی نہایت ترتیب سے قائم کی گئی تھی اور نہایت ہی نفاست سے رہتی تھی۔ مکانات ترتیب سے بنائے گئے تھے، سڑکیں، گلیاں، بازار سب کچھ ایک مخصوص انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ مکانات صاف ستھرے تھے ــــ اور اس بستی کی نمایاں خصوصیت یہاں کی صفائی ستھرائی تھی۔ جس مکان میں مجھے اور شمانہ کو پہنچایا گیا، وہ خاصا خوش نما اور کشادہ تھا۔ ہماری آرام گاہ ہمیں دکھادی گئی ــــ یہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔

بشنک نے چند آدمیوں کو میرے سامنے لا کھڑا کیا اور انہیں ہدایت دی کہ میری ضرورت اس طرح پوری کی جائے جس طرح سردار زیوراس کی ضرورت ہو۔ اس کے بعد اس نے کہا ــــ "سبوتا! تُو یہاں آرام کر اور مجھے اجازت دے کہ میں اپنے اہلِ خاندان سے جا کر ملاقات کر لوں۔ بہت جلد میں تیری خدمت میں حاضر ہوں گا۔ تیرے لئے ضروری ہے کہ تُو مجھے اپنی ضروریات سے آگاہ کرتا رہ ــــ اور میں جس لائق بھی ہوں، تیرے لئے حاضر ہوں۔"

"ٹھیک ہے بشنک! تم اپنے اہلِ خاندان میں جاؤ، آرام کرو۔ آج کا دن ہم کچھ نہیں کریں گے، رات بھی آرام کریں گے۔ کل دوپہر تک تمہیں میری طرف سے اجازت ہے۔ دوپہر کے بعد یہاں آجانا کچھ باتیں کریں گے اور اگر ممکن ہو سکا تو شکایا کی سیر بھی ــــ"

"میں حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا سبوتا ــــ لیکن کیا شکایا کی سیر کے لئے گھوڑوں کا انتظام کر لوں؟" بشنک نے پوچھا۔

"اگر ممکن ہو سکے تو بہتر ہے ــــ ہاں ایک بات تو بتاؤ۔" میں نے بشنک سے کہا اور وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"کیا شکایا میں اجنبیوں پر خاص توجہ دی جاتی ہے؟"

"نہیں سبوتا ــــ اس پورے علاقے کی بستیوں کے لوگ شکایا آتے جاتے رہتے ہیں۔ اجنبی لوگ بھی یہاں آتے ہیں اور اجنبی جہاز بھی ــــ اور ان جہازوں سے اُترنے والوں پر کوئی خاص نگاہ نہیں رکھی جاتی، کم از کم مقامی لوگ ان کا جائزہ نہیں لیتے ــــ ہاں زرد رُوؤں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اجنبی شکلیں یہاں کسی کے لئے حیرانی کا باعث نہیں ہوتیں، کیونکہ اجنبی بستیوں کے لوگ جن کا تعلق بہرحال اسی علاقے سے ہوتا ہے اور فوماان کا سردار بھی کہلاتا ہے، وہ یہاں آتے جاتے رہتے ہیں ــــ تم دیکھو گے کہ اگر تمہاری انوکھی شخصیت نے کسی کو تمہاری طرف متوجہ کیا تو دوسری بات ہے ورنہ عام طور سے لوگ تمہیں حیرت سے نہ دیکھیں گے ــــ ہاں، باہر کا مہمان ضرور سمجھیں گے۔"

"واہ، یہ تو خوشی کی بات ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میں نے بشنک کو جانے کی اجازت دے دی۔

بشنک کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنی آرام گاہ کا جائزہ لیا اور شمانہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "آرام گاہ کے بارے میں کیا خیال ہے شمانہ؟"

"بہت خوبصورت، بہت ہی حسین لیکن سبوتا ــــ تمہاری غیر موجودگی میں کچھ نہیں۔" شمانہ آنکھوں میں ڈھیروں پیار سجا کر بولی۔

"اوہ شمانہ ــــ تم بہت اچھی باتیں کرتی ہو، بہت ہی اچھی۔"

"سبوتا! ایک زمانہ تھا جب میں بہت بُری باتیں کرتی تھی، بہت ہی بُری ــــ کیا تمہیں یاد ہے؟"

"ہاں۔ لیکن وہ وقت گزر چکا ہے شمانہ۔" میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا تمہیں میری وہ باتیں یاد نہیں آتیں سبوتا؟" شمانہ نے مسکرا کر پوچھا اور میں نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

"نہیں شمانہ! کبھی نہیں۔" میں نے شمانہ کی کمر میں بازو ڈالا اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ شمانہ میری جانب جھک آئی تھی۔ میں نے شمانہ کے نرم ہونٹوں کی حلاوت کو اپنے ہونٹوں میں جذب کر لیا۔

بشنک کی ہدایت کے مطابق اس کے خادم ہماری بھرپور خاطر مدارات کر رہے تھے۔ شاید یہ ہدایت بھی بشنک نے کی تھی کہ ہمیں عمدہ لباس بھی مہیا کیا جائے ــــ کیونکہ کئی لباس میرے اور شمانہ کے لئے موجود تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے لئے ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

اس شام ہم نے مکان سے نکلنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ ہی خدام سے ضرورت سے زیادہ گفتگو کی گئی۔

دوسرے دن بشنک حسبِ وعدہ حاضر ہو گیا۔ یہ شخص اب ذاتی

طور پر بھی مجھ سے متاثر تھا ــــ بات صرف اس کے آقا کی ہدایت کی نہیں تھی۔ بلکہ اب وہ خود بھی میری بات میں مکمل طور سے دلچسپی رکھتا تھا ــــ اس کے ساتھ اس کی خوبصورت بیوی بھی آئی تھی، جسے شاید اس نے میرے اور شمانہ کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔

حسین عورت کی حسین آنکھوں میں حسین سی حیرانی تھی، وہ مجھے اور شمانہ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی ــــ میں نے اس کی خیریت پوچھی۔ لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ تب بشنک نے ہنس کر اُس سے کہا۔ "دولایا! تم تو بالکل ہی گُنگ ہو گئی ہو۔ سبوتا کی بات کا جواب تو دو۔"

"آں ــــ کیا ــــ؟" عورت چونک پڑی ــــ اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے گردن خم کی اور کہا۔ "جو کچھ بشنک نے تیرے بارے میں بتایا ہے سبوتا! میری عقل حیران ہے لیکن تجھے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی بات غلط نہیں ہے اور ہاں، تیری عورت بےحد حسین ہے، کیسی خوبصورت ہے یہ۔ کیا میں اپنے ہاتھوں سے اسے سنوار سکتی ہوں، یہ میری دلی خواہش ہے۔"

"بشنک کی عورت! اس میں حرج بھی کیا ہے، تُو میرے لئے محترم اور مقدس ہے اور ہم تیرے مہمان۔" میں نے جواب دیا اور بشنک مسکرانے لگا۔

تب دولایا شمانہ کے پاس پہنچ گئی۔ وہ اس کے بازوؤں پر ہاتھ پھیر رہی تھی اور اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی ــــ تب میں نے بشنک سے کہا۔

"بشنک! عورت، عورت سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے اور بہت جلد بے تکلف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی کہ ہم ان دونوں کو آپس میں مکمل طور پر متعارف کرائیں ــــ تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم ان کو یہاں چھوڑ کر کسی دوسری جگہ بیٹھیں اور اپنے مطلب کی باتیں کریں۔" میں نے کہا۔

"یقیناً سبوتا ــــ دولایا شمانہ کی خادمہ ہے۔ وہ اسے کوئی تکلیف نہیں ہونے دے گی۔" اور میں اس کا بازو پکڑ کر اس جگہ سے باہر نکل آیا اور مکان کے دوسرے حصے میں پہنچ کر بشنک کے پاس بیٹھ گیا۔

"جیسا کہ تجھے معلوم ہے بشنک کہ زیوراس نے کچھ مخصوص کام میرے سپُرد کئے ہیں سو مجھے وہ کام انجام دینا ہیں ــــ لیکن آج کا دن صرف شکایا کی سیر کا ہوگا ــــ لیکن اس سے قبل کہ ہم لوگ یہاں سے نکلیں، پہلے تُو مجھے یہ بتا کہ کیا تُو نے گھوڑوں کا انتظام کر لیا ہے؟"

"یقیناً سبوتا ــــ گھوڑے باہر موجود ہیں۔"

"بہتر ــــ ایک بات اور بتا بشنک!"

"پوچھ سبوتا!"

"جیسا کہ تُو نے کہا کہ دوسری بستیوں کے لوگ یہاں آتے رہتے ہیں، چونکہ زیوراس نے جو کام میرے سپُرد کیا ہے وہ پوشیدہ حیثیت رکھتا ہے اس لئے میں نہیں چاہتا کہ دوسرے لوگ اگر میری طرف متوجہ ہوں تو مجھے اپنے حالات اور اپنے ماحول سے اجنبی پائیں۔ میری خواہش ہے کہ تُو مجھے قرب و جوار کی اور دُور دُور کی ان بستیوں کے نام بتا، جہاں سے لوگ یہاں آتے رہتے ہیں۔ تاکہ اگر لوگ مجھ سے سوال کریں تو میں انہیں اس کا تسلی بخش جواب دے سکوں اور یہ باور کرا سکوں کہ میں دوسری بستی سے ضرور آیا ہوں لیکن ان علاقوں کا اجنبی نہیں ہوں۔"

"مناسب ہے سبوتا! تیری ذہانت سے میں انکار نہیں کر سکتا۔ لے کچھ نام ذہن نشین کر لے۔" بشنک نے کہا اور مجھے ان جزیروں کے نام بتانے لگا جو قریب و دُور واقع تھے۔ میں نے ان میں سے چند نام اچھی طرح ذہن نشین کر لئے ــــ پھر میں نے بشنک سے اور بھی دوسری بہت سی باتیں پوچھیں اور ضروری نہیں تھا کہ میں آج ہی نغامہ کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم کر لوں۔ کچھ روز یہاں ضرور گزارنے تھے اور اس کے بعد ہی روانگی ہونی تھی ــــ فوری طور پر یہاں سے واپسی بہت سی نگاہوں میں شک و شُبے کے آثار پیدا کر سکتی تھی۔ اور پھر بشنک بھی بہرحال ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد اپنے گھر واپس آیا تھا۔ یقیناً وہ بھی کچھ روز یہاں گزارنا پسند کرتا ــــ اس کے علاوہ میری ذاتی خواہش تھی کہ شبالا کی حکومت کا بھی جائزہ لوں اور اندازہ لگاؤں کہ فوما کی بستی کے لوگ شبالا سے کس حد تک تعاون کرتے ہیں اور اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ زرد رُوؤں کی قوت وہاں کیا ہے اور وہ کس طرح رہ رہے ہیں۔ ان کے اقدامات کیا ہیں۔ میں نے بشنک سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا البتہ شکایا کی رعایا، اس کے لوگوں کے رہن سہن، باہر سے آنے والوں کے ساتھ ان کے سلوک کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ بشنک نے پورے خلوص کے ساتھ مجھے یہ معلومات فراہم کی تھیں۔

ہم بہت دیر تک یہاں رُکے اور پھر اس وقت ہی ہم گفتگو سے چونکے جب دونوں خوبصورت عورتیں ہماری آرام گاہ میں داخل ہو گئیں۔

دولایا نے شکایا کی روایات کے مطابق شمانہ کو سجا دیا تھا۔ اس نے شمانہ کے بال مخصوص انداز میں بٹ کر پورے سر پر پھیلا دیئے تھے۔ چہرے پر عجیب و غریب چیزیں لگائی تھیں۔ لباس میں بھی کچھ خصوصیتیں نمایاں تھیں۔ اور بلاشبہ اس قدر حسین نظر آ رہی تھی کہ اس پر نگاہیں جمانا مشکل تھا۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا اور بشنک کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دولایا عورت کو سجانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی، تیری آنکھوں میں اپنی عورت کے لئے حیرت ہے سبوتا!" وہ ہنستا ہوا بولا۔

"ہاں۔ شمانہ کا ہر رنگ مجھے پسند ہے لیکن اس رنگ میں تو وہ نجانے کیا کچھ نظر آ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"تیری عورت ہے بھی تو اتنی حسین۔" دولایا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اور سبوتا کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟" بشنک نے ہنس کر اپنی عورت سے پوچھا۔

"اگر وہ میرے لئے محترم نہ ہوتا اور اگر میں تجھ سے محبت نہ کرتی تو یہ الفاظ کہنے میں مجھے کوئی عار نہ تھا کہ سبوتا ذہنوں پر قابض ہونے کی قدرت

رکھتا ہے۔" دولابا بے تکلفی سے بولی۔

ہم سب ہنسنے لگے تھے ـــ اور پھر ہم باہر نکل آئے۔ چار چاق و چوبند اور توانا گھوڑے زینوں سے لیس تیار کھڑے تھے۔ چاروں کے چاروں قوی ہیکل اور خوبصورت رنگوں کے مالک تھے ـــ سو پروفیسر! پسند کر لیا ہم نے اپنے لئے ایک ایک گھوڑا اور سوار ہو گئے اس کے اوپر۔ یوں چاروں چل پڑے شکایا کی گلیوں اور بازاروں میں ـــ سو دیکھنے والے دیکھ رہے تھے ہمیں اپنے مکانوں سے، اور رُکتے تھے، سوچتے تھے اور سوچتے رہ جاتے تھے اور گھوڑے آگے بڑھ جاتے تھے۔ دونوں عورتیں ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔ دولابا، شمانہ کو شکایا کے بارے میں بتا رہی تھی اور لبشک مجھے ـــ ہم دُور دُور تک گھوڑوں پر سفر کرتے رہے لبشک مجھے تمام تفصیلات بتاتا رہا۔

اور پروفیسر! پایا میں نے شکایا کو بہت ہی اچھا۔ درحقیقت میں نے محسوس کیا پروفیسر! کہ شکایا بستی والوں نے ہمیں دیکھا تو سہی لیکن صرف اس طرح کہ مَردوں کی آنکھوں میں ان دونوں عورتوں کو دیکھ کر تحسین و پسندیدگی کے جذبات اُبھر آتے اور یہی کیفیت وہاں کی عورتوں کی تھی۔

زرد رُو جہاں بھی نظر آئے، وہ محتاط محتاط سے تھے۔ خاص طور سے ان کی عورتیں شکایا کی گلیوں اور بازاروں میں نظر نہیں آتی تھیں۔ وہ کسی جگہ نہیں رُکتے تھے بلکہ صرف اپنا کام انجام دیتے تھے۔ ہاں، یہ بات سکائی سے ذرا مختلف تھی ـــ سکائی بستی میں ان علاقوں میں زرد رُوؤں کو آنے کی اجازت نہیں تھی جہاں مقامی لوگ رہتے تھے ـــ سکائی بستی نے ان لوگوں کو رہنے کو علاقہ تو دے دیا تھا لیکن اپنے درمیان آنے کے لئے اُن پر سخت پابندی لگا رکھی تھی۔

لیکن شکایا میں یہ بات نہیں تھی ـــ یہاں زرد رُوؤں کو اتنی اجازت تھی کہ وہ ہر جگہ آجا سکتے تھے اور مقامی لوگوں کے معاملات میں مداخلت کر سکتے تھے ـــ میں نے جزیرے پر کوئی ہنگامہ نہیں دیکھا تھا۔ اس بارے میں بھی میں نے لبشک سے معلومات حاصل کیں ـــ گھوڑے پر آہستہ روی سے چلتے ہوئے میں نے لبشک سے پوچھا۔ "کیا یہاں مقامی باشندوں اور زرد رُوؤں کے درمیان سڑکوں پر تصادم نہیں ہوتا؟"

"اب نہیں ہوتا سبوتا ـــ پہلے ہوتا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"شبالہ نے سفاکی کے وہ مظاہرے کئے ہیں کہ مقامی لوگ خوفزدہ ہو گئے ہیں۔"

"اوہو، کیا زرد رُوؤں کی حمایت میں؟"

"ہاں ـــ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر زرد رُو کسی مقامی باشندے کے کام میں مداخلت کرتے تھے تو مقامی لوگ انہیں قتل کر دیتے تھے۔ ایسے چند واقعات ہوئے لیکن شبالا نے سختی سے ان کا محاسبہ کیا۔ جن لوگوں نے زرد رُوؤں کو قتل کیا تھا۔ انہیں گرفتار کر کے اسی جگہ ان کی گردنیں اُڑا دی جاتیں، ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے جاتے ـــ اور پھر شبالا نے اعلان کر دیا کہ زرد رُو اس کے چہیتے ہیں اور اس کی اجازت سے اس بستی میں داخل ہوئے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تو ان کے خاندان کے کسی فرد کو زندہ نہ چھوڑا جائے گا جو کسی زرد رُو سے بدسلوکی کرے گا۔ البتہ اس نے یہ بھی کہا کہ خود زرد رُو ان کے معاملات میں خاص طور سے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ ہاں، اگر کوئی زرد رُو کسی مقامی شخص کے ساتھ زیادتی کرے تو اس کا فیصلہ اسی جگہ نہ کیا جائے بلکہ اسے شبالا کے سامنے پیش کیا جائے۔ شبالا خود اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔ ابتدا میں تو مقامی لوگوں نے شبالا کے ان احکامات کی نفی کی لیکن مخالفت کرنے والوں کے ساتھ انتہائی سخت سلوک کیا گیا، یوں مقامی لوگ مجبور ہو گئے کہ شبالا کے احکامات کی پابندی کریں۔ لیکن نفرت کرنے والوں کے دلوں میں آج بھی زرد رُوؤں کے خلاف نفرت ہے۔ ہاں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جو شبالا کے ہمنوا ہیں اور اس کی مانند زرد رُوؤں کو پسند کرتے ہیں۔"

ہم لوگ بستی کا طویل سفر کر چکے تھے اور اس دوران میں نے بہت سی اہم باتیں ذہن نشین کر لی تھیں اور پھر جب سُورج چھُپ گیا تو ہم سب واپس اپنی آرام گاہ کی جانب چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں پہنچ گئے۔ لبشک اور اس کی عورت ہمارے ساتھ ہی آئے تھے۔ پھر ہم لوگوں نے رات کا کھانا مل کر کھایا اور لبشک دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

آج کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ حسبِ معمول رات کو شمانہ میری آغوش میں تھی، اس کا سنہری بدن میرے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں تھا۔ دولابا نے اسے جس طرح سجایا تھا، میں نے اسے اس کی بھرپور داد دی اور شمانہ سرشار ہو گئی۔

عمر کے اس طویل دور میں پروفیسر! بے شمار عورتیں آئی تھیں اور چلی بھی گئی تھیں۔ لیکن میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں نے ان سب کے تاثرات کو مختلف پایا تھا۔ بعض ایسی بھی تھیں جو اَب بھی میرے ذہن میں زندہ ہیں۔ ان کی یاد اکثر ان کی خصوصیات کے ساتھ میرے ذہن کے گوشوں میں کلبلاتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ یاد مجھے بے چینیاں دیتی ہے۔ البتہ میں آرزو کرتا ہوں کہ ان کی مانند کوئی ساتھی پھر سے میری زندگی میں آئے۔

لیپاس اور دوسری بہت سی لڑکیاں ایسی ہی خصوصیات کی حامل تھیں اور اب شمانہ ـــ یہ لڑکی بھی اپنی خصوصیات کی بنا پر میری زندگی میں ایک یادگار دَور چھوڑ رہی تھی ـــ بہرحال دوسرے دن میں نے ملازموں سے پوچھا کہ لبشک کس وقت آئے گا؟

مجھے جواب دیا گیا کہ اگر میری ہدایت ہو تو اُسے فوراً بُلا لیا جائے۔ کیونکہ لبشک نے انہیں یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ کس وقت آئے گا۔

"کیا وہ گھوڑے چھوڑ گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ دو گھوڑے باہر بندھے ہوئے ہیں۔" خادموں نے جواب دیا۔

"بس تو ٹھیک ہے۔ گھوڑوں کو ہمارے لئے تیار کر دو۔" میں نے ملازموں سے کہا اور ملازم تعمیلِ حکم کے لئے چلے گئے۔

ناشتے کے بعد میں شمانہ کے ساتھ باہر نکل آیا اور ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ شمانہ بھی دلچسپی سے شکایا کے مختلف حصّے دیکھ رہی تھی۔ اس نے راستے میں مجھ سے کہا۔ "سبوتا! شکایا فوما کی بستی ہے۔ فوما نے یہاں جنم لیا، یہیں پرورش پائی، اسے ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ خود شکایا کے باشندوں کو یہ بات معلوم نہیں ہو گی کہ ان کا فوما زندہ ہے۔ آہ! ہم کتنا گہرا راز اپنے سینے میں چھپائے پھر رہے ہیں، سبوتا! کیا ہم ان لوگوں سے مختلف نہیں ہیں؟"

"اس انداز میں تو ہیں شمانہ!" میں نے جواب دیا۔

"نجانے فوما اپنی بستیوں پر کب حکمران ہو گا۔ ان زرد رُو لوگوں کو تو دیکھو، کس طرح پھیلے ہوئے ہیں اور مانگا پر تو ان کا کافی اثر معلوم ہوتا ہے یوں لگتا ہے جیسے مانگا بستی میں یہ لوگ مکمل طور پر قابض ہوں۔"

"ہاں شمانہ! دوسری بستیوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے۔"

"معلوم ہو بھی جائے تو کیا کر سکتے ہیں یہ لوگ۔ شبالا ان کا پیروکار ہے، کاش میں شبالا کو اپنے دانتوں سے چبا سکوں۔" شمانہ کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

وحشی ہرنی آج بھی اتنی ہی وحشی تھی، صرف میرے لئے وہ موم ہو گئی تھی ـــ ورنہ مجھے تارس کا حشر یاد تھا اور وہ منظر بھی جب وہ تارس کے آدھے بدن پر سر رکھے آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔

ہم شکایا کی گلیوں اور بازاروں کی سیر کرتے رہے۔ راستے میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لئے تھے۔ شہر کے علاقے میں نے اچھی طرح دیکھے اور پھر شبالا کے محل کی جانب نکل گیا ـــ میں نے کسی سے اس کا راستہ نہیں پوچھا تھا۔ بس ایک طرف کچھ مخصوص نشانیاں نظر آئیں اور میں نے اس طرف گھوڑے ڈال دیئے تھے۔

شبالا کا محل بیحد حسین تھا اور ظاہر ہے وہ فوما کا محل تھا۔ فوما، جو اس علاقے کا شہنشاہ ہوتا ہے۔ شکایا کو دوسری بستیوں پر یہ فوقیت حاصل تھی۔

دوپہر ہو گئی۔ ہم نے ابھی واپسی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ تب ایک موڑ پر اچانک میں نے لبشک کو دیکھا۔ وہ ایک گھوڑے پر حیران و پریشان چلا آ رہا تھا۔ شاید اس کی نگاہ بھی ہم دونوں پر پڑ گئی تھی۔ چنانچہ اس نے گھوڑا سرپٹ ہماری جانب دوڑا دیا اور ہمارے قریب پہنچ گیا۔

"آہ سبوتا! میں کافی دیر سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔"

"خیریت تو ہے لبشک؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، بالکل خیریت ہے۔ بس میں یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں تم راستہ نہ بھٹک جاؤ۔ شکایا ابھی تمہارے لئے نئی بستی ہے۔" لبشک نے ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ لیکن میں جن راستوں سے گزرا ہوں لبشک! تم یقین کرو میں نہیں بہت اچھی طرح ذہن نشین کر چکا ہوں اس لئے بھٹکنے کی گنجائش نہیں تھی۔"

"تم عظیم صلاحیتوں کے مالک ہو عظیم سبوتا۔ مجھے اس بات کا اچھی طرح اعتراف ہے۔" لبشک نے عقیدت سے جواب دیا۔

"اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے لبشک؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں سبوتا! کوئی خاص بات نہیں ہے، سارے معاملات بالکل درست ہیں اور بدستور ہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں جو قابلِ ذکر ہو سوائے اس کے کہ میری بیوی کو شمانہ بہت پسند آئی ہے اور اس کی خواہش ہے کہ ایک طویل عرصے تک شمانہ کو اپنا مہمان رکھے۔ کیا تم آج میرے غریب خانے پر کھانا کھا سکو گے؟"

"کیوں نہیں لبشک! ہم تو مہمان ہی تمہارے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور لبشک کے چہرے پر مسرت کی سُرخی پھیل گئی۔

"تیری حوصلہ افزائی ہے سبوتا ـــ مجھے یقین تھا کہ تم اس کے لئے انکار نہیں کرو گے۔ چنانچہ آج دولابا یعنی میری عورت شکایا کے خاص کھانے تیرے اور تیری عورت کے لئے تیار کر رہی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ممکن ہو سکا اور تم نے اجازت دے دی تو وہ تیری عورت شمانہ کو اپنے ساتھ رکھے گی۔"

"یقیناً یقیناً۔" میں نے کہا۔ "لیکن میرے دوست دن کی روشنی ان دونوں کی محبت کے لئے کافی ہے۔ اور اگر ان کی محبت راتوں کو بھی جاری رہی تو کیا ہم دونوں کو پریشانی نہ ہو گی۔" میں نے کہا ـــ اور لبشک بے اختیار ہنس پڑا۔ شمانہ مسکرا کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

تو پھر رات کو ہم لبشک کے ہاں مدعو تھے اور درحقیقت اس کی بیوی نے عجیب و غریب کھانے پکائے تھے۔

میری کیفیت سے تم اچھی طرح واقف ہو پروفیسر! یعنی خوراک میرے بدن کی وہ ضرورت نہیں جو تم لوگوں کے لئے ہے۔ تاہم دنیا کی لذتوں سے میں بھی اسی طرح آشنا ہوں جس طرح تم سب ـــ تو بعض کھانے مجھے بیحد پسند آئے اور میں نے ان کی تعریف بھی کی۔

دولابا بیحد خوش ہوئی تھی۔ تب دورانِ گفتگو میں نے لبشک سے پوچھا "لبشک! کیا تم فوما کی محبوبہ نعامہ کے بارے میں جانتے ہو؟"

"نعامہ ـــ زیادہ نہیں البتہ میں نے اس کا نام ضرور سُنا تھا۔" لبشک نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتی ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔" لبشک نے جواب دیا۔

"تو کیا تم اس جگہ کے بارے میں جانتے ہو جہاں وہ رہتی ہے؟"

"ہاں سبوتا! شکایا کے لوگ عموماً ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ فوما کی محبوبہ بستارا کی بیٹی ہے اور بستارا ایک شاہی عہدیدار ہے ـــ لیکن معتوب ہے۔ کیونکہ اس کا شمار فوما کے وفاداروں میں ہوتا تھا۔ تاہم شبالا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ وہ آج بھی اپنی جگہ محفوظ ہے۔" لبشک نے

مجھے تمام تفصیلات بتائیں۔

"بستارا" میں نے زیرِ لب دُہرایا۔ "یہ شخص کہاں رہتا ہے؟"

"شہر کے مشرق میں عبادت گاہ کے بائیں جانب' وہاں' جہاں پہاڑیوں کا سیاہ مینار ہے اسی جگہ فوما کی محبوبہ کے باپ کا مکان ہے۔ لیکن کیوں ۔۔۔ تم اس کے بارے میں معلومات کیوں حاصل کر رہے ہو سبوتا!" بشنک نے حیرانی سے پوچھا۔

"بس' زیوراس کو اس سے بھی کام تھا" میں نے کسی حد تک لاپرواہی کا انداز اختیار کیا تاکہ بشنک کو تجسس نہ ہو۔

"اوہ ۔۔۔ تو تم اس سے ملنا چاہتے ہو؟"

"ہاں بشنک! ہم اس سے ملاقات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ کل ہم اس سے ملاقات کر لیں گے۔ اگر تم پسند کرو تو مجھے ساتھ لے جانا اور اگر زیوراس نے کوئی ایسا ہی کام تیرے سپُرد کیا ہے جس میں میری موجودگی غیر مناسب ہو تو یقیناً میں اس کے لئے کوئی اصرار نہ کروں گا۔"

"تم واقعی ایک اچھے دوست ہو بشنک! میں تمہارے اندر بے شمار اچھائیاں پاچکا ہوں۔" میں نے بشنک کی اچھائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس جواب میں' میں نے یہ اقرار بھی کیا تھا کہ بشنک کی وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس حد تک کہا کہ وہ مجھے فوما کی محبوبہ کے باپ کے مکان تک پہنچا دے۔ سو بات ختم ہو گئی اور یہ تو طے پایا ہی تھا کہ رات کی تنہائیاں اپنے لئے مخصوص ہوں گی ۔۔۔ ہاں اس میں مجھے اعتراض نہ ہوا ۔۔۔ سو یہ رات میں نے بشنک کے مکان ہی میں گزاری۔ یہ ٹھیک تھا یعنی ایسا تو نہیں تھا جس میں ہم قیام پذیر تھے لیکن ایسا ضرور تھا جہاں قیام کیا جا سکے اور ذہن میں کوئی تردد نہ ہو۔

راتوں کا ذکر یکسانیت رکھتا ہے پروفیسر! اور بات صرف ابتدا کی ہوتی ہے' اس کے بعد کے معمولات یکساں ہوتے ہیں اور معمولات میں جب تک دوسرے کی طلب بھرپور رہے' دوسرے کا تعاون حاصل رہے اس وقت تک ان میں دلکشی ہوتی ہے ۔۔۔ اور ہم دونوں تو بہرحال ایک دوسرے کو چاہتے تھے ۔۔۔ ہاں پروفیسر! شمانہ اور میں ایک دوسرے کی طلب تو تھے۔

سو' ان راتوں کا کیا کہنا۔ حسبِ معمول شمانہ کی آنکھوں کے سُرخ ڈورے اور اس کی گرم جوشی یکساں تھی' اس کی طلب میں کوئی کمی نہ تھی۔ رات کی رفتار حسبِ معمول رہی اور صبح کی آمد بھی ۔۔۔ حسبِ معمول شمانہ دیر تک سوتی رہی۔ البتہ میں جاگ گیا تھا اور اپنی آرام گاہ سے باہر بشنک اور اس کی بیوی کی مصروفیات کی آوازیں سُن رہا تھا۔

پھر جب شمانہ جاگی تو ہم نے دروازہ کھول دیا اور بشنک کے پاس پہنچ گئے۔ ناشتے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ناشتے کے بعد میں نے بشنک سے کہا کہ میں شکایا کے دوسرے حصّے دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔ دولابا نے اجازت مانگی کہ وہ شمانہ کو دن بھر اپنے ساتھ رکھے گی۔ شمانہ' جو اب پہلے سے مختلف ہو گئی تھی اور اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ عورت ہے' کسی عورت کی معیت کو بُرا نہ سمجھتی تھی۔ میں نے اجازت دی تو وہ بھی تیار ہو گئی۔

شمانہ کو بشنک کی عورت کے پاس چھوڑ کر میں باہر نکل آیا اور ہم دونوں گھوڑوں پر بیٹھ کر چل پڑے۔ بشنک میرے ساتھ خاموشی سے چل رہا تھا کافی دیر تک ہم دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی اور صرف گلیوں اور بازاروں کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر اس طویل خاموشی سے اُکتا کر میں نے بشنک کو مخاطب کیا۔

"ایک بات بتاؤ بشنک!" اور بشنک سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "مقامی لوگوں کے ساتھ شبالا کا کیا سلوک ہے؟ میرا مطلب اُن پابندیوں کے علاوہ جو اس نے لگائی ہیں؟"

"بُرا نہیں ہے' میرا مطلب ہے کھُلم کھُلا بُرا نہیں ہے۔ ہاں' وہ بس اپنے خلاف بغاوت نہیں چاہتا۔ یوں بھی سبوتا ۔۔۔ شبالا بذاتِ خود کچھ نہیں ہے وہ تو کٹھ پتلی ہے۔ ممکن ہے اسے یہ بھی معلوم ہو کہ کسی مناسب وقت زردرُو لوگ اسے معزول کر کے اپنے آدمی کو اس کی جگہ تخت نشین کر دیں۔"

"اوہ' تو اس کی اپنی کوئی آواز نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں" بشنک نے جواب دیا۔

"زیوراس وغیرہ کے بارے میں مقامی لوگوں کی کیا رائے ہے؟"

"وہ ایک سردار کی حیثیت سے اسے چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے' زردرُو' زیوراس جیسے لوگوں پر گہری نگاہ رکھتے ہیں کیونکہ زیوراس کا شمار اُن خطرناک لوگوں میں ہوتا ہے جو اگر کسی کے دشمن بن جائیں تو اسے جینا مشکل ہوتا ہے۔"

"اچھا' کیا یہاں کے لوگ فوما کو کھُلم کھُلا یاد کر سکتے ہیں؟"

"ہاں۔ ابھی ان لوگوں کی حیثیت اتنی نہیں بڑھی کہ وہ فوما کے بارے میں کسی پر کوئی پابندی لگا سکیں۔ فوما کی یادگاریں جگہ جگہ تعمیر ہیں۔" بشنک نے جواب دیا اور میں ایکدم سنبھل گیا۔ ظاہر ہے بشنک کو ایک خاص حد تک ہی رازدار بنایا جا سکتا تھا اور میرے سوالات میں خاصی بے تکلفی تھی۔

"گویا یہاں کے لوگ فوما سے بہت محبت کرتے تھے؟"

"پُوجتے تھے اُسے۔ آج بھی اگر فوما کے خلاف کوئی بات کہہ دی جائے تو وہ لوگ جانیں دے دیں گے۔ گو فوما مرحوم ہمارے درمیان نہیں ہے لیکن اس کے پجاری صرف اس کے تصوّر کو پُوجتے ہیں۔"

"ہوں" میں نے گہری سانس لی۔ "بہرحال مانگا جزیرے میں زردرُو لوگوں کی حیثیت بہت بڑھ گئی ہے' یہ بات تشویشناک ہے۔"

"بے حد۔ گویا وہ کام شروع ہو گیا ہے جس کی توقع کی جاتی تھی۔"

"بشنک! تم نے کہا کہ شبالا زردرُو لوگوں کا پٹھو ہے۔ کیا اس بات سے تمام مقامی لوگ واقف ہیں؟"

"کوئی بھی احمق نہیں ہے' سب سمجھتے ہیں" بشنک نے جواب دیا۔

"لیکن زردرُوؤں کی قوت بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر مضبوط ہو کر وہ مقامی لوگوں کے سامنے آ جائیں تو پھر مقامی لوگ ان کے خلاف کیا کر سکیں گے؟"

میرے اس سوال پر بشنک خاموش رہا' دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"افسوس ان لوگوں کے مقابلے میں ہمارے پاس کوئی اچھی قیادت نہیں ہے۔ ہم انفرادی طور پر تو اس خطرے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اجتماعی طور پر کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتے ۔۔۔ بس یہی کمی ہے۔"

"کبھی ان کے خلاف کوئی محاذ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی؟"

"کچھ ہوا ہے۔ ایک گروہ تشکیل دیا گیا ہے اور یہ گروہ بڑے سرداروں کا ہے جن میں زیوراس بھی شامل ہے۔ یہ گروہ سفید اور زردرُو لوگوں کی کارروائیوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ اگر کہیں کوئی ایسی کارروائی ہوتی ہے جسے مقامی لوگوں کے خلاف سمجھا جائے تو شبالا کو اطلاع دی جاتی ہے اور شبالا ان کے خلاف کارروائی کرتا ہے۔"

"اوہ' ایسی کوئی بات ہے؟"

"ہاں" بشنک نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے بشنک سے بستارا کے مکان کے بارے میں پوچھا اور بشنک نے کہا۔

"میں تمہیں دوسری جگہوں کی سیر کراتا ہوا اس طرف لایا ہوں۔ وہ اُس طرف دیکھو ایک سیاہ مینار نظر آ رہا ہے۔ اس کے نزدیک ہی بستارا کا مکان ہے۔ قُرب و جوار میں کوئی نظر آئے تو اس سے پوچھ لینا۔"

"ٹھیک ہے بشنک! اب تم واپس جاؤ۔"

"واپس جاؤں؟" بشنک بولا۔

"ہاں کیوں؟ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن تم واپسی میں راستہ تو نہ بھٹک جاؤ گے سبوتا! کیا تم میرا مکان تلاش کر لو گے؟ بہتر یہ ہے کہ میں کسی مناسب جگہ رُک کر تمہارا انتظار کروں۔"

"یہ مناسب نہیں ہے بشنک! تم واپس جاؤ اور بے فکر ہو جاؤ' مجھے اپنی یادداشت پر مکمل اعتماد ہے' میں بآسانی تمہارے پاس واپس پہنچ جاؤں گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی سبوتا ۔۔۔ تم خواہ کتنی ہی دیر میں آؤ' میں نہایت سکُون سے تمہارا انتظار کر سکتا ہوں۔"

"تمہاری محبت' تمہارا خلوص میرے دل پر نقش ہے بشنک' میرے دوست! لیکن یقین کرو' یہ مناسب نہیں ہو گا۔ میں نہیں کہہ سکتا یہاں میں کتنا وقت صرف کروں گا۔ چنانچہ ......"

"ٹھیک ہے سبوتا! میں واپس جا رہا ہوں" بشنک نے کہا اور پھر اس نے گھوڑا موڑ لیا۔ میں اُسے دُور تک جاتے دیکھتا رہا تھا۔ وہ محبت کرنے والا جذباتی انسان تھا اور مجھے پسند تھا۔ نہ صرف وہ بلکہ اس کی بیوی بھی اُسی کی مانند بااخلاق تھی۔ پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو میں آگے بڑھ گیا۔ اور اب میرا رُخ اس سیاہ قدرتی مینار کی جانب تھا۔

ہوا کی کاٹ نے پہاڑ کی اس تنہا چٹان کو مینار کی شکل دے دی تھی۔ کسی وقت میں یہ ایک ٹیلے کی شکل کی ہو گی۔ اگر صرف چٹان ہوتی تو اتنی بلند نہ ہوتی۔ لیکن اس انداز میں وہ عجیب لگتی تھی ۔۔۔ سیاہ مینار کے قریب زیادہ آبادی نہیں تھی۔ صرف چند مکانات بنے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے درمیان سبزہ زار چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے' پھلوں کے درخت لہلہا رہے تھے' سبزیوں کی کیاریاں دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس سبزہ زار میں یہ مکان کافی حسین لگ رہے تھے۔ میں نے مینار کے سب سے قریبی مکان کے بارے میں اندازہ لگایا۔

یہ ایک خوشنما مکان تھا اور شاید پھلوں کے سب سے زیادہ درخت اسی مکان کے بائیں سمت تھے۔ یوں لگتا تھا' جیسے پورا باغ ہو اور شاید اس مکان کے مکینوں کی ملکیت ۔۔۔ بہرحال میں اسی مکان کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ بستارا کا مکان نہ بھی ہوا تو کم از کم وہاں سے اس کے مکان کی نشان دہی ہو سکے گی۔ چنانچہ میں مکان کی طرف بڑھ گیا۔

اور مکان کے قریب پہنچنے سے قبل' ایک درخت کے نیچے میں نے ایک مقامی لڑکی کو دیکھا جو بے حد حسین اور معصُوم تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک خشک ٹہنی تھی جس سے وہ زمین کُرید رہی تھی۔ لڑکی اتنی جاذبِ نگاہ تھی کہ میں کئی ساعت اُسے دیکھتا رہا۔ پھر میں اُس کی طرف بڑھ گیا۔ شاید اس نے میرے قدموں کی چاپ نہیں سُنی تھی کیونکہ وہ نہایت انہماک سے زمین کُریدتی رہی تھی۔ میں اس کے بالکل قریب جا کھڑا ہوا۔ اور پھر جب وہ میری آمد سے باخبر ہی نہ ہوئی تو میں نے زور سے زمین پر پاؤں مارا اور اس وقت میں شدید حیران ہو گیا جب اس کے باوجود لڑکی میری جانب متوجہ نہ ہوئی۔

'اوہ' کہیں وہ بہری تو نہیں ہے'۔ میں نے سوچا اور اس بار میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا ۔۔۔ عجیب لڑکی تھی۔ یہ انہماک تو نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے پاؤں اس کے سامنے تھے' عاجز آ کر میں نے کہا۔

"شکایا کی حسینہ! کیا تو میری طرف متوجہ نہ ہو گی؟" میری آواز سُن کر اس نے گردن اُٹھائی اور سُونی سُونی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ کیسا انوکھا انداز تھا۔ اس کی خوبصورت آنکھوں کی یہ کیفیت میری سمجھ میں نہ آئی۔

"میں تجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کسی قدر جھلاّئی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں بھی تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ اور میں نے پریشانی سے گردن ہلائی۔ عجیب انداز تھا۔ کیا وہ پاگل ہے ۔۔۔ میں نے سوچا۔

"چلو پھر تم ہی پوچھ لو۔" میں نے کسی قدر مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

"بتاؤ گے؟" اس نے بدستور اسی انداز میں پوچھا۔

"ضرور بتاؤں گا۔"

"چاند کیوں نکلتا ہے؟" اس نے کہا۔

"چاندنی پھیلانے کے لئے۔ زمین منور کرنے کے لئے۔" میں نے جواب دیا۔

"چھُپ کیوں جاتا ہے؟" وہ بولی۔

"بس یہ ایک عمل ہے' اس کے بعد سُورج نکل آتا ہے۔"

"سُورج نکل آتا ہے لیکن روشنی کیوں نہیں ہوتی؟"

"سُورج اپنی روشنی پھیلاتا ہے۔" میں نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔ لڑکی کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ نجانے وہ کیا بکواس کر رہی تھی۔

"لیکن سُورج کی روشنی جُھلسا دیتی ہے' پھر ایسا سُورج کیوں نکلتا ہے۔ چاند قائم کیوں نہیں رہتا۔ جواب دو یہی میرا سوال ہے۔۔۔ سُورج کی روشنی آگ برساتی ہے اور آگ سب کچھ جلا دیتی ہے' سب کچھ۔ میں زمین میں چاند تلاش کر رہی ہوں' مل جائے گا تو آدھا تمہیں دے دوں گی' بس اب جاؤ' شاباش!" اُس نے مجھے چمکارتے ہوئے کہا اور میں سر کھجانے لگا۔ لڑکی کے بارے میں میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔

"مجھے چاند نہیں چاہیئے محترمہ۔۔۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھ سے کچھ نہ پوچھو' چاند کے سوا میں کچھ نہیں جانتی۔ جاؤ' مجھے میرا چاند تلاش کرنے دو۔" لڑکی نے کہا اور پھر اسی انہماک سے چاند تلاش کرنے لگی۔ یہاں کھڑے رہنا مجھے حماقت ہی محسوس ہوئی۔ یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی کہ لڑکی ذہنی طور پر درُست نہیں ہے۔ اتنی خوبصورت لڑکی اور پاگل۔۔۔ افسوس کی بات ہے۔ اب میں نے بہتر یہی سمجھا کہ کہیں رُکے بغیر سیدھا مکان پر جاؤں اور دستک دے کر باہر نکلنے والے سے لبستارا کے مکان کے بارے میں معلوم کروں۔

چنانچہ میں آگے بڑھ گیا اور پھر میں مکان کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ کسی نے دروازہ کھول دیا۔ درمیانی عمر کا ایک توانا اور باوقار سا آدمی تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔ اس نے میرا جائزہ لیا اور پھر اس کے چہرے پر کسی قدر تحیّر کے نقوش پھیل گئے۔ وہ خاموش کھڑا رہ گیا۔

"مجھے لبستارا کی رہائش گاہ کی تلاش ہے۔" میں نے کہا۔

"یہی ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"تب براہِ کرم لبستارا سے کہو' میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔

"اندر آجاؤ۔" وہ پیچھے ہٹ کر بولا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ بہرحال اس حد تک کامیابی تو نصیب ہو گئی تھی۔ میں نے پلٹ کر گھوڑے کو دیکھا۔

"اُسے رہنے دو' سنبھال لیا جائے گا۔" وہ میرا مقصد سمجھ کر بولا اور میں نے گردن ہلا دی۔ وہ مجھے ساتھ لے کر ایک نشستگاہ میں پہنچ گیا۔

"بیٹھو۔۔۔ میرا نام لبستارا ہے۔" اس نے کہا اور میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ٹھنڈا اور جہاندیدہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"خوب۔۔۔ تو تم لبستارا ہو؟"

"ہاں۔ لیکن تم کون ہو۔ کیا تمہارا تعلق شکایا ہی سے ہے یا کہیں باہر سے آئے ہو۔۔۔ یا پھر تم شبالا کے پیشروؤں میں سے' میرا مطلب ہے ان میں سے جو کہیں اور سے آئے ہیں؟" اس کے لہجے میں تلخی عود کر آئی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بھی زرد رُوؤں کے مخالفوں میں سے ہے۔

"تمہارا ایک خیال درست ہے اور دوسرا غلط۔ یعنی میرا تعلق شکایا سے نہیں ہے بلکہ میں کہیں اور سے آیا ہوں۔ لیکن میرا تعلق زرد چہرے والوں سے نہیں ہے۔"

"پھر تم کون ہو؟" لبستارا کے انداز میں نرمی آگئی۔

"ایک سیاح' ایک آوارہ گرد۔۔۔ دنیا دیکھنے کا شائق۔ سینا کہ ایک ملک ہے' یہاں سے اتنا دُور جس کا تم تصور نہیں کر سکتے' وہاں ایک زخمی شخص جس کا نام نماتا تھا' مجھے ملا۔۔۔ اس نے مرتے ہوئے بتایا کہ وہ شکایا کا رہنے والا ہے اور وہاں اس کا ایک عزیز لبستارا رہتا ہے۔ اُس کو میری موت کی اطلاع دینا اگر تمہارا وہاں گزر ہو۔ سو جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ بستی شکایا ہے تو میں نے تمہاری تلاش کی اور تم تک پہنچ گیا۔"

"نماتا؟" لبستارا نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ اُس نے یہی نام بتایا تھا۔"

"اور کہاں ملا تھا وہ؟"

"سینا میں۔"

"افسوس میں نے تو اس زمین کا نام ہی آج سُنا ہے۔" لبستارا نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اور نماتا کا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ نام بھی میرے لئے اجنبی ہے۔"

"تمہارا کوئی ایسا عزیز۔۔۔ جو کہیں دُور دراز نکل گیا ہو؟"

"میرا ایسا کوئی عزیز نہیں ہے۔"

"تمہاری کوئی بیٹی ہے؟"

"ہاں ہے۔"

"اُس کا نام لغامہ تو نہیں ہے؟"

"یہی نام ہے۔" اُس نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت و پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

"گویا میں غلط نہیں پہنچا۔" میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک پہنچے ہو۔ لیکن میں اپنے ایسے کسی عزیز کو کیوں نہیں جانتا۔" اس نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"افسوس اُس نے یہ نہیں بتایا کہ میں اس کا تعارف کس طرح تم سے کراؤں۔ بہرحال میں نے ایک مرتے ہوئے شخص کی خواہش پوری کر دی ہے' اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتا تھا' اب مجھے اجازت دو۔" میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

"نہیں اجنبی بیٹھو۔ تم نے میرے ذہن میں جو اُلجھن پیدا کر دی ہے اسے دُور کرنا تو ضروری ہے۔ اس کے علاوہ تم نے بتایا ہے کہ تم کہیں اور

سے آئے ہو۔ اب میں اتنا بداخلاق تو نہیں ہوں کہ تمہاری تھوڑی سی خاطر مدارات بھی نہ کر سکوں۔"

"نہیں لبستارا۔۔۔ میں کچھ بددل ہو گیا ہوں۔ اگر تم اس سے شناسائی کا اظہار کرتے تو میں تمہارے پاس ضرور رُکتا اور تم سے گفتگو کرتا۔ لیکن ایسی شکل میں یہاں رُکنا بہتر نہیں لگتا۔"

"اوہ' نہیں دوست! میں کہہ چکا ہوں کہ آخر تم میرے گھر آئے ہو' میرے مہمان ہو۔ ٹھہرو' میں تمہارے لئے کچھ بندوبست کرتا ہوں' براہِ کرم بیٹھو۔۔۔" اُس نے عاجزانہ انداز میں کہا اور میں ایک گہری سانس لے کر بیٹھ گیا۔ لبستارا باہر نکل گیا تھا۔ میری کوشش کامیاب رہی تھی۔ بہرحال میں لبستارا تک پہنچنے اور اُس سے شناسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اب تھوڑی سی کوشش سے اس کی توجہ اور حاصل کی جائے اور یہاں آنا جانا شروع کر دیا جائے۔ اس کے بعد لغامہ سے ملاقات زیادہ مشکل نہ ہوگی۔ لبستارا چند ہی منٹ میں واپس آگیا تھا۔ وہ دوبارہ میرے سامنے بیٹھ گیا اور پھر اس نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے دوست؟"

"سبوتا۔"

"اور تمہارا وطن؟"

"کسی آوارہ گرد کا کوئی وطن نہیں ہوتا۔ نجانے کہاں پیدا ہوا تھا اور نجانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"شکایا آئے ہوئے کتنے دن ہوئے؟"

"صرف چند روز۔۔۔ شاید آٹھ سُورج اُبھرے ہیں۔"

"کس طرح آئے؟ کیا تمہارا کوئی جہاز ہے؟" لبستارا نے پوچھا۔

"اوہ' نہیں۔ میرے ساتھ صرف میری عورت ہے اور میں زیوراس کے جہاز میں آیا ہوں۔"

"زیوراس کے جہاز میں؟" وہ چونک پڑا۔

"ہاں۔ تمہیں حیرت کیوں ہوئی؟"

"زیوراس تو کہیں گیا تھا؟"

"ہاں۔ وہ سکائی بستی گیا تھا۔ سکائی کے حکیم ہاکو نے اُسے بلایا تھا۔"

"اوہ' تم اس قدر جانتے ہو۔" وہ تعجب سے بولا۔ "لیکن تم زیوراس کو کیسے جانتے ہو؟"

"نماتا نے اس کا حوالہ بھی دیا تھا اور اپنی ایک نشانی بھی۔ یہ اتفاق ہے کہ زیوراس سے سکائی میں ملاقات ہو گئی۔ اس نے نماتا کی نشانی پہچان کر میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ پھر اُس کا نائب لبشک یہاں آرہا تھا تو اُس نے میری درخواست پر مجھے بھی اس کے ساتھ یہاں بھیج دیا۔"

"حیرت ہے' مجھے شدید حیرت ہے۔ اور اگر زیوراس نے تمہارے اوپر اعتماد کیا ہے تو بلاشبہ تم قابلِ اعتماد انسان ہو گے۔ لیکن نماتا مجھے کیوں نہیں یاد آرہا؟"

"یہ سوال اپنے ذہن سے کرو۔ میں اس کا جواب کس طرح دے سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ بے چارہ لبستارا کافی پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے اس کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ ضروری تھا۔ اس سے شناسائی کے لئے میں اور کیا کر سکتا تھا۔ کوئی اور ترکیب میرے ذہن میں نہیں آئی۔

بھیڑ کے گرم دودھ اور کچھ پھلوں سے میری تواضع کی گئی اور اس دوران لبستارا مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا۔ لیکن ظاہر ہے وہ کیا نتیجہ اخذ کر سکتا تھا' مجبور ہو کر خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "چونکہ تم زیوراس کے معتمد ہو اس لئے تمہارے اوپر اعتماد نہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن یقین کرو میرے دوست! مجھے نماتا یاد نہیں آسکا۔"

"افسوس! لیکن اُس نے تمہاری بیٹی کا بھی تو حوالہ دیا تھا۔ کیا تم اس سے معلوم نہیں کر سکتے۔ مجھے معاف کرنا لبستارا۔۔۔ کوئی ایسا شخص ہے جس سے تم واقف نہ ہو بلکہ تمہاری بیٹی لغامہ اُسے جانتی ہو۔"

"جن معنوں میں تم کہہ رہے ہو' وہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیا تم اس سے پوچھنا پسند نہیں کرو گے؟" میں نے کہا۔

"نہیں۔" اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔ اور میں لبستارا کی صورت دیکھنے لگا۔ لبستارا چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔ "اس لئے کہ لغامہ کے بارے میں' میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اس نے خلوصِ دل سے صرف ایک انسان کو چاہا تھا۔ صرف ایک انسان کو' اس کی حیثیت کو نہ جانتے ہوئے۔۔۔ اور اس نے بھی اس کی چاہت کی پذیرائی کی تھی۔ لیکن تقدیر نے لغامہ کے ساتھ مذاق کیا اور تقدیر کا یہ مذاق پوری قوم کا المیہ بن گیا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا۔

"اس نے پوری زندگی میں صرف فوما کو چاہا تھا۔ فوما سمجھ کر نہیں' ایک عام انسان کی حیثیت سے۔۔۔ لیکن فوما بھی اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور اس نے لغامہ سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ پھر اس نے مجھے پیغام بھجوایا کہ وہ لغامہ کو اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے اور یہ سعادت بھلا عام انسانوں کو کہاں حاصل ہوتی ہے کہ وہ فوما کے خاندان میں شامل ہو جائے۔ میں بھی بہت خوش تھا۔ لیکن زندگی نے فوما سے وفا نہ کی اور وہ مر گیا۔"

"اوہ' ہاں تمہارے فوما کی موت کا مجھے علم ہے۔"

"فوما کی موت اس پوری قوم کی تباہی بن گئی۔"

"ایک بات پوچھوں لبستارا؟"

"ضرور پوچھو۔"

"تمہارے اس پورے علاقے کا سردار فوما کہلاتا ہے نا؟"

"ہاں۔"

"تب پھر فوما سے پہلے اس کے آباؤ اجداد بھی مرے ہوں گے' کیا ان کی موت پر بستیاں اسی قدر ویران ہو جاتی تھیں؟"

"نہیں۔" اس نے اُداسی سے جواب دیا۔ "کیونکہ تم زیوراس سے

تعلق رکھتے ہو اور بہادر زیوراس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ فوما کا پرستار اور آج بھی اس کے نظریات سے وفادار ہے۔ وہ کسی ایسے انسان کو اپنے قریب نہیں دیکھ سکتا جو فوما کا غدار یا اس سے مخالف ہو۔ چنانچہ اس لحاظ سے تم قابلِ اعتماد ہو۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں بھی مقدس فوما کے عقیدتمندوں میں سے ہوں اور اس کی ناوقت موت سے ملول ہوں۔ بلاشبہ فوما بدلتے رہے ہیں لیکن آخری فوما ہر لحاظ سے ایک اچھا انسان تھا۔ اُس نے اس قوم کو بچانے کے لئے زردرُدوں کا اتنا زبردست مقابلہ کیا تھا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ اگر وہ زندہ رہتا تو بہت جلد ان سازشیوں کی جڑیں اُکھاڑ پھینکتا۔ لیکن آج ساری قوم مایوسیوں کا شکار ہے کیونکہ ان کے درمیان فوما نہیں ہے ــــ اور شیالا جیسا نااہل اور غدار انسان ہماری قسمتوں کا مالک ہے۔ زردرُو پھیلتے جارہے ہیں اور ایک دن وہ ہماری بستیوں پر قابض ہو جائیں گے۔ فوما کی زندگی آزادی تھی اور اس کی موت نے غلامی کی زنجیریں ہمارے سروں پر لٹکا دی ہیں ــــ غلامی کون پسند کرتا ہے ؟"

"اوہ' یہ بات ہے "۔ میں نے گردن ہلائی۔

"ہاں میرے دوست ! یہ المیہ پوری قوم کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اب ہماری روایات مٹ جائیں گی "۔

"مجھے افسوس ہے "۔ میں نے کہا۔

"ایک وقت ایسا آئے گا جب ہر ذی رُوح ہمارے اوپر افسوس کرے گا "۔

"بہرحال لبستارا ــــ اب مجھے اجازت دو "۔

"کاش نماتا کا مسئلہ حل ہو سکتا۔ میں ہمیشہ اُلجھن میں رہوں گا "۔

"میں نے ایک تجویز پیش کی تھی لیکن تم نے اسے قابلِ قبول نہیں سمجھا۔ اگر ایک بار تم نغامہ سے یہ بات پوچھ لیتے تو شاید مسئلے کا حل مل جاتا۔"

"میں تمہیں کیسے بتاؤں میرے دوست ! فوما کی موت کے بعد نغامہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔ وہ نیم دیوانی ہو گئی ہے۔ ہر وقت کسی نہ کسی گوشے میں بیٹھی زمین کُریدتی رہتی ہے۔ کہتی ہے چاند تلاش کر رہی ہے؛ نہ جانے چاند کیوں 'ڈوب جاتا ہے"۔ لبستارا نے بتایا اور میں چونک پڑا۔ تو وہ نغامہ تھی' میں اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔ فوما کی موت کے بعد۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ فوما کی قاتل نہیں ہو سکتی' ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔

بہرحال میرا مقصد حل ہو چکا تھا۔ میں نے نغامہ کو پہچان لیا تھا اور اب زیادہ شرافت کی ضرورت نہیں تھی۔ فوما نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ نغامہ کو کسی طرح لے آؤں۔ ابھی اس سلسلے میں کسی سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس لئے دوسرا کوئی طریقہ ہو نہیں سکتا تھا کہ نغامہ کو لے جایا جا سکتا۔ سوائے اس کے کہ خاموشی سے اسے اغوا کر لیا جائے۔ شکایا میں میرا کام پورا ہو چکا تھا حالانکہ یہاں آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے۔ لیکن اس مختصر وقت میں' میں نے اپنا کام پورا کر لیا تھا۔ اور اب میں نے سوچا تھا کہ فوری طور پر لبشک سے کہوں گا کہ وہ واپسی کی تیاریاں کرے۔

لبستارا سے رخصت ہو کر میں واپس چل پڑا۔ لبستارا بڑے اخلاق سے پیش آیا تھا۔ چلتے وقت اس نے کہا تھا کہ میں دوبارہ بھی اس سے ملاقات کروں۔ ممکن ہے کسی طور نماتا کا معمّہ حل ہو جائے۔ میں نے وعدہ کر لیا تھا لیکن نماتا والے معاملے میں' میں اس شخص سے معذرت خواہ تھا کہ میں نے خواہ مخواہ اس کے لئے ایک اُلجھن پیدا کر دی ہے جسے وہ کبھی حل نہ کر سکے گا۔

میں واپس لبشک کے مکان پر پہنچ گیا۔ لبشک بے چارا میری حیثیت سے واقف نہیں تھا۔ اس کا مکان بھولنے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ بہرحال میں وہاں پہنچ گیا اور لبشک نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ شمانہ اور دولایا آپس میں خوب گھل مل گئی تھیں۔ دولایا نے شمانہ کو بھی مکمل عورت بنا دیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ شمانہ کو اس طرح کام کرتے دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ لبشک بے چارہ تو اس کی خصلت سے بھی ناواقف تھا۔

"کیا ہوا سبوتا ــــ کیا لبستارا سے تمہاری ملاقات ہو گئی ؟"

"ہاں "۔ میں نے مختصراً کہا۔

"تم نے کہا تھا کہ زیوراس کے کام سے تم اس سے ملنا چاہتے ہو "۔

"ہاں لبشک ! میں زیوراس کے کام سے ہی یہاں آیا تھا اور اتفاقیہ طور پر یہ کام اتنی جلدی اور آسانی سے ہو گیا ہے کہ میں خود بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ زیوراس کا خیال تھا کہ مجھے اس کام میں وقت لگ جائے گا۔ لیکن اس نے یہ بھی کہا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے میں واپس آنے کی کوشش کروں۔"

"اوہ' ہاں اُس نے مجھ سے بھی یہی کہا تھا کہ سبوتا جب بھی واپسی کے لئے کہے اسے فوراً واپس لایا جائے "۔ لبشک نے جواب دیا۔

"تو یوں سمجھ لو لبشک ــــ میں واپسی کے لئے تیار ہوں "۔

"اوہ' سبوتا ! میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا "۔ لبشک بولا۔

"مجھے اندازہ ہے۔ لیکن جلد از جلد تم یہاں سے کب تک واپسی کے لئے تیار ہو سکتے ہو ؟"

"ہمیں براہِ راست سکائی کے لئے سفر کرنا ہو گا' اس لئے خاصے انتظامات کرنے ہیں۔ ابھی تو صرف جہاز کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چونکہ اس کے بہت سے حصے مرمّت طلب تھے اس لئے میرے ساتھی اُسے درست کر رہے ہیں "۔

"بہرحال ہنگامی بنیادوں پر کام کرو۔ دو دن کا کام آدھے دن میں کرو اور جس قدر جلد تیار ہو سکو' ہو جاؤ "۔

"میں آج ہی سے تیری ہدایات پر عمل کروں گا سبوتا ! اطمینان رکھو۔ میں دن رات جہاز کی روانگی کے انتظامات کراؤں گا "۔ لبشک نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ لبشک اس وقت کے بعد سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس رات کے بعد ہم نے اس سے اجازت مانگی اور واپس زیوراس کے گھر

میں آ گئے جہاں زیادہ آرام تھا۔ دوسری صبح لبشک کی بیوی دولایا آ گئی اور شمانہ اس کی آمد سے خوش ہو گئی۔ مجھے اور لبشک کو آزادی تھی' چنانچہ ہم جہاز کے کاموں کی نگرانی کے لئے چل پڑے۔

جہاز پر برق رفتاری سے کام ہو رہا تھا۔ شاید لبشک نے پوری رات یہاں گزاری تھی۔ بے شمار آدمی جہاز کی مرمّت کر رہے تھے اور ان کے انداز میں بڑی پھُرتی تھی۔ میں نے اس برق رفتاری کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

"اس طرح تو زیادہ وقت نہیں لگے گا لبشک "۔ میں نے کہا۔

"میں نے تہیّہ کر لیا ہے سبوتا کہ جلد سے جلد کام مکمل کرا لوں۔ اور تم دیکھو گے کہ میں کتنی تیزی سے تیاریاں کرتا ہوں "۔ لبشک نے جواب دیا۔ دوپہر تک میں لبشک کے ساتھ وہاں رہا اور پھر ہم دونوں واپس گھر آ گئے۔ شمانہ اور دولایا بہت خوش تھیں۔ کھانا کھایا اور ابھی کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ باہر سے اطلاع ملی کہ کوئی آیا ہے۔

"کون ہو سکتا ہے ؟" لبشک نے تعجب سے پوچھا اور پھر خود باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لبستارا کے ساتھ واپس آیا۔ میں نے لبستارا کا خیر مقدم کیا تھا۔

"لبشک نے بتایا ہے کہ تم زیوراس کے دوست ہو اور اس کے لئے قابلِ احترام۔ لیکن نماتا کا معمّہ اب بھی حل نہیں ہو سکا "۔ لبستارا نے کہا اور اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

"لبستارا ! یہاں تمہاری مصروفیات کیا ہیں ؟"

"شکایا میں ؟"

"ہاں "۔ میں نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص نہیں ہیں سبوتا ــــ بس میری زمینوں پر کاشت ہوتی ہے لیکن اس کی دیکھ بھال میرے کارندے کرتے ہیں۔ میں ان کی نگرانی کرتا ہوں "۔

"تمہارے اہلِ خاندان میں کون کون ہے ؟"

"خاص لوگوں میں کوئی نہیں' سوائے میری بیٹی کے۔ اس کی ماں مر چکی ہے "۔

"اور تم نماتا کے معمّے کے لئے مضطرب ہو۔ کیا تم اسے ہر قیمت پر حل کرنا چاہتے ہو ؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ میرے لئے کافی بڑی اُلجھن بن گیا ہے۔ ایسی اُلجھن کہ میں راتوں کو سو بھی نہیں سکتا۔ آخر وہ کون تھا اور یہ پیغام کیا حقیقت رکھتا ہے ؟" لبستارا نے جواب دیا۔

"اُلجھنوں کے حل کے لئے کچھ قربانیاں دینا ہوتی ہیں لبستارا ! اگر تم مزید اُلجھنوں سے بچنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں میری ہدایات پر عمل کرنا ہو گا "۔

"میں نہیں سمجھا سبوتا "۔ لبستارا اور پریشان ہو گیا تھا۔

"میں لبشک کے ساتھ سکائی واپس جا رہا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ سکائی تک چلنا پسند کرو تو میں تمہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ تمہاری پریشانیوں کا حل مل جائے گا "۔

"سکائی میں اس کا حل موجود ہے ؟" لبستارا نے پوچھا۔

"ہاں حکیم ہا کو اس بارے میں پوری تفصیل جانتا ہے اور مجھے یقین ہے تم مایوس نہ ہو گے "۔

"درحقیقت میں بڑا پریشان ہوں۔ لیکن میرے دوست ! اپنی بیمار بیٹی کا کیا کروں۔ یہاں میری مانند کوئی اس کی نگرانی نہیں کر سکتا۔ اور اسے چھوڑ کر جانا میرے لئے ممکن نہیں ہے "۔

"تو اسے ساتھ لے چلو۔ ممکن ہے سمندر کا طویل سفر اس پر خوشگوار اثر ڈالے "۔

"آہ' اس کا غم مختلف ہے جس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ لیکن تمہاری تجویز قابلِ غور ہے۔ میرا خیال ہے اس طرح میں سفر کر سکوں گا "۔

"ہم بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں گے لبستارا ! اگر تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو تو ہمیں جواب دے دو۔ ظاہر ہے تمہیں کسی سے مشورہ تو کرنا نہ ہو گا۔ بس اپنے کارندوں کو ہدایات دو اور روانگی کے لئے فوری تیاریاں کر لو "۔ میں نے کہا اور لبستارا کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تمہیں یقین ہے کہ حکیم ہا کو میری مشکلات کا حل تلاش کر لے گا ؟"

"میں اس کی ذمّے داری قبول کرتا ہوں "۔

"تب میں تیار ہوں "۔ لبستارا نے جواب دیا اور مجھے دلی خوشی ہوئی۔ اس طرح میرا کام اور آسان ہو گیا تھا ــــ اور اب مجھے وہ کچھ نہ کرنا ہو گا جو بہرحال ناگوار تھا اور اس کے لئے کچھ خصوصی ذمّے داریاں قبول کرنا پڑتیں۔ شمانہ کو بھی مطمئن کرنا ہوتا۔

لبشک اس دوران مکمل طور پر خاموش رہا تھا۔ اس نے میرے معاملات میں مداخلت کرنے کی گستاخی نہیں کی تھی۔ وہ ہر طرح سے تعاون کرنے والا ایک اچھا انسان تھا۔ اس نے لبستارا کی مدارات کی اور پھر لبستارا واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لبشک سے اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا اور لبشک بھی مطمئن ہو گیا تھا۔

لبشک نے درحقیقت دن رات ایک کر دیئے تھے اور آج اسے جہاز پر کام کراتے ہوئے تیسری رات تھی۔ جہاز کی مرمّت مکمل ہو چکی تھی۔ بادبان درست کر دیئے گئے تھے اور خوراک اور پانی وغیرہ کے ذخیرے کئے جا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا لیکن میں لبشک کے ساتھ تھا اور ان کاموں کی نگرانی کر رہا تھا۔

"کل سُورج ڈھلے ہم روانہ ہو جائیں گے سبوتا ! سارے کام مکمل ہو چکے ہیں "۔ لبشک نے کہا۔

"مجھے خوشی ہے لبشک ! بلاشبہ تم ایک اچھے منتظم ہو۔ ایک طویل کام تم نے مختصر وقت میں کیا ہے۔ کل صبح میں لبستارا کو بھی اطلاع [illegible]

تاکہ وہ تیار ہو کر پہنچ جائے۔“

”یقیناً۔“ بشنگ نے جواب دیا۔ اور ہم اس جہاز کی طرف دیکھنے لگے جو اب ساحل کے بالکل قریب پہنچ رہا تھا۔ اس چھوٹے سے جہاز کو شام کو دیکھا گیا تھا اور خیال تھا کہ رات کے کسی حصے میں وہ ساحل تک پہنچ جائے گا۔ اس دوران قرب و جوار کی بستیوں سے کئی جہاز آکر ساحل سے لگے تھے اس لئے جہازوں کی آمد پر کسی کو حیرت نہیں ہوتی تھی۔ ان جہازوں پر بستیوں کے جھنڈے ہوتے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کون سی بستی اور کون سے جزیرے سے آیا ہے۔ جہاز کا جھنڈا نظر نہیں آرہا تھا لیکن اس وقت اس کی نشاندہی کے لئے روشنی کردی گئی تھی کہ یہ اصول تھا۔ بشنگ کی نگاہ اتفاق سے ہی اس طرف اُٹھ گئی تھی۔ وہ کوئی کام کر رہا تھا اچانک اچھل پڑا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جہاز کی طرف دیکھنے لگا۔

میں نے بشنگ کی یہ کیفیت دیکھی لیکن اس سے قبل کہ میں کچھ بولتا، بشنگ ہی بول پڑا۔ ”سبوتا! تم دیکھ رہے ہو۔“ اس کی آواز میں لرزش تھی۔

”کیا بات ہے بشنگ! میرا اندازہ ہے تم اس جہاز کو دیکھ کر پریشان ہوئے ہو؟“

”ہاں سبوتا! یہ مانگا کا جہاز ہے اور اس کا جھنڈا لہرا نہیں رہا بلکہ سرنگوں ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ کسی حادثے کی خبر لایا ہے۔“ بشنگ نے کہا اور اس کے چونکنے کی وجہ میری سمجھ میں آگئی۔

”اور یہ خبر تارس کی موت کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں سبوتا ـــ اور آنے والے زیورا اس کے جہاز کی کہانی سنائیں گے۔ اپنی جانب سے وہ نہ جانے کیا کیا کہیں۔ لیکن صورتحال اچانک خراب ہو جائے گی۔ تم جانتے ہو شبالا ان کا پِٹھو ہے۔“

”ہوں۔“ میں نے گہری سانس لی اور دوسرے لمحے میں نے ساحل پر نگاہ دوڑائی ـــ ساحل پر ہمارے علاوہ بھی بہت سے لوگ تھے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ان میں شبالا کے سپاہی بھی تھے۔ تب میں نے بشنگ سے کہا۔ ”بشنگ! فوراً آٹھ دس لڑاکوں کو تیار کرو اور ایک کشتی اُتروالو ـــ جلدی کرو۔“

بشنگ نے صرف ایک لمحے کے لئے میری صورت دیکھی اور پھر دوسرے لمحے اس نے بھاگ دوڑ شروع کردی۔ میں خود بھی اس بھاگ دوڑ میں عملی طور پر شریک تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑی کشتی آنے والے جہاز کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اس میں موجود لوگوں کو صورتِ حال سمجھا دی گئی تھی۔ میرا کھانڈا میری کمر سے بندھا ہوا تھا اور میں نے اور بشنگ نے سر سے پاؤں تک کمبلوں کا لباس پہن لیا تھا تاکہ ہمیں پہچانا نہ جاسکے۔ اس طرح ہمارے ہتھیار بھی چھُپ گئے تھے۔

تمام لوگ مل کر کشتی چلا رہے تھے اس لئے اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ تیر کی مانند جہاز کی طرف جا رہی تھی اور ہماری کوشش تھی کہ ہم ساحل سے زیادہ سے زیادہ دُور اُسے جالیں۔ چنانچہ ہم اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئے۔ کشتی کو ہم جہاز کے ایک کنارے پر لے آئے اور اس کے ساتھ چلنے لگے۔ جہاز سے ہمیں دیکھ لیا گیا تھا۔ تب کچھ لوگ گفت و شنید کے لئے آگئے۔

”کیا یہ جہاز مانگا جزیرے سے آیا ہے؟“ میری ہدایت پر بشنگ نے گفتگو شروع کردی۔

”ہاں۔ ہم مانگا کے بدنصیب ہیں۔“ جواب ملا۔

”لیکن اس کا جھنڈا کیوں سرنگوں ہے؟“ بشنگ نے پوچھا۔

”تم لوگ کون ہو؟“ جہاز سے پوچھا گیا۔

”شبالا کے وفادار ـــ ساحل کے نگران۔“ بشنگ نے جواب دیا۔

”مانگا پر تباہی ٹوٹ پڑی ہے۔ تارس قتل کردیا گیا ہے اور مجرم شکایا آچکے ہیں۔ ہم شبالا کے پاس فریاد لے کر آئے ہیں۔“ گلوگیر لہجے میں بتایا گیا ـــ بشنگ نے میری طرف دیکھا اور میں نے آہستہ سے اُسے ہدایت دی۔

”بڑی بُری خبر سنائی ہے تم نے ـــ ہم اوپر آسکتے ہیں؟ اس طرح تفصیلی گفتگو ہو سکے گی۔“ بشنگ نے کہا اور اوپر سے رسّی کی سیڑھیاں پھینک دی گئیں جن کے ذریعے ہم لوگ آسانی سے اوپر پہنچ گئے۔ پندرہ سولہ آدمیوں نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ ان میں بھی تھوڑی سی تعداد مقامی لوگوں کی تھی، باقی زرد رُو نظر آرہے تھے۔

”تم لوگ شبالا کے پاس آئے ہو؟“ بشنگ نے پوچھا۔

”ہاں۔“

”تمہارا لیڈر کون ہے؟ ہم اس سے بات کرنا چاہتے ہیں تاکہ شبالا کو اس کے حوالے سے پوری تفصیل بتائی جاسکے۔“ بشنگ نے کہا اور ایک زرد رُو آگے بڑھ آیا۔

”میرا نام گرشا ہے اور میں ان کا سردار ہوں۔ مجھے تنظیم نے بھیجا ہے تاکہ شبالا کو اس صورتِ حال سے آگاہ کرکے قاتلوں کے خلاف کارروائی کی اجازت لے سکوں۔“

”گرشا! تمہارے ساتھ جہاز میں کتنے افراد ہیں؟“

”کل بیس۔ ہم ہنگامی طور پر روانہ ہوئے ہیں تاکہ فساد کرنے والے شکایا کا ساحل نہ چھوڑ دیں۔ کیا زیورا اس کا جہاز ساحل پر موجود ہے؟“ گرشا نے کہا۔

”ہاں، وہ سامنے ہے۔ کیا تم اس کے جہاز کو پہچانتے ہو؟“

”ہاں۔ لیکن رات کی تاریکی میں ہم اسے نہیں دیکھ سکتے۔“

”تو پھر تفصیل بتاؤ۔“ بشنگ نے کہا اور اُس نے ایک جھوٹی کہانی سنائی کہ کس طرح زیورا اس کا جہاز مانگا بستی پہنچا اور تارس نے اسے خوش آمدید کہا۔ تب زیورا اس کے لوگوں نے کہا کہ انہیں ضرورت کی چیزیں مطلوب ہیں، وہ انہیں فراہم کی جائیں۔ لیکن وہ ادائیگی کے لئے تیار نہ تھے۔ ظاہر ہے تارس یہ برتری کیوں تسلیم کرتا۔ اس نے منع کیا تو ان لوگوں نے

ہتھیار نکال کر لوٹ مار شروع کردی۔ بے شمار لوگوں کو قتل کیا اور تارس کو بھی ہلاک کر کے وہاں سے بھاگ آئے۔" لبشک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں بھی مسکرا رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ بڑے بہادر لوگ تھے۔" لبشک نے کہا۔
"کیا مانگا والے اتنے بزدل اور کمزور ہیں کہ ایک جہاز انہیں روند سکتا ہے؟"
"یہ بات نہیں ہے، بس انہوں نے اچانک حملہ کر دیا تھا اور اس سے قبل کہ ہم سنبھلتے، وہ اپنا کام کر کے وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔"
"کیا حملہ بالکل اچانک کیا گیا تھا؟" لبشک نے پھر پوچھا۔
"ہاں۔ ہمیں اُمید بھی نہیں تھی کہ ایسا ہو گا۔"
"اس طرح تو نہیں۔" لبشک نے کہا اور پھر اچانک ہی اپنی تلوار نکال کر گرشا کے پیٹ میں بھونک دی۔ یہ بات دوسروں کے لئے بھی اشارہ تھی۔ چنانچہ سب مصروف ہو گئے۔ تقریباً تمام لوگ ہی ہم سے گفتگو کرنے آ گئے تھے اس لئے مشکل نہیں پیش آئی اور ہم نے کھیت کاٹنے شروع کر دیئے۔

بلاتفریق ایک ایک کو مار ڈالا گیا۔ ان لوگوں میں سے کسی کی زندگی بھی خطرناک ہو سکتی تھی۔ پھر جہاز کے کونے کونے کی تلاشی لی گئی اور چھپے ہوئے لوگوں کو بھی تلاش کر کے قتل کر دیا گیا۔ چند لوگوں نے سمندر میں کودنے کی کوشش کی تھی لیکن لبشک اور اس کے ساتھی ہوشیار تھے۔

یوں ہم نے یہ مہم بھی خاموشی سے سر کر لی۔ مرنے والوں کی آوازیں ساحل تک نہیں پہنچنے دی گئی تھیں۔ اس کے بعد واپسی کا سفر شروع کر دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنے جہاز پر پہنچ گئے۔ لبشک بڑی عقیدت کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بولا۔ "اب تو تیرے لئے میرے پاس عقیدت کے الفاظ بھی نہیں رہ گئے ہیں سبوتا۔۔۔ تُو حالات پر اس طرح قادر ہو جانے والوں میں سے ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

"آئندہ کی سوچو لبشک۔۔۔ اب کیا کرو گے؟"
"سوچنے والا تُو ہے۔ تیرے سامنے کوئی تجویز پیش کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ میں تو صرف احکامات کا غلام رہنا چاہتا ہوں۔"
"تب پھر جو سفر ہمیں کل شروع کرنا ہے اسے آج ہی کیوں نہ شروع کر دیا جائے۔"
"یقیناً کیا جا سکتا ہے سبوتا! جہاز کے تمام کام مکمل ہیں۔ راتوں رات میں اُن لوگوں کو لے آتا ہوں جو ہمارے ساتھ سفر کریں گے اور روشنی سے قبل ہم ساحل چھوڑ دیں گے۔"
"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ میں لبستارا کو لے آتا ہوں۔ سارے کام خاموشی اور احتیاط سے ہونے چاہئیں۔ کیونکہ دن کی روشنی میں جہاز والوں کی شامت کے بارے میں علم ہو جائے گا اور ممکن ہے ہمیں کسی اُلجھن میں گرفتار ہونا پڑے۔"
"بالکل ٹھیک سبوتا! ایک اجازت اور چاہتا ہوں۔" لبشک نے کہا۔

"ہاں ہاں کہو۔"
"اگر تیری اجازت ہو تو میں اپنے ساتھ دولابا کو بھی لے آؤں۔ ممکن ہے یہاں انکشاف ہو جائے۔ ایسی صورت میں وہ دولابا کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور میں بھی سفر میں مطمئن نہ رہ سکوں گا۔"
"ٹھیک ہے لبشک! اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، تم دولابا کو لے آؤ۔" میں نے اجازت دے دی اور پھر ہم دونوں اپنے اپنے مشن پر چل پڑے۔ لبشک نے چند دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ پھر وہ دوسرے راستے پر چل پڑا اور میں نے سیاہ مینار کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

لبستارا سکون کی نیند سو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے جاگا اور مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "سبوتا! تم اس وقت۔۔۔؟"
"ہاں لبستارا۔۔۔ حالات ایسی ہی ہنگامی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ تمہاری بیٹی کہاں ہے؟"
"سو رہی ہے۔" لبستارا نے جواب دیا۔
"فوراً تیاریاں کر لو اور میرے ساتھ چلو۔"
"مم۔۔۔ مگر کہاں؟"
"ہم آج رات ہی ساحل چھوڑ رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور لبستارا پر ایک بار پھر حیرت کا دورہ پڑا۔
"آج ہی رات۔۔۔ مگر کیوں؟"
"تمہیں کوئی اعتراض ہے لبستارا؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں۔ لیکن اس طرح۔ میرا مطلب ہے اچانک۔۔۔" لبستارا نے تعجب سے کہا۔
"براہِ کرم وقت نہ ضائع کرو۔ تھوڑے عرصہ میں وہ ضروری سامان ساتھ لے لو جس کی تمہیں ضرورت ہے اور میرے ساتھ چل پڑو۔"
"لیکن سبوتا۔۔۔ مجھے دوسرے لوگوں کو بھی ہدایات دینا ہیں۔"
"افسوس! پھر وقت نہ رہے گا۔" میرے ذہن میں جھنجھلاہٹ پیدا ہو گئی۔ لبستارا شاید نیند سے جاگا تھا اس لئے یہ احمقانہ گفتگو کر رہا تھا اگر وہ مزید بکواس کرے گا تو نقصان اُٹھائے گا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کی بیٹی نغامہ کی ہے۔ جسے وہ جائے، نہ جائے، میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

لبستارا گہری سوچ میں تھا۔ پھر وہ بولا۔ "چونکہ یہ سب میرے لئے غیر متوقع ہے، اس لئے میں عجیب سی اُلجھن کا شکار ہو گیا ہوں اور سوچ میں ڈوب گیا ہوں کہ کیا کروں؟"
"تمہاری سوچ میرے لئے پریشان کُن ہے لبستارا۔۔۔ میں صرف تمہارا جواب چاہتا ہوں۔ اگر تم چلنا پسند کرو تو چلو، نہ جانا چاہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"
"میں تمہیں اپنی ذہنی کیفیت سے لاعلم نہیں رکھوں گا سبوتا۔۔۔! تمہاری اس طرح اچانک آمد سے میرے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا

ہو گئے ہیں۔ اس لئے میں اس وقت سفر کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ اگر میری مشکل کا حل حکیم ہاکو کے پاس موجود ہے تو میں بہت جلد اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"
"ٹھیک ہے لبستارا۔۔۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔ اگر تم مضطرب ہو تو سکائی لبستی پہنچ جانا۔ لیکن خبردار۔۔۔ اپنی کسی پریشانی کو دوسروں پر آشکارا کر کے تم غداری کے اقدام سے بچنے کی کوشش کرنا۔ تمہیں یہ سب کچھ اپنے سینے میں ہی رکھنا ہو گا۔ میری رائے ہے کہ تم میرے ساتھ چلو۔"
"نہیں سبوتا۔۔۔ میں پھر آؤں گا۔"
"تمہاری مرضی۔" میں نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر لبستارا کی گردن پکڑ لی۔ لبستارا اُچھل پڑا۔۔۔ لیکن میں کیا کرتا، اس نے خود ہی اپنی شامت کو آواز دی تھی۔ اُس نے خوف زدہ نگاہوں سے میری شکل دیکھی اور پھر خود کو بچانے کی جدوجہد کرنے لگا۔ لیکن بیچارا کیا کر سکتا تھا۔

میں نے اس کی گردن پر ہلکی سی گرفت ڈال کر اسے بے ہوش کر دیا۔ اور پھر اُسے بازوؤں پر اُٹھائے اندر چلا گیا۔ اندر آ کر میں نے اسے احتیاط سے ایک جگہ لٹا دیا اور پھر سنسان عمارت میں نغامہ کو تلاش کرنے لگا۔ لبستارا کی بیٹی ایک کمرے میں نظر آ گئی۔ معصوم لڑکی معصومیت کی نیند سو رہی تھی۔ میں اسے چونکہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا اس لئے کوئی دقت نہ ہوئی۔ تب میں نے بے چاری نغامہ کو بھی اسی انداز میں بے ہوش کیا۔ نازک اور ستم رسیدہ لڑکی خاموشی سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں نے اسے پھول کی مانند اٹھایا اور وہاں سے چل دیا۔

لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا میں ایک بار پھر ساحل پر پہنچ گیا اور پھر ایک کشتی مجھے جہاز پر لے گئی۔ جہاز پر آخری کام بڑی تیزی سے ہو رہا تھا۔ بادبان چڑھائے جا رہے تھے اور کھولے جانے کے لئے بالکل تیار تھے۔ میں نے نغامہ کو ایک خاص کمرے میں پہنچا دیا اور ہدایت کر دی کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ پھر میں دوبارہ پلٹ پڑا۔ شمانہ، دولابا اور لبشک مجھے راستے ہی میں مل گئے تھے۔ وہ جہاز کی جانب آ رہے تھے۔ شمانہ میرے پاس پہنچ گئی۔

"کوئی خاص بات ہو گئی سبوتا؟" شمانہ نے پوچھا۔
"بہت اہم نہیں ہے شمانہ۔۔۔ لبشک نے بتایا ہو گا کہ ہم نے اچانک روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"
"ہاں۔ اس نے بتایا ہے۔ لیکن۔۔۔۔۔"
"تفصیل میں جہاز پر چل کر بتا دوں گا۔"
"اوہ، اس کا مطلب ہے کہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔"
"ہاں کسی حد تک۔۔۔" میں نے کہا اور شمانہ خاموش ہو گئی۔ پھر ہم جہاز پر پہنچ گئے۔ لبشک کے آدمی اس کی ہدایت کے مطابق جہاز پر پہنچ رہے تھے۔ اور پھر ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں جس کی اطلاع لبشک نے مجھے دی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"لیکن لبستارا مجھے نظر نہیں آیا؟"
"ہاں۔ وہ اچانک احتیاط کا شکار ہو گیا۔"
"میں نہیں سمجھا؟" لبشک تعجب سے بولا۔
"اسے اس بات پر حیرت تھی کہ ہم نے اچانک روانگی کا فیصلہ کیوں کر لیا۔ چنانچہ اُس نے طے کیا کہ وہ تمانا کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اپنے ذرائع سے حکیم ہاکو کے پاس پہنچ جائے گا۔"
"اوہ، پھر۔۔۔؟"
"دراصل مجھے اُس کی نہیں، اس کی بیٹی نغامہ کی ضرورت تھی۔"
"اوہ۔" لبشک پھر حیران رہ گیا تھا۔
"بس میں نے لبستارا کو بے ہوش کر دیا اور نغامہ کو اُٹھا لایا۔"
"اُٹھا لائے؟ کہاں ہے وہ؟" لبشک نے پوچھا۔
"جہاز کے ایک حصے میں آرام کر رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ لبشک بے چارے کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی، اس لئے اُس نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور پھر وہ جہاز کا آخری معائنہ کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے بادبان کھول دیئے جانے کا حکم دے دیا۔۔۔ اور جہاز نے ساحل چھوڑ دیا۔ بادبانوں کے رُخ کھُلے سمندر کی جانب تھے لیکن جہاز کی رفتار میں تیزی پیدا کرنے کے لئے جہاز کے ملاح چپو چلا رہے تھے۔ اور جہاز کی رفتار خاصی تیز تھی۔ خود لبشک اس کی نگرانی کر رہا تھا اور ابھی ہم دوسری باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ شمانہ بھی میرے ساتھ کھڑی تھی اور ہم ساحل کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ کہیں ساحل پر ہمارے چلے جانے کی اطلاع تو نہیں ہو گئی یا اس کا کوئی ردِعمل تو نہیں تھا۔ وہ جہاز بھی ایک طرف کھڑا نظر آ رہا تھا جس پر اب کوئی انسان زندہ نہ تھا۔

ہم برق رفتاری سے سفر کرتے ہوئے کھُلے سمندر میں کافی دُور نکل آئے۔ کنارہ اب دُور ہو گیا تھا اور بہت مختصر وقت میں ایک طویل سفر طے کر لیا گیا تھا۔ جب لبشک کو اطمینان ہو گیا کہ اب ساحل پر ہمارے فرار کی یا ہماری کوششوں کی اطلاع ہو بھی گئی تو کم سے کم وہاں سے چلنے والے جہاز کو اتنا وقت ضرور لگے گا کہ کم از کم ہم کافی دُور نکل جائیں گے۔

جس وقت یہ اطمینان ہو گیا تو لبشک گہری سانس لیکر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اس وقت میرے نزدیک ہی کھڑا ہوا تھا۔
"ہم شکایا چھوڑ چکے ہیں سبوتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے مطمئن لہجے میں کہا۔
"ہاں۔۔۔ اور کامیابی کے ساتھ۔"
"میرا خیال ہے بظاہر اب کوئی اُلجھن نہیں ہے۔"
"یقیناً لبشک! ایسا ہی ہے۔"
"چنانچہ سبوتا! ہم اپنی آرام گاہوں کا تعین کر لیں، اس رات کو ہم

تیز رفتاری سے زیادہ سے زیادہ دُور نکل جانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" لبشک نے کہا اور میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے سبوتا! ہم پہلے ہی کی مانند اپنی نشستوں یا آرام گاہوں کا انتخاب نہ کریں؟" لبشک نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہے ـــ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اس بار تمہارے ساتھ دولابا بھی ہے' اس لئے تمہیں اپنے لئے جگہ کا انتخاب کرنا ہوگا۔"

"ہاں۔ میں بھی اپنے لئے کوئی جگہ بنالوں گا۔ لیکن اگر تم آرام کرنا چاہو سبوتا تو آرام کرو۔"

"میرا خیال ہے اس رات ہم آرام نہیں کریں گے ـــ اب ہمیں اس لڑکی کی خبر لینی چاہیئے۔" میں نے کہا۔

"اوہو ـــ ہاں وہ تو میں بھول ہی گیا تھا' وہ کون سے کمرے میں ہے؟"

"آؤ ـــ میں تمہیں دکھادوں۔" میں نے کہا اور پھر میں نے شمانہ کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔ لبشک اور دولابا بھی میرے ساتھ تھے۔ شمانہ لڑکی کے تذکرے پر کسی حد تک حیران نظر آرہی تھی۔ پھر جب ہم اس کیبن میں داخل ہوئے جہاں نعامہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی تو دونوں عورتیں بُری طرح چونک پڑیں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت و تجسس تھا۔

"ارے ـــ یہ کون ہے؟" شمانہ نے تعجب سے کہا۔

"بستارا کی بیٹی نعامہ۔"

"بستارا ـــ وہ جو ایک بار ہمارے ہاں آیا تھا؟"

"ہاں۔"

"لیکن یہ یہاں کیسے آگئی؟"

"اسے لایا گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"کون لایا ہے؟"

"میں ـــ" میں نے جواب دیا ـــ اور شمانہ متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ لیکن اس کے بعد اس نے کوئی سوال نہ کیا۔

تب لبشک نے دولابا سے کہا۔ "کیا تم اس لڑکی کے پاس رہنا پسند کروگی دولابا ـــ میرا مطلب ہے اس کمرے میں؟"

"کیوں نہیں ـــ اگر اس کی ضرورت ہے تو مجھے اس کے پاس رہنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" دولابا نے جواب دیا۔

"ہاں دولابا ـــ اس کی نگرانی کرو ـــ یہ ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں ـــ ہاں کیا میں اسے ہوش میں لاؤں؟"

"کوئی بات نہیں اسے سونے دو۔ یہ خود بخود ہوش میں آجائے گی۔"

پھر میں نے لبشک سے پوچھا۔ "اب مجھے آرام کرنے کی اجازت ہے؟"

"میں یہ اجازت کیسے دے سکتا ہوں سبوتا ـــ تُو مالک ہے [illegible] مختار ہے۔ ہاں اب جہاز میں کسی ایسی نگرانی کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے جس کے لئے ہمیں جاگنا پڑے ـــ ملاح اپنا کام کررہے ہیں اور وہ لوگ دن رات یکساں مستعد رہتے ہیں۔"

"تو پھر تم آرام کرو ـــ لیکن دولابا کے ساتھ نعامہ کی موجودگی تمہارے لئے خوشگوار نہ ہوگی۔"

"اس کا بندوبست بھی میں کرلوں گا۔" لبشک نے کہا اور دولابا کی آنکھیں جھک گئیں۔

شمانہ کسی حد تک خاموش نظر آئی تھی جس کا احساس مجھے اپنے کمرے میں پہنچ کر ہوا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا اور پھر اندازہ کرلیا کہ شمانہ کی سنجیدگی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ـــ اس حسین لڑکی کی غلط فہمی دُور کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ میری زندگی کی ساتھی تھی اور مجھے اس سے کافی پیار تھا۔ سو میں نے نہایت محبت سے شمانہ کو اُٹھا کر بستر پر لٹا دیا ـــ اور پھر خود بھی اس پر جھک گیا۔

"نیند آرہی ہے شمانہ؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تھکن محسوس کررہی ہو؟"

"میں کبھی نہیں تھکتی سبوتا۔" شمانہ نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"پھر تمہارے انداز میں خاموشی کیوں ہے؟"

"میں تجھ سے مخلص ہوں سبوتا ـــ اس لئے اپنے دل میں کوئی ایسی بات نہ رکھوں گی جو مجھے تجھ سے بدظن کرے۔ بہتر یہی ہے کہ میں اس بارے میں تجھ سے پوچھ لوں۔"

"ہاں شمانہ ـــ بہتر یہی ہوتا ہے۔"

"تو پھر مجھے یہ بتا کہ یہ لڑکی کون ہے اور تُو اسے کیوں لایا ہے؟"

"یہ لڑکی ـــ" میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔ "شمانہ! تمہیں علم ہے کہ نہ تو میں حکیم ہاکو کا غلام ہوں اور نہ ہی فوما کا ـــ فوما پر تو میں احسان کرچکا ہوں۔ اس کی زندگی بچانے میں' میں نے بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے اور ازراہِ ہمدردی ہی میں اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوا ہوں۔ ورنہ کوئی طاقت مجھے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی تھی۔ ایسی حالت میں تم خود سوچ سکتی ہو کہ مجھے فوما یا کسی اور کے احکامات کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔

تاہم جب میں نے فوما کے لئے ہمدردی سے کام کرنے کا فیصلہ کیا تو میں نے سوچا کہ اس کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا جائے۔ چنانچہ اس کی چند باتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں خیال ہے کہ کسی کو اس کے بارے میں نہ بتایا جائے۔

میں نے ابھی تک تمہیں صرف اسی لئے نہیں بتایا تھا ورنہ تم [illegible]

کہ تمہاری حیثیت فوما' ہاکو اور اس بستی کے تمام لوگوں سے افضل ہے۔ میں تمہیں جس قدر چاہ سکتا ہوں کسی اور کو نہیں۔ میں نے صرف فوما سے ہمدردی اور تعاون کی وجہ سے تمہیں کچھ باتوں سے بے خبر رکھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تم سے حقیقت چھپانا چاہتا تھا ـــ تیری چاہت میرے لئے سب سے بڑا مقام رکھتی ہے۔ باقی باتیں تو بعد کی ہیں۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں سبوتا ـــ لیکن کیا ان باتوں کا تعلق میرے اس سوال سے ہے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے شمانہ ـــ اور اب میں تم سے کچھ چھپانا پسند نہیں کرتا ـــ سنو! ہم نے اتنا طویل سفر صرف نعامہ کے لئے طے کیا ہے۔"

"شکایا بستی کا سفر؟"

"ہاں۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم فوما کے کسی کام کے لئے اس بستی میں آئے ہو ـــ کیا تم نے غلط کہا تھا؟"

"ہاں شمانہ ـــ فوما کا کام یہی تھا۔ اس نے ہی نعامہ کو طلب کیا ہے جس کے لئے ہم نے اس بستی کا سفر طے کیا۔"

"فوما نے؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"نعامہ اس کی محبوبہ ہے۔ فوما اسے بیحد چاہتا ہے۔ لیکن اُس کے ذہن میں ایک غلط فہمی ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ خود نعامہ نے اُسے زہر دیا تھا ـــ اور اسی کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی۔"

"اوہ۔" شمانہ کی آنکھوں میں تحیر کے نقوش منجمد ہوگئے تھے۔ "عجیب کہانی ہے' عجیب و غریب ـــ" شمانہ نے کہا۔

"ہاں شمانہ۔"

"لیکن پھر فوما نے اسے کیوں طلب کیا ہے؟"

"شمانہ! فوما میرا بھی رازدار ہے۔ اسے یہ علم تھا کہ میں تمہیں چاہتا تھا' تم سے محبت کرتا تھا ـــ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میری محبت کامیاب ہوگئی تو پھر میں کوشش کرکے نعامہ کو اس سے ملادوں۔"

"اوہ ـــ فوما اسے اتنا چاہتا ہے؟"

"ہاں ـــ یہ اُس کی محبوبہ ہے۔"

"لیکن تم تو بتارہے ہو کہ اس نے فوما کو زہر دیا تھا۔"

"یہ بات مشکوک ہے شمانہ ـــ فوما یہی بات معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کی موت میں نعامہ کا ہاتھ تھا بھی یا نہیں ـــ اور اگر نعامہ نے ہی اُسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی' پھر تو فوما کی محبت میں فرق آئے گا۔ لیکن بات چونکہ مشکوک ہے اس لئے فوما اس سے اس قتل کے بارے میں پوچھ کر فیصلہ کرلینا چاہتا ہے۔"

"تو کیا اس لڑکی کو معلوم ہے کہ فوما زندہ ہے؟"

"نہیں۔ اسے کچھ نہیں معلوم۔"

"پھر یہ ہمارے ساتھ کیوں جارہی ہے؟"

"میں نے کہا نا ـــ میں اسے لے جارہا ہوں ـــ میں اسے اغوا کرکے لایا ہوں اور اس وقت یہ بے ہوش ہے۔"

"بڑی حیرت انگیز بات ہے سبوتا ـــ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔"

"نہیں۔ نا سمجھنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ فوما اسے چاہتا ہے اور فوما نے ہی اسے بلایا ہے ـــ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا نعامہ زرد رُو لوگوں کا شکار ہوگئی ہے؟ کیا اس نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر فوما کے خلاف کوئی سازش کی تھی ـــ اور اگر نہیں کی تھی' فوما صرف غلط فہمی کا شکار ہے تو فوما اسے دوبارہ سینے سے لگالے گا۔"

"لیکن اس کے باپ نے اسے لے جانے کی اجازت کیسے دے دی؟"

"بستارا پہلے خود بھی ہمارے ساتھ چلنے کو تیار تھا لیکن اس وقت جب میں اس کے پاس گیا اور میں نے بتایا کہ ہم روانگی کے لئے تیار ہیں تو وہ مشتبہ ہوگیا ـــ اور وہ سمجھا کہ ہم اس سے فریب کررہے ہیں۔ اور اسی لئے وہ ہمارے ساتھ نہیں آیا۔"

"پھر ـــ پھر کیا ہوا؟"

"بس ـــ میں نے اُسے بھی بے ہوش کردیا اور نعامہ کو بھی بے ہوش کرکے اپنے ساتھ لے آیا ـــ اب فوما جانے اور اس کا کام۔"

"اوہ۔" شمانہ نے گہری سانس لی۔ "تم ـــ واقعی بیحد عجیب ہو ـــ بیحد انوکھے سبوتا! لیکن کیا اس لڑکی نے فوما کو قتل کرنے کی کوشش کی ہوگی؟"

"شمانہ! یہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے ـــ یہ زمین کُرید رہی تھی اور اس میں سے چاند تلاش کررہی تھی ـــ اور اس کا ذہنی توازن اُسی وقت سے خراب ہوا جب فوما کی موت کی خبر سب کو ہوئی۔"

"اوہو ـــ اس کا مطلب ہے کہ اس کی موت میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے ـــ اگر یہ اسے اتنا چاہتی ہے تو اسے زہر کیوں دیتی؟"

"یقیناً ـــ اور مجھے یقین ہے کہ فوما کی غلط فہمی دُور ہوجائے گی۔"

"اوہ' تب تو یہ لڑکی ہمارے لئے قابلِ احترام ہے۔"

"ہاں۔ میں تم سے یہی کہنے والا تھا کہ اس کا خیال رکھنا۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دینا ـــ یہ تمہارے مقدس اور عظیم فوما کی محبوبہ ہے اور ہم اس کی امانت کو لئے جارہے ہیں' جس کی حفاظت تمہارا فرض ہے شمانہ!" میں نے کہا۔

"میں فوما کی امانت کی حفاظت کروں گی ـــ اور میں تم سے شرمندہ بھی ہوں۔ دراصل میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آیا تھا سبوتا اور اصل

میں نہیں چاہتی کہ کوئی دوسری لڑکی تمہاری زندگی میں کسی بھی حیثیت سے داخل ہو — میں برداشت نہیں کر سکتی سبوتا — اور اس کے لئے میں تم سے معافی کی خواستگار ہوں۔" شمانہ نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"میں نے بھی یہی محسوس کیا تھا شمانہ! لیکن کوئی بات نہیں ہے، یہ بھی تمہاری محبت کی علامت ہے۔" میں نے شمانہ کو سینے سے چپٹاتے ہوئے کہا اور وہ بھی میرے سینے سے لپٹ گئی۔

شمانہ کے ساتھ جہاز کی ایک اور حسین رات گزری۔ اب تو ایسی راتوں کا شمار بھی مشکل تھا۔ لیکن شمانہ کی دلکشی میں اضافہ ہی ہو رہا تھا طویل عرصے تک خود سے بے نیاز رہنے کے بعد وہ اپنی شخصیت میں واپس آئی تھی۔ چنانچہ اب وہ پیاسے دلوں کی پیاس بجھا رہی تھی۔

صبح تھوڑی دیر کے بعد ہی ہو گئی۔ سورج نے ہمارے کمرے کی درازوں سے جھانک کر ہمیں اپنی آمد کا احساس دلایا اور ہم دونوں نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا — "صبح ہو گئی سبوتا!" شمانہ نے بڑے محبوبانہ انداز میں کہا۔

"ہاں شمانہ — تم تو سو بھی نہیں سکیں۔"

"تمہارے ساتھ — بس جاگتے رہنے کو دل چاہتا ہے۔ تم بھی تو نہیں سوئے سبوتا!"

"اگر میں تمہاری کسی کوشش سے مارا جاتا شمانہ تب —؟" میں نے پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور شمانہ نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تب جس وقت بھی تمہاری محبت میرے ذہن میں ابھرتی، میں تمہارے پاس پہنچ جاتی۔" اس نے جواب دیا اور میں ہنسنے لگا۔ پھر میں نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آؤ شمانہ! تیار ہو جائیں اور اپنے دوست کی خبر لیں — دن میں ساری ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد تم تھوڑی دیر سو لینا، کسل دور ہو جائے گی۔"

"اب میں اتنی کمزور عورت بھی نہیں ہوں کہ سوئے بغیر گزارا ہی نہ سکوں۔" شمانہ ہنس کر بولی۔ اور ابتدائی ضروریات سے فارغ ہو کر ہم باہر نکل آئے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر میری نگاہ لبشک پر پڑی۔ وہ بادبانوں کے رخ بدلوا رہا تھا تاکہ جہاز کی رفتار اور تیز ہو جائے۔

"رات کیسی گزری لبشک؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"پرسکون سبوتا — کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو چوکس کر دیا تھا کہ سمندر میں کوئی بھی نشان دیکھیں تو مجھے فوراً آگاہ کریں۔ لیکن ہمارے دوستوں کو شاید ابھی تک خبر نہیں ہوئی۔ بہرحال اب ہم اتنی دور نکل آئے ہیں کہ وہ ہمیں نہیں پا سکتے۔"

"نعامہ ہوش میں آ گئی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن اس کی ذہنی حالت درست نہیں معلوم ہوتی سبوتا! تم اسے بے ہوش کر کے ہی لائے تھے نا۔ لیکن اس کے انداز سے ایک بار بھی حیرت کا اظہار نہیں ہوا۔ یوں لگتا ہے جیسے اسے اپنے بارے میں کوئی احساس ہی نہ ہو۔"

"ہاں۔ وہ ذہنی فتور کا شکار ہے، کوئی بات کی تھی اس نے؟ اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تھا؟"

"نہیں۔ بس کچھ بے معنی الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے۔ کہنے لگی، چاند غروب کیوں ہو جاتا ہے؟ کیا پانی میں بھی چاند نہیں نکلتا؟"

"ہوں ٹھیک ہے لبشک! اس کا خاص خیال رکھنا ہے۔ یوں سمجھو یہ سفر صرف اس کے لئے کیا گیا تھا۔"

"تم مطمئن رہو سبوتا — تمہارا ایک بار کسی بات کے بارے میں کہنا ہمارے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے۔" لبشک نے جواب دیا۔ "دولابا نے اس کا منہ ہاتھ دھلا کر اسے ناشتہ کرا دیا ہے۔"

"بہت خوب۔"

"اس کے علاوہ دولابا کے لباس بھی اس کے بدن کے مطابق ہیں، ہم اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ باہر کے معاملات پُرسکون ہیں، سبوتا — کیا ہم لوگ ناشتہ کر لیں؟"

"اوہ، تم نے ناشتہ نہیں کیا؟"

"تمہارے بغیر یہ کیسے ممکن تھا۔ آؤ۔" لبشک نے کہا اور ہم اس کے کیبن کی طرف بڑھ گئے۔ نعامہ شہزادیوں کی سی شان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر ہم دونوں کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں پیدا ہوئے۔ دولابا بھی موجود تھی۔ اس نے شمانہ کا پُرتپاک استقبال کیا، اور پھر ناشتہ لگا دیا گیا۔ میں نے نعامہ کو مخاطب کیا۔

"کیا تم ہمارے ساتھ ناشتہ نہیں کرو گی نعامہ؟" لیکن اس نے اس سوال پر میری طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی۔

"نہ جانے اس بے چاری کو کیا ہوا ہے؟" دولابا نے ہمدردی سے کہا اور پھر وہ ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک ہو گئی۔ ناشتے کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ شمانہ، دولابا کے ساتھ رہ گئی تھی — لبشک نے پورے جہاز کا چکر لگایا۔ جہاز تسلی بخش انداز میں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شام ہو گئی۔ کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں پیش آیا۔ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ شکایا کے جہاز ہمارے تعاقب میں نہیں آئے۔ اور اگر اب وہ آنے کی کوشش بھی کریں گے تو ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس جہاز میں اب اتنا سامان موجود تھا کہ راستے میں کہیں رکنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

شام کو میں نے شمانہ سے کہا کہ نعامہ کو جہاز کے کنارے پر لے آئے۔

"بے چاری لڑکی۔ مجھے اس کے اوپر بہت رحم آتا ہے۔" شمانہ نے کہا۔ "کسی معاملے میں کچھ بولتی ہی نہیں ہے۔ میں نے ہاتھ پکڑا تو میرے

ساتھ چلی آئی۔"

"ہاں۔ اس کی حالت قابلِ رحم ہے۔"

"ویسے یہ وہاں پہنچ کر ٹھیک ہو جائے گی نا؟"

"قوی امکانات ہیں۔ اوّل تو اس کے مرض کا علاج وہاں موجود ہے، دوسرے وہاں حکیم ہاکو بھی ہے اور بہرحال وہ اپنے فن کا ماہر ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" شمانہ نے کہا۔ میں نعامہ کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے اس سے کہا۔

"نعامہ! تمہیں معلوم ہے تم کہاں جا رہی ہو؟"

"پانی میں چاند ہوتا ہے؟" اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہیں چاند کی تلاش ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ نجانے کہاں کھو گیا — چاند کب نکلے گا؟"

"چاند تمہارا انتظار کر رہا ہے نعامہ — وہ بہت جلد نکل آئے گا۔"

"نکل آئے گا؟" اس نے بے اختیار کہا۔

"ہاں نعامہ — تمہیں فوما یاد ہے؟" میں نے سوال کیا اور اچانک نعامہ کے چہرے میں کچھ تبدیلیاں ہو گئیں۔ اس نے وحشتناک نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر شمانہ کو — اور پھر وہ آہستہ آہستہ میرے نزدیک آ گئی۔ اس کے انداز میں عجیب سی بے چینی تھی۔ جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے — اور وہ کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔

"فوما یاد ہے تمہیں؟" میں نے پھر پوچھا — اور اس نے دونوں کان بند کر لئے۔ اس کے چہرے سے کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر اس نے بے بسی سے شمانہ کی طرف دیکھا اور شمانہ نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہم تمہیں فوما کے پاس لے جا رہے ہیں نعامہ — بہت جلد تم اس سے ملو گی۔" شمانہ نے کہا اور نعامہ اس طرح ڈولنے لگی جیسے چکر آ گیا ہو۔ شمانہ نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ نعامہ بے ہوش ہو گئی۔ ہم دونوں اسے کیبن میں لے آئے تھے۔

"یہ کیا ہوا سبوتا؟" شمانہ تعجب سے بولی۔

"فوما کے نام کا اس نے یہ اثر لیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور شمانہ گردن ہلانے لگی۔ بہرحال ہم سب کو نعامہ سے ہمدردی تھی۔ یہ بات تو اب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی کہ نعامہ نے فوما کو قتل نہیں کیا تھا، اگر وہ کسی کی آلۂ کار بن گئی ہو تو دوسری بات ہے — لیکن وہ بھی انجانے میں۔ اتنی محبت کرنے والی لڑکی غدار نہیں ہو سکتی تھی۔

دن رات سفر جاری تھا۔ ہواؤں کے رخ موافق تھے چنانچہ تیز ہواؤں نے فاصلے کم کر دیئے اور بالآخر وہ دن آ گیا جب ہم نے دوبارہ سکائی کی زمین دیکھی۔ ساحل پر اور بہت سے جہازوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ ان پر رنگ رنگ کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔

"اوہ، کافی علاقوں کے جہاز آئے ہیں۔" لبشک نے دور سے دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔"

"کچھ عجیب سے حالات محسوس ہوتے ہیں سبوتا — کیا تم نہیں محسوس کرتے؟"

"میں نہیں سمجھا لبشک۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ تم فوما اور اس کے علاقوں کے حالات سے واقف نہیں ہو۔" لبشک ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور پھر جب ہمارا جہاز ساحل سے کافی دور تھا کہ ہم نے ایک بڑی کشتی جہاز کی طرف آتے دیکھی۔ اس میں چند لوگ سوار تھے۔ قریب آئے تو اندازہ ہوا کہ حکیم ہاکو، زیوراس اور زیوراس کے چند خاص معتمد ہیں۔ کشتی جہاز کے بالکل قریب پہنچ گئی، اس پر سوار لوگ خوشی سے ہاتھ ہلا رہے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اوپر چڑھ آئے۔

ان لوگوں نے ہمارا پُرجوش استقبال کیا تھا۔ حکیم ہاکو مجھ سے لپٹ گیا۔ اس نے میری خیریت پوچھی اور پھر شمانہ سے اس کے بارے میں معلوم کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ "جس مشن پر تم گئے تھے پورا ہو گیا؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ تب ہم لوگ آخر میں جہاز سے چلیں گے۔ ہر چند میں ابتدا میں اسے اپنا مہمان بناؤں گا۔ لیکن اس کے باوجود میں اسے دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے چھپانا چاہتا ہوں۔" ہاکو نے کہا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جہاز کے لنگر ڈال دیئے گئے تھے اور چونکہ اب خلاصیوں کا بھی کوئی کام نہیں تھا سوائے اس کے کہ بادبان وغیرہ لپیٹ دیئے جائیں۔ چنانچہ اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد کشتیوں کے ذریعے وہ ساحل کی طرف چل پڑے۔ پھر ایک آخری کشتی سے لبشک، اس کی بیوی دولابا، میں، شمانہ اور نعامہ بھی ساحل کی طرف چل پڑے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ساحل کے اس دوسرے حصے میں پہنچ گئے جدھر ہاکو کا مکان تھا۔ سمندر کے کنارے کنارے لکڑی کے کچھ اور مکان تعمیر کئے گئے تھے جو پہلے نہیں تھے۔ یقیناً یہ حکیم ہاکو کا کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا تھا کہ یہ مکان آنے والوں کے لئے ہی بنائے گئے ہوں گے۔ بہرحال میں نے اس کے بارے میں معلوم نہیں کیا۔

ہاں حکیم ہاکو نے کھانے کے وقت مجھے بتایا۔ "آخری سردار بھی سکائی پہنچ گیا ہے سبوتا! یوں سمجھو مشن کا پہلا حصہ مکمل ہو گیا ہے۔ صرف تمہارا انتظار تھا۔ آخری مشورے کے بعد کام کا پہلا مرحلہ مکمل کر لیا جائے۔"

"اوہ، ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ ہو سکا ہے کہ انہیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

"بس وقتاً فوقتاً ان سے ملتا رہا ہوں — اور چونکہ انہیں فوما کے نام پر بلایا گیا ہے، اس لئے انہیں یہ اندازہ تو ہے کہ بات [illegible]

کی ہے، البتہ دوسری باتیں ابھی ان کے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں ہوں گی۔ ویسے سبوتا! یہ سب وہ ہیں جو علاقے کی بھلائی کے خواہاں ہیں اور اس کے لئے سب کچھ کرنا چاہتے ہیں اور صرف یہی جذبہ انہیں کھینچ لایا ہے اور وہ خاموشی سے انتظار کر رہے ہیں۔"

"بہت خوب۔ زیورا اس کو اس سے زیادہ تو علم نہیں ہو سکا؟"

"ہرگز نہیں۔ لیکن وہ بے چین بہت ہے۔ تمہارے بارے میں تو وہ نہ جانے کیا کیا خیالات رکھتا ہے۔ اکثر تمہاری باتیں کرتا رہتا ہے۔ کہتا ہے تم کوئی آسمانی مخلوق معلوم ہوتے ہو اور پھر دبی زبان میں یہ بھی کہہ اُٹھتا تھا ۔۔۔ آہ! فوما کو کوئی تکلیف نہ ہو رہی ہو، وہ کسی چیز کا ضرورت مند نہ ہو۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی "ہاں ہاکو! فوما اس سلسلے میں واقعی خوش نصیب ہے، اس کے لئے پریشان ہونے والوں کی تعداد بہت کافی ہے۔ لیکن اب کیا ارادہ ہے؟"

"فوما کو تمہاری آمد کی اطلاع دے دی جائے۔ ظاہر ہے میرے علاوہ اسے یہ اطلاع کون دے گا، اس لئے ابھی اسے پتہ نہ چل سکا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میں خود اُسے مل آتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں بھی چلوں گا۔" ہاکو نے کہا۔ اور پھر سورج چھپے میں، شمانہ اور ہاکو فوما کے پاس چل پڑے۔ فوما مجھے دیکھ کر مسرت سے اُچھل پڑا تھا۔ وہ مجھ سے لپٹ گیا اور اس کے چہرے پر پھول کھل اُٹھے۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھے۔ تب میں نے اسے کشمکش میں نہ رہنے دیا اور آہستہ سے کہا۔

"میں نغامہ کو لے آیا ہوں فوما!" فوما کے بدن کی لرزش میں نے صاف محسوس کی تھی ۔۔۔ "اور میں اپنے تمام تر تجربے کی بنا پر دعوے سے کہتا ہوں کہ لڑکی بے قصور ہے۔" فوما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے میری صورت دیکھ رہا تھا۔ فرطِ جذبات سے اس کی آواز بند ہوگئی تھی، بمشکل تمام وہ بولا۔ "اور بتاؤ سبوتا؟"

"وہ تمہاری موت کے بعد اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔ پھر ہر وقت زمین کرید کر چاند تلاش کرتی رہتی ہے۔" میں نے کہا اور فوما کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے بہہ نکلے۔

"وہ مجھے زمین کا چاند کہتی تھی۔" اس نے بتایا۔

"اب کیا ارادہ ہے فوما؟" میں نے پوچھا اور فوما نے آنسو پونچھ لیے۔

"میں تمہارا انتظار کر رہا تھا سبوتا ۔۔۔ جیسا تم کہو گے۔"

"تب پھر حکیم ہاکو! جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ سب مطلوبہ لوگ آگئے ہیں، کل ہم ان سے ملاقات کے بارے میں آخری فیصلہ کریں گے اور اس کے بعد کارروائی شروع ہو جائے گی۔" میں نے کہا اور دونوں نے میری بات کی تائید کی۔

"اب بہتر یہ ہے کہ فوما کو اس کی محبوبہ سے ملاقات کی اجازت دے دی جائے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور حکیم ہاکو مسکرانے لگا۔ شمانہ کو میں نے وہیں چھوڑ دیا اور پھر میں اور ہاکو واپس آگئے۔ ہاکو کے [illegible] آکر میں نغامہ کے پاس پہنچا۔ وہ حسبِ معمول خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ خاموشی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی یہ معصومیت مجھے بہت پسند آتی تھی۔ بے چاری کچھ سوچ سمجھ ہی نہیں سکتی تھی۔ میں اسے لے کر باہر نکل آیا۔

"نغامہ!" میں نے سمندر کی طرف چلتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"کیا چاند کبھی نہیں نکلے گا؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"تم فوما کو چاہتی ہو نغامہ؟" میں نے براہِ راست کہا اور وہ چلتے چلتے رُک گئی۔ وہی کیفیت طاری ہوگئی تھی اس پر، جس کو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

"چاند کیوں نہیں نکلا؟" وہ بے چینی سے بولی۔

"تم نے فوما کو اپنے ہاتھ سے زہر دیا تھا۔" میں نے کہا اور اس کے انداز میں کرب پیدا ہوگیا۔

"وہ سمندر میں ڈوب گیا ہے۔ چاند اب سمندر میں چمکتا ہے۔ وہ کبھی نہیں نکلے گا، کبھی نہیں نکلے گا۔"

"فوما تمہارا محبوب تھا۔ وہ تم سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس شراب میں زہر تھا جو تم نے فوما کو پلائی تھی۔ لیکن میرا خیال ہے تم اس سے بے خبر تھیں۔ فوما زندہ ہے ۔۔۔ فوما زندہ ہے۔ کیا تم اس سے ملو گی؟" میں نے کہا اور نغامہ نے ایک زوردار چیخ ماری اور پھر وہ مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ گر رہی ہے۔ تب میں نے اسے بازوؤں میں اٹھایا اور تیزی سے فوما کے مکان کی طرف چل پڑا ۔۔۔ فوما بے قراری سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ بے ہوش نغامہ کو دیکھ کر اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔ پھر اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ پھر وہ نغامہ کے قریب آگیا۔

"ہاں۔ یہ بے قصور ہے سبوتا! اس کے چہرے کی معصومیت دیکھو۔" وہ گلوگیر آواز میں بولا۔ شمانہ اس کے نزدیک کھڑی ہوئی تھی۔ "مگر اسے کیا ہوگیا؟"

"میں نے تمہارا نام لیا تھا۔ اسے بتایا تھا کہ تم زندہ ہو، بے ہوش ہوگئی ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ یہ بے قصور ہے۔" فوما نے کہا۔

"کیا تمہارے خیال میں، میں نے کوئی قصور کیا ہے شمانہ؟" میں نے اچانک شمانہ سے پوچھا۔ اور وہ جو اس منظر میں کھوئی ہوئی تھی چونک پڑی۔

"تم نے؟ میں نہیں سمجھی؟" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"اگر میں نے کوئی قصور نہیں کیا ہے تو تم میرے ساتھ ساحل پر کیوں نہیں چلتیں؟" میں نے کہا۔ اور فوما جذباتی کشمکش کا شکار ہونے کے باوجود ہنس پڑا۔ شمانہ بھی میری شرارت سمجھ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ تب

ہم دونوں ساحل کی ٹھنڈی ریت کی جانب چل دیئے۔ ریت کا سینہ ہم دونوں کو ہی پسند تھا۔

دوسری صبح میں اور شمانہ مکان میں واپس پہنچ گئے۔ فوما ہمیں جاگتا ہوا ہی ملا تھا۔ اس کے چہرے میں نمایاں تبدیلی تھی اور وہ مسرت سے جگمگا رہا تھا۔ وہ بڑی محبت سے مجھ سے لپٹ گیا۔

"تُو نے میرے اوپر اتنے احسان کئے ہیں سبوتا کہ ان کا تصور کر کے بوکھلا جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں اگر مجھے میرا سب کچھ واپس مل گیا تو میں تجھے تیرے احسانات کے صلے میں کیا دوں گا۔"

"دوستی تمام چیزوں سے بڑی ہوتی ہے فوما!" میں نے جواب دیا۔

"ہاں تُو آسمان ہے، وسیع اور بیکراں ۔۔۔ تُو لوگوں کو صرف دے سکتا ہے، کوئی تجھے کچھ نہیں دے سکتا۔"

"نغامہ کی کیا کیفیت ہے؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے سوئی ہے۔ وہ درحقیقت بے قصور تھی سبوتا!"

"مجھے اندازہ ہے۔ لیکن اس کی ذہنی کیفیت؟"

"بالکل ٹھیک ہوگئی ہے۔"

"ہم لوگ اسے یاد ہیں؟"

"ہاں ۔۔۔ اور تمہارا نام لیکر وہ جذبات سے خاموش ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے وہ بھی تمہیں تمہارے احسانات کا صلہ دینے سے قاصر ہے۔" فوما نے جواب دیا۔

"میں بہت بڑا سودے باز ہوں فوما ۔۔۔ نقصان کا سودا کبھی نہیں کرتا۔ میں جانتا تھا کہ میں تیرے لئے وہ سب کچھ ضرور کروں گا جو تُو چاہتا ہے۔ میں تیری بستیوں کو پھر سے آباد کر دوں گا۔ اور اس کے لئے میں نے پورے خلوص سے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سو میں نے سوچا کہ جب محنت کرنی ہے تو معاوضہ پیشگی کیوں نہ وصول کر لیا جائے۔ تیری بستی سے میں نے پورا پورا معاوضہ وصول کر لیا ہے اور اب تیرے اوپر میرا کوئی قرض نہیں ہے۔"

"معاوضہ؟ میں نہیں سمجھا سبوتا!" فوما نے کہا۔

"شمانہ ۔۔۔" میں نے شمانہ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "یہ میری تمام محنت کا صلہ ہے جو میں کر چکا ہوں اور آئندہ کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ اور فوما نے مسکراتے ہوئے شمانہ کی طرف دیکھا۔

"اگر یہ بات ہے تو میری بستی کی اس لڑکی نے میرے اوپر بڑا احسان کیا ہے۔ اس نے میرا بوجھ بانٹ لیا ہے۔"

"اور اب تمہیں ناشتہ بھی کرائے گی۔" میں نے کہا اور فوما ہنسنے لگا۔ شمانہ ناشتہ تیار کرنے چلی گئی تھی۔ ناشتے کے بعد اس نے کہا۔

"چونکہ نغامہ ابھی سو رہی ہے اس لئے میں دولایا کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ کیا میں تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس چلی جاؤں؟ وہ یہاں آنے سے بہت خوش ہے لیکن تنہائی محسوس کرے گی۔"

"ضرور شمانہ ۔۔۔ بے فکر رہو۔ نغامہ کو ناشتہ دے دیا جائے گا۔" فوما نے کہا اور شمانہ چلی گئی۔ تب میں اور فوما ایک جگہ جا بیٹھے اور پھر فوما مجھ سے سفر کے حالات پُوچھنے لگا۔

"سفر کی ایک دلچسپ داستان ہے فوما! جو میں نے وقت نہ ملنے کی وجہ سے نہ تو تجھے سُنائی ہے اور نہ حکیم ہاکو کو۔"

"اوہ، کوئی خاص واقعہ پیش آیا تھا؟"

"ہاں۔ اطلاع کے طور پر مانگا جزیرہ مکمل طور پر تمہارے دشمنوں کے قبضے میں ہے۔ وہاں ان کی پسند کی حکومت تھی لیکن میں نے تارس کو قتل کر دیا ہے اور شاید آج وہاں کوئی حکمراں نہیں ہے۔" میں نے مانگا کی پوری کہانی سُنا دی۔ اور پھر یہ بھی بتایا کہ کس طرح میں نغامہ کو لایا۔

فوما بے حد متاثر نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لیکر کہا۔ "سارے کام ہی تیرے مرہونِ منت ہیں۔ اگر تُو وہاں نہ جاتا تو پھر کیسے یہ سب کچھ ممکن تھا۔ لیکن ۔۔۔" فوما خاموش ہوگیا۔

"لیکن کیا فوما؟"

"کچھ نہیں۔ یہ ساری چیزیں متوقع ہیں۔ ہمیں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ زردرُو اپنی کوششوں میں مصروف ہیں۔ شبالا کا زوال بہت جلد آجاتا۔ اوّل تو وہ ان کے اشاروں پر ناچنے والوں میں سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب وہ مکمل طور پر بااختیار ہو جاتے تو حکومت پر شبالا کا وجود قبول نہ کرتے۔"

"ممکن ہے۔" میں نے گردن ہلائی۔

"ویسے شبالا کچھ نہ کچھ کارروائی ضرور کرے گا۔ ممکن ہے اس کے جہاز سکائی کے لئے چل پڑے ہوں اور کچھ عرصہ میں یہاں پہنچنے والے ہوں، میرا مطلب ہے تم لوگوں کو گرفتار کرنے کے لئے۔ لیکن آنے دو۔ ہم بھی اپنی کارروائیوں کا آغاز سکائی سے ہی کریں گے۔" فوما نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"زردرُوؤں کی مقامی بستی کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سخت بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔" فوما بے اختیار مسکرا پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"دس دس بارہ بارہ افراد کی ٹولیاں چھوٹی کشتیوں میں، اعلیٰ پیمانے پر ماہی گیری کرنے لگی ہیں۔ لیکن انہیں نزدیک آنے کی جرأت نہیں ہوئی اور پھر حکیم ہاکو نے بھی آنے والوں کو ہدایت کر دی کہ کشتیوں کو زیادہ قریب نہ آنے دیا جائے۔ لیکن نرم رویّے والے جعلسازوں نے آج تک کسی سے تعرض نہیں کیا۔ ہاں، وہ ہمارے گشت کرنے والے لوگوں سے گھلنے ملنے کی کوششوں میں برابر مصروف ہیں۔"

"خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟"

"ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔"

"آج سے لگا دی جائے گی۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں خود بھی سوچ رہا تھا لیکن ساری کارروائی میں نے تمہاری آمد تک ملتوی کر دی تھی۔ آج سے ہم ان کے یہ راستے بند کر دیں گے۔" فوما نے جواب دیا۔

"ممکن ہے زیولاس کے جہاز سے ہونے والی کارروائی کی اطلاع بھی پہنچ گئی ہو۔"

"ہاں۔ ممکن ہے۔" فوما نے جواب دیا اور پھر بولا۔ "بہرحال آج کی کارروائی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ میں ہاکو کا منتظر ہوں، وہ آ جائے تو فیصلہ کر لیا جائے۔ ویسے تم نے شکایا کے حالات کا جائزہ لیا ہوگا۔ وہاں میرے بارے میں کیا تاثر ہے؟"

"میں نے ہر جگہ تمہارے پرستار پائے ہیں، خاص طور سے شکایا میں لوگ زیادہ کھل کر تمہاری حمایت کا اعلان کرتے ہیں۔ مانگا بستی میں البتہ میں نے محسوس کیا کہ مقامی لوگ زرد رُو لوگوں کے زیرِ اثر ہیں۔ موجودہ حالات کے بارے میں گو مجھے زیادہ نہیں معلوم لیکن میں نے محسوس کیا تھا فوما کہ وہ لوگ زرد رُو لوگوں کے تسلط سے آزاد نہیں ہیں۔۔۔ بہرصورت فوما! مجھے یقین ہے کہ تم تھوڑی سی کاوشوں کے بعد اپنی کھوئی ہوئی حکومت حاصل کر لو گے۔ لیکن چند سوالات میرے ذہن میں سر اُبھارتے ہیں۔"

"وہ کیا سبوتا؟" فوما نے پوچھا۔

"تم اپنی حیثیت و حکومت حاصل کر لینے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"زرد رُوؤں کے ساتھ؟"

"ہاں۔"

"سبوتا! ان لوگوں نے مجھے جن حالات میں پہنچا دیا ہے اس سے تم اچھی طرح واقف ہو۔۔۔ مجھے بتاؤ، اگر میں اپنی حیثیت میں واپس آ جاؤں تو مجھے ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے، میں تمہارے الفاظ سُننا چاہتا ہوں سبوتا!" فوما نے مجھ سے کہا۔

"دراصل فوما۔۔۔ مجھے تھوڑی سی ہمدردی ان لوگوں سے بھی ہے۔" میں نے صاف لہجے میں کہا۔ ظاہر ہے پروفیسر! میں کسی کے زیرِ تحت تو تھا نہیں۔۔۔ جو کچھ میں کر رہا تھا وہ تو میری ذاتی دلچسپی کی بات تھی۔ ورنہ فوما یا کوئی اور مجھے کام کے لئے کون مجبور کر سکتا تھا۔۔۔ باقی رہی ان لوگوں کی بات۔۔۔ تو پروفیسر! مجھے پوستیا کے کچھ الفاظ یاد تھے۔

اس نے کہا تھا پروفیسر! کہ اس کی تو میں بھی قائل نہیں ہوں کہ کسی کی زمین پر قبضہ کر کے اسے بے دخل کر دیا جائے۔ لیکن زمین پر تھوڑی سی حیثیت تو ہم لوگوں کی بھی ہونی چاہیئے۔

اور پوستیا کی یہ بات مجھے متاثر کر گئی تھی۔۔۔ میں نے سوالیہ انداز میں فوما کی طرف دیکھا۔۔۔ فوما کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا، پھر اُس نے گردن ہلائی اور بولا۔

"اس بات کے بارے میں میں نے ابھی تک بہرصورت کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا لیکن سبوتا۔۔۔ تم مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"میرا اپنا خیال ہے فوما کہ ان میں سے صرف ان سرکش لوگوں کو قتل کر دیا جائے جو سازش کے بانی ہیں۔۔۔ جو یہاں اپنی حکومت چاہتے ہیں۔۔۔ باقی رہا ان تمام لوگوں کا مسئلہ تو میری رائے ہے کہ ایک جزیرہ بلکہ ایک بڑے جزیرے کا ایک حصہ ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور باقی تین حصوں میں تمہاری بھرپور قوت رہنی چاہیئے تاکہ ان پر نگاہ رکھی جا سکے۔۔۔ جزیرے کا وہ حصہ جو ان کے لئے مخصوص کیا جائے اس میں ان کی زندگی گزارنے کی ہر سہولت موجود ہونی چاہیئے۔ انہیں حکم دیا جائے کہ وہ اپنی ہر طرح کی کارروائی کر سکتے ہیں۔ انہیں اس حصے پر مکمل آزادی دے دی جانی چاہیئے۔

چاہے اس حصے پر وہ کاشتکاری کریں یا کچھ اور کریں یا زندگی گزارنے کے لئے ہر وہ طریقہ جو انہیں پسند ہو۔۔۔ لیکن ضروری ہوگا کہ ان کی ہر نقل و حمل پر نظر رکھی جائے۔ اگر ان میں کچھ اور لوگ بھی آ کر شامل ہو جاتے ہیں تو ایک حد تک برداشت کر لیا جائے۔ باقی یوں سمجھو کہ ان کی ایک نوآبادی بنا دی جائے تاکہ وہ زندگی بسر کر سکیں۔۔۔ لیکن حکومت کے دستِ نگر رہ کر ہی۔۔۔" میں نے کہا۔

فوما خاصی حد تک متاثر نظر آ رہا تھا۔ شاید اسے میری تجویز پسند آئی تھی۔" پھر وہ بولا۔ "لیکن سبوتا۔۔۔ ہم اس تجویز کو پایۂ تکمیل تک کیسے پہنچا سکتے ہیں؟"

"یہ کام کرنا کوئی زیادہ مشکل نہ ہوگا فوما۔۔۔ یہ کام ہم ان کو مجبور کر کے بھی لے سکتے ہیں اور ان پر کچھ ذمّے داریاں بھی ڈال سکتے ہیں۔ ہاں، اگر وہ سرکشی کی کوشش کریں تو ان پر فوج کشی کر کے ان کی بغاوت کو کچل دیا جائے۔"

فوما غور سے میری تجاویز سنتا رہا، پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔ "مناسب خیال ہے سبوتا۔۔۔ میں بھی اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ دشمنوں پر زمین تنگ کر دی جائے۔ انہیں بھی زندہ رہنے کا حق مکمل طور پر حاصل ہے اور میں اس حق کو تسلیم کرتا ہوں۔۔۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اگر انہوں نے کوئی سازش کی، یا سرکشی کی کوشش کی تو پھر انہیں برداشت نہیں کیا جائے گا۔" فوما نے کہا۔ اور میں فوما کی اس تجویز سے متفق تھا۔

"ہاں۔ تم انہیں یہ اطلاع دے سکتے ہو کہ انہیں ان کی سرکشی کی اتنی زبردست سزا دی جائے گی کہ آئندہ وہ بغاوت کرنا بھول جائیں۔" میں نے کہا اور فوما نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ سنجیدگی سے کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"درحقیقت تُو نے بہت اچھی بات کہی ہے سبوتا! صرف اس لئے نہیں کہ تُو میری مدد کر رہا ہے تو میں تیری یہ بات قبول کر لوں، بلکہ میں نے بارہا سوچا ہے کہ اگر میری حکومت یہاں قائم ہوتی تو میں ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا، ظاہر ہے بے شمار انسانوں کو تہس نہس تو نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ اس کے علاوہ یہ لوگ بھی زندگی گزارنے کا حق رکھتے ہیں۔۔۔ اور ضروری نہیں ہے کہ ان میں سے ہر شخص غلط ہو۔"

"بے شک۔" میں نے تائید کی۔

"تُو مطمئن رہ سبوتا۔۔۔ تُو نے جو کچھ کہا ہے، وہ مجھے یاد ہے۔ اگر مجھے اپنی حیثیت دوبارہ حاصل ہو گئی تو میں ایسا ہی کروں گا۔۔۔ اور ہر سلسلے میں تیرا مشورہ شامل کروں گا۔ تیری حیثیت جو کچھ میری نگاہ میں ہے سبوتا! شاید تُو اس سے واقف نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے فوما۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ تُو نے میری بات مان لی۔" میں نے مطمئن انداز میں کہا۔

ہم لوگ بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حکیم ہاکو آ گیا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہت خوب، کیا میری آمد سے پہلے ہی کارروائی شروع ہو گئی؟"

"نہیں حکیم ہاکو! ہم کچھ دوسری باتیں کر رہے تھے۔" فوما نے جواب دیا۔ اُس نے اس سلسلے میں حکیم ہاکو کو کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ اس لئے میں نے بھی خاموشی ہی اختیار کر لی۔۔۔ اس کے بعد ہم تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

مسئلہ یہ تھا کہ اب کیا کیا جائے۔۔۔ دونوں نے سوال کرنے کے بعد میری طرف دیکھا اور فوما نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے سبوتا۔۔۔ تیرے جانے کے بعد ہم نے تیرے بارے میں بہت سی گفتگو کی۔"

"تو کیا اس گفتگو کے بارے میں تم مجھے نہ بتاؤ گے؟" میں نے فوما سے پوچھا۔

"دراصل سبوتا! حکیم ہاکو کا یہ خیال ہے کہ تیری پُراسرار قوتیں صرف جسمانی حد تک محدود نہیں ہیں بلکہ تُو جسمانی طور پر طاقتور ہے ہی، ذہنی بھی بہت طاقتور ہے۔ اور جو بھی قدم اٹھاتا ہے اس میں [illegible] مصلحت بھرپور قوت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں تیری رائے سب سے مقدم ہے۔ ہم تیری رائے کو سب سے بڑی حیثیت دیتے ہیں۔ ہمیں بتا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

"بات یہ ہے فوما۔۔۔ کہ میں تمہارے ذاتی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں چاہتا تھا۔ لیکن تمہارے اس سلسلے میں اتنی ہی دلچسپی محسوس کرتا ہوں، جتنی کہ خود تم، چنانچہ اب میرا خیال ہے کہ تم اپنی اصلی حیثیت میں ظاہر ہو جاؤ۔"

"اوہ۔" فوما نے معنی خیز انداز میں حکیم ہاکو کی طرف دیکھا۔

"لیکن کس طرح؟" حکیم ہاکو نے پوچھا۔

"آج کی میٹنگ میں تم تمام بستیوں کے سرداروں کو جمع کرو اور حکیم ہاکو! تم انہیں یہ بتاؤ کہ آج جس سلسلے میں انہیں بلایا گیا ہے اسی کا انکشاف کیا جانے والا ہے۔ جہاں یہ میٹنگ ہوگی، وہاں فوما بھی موجود ہوگا۔۔۔ اور حکیم ہاکو! اس میٹنگ کے لئے تمہارا مکان ہی سب سے بہتر ہے۔ تم انہیں مختصر حالات بتاتے ہوئے ان کا جائزہ لو کہ وہ اس سلسلے میں کیا مناسب سمجھتے ہیں اور اس کے بعد ان پر اظہار کر دو کہ فوما ان کے درمیان موجود ہے اور وہ تنہا نہیں ہیں۔ اگر وہ کام کریں گے تو فوما کی سرکردگی میں۔ تب فوما کو ان کے سامنے پیش کر دو تاکہ ان کے حوصلے بڑھ جائیں اور اس کے بعد انہیں اُن کے علاقوں میں روانہ کر دو۔۔۔ اور ان سے کہو کہ وہ اپنے طور پر کارروائیاں کریں۔ جہاں تک سکائی کے لئے کام کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ جس وقت سرداروں سے بات چیت ہو جائے گی تو ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے تھوڑے تھوڑے آدمی ابتدائی طور پر یہاں بھیج دیں اور اس کے بعد یہاں کارروائی شروع کر دی جائے۔"

"مناسب خیال ہے سبوتا! ہم تیری ذہنی قوتوں کے معترف ہیں۔" فوما اور حکیم ہاکو نے تعریفی انداز میں کہا۔ "لیکن اس سے کیا کوئی خاص اثر پڑے گا؟"

"ہاں۔۔۔ دراصل میرا مقصد یہ تھا کہ سب سے پہلے ہم سکائی پر ان زرد رُو لوگوں کی بستی پر قبضہ کر لیں اور اس کے بعد کوئی دوسرا عمل کریں۔"

"دوسرے عمل سے تمہاری کیا مراد ہے سبوتا؟" فوما نے پوچھا۔

"دراصل میری تم سے پہلے بھی بات ہوئی تھی فوما کہ جب ہم نے پہلا قدم سکائی سے اٹھایا ہے تو میرا خیال ہے کہ ہمارے باقی کام بھی سکائی میں ہی ہونے چاہئیں۔ گویا سکائی ہمارا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہاں سے ہم اپنی کارروائی کا آغاز کریں، اس کے علاوہ سردار اپنے اپنے علاقے میں

انتہائی ذہانت و مہارت سے اپنا کام شروع کر دیں — اس کے علاوہ میرے ذہن میں کچھ اور تجاویز ہیں جنہیں اگر تم چاہو تو میں بتا دوں۔"

"ہاں ہاں۔ ابھی بتا دو — ضرور۔" حکیم ہاکو نے دلچسپی سے کہا۔ فوما بھی اس گفتگو میں پوری پوری دلچسپی لے رہا تھا۔

"سکائی کے رہنے والوں کا رابطہ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ زردرو لوگوں کا رابطہ جہازوں کے ذریعے ہی دوسرے علاقوں سے رہتا ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ظاہر ہے۔"

"گویا یہاں سے لوگ جاتے رہتے ہیں اور وہاں سے آتے رہتے ہیں؟"

"یقیناً۔" حکیم ہاکو نے کہا۔

"تو چند جہاز — میرا مطلب ہے سکائی پر قبضہ کرنے کے بعد دُور دُور تک گشت پر پھیلا دو — جو زردرُو باہر سے آئیں انہیں آنے دیا جائے اور پھر جو کچھ بھی معلومات یا خبر وہ یہاں پر لے کر آئیں، وہ خبر ان سے بآسانی معلوم کی جا سکتی ہے، ان کو پھر ہمیشہ کے لئے یہاں بند کر دیا جائے۔ اس طرح اُن کی کارروائیاں کمزور بھی پڑ جائیں گی اور جب سردار اپنی تیاریاں مکمل کر لیں — تو پھر ایک بڑے حملے کا اعلان کر دیا جائے۔ فوما، شبالا کو پیغام بھیجے کہ چونکہ وہ خود موجود ہے، اس لئے شبالا خود کو فوما کی خدمت میں پیش کر دے۔ اس کے بعد ہم ان زردرُوؤں کا ردِعمل دیکھ لیں گے۔ ہم یہ بھی دیکھ لیں گے کہ وہ خود کس حد تک کارروائی کرتے ہیں اور پھر ہم اس کارروائی سے نمٹنے کا طریقہ بھی سوچ لیں گے۔"

"بہت مناسب تجویز ہے۔" حکیم ہاکو نے متاثر لہجے میں کہا۔

"میں نے کہا تھا نا حکیم ہاکو —" فوما بولا۔ "سبوتا جو کچھ بتائے گا وہ انتہائی جامع اور مکمل ہو گا۔"

"تو ٹھیک ہے پھر کارروائی کی ابتدا یہاں سے شروع کی جانے کی منظوری دی جاتی ہے؟" حکیم ہاکو نے پوچھا۔

"ہاں حکیم ہاکو — اور اس سلسلے میں چند ضروری اُمور کا بندوبست بھی کر لو۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ جس عمارت میں تم تمام سرداروں کو جمع کرو، اس عمارت کے بارے میں یہ معلومات حاصل کر لو کہ اس عمارت سے کوئی بات باہر تو نہیں جا سکتی — ہم ہر طرح ہوشیار رہنا چاہتے ہیں۔"

"بہت مناسب ہے۔ میں اس بات کی مکمل طور پر کوشش کروں گا کہ ہر کام نہایت اطمینان اور تسلّی سے ہو۔" حکیم ہاکو نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے — تھوڑی دیر کے بعد فوما کو وہاں پہنچا دیا جائے۔" میں نے کہا اور ہم تینوں اس بات پر متفق ہو گئے۔

حکیم ہاکو وہاں سے چلا گیا — فوما بڑی دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"درحقیقت تُو میرے لئے قسمت کا بہت بڑا انعام ہے سبوتا!"

"اوہ فوما — اس بات کو چھوڑو۔ جاؤ دیکھو تمہاری محبوبہ جاگ گئی یا نہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ ہاں۔ نغامہ کی نیند پوری ہو گئی ہو گی۔" فوما نے کہا اور پھر معذرت آمیز انداز میں مجھے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد فوما اور نغامہ اسی کمرے میں آ گئے جہاں میں موجود تھا۔ نغامہ دروازے میں ٹھٹھکی، چند ساعت مجھے دیکھتی رہی اور پھر وہ میرے قدموں میں جھک گئی۔ نغامہ کی آنکھیں مسلسل آنسو بہا رہی تھیں۔ تب میں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھا لیا۔

"سبوتا — سبوتا — میں اب ٹھیک ہو گئی ہوں سبوتا! تُو مجھے یاد ہے، تُو نے میرے لئے جو کچھ کیا ہے میں زندگی بھر تیرے احسان سے بری الذمہ نہ ہو سکوں گی۔"

"اوہ، نہیں نغامہ — تم دونوں مل گئے، سب سے خوشی کی بات یہی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فوما کے دل سے وہ خیال نکل گیا، جو اس کے ذہن میں پرورش پا رہا تھا، جو تمہارے خلاف تھا — فوما! کیا تُو نے نغامہ کو اس بارے میں بتایا؟"

"ہاں سبوتا — میں نے اس سے پوچھا تھا۔ لیکن نغامہ اس بات سے بے خبر تھی کہ شراب میں زہر ہے۔ یہ شراب اسے دوسرے ذرائع سے مہیا کی گئی تھی — یعنی ان ذرائع سے ہی جہاں سے شراب ملتی تھی۔ لیکن کسی طرح اس میں زہر شامل کر دیا گیا تھا۔ میری موت کے بعد نغامہ نیم دیوانی ہو گئی — اسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ میری موت اسی زہر کی وجہ سے ہوئی ہے۔"

"بہرصورت جو کچھ بھی ہوتا ہے ٹھیک ہی ہوتا ہے۔ ہمیں اس کے لئے زیادہ پریشان یا فکرمند نہیں ہونا چاہیئے — تم دونوں مل گئے مجھے انتہائی خوشی ہے — اور میں اس وقت اور زیادہ خوش ہوں گا جب تمہاری حکومت تمہیں واپس مل جائے گی۔"

"سبوتا — سبوتا! بس، تیرا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔" فوما نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"الفاظ نہیں ہیں تو شکریہ ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بس اب تم جاؤ۔ ذرا نغامہ کو ناشتہ وغیرہ کرا دو۔ ممکن ہے حکیم ہاکو کی طرف سے بلاوا آ جائے — میں شمانہ اور دولابا کو تلاش کر کے یہاں بھیجے دیتا ہوں۔ اب یہ تینوں عورتیں یکجا رہ سکتی ہیں۔" میں نے کہا اور فوما نے گردن ہلا دی۔ تب میں باہر نکل آیا۔

شمانہ حکیم ہاکو کے مکان میں دولابا کے پاس موجود تھی۔ دونوں خوش نظر آ رہی تھیں۔ شاید شمانہ، دولابا کو اپنی زندگی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ دولابا سخت حیران تھی۔ مجھے دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئیں۔ پھر دولابا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ہنستے ہوئے مجھ سے کہا۔

"تم دونوں کی زندگی کے حالات بے حد عجیب، بے حد دلکش اور بے حد خوبصورت ہیں۔ شمانہ نے مجھے ان کے بارے میں ساری تفصیل بتا دی ہے۔"

"میں جانتا ہوں دولابا — عورتیں جہاں بیٹھتی ہیں یہی گفتگو کرتی ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور دونوں عورتیں ہنسنے لگیں۔ تب میں نے ان سے کہا کہ وہ اٹھیں اور میرے ساتھ چلیں — دولابا تیار ہو گئی تھی — لیشک زیور اس کے ساتھ مصروف تھا، اس لئے اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت تو نہیں تھی اور ظاہر ہے لیشک کو میرے اوپر پورے طور سے اعتماد تھا۔ سو میں ان دونوں عورتوں کو لے کر سمندر کے کنارے بنے ہوئے لکڑی کے اس مکان پر پہنچ گیا جہاں فوما اور نغامہ موجود تھے۔

فوما دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے نغامہ کو اس بارے میں کچھ بتا دیا تھا چنانچہ شمانہ اور دولابا نغامہ کے پاس پہنچ گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد حکیم ہاکو کا پیغام ہمارے پاس پہنچ گیا۔

تب میں فوما کو لے کر حکیم ہاکو کے مکان کی جانب چل پڑا۔ فوما کو اس انداز میں چادر اوڑھا دی گئی تھی جیسے بیماروں کو اوڑھائی جاتی ہے۔ اس طرح فوما دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ بھی ہو گیا تھا۔

حکیم ہاکو کا مکان مکمل طور پر خالی کرا لیا گیا تھا۔ اس نے مکان کے عقبی دروازے پر ہمارا استقبال کیا — اور پھر فوما کو ایک عقبی کمرے میں پہنچا دیا۔ پھر اس نے آہستہ سے گردن ہلائی اور مجھ سے بولا۔ "سبوتا! اب میں تمام سرداروں کو یہاں لے آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑے ہال میں تمام سردار جمع ہو گئے۔ بہت سے لوگوں کو مکان کے چاروں طرف پھیلا دیا گیا تھا اور ہدایت کر دی گئی تھی کہ کوئی مکان کے قریب نہ پھٹکنے پائے۔

سرداروں کے چہروں پر تجسّس تھا۔ بہت سی نگاہوں میں مجھے دیکھ کر حیرت اُبھر آئی تھی۔ تب حکیم ہاکو نے اس جلسے کی کارروائی کا آغاز کیا۔

"سردارو! پہلے میں اپنے اوپر تمہارے اعتماد کا خلوصِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم نے میری دعوت کو لبیک کہا اور یہ جانے بُوجھے بغیر طویل سفر کر کے یہاں آئے کہ میں تم سے کیا کہنا چاہتا ہوں — سردارو! میری خواہش ہے کہ تم سب متفقہ طور پر کسی ایک سردار کو اپنا بڑا بنا لو تاکہ بحث اور گفتگو میں حصہ لے کر تمہاری جانب سے سوالات کرے کہ یہی بہتر طریقہ ہوتا ہے۔"

سرداروں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ پھر متفقہ طور پر ادہارا کو سربراہ بنا لیا گیا۔ یہ ایک معمّر اور ذہین سردار تھا — اس کا اعلان کیا گیا، اور پھر ادہارا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"حکیم اور دانشور ہاکو! تُو ضعیف العمر ہے اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ تُو ہمارے مرحوم سردار فوما کا جاں نثار تھا اور فوما تیرے اوپر مکمل اعتماد کرتا تھا۔ پھر تُو نے ہمیں آواز دی تو فوما کا نام لے کر — تُو نے یہ پیغام نہیں بھجوایا تھا کہ فوما کے نام پر علاقے کی بقا کے لئے ہم تیرے پاس پہنچ جائیں؟"

"ہاں۔ میرا پیغام یہی تھا — اور فوما کی قسم! غلط نہیں تھا۔" حکیم ہاکو نے کہا۔

"تب بھروسہ کر — ہم نے یہاں آ کر تیرے اوپر احسان نہیں کیا ہے۔ بلکہ تیرے شکرگزار ہیں کہ جو بات ہم سب انفرادی طور پر سوچ رہے تھے اور اسے کرنا چاہتے تھے، تُو نے عملی طور پر کر دی۔ بلاشُبہ اس بات کی ضرورت تھی کہ ہم سب ایک محور پر جمع ہو کر کوئی فیصلہ کر سکیں اور کوئی اچھا اقدام کر سکیں۔"

"مناسب بات ہے۔" بہت سے لوگوں نے تائید کی۔

"تو پھر حکیم ہاکو! بتا — تُو نے ہمیں کیوں طلب کیا تھا؟"

"میں وہی بتانے جا رہا ہوں دوستو! جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ فوما کی جُدائی کے بعد اس بات کے امکانات قوی تر ہو گئے تھے کہ وہ ہم پر قابو پا لیں۔"

"بے شک یہ امکانات قوی تر ہو گئے تھے۔"

"اور اس کے لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم سب مِل کر کچھ سوچیں۔" ہاکو نے کہا۔

"ہاں، یقیناً — بستیوں کے حالات اس قدر بگڑتے جا رہے ہیں کہ انہیں سنبھالنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔"

"تو سردارو! اس سوال کا جواب انفرادی ہو گا — میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمہاری اپنی بستیوں میں تمہاری حیثیت کیا ہے؟"

"اس سوال سے تمہارا کیا مقصد ہے حکیم ہاکو؟"

"تم اپنے طور پر وہی قوت رکھتے ہو — یا تم میں سے کوئی ایسا

بھی ہے جو خود کو کمزور پاتا ہو؟"

"کئی بستیاں ہیں حکیم ہاکو — جہاں زرد رُود حکمرانوں کی مدد سے زیادہ طاقتور ہو گئے ہیں اور یہ وہی بستیاں ہیں جہاں انہوں نے اپنی پسند کے آدمی کو حکمران بنا دیا ہے۔"

"خوب۔ تمہارے اپنے آدمیوں کے جوش و خروش کی کیا کیفیت ہے؟"

"وہ سب مضبوط ہیں۔ لیکن جانتے ہیں کہ ان کی تنہا آواز کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" سردار نے جواب دیا۔

"اور یہ صورتحال جس قدر خوفناک ہے اس کا اندازہ سب کو ہے؟"

"یقیناً۔ ہم لوگ اپنے اپنے علاقوں میں یہ بات محسوس کر رہے تھے۔"

"کیا فوما کی جدائی ہم سب کی بدبختی نہ تھی؟" حکیم ہاکو نے پوچھا۔

"ہاں۔ فوما ہمارے درمیان سے گیا تو ہماری کمر ٹوٹ گئی۔ ہم سب بے سہارا ہو گئے۔ فوما ہمارا عظیم باپ، ہمارا محافظ، ہمارا رکھوالا....."

او ہارا کی آواز بھرا گئی۔

"تمہیں اندازہ ہے دوستو! کہ فوما کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا؟"

"کیا؟" بہت سی آوازیں اُبھریں۔

"ہاں — یہ بات کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔ لیکن یہ بات ایک ایسے شخص نے بتائی جو ہم میں سے نہیں ہے اور جس کا تعلق زرد فاموں سے بھی نہیں ہے —" اور عقلمندوں کی نگاہیں میری جانب اُٹھ گئیں۔

ایک اجنبی کی حیثیت سے میں ہی ان کے سامنے تھا۔

"اجنبی کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟" او ہارا نے پوچھا۔

"یہ تشریح بھی کر دی جائے گی۔ میں اسے تشنہ چھوڑ کر اب ایک دوسرا سوال کرنا چاہتا ہوں — اور سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟" ہاکو نے کہا۔

"کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔ یہ بہت عمدہ قدم ہے حکیم ہاکو! کہ تم نے ہماری بستیوں کے لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس طرح تم نے ایک عظیم کام کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ یہاں ہم کسی لائحہ عمل پر متفق ہو جائیں اور زرد فاموں کو اپنی زمین سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنا لیں۔" او ہارا نے کہا۔

"اب میں تمہیں ایک اور اطلاع دیتا ہوں۔ ایک ایسی اطلاع جو ہماری خوش بختی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ ہمارے ستارے گردش سے نکل چکے ہیں۔"

"اوہ، جلدی بتاؤ ہاکو — ہم منتظر ہیں۔" بہت سی آوازیں اُبھریں۔

"اس کا نام سبوتا ہے۔ لیکن تم اسے وہ روشن ستارہ کہہ سکتے ہو جو ہماری بستیوں کے آسمان پر ہماری تقدیر کے اُجالے لیکر چمکا ہے۔ سبوتا نے جو بات ہمیں بتائی ہے، میرا مطلب ہے زہر والی بات، وہ خود فوما نے سبوتا کو بتائی تھی۔"

لوگ احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے پھر کئی آوازیں اُبھریں۔

"فوما نے؟"

"ہاں — فوما نے۔"

"لیکن فوما نے اسے یہ بات کب بتائی؟ کیا مرتے وقت؟"

"نہیں، مرنے کے بعد۔" ہاکو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ایک بار سب لوگ تعجب سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہاکو کو پاگل سمجھ رہے ہوں۔

"براہ کرم ہمارے جذبات سے نہ کھیلو ہاکو!"

"مجھے حق ہے دوستو — ہاں مجھے حق ہے کہ میں جس طرح کا مذاق چاہوں تم سے کروں — کیونکہ میں تمہیں ایسی ہی خوشخبری دینے والا ہوں۔"

"حکیم ہاکو — براہ کرم جو کچھ بتانا چاہتے ہو، جلدی بتاؤ۔"

"حکیم ہاکو — تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"جلدی کہو حکیم ہاکو —!" سب ہی بے دُم ہوئے جا رہے تھے۔

"میرے دوستو! ہماری خوش بختی کا سورج غروب نہیں ہوا ہے۔ زرد رُود فوما جیسے عظیم انسان کو اپنے راستے سے ہٹا کر سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے میدان صاف کر لیا ہے لیکن ....."

"لیکن کیا فوما —؟" گھبرائی ہوئی آوازیں اُبھریں۔

"ہمارا سورج تابندہ ہے — فوما زندہ ہے۔"

"زندہ ہے —؟" آوازوں میں ہیجان تھا اور پھر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ لوگ پاگلوں کی طرح اُچھل کود رہے تھے۔ انہوں نے ہاکو کو پکڑ لیا تھا "حکیم ہاکو! ہم مر جائیں گے۔ جلدی بتاؤ — جلدی بتاؤ۔" وہ اسے جھنجوڑ رہے تھے۔

"ہاں عظیم فوما زندہ ہے۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ کہاں ہے — وہ کہاں ہے؟" لوگ ہاکو کی بُری حالت بنائے دے رہے تھے۔ بمشکل تمام ہاکو نے انہیں ٹھنڈا کیا۔

"میں تفصیل بتانے جا رہا ہوں۔ سنو! غور سے سنو! اور یہ بھی سنو کہ یہ اطلاع اسی شخص نے دی ہے جس کا نام سبوتا ہے۔ کیا یہ ہمارے لئے عظیم ستارہ نہیں ہے؟"

"آہ، اسے کیسے معلوم؟ یہ کون ہے؟ فوما کہاں ہے ہاکو —؟ جلدی بتاؤ۔"

"یہ شخص سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ فوما کی لاش اسے ملی، اس نے اسے نکال لیا۔ تب اسے اپنی حکمت سے یہ اندازہ ہوا کہ فوما زندہ ہے۔ یہ اسے نہیں جانتا تھا لیکن — اس نے فوما کی خدمت کی اور بالآخر اس کی زندگی واپس لے آیا — اس نے فوما کو نئی زندگی بخش دی۔"

"پھر — پھر کیا ہوا؟"

"فوما نے اسے اپنے حالات بتائے اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ فوما کو اس کی مطلوبہ جگہ پہنچا دے گا۔ تب وہ اسے لے کر سکائی آ گیا۔"

حکیم ہاکو نے کہا۔

یہ ساری اطلاعات ان لوگوں کے حواس پر بجلیاں گرا رہی تھیں۔ ہر لمحے کا نیا انکشاف ان کے لئے سوہانِ رُوح بن گیا تھا — اور میں حکیم ہاکو کی اس بچکانہ فطرت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ بعض معاملات میں ایک عمر رسیدہ شخص بچہ بن جاتا ہے، پروفیسر! تمہارا کیا خیال ہے؟

"ایں — ہاں شاید —" پروفیسر خاور کو یہ مداخلت زیادہ پسند نہیں آئی تھی۔

جیسے اس کہانی کو تم بچوں کی مانند ہی سُن رہے ہو۔ تو وہ لوگ اب سنسنی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ تب حکیم ہاکو نے کہا۔

"ہاں۔ وہ اسے سکائی لے آیا — اور مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے فوما کی خدمت کی۔ میں نے اس کے لئے رازداری کا بندوبست کیا اور اسی کی ہدایت پر میں نے تم سب لوگوں کو یہاں بلوا لیا۔"

"فوما کہاں ہے ہاکو —؟ ہمارا فوما کہاں ہے؟ آہ! بتا دو۔ آہ، بتا دو حکیم ہاکو — ہمارے صبر کا اور امتحان نہ لو۔"

"سبوتا — فوما کو لے آؤ۔" اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں اس ہال سے باہر نکل گیا۔ جب میں فوما کے ساتھ اندر داخل ہوا تو فوما کے پرستار صف بنائے ہوئے کھڑے تھے۔ اور اس کے بعد عجیب عجیب جذباتی مناظر دیکھنے میں آئے۔ سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور وہ فوما کے پاؤں چوم رہے تھے، اسے چاٹ رہے تھے۔

"آہ فوما — ہمارے آقا! یہ آنکھیں اس قابل تو نہ تھیں کہ دوبارہ تیری زیارت کر سکیں — آہ، کیا ہمارے نصیبوں کی انتہا نہیں ہے۔"

فوما ان سب سے گلے ملا اور پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"میرے وفادارو — میرے جان نثارو! مجھے زندگی ملی۔ میری مدد ایک ایسی ہستی نے کی جو عام لوگوں سے کہیں برتر ہے۔ ہاں — اگر وہ نہ ہوتا تو تم مجھے کبھی نہ پاتے اور میرا بدن سمندر کی موجوں سے لڑتا ہوا بالآخر مچھلیوں کا شکار بن جاتا۔ لیکن ہم سب کی خوش بختی نے سبوتا کو سمندر میں بھیج دیا — اور پھر میں نے سکون کی سانس لینے کے بعد حکیم ہاکو، اپنے وفا شعار کے ذریعے تمہیں پکارا۔ میں خوش ہوں کہ آج ہم پھر یکجا ہیں — جذبات کو ذہن سے نکال دو۔ آؤ — اب کام کی باتیں کریں۔"

بڑی مشکل سے وہ لوگ اعتدال پر آ سکے۔ سب کے چہرے جوش اور جذبے سے گلنار ہو رہے تھے۔ تب فوما نے کہا۔

"میرے ساتھیو! ہم حالات سے ناواقف نہیں ہیں۔ میرے پیچھے ان بستیوں میں جو کچھ ہوا ہے، میں اس سے بھی لاعلم نہیں ہوں۔ ابھی چند روز قبل سبوتا زیورا اس کے جہاز میں شکایا گیا تھا۔ راستے میں یہ مانگا جزیرے میں رُکا۔ کیا تمہیں مانگا کے بارے میں معلومات ہیں؟"

"ہاں فوما — مانگا جزیرے پر تارس حکمراں ہے۔ شبالا نے اسے خاص طور سے وہاں مقرر کیا ہے اور تارس ایک بد طینت اور لالچی انسان ہے۔"

"سبوتا نے بھی یہی بتایا ہے۔ بہر حال سبوتا نے [illegible] کر دیا ہے اور اس نے وہاں زبردست تباہی پھیلائی ہے۔ ممکن ہے شکایا سے شبالا کے جہاز زرد رُودوں کو لے کر یہاں آ جائیں اور سبوتا اور ریشک کی گرفتاری کا مطالبہ کریں۔ میں یہیں سے جنگ کا آغاز کر دینا چاہتا ہوں۔"

"پوری قوم تیرے ساتھ ہے فوما۔" سردار گرجے۔

"تب میری ہدایت ہے، اپنی اپنی بستیوں میں جاؤ اور اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں کرو — خفیہ پیمانے پر اس خبر کو گردش دو کہ فوما زندہ ہے۔ اور پھر جب تمہیں ہدایت ملے، اپنے اپنے علاقوں میں جنگ کرو۔ ہمیں ایک باقاعدہ نظام کے تحت جنگ کرنا ہے۔ زرد رُودوں کی توجہ بانٹ دو اور ان کی طاقت کو ختم کر دو۔"

"تو ہمارے ساتھ ہے فوما! ہم ایسا ہی کریں گے۔"

"میں اس کام کی ابتدا سیکائی سے کروں گا۔"

"تیری کامیابی یقینی ہے فوما۔" سردار چیخے۔ بڑا جوش تھا ان میں۔

"تمہارے ساتھ جتنے لوگ آئے ہیں، ان میں سے پانچ پانچ لڑاکے میرے پاس چھوڑ دو۔ میں عوام کی طاقت کو لے کر پہلے سکائی کو ان سے پاک کر لیتا ہوں۔ اور ہاں، اس سلسلے میں ایک مکمل ضابطۂ عمل تم تک پہنچ جائے گا، اس کے مطابق کام کرنا ہے۔ میری مراد ہے کہ زرد رُودوں میں بھی اُن لوگوں کا خیال رکھنا ہے جو گھُن کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں بے گناہ انسانوں کا قتل کبھی نہ پسند کروں گا۔ ہاں جو تمہارے خلاف جنگ میں شریک ہوں، انہیں معاف کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔"

"فوما کے اس حکم کا خیال رکھا جائے گا۔" سرداروں نے جواب دیا۔ اس کے بعد فوما انہیں مختلف ہدایات دیتا رہا اور پھر اس کے اشارے پر سردار منتشر ہونے لگے۔ انہوں نے فوما کے ہاتھ چُومے اور پھر انتہائی خلوص سے انہوں نے میرے ہاتھ بھی چُومے اور او ہارا بولا۔

"عظیم سبوتا! نہ صرف ہم بلکہ ہماری اولادیں، ہماری نسلیں تیری نسلوں کا احترام کریں گی، ان سے محبت کریں گی کہ تُو نے ہمارے فوما کو نئی زندگی دے کر ہم پر احسانِ عظیم کیا ہے۔"

تو اندازہ تھا کہ اب فوما کا راز، راز نہ رہے گا اور اس کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی جاتی تھی کیونکہ فوما اب کھُل کر سامنے آ گیا تھا۔ ہاں اس وقت تک رازداری درکار تھی جب تک سردار اپنے علاقوں میں مضبوط نہیں ہو جاتے۔ تو اس کے لئے بہتر طریقہ یہ تھا کہ جزیرے کے راز جزیرے سے باہر ہی نہ جانے دیئے جائیں اور سکائی کے زرد رُودوں کی پوری طرح ناکہ بندی کر دی جائے — پوری طرح۔

پہلے سردار کے جہاز نے سیکائی کا ساحل چھوڑ دیا۔ وہ لوگ فوری طور پر کارروائی شروع کر دینا چاہتے تھے۔ تب میں نے فوما کے سامنے دوسری تجویز پیش کی۔

"سرداروں کو اپنے علاقوں میں جانا ہے فوما ۔۔۔ لیکن میں خواہشمند ہوں اس بات کا کہ چند مضبوط جہاز سکائی میں قیام کریں کیونکہ ہم سکائی کو ہر لحاظ سے مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے یوں کرو کہ ایک جہاز میں دو سردار جائیں۔ پہلے جہاز ایک سردار کو اس کے علاقے میں اُتارے اس کے بعد دوسرے سردار کے علاقے میں جائے۔ اس طرح کچھ جہاز یہاں رہ جائیں۔"

"بات دانشمندی کی ہے۔ یقیناً انہیں اعتراض نہ ہوگا۔" فوما نے کہا اور پھر یہ احکام بھی سرداروں تک پہنچ گئے۔ چنانچہ اس طرح سکائی کے پاس آٹھ مضبوط جہازوں کا بیڑہ تیار ہو گیا۔ جن پر لوگ بھی موجود تھے اور یہ وہی لوگ تھے جو مختلف علاقوں کے سرداروں نے فوما کی خدمت میں چھوڑے تھے۔

یہاں تک کہ آخری سردار بھی روانہ ہو گیا اور مجھے اندازہ ہونے لگا کہ اب اس علاقے کی کہانی کا آخری منظر قریب آ رہا ہے اور ظاہر ہے اس کے بعد ۔۔۔ مجھے بھی یہاں نہیں رہنا تھا۔ یوں بھی کافی دن ہو گئے تھے پروفیسر! اور ستارے کچھ اور چاہتے تھے۔ ستارے میرے دوست جن سے میں نے طویل عرصے سے ملاقات نہیں کی تھی۔ نہ جانے ستارے اب کون سی کہانی تخلیق کر رہے تھے۔

اور تم جانتے ہو ستاروں نے جو کہانیاں تخلیق کیں، وہ اپنے اندر انفرادیت رکھتی تھیں' ایک انوکھی انفرادیت ۔۔۔ سو میں تو ستاروں کی چال سے چلنے والوں میں سے تھا۔

آخری سردار کو روانہ ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ ان تین دنوں میں بالکل خاموشی نہیں طاری رہی تھی بلکہ ہم اپنے طور پر کام کرتے رہے تھے۔ میرے ہی ایما پر حکیم ہاکو نے درختوں کے موٹے موٹے شہتیروں کی کٹائی کا حکم دے دیا تھا اور لوگ مصروف ہو گئے تھے۔ ان شہتیروں کی مدد سے سمندر سے تھوڑے فاصلے پر ایک اونچا مینار تعمیر کیا گیا اور جس دن مینار مکمل ہوا تو فوما نے اس کا معائنہ کیا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

"میں اس کا مقصد جانتا ہوں سیوتا!" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کیا یہ مینار تُو نے دُور سے آنے والے جہازوں کو دیکھنے کے لئے نہیں تعمیر کرایا ہے؟"

"یہی بات ہے فوما۔"

"تیرے اندر نہ جانے کون کون سی قوتیں ہیں سیوتا! در حقیقت میں آج بھی تجھ سے اتنا ہی لاعلم ہوں جتنا روزِ اوّل تھا۔ ممکن ہے' شمانہ مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔" اس نے مسکرا کر کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔ یہ دعویٰ تو ابتدا سے آج تک کی کوئی لڑکی نہیں کر سکتی تھی۔

ہاں' مینار کی افادیت ایک روز ظاہر ہو گئی جب ان پر چڑھے لوگوں نے بتایا کہ سمندر اور آسمان کی لکیر پر چند بادبان نظر آ رہے ہیں اور سورج کی تمازت نے ان پر لگے ہوئے جھنڈوں کے رنگ بھی نمایاں کئے تھے۔ بلاشبہ یہ جھنڈے شکایا کے تھے۔



اس دلچسپ داستان کے

باقی واقعات

چوتھے حصے

میں ملاحظہ کیجیے